قرآن مجید کی تفسیریں

چودہ سو برس میں

www.KitaboSunnat.com

خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

قرآن مجید کی تفسیریں

چودہ سو برس میں

- ابو عبد اللہ سفیان بن سعید بن مسروق الثوری الکوفی، م ۷۷۷ء
- ابن قتیبہ، م ۸۸۹ء
- ابو منصور محمد بن محمد بن محمود سمرقندی ماتریدی، م ۹۴۴ء
- ابو نصر احمد بن محمد بن نصر بخاری، م بعد ۱۰۸۲ء
- محمد بن محمد احمد الغزالی، م ۱۱۱۱ء
- محمد بن احمد بن محمد کمال الدین زاہد شرقی بخاری، م ۱۲۸۳ء
- بہا (الدین) بن محمود بن ابراہیم، م قبل ۱۳۰۰ء
- شرف الدین حسین بن محمد بن عبد اللہ الطیبی، م ۱۳۴۲ء
- قاضی شہاب الدین دولت آبادی، م ۱۴۴۵ء
- فیضی، م ۱۵۸۰ء
- مرزا جان دہلوی، م ۱۵۸۶ء
- عماد الدین محمد عارف عبد النبی بن سراج الدین المعروف الشیخ عبد النبی شطاری، م ۱۶۲۶ء
- ملا شاہ، م ۱۶۶۲ء
- شاہ ولی اللہ دہلوی، م ۱۷۶۲ء
- محی الدین سید عبد اللطیف، م ۱۷۹۰ء
- شاہ مراد اللہ انصاری سنبھلی، م قبل ۱۷۸۱ء
- شاہ عبد العزیز، م ۱۸۲۴ء
- سید ولی اللہ فرخ آبادی، م ۱۸۳۲ء
- ولی اللہ فرنگی محلی، م ۱۸۵۲ء
- صبغۃ اللہ، قاضی الملک، م ۱۸۶۳ء
- عبد اللہ چھپروی، م ۱۹۰۲ء
- حمید الدین فراہی، م ۱۹۳۰ء
- ثناء اللہ امرتسری، م ۱۹۴۸ء
- عبد الخبیر عماد چھپروی، م ۱۹۷۳ء
- عبد الوہاب خان، م بعد ۱۹۶۴ء
- مفتی محمد شفیع، م ۱۹۷۶ء
- عبد الماجد دریابادی، م ۱۹۷۷ء
- علی نقی، م ---
- امین احسن اصلاحی، باحیات
- عطاء اللہ پالوی، باحیات

خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآنیات پر خدا بخش جنوبی ایشیائی علاقائی سمینار ۱۹۸۹ء کے مقالات

تقسیم کار : مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی ۔ ۱۱۰۰۲۵

صدر دفتر :

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی ۔ ۱۱۰۰۲۵

شاخیں :

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اردو بازار، دہلی ۔ ۱۱۰۰۰۶
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، پرنسس بلڈنگ، بمبئی ۔ ۴۰۰۰۰۳
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، یونیورسٹی مارکیٹ، علیگڑھ ۔ ۲۰۲۰۰۲

اشاعت : ۱۹۹۵ء
قیمت : دوسو روپے

لبرٹی آرٹ پریس (پروپرائٹرز مکتبہ جامعہ لمیٹڈ) پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی میں طبع ہوئی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیشگفتار

خدا بخش لائبریری عربی فارسی مخطوطات اور اردو نوادر کا ایسا ذخیرہ ہے، جس پر پورے برصغیر کو ناز ہے۔ ۱۹۶۹ء میں پارلیمنٹ کے ایکٹ نے اسے قومی اہمیت کا ادارہ تسلیم کرکے وہ درجہ دیا جو اس کا استحقاق تھا۔ لیکن غریب (ترقی پذیر) ملک جیسا کہ ہم ہیں، اور جاہل کندہ ناتراش قوم جیسا کہ ہماری پیشانی کے خطِ تقدیر سے پڑھا جاسکتا ہے، ہم اس موقف میں نہیں ہیں کہ تعلیم و تہذیب کی ترویج و اشاعت صرف کالج اور یونیورسٹی کے حلقے میں بخش کے مطمئن ہو جائیں کہ خدا بخش جیسی لائبریری کا کام تو بس کتابیں جمع کرنا ہے! زیادہ سے زیادہ یہ کہ کوئی قسمت کا مارا اسکالر پڑھنے کے لیے آ نکلے (اور یہ مخلوق اب کم سے کم تر ہوتی جا رہی ہے) تو اسے کتابیں پڑھوا دیں۔ لائبریری کا روایتی تصور یہی رہا ہے!

مگر

ہم بڑی کم نصیب قوم ہیں۔ بیماری، بھوک اور جہالت ہماری اہم ترین میراث ہے۔ بیماری / بھوک دور کرنا ہمارا بس نہیں۔ مگر جہالت دور کرنے میں ہم میں سے ہر ایک اپنے بس بھر کچھ نہ کچھ تو کر ہی سکتا ہے۔ افراد کم، ایسے ادارے زیادہ۔ یہ بڑی کم نظری کی بات ہوگی اگر ہم ایک غریب قوم' دنیا کا پانچواں حصہ، اپنی تعلیم و تربیت کے لیے صرف اسکول کالج پر اکتفا کر بیٹھیں۔ ہم یہ عیاشی جھیل نہیں سکتے۔ ہمیں تو اپنے تمام سرچشموں کو زیادہ سے زیادہ استعمال کرنا ہوگا، تب کہیں جا کر اس صدی کے اواخر تک جہالت کا ایک حقیر حصہ دور ہو پائے گا۔ خدا بخش لائبریری نے کوشش کی ہے کہ نئے ہندوستان میں جو آدم بن رہا ہے اس کی تشکیل میں اپنے بس بھر حصہ بٹائے۔

اوپن (کھلی) یونیورسٹی کا رسمی تصور جو بھی رہا ہو، آج کے ہندوستان کو جس طرح کے ادارے کی ضرورت ہے، خدا بخش نے اپنے کو اس میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔ اس طور پر کہ اس کے ہر اقدام سے علم پھیلے، گھر گھر پھیلتا جائے! عوامی سطح پر، طلبا کی سطح پر، غیر جامعاتی دانش وروں کی سطح پر، علمی تحقیق و جستجو کی سطح پر، مقامی، قومی اور بین الاقوامی پیمانے پر۔ جنوبی ایشیائی قوم کی موجودہ جوہڑ جیسی حالت ہے اس میں اپنے خول میں سمٹے رہنا آج ایک سنگین اجتماعی جرم ہے۔ ایسے میں جہاں جس کی جتنی وسعت ہے، اسے اپنی سکت بھر قومی تشکیل میں حصہ لینا ضروری ہے۔ خدا بخش لائبریری مختلف طریقوں سے اس میں اپنا حصہ بٹاتی ہے اور جو جو طریقے اس نے اپنائے ہیں اس میں بنیادی خیال یہی ہے کہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کسی نہ کسی طور سے علم اور معلومات کو زیادہ سے زیادہ دور تک بکھیرا جائے کہ یہ سمٹے ہوئے ایک گروہ کی جاگیر بننے کے بجائے ہر سینے کی امانت بن جائیں۔

عربی فارسی مخطوطات کی خصوصی لائبریری ہونے کے ناتے، لائبریری نے جنوبی ایشیائی پیمانے پر آٹھ دس برس کے لیے ایک منصوبہ تیار کیا ہے کہ برصغیر کے کتابخانوں اور ذاتی ذخیروں میں مخطوطات کی شکل میں ہماری قیمتی میراث کے جو بھی زر و جواہر مدفون ہیں انھیں جلد سے جلد سامنے لے آیا جائے۔ خدابخش لائبریری نے اس کے لیے یہ طریق کار اختیار کیا ہے کہ ہندستان، پاکستان، بنگلہ دیش تینوں جگہ تین ٹیمیں اپنے اپنے ملکوں کے عربی، فارسی، اردو مخطوطات کے ذخیروں کی فن وار ایک جامع فہرست تیار کرتی ہیں، اور ۵۰ کے قریب اس فن کے ماہر اہم ترین مخطوطات پر تفصیلی مقالے لکھتے ہیں، وہ جامع فہرستیں اور یہ مقالے خدابخش لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن کے تعاون سے ہونے والے جنوبی ایشیائی سمینار کے سالانہ اجلاس میں بحث کے لیے پیش کیے جاتے ہیں۔ بحث کے نتیجے اور سبجیکٹ کمیٹی کی صوابدید سے، پھر اُس فن کی ایک جامع تر فہرست دوبارہ تیار ہوتی ہے، جس کی ضخامت پچھلی سے آدھی رہ جاتی ہے۔ یہ جامع تر فہرست طبع شدہ تراجم (جن کی اصلیں موجود ہیں) اور بالکل فضول چیزیں نکال کے، پہلے، دوسرے، اور تیسرے پایہ کی درجہ بندی کے ساتھ سامنے لائی جاتی ہے، تاکہ اہل نظر اُسے آخری بار آنک لیں اور پھر تدوین و ترتیب، اور ممکن ہو تو ترجمے کے لیے بھی پر پرواز وا کریں۔

اس امید کے ساتھ کہ اس تدبیر سے کم سے کم مدت میں زیادہ سے زیادہ فوائد کا حصول ممکن ہو سکے گا، برصغیر کے مخطوطات کے ذخیرے کو، چند بڑے عنوانات میں بانٹ کے، ہر بار کوئی ایک فن موضوعِ سخن بنا کے ہفتہ دس دن اس پر بھرپور گفتگو کی جو منصوبہ سازی ہوئی، اور اس کے تحت طب یونانی پر اس سلسلے کا پہلا سمینار مارچ ۱۹۸۴ء میں منعقد ہوا: تین دن کا سیشن پٹنہ میں پھر تین دن دہلی میں۔

تصوف کے موضوع پر اس سلسلے کا دوسرا سمینار مارچ ۱۹۸۵ء میں منعقد ہوا۔ تین دن کا سیشن پٹنہ میں پھر تین تین دن کے سیشن علیگڑھ اور دہلی میں منعقد ہوئے۔

طب مخطوطات اور تصوف مخطوطات پر سمیناروں کی روداد ملاحظہ میں آ چکی۔ اب یہ قرآنیات پر مخطوطات کے بارے میں جو خدابخش سمینار ۱۹۸۹ء میں منعقد ہوا، اس کے مقالات کا مجموعہ پیشِ خدمت ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہرست

۱۔	تفسیر ثوری از ابوسفیان ثوری (دوسری صدی ہجری)	حکیم اسرار الحق، پٹنہ	۱
۲۔	ابن قتیبہ کی تفسیری خدمات ــ ایک جائزہ	جناب توقیر عالم فلاحی، شعبۂ دینیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ	۱۰
۳۔	تفسیر ماتریدی کے خصائص	ڈاکٹر محمد صغیر حسن معصومی، پاکستان	۲۶
۴۔	انیس المریدین وروضۃ المحبین	ڈاکٹر افتخار احمد مدنی، پٹنہ	۳۳
۵۔	امام غزالی کی تفسیر سورۂ یوسف کا علمی تجزیہ	ڈاکٹر فضل الرحمٰن ندوی، علیگڑھ	۴۰
۶۔	تفسیر کاشف الحقائق وقاموس الدقائق کا تعارف	جناب منظر علی خاں، نظام الدین، نئی دہلی	۵۱
۷۔	مصباح العاشقین ــ ایک تعارف	ڈاکٹر اشتیاق احمد ظلی، علیگڑھ	۶۰
۸۔	فتوح الغیب فی کشف عن قناع الریب	جناب یحییٰ ندوی، بیگوسرائے	۶۷
۹۔	تفسیر بحر مواج مؤلفہ قاضی شہاب الدین دولت آبادی	ڈاکٹر میر نجم الدین علی خاں، حیدرآباد	۷۵
۱۰۔	سواطع الالہام کا جائزہ	ڈاکٹر حامد علی خاں، علیگڑھ	۷۹
۱۱۔	تفسیر سورۃ الکوثر از مرزا جان دہلوی	ڈاکٹر غیاث الدین ندوی، لکھنؤ	۱۰۵
۱۲۔	دستور المفسرین کا ایک تعارفی مطالعہ	ڈاکٹر ظفر الاسلام، علیگڑھ	۱۱۰
۱۳۔	تفسیر ملا شاہ ــ ایک تعارف	جناب سید شاہ محمد اسماعیل، پٹنہ	۱۲۸
۱۴۔	حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کا ترجمہ قرآن اور اسکی اہمیت	جناب محمد ظفیر الدین مفتاحی، دیوبند	۱۳۸
۱۵۔	مقدمہ فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن والفوز الکبیر وفتح الخبیر کا ایک ترجمہ	جناب ضیاء الدین اصلاحی، اعظم گڑھ	۱۵۱
۱۶۔	فتح الرحمٰن ایک تنقیدی مطالعہ	جناب محمد سعود عالم قاسمی، علیگڑھ	۱۶۷
۱۷۔	تفسیر لطیفی پر ایک نظر	ڈاکٹر وحید اشرف، مدراس	۱۸۱
۱۸۔	تفسیر مرادیہ کا ایک جائزہ	جناب اخلاق حسین قاسمی، دہلی	۱۹۲
۱۹۔	تکملہ تفسیر فتح العزیز ــ ایک تعارف	جناب محمد برہان الدین سنبھلی، لکھنؤ	۲۰۲
۲۰۔	نظم الجواہر ونضد الفرائد ــ ایک مطالعہ	جناب حبیب الرحمٰن میواتی، دہلی	۲۱۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۱-	مولانا ولی اللہ فرنگی محلی کی تفسیر معدن الجواہر	جناب مسعود عالم قاسمی، علیگڑھ	۲۲۳
۲۲-	تفسیر فیض الکریم	جناب صلاح الدین محمد ایوب، مدراس	۲۳۶
۲۳-	مولانا عبداللہ چھپروی نزیل کلکتہ اور قرآن کے بعض اردو تراجم کا جائزہ	جناب ابو محفوظ الکریم معصومی، کلکتہ	۲۳۹
۲۴-	مولانا حمید الدین فراہی کی تفسیر سورۃ الشمس کا جائزہ	جناب ضیاء الدین اصلاحی، اعظم گڑھ	۲۷۷
۲۵-	مولانا حمید الدین فراہی کے غیر مطبوعہ قرآنی حواشی	جناب سلطان احمد اصلاحی، اعظم گڑھ	۲۸۹
۲۶-	مولانا ثناء اللہ امرتسری کی تفسیری خدمات	جناب عبدالمبین ندوی، اعظم گڑھ	۳۰۱
۲۷-	مولانا عبدالخبیر صادقپوری کی تشریح سورہ فاتحہ کا جائزہ	ڈاکٹر سید محمد طلحہ رضوی برق، آرہ	۳۱۶
۲۸-	اردو تفسیر تقریب القرآن کا تعارف	جناب عبدالسلام خاں، رامپور	۳۱۸
۲۹-	علامہ مفتی محمد شفیع کی تفسیر معارف القرآن کا جائزہ	جناب انیس الرحمٰن قاسمی، پٹنہ	۳۳۸
۳۰-	تفسیر ماجدی۔ ایک جائزہ	جناب محمد عمیر الصدیق دریابادی ندوی، اعظم گڑھ	۳۴۶
۳۱-	قرآن اور فرقہ شیعہ اور مولانا علی نقی صاحب کے ترجمہ تفسیر قرآن پر ایک نظر	ڈاکٹر سید فرمان حسین، علی گڑھ	۳۶۳
۳۲-	تدبر قرآن (جلد اول) کا جائزہ	جناب فخر الاسلام اعظمی، اعظم گڑھ	۳۷۷
۳۳-	مقدمہ مطالب القرآن	جناب عطاء اللہ پالوی، پالی گنج، جہان آباد	۳۸۸
۳۴-	تیموری مغلوں کے عہد میں تفاسیر	جناب سید فرخ جلالی، علی گڑھ	۴۲۷
۳۵-	مولانا آزاد لائبریری میں تفسیر سورہ فاتحہ کے مخطوطے	ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی، علیگڑھ	۴۳۱
۳۶-	ندوہ کے قرآنی مخطوطات کا مختصر تعارف	جناب محمد برہان الدین سنبھلی، لکھنؤ	۴۴۴
۳۷-	چند اہم مخطوطہ و مطبوعہ شیعی تفاسیر کا جائزہ، اہم تفسیری موضوعات کی روشنی میں	پروفیسر سید محمد کمال الدین حسین ہمدانی، علی گڑھ	۴۴۷
۳۸-	نزول قرآن سے سات حروف کا ربط۔ ایک مطالعہ	ڈاکٹر محمود الحسن، نیشنل فیلو، خدا بخش لائبریری، پٹنہ	۴۵۵
۳۹-	قرآن مجید کے املا و قواعد سے متعلق بعض مسائل کی توضیح	ڈاکٹر مقصود احمد، بڑودہ	۴۶۵
۴۰-	قرآن مجید کے املا و قواعد سے متعلق بعض مسائل	پروفیسر نذیر احمد	۴۷۸
۴۱-	قرآن اور مشکلات قرآن	حکیم نعیم الدین زبیری، پاکستان	۴۹۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکیم اسرار الحق
پٹنہ

تفسیر ثوری

دوسری صدی ہجری کے امام ابو سفیان ثوری

للامام ابی عبداللہ سفیان بن سعید بن مسروق الثوری الکوفی المتوفی ۱۶۱ھ = ۷۷۷ء بروایۃ ابی جعفر محمد عن ابی حذیفۃ النہدی تقطیع متوسط صفحات ۴۸۴ تصحیح و ترتیب و تعلیق امتیاز علی عرشی مدیر مکتبہ رضا رامپور ہند وزارت تعلیم کی معاونت سے ہندستان پرنٹنگ ورکس رامپور سے ۱۳۸۵ھ = ۱۹۶۵ء میں شائع ہوئی۔ زبان عربی

صفحہ ۱ تا ۴ فہرست ہے، صفحہ ۵ تا ۴۰ مرتب کا مقدمہ، صفحہ ۱ تا ۳۴۴ تفسیر قرآن، صفحہ ۳۴۵ تا ۴۴۰ تراجم رجال صفحہ ۴۴۲ سے ۴۲۸ تک صحابہ کا تذکرہ، صفحہ ۴۲۸ سے ۴۴۰ تک تابعین کا تذکرہ صفحہ ۴۴۱ سے ۴۵۸ تک استدراک تراجم صفحہ ۴۵۹ سے ۴۷۶ تک فہرست اشخاص و قبائل و اقوام ہے۔ ایک صفحہ پر فہرست اماکن و بلاد ہے اور ایک صفحہ پر فہرست کتب دالسنہ ہے آخر صفحہ پر فہرست اغلاط ہے۔

یہ تفسیر حضرت سفیان ثوری کی تصنیف یا تالیف نہیں ہے۔ بلکہ ان کے وہ اقوال ہیں جو مختلف اوقات میں کسی سائل کے جواب یا کسی مسئلہ کے بیان کرنے میں حضرت ثوری نے بیان کیے۔ جس کو ان کے شاگردوں نے یاد رکھا یا یادداشت کے طور پر لکھ لیا۔ زیر نظر نسخہ ابو جعفر محمد کا مرتبہ ہے۔ جس کو انہوں نے سفیان ثوری کے شاگرد رشید ابو حذیفہ نہدی سے سن کر ترتیب دیا ہے۔ اس لیے آیات کی تفسیر میں تقدم و تاخر کا اعتبار نہیں کیا ہے، جب اور جیسے سنا قلم بند کر لیا۔ اختصار کا یہ عالم ہے کہ سورہ بقرہ جیسی طویل سورہ کی تفسیر صرف ۲۳ صفحات میں ہے جبکہ پہلے صفحہ پر ۶ سطریں دوسرے پر ۹ زیادہ سے زیادہ گیارہ سطور ہیں۔ سورہ جاثیہ کی ۶ سطروں میں، سورہ احقاف کی ۱۳ سطروں میں، سورہ فتح ۷ سطروں میں سورہ حجرات کا ۵ سطروں میں سورہ ق کی ۶ سطور ہیں اور سورہ طور کی ۵ سطور میں امتیاز علی عرشی مقدمہ میں لکھتے ہیں، رضا لائبریری رامپور میں اس تفسیر کے دو نسخے ہیں جو اول و آخر ناقص ہیں۔ ان دو نسخوں کے علاوہ تیسرے نسخہ کا علم مجھے نہیں ہو سکا۔ مشکل یہ پیش آئی کہ ایک عہد میں دو سفیان ہیں، سفیان ثوری اور سفیان عیینہ

محكم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صاحب کشف الظنون کے مطابق دونوں مفسر قرآن ہیں یہ نسخہ دونوں سفیانوں میں سے کس کا ہے اس کی تعیین کیسے ہو۔

مطالعہ کے دوران دو قوی دلیلیں مجھے ملیں جس سے مجھے یقین ہو گیا کہ یہ سفیان ثوری کی تفسیر ہے۔

پہلی دلیل:۔ سورہ صافات کے شروع میں مجھے ایک اسناد ملی "حدثنا محمد ثنا ابو حذیفہ ثنا سفیان" ابو حذیفہ یہ وہی موسیٰ بن مسعود نہدی ہیں جو سفیان ثوری کے ساتھ بصرہ میں عرصہ تک رہے۔ اور علامہ سندھی نے ان کا ذکر سفیان ثوری کے استاد کے ذکر میں کیا ہے۔

دوسری دلیل:۔ سورہ بقرہ کی دوسری آیت والھکم الہ واحد الخ کی تفسیر میں ایک اسناد ہے سفیان عن ابیہ سعید بن مسروق عن ابی الضحیٰ۔ سعید سفیان ثوری کے والد کا نام ہے۔ تو مجھے یقین واثق ہو گیا کہ یہ اوراق سفیان ثوری کے تفسیر کے ہیں۔

کیفیت نسخہ ثوری: نسخہ ثوری بہ خط نسخ قریب بہ خط کوفی میں عربی کاغذ پر مرقوم ہے کاغذ کا رنگ سرخ ہے۔ تیسری صدی ہجری کی تحریر معلوم ہوتی ہے۔ چونکہ اول و آخر صفحات غائب ہیں اس لیے یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ صفحات پر نمبر بھی نہیں ہیں اوراق بوسیدہ ہیں جن کی تعداد ١٨ ہے۔ صفحات میں ١٧ سے ٢١ تک سطریں ہیں سائز کتاب ٢٦×١٧،٠٨ ہے کتابت کا سائز ١١،٣٠×٢٢ ہے۔

خصوصیات کتابت درج ذیل ہیں: ١۔ کاتب نے قرآن کریم کی آیات لکھنے میں مصاحف عثمانیہ کے رسم خط کی پیروی نہیں کی ہے۔ ٢۔ ابن عباس ابن مسعود وغیرہ کے لکھتے ہیں اکثر مواقع میں الف نہیں لکھا ہے۔ ٣۔ اسی طرح سفیان، حارث وغیرہ میں الف نہیں لکھا ہے۔ ٤۔ علماء حکماء جیسے الفاظ میں ہمزہ نہیں لکھا ہے ہمزہ کے بدلے الف بر مد لکھا ہے۔ ٥۔ سائب، وائل وغیرہ میں الف نہیں لکھا ہے۔ ٦۔ تقرؤنہا جیسے الفاظ میں بھی ہمزہ نہیں لکھا ہے ٧۔ صلی اللہ علیہ وسلم میں واو عاطفہ نہیں لکھا ہے نسخہ کے شروع میں یہ عبارت تحریر ہے۔ الاسلام یعنی ظھورہم فنزلت "لااکرہ فی الدین" سفیان عن منصور بن المعتمر عن مجاہد الخ نسخہ کے آخر میں سورۃ والطور سفیان عن عمرو بن مرہ عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال اللہ ... تحریر ہے۔

اس نسخہ میں قرآن کریم کی ٩٤ سورتوں کی تفسیر ہے۔ تمام سورتیں ترتیب عثمانی پر ہیں سورۃ محمد اور سورہ دخان کی تفسیر اس میں نہیں ہے۔ کیوں کہ ثوری کے پاس ان دونوں سورتوں کے متعلق کچھ نہیں تھا۔ آیات متعارف ترتیب سے نہیں ہیں۔ ان میں تقدم و تاخر پایا جاتا ہے بعد کی آیتیں پہلے اور پہلے کی بعد کو ہیں۔ بعض آیات کی تفسیر دوسری سورتوں کی آیات میں پائی جاتی ہیں۔

راوی کی تعداد: اس نسخہ میں راوی کی تعداد ١٩١ ہے۔ ان میں زیادہ تر مفسر مکہ ہیں روایتیں مرفوع ہیں یعنی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسول اللہ علیہ وسلم تک منتہی ہوتی ہیں۔

صحابہ کرام سے روایت: ثوری نے درج ذیل صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے روایت کی ہے حضرت ابوبکر حضرت عمر بن خطاب حضرت علی بن ابی طالب، عبداللہ بن مسعود، ابی بن کعب عبداللہ بن عمر، انس بن مالک، ابوسعید خدری، زبیر بن العوام، ابوہریرہ، عمار بن یاسر، ابوذر، ابن عباس، براء بن عازب، جابر بن عبداللہ، حذیفہ بن یمان، خباب بن الارت، سعد بن ابی وقاص، سلمان فارسی، عقبہ بن عامر، رضی اللہ عنہم اجمعین۔

امہات المومنین میں سے حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما اور وہ روائتیں جو درج ذیل حضرات سے کی ہیں ان میں سے اکثر منقطع ہیں حضرت مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، ابی رزین شعبی، اسدی، عطا، طاؤس، سعید بن مسیب، شریح، حسن بصری، ضحاک بن مزاحم، عمرو بن میمون، علقمہ، حبیب بن ابی ثابت، قاسم بن محمد، مسروق، محمد بن کعب، قرظبی، ابی ہیثم ابی مجاہد وغیرہم

کچھ مرتب کے بارے میں: امتیاز علی عرشی جو مشہور و معروف ادیب ہیں اردو ادب میں ان کا بڑا نام اور کام ہے۔ ہندستان کی مایہ ناز شخصیتوں میں ہیں۔ عربی اور تفسیر میں ان کا یہ کارنامہ قابل فخر ہے۔ اس سے ان کی عربی کی صلاحیت، دقت نظری، وسعت مطالعہ، ژرف بینی کا اندازہ ہوتا ہے انہوں نے بڑی عرق ریزی سے مبسوط مقدمہ اور تعلیق لکھا ہے۔ جو کتاب کی جان ہے۔ صرف ثوری کے حالات کے لیے تقریباً ۵۰ کتابوں کی ورق گردانی کی ہے۔ روایت کی تحقیق کے لیے انہیں کیا کرنا پڑا ہوگا اس کا اندازہ کتاب کے مطالعہ ہی سے ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کا یہ کارنامہ رہتی دنیا تک یادگار رہے گا۔ اور اہل علم وفن سے خراج تحسین وصول کرتا رہے گا۔

سفیان ثوری: حضرت سفیان ثوری عظیم لوگوں میں ہیں۔ ان کے تفسیری نکات قرآن فہمی میں بڑے معاون ہوتے ہیں۔ فقہ، حدیث اور تصوف میں بھی ان کا بڑا مقام ہے۔ ائمہ خمسہ میں ان کا شمار ہے سفیان ثوری خلیفہ عبدالملک اموی کے عہد خلافت میں، ۹۷ھ، ۷۱۵ء میں کوفہ میں پیدا ہوئے اپنے والد سعید بن مسروق ثوری کوفی جو کوفہ کے محدث اور ثقہ لوگوں میں تھے۔ ان سے اور اس زمانے کے مشاہیر سے تعلیم حاصل کی تفسیر میں ثوری کا شمار اکابر مفسرین میں ہوتا ہے۔ ان کا علم بالقرآن بہت وسیع تھا۔

ثوری قرآن کی تفسیر اپنی طرف سے نہیں بیان کرتے تھے، بلکہ صحابہ کرام اور تابعین کے اقوال بیان کرتے تھے۔ کیونکہ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ جس نے قرآن میں اپنی رائے سے کہا اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

ثوری سلیمان بن عبدالملک اموی، ابوجعفر منصور، اور مہدی تینوں خلفا سے تا مدت حیات نبرد آزما رہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عہدہ قضا کی پیش کش ٹھکرا دیے اور آئین جواں مرداں حق گوئی و بیباکی، کی وجہ سے قید و بند و جلاوطنی کی زندگی بسر کرتے ہوتے۔ ۱۶۱ ھ = ۷۷۷ء میں ۶۴ برس کی عمر میں جور داستبداد کے آہنیں پنجوں سے نجات پائی اور سحاب ابدی کے سایہ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سو گئے۔

کچھ تفسیر کے متعلق: تفسیر قرآن کریم وہ اہم کام ہے جس کے لیے تمام متعلقہ علوم و فنون میں جامعیت، لغات عرب پر پوری مہارت و واقفیت کے ساتھ اقوام و ملل کی تاریخ پر پوری دستگاہ درکار ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے۔ تفسیر قرآن چار طرح کی ہیں۔ (۱) وہ تفسیر جس کو علما جانتے ہیں (۲) وہ تفسیر جسکو عرب جانتے ہیں (۳) وہ تفسیر جو جہلا کرتے ہیں کہ یہ حلال ہے یہ حرام ہے (۴) وہ تفسیر جس کا علم صرف اللہ تبارک تعالیٰ کو ہے۔ اس کے علم کا دعوی کرنے والا جھوٹا ہے۔ نزول وحی کی ابتدا ہی سے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم مشکلات قرآن کریم کو سمجھاتے اور ذہن نشین کراتے رہے کبھی قرآن کی تفسیر دوسری آیات قرآنی کے ذریعہ فرماتے کبھی وحی خفی کے ذریعہ فرمایا کرتے تھے۔ اور صحابہ کرام اس کے حفظ کا پورا پورا اہتمام کرتے لیکن ان روایات کو کتب و صحائف میں نہیں لکھتے تھے۔

اس کی دو وجہیں تھیں۔ ایک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ مجھ سے قرآن کے علاوہ کچھ مت لکھو۔ دوسرے صحبت نبوی کی وجہ سے ان کا اعتقاد مستحکم و پر خلوص تھا اختلاف رونما نہ ہوا تھا۔ ثقہ لوگوں پر بھروسہ کی وجہ سے شریعت و احکام کی تدوین سے بے نیاز تھے بلکہ کچھ لوگ کسی علم کا لکھنا ناپسند فرماتے تھے۔

تابعین کا دور: جب دور صحابہ ختم ہوا یا اختتام کے قریب تھا تابعین کا دور شروع ہوا۔ اسلام بلاد و امصار میں پھیل گیا۔ صحابہ کرام اطراف عالم میں پھیل گئے۔ فتنے پیدا ہوئے۔ اختلاف رونما ہوا فتاوی کی کثرت ہوئی۔ علمائے کبار کی طرف رجوع زیادہ ہوا۔ تو ان لوگوں نے حدیث، فقہ اور علم قرآن کی تدوین شروع کی۔ تابعین میں اول مفسر جنکی تفسیر سب سے مقدم ہے۔ ابی العالیہ رفیع بن مہران ریاحی المتوفی سنہ ۹۰ ہجری ہیں جن سے ربیع بن انس نے روایت کی ہے۔ پھر تفسیر مجاہد بن جبیر المتوفی سنہ ۱۰۱ھ پھر عطا بن ابی رباح المتوفی سنہ ۱۱۴ھ پھر تفسیر محمد بن کعب القرظی المتوفی سنہ ۱۱۷ھ ہیں۔ اب مفسرین کی تین جماعتیں ہو گئیں۔ اول مفسر مکہ مکرمہ وہ تلامذہ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ تھے جن کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی۔ اللھم علمہ الحکمۃ وتاویل القرآن دوسرے مفسر کوفہ وہ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ تھے جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔ من احب ان یقرا القرآن غضا کما انزل لیقرا علی قراءۃ ابن ام عبد۔ تیسرے مفسر مدینہ منورہ وہ زید بن اسلم عدوی کے تلامذہ و اصحاب ہیں۔ انہیں کو قدمائے مفسرین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تبع تابعین: ان میں مشہور ترین شخصیت شعبہ بن حجاج المتوفی سنہ ۱۶۰ھ سفیان بن سعید الثوری المتوفی ۱۶۱ھ وکیع بن جراح المتوفی سنہ ۱۹۷ھ سفیان بن عیینہ المتوفی سنہ ۱۹۸ھ یزید بن ہارون المتوفی سنہ ۲۰۶ھ اسحٰق بن راہویہ المتوفی سنہ ۲۳۸ھ ہیں۔ ابوجعفر بن جریر طبری المتوفی سنہ ۳۱۰ھ نے اپنی تفسیر میں تابعین و تبع تابعین سے اکثر اقوال نقل کیے ہیں۔ بقیہ دست برد زمانہ کے ہاتھوں ضائع ہو گئے۔

ان تمام حضرات نے تفسیر کے اس اصول کو پیش نظر رکھا کہ قرآن کریم کی تفسیر خود قرآن کے ذریعہ کی جائے۔ اور اگر قرآن پاک میں نہ ملے تو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ کی جائے۔ اگر حدیث رسولؐ میں نہ ملے تو اجماع وقیاس سے تفسیر کی جائے۔ تفسیر سفیان ثوری میں حدیث پاک سے کلام پاک کی تفسیر کا التزام پایا جاتا ہے انہوں نے حتی الوسع قرآن کریم ہی سے تفسیر بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے بعد حدیث پاک سے تفسیر کی ہے۔

اہل علم و دانش سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ کسی کلام کی تفہیم اور معانی و مطالب کی تعیین میں اس کے پس منظر اور بیک گراؤنڈ سے آسانی ہوتی ہے۔ قرآن پاک کی آیات کی تفہیم و تعیین میں بھی اس کا پس منظر معین و معاون ہوتا ہے۔

ایک عورت کاشانۂ نبوت میں آتی ہے اور عرض کرتی ہے یا رسول اللہ میرا شوہر کہتا ہے کہ میں تمکو طلاق دیتا اور رجعت کرتا رہوں گا۔ اور ہر بار جب طلاق کی مدت گذرنے کے قریب ہوگی رجعت کر لوں گا۔ پھر طلاق دیدونگا۔ اسی طرح تمکو عمر بھر قید میں رکھونگا اس کی دکھ بھری داستان سن کر جبین نبوت شکن آلودہ ہوگئی۔ فوراً جبرئیل امین آئے اور فرمایا رب العزت فرماتے ہیں۔ الطلاق مرتٰن فامساکٌ بمعروفٍ او تسریحٌ باحسانٍ ه مردوں کو رجعت کرنے کا حق دو ہی طلاق تک ہے (طلاق رجعی) دو بار تک ہے۔ پھر قاعدہ کے مطابق روک لینا ہے (رجعت کر لینا ہے) یا خوش اسلوبی سے چھوڑ دینا ہے۔ و لا یحل لکم ان تاخذوا مما اٰتیتموھن اور تمہیں روا نہیں کہ جو کچھ عورتوں کو دیا (مہر) اس میں سے واپس لو۔ الا ان یخافا الا یقیما حدود اللہ۔ مگر جب دونوں کو اندیشہ ہو کہ اللہ کی حدیں قائم نہ کریں گے (حقوق زوجین) فان خفتم الا یقیما حدود اللہ فلا جناح علیھما فیما افتدت بہ۔ پھر اگر تمہیں خوف ہو کہ دونوں ٹھیک حدود خداوندی پر نہ رہیں گے تو ان پر کچھ گناہ نہیں اس میں کہ عورت بدلہ دیکر چھٹی لے۔

حضرت سفیان ثوری کے سامنے ایک شخص آیا اور اس نے بیان کیا کہ فلاں شخص نے اپنی بیوی کو دو مرتبہ طلاق دی ہے اسے رجعت کا بھی حق ہے اور چھوڑ دینے کا بھی حق ہے۔ متردد ہے کیا کرے۔ سفیان ثوری نے حدیث بیان کی۔

کان اصحاب عبد اللہ یقرؤنھا الا ان یخافا الا یقیما حدود اللہ ه اگر انہیں خوف و اندیشہ ہے کہ حقوق زوجین ادا نہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرسکیں گے تو چھوڑ دیں (تفسیر القرآن الکریم ص ۲۷، آیۃ ۲۲۹) اسی طرح ایک عورت جس کا نام جمیلہ اور اس کے باپ کا نام عبداللہ تھا، ثابت بن قیس بن شماس کے نکاح میں تھیں شوہر سے کمال نفرت کرتی تھیں دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں شوہر کی شکایت لیکر آئیں حضور نے بہت سمجھایا لیکن نہ مانیں آپ نے ثابت کو بلایا ثابت نے کہا اگر وہ میرے پاس رہنا نہیں چاہتیں ہیں میرا باغ جو میں نے ان کو دیا ہے واپس کر دیں میں طلاق دیدونگا۔ جمیلہ نے باغ واپس کر دیا اور انہوں نے طلاق دیدی۔ تو فرمان خداوندی جمیلہ و ثابت کے اس معاملہ کی تصدیق میں نازل ہوا۔ فان خفتم الا یقیما حدود اللہ فلا جناح علیھما افتدت بہ۔ باہم تفہیم نہ ہونے کی صورت میں اگر انہوں نے باغ واپس کر کے طلاق لے لی تو کوئی گناہ نہ کیا۔ دو طلاقوں تک حق رجوع معلوم ہوا لیکن اس کے بعد پھر طلاق دی تو عورت بحرمت مغلظہ حرام ہو جائے گی۔ تیسری طلاق کا حکم اس آیت میں ہے۔ فان طلقھا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ۔ پھر اگر تیسری طلاق اسے دی تو اب وہ عورت اس کیلئے حلال نہیں ہوگی جبتک دوسرے شوہر کے پاس نہ رہے۔

تین طلاقوں کے بعد عورت شوہر پر بحرمت مغلظہ حرام ہو جاتی ہے۔ اب نہ اس سے رجوع ہو سکتا ہے نہ دوبارہ نکاح جبتک حلالہ نہ ہو یعنی عدت کے بعد دوسرے سے نکاح کرے اور وہ بعد صحبت طلاق دے پھر عدت گزرے۔

اس کا ذکر "فان طلقھا فلا جناح علیھما ان یتراجعا ان ظنا ان یقیما حدود اللہ و تلک حدود اللہ یبینھا لقوم یعلمون" میں ہے۔

پھر وہ دوسرا طلاق دیدے تو ان دونوں پر گناہ نہیں کہ پھر آپس میں مل جائیں۔ اگر سمجھتے ہوں کہ اللہ کے حدود قائم رکھیں گے یہ اللہ کی حدیں ہیں جنہیں وہ بیان کرتا ہے دانشمندوں کے لیے۔ تفسیر القرآن الکریم ثوری ص ۲۷ سورہ بقرہ میں ہے۔

سفیان عن ھشام بن عروہ عن ابیہ قال کان الرجل یطلق امراتہ فاذا حاضت حیضۃ او حیضتین دون الحیضۃ الثالثۃ راجعھا ایضارھا ذلک فنزلت۔ واذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف او سرحوھن بمعروف ولا تمسکوھن ضرارا لتعتدوا ومن یفعل ذلک فقد ظلم نفسہ (آیۃ ۲۳۱)

سفیان ہشام بن عروہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ ایک شخص اپنی بیوی کو طلاق دیتا تھا اور جب اس کو ایک یا دو ماہواری ہو جاتی اور تیسری ماہواری قریب ہوتی تو اس کو تکلیف دینے کے لیے رجوع کر لیتا پھر یہ آیت نازل ہوئی واذا طلقتم النساء الخ۔

ثابت بن یسار انصاری تھے جو اپنی بیوی کو طلاق دیتے [illegible] ختم ہونے لگتی رجعت کر لیتے تھے۔ ان کے بیچ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ حکم خداوندی آیا۔ جب تم عورتوں کو طلاق دو اور ان کی میعاد ختم ہونے لگے، تو اس وقت تک یا بھلائی کے ساتھ روک لو یعنی چاہیے اچھا معاملہ کرنے کی نیت سے رجعت کرو۔ یا خوش اسلوبی سے چھوڑ دو یعنی عدت گزر جانے دو تاکہ وہ آزاد ہو جائیں۔ انہیں ضرر دینے کے لیے روکنا نہ ہو کہ حد سے بڑھو۔ جو ایسا کرے وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔ یعنی حکم الٰہی کی مخالفت کر کے گنہگار ہوتا ہے۔

طلاق کے احکام مفصل طور پر سورہ طلاق میں مذکور ہیں۔ تفصیل کے لیے کتب معتبرہ کا مطالعہ فرمائیں۔

(آیت ۱۳۰ تفسیر القرآن الکریم ثوری صفحہ ۷۹)

سفیان عن جریج عن مجاھد فی قولہ یا ایھا الذین امنوا لا تاکلوا الربوا اضعافا مضاعفا قال نزلت فی ثقیف و بنی المغیرۃ قال کان رجل یبیع البیع الی اجل فیحل (الاجل) فیقول اخرعنی ازیدک فنزلت الایۃ۔

سفیان جریج سے وہ مجاہد سے روایت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے قول یا ایھا الذین آمنوا لا تاکلوا الربا اضعافا مضاعفا کے بارے میں انہوں نے کہا کہ یہ آیت بنو ثقیف و بنو مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی انہوں نے فرمایا لوگ لین دین کرتے تھے ایک مدت تک کے لیے جب وہ مدت تمام ہو جاتی تھی تو کہتے تھے مجھے مہلت دو۔ میں تمہارے مطالبہ میں اضافہ کر دوں گا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (پارہ ۳ تلک الرسل رکوع ۵ میں ہے)

"الذین یاکلون الربوا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطن من المس ذالک بانھم قالوا انما البیع مثل الربوا۔ واحل اللہ البیع وحرم الربوا" جو سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن نہ کھڑے ہوں گے مگر جیسے کھڑا ہوتا ہے وہ جسے آسیب نے چھو کر مخبوط کر دیا ہو۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے کہا کہ بیع بھی تو سود ہی کے مانند ہے۔ حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام کیا۔ اس آیت میں سود کی حرمت اور سود خواروں کی شامت کا بیان ہے۔ سود کو حرام فرمانے میں بہت سی حکمتیں ہیں۔

دوسری آیت ہے یمحق اللہ الربوا و یربی الصدقت اللہ سود کو مٹاتا اور خیرات کو بڑھاتا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ نہ اس سے صدقہ قبول کرے نہ حج نہ صلہ "واللہ لا یحب کل کفار اثیم" اللہ کو ناشکرا بڑا گنہگار پسند نہیں آتا۔ "یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ و ذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مؤمنین" اے ایمان والو اللہ سے ڈرو جو سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم مسلمان ہو۔ "فان لم تفعلوا فأذنوا بحرب من اللہ و رسولہ وان تبتم فلکم رؤس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون" پھر اگر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تم ایسا نہ کرو گے تو اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کا اعلان سن لو۔ اگر تم توبہ کرو تو اپنا اصل مال لے لو۔ نہ تم کسی کو نقصان پہنچاؤ نہ تمہیں نقصان ہو۔ بنی عمیر اور بنی مغیرہ آپس میں بھائی برادر تھے۔ ان دونوں میں اول جماعت دائن اور دوسری مدیون تھی۔ اور بنو مغیرہ زمانہ جاہلیت میں سودی کاروبار پہ مال لیا کرتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی ثقیف یعنی ربیعہ بن عمرو سے مصالحت فرمائی تو انہوں نے مغیرہ سے اپنے سود کا مطالبہ کرنا چاہا جو ایک بڑی رقم تھی لیکن بنو مغیرہ نے یہ دیکھ کر دینے سے انکار کر دیا کہ جب اللہ اور رسول نے اس کو منع فرما دیا تو ہم ہرگز نہ دیں گے۔ چنانچہ معاذ بن جبل عتاب بن اسید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھا کہ بنو عمرو بنو عمیر دونوں بنو مغیرہ سے اپنے سود کا مطالبہ کر رہے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ "یاایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مومنین"

چنانچہ آپ نے معاذ بن جبل کو لکھ بھیجا کہ یہ آیت ان پر پیش کرو۔ اگر وہ مان جائیں تو اصل راس المال کے مطالبہ کا ان کو حق ہے۔ لیکن اگر باز نہ آئیں تو "فاذنوا بحرب من اللہ" سے ان کو خبردار کرو۔ بنی ثقیف نے سنا تو کہنے لگے لا ید لنا بحربہ مجھے ان سے لڑنے کی طاقت نہیں ہے۔

سود کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے اس کو حلال جاننے والا دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ حرام قطعی کا حلال کہنے والا مومن نہیں رہتا۔ وہ خلود نار کا مستحق قرار دیا جاتا ہے۔

مسئلہ در پیش یہ ہے کہ اس زمانہ میں تمام کاروبار بینک آفس ڈپوزٹ سیونگ بینک تجارتی کمپنیاں پورا معاشرہ اور اس کا کاروبار سود پہ چل رہا ہے۔ اس سے نجات کی کیا صورت ہے۔ مذہبی رہنما علمائے امت اور مقتدیان قوم ہی اس کا حل پیش کر سکتے ہیں عرصہ ہوا مختلف الخیال علماء کا ایک اجتماع ندوۃ العلماء لکھنؤ میں دور حاضر میں پیدا شدہ مسائل سے حل کے لیے ہوا تھا۔ اور اس نے بینک پراویڈنٹ فنڈ وغیرہ کے انٹرسٹ کو جائز قرار دیا تھا۔ لیکن اس میں ایک شرط یہ بھی تھی اگر آپ کا دل گوارا کرے۔ انگریزی لفظ انٹرسٹ بڑا وسیع المعنی ہے۔ اس کے معنی، تعلق، ہمدردی، فائدہ، بھلائی، نفع، حصہ، سود، سود مفرد، سود مرکب، دباؤ، اثر کرنا، راغب کرنا شریک کرنا، حصہ دینا وغیرہ کے ہیں۔

بینک میں جمع شدہ رقم تجارتی کاروبار میں لگائی جاتی ہے اس سے جو منافع آتے ہیں شیئر پر تقسیم کیے جاتے ہیں کمپنیوں میں ان کی پیداواری کھپت سے جو آمدنی ہوتی ہے۔ اسے شیئر ہولڈرز پر تقسیم کرتی ہے۔ پراویڈنٹ فنڈ بھی بینک میں جمع ہوتا ہے کاروبار میں لگایا جاتا ہے اس کے منافع میں سے جمع کرنے والوں کو ملتا ہے۔ اس کی شکل یوں ہوئی پونجی میری محنت تمہاری منافع کی تقسیم بہ مقدار پونجی۔ جواز کی یہی صورت ہو سکتی ہے واللہ اعلم بالصواب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن اس پر بھی تمام علماء متفق نہیں ہیں شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کی طرف جواز کی نسبت کی جاتی ہے لیکن میری نظر سے نہیں گذرا ہے۔ نہ میرا یہ منصب ہے اہل علم و فضل حضرات اس پر غور فرمائیں گے۔ سورہ مائدہ رکوع ۱۰ آیت وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ٥ چور مرد یا عورت ہو تو ان کا ہاتھ کاٹو۔ ان کے کیے کا بدلا اللہ کی طرف سے سزا۔ اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

چور اپنی چوری کا اقرار کرے یا دو مرد اس کی شہادت حاکم کے سامنے دیں اور چوری ثابت ہو جائے اور جو مال چرایا ہے دس درہم سے کم کا نہ ہو تو اس کا داہنا ہاتھ کاٹو۔ کیوں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی قرأت میں ایدیہما کی جگہ ایمانہما آیا ہے پہلی مرتبہ چوری میں دایاں ہاتھ کاٹا جائیگا پھر دوبارہ چوری کرے تو بایاں پاؤں اس کے بعد بھی چوری کرے تو قید کیا جائیگا۔ یہاں تک کہ توبہ کرے چور کا ہاتھ کاٹنا واجب ہے مال مسروق موجود ہو تو اس کا واپس کرنا بھی واجب ہے، اگر ضائع ہو گیا ہو تو ضمان واجب نہیں (تفسیر احمدی)

داھنا ھاتھ کاٹنے کی وجہ: حضرت عبداللہ بن مسعود کی قرأت کی وجہ سے ایدیہما سے بالاجماع داہنا ہاتھ مراد ہے۔ تو جب اس کے علاوہ دوسرا عضو محل قطع باقی ہی نہیں ہے اور داہنا ہاتھ جو محل قطع تھا وہ کٹ چکا تو پھر بایاں ہاتھ آخر کس قاعدہ سے کاٹا جاتے۔

نیز سارق اسم فاعل کا صیغہ ہے جو مصدر پہ دلالت کرتا ہے۔ اور مصدر میں تعدد کے بجائے وحدت ہوتی ہے۔ اور چونکہ وحدت کا فرد حقیقی ایک ہوتا ہے اور فرد حکمی کل چوریوں کا مجموعہ ہوتا ہے مگر تاوقتیکہ پوری چوریاں سامنے نہ ہوں فرد حکمی کیسے مراد لیا جا سکتا ہے اس لیے فرد حقیقی ایک ہی چوری لی جائے گی اور ایک جرم کی سزا ایک ہی ہو سکتی ہے۔ دو سزائیں نہیں ہوا کرتیں۔ اس لیے بایاں ہاتھ کاٹنے کی صورت نہیں نکلتی۔ تفسیر سفیان ثوری اس کی تفسیر سے خاموش ہے۔

• •

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

توقیر عالم فلاحی
شعبۂ دینیات مسلم یونیورسیٹی، علی گڑھ

ابن قتیبہ کی تفسیری خدمات — ایک جائزہ

فتح و کامرانی اور عروج و اقبال کے لحاظ سے تاریخ اسلامی میں عہد عباسیہ کا کوئی مثیل و معاند نظر نہیں آتا۔ خلفاء و ملوک کی سرپرستی اور حکومت کی غیر جانبدارانہ طرز عمل کی بنا پر ظاہری ترقیوں کے ساتھ ساتھ معنوی ترقیاں بھی خوب سے خوب تر ہوئیں۔ ذرائع و وسائل کی فراوانی، داد و تحسین کی طلب، خلفاء و امراء کی حاشیہ نشینی کی چاہت اور پورے طور پر سرکاری سرپرستی کی وجہ سے ہر چہار سو علوم و فنون کی لہر دوڑ گئی۔ ابوالعلاء المعری، ابو تمام، بحتری، ابونواس اور ابوالعتاہیہ شعر و شاعری کے ویرانے میں بہار بن کے آئے اور اس کے تنِ مردہ میں شاہین کا جگر پیدا کر دیا۔ دوسری طرف ابن مقفع، جاحظ، ابن عمید اور مبرد و صولی جیسے فرزندان ادب نے زبان و ادب کو اپنے خون جگر سے سینچا۔ نتیجتاً انشاء پردازی کا فن آسمان عروج تک جا پہنچا۔

ابن قتیبہ اسی قافلۂ علم و ادب کے ہم سفر ہیں جنھوں نے وقت کے مانے ہوئے اساتذہ اصمعی، ابو حاتم، ابو عبیدہ، ابن الاعرابی، ابو عمر الشیبانی، یونس اور ابو زید کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور بڑی کدّ و کاوش سے اپنے کشکول علمی کو پُر کیا۔ بعض لوگوں نے ابن قتیبہ کے مسلک کو مشکوک و مشتبہ نگاہوں سے دیکھا ہے جن میں حاکم اور بیہقی قابل ذکر ہیں۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ اگر ابن قتیبہ کے دور کو پیش نظر رکھا جائے، خلیفہ مامون کی بے جا رواداری کے نتیجے میں معتزلہ کی سرگرمیوں کا جائزہ لیا جائے، نظام و جاحظ کی ادبی کاوشوں کو عقیدہ و عمل کے ترازو میں پرکھا جائے اور ان کے بالمقابل ابن قتیبہ کی تخلیقات زیر مطالعہ ہوں تو اس اعتراف حقیقت سے گریز کی نوبت نہ آئے گی کہ ابن قتیبہ تیسری صدی ہجری کے اضطراب و کشمکش کے دور میں اسلام دشمن جماعتوں اور فرقوں کے بالمقابل تنہا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قدم رہے اور عامۃ الناس کو بدعقیدگی کی آلائشوں سے نکال کر شاہراہ مستقیم دکھاتے ہیں مقدمۃ الجیش کا فریضہ انجام دیا۔ انہوں نے ہمیشہ ہی اہل سنت کی دفاع کی ہے علم و عقیدہ میں ان کے ہی طرائق و مناہج کو برحق جانا ہے۔

ابن خلکان کے بقول یہ ان لوگوں میں سے تھے جن کی آنکھیں تلاوت کلام پاک کے وقت اشکبار ہو جاتی ہیں۔ عہدہ قضا سے برطرفی کے بعد جب خلوت اختیار کی تو اس دوران وہ تمام قضیئے اور فیصلے ذہن و دماغ میں گردش کیا کرتے تھے جو اپنے عہد قضا میں کئے تھے پھر وہ رونے لگتے تھے اور اپنے ہی نفس کو خطاب کرکے کہتے تھے، اے بدنصیب! تمہارے پاس دو آدمی اپنے معاملات کو لے کر آئے اور تم نے ایسا ایسا فیصلہ کیا، یوم الحساب میں تمہارا جواب کیا ہوگا۔

علامہ ابن تیمیہ نے ان پر لگائے گئے تمام تر الزامات کی نفی کرکے ابن قتیبہ کی عظمت کو واضح کیا ہے اور اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ جب جاحظ معتزلہ کی امامت و پیشوائی کا علم سنبھالے ہوئے تھا اس وقت ابن قتیبہ اہل سنت کی قیادت کا بار اپنے کاندھوں پر رکھے تھا۔

ابن قتیبہ کے مسلک اور اخلاق و کردار کے سرسری جائزے کے بعد اس کی ہمہ گیر بلکہ علم و ادب کے معاملے میں نابغۂ روزگار شخصیت بھی پیش نگاہ رہنی چاہئے۔ حیرت اور تعجب کی بات یہ نہیں ہے کہ ایک شخص کسی مخصوص موضوع یا فن کے خم و پیچ اور اسرار و نوامیس سے واقف ہو جائے اور یہ بھی نہیں کہ مروجہ دوسرے علوم و فنون سے شناسا ہو جائے۔ تعجب تو اس وقت ہوتا ہے جب کہ ایک شخص اپنے زمانے کے دیگر علوم و فنون کی بلندیوں پر فتح و تسخیر کی کمندیں ڈالے ہوا ہو۔ اس کی وسعت و ہمہ گیری اور گہرائی و گیرائی کے سبب یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوتا ہے کہ اس کی سعی و کاوش کا متعین موضوع کیا ہے اور اس کی دلچسپی و انہماک کا مخصوص میدان کون سا ہے۔ ابن قتیبہ جو تیسری صدی ہجری میں منصۂ شہود پر آتا ہے انہیں عبقری شخصیتوں میں ہے جنہوں نے بیک وقت علوم و فنون کے مختلف میدانوں میں مردِ غازی کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ جناب گولڈ زیہر ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں:

"HE WAS A VERY MANYSIDED SCHOLAR, A THEOLOGIAN, AN EXPERT OF HADITH, A PHILOLOGIST AND HISTORIAN. HE WROTE NUMEROUS WORKS WITH THE OBJECT THAT THE EVIL SERVANTS AND SEVERALLY THE EDUCATED PEOPLE MIGHT ACQUIRE THE NECESSARY KNOWLEDGE FROM [illegible]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترجمہ:۔" وہ گوناگوں علوم وفنون کا عالم، ماہر دینیات، ماہر حدیث، لغت نویس اور ایک مورخ کی حیثیت سے معروف تھا اس نے بہت ساری کتابیں اس غرض سے تصنیف کیں کہ شریف شیطان صفت خدام اور عام طور پر تعلیم یافتہ لوگ ان تصنیفات سے ضروری معلومات حاصل کر سکیں"

عبدالحمید سندالجندی (جنہوں نے اپنی تصنیف میں ابن قتیبہ کی شخصیت کے متعدد گوشوں پر بڑے سیر حاصل مباحث چھیڑے ہیں) کو اعتراف ہے کہ ابن قتیبہ وہ اول شخص ہے جس نے عربی انسائیکلو پیڈیا کی تالیف کی۔ متاخرین نے اسی سے نقوش راہ حاصل کیے۔ یہاں تک کہ قلقشندی نے اس کو اپنی موسوعہ میں اعلیٰ مقام تک پہنچا دیا ہے پس ابن قتیبہ موسوعات لکھنے والوں کا امام ہے۔[6]

عیون الاخبار اور کتاب المعارف ابن قتیبہ کی تاریخی تصنیفات میں اعلیٰ مقام کی حامل ہیں آخرالذکر کتاب المعارف کی عظمت کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ مسعودی اور ابن جریر جیسے بلند پایہ مورخین نے اسے اپنی تواریخ کا ماخذ قرار دیا ہے۔[7]

جرجی زیدان کے بقول" ابن قتیبہ کی تخلیق ادب الکاتب میں وہ تمام مباحث ہیں جن کے لئے ایک ادیب محتاج ہوا کرتا ہے۔[8]

غرض کہ تاویل مختلف الحدیث اور غریب الحدیث میں ایک محدث، عیون الاخبار میں ایک ادیب، الشعر والشعراء میں ایک ناقد، الاختلاف فی اللفظ والرد علی الجھمیۃ والمشبھۃ، میں ایک فلسفی اور متکلم کتاب المعارف میں ایک بلند پایہ مورخ، ادب الکاتب اور معانی الشعر میں ایک لغوی نیز کتاب الاشربۃ اور کتاب جامع الفقہ میں ایک فقیہہ نظر آتا ہے گویا کہ ایک شخص ایک کارواں ہے جو قیادت وپیشوائی کا علم سنبھالے ہوئے علوم وفنون کو نئی جہتوں سے روشناس کراتا ہے۔

یہ معمول رہا ہے کہ ایک شخص جو علوم وفنون کا مرد میدان ہوتا ہے اس کی زندگی کے ایک یا دو پہلوؤں پر خوب لکھا جاتا ہے اور جو پہلو واضح ہوتے ہیں انہیں کو موضوع بحث بنایا جاتا ہے۔ خواہ تبرک کی حیثیت سے ہو یا تقلید کی بندشوں میں گرفتار ہو کر لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس کے دوسرے پہلوؤں کو پردہ خفا میں رکھ کر یا ان سے بے التفاتی برت کر اس شخصیت پر ظلم کیا جاتا ہے تیسری صدی ہجری کی نابغہ روزگار شخصیت ابن قتیبہ انہیں مظلومین میں ہے۔ بلاشبہ ناقد اور ادیب کی حیثیت سے اس پر خوب قلم کا زور صرف کیا گیا۔ مورخ کی حیثیت سے بھی انہیں زیر بحث رکھا جاتا ہے لیکن اس کی شخصیت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے دوسرے پہلوؤں پر گفتگو نہیں کی جاتی اور ذکر ہوتا بھی ہے تو ضمناً۔ اس مقالے میں ابن قتیبہ کی زندگی کے ایک ایسے گوشے پر کلام کرنے کی جرأت کی گئی ہے جو تفسیری خدمات سے متعلق ہے۔

قرآن کے موضوع پر اس کی گرانقدر تصنیفات یہ ماننے پر مجبور کر دیتی ہیں کہ وہ اس کی باریکیوں اور نزاکتوں سے واقف تھا۔ مشکل القرآن، معانی القرآن، کتاب فی القراءات، اعراب القراءات اور الرد علی القائل بخلق القرآن، یہ تمام کتابیں ابن قتیبہ کی قرآنی بصیرت پر سند کی حیثیت رکھتی ہیں۔

قرآن کے مطالعہ کے لئے ابن قتیبہ نے اپنی زندگی کو دو جہتوں سے خاص کر لیا تھا۔ ایک جہت تو تقلیدی ہے یہاں اسلاف کی روش پر چلتے ہوئے مشکل الفاظ کی تحلیل و تشریح کرتے ہیں۔ ترجمان تفسیر غریب القرآن ہے۔ دوسری جہت ہے قرآن پاک کی ادبی تفسیر کی، اس کی ترجمانی تاویل مشکل القرآن سے ہوتی ہے۔ ابن قتیبہ نے عقیدہ کو ادبی اسلوب کے مطالعہ و تحقیق سے ملا دیا ہے۔ جہاں تک رہی بات تفسیر غریب القرآن کی تو اس سلسلے میں یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ یہ کتاب تو ابن قتیبہ کی "مشکل القرآن" کا تتمہ ہے وہ یہ نہیں چاہتے کہ الفاظ کے گورکھ دھندوں میں پھنس کر اصل مقصود کو فراموش کر دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ لغوی تفصیلات کے طالبین کے لئے غریب القرآن کے نام سے علیحدہ تصنیف منظر عام پر آئی۔ جہمیہ، مشبہ اور معتزلہ ان تمام کے افکار و خیالات کا قصر زمین بوس کرنے اور عوام کے افہام و تفہیم کے پیش نظر مشکلات قرآن کی تاویل و تفسیر کے لحاظ سے ایک عظیم سرمایہ ہے۔ اس کی کتاب 'مشکل القرآن' مشکل آیات کی محض تاویل نہیں ہے بلکہ متقدمین کی روش سے ہٹ کر باطل افکار و خیالات سے پیدا ہونے والے شگافوں کو بند کرنے کی تدبیر بھی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ دوسری اور تیسری صدی ہجری میں قرآن مختلف جہتوں سے موضوع بحث بنا ان میں ایک انتہائی اہم جہت ادبی جہت بھی ہے۔

جاحظ نے معتزلی طرز فکر اختیار کرتے ہوئے نظم القرآن تصنیف کی اور زبانی طور پر معتزلیوں کی نمائندگی کا فریضہ انجام دیا۔ اور اہل سنت کی ترجمانی کا فریضہ ابن قتیبہ نے انجام دیا۔ جس طرح جاحظ نے قرآن کے بیان و ادب پر گفتگو کی اسی طرح بلکہ اور زیادہ سرگرمی کے ساتھ ابن قتیبہ نے اس میدان میں کام کیا۔ قرآنی اسلوب کے مسائل و مشکلات کی عقدہ کشائی جس طرح جاحظ نے مخصوص فکر و نظر کے سمت کی اسی طرح ابن قتیبہ بھی سنت کی تائید و حمایت میں مرد میدان بنا رہا اور قرآن فہمی کی دقتوں اور اس دور کے امراض کا ایک شافی نسخہ تیار کیا جو مشکل القرآن کے نام سے موسوم ہے۔ السید احمد صقر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترجمہ: "وہ گوناگوں علوم وفنون کا عالم، ماہر دینیات، ماہر حدیث، لغت نویس اور ایک مورخ کی حیثیت سے معروف تھا۔ اس نے بہت ساری کتابیں اس غرض سے تصنیف کیں کہ شریف شیطان صفت خدام اور عام طور پر تعلیم یافتہ لوگ ان تصنیفات سے ضروری معلومات حاصل کر سکیں"

عبدالحمید سند الجندی (جنہوں نے اپنی تصنیف میں ابن قتیبہ کی شخصیت کے متعدد گوشوں پر بڑے سیر حاصل مباحث چھیڑے ہیں) کو اعتراف ہے کہ ابن قتیبہ وہ اول شخص ہے جس نے عربی انسائیکلو پیڈیا کی تالیف کی۔ متاخرین نے اسی سے نقوش راہ حاصل کیے یہاں تک کہ قلقشندی نے اس کو اپنی موسوعہ میں اعلیٰ مقام تک پہنچا دیا ہے پس ابن قتیبہ موسوعات لکھنے والوں کا امام ہے۔[6]

عیون الاخبار اور کتاب المعارف ابن قتیبہ کی تاریخی تصنیفات میں اعلیٰ مقام کی حامل ہیں آخر الذکر کتاب المعارف کی عظمت کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ مسعودی اور ابن جریر جیسے بلند پایہ مورخین نے اسے اپنی تواریخ کا ماخذ قرار دیا ہے۔[7]

جرجی زیدان کے بقول "ابن قتیبہ کی تخلیق ادب الکاتب میں وہ تمام مباحث ہیں جن کے لیے ایک ادیب محتاج ہوا کرتا ہے۔"[8]

غرض کہ تاویل مختلف الحدیث اور غریب الحدیث میں ایک محدث، عیون الاخبار میں ایک ادیب، الشعر والشعراء میں ایک ناقد، الاختلاف فی اللفظ والرد علی الجہمیہ والمشبہہ میں ایک فلسفی اور متکلم، کتاب المعارف میں ایک بلند پایہ مورخ، ادب الکاتب اور معانی الشعر میں ایک لغوی نیز کتاب الاشربہ اور کتاب جامع الفقہ میں ایک فقیہہ نظر آتا ہے گویا کہ ایک شخص ایک کارواں ہے جو قیادت و پیشوائی کا علم سنبھالے ہوئے علوم وفنون کو نئی جہتوں سے روشناس کراتا ہے۔

یہ معمول رہا ہے کہ ایک شخص جو علوم وفنون کا مرد میدان ہوتا ہے اس کی زندگی کے ایک یا دو پہلوؤں پر خوب لکھا جاتا ہے اور جو پہلو واضح ہوتے ہیں انہیں کو موضوع بحث بنایا جاتا ہے۔ خواہ تبرک کی حیثیت سے ہو یا تقلید کی بندشوں میں گرفتار ہو کر لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس کے دوسرے پہلوؤں کو پردہ خفا میں رکھ کر یا ان سے بے التفاتی برت کر اس شخصیت پر ظلم کیا جاتا ہے تیسری صدی ہجری کی نابغہ روزگار شخصیت ابن قتیبہ انہیں مظلومین میں ہے۔ بلاشبہ ناقد اور ادیب کی حیثیت سے اس پر خوب قلم کا زور صرف کیا گیا۔ مورخ کی حیثیت سے بھی انہیں زیر بحث رکھا جاتا ہے لیکن اس کی شخصیت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان تینوں حصوں میں مقصد و مدعا کی وضاحت کے لئے آیات کی کم و بیش تفسیر موجود ہے۔
"مشکل القرآن" کے مطالعہ کے وقت یہ بات ذہنوں میں محفوظ رہنی چاہئے کہ ادبی مباحث پر گفتگو کرنا ابن قتیبہ کا مقصد خاص نہیں ہے، مقصد ہے مشکلات قرآن کی تبیین و توضیح یہی وجہ ہے کہ علماء و مفسرین نے جہاں آیات کے معانی و مفاہیم میں اختلاف کیا ہے یا جن فرقوں نے اعتراضات کی دیوار اور وہم و گمان کا قصر تعمیر کیا ہے ابن قتیبہ نے اسے دلائل و براہین سے زمین بوس کیا ہے۔ اس کتاب کے اندر مؤلف کی دقت نظری اور وسعت فکر مختلف جگہوں پر گراں قدر تشریحات و توضیحات کی شکل میں نمایاں ہے۔
مثلاً وہ دینی مباحث پر گفتگو کرتے ہوئے کائنات کی تخلیق کے مسئلے کا حل ایسے مدلل طریقوں سے پیش کرتے ہیں کہ قاری کے ذہن پر غیر جانبدارانہ اور مرعوب کن شخصیت کے نقوش مرتسم ہوجاتے ہیں۔ اس مسئلے میں تمام آسمانی کتب سے بحث کرتے ہیں اور دلائل کے طور پر ان کی باتیں پیش کرتے ہیں۔ اسی طرح کائنات کے اندر جدلیاتی فلسفے سے متعلق فلاسفہ کی آراء پیش کرتے ہیں اور پھر ان پر مناسب تبصروں کے ساتھ اپنی رائے قارئین کے گوش گذار کرتے ہیں۔ ان تمام کے علاوہ قرآنی خدمات میں ابن قتیبہ کو جو چیز ممتاز کرتی ہے وہ یہ کہ زبان و بیان کی آماجگاہ میں مرد مجاہد نظر آتے ہیں۔[۱۳]

ابن قتیبہ کی تفسیری خدمات کے جائزے میں اس اعتراف سے گریز بھی منصفانہ قدم نہیں ہوگا کہ متعدد جگہوں پر مشکلات قرآن کی وضاحت میں ان سے لغزشوں کا صدور ہوا ہے لیکن یہ کوئی حیرت اور تعجب کی بات نہیں ہے۔ حیرت اور تعجب کی بات تو یہ ہے کہ ان سے کوئی لغزش نہ ہو اور متفقہ طور پر ان کی مفسرانہ حیثیت قبول کی جاتی ہو۔

وہ اپنی گفتگو کا آغاز اعجاز قرآن سے کرتے ہیں جس کا مقصد یہ ہے کہ اہل سنت کے نظریے کے مطابق قرآنی اعجاز کو واضح کیا جائے۔ آپ اعجاز کا رشتہ درج ذیل امور سے بتاتے ہیں۔

پہلی چیز ہے نظم یعنی الفاظ کی بندش بایں طور کہ سلاست و روانی پیدا ہوجائے اور ادائیگی معانی میں شیرینی کی لذت محسوس ہو۔ یہاں نہ تو کسی تکلف کو جگہ دی جائے نہ ہی نامانوس الفاظ کو اور نہ ہی کوئی غیر ضروری زیادتی ہو۔

دوسری چیز نغمگی و موسیقیت ہے اس کے لئے بھی الفاظ میں نظم و ربط کا باقی ہونا ناگزیر ہے۔ اگر ایسا ہو تو کوئی کلام بھی پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھا جائے گا۔ یہ کلام دلوں کو اپیل کرنے والا اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کانوں کے لیے خوشگوار ہوگا۔ قرآن پاک کی یہ خصوصیت ہے کہ بار بار اور شب و روز اس کی تلاوت کے باوجود کوئی اکتاہٹ پیدا نہیں ہوتی اور کانوں پر شاق نہیں گذرتا نیز کثرت تکرار کے باوجود یہ کلام بے کیف و سرور نہیں ہوتا بلکہ ہر بار نئی تازگی اور فرحت ملتی ہے۔ ان خصوصیات کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید ما فوق البشر کلام ہے انسان خواہ بلاغت کی امامت و پیشوائی کا علمبردار ہو لیکن قرآن کی بلاغی صفات کے آگے وہ عاجز و درماندہ ہے۔

تیسری چیز یہ کہ قرآن اپنے مجموعہ صفات ہونے کی بنا پر عربوں کے ہر ادب کے مقابلے میں ممتاز مقام کا حامل ہے اور ان کے فنون بلاغت پر حکمرانی کرتا ہے۔

چوتھی چیز یہ کہ اس قرآن پاک میں معانی کا جو سیل رواں پایا جاتا ہے اور علوم و فنون کا جو خزینہ ملت ہے اس سے اسلام اور مسلمانوں کا دائرہ وسیع ہوتا ہے۔ آسمانی شریعتوں کا لب جمع ہوتا ہے نیز قرآن کے علوم و افکار کے پیش کردہ خزینوں اور معانی و مفاہیم کے چشموں سے آسمانی شریعتوں میں نکھار پیدا ہوتی ہے۔ اس کلام مقدس میں الوہیت کے جو دلائل پیش کئے گئے ہیں اور کائنات کے مختلف مظاہر کی جو تصویر کشی کی گئی ہے، اس سے فی الحقیقت روحانی قوت کی افزائش ہوتی ہے۔ ایک طرف یہ دلائل و مظاہر مومنین کے لئے پند و موعظت کا سامان ہیں تو دوسری طرف توحید اور ایمان سے متعلق شکوک و شبہات کے دلدل میں پھنس جانے والوں کے لئے دعوت و ارشاد کا پیغام ہیں۔

مختصر الفاظ میں معانی کا سمندر سمو لینا اور اس کلام مقدس کی بنا پر سابقہ تمام آسمانی کتابوں کا منسوخ ہو جانا جیسی جامع صفات بیان کر کے متعدد آیات کو قرآنی اعجاز کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔

مثلاً قرآن پاک کی یہ آیت " خذ العفو و أمر بالعرف واعرض عن الجاھلین " ابن قتیبہ اس کی تفسیر یوں کرتے ہیں: چند الفاظ پر مشتمل آیت میں تمام قابل قدر عادات اور اخلاق حسنہ کو یکجا کر دیا گیا ہے مثلاً عفو میں صلہ رحمی، ظالموں کو معافی اور انفاق فی سبیل اللہ جیسی تمام ہی صفات شامل ہیں "خشیت الٰہی رشتوں کو استوار کرنا، دروغ گوئی سے زبان کی حفاظت، ایذا رسانی سے تنفر و بیزاری اور محرکات سے نظر بچانے کی صفت یہ تمام خصوصیات امر بالمعروف کے متعلقات ہیں۔ ان حسنات کا نام عرف اور معروف اس لیے رکھا گیا ہے کہ ہر شخص انہیں جانتا ہے۔ اور ہر دل میں ان چیزوں سے طمانیت کو جگہ ملتی ہے۔ اس آیت کریمہ میں جاہلوں سے اعراض کی جو بات کہی گئی ہے اس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں صبر و استقامت، حلم و بردباری اور اپنے نفس کی طہارت و پاکیزگی جیسی صفات شامل ہیں۔ عفو، عرف اور اعراض، یہ تین الفاظ فی الحقیقت ان تمام عادات حسنہ کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں جن سے زندگیوں کی تعمیر ہوتی ہے اور کامیابی کا پروانہ ہاتھ آتا ہے۔ دوسری آیت "ولکم فی القصاص حیوۃ" ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ اس کرۂ ارض پر کتنی ہی قیمتی جانیں ہوا و نفس کا نشانہ بن جاتی ہیں۔ قتل و خونریزی کے واقعات سے انسانیت لرز اٹھتی ہے۔ اگر قاتل کو کیفر کردار تک نہیں پہنچایا جائے تو خونریزی اور انسانیت کشی کے مذموم و مسموم جذبات میں پلنے والے لوگوں کو شہ ملتی ہے اور خدا کی اس زمین پر شرافت و انسانیت کا لبادہ اتار کر دندناتے پھرتے ہیں نیز ظلم و جور اور طغیان و سرکشی میں ایک دوسرے سے بڑھ کر اپنے ناپاک عزائم کو عملی جامہ پہناتے ہیں۔ قانون قصاص پر بہت سی کتابیں لکھی گئیں، لائبریریاں بھر گئیں اور کتب خانے سج گئے لیکن قرآن نے صرف تین الفاظ میں وہ بات کہہ دی جس کی تہہ تک انسانی کاوشیں پہنچنے سے عاجز رہیں۔

ابن قتیبہ اس آیت کریمہ کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ قاتل سے قصاص لئے جانے پر در حقیقت جو مثبت یا منفی جو بھی اثرات مرتب ہوں حقیقت یہ ہے کہ اس میں ان تمام شر پسندوں اور فسادکاروں کے لیے سامان عبرت ہے جن کے دل انسانی خون کے قدر و احترام کے متحمل نہیں ہوتے اور مسموم جذبات کو اپنے دلوں میں نشو و نما دیے ہوتے ہیں۔ وہ قتل کا انجام قتل دیکھ کر اس طرح کے مذموم اقدام سے دور ہی رہیں گے۔ بایں طور یہ کہا جا سکتا ہے کہ قصاص کے اندر زندگیوں کا تحفظ اور نوع انسانی کی بقا کا جوہر موجود ہے۔ اپنے موقف کی وضاحت کے لیے شاعر کا یہ شعر نقل کرتے ہیں:

ابلغ أبا مالك عني مغلغلة وفي العتاب حياة بين اقوام

یہاں شاعر مراد لیتا ہے کہ جب لوگ ایک دوسرے پر عتاب کریں گے تو یہی عتاب ان کی اصلاح و درستگی کا پیش خیمہ ہو گا اور بعد ازاں قتل و خونریزی سے گریزاں ہوں گے بایں طور زندگیوں کی حفاظت ہو گی۔

اس میں شبہ نہیں کہ ابن قتیبہ اہل سنت کی آراء و افکار کا علم لئے ہوئے اور دوسری اسلام دشمن تحریکوں کی منحرفانہ تاویلات کا جواب دیتے ہوئے میدان مقابلہ میں ثابت قدم رہے ہیں وہ اہل سنت کے مسلک کے مطابق بہت ساری آیات میں ظاہری حکم لگاتے ہیں۔ لیکن بسا اوقات آپ اس قید سے نکل جاتے ہیں اور اس طرح بعض مفسرین سے تکرار بھی ہوتا ہے۔ مثلاً آپ ان لوگوں سے جو مجازی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گفتگو کو باطل اور بے حقیقت جانتے ہیں، نبرد آزما ہوتے ہیں۔ اور جن دلائل کے ذریعہ مخالفین کو خاموش کرتے ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ اگر مجاز کوئی جھوٹی اور بے حقیقت چیز ہوتی تو ہر وہ فعل جو جمادات کی طرف منسوب ہے باطل ہوتا۔ اور ہمارے اکثر و بیشتر معاملات فساد کا شکار ہو جاتے، جیسے نبت البقل، طالت الشجرۃ، اینعت الثمرۃ، قام الجبل و رخص السعر۔ مجاز پر آپ تفصیلی گفتگو کرتے ہیں جس کا خلاصہ ذیل میں درج ہے۔

(۱) مجاز ایک ضرورت ہے جو زبان و بیان سے متعلق ہے کسی زبان میں بھی کچھ تعبیریں ایسی ہو سکتی ہیں جو مجاز کے بغیر تشنہ رہتی ہیں (۲) بسا اوقات مجاز لغوی مدلول کی جہت سے لفظ ہی سے متعلق ہوتا ہے۔ بایں طور کہ دو الفاظ متشابہ ہوں اور مدلول مختلف ہو معنی کے لحاظ سے ان دونوں میں کوئی قربت نہ ہو۔ (۳) لفظ مدلول یعنی اصلی سے دوسرے معنی تک منتقل ہو جاتا ہے۔ یہاں اصل معنی سے دوسرے معنی کا تعلق ہوتا ہے (۴) مجازی لفظ کے تکرار سے تاکید درست نہیں ہے (۵) قرآن میں مجاز بلاشبہ واقع ہے کیونکہ یہ ادب و بیان کا ایک حصہ ہے۔ لیکن یہ مجاز کچھ ایسے قوانین و ضوابط کے تحت ہے جن کی رعایت ناگزیر ہے۔ قرآنی مجازات سے پوری واقفیت کلام عرب کے مشابہ مجازات اور ان کے طریقوں کے جانے بغیر دشوار طلب ہے (۶) معترضین کے اس اعتراض میں کوئی وزن نہیں ہے کہ مجازی کلام کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

ابن قتیبہ مجاز سے متعلق اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ "قدریہ نے قرآن کی بیشمار آیتوں کو مجاز سے منسوب کرکے بے بنیاد، عبث اور باطل قرار دیا ہے" "مشکل القرآن" میں مجاز کی مختلف اقسام کے تحت ابن قتیبہ ان آیات کو زیر بحث لاتے ہیں۔ تاویل و تفسیر سے ایک طرف تو قرآنی ادب کا اعجاز نمایاں ہوتا ہے اور دوسری طرف معترضین کی زبانیں گونگ ہو جاتی ہیں۔

مثلاً اللہ تعالیٰ کا یہ قول "یوم نقول لجھنم ھل امتلأت و تقول ھل من مزید" معتزلی حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس دن نہ تو اللہ تعالیٰ جہنم سے کچھ کہے گا اور نہ ہی جہنم اللہ تعالیٰ سے کچھ کہے گی۔ یہ محض جہنم کی وسعت و کشادگی کی تعبیر ہے۔

ابن قتیبہ کا کہنا ہے کہ عقل پرستوں کی یہ تاویل کتاب اللہ اور احادیث کی تفصیلات سے متضاد ہے جہنم اور زمین و آسمان گویا ہوں یہ حیرت کی بات نہیں ہے جب اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ کھالوں، ہاتھوں اور پیروں کو قوت گویائی عطا کر سکتا ہے[۴۴]، پہاڑوں اور پرندوں کو مسخر کر کے تسبیح خوانی کرا سکتا ہے[۴۵] اور جہنم غیض و غضب سے بھڑک سکتی ہے[۴۶] تو جہنم کو نطق و گویائی کی قوت بخش دینا کیوں کر مستبعد ہو سکتا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدیث شریف میں ہے " ان النار تقول ربھا انک وعدتنی مسنی، فیضع قدمہ فتقول : قط قط بمعنی حسبہ "

وہ مزید لکھتے ہیں کہ حضرت سلیمانؑ کے سلسلے میں اس حقیقت سے کیوں کر انکار کیا جا سکتا ہے کہ وہ پرندوں کی گفتگو سمجھتے تھے اور چیونٹیوں کی باہمی گفتگو بھی۔ روبۃ نے حضرت سلیمان کی اسی نوازش کا اپنے شعر میں ذکر کیا ہے اور وہ اس کی تمنا کرتا ہے کہ کاش کہ یہ گراں قدر نعمت اسے بھی عطا کی جاتی۔

لو اننی قد اوتیت علم الحکل علم سلیمان کلام النمل

اور رسالتمآب صلعم کے سلسلے میں یہ بات بھی مستند ہے کہ ایک اونٹ حاضر ہوتا ہے اور اپنے مالک کی شکایت کرتا ہے کہ وہ طاقت سے زیادہ بوجھ کا اسے متحمل بناتا ہے۔ آپ اس کی شکایت سنتے ہیں اور مالک کو نصیحت فرماتے ہیں۔

اگرچہ جہنم سے متعلق مذکورہ بالا آیت کشادگی اور گہرائی پر دال ہو سکتی ہے لیکن عقل پرستوں کا یہ کہنا کہ نہ تو اللہ تعالیٰ جہنم سے بول سکتا ہے اور نہ ہی جہنم اللہ تعالیٰ سے کچھ کہہ سکتی ہے۔ یہ محض ان کی ڈھٹائی ہے ابن قتیبہ نے قرآنی آیات، احادیث اور کلام عرب کی روشنی میں معترضین کو مسکت جواب دیا ہے۔

قرآن کی ادبیات میں استعارہ کو ایک مقام حاصل ہے جو مجاز ہی کی ایک قسم ہے جن آیتوں میں استعارہ استعمال کیا گیا ہے وہ معنی کے اعتبار سے، رونق اور اثر و رسوخ کے اعتبار سے باوزن ہو جاتی ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا یہ قول "یوم یکشف عن ساق" یعنی عن شدۃ من الامر" قتادہ کا یہی کہنا ہے۔ اور ابراہیم کہتے ہیں کہ عن شدۃ من الامر کی بجائے عن امر عظیم ہے۔ ابن قتیبہ اس کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی معاملے میں مبتلائے مصیبت ہو جاتا ہے تو وہ غمخواری و غمگساری کا محتاج ہو جاتا ہے۔ جب وہ اپنے آپ کو بے یار و مددگار پاتا ہے تو اضطراب و بیقراری اور پریشانی و سراسیمگی کے عالم میں ہوش و حواس کھو دیتا ہے۔ ایسی ہی سنگین حالت کی تصویر کشی "یوم یکشف عن ساق" سے کی گئی ہے۔ جلال الدین سیوطی کے قول "نصوعبارۃ عن شدۃ الامر یوم القیامۃ للحساب والجزاء" سے ابن قتیبہ کے موقف کی تائید ہوتی ہے اسی سلسلہ گفتگو میں کلام عرب میں اس کے استعمال کا حوالہ دیتے ہیں۔ درید بن الصمۃ کا یہ شعر ملاحظہ فرمائیں:

کمیش الازار خارج نصف ساقہ صبور علی الجلاء طلاع انجد

من مانی تفسیر کرنے والوں اور قرآنی آیات کو اپنے حقیر مفاد میں استعمال کرنے والوں کی طرف سے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آیات متشابہات سے متعلق ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ چونکہ قرآن کتاب ہدایت ہے اس لحاظ سے یہاں کوئی ابہام و غموض نہیں ہونا چاہئے لیکن اس کے برعکس قرآن میں بہت ساری آیات ایسی ہیں جن کے سامنے انسانی فہم و دانش عاجز و قاصر رہ جاتی ہے۔ ابن قتیبہ نے اس اعتراض کا جواب دینے کی کوشش کی ہے لیکن سچ تو یہ ہے کہ انہوں نے اپنا پورا زور اس دعویٰ کو ثابت کرنے پر صرف کر دیا ہے کہ قرآن میں کوئی بھی آیت انسانی عقل و فہم سے ماوراء نہیں ہے۔ وہ اپنے موقف کی تائید میں بڑی تفصیلی گفتگو کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں جو دلیلیں پیش کرتے ہیں یہ ان سب کی بنیاد درج ذیل آیت کریمہ کی تاویل ہے۔

"وما یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم یقولون آمنا" ابن قتیبہ کا کہنا ہے کہ "الراسخون" اللہ پر عطف ہے اور "یقولون" "قائلین" یعنی حال کے مفہوم میں

الراسخون فی العلم کے واقف ہونے کی مصلحت یہ بتاتے ہیں کہ اس صورت میں ہی عالموں کو جاہلوں پر فضیلت مل سکتی ہے۔ وہ معترضین کے اعتراض اور اس آیت کی تاویل کے پس منظر میں کہتے ہیں کہ اگر قرآن پورے طور پر واضح اور مبرہن ہوتا یہاں تک کہ عالم و جاہل اسے سمجھ لیں تو لوگوں کے درمیان فضیلت و برتری ختم ہو جاتی مجنونوں اور منتقوں سے بھی چرایا جاتا اور جذبات و احساسات پر مردنی چھا جاتی۔ مزید براں بوقت ضرورت حیلے اور بہانے خارج ہوتے۔ وہ اپنی گفتگو آگے بڑھاتے ہوئے کہتے ہیں کہ فقہ، حساب، فرائض اور نحو گویا کہ علم و فن کے ہر مضمون میں کچھ باتیں نمایاں اور واضح ہوا کرتی ہیں اور کچھ مخفی اور پیچیدہ ہوا کرتی ہیں تاکہ تحصیل علم کا شائق اپنی کوشش و کاوش سے منزل کی طرف بتدریج بڑھتا جائے۔ عالم کے لئے بھی غور و فکر اور نتائج کے استنباط میں فضیلت و برتری ہونی چاہئے۔ اس لئے بھی تاکہ اللہ عزوجل کی طرف سے انہماک و استغراق اور التفات و یکسوئی کا بدلہ ملے اس میں شبہ نہیں کہ قرآن پوری انسانیت کے لئے دستور زندگی اور ضابطۂ اخلاق ہے زندگی کے تمام گوشوں میں اس کی تعلیمات رانما ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے پوری انسانیت کی ہدایت کے لئے اس کلام مقدس کو نازل فرمایا ہے اور اسے حقیقت تسلیم کیا جاتا ہے تو خود بخود یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس کا ہر حصہ ہدایت و راہنمائی کے باب میں نفع بخش ہے۔ لیکن ایک طرف تو اس کے کتاب ہدایت ہونے پر ایمان لایا جائے اور دوسری طرف محض اس لئے بیکار اور غیر ضروری قرار دیا جائے کہ محدود عقلیں حقائق کی یافت میں کوتاہ رہ جائیں اس صورت میں قرآن پاک کی آیات کو بے بنیاد اور غیر ضروری قرار دینا ذہنی اور عقلی شکست و ہزیمت کا ثبوت ہے۔ اس سیاق کلام میں "الراسخون فی العلم" سے متعلق ابن قتیبہ کی رائے کسی حد تک قابل لحاظ ہو سکتی ہے۔ لیکن آیات متشابہات کا مفہوم و مقصود اگر پیش نظر ہو تو ابن قتیبہ کی تاویل

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محل نظر معلوم ہوتی ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ یہاں عقل پرستوں کے اعتراض کی تردید میں اتنا آگے بڑھ گئے ہیں کہ خود ان کے بارے میں بھی عقل محض کے قائل ہونے کا گمان ہونے لگتا ہے۔

جنت و دوزخ کی ہیئت، آسمان و زمین کی خلقت، روز قیامت فرشتوں کے عرش کو تھامے رہنے کی کیفیت اور دوزخ میں شجرۂ زقوم کی اصلیت، بلاشبہ یہ ایسے حقائق ہیں جن کا ادراک انسانی عقل و شعور کرنے سے عاجز ہے۔ اس میں بھی شبہ نہیں کہ قرآن اپنے مخاطبین کو تدبر و تفکر کی تلقین کرتا ہے اور کائنات کی نشانیوں پر غور کرنے کی ترغیب دیتا ہے لیکن عقل کی بھی ایک حد پرواز ہے اس حد سے اگر تجاوز کیا جائے تو بھٹکنے کے امکانات ہوتے ہیں۔ اس لئے ایک خاص حد کے بعد عقل و تدبر سے گریز کرنا ہی محتاط طریقہ ہے۔ خدا کس طرح ہے وہ اپنا کاروبار کیسے چلاتا ہے، بیک وقت وہ ہر کام کیسے کرتا ہے، اگر خدا کا کوئی مادی وجود نہیں ہے تو روز عدل خدا کے دیدار کی نوعیت کیا ہوگی۔ ان تمام مباحث میں الجھ کر ایک انسان کے گم گشتہ راہ ہونے کے خدشات زیادہ ہیں۔

آیات متشابہات کا معاملہ بعینہٖ اسی طرح ہے، یہ آیات تو احکام سے بھی متعلق نہیں ہوتیں اس لئے ماورائے عقل چیزوں کو من وعن تسلیم کر لینا عیب اور عار کی بات بھی نہیں ہے بلکہ اسی میں خیر و فلاح کا راز مضمر ہوتا ہے ایک طرف ضیق و تنگی سے نجات ملتی ہے اور دوسری طرف ایمان کو تقویت ملتی ہے۔ متشابہ آیات پر تفصیلی گفتگو کرتے ہوئے اگر ابن قتیبہ نے فلسفۂ آزمائش کو پیش نظر رکھا ہوتا یا انہیں من وعن تسلیم کر لینے پر تقویت ایمان کا پہلو مستحضر ہوتا تو ایک طرف معترضین کے اعتراض کا مؤثر جواب فراہم ہوتا اور دوسری طرف آیات متشابہات کی مصلحت شناسی کا مظہر۔ مولانا آزاد کا متشابہات سے متعلق یہ قول کہ "وہ خلاف عقل نہیں ہیں مگر ورائے عقل ہیں" اپنے اندر بڑی معنویت رکھتا ہے۔ مولانا مودودیؒ کا کہنا ہے "اس زبان (متشابہات) کا معنی زیادہ سے زیادہ بس اتنا ہی ہو سکتا ہے کہ آدمی کو حقیقت کے قریب تک پہنچا دے یا اس کا ایک دھندلا سا تصور پیدا کر دے۔ ایسی آیات کو متعین کرنے کی جتنی کوشش کی جائے گی اتنے ہی زیادہ اشتباہات و احتمالات سے سابقہ پیش آئے گا حتیٰ کہ انسان حقیقت سے قریب ہونے کے بجائے اور زیادہ دور ہوتا چلا جائے گا"[۳۳]

قرآن پاک کی عظمت و اعجاز پر گفتگو کرنے، قرآن پاک سے متعلق اعتراضات کا جواب دینے نیز متعدد ادبی مباحث کے تحت قرآنی تعلیمات کو واضح کرنے کے بعد آخر میں ابن قتیبہ متعدد سورتوں کی مشکل آیات کی تاویل و تفسیر پر اپنی توجہ مرکوز کرتے ہیں، سورۂ سبا کی مندرجہ ذیل آیت ملاحظہ فرمائیں:

ولقد صدق علیہم ابلیس ظنہ فاتبعوہ الا فریقا من المؤمنین وما کان لہ علیہم من سلطان

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

إلا لنعلم من يؤمن بالآخرة ممن هو منها في شك۔

اس کی وضاحت آپ یوں فرماتے ہیں کہ ابلیس نے جب اللہ تعالیٰ سے مہلت طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے مہلت دیدی۔ پھر اس نے بندگان خدا کو صراط مستقیم سے پھیر کر ضلالت و گمراہی کے قعر میں گرا دینے کا عہد کر لیا۔ ہاں ابلیس کو ابھی اس بات پر اعتماد و وثوق حاصل نہیں تھا لیکن بندگان خدا نے معاملات زندگی میں اس کی اطاعت و وفاشعاری کر کے اس کے وہم و گمان کو حق و یقین میں بدل دیا اور اس طرح ابلیس کی خواہشات کو عملی جامہ پہنانے کا اپنے ہاتھوں سامان فراہم کر دیا۔ پھر اللہ عزوجل کی قدرت کاملہ اور قوت نافذہ سے متعلق پیدا ہونے والے اشکال کو اس وضاحت کے ساتھ رفع کیا کہ شیطان خود با اختیار نہیں ہے کہ بندگان خدا پر اسے اپنی مرضی کے مطابق قوت و اقتدار حاصل ہے۔ اس صورت میں تو بندوں پر ظلم ہوگا کہ ایک بندہ اپنی جد و جہد سے خوشنودی رب کا پروانہ چاہتے ہوئے بھی ابلیس لعین کے ناپاک عزائم کا نشانہ بن جائے۔ بلکہ اس کی ایک درخواست تھی کہ اللہ تعالیٰ اسے راہ حق سے پھیرنے کی مہلت دیدے چنانچہ اختیار و آزمائش کے قانون کے تحت اپنی حکمت کے تقاضے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کی درخواست قبول ہوئی۔ مذکورہ آیت کریمہ کا دوسرا حصہ واضح طریقے سے حکمت الٰہی پر ناطق ہے۔

"إلا لنعلم من يؤمن" کے تحت ابن قتیبہ نے علم الٰہی کی نوعیتوں پر گفتگو کی ہے ــــ علم الٰہی کی ایک قسم تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤمنین کے ایمان و اقرار کفار کے جحود و انکار خطاکاروں کی لغزشوں اور وفاشعاروں کی نیکیوں کو اعمال کے صدور سے پہلے ہی جانتا ہے۔ اس کا تعلق نیتوں اور دلوں کے اسرار و نوامیس سے ہے خود اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے تحت "إن الله عليم بذات الصدور" ابن قتیبہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوتی تو اسی علم پر بندوں کے ثواب و گناہ کا فیصلہ کر لیتا لیکن اس صورت میں نعوذ باللہ بندوں پر ظلم ہوتا اور تخلیق انسانیت کا وہ مقصد فوت ہو جاتا ہے سورہ ... میں واضح کیا گیا ہے۔ اس لیے جہاں تک حجت قائم ہونے عقاب و عتاب اور نوازش و کرم کی بات ہے اس کا تعلق ذات باری کے اس علم سے نہیں ہے۔

دوسری قسم کے علم کا تعلق ایمان و انکار اور لغزشوں اور نیکیوں کے عملی اظہار سے ہے یعنی دنیا کے مختلف خطوں میں اور زندگی کے متعدد شعبوں میں ایک انسان جو عملی مظاہرے کرتا ہے ان کی واقفیت ایک دوسری نوعیت ہے۔ اور جزا و سزا کا وقوع اسی علم کی بنیاد پر عمل میں آتا ہے۔ اس طرح زیر بحث آیت کے آخری حصے کا مطلب ہوگا "ما سلطناه عليهم إلا لنعلم إيمان المؤمنين ظاهرًا موجودًا، وكفر الكافرين ظاهرًا موجودًا" اپنے اسی موقف کی وضاحت میں اس آیت کریمہ کو پیش کرتے ہیں "أم حسبتم أن تدخلوا الجنة ولما يعلم الله الذين

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جاهدوا منکم ویعلم الصابرین۔)

سورۃ بقرہ کی یہ آیت بھی دیکھی جائے ——— "الذین یاکلون الربوا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطان من المس" آیت کے سیاق و سباق کے پیش نظر یہ بات واضح ہے کہ اس کا تعلق روز آخرت سے ہے۔ اس کی تفسیر میں بیسویں صدی کے معروف عالم دین مولانا مودودی رقم طراز ہیں: "سود خوار روپے کے پیچھے دیوانہ ہو جاتا ہے اور اپنی خود غرضی کے جنون میں کچھ پروا نہیں کرتا کہ اس کی سود خواری سے کس کس طرح انسانی محبت، اخوت اور ہمدردی کی جڑیں کٹ رہی ہیں۔ اجتماعی فلاح و بہبود پر کس قدر تباہ کن اثر پڑ رہا ہے اور کتنے لوگوں کی بدحالی سے وہ اپنی خوشحالی کا سامان کر رہا ہے۔ یہ اس کی دیوانگی کا حال اس دنیا میں ہے اور چونکہ آخرت میں انسان اسی حالت میں اٹھایا جائے گا جس حالت پر اس نے دنیا میں جان دی ہے اس لئے سود خوار آدمی قیامت کے روز ایک باؤلے، مخبوط الحواس انسان کی صورت میں اٹھے گا۔"

اس آیت کریمہ کے تحت ایسی ہی یا اس کے ہم معنی تفسیروں کے عام زاویۂ نگاہ سے ہٹ کر ابن قتیبہ نے جو تاویل کی ہے اگرچہ اس کے بارے میں دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ عام تمام تفسیروں اور تاویلوں کے مقابلے میں اس میں وزن ہے لیکن اس کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ یہ استدلال پراثر ہے اور اس کی معقولیت میں بھی اختلاف نہیں کیا جا سکتا۔ سب سے پہلے مفسرانہ مقام کا استحضار رکھتے ہوئے یہ بتاتے ہیں کہ سود خواروں کو اس انجام بد سے روز قیامت میں دوچار ہونا پڑے گا۔ اور یہ منظر اس وقت کا ہو گا جب لوگ اپنی خواب گاہوں سے نکل کر تیزی سے دوڑ رہے ہوں گے جیسا کہ سورۃ معارج میں ہے: "یوم یخرجون من الاجداث سراعا کانھم الی نصب یوفضون۔" ہاں وہ لوگ جو اس عالم فانی میں سود خواری کی لعنتوں میں گرفتار ہیں حرام و حلال کا خیال نہیں کیا، جائز اور ناجائز کے حدود کا احترام نہیں کیا ان لوگوں کا حشر یہ ہو گا کہ دوڑنے کی خاطر کھڑے ہوں گے لیکن وہ گر پڑیں گے اور یہ عاجزی و درماندگی بعینہٖ اس شخص کے ہوگی جسے شیطان نے اچک لیا ہو۔ اس نادیدنی حالت کی توجیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انہوں نے دنیا میں حدود اللہ کے تقدس کو پامال کیا اور اللہ کے بندوں سے ناجائز مال ہڑپ کر لیا جس کے انجام بد سے قیامت میں یوں سابقہ پیش آئے گا کہ اللہ تعالیٰ اس کے پیٹوں میں ناجائز مال کی افزائش کر کے اسے بوجھل بنا دے گا۔ قبروں سے نکل کر دوڑنے کی کوشش ضرور کریں گے لیکن وہ اس پر قادر نہیں ہو سکیں گے اور افتاں و خیزاں کی کیفیت سے دوچار رہیں گے۔ سورۃ التین کی یہ آیات بھی ملاحظہ کی جائیں۔

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ثم رددناہ اسفل سافلین الا الذین امنوا وعملوا الصلحت فلھم اجر غیر ممنون

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بلاشبہ انسان تمام مخلوقات ارضی و سماوی میں اشرف و افضل ہے فہم و تدبر، قوت فیصلہ صحیح و غلط اور حق و ناحق میں تمیز و شناخت کا جوہر اور عزم و حوصلہ جیسی صفات نوازی گئی ہیں انہیں خصوصیات کی بنا پر دنیوی اسباب و علل کو اپنے لیے مسخر کر لیتا ہے اور دوسری طرف انہیں نوازشوں کے ذریعہ رب قدیر کی رضامندیوں کا پروانہ حاصل کرکے دوسری دنیا کی ابدی اور لازوال مسرتوں کا استحقاق ثابت کر دیتا ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی کے ان جملوں میں وزن ہے:

"انسان چونکہ ذی ارادہ ہستی ہے اس وجہ سے اس کا احسن تقویم سے شرفیاب رہنا یا اس سے محروم ہو جانا اس کے اپنے رویہ پر منحصر ہے اگر وہ اس کی قدر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے مدارج بلند کرتا ہے اور اگر وہ اس کی قدر نہیں کرتا بلکہ نیچے ہی کی طرف جھکا رہتا ہے تو اس کو وہ نیچے ہی کی طرف لوٹا دیتا ہے اور بالآخر وہ تمام سرفرازیوں سے محروم ہو کر لڑکھڑاتا ہوا قعر جہنم میں گر پڑتا ہے۔"

عام مفسرین کی تاویلات و توضیحات کے برخلاف ابن قتیبہ کی تاویل بڑی عجیب و غریب ہے پہلے توحیات انسانی کو شباب و کہولت، دو حصوں میں تقسیم کیا ہے اور بتایا ہے کہ سافلین سے مراد ضعفا ہیں اور وہ تمام لوگ ہیں جو خیرات و حسنات کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ سافلین کو ضعفا کے مخصوص معنی میں استعمال کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا قول پیش کرتے ہیں: "ومنکم من یرد الی ارذل العمر"۔ اسی مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ضعفائے اعضا و جوارح ڈھیلے ہو جاتے ہیں، نگاہیں کمزور ہو جاتی ہیں، سماعت کھو جاتی ہے، موت کا وقت قریب آجاتا ہے اور وہ اعمال صالحہ سے عاجز و قاصر رہتے ہیں، اس طرح ان کا شمار اسفل السافلین میں ہو جاتا ہے۔

"الا الذین آمنوا" کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ وہ لوگ جو قوت و استطاعت کے وقت کوتاہ نہیں تھے اور نیکی کے کاموں میں جذبہ مسابقت کو جلا دیتے ہوئے سرگرم عمل تھے، ان لوگوں کے اجر میں کسی طرح کی کمی نہ ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اگر ان کی قدرت و استطاعت بحال ہوتی تو وہ معمول کے مطابق کار خیر میں سرگرمی عمل کا ثبوت دیتے۔

ابن قتیبہ کی اس تاویل کی روشنی میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ حالت شباب کی نیکیاں ضعیفی کا کفارہ ہوا کرتی ہیں اور دوسری بات جو سامنے آتی ہے وہ یہ کہ ضعیفی کی زندگی اور انسان کا اشرف مخلوقات ہونا دونوں متضاد چیزیں ہیں۔ تیسری بات جو انتہائی اہم بات ہے وہ یہ کہ ابن قتیبہ سورہ سبا کی آیت "الا لنعلم من یومن بالآخرۃ" کی مذکورہ آیت میں علم کی قسموں پر مدلل گفتگو کرتے ہیں اور بڑی وضاحت کے ساتھ کہتے ہیں کہ جزا و سزا کا وقوع اسی وقت عمل میں آتا ہے جب کہ ایمان و انکار اور نیکیوں اور لغزشوں کا صدور ہو۔ اور زیر بحث آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرکے کہتے ہیں: "لانا نعلم انہ لو لم نسلبھم القدرۃ والقوۃ لم یکونوا ینقطعون عن عمل الصالحات"۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان دونوں باتوں میں تضاد ہے۔ اگرچہ تفسیر طبری، ابن قتیبہ کی اس رائے کی تائید میں ہے تاہم آیت کے الفاظ، مخلوقات ارضی وسماوی میں انسان کی معزز حیثیت اور اعمال کی بنیاد پر فیصلے کا وقوع ان تمام حقائق کی بنا پر ابن قتیبہ کی یہ تاویل بڑی پرتکلف ہے اور اس میں خفت ہونے کی وجہ سے اسے قبول کرنے سے طبیعت ابا کرتی ہے۔

اگر خلیفہ منصور کی معتزلہ نوازی، اس کی بے جا رواداری اور اس کے نتیجے میں مختلف فرقوں کا وجود بالخصوص جاحظ اور نظام کی اسلام دشمن سرگرمیوں پر نظر ہو، دوسری طرف ابن قتیبہ کے مسلک، اخلاق وکردار، علوم وفنون میں حذق ومہارت اور اس کی مشہور زمانہ تصنیفات پیش نظر ہوں اور تیسری طرف اس کی خالص اسلامی سرگرمیوں خصوصاً جاحظ اور نظام کے بالمقابل اہل سنت کی امامت کا فریضہ اور اس کی خالص ترجمان تاویل مشکل القرآن کے مباحث اگر ذہن ودماغ میں مستحضر ہوں تو ہر خاص وعام اپنی اس رائے میں بجا ہوگا کہ ابن قتیبہ مشکل القرآن کے آئینے میں ایک مفسر ہیں چونکہ جگہ جگہ اس تخلیق میں معتزلہ جہمیہ اور مشبہہ کے افکار وخیالات کی تردید وتغلیط کی گئی ہے، ادبی مباحث قائم کرکے قرآن کے بلاغی پہلوؤں کی نشاندہی کی گئی ہے اور موقف کی وضاحت میں جگہ جگہ کلام عرب، قرآن وحدیث اور سیرت پاک سے استشہاد کیا گیا ہے، بایں طور یہ تفسیری تخلیق جو محض مشکلات قرآن پر مشتمل ہے اپنوں کے لئے بیش قیمت سرمایہ ہے اور غیروں کے لئے ایک مسکت جواب۔

●●

حواشی

١ ابن قتیبہ، ڈاکٹر زغلول سلام ص ٢٠ دار المعارف بیروت ٢ ایضاً ص ٢٢ ٣ وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان، ابن خلکان ص ٢٥٢ جلد ١ طبع اول، قاہرہ ٤ اثر القرآن فی تطور النقد العربی، زغلول سلام، دار المعارف مصر ٥ عیون الاخبار جلد ٣ [illegible] مسلم بن قتیبہ ص ١٩٩ ٦ [illegible] ٧ [illegible] History of Arabic Literature by Goldziher p. 62 ٨ ابن قتیبہ العالم الناقد الادیب، الدکتور عبد الحمید سند الجندی ص [illegible] ٩ خلافت اسلامیہ، خواجہ عباد اللہ اختر ص [illegible] مطبوعات ادارہ ثقافت اسلامیہ ١٠ تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ، جرجی زیدان جلد ٢ ص [illegible] مطبعۃ الہلال [illegible] ١١ اثر القرآن فی تطور النقد العربی، محمد زغلول سلام، دار المعارف ص ٩٥ ١٢ تفسیر غریب القرآن تحقیق السید احمد صقر مقدمہ دار احیاء الکتب العربیۃ [illegible] ١٣ تاویل مشکل القرآن، ابن قتیبہ ص [illegible] تحقیق السید احمد صقر ١٤ اثر القرآن فی تطور النقد العربی، محمد زغلول سلام ص [illegible] دار المعارف مصر ١٥ ابن قتیبہ العالم الناقد الادیب، عبد الحمید سند الجندی ص [illegible] مصر ١٦ تاویل مشکل القرآن ص [illegible] الاعراف [illegible] ١٧ البقرہ [illegible] تاویل مشکل القرآن، ابن قتیبہ ص [illegible] ق [illegible] ایضاً ص [illegible] ص ١٩ سبا [illegible] سورۃ طٰہٰ [illegible] القلم [illegible] تفسیر جلالین سورۃ القلم [illegible] آل عمران [illegible] تاویل مشکل القرآن ص [illegible] تفہیم القرآن مولانا مودودی جلد [illegible] ص [illegible] طبع اول [illegible] ترجمان القرآن ج ٢ ص [illegible] مولانا ابو الکلام آزاد، ساہتیہ اکادمی نئی دہلی [illegible] سورۃ سبا [illegible] تاویل مشکل القرآن ص [illegible] البقرہ [illegible] تاویل مشکل القرآن ص [illegible] التین [illegible] ایضاً ص [illegible]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر محمد صغیر حسن معصومی
ممبر نقد المجلس الفکر الاسلامی
اسلام آباد، پاکستان

تفسیرِ ماتُریدی کے خصائص

امام الہُدیٰ ابو منصور محمد بن محمد بن محمود سمرقندی مقام ماتُرید[1]، سمرقند میں پیدا ہوئے، تیسری اور چوتھی ہجری کے اجلّۂ روزگار علماء و فضلاء کے مابین شہرت و بقائے دوام سے ہمکنار ہوئے۔

بعض تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے[2] کہ امام الہدیٰ مدینہ کے مشہور صحابیِ رسول حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اس بیان کو اس واقعے سے مزید تقویت ملتی ہے کہ مدینہ منورہ کے کچھ عرب خاندان سمرقند میں اقامت گزیں تھے، اور امام ماتریدی کی صاحبزادی الحسن اشعری سے بیاہی تھیں، جو امام ابوالحسن علی الاشعری کے والد تھے اور حضرت ابوایوب انصاریؓ کی نسل سے تھے[3]۔

سارے تذکرہ نگار جو امام ماتریدی کے مختصر حالاتِ زندگی بیان کرتے ہیں اور ان کے تصانیف پر روشنی ڈالتے ہیں، سب کا اتفاق ہے کہ امام کا انتقال ۳۳۳ھ/ ۹۴۴ء میں ہوا۔ مگر ان کی تاریخ ولادت کا ذکر کوئی نہیں کرتا، زیادہ سے زیادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ایک استاد محمد بن مقاتل رازی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انھوں نے ۲۴۸ھ/ ۸۶۲ء میں انتقال کیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ماتریدی ضرور اس سے پہلے تقریباً ۲۳۸ھ/ ۸۵۳ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ اس مفروضے کے مطابق عباسی خلیفہ المتوکل کے عہد میں (سنہ خلافت: ۲۳۲ھ - ۲۴۷ھ/ ۸۴۷ء - ۸۶۱ء) غالباً ولادت پائی۔ یہ خلیفہ معتزلہ کے خلاف اہل سنت والجماعت کی تائید کے لئے مشہور ہے۔

---

[1] ماتُرید بضم میم اور دال آخر میں۔ اس مقام کو بعض لوگوں نے سمرقند کا محلہ قرار دیا ہے، اور بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ یہ سمرقند کے نواح میں ایک قصبہ ہے۔ بعض لوگوں نے اس کو "ت" کے ساتھ "تُریت" ضبط کیا ہے۔ دیکھئے شبلی: علم الکلام حصہ اول، ۹۱، شرح احیاء علوم الدین للغزالی جلد ۲ ص ۵، مولانا عبدالحی لکھنوی: الفوائد البھیہ، ص ۱۹۵؛ ابوالوفا قریشی الجواہر المضیئہ ج ۲ ص ۱۲۲۔ [2] دیکھئے الماتریدی: مخطوطہ کتاب التوحید کیمبرج، ورق ۱ حاشیہ؛ نیز سید مرتضیٰ الحسینی زبیدی شرح احیاء النفس مذکورہ بالا، قاہرہ، ۱۸۹۳ء، ج ۲، ص ۵۔ [3] دیکھئے السمعانی: الانساب، ورق ۴۹۸؛ نیز امام ماتریدی کے ایک استاد امام ابونصر الایادی السمرقندی حضرت سعد بن عبادہ کے خاندان سے تھے، دیکھئے: الفوائد البھیہ النفس المذکور قاہرہ، ۱۳۲۴ھ، ص ۲۳

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس عہد میں علم کلام فقہ کا لازمی جزء سمجھا جاتا تھا، اور اس عہد کے فقہا عموماً عقائد کے مسائل سے بھی بحث کرتے تھے۔ احادیث پر نظر ڈالیے تو رویت باری تعالیٰ، قدر و جبر اور صفات و ذات باری تعالیٰ کی تصریح آیات قرآنی کے ماتحت عہد صحابہ اور تابعین کے زمانے سے غور و خوض کے مسائل بن گئے تھے، اور اہل علم اپنی فہم و سمجھ کے مطابق ان کی توجیہیں کرنے لگے تھے محتاط علما و فضلا ذات باری کے ساتھ صفات پر بھی یقین رکھتے تھے کہ قرآن حکیم نے بار بار صفات کو ذات سے متمیز طور پر ذکر کیا ہے، اور ان کے انکار کو اعتزال سے تعبیر کرتے تھے۔

امام ماتریدی نے جو بیش بہا کتابیں تصنیف کیں، ان میں سب سے نمایاں "کتاب التوحید" ہے پھر "کتاب المقالات، رد اہل الادلہ للکعبی، بیان او ہام المعتزلہ، الرد علی القرامطہ، ماخذ الشرائع فی اصول الفقہ، کتاب الجدل، شرح الفقہ الاکبر لابی حنیفہ، اصول الفقہ، تاویلات اہل السنۃ یا تفسیر القرآن"۔ یہی آخر الذکر کتاب ہمارے اس مقالے کا خاص عنوان ہے کہ امام ماتریدی کی تفسیر کی خصوصیتوں کو قارئین و سامعین کے لیے بیان کرنا اس مضمون کا اصل مقصد ہے۔

امام ماتریدی نے سامانیوں کے عہد معدلت و مہد میں تعلیم و تربیت حاصل کی، سامانیوں کے تسلط سارے فارس پر سنہ ۲۶۱ھ - ۳۸۹ھ / ۸۷۴ء - ۹۹۹ء تک رہا، اور اپنے زمانے میں انھوں نے علم و ادب کی سرپرستی میں بڑی شہرت حاصل کی۔ اپنے دربار میں علماء ادبا، اور محققین کو جمع کر لیا۔[1] امام اپنے وطن مالوف کے پرامن ماحول میں علم کے میدان میں فراٹے بھرنے لگے، اور حدیث، تفسیر، فقہ و کلام میں یگانۂ روزگار اساتذہ شیخ ابوبکر احمد بن اسحاق، ابونصر احمد بن عباس المشہور بہ فقیہ سمرقندی، نصیر بن یحییٰ البلخی (م ۲۶۸ھ / ۸۸۱ء) اور محمد بن مقاتل رازی (م ۲۴۸ھ / ۸۶۲ء) قاضی رے سے تعلیم حاصل کی یہ سب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور شاگرد امام محمد کے تلامذہ میں سے تھے۔

امام ابوالہدیٰ ماتریدی کے علمی تبحر اور متکلمانہ عظمت و شان اور بیش بہا خدمات کے پیش نظر اہل السنۃ والجماعۃ عام طور پر ان کو امام الہدیٰ (ہدایت و راہنمائی کے پیشوا) اور "امام المتکلمین" جیسے خطابات سے یاد کرتے ہیں، یہ ہمیشہ لوگوں کے عقیدوں کی اصلاح و درستگی میں اپنی تقریروں اور تحریروں سے ہر طرح کوشاں رہتے۔

---

[1] دیکھیے "المقدسی: احسن التقاسیم" ص ۲۹۴ بحوالہ محمد بن ... "ظہور الاسلام" ج ۱ ص ۲۶۱ و مابعد۔[2] یہ حضرت سعد بن عبادہ کی نسل سے تھے، دیکھیے الفوائد البہیہ ص ...

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام ماتریدی کی تصنیفات میں سب سے اہم اور سب سے زیادہ ضخیم ان کی تفسیر ہے جو "تاویلات اہل السنۃ" کے نام سے اہل علم و اہل تحقیق کے یہاں مشہور ہے دنیا کی مختلف لائبریریوں میں اس کے نسخوں کا موجود ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ کتاب علماء و فضلا میں مقبول رہی ہے۔ جیسا کہ مراجع میں مذکور ہے کہ قاہرہ، استنبول اور برلن کے کتب خانوں کے علاوہ مکتبۂ محمودیہ، مکتبۂ حرم مکی[1]، نیشنل لائبریری، بانکی پور، رقم ۲۹۴ (ساتویں صدی عیسوی کا لکھا ہوا نسخہ) وغیرہ مختلف کتب خانوں میں اس کے نسخے دستیاب ہیں۔

اکتوبر و نومبر ۱۹۶۴ء کے علمی تحقیقاتی سیاحت کے دوران اس حقیر نے تقریباً پونے تین سو نوادرات کی فلموں کے حصول کا انتظام یورپ اور شمالی افریقہ کے لائبریریوں سے ان کے مدیروں کی وساطت سے کیا تھا۔ ان میں ایک قلم تفسیر ماتریدی کی بھی تھی، یہ سب فلمیں ادارۂ تحقیقات اسلامی کی لائبریری میں محفوظ ہیں، اور ان میں سے بعض نوادر کی تحقیق و تحشیہ کے بعد طباعت بھی ہو چکی ہے۔ تفسیر ماتریدی کی ضخامت کے پیش نظر استنبول کے ایک نسخے کی بنیاد پر پوری تفسیر کی تحقیق کی ہمت نہ پا کر صرف سورۂ فاتحہ کی تفسیر کو اردو ترجمہ کے ساتھ شائع کرنے کا عزم کیا، ابھی یہ پریس میں تھا کہ معلوم ہوا کہ مجلس اعلیٰ للشئون الاسلامیہ قاہرہ کے کچھ محققین اس کی تحقیق میں مشغول ہیں۔

۱۹۷۱ء میں سورۂ فاتحہ کی تفسیر کو راقم سطور نے اردو ترجمہ کے ساتھ ادارۂ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، پاکستان سے شائع کیا تھا۔ اس حصے کی تصویر کتب خانہ کوپریلی نمبر ۴۷ کے نسخے سے ماخوذ ہے۔ یہ نسخہ ساتویں صدی کا لکھا ہوا ہے۔

استنبول میں اس نسخے کے علاوہ مکتبہ حمیدیہ (رقم ۳۰) مکتبۂ آغا بشیر (رقم ۹) میں بھی اس کے نسخے محفوظ ہیں۔

شیخ علاء الدین ابوبکر محمد بن احمد سمرقندی نے اس تفسیر کی شرح آٹھ جلدوں میں لکھی ہے، جس کا ایک ناتمام نسخہ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے۔

امام ماتریدی کی تفسیر پر جب ہم غایر نظر ڈالتے ہیں تو یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ امام نے قرآنی آیات اور نبوی آثار کی روشنی میں فقہی مسائل کا سیر حاصل تجزیہ کیا ہے، اور عربی الفاظ اور لغوی اصطلاحات کے معانی کی تعیین خود قرآن حکیم کے الفاظ اور عربوں کے استعمال کے مطابق تجزیہ کی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ فرائض

---

[1] تذکرۃ النوادر، ص ۱۷، ۱۸ دیکھیے ایم۔ ایم۔ شریف: تاریخ مسلم فلسفہ حاشیہ نمبر ۱، ص ۲۶۱۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واجبات اور سنن کی ادائیگی کا دارومدار ایمان وعقیدے کی درستگی پر ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رح نے علم کلام کے مسائل، توحید، رسالت، ایمان، حشر و نشر، جنت و نار وغیرہ کو "فقہ اکبر" کہا ہے۔ امام ماتریدی کی تفسیر سے پیشتر کی لکھی ہوئی تفسیروں میں کوئی تفسیر ایسی نہیں ملتی جس میں خصوصی طور پر شرعی احکام کے اسباب وعلل کا فقیہانہ جائزہ لیا گیا ہو۔ باوجود ضخامت کے تفسیر طبری میں ان سارے آثار و روایات کو جمع کردیا گیا ہے جو اس سورہ کے الفاظ نیز قرآن حکیم کے مفردات سے تعلق رکھتے ہیں، اور مختلف اسناد کے ساتھ حدیث و آثار کے مجموعوں میں موجود ہیں۔ آخر میں مثلاً سورہ فاتحہ کی خدائی تقسیم والی حدیث بیان کی گئی ہے۔ بس حدیث کا ذکر امام ماتریدی نے بار بار کیا ہے، اور بھی بہت سے مضامین جو دونوں کی تفسیروں میں مشترک ہیں، لیکن بیان میں سبقت کا سہرا ماتریدی کے سر ہے۔

بایں ہمہ امام ماتریدی نے "بسم اللہ" کے آہستہ پڑھنے کی وجہ حکیمانہ طور پر آثار نبوی کی روشنی میں بیان کیا ہے۔ ساتھ ہی "حمد باری تعالیٰ" کے ساتھ "کتاب اللہ" کے آغاز کرنے کی وجہ بھی بیان کی ہے۔ یہ مضامین ایسے ہیں جو اس طرح سے تفسیر طبری میں بیان ہوئے ہیں نہ تفسیر کشاف میں یہ واقعہ ہے کہ علامہ زمخشری نے اشتقاق لغت، اعراب اور اعجاز القرآن بیان کرنے میں جو محنت کی ہے وہ دوسری تفسیروں کا حصہ نہیں، ساتھ ہی مختصر طور پر فقہی مذاہب بھی بیان کرتے گئے ہیں اور انھیں خصوصیات کی بنا پر ان کی تفسیر زندہ وجاوید ہے۔

امام ماتریدی نے اشتقاق لغت اور لغوی اصطلاحات کے ساتھ زیادہ توجہ فقہی مسائل کی توضیح میں صرف کی ہے، اور خاص طور پر حنفی مسلک کی ترجیح کے عقلی و نقلی دلائل پیش کیے ہیں۔ یہ خصوصیت اتنی نمایاں طور پر اُس زمانے کی کسی دوسری تفسیر کو نصیب نہیں۔ اسی طرح امام ماتریدی نے بعض اہل تصوف کی آراء کو بھی قرآن حکیم کے واضح الفاظ و معانی کے پیش نظر جانچ پڑتال کرنے کی کوشش کی ہے۔ بنابریں اس تفسیر کی اہمیت مطالعہ کرنے سے چند در چند ہو جاتی ہے۔

امام ماتریدی نے سورۂ فاتحہ کے متعلق اپنی تفسیر میں بعض ایسی خصوصیات تحریر کی ہیں جو انھیں کا حصہ ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"نیز سورۂ فاتحہ چند در چند خیر و برکات کی جامع ہے، اور ہر خیر و برکت کی خصلت اپنے اندر سارے خیر و سعادت کے خصائل کو سمیٹے ہوئے ہے:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"حرف اول یہ کہ اللہ تعالیٰ کا قول "الحمد للہ رب العالمین" ساری نعمتوں کے لیے شکریہ ہے۔ نیز اللہ ہی کو ان ساری نعمتوں کا منبع بیان کرتا ہے۔ اس طرح کہ اس کا کوئی شریک نہیں، اور سارے بزرگ ترین محامد کا سزاوار ہے، اور وہ مدح و حمد کا مستحق اس لیے ہے کہ اس کی ساری نعمتیں اور بخششیں اس کی ساری مخلوق کے لیے عام ہیں۔ پھر اس میں اس بات کا اقرار بھی ہے کہ اللہ ایک اور یکتا ہے۔ اپنی ساری مخلوقات کے اولیں بار پیدا کرنے میں، پھر "رب العالمین" میں اس بات کی تنبیہ ہے کہ سارے عالم و مخلوقات کا پالنے والا وہی ہے اور وہی رب اور پالن ہار ہے، نیز "الحمد للہ" اور "رب العالمین" ہر دو میں دونوں جہاں کی ساری خیر و برکت جمع ہیں، اور ہر دو کلمات صدق دل سے کہنے والے کو مجبور کرتے ہیں کہ دونوں جہاں کی سعادتوں کو حاصل کرے۔"

"نیز اللہ تعالیٰ کا وصف "رحمٰن و رحیم" کے ساتھ بیان کرنا اس بات سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ کہ ان دونوں اسماء کا معنیٰ کسی اور کو حقیقت میں میسر ہو جائے۔ نہ یہ جائز ہے کہ کوئی اللہ اور رحمٰن کے حق کے مستحق ہونے کی آرزو کر سکے۔"

"نیز اس صورت کی خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ایسی صفت ہے کہ ہر نجات پانے والے کے لیے نجات اور ہر نیک بخت کے لئے سعادت ہے، اور اسی کے ذریعے سارے اسباب ہلاکت اور بربادی سے بچتا ہے۔ ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی وہ رحمت ہے جس کی وجہ سے اس نے اس رحمت کو پیدا کیا جس سے لوگوں کے آپس میں ہمدردی، غمخواری اور رحم و کرم کا وجود ہے۔"

اس تفسیر کے خصائص بیان کرتے ہوئے ہم مقطعات کی بحث کے چند اقتباسات بھی نقل کرتے ہیں، حروف مقطعات جیسے آلم، الر وغیرہ بعض سورتوں کی ابتدا میں ہیں ان کی وضاحت مفسرین نے طرح طرح سے کی ہے۔ امام ماتریدی کی تفسیر سے ان کی وضاحت کی کچھ عبارتوں کے ترجمے پیش کیے جاتے ہیں:

"یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ حروف سورتوں کے نام کی جگہ مستعمل ہوئے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کو سزاوار ہے کہ سورتوں کا نام جو چاہے رکھے۔ جیسا کہ اپنی کتابوں کے نام رکھے ہیں۔ اس بنا پر اسماء جنس کی انتہا پانچ حروف ہیں۔ اسی طرح دوسری سورتوں کے حروف مقطعات کو سمجھنا چاہیے۔۔۔"

"یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ حروف بطور تشبیب مستعمل ہوئے ہیں۔ جیسا کہ ہم اس سے قبل ذکر کر چکے ہیں تاکہ منظوم اور منثور کلام کی تفسیر ہو جائے۔ کیونکہ مشہور یہ ہے کہ کسی معشوق کے بارے میں نظم کیے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئے اشعار میں محبوب کے اوصاف کا ذکر ہوتا ہے پھر مقصود سے خرچ کرتے ہیں، یہی حال اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے کلام کا ہے . . .''

"یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان حروف کو اپنے ارادے کے مطابق نازل کیا ہوتا کہ ان حروف میں غور کرنے کے ساتھ اپنے بندوں کا امتحان لے، اور بندے اپنے مقصد کو اللہ تعالیٰ کے حقیقی معنی کے سپرد کر دیں، کہ اسی سے مراد بر آتی ہے۔ اور بندہ اعتراف کرے کہ یہ حروف متشابہات میں سے ہیں جن کا اصل مقصد انسان پر واضح نہیں ہو سکتا، اور ان میں کفر و الحاد کا تعلق ہے (کہ زیادہ اصرار و غلو سے کفر والحاد میں پڑنے کا خوف ہے)۔"

"اس امر کا بھی احتمال ہے، چونکہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ یہ لوگ (قریش) سرکشی کریں گے اور قرآن حکیم سے روگردانی کریں گے اور کہیں گے "اس قرآن کو نہ سنو" اور اس کے بارے میں لغو کلام کرتے تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کو اس طرح نازل کیا کہ قرآن میں غور و خوض کی ضرورت سمجھیں کیونکہ اس میں ایسی عبارتیں بھی ہیں جن کو وہ نہیں جانتے تھے۔ غور و خوض کی ضرورت اس لئے ہوگی کہ وہ سمجھتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں کے مانند ایک فرد تھے (اور قرآن انھیں کی زبان عربی میں ہے) یا بہ سبیل طعن (ضرورت ہوگی) کیونکہ قرآن پاک ان کے متداول اسلوب سے الگ ہے۔ چنانچہ انھیں پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی آیتیں پڑھ کر سنائیں جو انھیں مجبور کرتی ہیں۔ اس بات کے یقین کرنے پر کہ یہ قرآن اس ذات باری تعالیٰ کی طرف سے ہے جو تدبیر اشیاء کا مالک ہے اس لئے ان حروف کے آگے انھیں غور و فکر کرنا پڑا۔ سارے حروف و آیات سے قطع نظر کر کے، اور تامل کرنے کی قوت اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق سے حاصل ہوتی ہے۔"

ایک مزید اقتباس ملاحظہ ہو۔ اللہ کا فرمان ہے:

"وبشر الذین آمنوا وعملوا الصلحت" اور خوشخبری دے دیجیے، ان لوگوں کو جو ایمان لا چکے اور نیک عمل کرتے رہے۔" یہ آیت شریفہ بظاہر ان لوگوں کے خیال (یعنی معتزلہ کے خیال) کو رد کرتی ہے جو ساری فرماں برداریوں اور عبادات کو ایمان گردانتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف ایمان کی نسبت کی ہے۔ اعمال صالحہ (عبادات اور فرماں برداریوں) کو الگ بیان کیا ہے۔ البتہ نیک اعمال کی بدولت وہ بشارت کے مستحق ٹھہرے، اور خوف و ڈر ان سے دور کر دیا گیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خلاصۂ کلام یہ کہ اس تفسیر کے مطالعہ سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ امام نے اپنی تفسیر میں قرآن واحادیث کی روشنی میں عقائد اور فقہ کے مسائل کو صحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ عام لوگوں کو اہل سنت وجماعت کے طریقے پر صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کی ہے، اور ضلالت وگمراہی سے بچانے کی تدبیر کی ہے، اور اہل البدعت والاہواء کی نشاندہی کی ہے کہ ان کی بے راہ روی سے دور رہیں۔

اللّٰھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه۔

●●

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر افتخار احمد مدنی
خدابخش لائبریری پٹنہ

انیس المریدین وروضۃ المحبین

خدابخش لائبریری پٹنہ میں "انیس المریدین و روضۃ المحبین" کے نام سے سورہ یوسف کی ایک فارسی تفسیر ہے، جس کے مصنف ابونصر احمد بن محمد بن نصر بخارتی ہیں۔ مصنف نے اس کتاب کو ۴۸۵ھ-۱۰۹۲ء میں بلخ میں لکھا۔ اس مخطوطہ میں ۲۴۲ اوراق ہیں اور ہر ورق پر ۱۰ سطریں ہیں۔ ہندستان میں اس کا کوئی دوسرا نسخہ موجود نہیں البتہ پاکستان میں اس کے کئی نسخے ہیں۔ تفسیر کے مصنف ابونصر احمد بن محمد کے حالات عام طور پر تذکرہ کی کتابوں میں نہیں ملتے۔

ابونصر احمد بن محمد نے کتاب کی ابتدا میں اپنے استاد ابوالقاسم محمود بن حسن الجیہانی کا ذکر کیا ہے۔ کتاب کے مقدمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابونصر احمد بن محمد نے سورہ یوسف کی تفسیر سے متعلق اپنے استاد کی کتاب میں "حک" اضافہ کیا ہے۔ چنانچہ وہ استاد کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

" قال شیخ الامام الزاہد ابوالقاسم محمود بن حسن الجیہانی رحمۃ اللہ شاگردان از من درخواستند تاایشان را واقعہ یوسف علیہ السلام تصنیفی سازم اجابت کردم، تاایشان را از تصنیفہای دیگر استغنا پدید آید زیراکہ ہیچ قصہ از این قصہ خوشتر نیست و رغبت مستمعان بہ ہیچ قصہ چنان نی کہ بہ قصہ یوسف... واین تفسیر را 'انیس المریدین و روضۃ المحبین' نام کردم زیراکہ بحقیقت این کتاب انیس مریدان و روضہ محبانست۔"

مصنف کتاب میں اپنا اور کتاب کا تعارف اس طرح کراتا ہے:

" ومن کہ شاگرد یم بکیت ابونصر و بنام احمد بن محمد بن نصر البخاری این نسخہ را ببلخ نوشتم بتاریخ سنہ خمس وسبعین واربعمایہ و برین آمدم بترمذ وازوی دستوری خواستم و مرخواجہ را شاگرد بود بشہر بلخ او را خواجہ محمد گرگانی گفتندی باوی مقابلہ کردم بیش او برخواندم وآنچہ اشکال بود بقدر وسع حل کردیم و بعض سخنان بود درین تصنیف کہ گوینده را دشواری آمدی آنرا موجبہ و مختصر کردم

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دو واضح سورہ یوسف بتمامی بگفتم کہ وی نگفتہ بود در عین قصہ اختصار و زیادہ بود از مطول تر کردم و مشبع بیاوردم و از خدای تعالیٰ توفیق خواستم تمامی کردن این کتاب۔

مذکورہ بالا مقدمہ کی عبارت سے یہ صاف واضح ہوجاتا ہے کہ یہ کتاب " انیس المریدین و روضۃ المحبین " ابونصر احمد بن محمد کی تصنیف نہیں بلکہ ابوالقاسم محمود بن حسن جیہانی کی تصنیف ہے۔ جس میں ضرورت کے مطابق ابونصر احمد بن محمد نے کمی و اضافہ کیا ہے۔ احمد منزوی نے فہرست مشترکہ نسخہ ھائی خطی پاکستان ج ا ص ، پر " انیس المریدین و روضۃ المحبین کے ضمن میں لکھا ہے :

" ابونصر احمد بن محمد بن نصر البخاری از فیض شاگرد ابوالقاسم محمود بن حسن جیہانی کہ در شہر بلخ بہ سال ۴۷۵ھ/۲-۱۰۸۲ء کتاب استاد بیشگفتہ خود را کہ برای شاگردانش در ۴۰ مجلس بہ نام انیس المریدین و روضۃ المحبین ساختہ بود تحریر و مطولتر و مشبع تر کردہ است و از نسخہ تکملۃ اللطایف و نزھۃ الظرایف در آن گنجانیدہ است۔"

خدا بخش لائبریری میں ابونصر احمد بن محمد کی ایک اور تصنیف " تاج القصص " کے نام سے موجود ہے۔ اس کتاب میں حضرت آدمؑ سے لیکر حضور صلعم تک تمام انبیائے کرام کے قصے اور حضور صلعم سے حضرت حسینؓ کی شہادت تک کے واقعات مذکور ہیں مصنف نے اپنی تصنیف " انیس المریدین و روضۃ المحبین " کو من وعن اس کتاب میں قصہ یوسفؑ کے ضمن میں شامل کر دیا ہے۔ اس کتاب میں بھی ترقیمہ کی عبارت موجود نہیں۔ سال تصنیف کے سلسلے میں بھی مقدمہ میں مصنف نے ذکر نہیں کیا ہے۔ (سوائے قصہ یوسفؑ کے جس کے ضمن میں " انیس المریدین " ہے۔) مقدمہ میں کتاب کے نام اور اس کے مصنف کا بھی ذکر موجود نہیں، البتہ کتاب کی ابتدا میں پہلے ورق پر کتاب کا نام اور سال تصنیف کا ذکر ہے یہ وہی سال ہے جو " انیس المریدین " کا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کو " انیس المریدین " یعنی تفسیر سورہ یوسفؑ کے مکمل کر لینے کے بعد قرآن کے بقیہ انبیا قصص لکھنے کا خیال آیا۔ قصہ یوسفؑ وہ پہلے لکھ چکے تھے۔ اس لیے اسے الگ لکھنا ضروری نہ سمجھ کر من وعن " تاج القصص " میں شامل کر دیا۔ " تاج القصص " کے موضوع کے سلسلے میں مصنف نے مقدمہ میں درج ذیل عبارت لکھی ہے :

" این کتاب تفسیر و معانی نیست بلکہ کتاب اشارات و لطائف است۔"

" انیس المریدین و روضۃ المحبین " کا زیر نظر نسخہ خط نستعلیق میں ۱۰۰۱ء کا مکتوبہ ہے۔ کاتب کا نام موجود نہیں۔ اس تفسیر کو چالیس مجلسوں میں منقسم کیا گیا ہے۔ مصنف کتاب کی ترتیب کے متعلق خود لکھتے ہیں :

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"وسورہ را بہ چہل مجلس نہادم وا ضع آیت گفتم اعراب بہ بند و حکمت وی بیاوردم آنگاہ تفسیر آیت بگفتم و نکتہ و اشارات و حقایق و دقایق آن بیان آوردیم و سخنان اہل معرفت آن قدر کہ در تجدید بیان کردم و مجلس را بران ختم نمودیم و ہر آیتی را کہ ترتیب نہادیم و از ہر نوع کہ بگفتم در طریق تخفیف و تیسیر کوشیدم و از سخنان غوامض پرہیز کردم و از تطویل و تثقیل احتراز نمودیم۔"

مجلس اول کی ابتدا اس سورہ کے فضائل سے کی ہے۔ پھر اس سورہ کی آیات حروف اور کلمات کی تفصیلات بیان کرنے کے بعد سبب نزول کا ذکر کیا ہے۔ پھر اصل مطلب کی طرف آتے ہیں۔ یہاں انھوں نے اپنے استاد ابوالقاسم محمود الجیہانی کا قول نقل کیا ہے کہ:

"سورہ یوسف بمکہ فرود آمدہ است و صد و یازدہ آیت است بی خلاف و کلمات اند ہزار ہفت صد و ہشتاد و ہفت کلمہ است و حروف او ہفت ہزار و صد و شصت و شش حرف است۔"

سورہ یوسف عام قصص قرآن سے اس لحاظ سے ممتاز ہے کہ حضرت یوسفؑ کا واقعہ اور اس کے تمام پہلو تفصیلات کے ساتھ اس ایک سورہ میں جمع ہیں اور غالباً اسی وجہ سے اہل علم نے مختلف پہلوؤں سے اس کا مطالعہ کیا ہے اور مختلف ناموں سے اس سورہ کو یاد کیا ہے۔ مصنف نے بھی اس سورہ کے دس ناموں کا ذکر کیا ہے۔ اس ضمن میں اس سورہ کے مطالعہ کے سلسلے میں مخصوص رجحانات کو بھی محسوس کیا جا سکتا ہے:

"این سورہ را دہ نام است عالمانش سورہ وعد و وعید گویند، حکیمانش، سورہ احسن گویند عارفانش، سورہ معرفت گویند، محبانش سورہ محب گویند، مریدانش سورہ ریاضت گویند، عابدانش سورہ آسائشی گویند، اندوھگیانش سورہ راحت گویند، فرشتگانش سورہ عجب گویند، آدمیانش سورہ یوسف گویند۔"

مقام اسباب اور زمان نزول کے سلسلے میں مصنف نے کسی توجیہ، تطبیق اور تنقید کے بغیر مختلف روایتوں کا ذکر کیا ہے۔ مقام نزول کے سلسلے میں مصنف نے جو روایات بیان کی ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ پوری کی پوری سورہ ایک ہی مرتبہ ہجرت سے قبل مکہ میں اتری۔ اسباب نزول کے سلسلے میں بھی مصنف نے بہت سی روایتوں کو یکجا کر دیا ہے، ان میں چند یہ ہیں۔

یہ سورہ حضور صلعم کو آگاہ کرنے کے لئے نازل ہوئی کہ تیری قوم تجھ پر حسد کرتی ہے تو، تو تعجب نہ کر کیونکہ برادران یوسفؑ نے بھی یوسفؑ پر حسد کیا تھا۔ پھر خدا نے انھیں پیغمبری دی۔ یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہود ان کی ایک جماعت نے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضور صلعم سے کہا کہ "ہم لوگوں نے یوسفؑ کا قصہ توریت میں پڑھا ہے۔ اگر آپ اس قصہ کی کیفیت کو بیان کریں تو ہم ایمان لے آئیں، اور آپ کی نبوت کا اقرار کر لیں۔ حضور صلعم نے ان لوگوں کو دوسرے دن آنے کو کہا۔ اسی شب حضرت یوسفؑ کے بارے میں یہ پوری سورہ اتری۔ مصنف نے اس کے اسباب نزول کو بیان کرتے ہوئے طوسی کا قول بھی نقل کیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک بار حضور صلعم حسنؓ و حسینؓ کو لیے بیٹھے تھے، اسی دوران جبرئیلؑ آئے، اور حضور صلعم سے پوچھا آپ ان دونوں میں سے کسے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ حضورؐ نے جواب دیا: دونوں کو، جبرئیل نے آپ کو خبر دی۔ کہ یہ دونوں آپؐ کے امتی کے ہاتھوں شہید کیے جائیں گے۔ اس خبر کو سن کر آپؐ کو سخت صدمہ پہنچا اور آپؐ بیہوش ہو گئے۔ آپؐ کے ہوش میں آنے پر جبرئیل نے کہا کہ آپ کی امت پیغمبر زادگان نہیں، حضرت یعقوبؑ کے فرزند پیغمبر زادگان تھے۔ آپ دیکھیں کہ انھوں نے اپنے بھائی کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ اسی وقت اس سورہ کی ایک سو گیارہ آیتیں نازل ہوئیں تاکہ اس کے ذریعہ حضور صلعم کے دل کو خوش کیا جا سکے۔ اور پوشیدہ طور پر حضورؐ سے حسنؓ و حسینؓ کی تعزیت کی جائے۔

عبداللہؓ ابن عباسؓ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جس روز حضرت یوسفؑ کو فروخت کیا گیا، اس روز مصر میں یہ چار چیزیں نہ تھیں۔ (۱) آفتاب نہ بود از بہر آنکہ چشمہا را خیرہ کند۔ (۲) ہیچ مرد و زن بیمار نہ بود تا ہمہ بیع او حاضر آمدند۔ (۳) ہیچ مصری از مصر غائب نہ بود (۴) ہیچ کودک ہم مثال وہم جمال یوسف بنود و این عجائب روئے زمین نبود۔

سورتوں کے اسباب نزول اور فضائل سورہ کے سلسلے میں اس طرح کے جو قصص بیان کیے جاتے ہیں محققین کے نزدیک ان میں سے بیشتر تاریخی اسناد سے محروم ہیں۔ اس قصے کو احسن القصص کہے جانے کے سلسلے میں بھی مصنف نے کتاب کے مختلف مقامات پر متعدد وجوہ کا ذکر کیا ہے۔ مجلس سوم میں فرماتے ہیں:

" احسن القصص از بہر آن گفت کہ قصہای پیغمبران دیگر پراگندہ فرستاد در قرآن پارہ پارہ ہر پارہ بسورۃ قصہ آدم را بہ دوازدہ سورہ قصہ ابراہیم را بہ ہژدہ سورہ قصہ لوط را بہ سورہ قصہ موسیٰ را بست ونہ سورہ قصہ شعیب را در سہ سورۃ قصہ عزیر را بہ دو سورہ قصہ ایوب را بہ دو سورہ قصہ سلیمان را بچہار سورہ قصہ داؤد را بہ پنج سورہ قصہ زکریا را بہ سہ سورہ قصہ عیسیٰ را بہ نہ سورہ، و قصہ یوسف علیہ السلام با اول تا آخر بیک سورہ فرستاد چون قصہ پیغمبران دیگر پراگندہ بود احسن نگفت و چون قصہ یوسف علیہ السلام بترتیب در یک سورہ بود احسن گفت و قبل قصہ پیغمبران دیگر را

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

احسن نگفت زیرا کہ قصہ ایشان با کافران بود و درمیان قصہ ایشان نام دشمنان بود و قصہ کہ از دشمنان حکایت کند احسن نگویند چوں قصہ یوسف با برادران و دوستان بود لاجرم احسن آمد" (ب)

دوسری جگہ فرماتے ہیں :

" چون محنت یوسف سخت ترین محنتہا بود و نسب یوسف عالی ترین نسب ہا بود لاجرم قصہ او بہترین قصہ آمدہ بود" (۱۰۱ الف)

ایک مقام پہ سورہ یوسف کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قرآن میں دس سورہ ایسی ہیں، جس میں صرف دس لوگوں یا واقعات کا ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً :

(۱) سورہ نوح حضرت نوح ۲۸ آیت۔(۲) سورہ والضحیٰ حضرت مصطفیٰ ۱۱ آیت۔(۳) الم نشرح اکرام تحقیق مصطفیٰ۔ ۸ آیت۔(۴) انا انزلناہ فی لیلۃ القدر۔ شب قدر ۵ آیت۔(۵) القارعہ۔ قیامت ۸ آیت۔(۶) الم ترکیف۔ اصحاب فیل ۵ آیت (۷) الکوثر۔ کوثر ۳ آیت (۸) تبت۔ بیان حال ابولہب ۵ آیت۔(۹) قل ہو اللہ۔ خبر صفات ذات۔ ۴ آیت۔(۱۰) یوسف حضرت یوسف ۱۱۱ آیت۔

مذکورہ بالا ابتدائی نو سورہ کی کل آیت ۷۹ ہیں جبکہ تنہا سورہ یوسف کی ایک سو گیارہ آیتیں ہیں (۱۰۱ الف)

مصنف نے تفسیر کی ابتداء اس سورہ کی آخری آیت " لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ سے کی ہے۔ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

" این آیت بپایان این سورہ است ما نیز بپایان سورہ شویم آنجا کہ عبرتست و در عبرت سخن گفتن آغاز کنیم تا از جملہ عبرت گیران باشیم ورنہ از جملہ قصہ گویان "

پھر دوسری سورتوں کی آیات اور قصص و تمثیلات سے سورہ کی تفسیر کی ہے اور لطائف و نکات کثرت سے بیان کئے ہیں۔ نحوی و صرفی استعمالات پر بھی گفتگو کی ہے۔ مثلاً " اذ " اور " اذا " کے استعمال سے متعلق وادِ قال یوسف کے ذیل میں لکھتے ہیں :

" بدانکہ " اذ " و " اذا " ہر دو بلغت و معنی یک است چہ حکمت بود کہ اینجا " اذ " گفت اذا نگفت جواب گویم کہ اذ و اذا ہر دو یک است لیکن عرب را عادتے است کہ چوں کارے کردہ شدہ باشد و گذشتہ آنرا باز یاد کنند اذ گویند اذ دلیل گذشتہ بود و اذا دلیل نا آمدہ " (۱۰)

اجعلنی علی خزائن الارض سے آٹھ نکتے مستنبط کئے ہیں :

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۔ فایدہ اول:۔ روا باشد عالمانرا نزدیک بادشاہان رفتن برای مصالح و نیک آمدہ خلقے را تا نیک نمایند و نیکی فرمایند و خلق را نیکی از ایشان رسانند۔

۲۔ فایدہ دوم:۔ روا باشد درویشانرا از توانگران چیزی خواستن چون بدان محتاج باشند۔

۳۔ فایدہ سوم:۔ روا بود مومنانرا از کافران حاجت خواستن چون ضرورت بود۔

۴۔ فایدہ چہارم:۔ روا باشد مومنانرا در ولایت کافران بودن۔

۵۔ فایدہ پنجم:۔ روا باشد کافران را کہ مومنانرا بستانید اما روا نباشد مومنانرا کہ کافران (را) بستانند۔

۶۔ فایدہ ششم:۔ بر علماء واجب است کہ بادشاہان را نصیحت کنند۔

۷۔ فایدہ ہفتم:۔ روا نبود توانگران شاکر را از درویش صابر فاضلتر گفتن۔

۸۔ فایدہ ہشتم:۔ ہر کہ بچیزی دعویٰ کند صدق آن دعویٰ از وی طلب کند۔ (۹۰-۸۹)

پھر انھیں دلائل سے ثابت کیا ہے، جس کا خلاصہ ترتیب وار درج ذیل ہے:

"یوسف ملک ریان کی صحبت میں گئے اور سلطان کے کاموں میں ہاتھ بٹایا۔ یوسف غریب تھے اور ریان دولت مند۔ یوسف نے اس سے دنیا چاہی، اپنے لیے نہیں بلکہ مصریوں کے لیے۔ یوسف نے ریان کافر سے ضرورت چاہی اور رہائی۔ یوسف ریان کی ولایت میں رہے۔ ابھی بھی مسلمان کافروں کی ولایت میں ہیں اور اس میں رہنے کی غرض یہ ہے کہ کفار اسلام کی خبر پائیں تاکہ ان کے لیے قیامت میں کوئی حجت نہ رہے کہ مجھے معلوم نہ تھا یا مجھے خبر نہ تھی۔ ریان کافر تھا اور اس نے یوسف کو ستایا، لیکن یوسف نے اس کو نہیں ستایا۔ جس طرح یوسف نے ریان کو نصیحت کی کہ قحط کے دنوں میں تم خلق خدا کو انصاف نہیں دے سکتے۔ اس لیے یہ کام میرے سپرد کر دو۔ یوسف دل سے صابر درویش تھے۔ خدا نے اس صابر کو نہیں ستایا۔ جب توانگر ہوئے تو شاکر ہو گئے، توانگری کی وجہ سے دوسروں کو ستایا۔ جس طرح یہ کہ ریان نے دعویٰ کیا کہ "استخلصہ لنفسی" اس دعویٰ کی صداقت اسی نے چاہی جواب ملا اجعلنی علی خزائن الارض ریان نے اپنا دعویٰ وفا کیا، اور کہا "انک الیوم لدینا مکین"۔"

مصنف نے سورہ کی آخری آیت پر تفسیر تمام کرتے ہوئے بڑی معنی خیز بات کہی ہے۔ ترمذی کے حوالہ سے کہتے ہیں کہ:

"قال استاد الترمذی این ہمہ عبرتست۔ خردمندان را گفت کہ عبرتست۔ ہمہ خلقان را نگفت عبرتست خردمندان را ایشان را بذکر مخصوص کرد از بہر آنکہ خردمندان نیکو دل باشند و یوسف نیکو روی بود و نیکو روی را بہ نیکو دلان نمود

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وگفت این نیکو دلان بہ کہ بر ید این نیکو روی را ببینید کہ او را نیکو روی بود و شما را نیکو دل است.
آنجا ر دلست اینجا دل آنجا کہ دل بود نظارہ زلیخا اینجا کہ دلست نظرگاہ بار خدائیست آنجا کہ روی بود خریدارش ریان بود و اینجا کہ دلست خریدارش دیان است۔ مصری یوسف علیہ السلام را بخرید آنجا گفت۔ "وقال الذی اشتراہ من مصر لامراتہ اینجا گفت ان اللہ اشتری من المومنین" (۱۴۲)

کتاب کے اختتام سے قبل مصنف نے حضرت یعقوبؑ اور یوسفؑ کی وفات کا حال تفصیل سے لکھا ہے۔ یہاں مصنف نے ایک جگہ حضرت یوسفؑ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ حضرت یعقوبؑ کی وفات کے بعد ۴۶ سال زندہ رہے۔ (۱۳۸) جبکہ دوسری جگہ ان کے ۲۳ سال زندہ رہنے کا ذکر کیا ہے۔ (۱۴۰) کہتے ہیں کہ موت سے قبل حضرت یوسفؑ نے اپنے لڑکے افرائیم سے وصیت کی کہ میری موت کے بعد میری لاش کو کسی مقام پر رود نیل کے رُخ کو موڑ کر زمین نظر آجانے پر ایک قبہ بنا کر اس میں رکھ دو پھر اس کے رخ یا بہاؤ کو جاری کر دو چنانچہ ایسا ہی کیا گیا حضرت یوسفؑ کی وفات کے تقریباً چار سو سال بعد جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں فرعون کو دریائے نیل میں غرق کئے جانے سے قبل خدا کی طرف سے حضرت موسیٰ کو حکم ہوا کہ وہ یوسفؑ کے تابوت کو وہاں سے نکال لیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ حضرت یوسفؑ کی لاش کو وہاں سے نکال کر بیت المقدس لے گئے اور وہیں دفن کر دیا۔

●●

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر فضل الرحمن گنوری

شعبۂ اسلامیات علیگڑھ

امام غزالی کی تفسیر سورۂ یوسف کا علمی تجزیہ

ابتدائے اسلام سے لے کر دور حاضر تک جملہ اسلامی مفکرین مدبرین اور علماء و فضلاء نے قرآن و حدیث کی تشریح و توضیح میں اپنی عمر عزیز کا بہترین حصہ صرف کیا ہے تاریخی طور پر یہ بات اپنی جگہ پر ثابت ہے کہ قرآن پاک کے متعلق جو حدیثیں صحابہ کرام کے علم میں آئیں ان کو خاص اہتمام سے محفوظ رکھنے کی کوششیں کیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباس سے اس سلسلے میں کافی حدیثیں منقول ہیں۔ یہ بات دوسری ہے کہ زمانہ کی نیرنگیوں اور ابتدائی دور کی سیاسی رقابتوں نے کچھ ان کا بھی اضافہ کیا جو اصلاً و نقلاً ان سے منسوب نہ تھیں۔ اس طرح عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عمرو بن العاص سے اس قبیل کی جو حدیثیں منقول ہیں ان پر علمائے اپنے فنی جرح و تعدیل کے ذریعہ بھرپور تنقیدی نگاہ ڈالی ہے۔ یہ بتایا جاتا ہے کہ حدیث کے مجموعوں کے عام ہونے سے پہلے قرآن پاک کے تفسیری اجزاء لوگوں میں عام اور مقبول تھے۔ مسلمانوں کی دینی ضروریات میں قرآن کی تعلیم و تفہیم اور اس سے استفادہ اولین ضروریات زندگی تھیں بلا امتیاز مکاتب فقہ ہر نماز میں قرآن کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں جن پر اہل علم کا تدبر مسائل کا استنباط ساتھ ساتھ جاری رہا۔ شروع شروع قرآن پاک کو زمانہ جاہلیت کی عربی زبان میں سمجھنے کی کوششیں ہوئیں اور اس کی خاطر علماء نے اپنی توجہات مبذول کیں۔ قواعد زبان کا استنباط اور لغات القرآن پر خاص توجہ دی گئی۔ پھر احادیث کی مدد سے احکام و مسائل کی توضیحات و تشریحات اور تاویلات کے تلاش کرنے کا کام شروع ہوا۔ طبری (۲۲۴/۸۳۹-۳۱۰/۹۲۳ء) کے یہاں ایسے جملہ مسائل کی نشاندہی ہوتی ہے۔ ابن کثیر (۷۰۱/۱۳۰۲-۷۷۴/۱۳۷۳ء) کے یہاں ان تمام امور کے ساتھ ایسے مسائل بھی نظر آتے ہیں جن سے اس وقت کے معاشرے کو سروکار رہا۔ فخر الدین رازی (۵۴۴/۱۱۵۰-۶۰۶/۱۲۱۰ء) نے زمانہ کی توجہات کو سامنے رکھ کر آہ سحر گاہی اور علم و فضل کی نقطہ رسی کو باہم آمیز کیا۔ صاحب کشاف (۴۶۷/۱۰۷۵-۵۳۸/۱۱۴۴ء) نے اپنے دور میں جن عقلی مسائل (RATIONAL PROBLEMS) کو قابل توجہ سمجھا اپنے لغوی اور معنوی مہارت کے ساتھ بڑی چابکدستی سے سمولیا۔ زمخشری کو نحو و لغات اور زبان و ادب کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیگر اصناف پر جو دسترس حاصل تھا اس کا زعیمانہ اظہار اس کی اس تفسیر میں ہے۔ چنانچہ اپنے دور کے متکلمانہ مہارت کے ساتھ فصاحت وبلاغت کے زور اور معانی وبیان کی چستی کے ساتھ ایجاز نمائی کی بہترین مثالیں اس نے پیش کیں۔

علمائے اشاعرہ کے مکتبِ خیال نے یہ سمجھتے ہوئے کہ اعتزال کی سمّیت اس میں کہیں کہیں سمودی گئی ہے پھر بھی انہوں نے اس کا مطالعہ اپنے مدارس میں قائم رکھا اور زمخشری کا کھلا اعتزال مانع نہ ہوا۔

محمد بن محمد احمد طوسی جو ابو حامد محمد غزالی کے نام سے شہرۂ آفاق ہوئے، ۴۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ غزالی کا یہ دور وہ دور تھا جبکہ متکلمین کے درمیان مباحثے گرم رہا کرتے تھے اور اسرار شریعت کو اسی متکلمانہ انداز میں سمجھنے کی کوشش جاری تھی۔ ان کی یہ عقلیت پسندی (RATIONALISM) وقت کی فضا پر چھائی ہوئی تھی۔ اور شریعت کے اکثر مسائل کی توضیح وتشریح اسی آئینے کو سامنے رکھ کر کی جاتی تھی۔ ابو موسیٰ اشعری اور باقلانی معراج اقلیت تھے۔ امام غزالی کے اس دور میں جو جمود طاری ہو گیا تھا اس نے انھیں مجبور کیا کہ وہ خود بھی اس کی تحقیق کریں اور اوّل ان متکلمانہ اور بعد میں فلسفیانہ توجیہات کو پرکھیں۔ چنانچہ انھوں نے "المنقذ من الضلال" میں ایک جگہ لکھا ہے کہ میں نے ان متکلمین ومحققین کی کتابوں کا بہت گہرا مطالعہ کیا اور ان کے مطالب کی گہرائی تک پہنچ گیا پھر بھی اس سے بایں وجہ توجہ ہٹانی پڑی، لکھا ہے:

فصادفتُه علماً وافیاً بمقصوده غیر وافٍ بمقصودی انما مقصوده حفظ عقیدة اهل السنة علی أهل السنة وحراستها عن تشویش أهل البدعة واعتقاد المتکلمین علی مقدماتٍ تسلموها من خصومهم واکثر خوضهم فی استخراج مناقضات الخصوم ومواخذتهم بلوازم مسلماتهم[1]

میں نے اس علم کو پورے طور پر اس مقصد کے حصول کے لیے حاصل کیا مگر یہ میری مقصد براری میں کافی ثابت نہ ہوا۔ اس سے مقصود اہل سنت کے عقیدے کو اہل سنت کی خاطر محفوظ رکھنا تھا اور اہل بدعت کی پریشان خیالوں سے محفوظ متکلمین کا یہ خیال رہا ہے کہ اپنے مخالفین سے اپنے مرتب کیے ہوئے مقدمات کو تسلیم کرالیں۔ اس کی خاطر ان کا غور وفکر اپنے مخالف کے متناقض مسائل کی گرفت رہی اور نتیجتاً ان کے مسلمات کے الزامی جواب کا مواخذہ۔

امام غزالی کو ان مناقضات میں پوری تسکین حاصل نہ ہوئی اور اس کے نفع وطرز کو آزمانے کے بعد اس سے بددل ہو گئے۔ اور بالآخر اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ جملہ کام تضیع اوقات کے مترادف ہیں اور اسلام کے حقائق ان

[1] المنقذ من الضلال ص ۵۷

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

موشگافیوں کے مداوے کسی نوع اجاگر نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ خود وہ لکھتے ہیں:

وھذا قلیل نفع فی حق من لا یسلم سوی الضروریات شیاً اصلاً فلم یکن الکلام فی حقی کافیاً ولا الداء الذی کنت اشکوہ شافیاً۔[1]

یہ اس کے لیے بے سود ہے جو دینی ضروریات کے علاوہ کچھ بھی تسلیم کرنا نہیں چاہتا۔ اس لیے علم کلام میرے لیے کافی نہ ہو سکا اور نہ میرے اس مرض کا علاج ہوا جس کی مجھے شکایت تھی۔

امام غزالی نے مختلف وادیوں کی خاک چھانی اور علم وفضل کے ریزے چنتے رہے متکلمین کے یہاں پہنچے۔ حکما اور فلسفیوں سے آشنا ہوئے اور ان کے فکر وخیال کی وادیوں کو بڑی مشقتوں سے طے کیا مگر بالآخر جب علمی تجزیہ پر آئے اور تنقیدی نظر ڈالی تو یہاں بھی ان کو سکون نصیب نہ ہوا۔ اس کے بعد تصوف کی وادی کا رخ کیا۔ یہ خود لکھتے ہیں کہ دس سال متواتر اس وادی میں چلتے رہے اور جب بھی خلوت میں بیٹھتے تو اپنا محاسبہ کرتے۔ آخر کار اس نتیجے پر پہنچے!

انی علمت یقیناً ان الصوفیۃ ھم السالکون لطریق اللّٰہ تعالیٰ خاصۃ وان سیرتھم احسن السیر وطریقتھم اصوب الطرق واخلاقھم ازکی الاخلاق۔[2]

مجھے یقین ہو گیا کہ صوفیہ کا طریقہ کار اللہ تعالیٰ کے لیے خالص ہے اور ان کی سیرتیں بہترین ہیں۔ اور ان کا طریقہ کار صوابدید کا طریقہ ہے اور ان کے اخلاق صاف ستھرے ہیں۔

غزالی کی خلوت والی یہ دنیا بھی قائم نہیں رہی اور اپنے اوراد واشتغال کے زاویے سے نکل کر اسرار شریعت کی وسعتوں میں قدم رکھنا چاہا، اصلاح معاشرہ کی ضرورتوں کو شدت سے محسوس کیا اور اس کی خاطر ایک طبیب پُر درد کی طرح بے چین ہو کر یہ کہتے ہوئے نکلے کہ ہمیں اس خلوت سے کیا فائدہ جب کہ مرض عام ہے یہاں تک کہ اطباء بھی مریض ہو چکے ہیں اور مخلوق خدا ہلاکت کے قریب ہے۔ ان امراض کا علاج ضروری ہے اور ان ظلمتوں کے پردے کو چاک کرنا لازم ہے یہ سوچ کر آگے بڑھے کہ زاویوں اور گوشہ گیری کے صدق وصفا پر عمل کرتے ہوئے عوام کو دعوت عمل دی جائے۔ چنانچہ انھوں نے ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کا تہیہ کر لیا جس میں ایسے خیالات اور ایسے اعمال پروان چڑھ سکیں جو معاشرے کو اصل شکل میں لے آئیں۔ وہ خود کہتے ہیں:

ولایتم ذالک الا بزمان مساعد وسلطان متدین قاھر۔[3]

(ہماری یہ آرزو پوری نہیں ہو سکتی جب تک کہ زمانہ ساتھ نہ دے۔ اور کوئی متدین با اختیار فرمانروا اس کے لیے آگے نہ بڑھے۔)

---

[1] المنقذ من الضلال ص ۵۷۔ [2] ایضاً بحوالہ سابق ص ۱۳۱ [3] ایضاً ص ۱۵۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان تغیرات اور تطورات کے اندر امام غزالی کشاں کشاں اور ردوار دوال آگے بڑھتے رہے اور ان کو اگر فکری مدد کہیں سے مل سکتی تھی تو وہ قرآن کے علاوہ اور کہیں سے نہیں۔ یہ ان کی زندگی کا آخر دور ہے۔ امام غزالی تمام وادیوں سے آبلہ پا گذر کر اس وادی میں قدم رکھتے ہیں کہ ع سر شوریدہ بر بالین آسایش رسید ایں جا[1]

امام غزالی نے قرآن سے بھرپور استفادہ کیا اور اپنی فکر و روح کو ایسا وابستہ کیا کہ پھر ان کے تحریر و مواعظ اسی کے سادہ استدلالات سے معمور و منور رہے اور یہ دوسرے در کے گداگر نہ رہ سکے۔ اپنی ذات کو مخاطب کر کے کہتے ہیں۔

آلم اُحسب الناس اَن یترکوان یقولوا اٰمنا وھم لایفتنون ولقد فتنا الذین من قبلھم۔[2]

مختلف آیات قرآنی سے استدلال کرتے ہیں اور شہادت یہ پیش کرتے ہیں کہ معاشرے کی اصلاح تمام دیگر اصلاحات کے لیے لازم ہے گویا صوفیاء کی صفائے باطن کا مظہر انسانی معاشرہ ہے اور اسی میں اس کی مشق ہوگی۔ چنانچہ صوفیاء کے طریقہ کار کو زندہ رکھتے ہوئے وسعت کے ساتھ معاشرہ پر پھیلا دیتے ہیں اور عوامی ربط کو وسیع تر بنانے کی کوشش کرتے ہیں کہ

اے پیرِ حرم رسم و رہِ خانقہی چھوڑ مقصود سمجھ میری نوائے سحری کا (اقبال)

المنقذ من الضلال جو امام غزالی کو گمرہی سے آگہی کی طرف لیے جا رہی ہے غزالی کی خود نوشت سرگذشت حیات ہے اور اس میں زندگی کے لہو کی ان ناہمواریوں کا ذکر ہے جس سے انھیں گذرنا پڑا تھا پھر قرآن کی روشنی میں انھیں یہ انکشاف ہوا کہ صوفیا کا طریقہ اصلاح باطن کی اصلاح کے لیے ضروری ہے مگر یہ صفائے باطن عام انسانی معاشرے کے کام آئے تو منشائے رسالت پورے طور پر بروئے کار آئے۔ اس میں شریعت حقہ کے مطالعہ کا ذکر بڑے آب تاب سے آیا ہے۔ قرآن و حدیث کے مطالعہ اور غور و فکر کے پس منظر میں ان کے یہی تجربات زندگی ہیں۔

ممکن ہے کہ اپنی چند در چند مشغولیتوں کی بناء پر پورے قرآن پاک کی تفسیر نہ لکھ سکے ہوں۔ جیسا کہ بعض مصنفین کی تحریروں سے گمان ہوتا ہے لیکن زیر نظر تصنیف سے اس کی کمی کسی قدر پوری ہو جاتی ہے۔ ان کی تصانیف میں ایسی کتابوں کا ذکر ضرور آیا ہے جن سے غزالی کے آخری دور کے ترجمان کا پتہ چلتا ہے۔ زیر بحث سورہ یوسف کی اس تفسیر میں شخصی صفائے باطن کی پوری تعلیم دی گئی ہے اور اس کو صرف فرد تک محدود نہیں رکھا گیا ہے بلکہ عوام کی اصلاح حال اور ان کی پریشانیوں کے دفعیہ کے لیے اس کے مضمون کو بڑے اچھے طریقے سے استعمال کیا گیا ہے۔ ابرہہ اور فراعنہ کے تحکم و اقتدار کے باوجود زمام کار کو ہاتھ میں لینے کی تعلیم خدا کی حاکمیت کے قیام کی خاطر

---

[1] حرزجان از پائے رہ پیما ہے سرگشتگی دیدم (مصرع اوّل) [2] العنکبوت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر اچھا بادشاہ ہو، خوفِ خدا سے اس کا دل معمور ہو اور اعمال اسی قالب میں ڈھلتے ہوں تو قحط و خشک سالی میں بھی عوام کی بڑے اچھے طریقے سے خدمت کی جا سکتی ہے۔ خوفِ خدا اور اس کی توفیق سے ایسا تدبر اختیار کیا جا سکتا ہے، جو ہزاروں لاکھوں کی جان مال کی حفاظت کر سکے۔

تفسیر یوسف کے چار قلمی نسخے مولانا آزاد لائبریری میں ذیل کی تفصیل کے ساتھ موجود ہیں:

۱۔ نسخہ الف نمبر ۴۴ عربیہ مذہب (۱) لٹن لائبریری۔ شروع میں ایک مہر ثبت ہے جس میں لکھا ہوا ہے: PRESENTED BY KHALIQ AHMAD NIZAMI اصل کتاب کے پہلے صفحہ پر جو کاتب کے حروف میں ہے لکھا ہے: شرع کتابته فی لیلة الاثنین بعد صلوٰة العشاء تاریخ التاسع من شهر جمادی الثانیة سنه ۱۱۰۸ھ

۲۔ صفحہ اول پر ایک دوسری طرف سورہ یوسف لکھا ہوا ہے۔ کل اوراق ۵۰ ہیں۔ اس کو دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اخیر سے ناقص ہے جہاں سے کچھ اوراق غائب ہو گئے ہیں عام طور پر ہر صفحہ میں پندرہ سطریں ہیں۔ کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ بیچ بیچ میں جگہ چھوڑ دی گئی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سطر کاتب سے پڑھی نہ گئی اور آئندہ کے لیے اٹھا رکھا گیا کہ پڑھ کر لکھا جائے گا۔ ورق ۲۰ پر قوله تعالیٰ کر کے جگہ چھوڑ دی گئی ہے۔ اور یہی وہی جگہ ہے جہاں یوں لکھا ہوا ہے:

"وفی الخبر یکون فی الجنة سبعة اشیاء من غیر جنس بنی آدم ولا من جنس الجن: ذئب یعقوب وکلب اصحاب الکهف وناقة صالح علیه السلام وحمار عزیر وفیل أصحاب الفیل ودلدل علی رضی الله عنه وبغلة نبینا صلی الله علیه وسلم۔

حدیث میں وارد ہے کہ جنت میں سات چیزیں ایسی ہوں گی جو نوعِ آدم اور جن سے مختلف ہوں گی وہ یعقوب کا بھیڑیا، اصحاب کہف کا کتا، صالح علیہ السلام کی اونٹنی، عزیر کا گدھا، اصحاب فیل کا ہاتھی، علی رضی اللہ عنہ کا دُلدُل، ہمارے نبی کا خچر ہیں۔

جملہ نسخوں میں ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے:

بسم الله الرحمٰن الرحیم الحمد لله الذی شهرة المکنونات بوحدانیته لانت المصنوعات لعظمته وخفظة الجبابرة لعزتہ۔ نسخہ الف میں جابجا الفاظ کے معنی فارسی میں دیے ہوئے ہیں مثلاً اللین۔ نرم بودن، اسی طرح دوسرے نسخوں سے مقابلے پر معلوم ہوا کہیں کہیں الفاظ میں کچھ تبدیلی ہے مثلاً نمبر ۲ بجائے مصنوعات مخلوقات لکھا ہے۔ آگے چل کر یہ لکھا ہے قال الشیخ الامام الاجل ابوحامد محمد الغزالی رحمه الله۔

۲۔ نسخہ ب: یہ یونیورسٹی لائبریری میں ذخیرہ سبحان اللہ کا نسخہ ہے جس کا ۲۲/۲/۱۱۲ ۔ ۲۹۷ میں اندراج ہے کل اوراق ۶۹ ہیں۔ ترقیمہ کے طور پر لکھا ہوا ہے۔ تمام شد هذه النسخة الشریفه تفسیر سورہ یوسف علیہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الصلوٰۃ والسلام تصنیف حضرت امام الصالحین امام محمد الغزالی قدس اللہ سرہٗ ۔ مالک کاتب خادم الطلبہ شیخ محمد ولد شیخ عبدالرشید صدیقی لاہوری وکاتب چند اوراق خواجہ محمد عرف محی ولد شیخ عبدالرسول حافظ کلام اللہ فی التاریخ جمادی الاول ۱۱۰۸ ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم آخر میں دو مہر ثبت ہے اس میں یہ لکھا ہے شیخ محمد صدیقی ۱۱۰۸ھ ۔

معلوم ہوتا ہے کہ الف اور ب ایک ہی سال میں کتابت کیے گئے ۔ نسخہ ب میں عام طور پر اکیس سطریں نستعلیق میں لکھی گئی ہیں جو پڑھی جا سکتی ہیں مگر خوشخط نہیں ۔ قرآنی آیات خط نسخ میں لکھی گئی ہیں ۔ یہ خط بھی اچھے نہیں ۔ کہیں کہیں سرخ روشنائی کا استعمال ہے ۔ اس میں حواشی جابجا الفاظ کے معنی کے طور پر لکھے گئے ہیں ۔

۳۔ نسخہ ج ، نمبر ۶۸ عربیہ مذہب (۱) یونیورسٹی کلکتہ ، شروع میں کسی نے لکھا ہے :

کتاب مستطاب تفسیر سورہ یوسف علیہ السلام کل اوراق ۷۸ سطریں ۱۹ خط صاف ہے مگر نستعلیق املا کی غلطیاں بھی ہیں ۔ اخیر میں کسی اور قلم سے فارسی میں الفاظ کے معنی اور احادیث وغیرہ درج ہیں ۔ اس لیے اصلاً یہ تفسیر ورق ۷۷ الف پر ختم ہوتی ہے اور رب قد آتیتنی من الملک وعلمتنی من تاویل الاحادیث فاطر السموات والارض انت ولی فی الدنیا والآخرۃ توفنی مسلماً والحقنی بالصالحین کی تفسیر پر ختم ہے مگر کوئی ترقیمہ درج نہیں جس سے یہ معلوم ہو سکے کب اور کس کاتب کے ہاتھ کا لکھا ہے ۔ کاغذ سے نسخہ قدیم معلوم ہوتا ہے ۔

۴۔ نسخہ د ، یہ لٹن لائبریری ایم اے او کالج علیگڈھ کا نسخہ ہے اور اس کا اندراج تفسیر نمبر ۲ پر ہے ۔ اس کے شروع میں لکھا ہوا ہے "تفسیر سورہ یوسف مولفہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کل اوراق ۴۴ سطریں ۲۱ حالیکتابت کاغذ شیشی" ۔ یہ نسخہ تمام نسخوں سے زیادہ صاف ہے ۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ کالج کے زمانہ طالب علمی میں کسی نے اسے نقل کیا ہے اور کتاب تقریباً فل سائز میں ہے اور طرز تحریر جدید ہے ۔ خط واضح اور صاف ستھرا ہے ۔ مطالعہ میں کوئی دقت نہیں ہوتی ۔ راقم کے شمار کرنے پر معلوم ہوا کہ کل اوراق ۶۸ ہیں اور سورہ یوسف کی پوری تفسیر پر مشتمل ہے کتاب کے ایک گوشہ میں کسی نے ۴۴ ورق لکھے ہیں یہ صحیح نہیں ۔ اسی بنا پر غالباً کارڈ کیٹلاگ میں ۴۴ اوراق دیے گئے ہیں ہر صفحہ میں ۲۱ سطریں بالالتزام پائی جاتی ہیں ۔ مضامین کی تقسیم فصل وار کی گئی ہے چنانچہ پہلی فصل فی الوجود ہے ۔

ترقیمہ : اتمت بالخیر تاریخ سازدھم ربیع الآخر ۱۲۸۳ھ روز سہ شنبہ بانجام رسید کتبہ العبد المذنب کریم بخش غفر اللہ لہ ۔ ان چاروں نسخوں میں بعض الفاظ کا اضافہ یا کمی ہے مگر ترتیب تقریباً وہی ہے چنانچہ سورہ یوسف کے شان نزول کے متعلق حضرت ابن عباس سے جو روایت نقل کی گئی ہے وہ اپنی تفصیل میں یکساں ہے ۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ ہم لوگ ان قدیم کتابوں سے ہدایت نہیں حاصل کرتے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو پہلے مسلمانوں کے لیے نازل کی گئی تھیں اور نہ ہم ایسے لوگ ہیں جو ان کتابوں کا مطالعہ کر سکیں ہمارے آبا واجداد بارہ سو برس تک بت پرستی کرتے رہے اب ہم آپ پر کیسے ایمان لائیں۔ ہم اپنے اجداد سے سنتے آئے ہیں کہ خدائے تعالیٰ اپنی مخلوق کی خاطر ان میں سے ہی رسول بھیجتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جیسے تم لوگ بتاتے ہو ہدایت کیسے حاصل ہو سکتی ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ هو الذی بعث فی الامیین رسولاً من هم الخ

تم لوگ جا کر صاحبان توریت و انجیل سے میرے بارے میں پوچھو وہ تمہیں خود ہی بتا دیں گے وہ لوگ لوٹ گئے اور عنترہ[1] بن ابی جہل کے گھر میں جمع ہوئے۔ پھر باہمی مشورے سے ابی بن کعب ابن عکرمہ الاشرف ابن کعب مالک بن الطیف اور صبی بن اخطب کے پاس خطوط لکھے گئے۔ ان میں آپ کے نعوت و صفات اور فصاحت و عظمت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا گیا تھا کہ ہم میں ایک شخص ان ان صفات کا اور ان ان خصوصیات کا پیدا ہوا ہے جو اپنے کو نبی بتاتا ہے آپ لوگوں کے علم میں اس سے متعلق جو معلومات ہوں ہمیں مطلع کیجیے۔ جب یہود نے خط پڑھا مندرجہ صفات سے آگہی حاصل کی تو ان کے اندر ہل چل مچ گئی اور انھیں اس کے حق ہونے کی تصدیق میں تورات سے تقابل کرنا پڑا۔ جملہ صفات وہی تھیں جو وہاں مذکور تھیں اور اس آیت قرآنی کی تصدیق ہوئی کہ: الذین آتیناهم الکتاب یعرفونه کما یعرفون ابناء هم الآیۃ۔

انھوں نے ہدایت کی کہ تم جا کر ان سے یہ باتیں دریافت کرو اوّل ذوالقرنین کے متعلق دوسرے روح کے بارے میں تیسرے حضرت یوسف صدیق کے واقعے سے متعلق۔ اگر وہ ان کا تشفی بخش جواب دیں تو تم لوگ ان کی باتوں کو قبول کر لو۔ وہ تمہارے یہاں رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں نہ کہ ہمارے لیے ہمارے رسول تو وہ ہیں جو بنی اسرائیل کے پاس انھیں میں سے بھیجے گئے۔ یہ عربی رسول ہیں اور عرب کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ ان کے نعوت و صفات اور فصاحت کلام کے متعلق ہماری کتاب میں لکھا ہوا ہے۔

جب جواب خط ان لوگوں کو ملا تو یہ آنحضرت کے پاس گئے اور کہا کہ اے محمد اگر آپ سچے ہیں تو ہمیں ان تین امور سے متعلق بتائیے۔ نمبر ۱ ذوالقرنین نمبر ۲ الروح نمبر ۳ قصہ یوسف الصدیق آپ نے فرمایا میں بتاؤں گا مگر آپ ﷺ اس وقت اس کی وضاحت نہیں کر سکے۔ تین دن تک وحی موقوف رہی۔ یہ قصہ معروف ہے۔ پھر اللہ نے سورہ یوسف علیہ السلام نازل فرمائی۔

---

[1] لفظ عنترہ کے پڑھنے میں بعض کا تو ... ہی ہے۔ اسی طرح ان چاروں نسخوں میں لفظی اختلافات ہیں جن کو ایڈٹ کرتے وقت ظاہر کیا جا سکتا ہے۔ ایسا اختلاف کم ... ہے ... کوئی تبدیلی واقع ہو ...

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضامین: آلٓرٰ تلک اٰیٰتُ الکتاب المبین ۝ اس کے ذیل میں کلام الٰہی کے مختلف پہلوؤں کا ذکر کیا گیا ہے اور اتنا طویل ہے کہ کلام الٰہی سے متعلق وہ تمام بحثیں جو معتزلہ و اشاعرہ کے درمیان مختلف صفات الٰہی کے سلسلہ میں ابھری تھیں کسی نہ کسی نوع سے تحریر میں آتی ہیں مگر متکلمین کے ذکر کو نہ لاتے ہوئے تفصیل بیان کی گئی ہے۔ لوح محفوظ میں کلام الٰہی کا ثبات۔ پھر وہاں سے آنحضرت پر نزول کلام وغیرہ کی طرف شستہ مستہ میں پوری گفتگو مثبت انداز میں ہے اور سابق متکلمین کے طرز بحث و تلخیص سے قدرے انحراف ہے کہ وہ جملہ آیات جو قرآن کے نعوت و صفات سے متعلق ہیں یکے بعد دیگرے اس باب میں مدعا کے طور پر پیش کر دیے گئے ہیں۔ اس کے بعد تلاوت قرآن کی فضیلت سے متعلق گفتگو ہے جس میں چند در چند حدیثیں پیش کی گئی ہیں اور قاری کے درجات کی بلندی کی طرف مختلف نوع کے اشارے کیے گئے ہیں۔ ان حدیثوں کے پیش کرنے میں محدثین کے روایت و درایت کے جملہ اصول پیش نظر نہیں بلکہ ترغیب و ترہیب کے تحت معلوم ہوتا ہے کہ پیش کی گئی ہیں۔ کتب احادیث کے حوالے بھی نہیں ہیں۔ یہ واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ اصول پیش نظر ہیں جن کو خود امام غزالی نے اپنی آخری تصنیف الجام العوام عن علم الکلام میں رکھا ہے[1]:

"فادلۃ القرآن مثل الغذاء ینتفع بہ کل انسان و ادلۃ المتکلمین مثل الدواء ینتفع بہ احاد الناس ویستضر بہ الاکثرون بل ادلۃ القرآن کالماء الذی ینتفع بہ الصبی الرضیع والرجل القوی"

قرآن اپنی دلیلیں غذا کے طور پر رکھتا ہے جس سے ہر انسان مستفید ہو سکتا ہے اور متکلمین کی دلیلیں دوا کی طرح ہیں اس سے چند مریض فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور اکثریت کو اس کے استعمال سے نقصان ہو سکتا ہے۔ قرآن کی دلیلیں پانی کی طرح ہیں کہ جس سے دودھ پیتا بچہ بھی فائدہ اٹھا سکتا ہے اور تن دمند آدمی بھی۔

گو امام ابن جوزی (ھ ۵۹۷) غزالی کے طرز کلام پر تنقید کرتے ہیں اور احیاء العلوم میں بعض حدیثوں کی شمولیت پر معترض ہوئے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ محدثین کے جرح و تعدیل کے اصول پر صحیح نہیں اترتی مگر اس کے ساتھ ساتھ غزالی کے طرز کلام کی تاثیر اور اس کی مقبولیت کے معترف ہیں۔ یہی باتیں پیش نظر تفسیر میں پیش کی گئی حدیثوں سے متعلق بھی کہی جا سکتی ہیں۔ ان حدیثوں میں کتب احادیث کا حوالہ کہیں بھی نہیں۔ تلاوت قرآن پاک کے ذیل میں کلام اللہ کی صفتوں کا بیان بھی آیا ہے۔ اور ان صفات سے بحث بھی کی گئی ہے جو قرآن نے خود مختلف آیات کے ذریعہ نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان صفات میں عربی، المبین، فرقان حکیم، مہیمن، مجید، عزیز، محکم

---

[1] الجام العوام عن علم الکلام ص ۲۰ المطبع المیمنیہ

WWW.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نور وغیرہ الفاظ صفات کا ذکر ہے۔ اسی سلسلہ کلام میں امام غزالی نے یہ حدیث بھی پیش کی ہے۔

من قرأ القرآن ایماناً واحتساباً ای تصدیقاً ورجاءً لمثوبۃ ھو یظن ان لن یغفر اللہ لہ کالمستھزء بالقرآن۔

جو شخص قرآن کو ایمان و احتساب کی خاطر پڑھتا ہے یعنی اس کی تصدیق کرکے امید کا ثواب رکھتا ہے۔ پھر یہ خیال لاتا ہے کہ اس کی ہرگز بخشائش اللہ نہیں کرے گا وہ قرآن کے ساتھ مزاق اور استہزا کرتا ہے۔

اسی طرز پر کلام اللہ کے دیگر فضائل پر بھی گفتگو ہے اور اس خیال کی تائید میں بعض حکایتیں بیان کی گئی ہیں جن سے قرآن کی تلاوت اور اس پر یقین کامل کے ثمرات مرتب ہوئے۔ ان سنی سنائی حکایتوں میں اسمعی کے ذریعہ سنائی گئی حکایتوں کا بھی ذکر کہیں کہیں ہے جن کا ادبی درجہ تو مسلم ہے مگر کیا ان سے شرعی دلائل بھی حاصل کی جا سکتی ہیں اور اپنے مقصد کی تائید بھی ہو سکتی ہے۔ بہر نوع یہ امر قابل تامل ہے چنانچہ ایک بدوی کا وہ مشہور واقعہ جو کسی رہزن کے ساتھ پیش آیا پھر کلام مجید کی تلاوت کی برکتوں سے اسے نجات حاصل ہوئی اور اس رہزن کو تنبیہ ہوئی کہ روزی آسمان میں ہے نہ کہ زمین میں: فی السماء رزقکم وما توعدون: آسمان میں تمہاری روزی اور وہ تمام چیزیں ہیں جن کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے سے مزید استدلال ہے۔

قراءۃ القرآن تمحو من الصحف العصیان کما قال اللہ تعالیٰ: ان الحسنات یذھبن السیات

قرآن کی تلاوت صحف آسمانی میں درج کی ہوئی غلطیوں اور خطاؤں کو مٹا دیتی ہے۔

اور یہ بات قرآن کی اس آیت کے ٹکڑے سے ثابت ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ حسنات سیات کو دور کر دیتی ہیں۔ اس تفسیر میں امام غزالی کا یہی خاص رنگ ہے کہ اپنے مدعا کو قرآن پاک کی دوسری آیتوں سے ثابت کرتے ہیں۔ ایسی جگہ متکلمین کی ان بحثوں کو بھی سامنے رکھتے ہیں جہاں فقہائے امت بھی مختلف انداز میں شریک ہو جاتے ہیں کہ صرف ایمان کا اظہار بالآخر بخشائش کا ذریعہ ہوگا کہ نہیں بموجب اس حدیث کے کہ جو شخص ایمان لایا خدا اور اس کے رسول پر تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ امام غزالی فہم قرآن کے ساتھ عمل بر قرآن کو بھی منتفی کرتے ہیں اور اشاعرہ کے اس خیال کو تقویت دیتے ہیں کہ فہم کوئی مجرد شئی نہیں جب تک کہ عمل ساتھ نہ ہو۔ لعلکم تعقلون کی تفسیر میں لکھتے ہیں یعنی تفقھون وتعلمون اور اس کی سند میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں: لا دین لمن لاعقل لہ وقیل یا رسول اللہ الیس المجانین من اھل الجنۃ قال ما اردت بالعقل ضد الجنون انما اردت بہ ضد الایمان ۔۔

جو عقل و شعور سے عاری ہو اس کے پاس دین نہیں ہو سکتا اس پر عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول کیا مجنون جنتی نہیں ہوں گے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ نے فرمایا کہ میری مراد لفظ عقل سے لفظ جنون کی ضد نہیں ہے بلکہ میں نے اس کو ایمان کی ضد قرار دیا ہے۔

یہاں صاف معلوم ہوتا ہے کہ امام غزالی اپنے تعقل کی تمام منزلیں طے کر کے علم و حقائق کی اس وادی کی طرف گامزن ہیں جہاں متکلمین کی عقل نوازی اور صاحبان فلسفہ و حکمت کی موشگافیاں قابل التفات نہیں۔ ان تشریحات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ تفسیر اس وقت لکھی گئی جب غزالی کا رخ تصوف کے برکات و حسنات کے حصول کی طرف ہو گیا تھا۔ نیز اس کی دعوت دین کے طور پر عوام تک داعیانہ انداز میں پہنچانا چاہتے تھے۔ چنانچہ فصل فی الوجوہ کر کے جو گفتگو پھیلائی ہے وہ قابل توجہ ہے: نحن نقص علیك احسن القصص کے تحت شان نزول بیان کر کے جو نذر بن الحارث کے جواب میں ہے لکھتے ہیں:

قال اللہ تعالٰی وجوہ یومئذٍ مسفرۃٌ ضاحکۃٌ مستبشرۃٌ قال علیہ السلام النظر الٰی وجوہ الحسان عبادۃٌ وصدقۃٌ وقال بعضہم اراد بذالك اولیاء اللہ واحباءہٗ لقولہٖ تعالٰی سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود۔

اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے کہ کچھ چہرے اس دن کھلتے ہنستے اور پر مسرت اور پر امید ہوں گے۔ اس کی تفسیر میں آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اچھی صورتوں کو دیکھنا عبادت اور صدقہ ہے۔ اسی بنا پر بعض تشبیہاً کہتے ہیں کہ آپ نے اس سے مراد اولیاء اللہ اور خدا کے محبوب بندوں کے چہروں کو لیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے کہ: ان کے چہروں پر خاص طور سے سجدے کے نشان ہوں گے۔

اس طرح امام غزالی نے مختلف توضیحات پیش کی ہیں جن سے علماء، شیوخ حتیٰ کہ صحابہ کرام کے زمانے میں ان کا دیکھنا بھی اس میں شمار کیا گیا۔ یہ جملہ باتیں احسن القصص میں احسن کے اسباب کے لیے ہیں۔ بطور دلیل اس کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"وسمی یوسف احسن لانہ احسن من جمیع البشر وقیل قصتہ احسن القصص الخ۔ یعنی یوسفؑ کو احسن اس لیے کہا گیا کہ وہ جملہ بشر میں صورۃً احسن تھے۔ بعضوں کا قول ہے کہ یہ احسن اس لیے ہے کہ قصہ کہانیوں میں ان کا واقعہ تمام سے احسن ہے۔

وان کنت من الغافلین کی تفسیر میں غفلت کی تفسیر اوّل ابن عباسؓ کے قول سے کرتے ہیں پھر بعض حکما کی تشریحات پیش کرتے ہیں اسی ذیل میں شخصی شہادت بھی رکھی گئی ہے حضرت ذوالنون مصری کا مشاہدہ پھر ہاتف غیبی کی طرف سے حضرت عیسیٰ کا قول یہ نقل کیا گیا ہے کہ:

"رأیتُ شخصًا متعلقًا باستار الکعبۃ وھو یبکی ویقول: أعُوذُ عن ما فعلتُ فی ایام غفلۃ وقد کفنی حسرتی. قال ھاتفٌ وَھُوَ یقول نحن لا ناخُذُ العبد لما فعلہ بالغفلۃ (ورق ۵ –)

میں نے ایک شخص کو کعبہ کے پردوں سے لگ کر روتے ہوئے اور کہتے ہوئے دیکھا میں پناہ مانگتا ہوں اس سے جس کو میں نے غفلت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ذوق میں گزرگئے ۔ پس مجھ پر حسرت و یاس چھائی ہوئی ہے ایک ہاتف غیبی نے یوں کہا کہ ہم بندوں کا حالت غفلت میں سرزد ہوئے اعمال پر مواخذہ نہیں کرتے ۔ نیز حلاج کا یہ قول نقل کیا ہے :

ما ذکرناک الا عند الغفلۃ لان العبد اذا کان حاضراً لا یلیق بذکرک مشاھد تک عن ذکرک فان ذکرک للغافلین لا للذاکرین (ایضاً بحوالہ سابق)

ہم نے آپ کا ذکر اپنی حالت غفلت میں کیا اس لیے کہ بندہ اگر حاضر ہو تو اسے ذکر کرنے کی حاجت نہیں ۔ یہی وجہ ہے آپ کا مشاہدہ آپ کے ذکر پر پردہ ڈال دیتا ہے ۔ آپ کا ذکر ان کے لیے ہے جو غفلت میں پڑے ہیں نہ کہ ان کے لیے جو ذاکرین کی صف میں ہیں ۔

یہ گفتگو جو آپکے سامنے ابھی پیش کی گئی صاف بتاتی ہے کہ تصوف کا وہ رنگ ہے جس کو امام غزالی ذکر و فکر کا رنگ دینا چاہتے ہیں مگر تصوف کے ان پُر پیچ راہوں سے الگ ہے جہاں خواہی نہ خواہی فلسفیانہ اور اصلاحی منطقیانہ دلائل کی پیش کش ہوتی ہے ۔ یہاں قرآن کی بعض حقیقتوں کا اثبات قرآن کی دوسری آیات سے بعض بزرگان دین کے تجربات اور مشاہدات کی روشنی میں کیا گیا ہے ۔ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ امام غزالی اپنے دور کی ان تمام بدعات کو حقائق نفس الامر سے الگ کرنا چاہتے تھے ۔ جن سے شریعت مطہرہ نکھر کر سامنے آجائے اس لیے انھیں متکلمین کے پٹے پٹائے راستوں سے الگ ہو کر تکلم کی راہ نکالی اور یہ بھی بتانا تھا کہ کلامی طرز گفتگو میں وسعت ہے اور زمانہ کے لحاظ سے اسلامی علم الکلام بھی ترقی پذیر ہو سکتا ہے ۔ دوسری طرف تصوف کی خانقاہوں کی محدود ذکر و شغل کی مجلسوں سے الگ راہیں بھی ہو سکتی ہیں اور وہ دعوت و فکر کی راہیں ہیں ۔ پھر جہاں ذاکر کے ساتھ ساتھ اس کی خانقاہ چلتی اور مشاغل کے شغل میں اس کے دنیاوی کام دھندے اسے باز نہیں رکھتے بلکہ اس کی غفلت کو زیر دست بنا دیتی ہے ۔

امام غزالی کی دیگر تصانیف سے ملا کر اس تفسیر کو بھی دیکھنا چاہیے ۔ امام غزالی نے تفسیر میں : تنزیہہا القرآن عن المطاعن جو مطبوع ہے اور جیسا کہ مورخین فن لکھتے ہیں اس سلسلے کی کچھ اور تفسیریں بھی انکے قلم سے ہیں ۔ الاعلام میں البسیط کے نام سے ایک مخطوط تفسیر کا حوالہ ہے ۔ امام غزالی کی جواہر القرآن طبع ہو چکی ہے ۔ یاقوت التاویل فی التنزیل کا ذکر بھی بعض مصنفین نے کیا ہے (دیکھیے الاعلام ۷/۲۴۲) اسکا ذکر فارسی تصانیف کے تحت ہے اور اسے ضخیم بتایا گیا ہے امام غزالی کی عمر ۵۵ سال (۱۰۵۸/۱۱۱۱ء – ۴۵۰ – $\frac{۵۰۵}{۱۱۱۱}$) بتائی گئی ہے لیکن شان خدا اس مختصر سی عمر میں دو سو کتابوں کے لگ بھگ ان کی تصانیف کا شمار ہوا ہے جو اس دور کے تمام رائج فنون سے متعلق ہیں جیسا کہ اوپر کے مختصر جائزہ اور مطالعہ سے معلوم ہوا کہ اس تفسیر سورہ یوسف میں بھی وہ تمام ممیزات موجود ہیں جو امام غزالی کی ذات سے منسوب ہیں یہاں انکی پوری جلوہ گری ہوتی ہے بلکہ راقم السطور کے خیال میں بڑے معتدل انداز میں سابق مفسرین کے طرز تطبیق اطناب سے الگ ہو کر دعوتی انداز میں لکھی گئی ہے ۔ ●●

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جناب محمد نظر علی خاں
نظام الدین: نئی دہلی

تفسیر کاشف الحقائق وقاموس الدقائق کا تعارف

"الحمد لله رب العالمین القائل فی کتابه المبین: "کتاب أنزلناه إلیک مبارک لیدبروا آیاته ولیتذکر أولوا الألباب". والصلاة والسلام علی خاتم النبیین والمرسلین محمد وعلی آله وأصحابه أجمعین.

علمائے اسلام نے قرآن عظیم و علوم قرآن پر خصوصی توجہ دی ہے، اس بزرگ کتاب کی خدمت میں اپنی عمریں صرف کردیں، اور انہوں نے اس عظیم میراث کی حفاظت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا، اور یہ التفات و اہتمام اس کتاب عظیم کے ساتھ زمانۂ نزول قرآن سے آج تک جاری و ساری ہے۔

قرآن کریم کے تراجم و تفاسیر نیز علوم قرآن پر مؤلفات کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی ہے۔ ضروری ہے کہ مقالۂ متعلقہ سمینار سے قبل تفسیر کے لغوی و اصطلاحی معنی اور اقسام تفسیر بیان کردی جائیں۔

تفسیر کے معنی ہیں: بیان کرنا، واضح کرنا، تشریح کرنا۔ کثرت استعمال سے مطلق لفظ "تفسیر" کا اطلاق قرآن شریف کی آیات کی تشریح کے لئے ہونے لگا۔

تفسیر کے اصطلاحی معنی: مطالب و مفاہیم کلام اللہ کا جاننا اور قوانین و احکامات کے استنباط کا علم۔

تفسیر کی تین قسمیں ہیں: تفسیر بالمأثور، تفسیر بالرأی (المحمود والمذموم)، تفسیر اشاری۔

۱۔ تفسیر بالمأثور: مجمل آیات قرآنی کی تشریح دوسری مفصل آیات قرآنی سے، اور احادیث صحیحہ و اقوال صحابہ و تابعین سے آیات قرآنی کی توضیح۔

۲۔ تفسیر بالرأی: اس کی بھی دو قسمیں ہیں: بالرأی المحمود اور بالرأی المذموم۔

۱۔ تفسیر بالرأی المحمود: آیات قرآنی کی توضیح اپنی رائے اور اجتہاد سے اس طرح کی جائے کہ شارع کی منشا کے موافق ہو، جہالت و گمراہی کا اثر نہ ہو، قواعد عربیہ کا لحاظ رکھا جائے، اسلوب قرآنی کی رعایت ملحوظ ہو۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۔ تفسیر بالرأی المذموم :۔ مفسر عالم نہ ہو، یا خواہش نفسانی کے ساتھ اپنی رائے کو داخل کرے (یعنی اپنی کسی خاص غرض یا اپنے غلط مسلک کے اثبات کے لئے آیاتِ قرآنی کی تاویل کرے) یا قواعد عربیہ سے ناواقف ہو۔ یہ (دوسرا) طریقہ تفسیر مذموم و باطل ہے۔ گمراہوں نے اس طرح بھی تفسیر کی ہے۔

۳۔ التفسیر الاشاری ظاہر کے خلاف آیاتِ قرآنیہ کی تاویل، یہ تاویل ایسے مخفی اشارات و مدلولات کے ذریعے ہوتی ہے، جن کا ظہور بعض اہلِ علم و بصیرت پر ہوتا ہے۔ یا ارباب سلوک میں سے بعض ایسے حضرات کے اذہان میں ان کی جلوہ گری ہوتی ہے جن کی بصیرت اللہ تعالیٰ نے منور فرما دی ہے، اور انھوں نے قرآن عظیم کے اسرار کا ادراک کیا ہے۔ یہ معانی و مفاہیم دقیقہ کبھی کبھی بذریعہ الہام بھی منکشف ہوتے ہیں۔ لیکن یہ مطالب و مفاہیم ایسے ہوں جنھیں ظاہری معنی و مراد کے ساتھ جمع کیا جا سکتا ہو۔

تفسیر اشاری کے جواز و عدم جواز میں علماء کا اختلاف ہے۔ علماء کا ایک طبقہ اس طریقہ تفسیر کو گمراہی اور دین سے انحراف قرار دیتا ہے۔ اور بعض علماء اسے کمال معرفت و ایقان کہتے ہیں، لیکن یہ موضوع نہایت دقیق ہے جس کے لیے بڑی بصیرت درکار ہے۔ اس سلسلے میں علماء کرام کا فیصلہ یہ ہے کہ تفسیر کے کچھ حدود و شرائط ہیں، اگر اس قسم کی تاویلات میں خواہشات نفسانیہ کا دخل نہ ہو، اور مندرجہ ذیل شرائط کی پابندی کی جائے تو جائز ہے، ورنہ ناجائز و گمراہی۔

۱۔ یہ تاویل، معنیٰ ظاہری کے جو اسلوب قرآن کے مطابق ہے، معارض و منافی نہ ہو۔

۲۔ یہ دعویٰ نہ کیا جائے کہ صرف یہی معنی صحیح ہے، ظاہری معنی کی حیثیت و اعتبار نہیں۔

۳۔ تاویل ایسی سخیف نہ ہو جس کے الفاظِ قرآنی متحمل نہ ہوں۔ جیسے باطنیہ نے نہایت گمراہ کن تفسیریں کی ہیں۔

۴۔ شرعی یا عقلی تعارض نہ ہو۔

کاشف الحقائق و قاموس الدقائق (مخطوطہ):۔ اس تفسیر کے مؤلف شیخ علامہ محمد بن احمد بن محمد کمال الدین زاہد شریکی کمندی ثم تھانیسری، ثم ماریکلی (یا مرکلی) گجراتی ہیں۔ مرکل، ایک موضع کا نام ہے جو احمد آباد (صوبہ گجرات) میں واقع ہے۔

مولانا سید عبدالحیی صاحب نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "نزھۃ الخواطر" میں فرمایا ہے کہ "میں نے کسی سوانح میں دیکھا ہے کہ حضرت کمال زاہد کی وفات ۹۸۴ھ میں ہوئی۔

اس تفسیر کا مخطوطہ حضرت علامہ ابوالحسن زید بن ابوالخیر مجددی فاروقی دہلوی مدظلہ العالی کی ملکیت ہے۔

حضرت ابوالحسن زید مدظلہ امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمۃ والرضوان کی اولاد

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پاک نہاد سے ہیں، اور مشہور شیخ طریقت حضرت شاہ ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ کے خلف الرشید ہیں۔ شاہ ابوالخیر کے نام سے دہلی میں "ابوالخیر مارک" منسوب ہے۔ خانوادہ مجددیہ کے یہ نامور بزرگ جامع ازہر مصر کے فاضل ہیں اور ممتاز عالم و محقق ہونے کے ساتھ صاحب ورع و اتقاء شیخ طریقت ہیں۔ آپ کے بزرگوار اجداد حضرت شاہ ابوسعید و شیخ المشائخ شاہ احمد سعید رحمۃ اللہ رامپور سے دہلی تشریف لائے تھے۔

تفسیر کے اس مخطوط کے صفحات (۲۲۰) ہیں، ہر صفحہ میں ۲۳ سطریں ہیں۔ صفحہ ۴ تک حاشیہ باقاعدہ مسطر ہے، جس کی دو سطریں سرخ ہیں اور ایک سطر نیلی، صفحہ مذکورہ کے بعد کے صفحات کا حاشیہ غیر مسطر ہے، سوائے چند صفحات کہ جو مسطر ہیں۔

اس قلمی نسخہ کا سائز طول میں دس انچ ہے، اور عرض میں ساڑھے پانچ انچ۔ کتابت میں سیاہ روشنائی استعمال کی گئی ہے، کاغذ قدیم کشمیری چکنا اور باریک ہے، کتابت صاف ستھری اور واضح ہے، لیکن کاتب کا نام و سن کتابت تحریر نہیں ہے، اور نہ حواشی ہیں۔ تفسیر کا یہ مخطوط بہت عمدہ حالت میں ہے۔ ترتیب صفحات بھی درست ہے۔

ڈاکٹر سالم قدوائی فرزند اکبر حضرت مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی کی تحقیق کے مطابق تفسیر "کاشف الحقائق وقاموس الدقائق" کا دوسرا مخطوطہ ایشیاٹک سوسائٹی (کلکتہ) کے کتب خانہ میں موجود ہے، اس پر نفرت جنگ کی مہر ثبت ہے۔ کاتب کا نام اور سن تصنیف درج نہیں ہے، کتاب صاف ستھرے خط میں لکھی ہے۔ اس میں (۱۲۱) اوراق ہیں، اکثر جگہوں پر حواشی بھی لکھی ہیں۔ غالباً مصنف ہی کی تحریر کردہ ہیں۔ کہیں کہیں پر کرم خوردہ ہے۔ آخر کے دو صفحے خانے بوسیدہ ہیں۔ بیچ بیچ میں نسخہ کئی جگہوں پر سادہ رہ گیا ہے۔ غالباً اصل سے نقل کرتے وقت رہ گیا ہو گا۔ یا اگر یہ نسخہ خود مصنف کے قلم کا ہے تو انھوں نے اس لیے چھوڑ دیا ہو گا کہ بعد میں لکھیں گے، لیکن پھر نہ لکھ سکے ہوں گے۔ کچھ جگہوں پر اوراق غلط طریقے پر مرتب ہوئے ہیں۔

منقول از "ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں"، تصنیف: ڈاکٹر سالم قدوائی، شائع کردہ مکتبہ جامعہ نئی دہلی۔ اگست ۱۹۷۳ء۔

تفسیر کے مؤلف علامہ کمال الدین زاہد رحمۃ اللہ علیہ، مولانا برہان الدین محمود بن ابی الحسن بلخی کے شاگرد ہیں اور مولانا برہان الدین بلخی امام رضی الدین حسن صغانی کے شاگرد۔ امام صغانی رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان میں لکھے جانے والے پہلے مشہور مجموعۂ حدیث "مشارق الانوار" کے مؤلف ہیں۔ اور یہی علامہ کمال الزاہد مؤلف تفسیر، حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء قدس سرہ العزیز کے استاد حدیث ہیں، حضرت خواجہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نظام الدین اولیائے مشارق الانوار آپ ہی سے پڑھی اور ۶۷۹ھ میں سند لی۔

امیر خورد سید محمد کرمانی نے اپنی مشہور کتاب "سیر الاولیاء" میں ایک واقعہ لکھا ہے جس سے علامہ کمال الدین زاہد کے علمی مرتبے اور زہد و تقویٰ پہ بخوبی روشنی پڑتی ہے۔ امیر خورد لکھتے ہیں کہ: "سلطان غیاث الدین بلبن نے علامہ کمال الدین زاہد کا علم و فضل اور زہد و تقویٰ دیکھ کر انھیں اپنا امام نماز مقرر کرنے کی پیش کش کی علامہ زاہد نے سلطان کو ایسا جواب دیا جو ایک جرائت مند عالم و صوفی سالکِ راہ حق ہی دے سکتا ہے۔" "سیر الاولیاء" کی عبارت سے مولانا کا قول فارسی ہی میں نقل کیا جاتا ہے:

"خدمت مولانا فرمود کہ در ما جز نماز چیزے دیگر نماندہ است، اکنون بادشاہ چہ می خواہد کہ این هم از ما ببرد۔"

مولانا مخدوم نے فرمایا کہ ہمارے پاس سوائے نماز کے کوئی دوسری چیز نہیں ہے، اب کیا بادشاہ یہ چاہتے ہیں کہ یہ بھی ہمارے پاس سے جاتی رہے۔ بادشاہ یہ جواب سن کر خاموش ہو گیا۔ علامہ کمال زاہد اور قاضی بیضاوی معاصر ہیں۔ قاضی بیضاوی کا سن وفات ۶۸۵ھ ہے، اور کمال زاہد کی وفات ۶۸۴ھ میں ہوئی۔

تفسیر کاشف الحقائق، ہندستان میں لکھی گئی عربی زبان کی پہلی مکمل (از سورۂ الفاتحہ تا سورۂ الناس) تفسیر ہے۔ یہ تفسیر متوسطات میں سے ہے۔ نہ تو اتنی طویل ہے کہ پڑھنے سے طبیعت اکتا جائے اور نہ اس قدر مختصر کہ مطالب پوری طرح سمجھ میں نہ آسکیں، تفسیر میں رموز تصوف و اسرار شریعت بھی بیان کیے گئے ہیں کہ وہ دور تصوف کا دور تھا۔ تفسیر کی زبان بلیغ اور آسان ہے جس سے مفہوم آیات قرآنی اور مؤلف کی آراء و تشریحی بیانات کی بخوبی وضاحت ہو جاتی ہے۔ عبارت میں قواعد عربیہ کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ شروع میں تفسیری بیانات تفصیلی ہیں۔ بعد میں یہ بیانات مختصر ہو گئے ہیں۔

مؤلف علیہ الرحمۃ اپنی تفسیر خطبہ حمد و صلوٰۃ سے اس طرح شروع کرتے ہیں:

"الحمد للہ رب العالمین الذی أنزل علی حبیبہ القرآن و جعلہ ھادیا الی دقائق لأھل العرفان، وأودع فیہ لطائف أسرارہ لم یطلع علیھما الا من کان جدیرا العتبۃ دارہ، تقدس ذاتہ وصفاتہ عن الکون والفساد وتنزہ وجودہ عما یصفہ أھل الحلول والاتحاد وتفرد بوحدانیتہ عن الأماکن والأکوان، وتوحد بجلالہ عن المشابھۃ والحدثان۔ والصلاۃ و السلام علی رسولہ محمد خیر الأنام وآلہ واصحابہ ھداۃ الاسلام، جعلہ بشیرا ونذیر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

المظاهر مظهرا جامعا وكالشمس بين الكواكب لامعا. أما بعد فيقول أضعف
عباد الله المجيد محمد بن احمد بن محمد الشريجي الكمندي ثم التهانيسري
ثم الكجراتي أصلح الله شأنه وصانه على شأنه وغفر له ولوالديه وأنعم عليها
وعليه بما لديه۔"

ترجمہ: "سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام مخلوقات کا پروردگار ہے جس نے قرآن اپنے حبیب پر نازل کیا اور اسے (قرآن کو) اہل معرفت کے لیے حقائق و دقائق کی طرف رہنمائی کرنے والا بنایا، اور اس میں اپنے اسرار (رازوں) کے لطائف ودیعت فرمائے، جن پر کوئی مطلع نہیں ہے سوائے ان لوگوں کے جو خداوند قدوس کے گھر کی چوکھٹ کے لائق ہیں (یعنی اس کی دربانی کے اہل ہیں) اللہ کی ذات وصفات برتر ہے تمام کائنات سے اور پاک ہے ہر قسم کی خرابی سے، اس کا پاک وجود منزہ و بری ہے ان لوگوں کے اتہامات سے جو اس پر حلول واتحاد کی تہمت لگاتے ہیں، وہ یکتا و بے مثل ہے اپنی وحدانیت میں کون و مکان سے۔ اور اپنی عظمت و شان جلالی میں یکتا و منفرد ہے مشابہت و حدوث سے۔

درود و سلام ہو اللہ کے رسول محمد ﷺ پر جو مخلوقات میں سب سے بہتر ہیں اور آپ کے آل و اصحاب پر جو اسلام کے ہادی و رہنما ہیں۔ اللہ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مظاہر کے درمیان جامع مظہر بنایا اور ستاروں کے درمیان سورج کی طرح روشن و چمکدار بنایا۔

حمد و صلاۃ کے بعد خداوند بزرگ و برتر کا ضعیف ترین بندہ محمد بن احمد بن محمد شریجی کمندی ثم تھانیسری ثم گجراتی عرض کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی حالت درست فرمائے، اور اس کے احوال کی حفاظت فرمائے، اس کی اور اس کے والدین کی مغفرت فرمائے، اس کے ماں باپ پر اور اس پر اپنے در دولت سے فضل وانعام فرمائے۔"

اس کے بعد مقدمۂ تفسیر میں اس طرح رقمطراز ہیں، عربی عبارت کا اردو ترجمہ درج ذیل ہے:

" اکثر تفاسیر میں قواعد عربیہ و امور شریعت تو کثرت سے بیان کیے گئے ہیں، لیکن کوئی تفسیر ایسی نہیں ہے جو وضاحت کے ساتھ طریقت و حقیقت کے دقائق پر بھی مشتمل ہو۔ اس لیے میں نے ایک ایسی موجز و مختصر تفسیر لکھنے کا ارادہ کیا جس میں الالٰہیات کے اسرار کے ساتھ، حقائق و دقائق قرآن کریم بھی ہوں اور جو راہ رشد و ہدایت تک پہنچانے والی ہو۔ میں نے اختصار و اطناب دونوں کو ترک کر دیا ہے تاکہ سمجھ دار قاری مطلوب و مقصود قرآن کو پالے۔ بعض تفسیر کی عبارتیں میں نے بجنسہ نقل کر دی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں اور اکثر مقامات پر میں نے ایسے لطائف بیان کئے ہیں جن پر اہل دانش مطلع نہیں تھے میرے تفسیری بیانات میں بظاہر اگر کوئی خلاف شریعت بات پائی جائے تو اس کو تاویل پر محمول کیا جائے نہ کہ حقیقت پر، اور اگر کوئی ایسی عبارت اس تفسیر میں ملے جو شان نزول کے موافق نہ ہو اور نہ منقولات تفسیر کے مطابق ہو تو اسے مدلول آیت سمجھا جائے۔ مصداق ومعنی کلام پر منطبق نہ کیا جائے گو کہ اس قسم کی توضیحات سے بعض بزرگوار انکار کرتے ہیں لیکن یہ مدلولات علمائے متاخرین تک پہنچ گئے ہیں یعنی وہ ان سے واقف ہیں۔ میں نے اس تفسیر کا نام "کاشف الحقائق وقاموس الدقائق" رکھا ہے۔ امید ہے کہ میری یہ تالیف ذخیرۂ یوم آخرت اور یوم محشر کے لیے شفیع اکبر ہوگی۔ اس تفسیر کی خوشخبری مجھے خواب میں دی گئی۔ اور اس کے بعد میں نے اس کی تالیف شروع کی۔ توفیق ومدد کا اللہ ہی سے خواستگار ہوں۔"

علامہ کمال زاہد کی تفسیر مذکور سے چند آیات کی عربی توضیح بطور نمونہ اور ان کا اردو ترجمہ نیز چند آیات کی عربی تفسیر کا صرف اردو ملخص ترجمہ پیش ہے:

"الحمدللہ: أی جمیع المحامد سواء کانت محامدہ له أو محامد خلقه له أو محامدہ لخلقه أو محامد من خلق للخلق لأنه خالقه وخالق أفعاله، حمد نفسه بنفسه حین علم عجز المکونات عن ثنائه، ولذا قال النبي صلی اللہ علیه وسلم: لا أحصي ثناء علیک أنت کما أثنیت علی نفسک. فهذا رحمة منه حیث أدی حق الحمد في ذمة خلقه بأدائه بنفسه۔

واللہ علم للفرد الموجود المنزہ عن جمیع النقائص الموصوف بجمیع الکمالات"۔

ترجمہ: یعنی تمام تعریفیں خواہ وہ تعریفیں اللہ کی اللہ کے لیے ہوں، یا اللہ کی مخلوق کی تعریفیں اللہ کے لیے ہوں، یا وہ تعریفیں اس کی اپنے مخلوق کے لئے ہوں، یا مخلوق کی تعریفیں مخلوق کے لیے ہوں (سب اللہ کے لیے ہیں) کیونکہ اللہ تعالیٰ مخلوق وافعال مخلوق دونوں کا خالق ہے۔ اس نے اپنی تعریف خود کی ہے جبکہ اس نے یہ جان لیا کہ مخلوقات اس کی تعریف (کماحقہ) ادا کرنے سے عاجز و درماندہ ہے۔ اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں آپ کی خوبیوں کا شمار نہیں کرسکتا، آپ تو ایسے ہی ہیں جیسے آپ نے اپنی خود تعریف فرمائی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت واحسان ہے کہ اس نے اپنی حمد کا حق جو اس کی مخلوق کے ذمہ تھا خود ادا فرمادیا"۔

لفظ "اللہ" خاص نام ہے ذات واحد موجود کا جو تمام عیوب ونقائص سے پاک ہے اور تمام کمالات سے متصف،

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"رب العالمین" کی تفسیر کا ملخص اردو ترجمہ پیش ہے:

"تمام انواع و اقسام عالم کی تربیت ان کے استعداد کے مطابق فرماتا ہے، طالبین راہ حق کی تربیت اپنی تجلیات کی روشنی سے اور سربستہ رازوں کو ظاہر فرما کر کرتا ہے۔ محبین (یعنی عشاق) کی تربیت کرتا ہے۔ اپنے جمال کا مشاہدہ کرا کر اور ان پر اپنی صفات کو بے نقاب کر کے۔

اللہ کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ سب عالم ہے۔ عالم علم السلطان سے ماخوذ ہے، جس طرح سلاطین کے نشانات و پرچم ہوتے ہیں جن سے ان کی شہرت و شناخت ہوتی ہے۔ اسی طرح تمام عالم خدا کی سلطنت کا پرچم و نشان ہے اور اس کے کمال عزت کی علامت جس سے وہ پہچانا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "کنت کنزا مخفیا فاحببت أن أعرف فخلقت الخلق لأعرف" "میں مخفی خزانہ تھا۔ میں نے چاہا کہ میں جانا اور پہچانا جاؤں، تو میں نے مخلوق کو اپنی پہچان کے لیے پیدا کیا۔

"ایاک نعبد" ہمارا مقصود نہ تو جنت و آخرت ہے اور نہ دنیا، ہمارا مقصود و مطلوب سوائے آپ کے کچھ نہیں ہے۔ عبادت کے معنی انتہائی درجے کا خضوع، اوامر کی انجام دہی اور جہاں شریعت نے روک دیا ہے وہاں رک جانا ہے۔

"وایاک نستعین" ہر کام میں ہم (آپ ہی سے مدد مانگتے ہیں) نہ اپنے آپ سے مدد مانگتے ہیں اور نہ اپنے غیر سے، اور غیر کا وجود ہی کہاں ہے جس سے مدد مانگی جائے۔ "لاحول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم" سو جس نے غیر سے مدد مانگی اس نے معدوم سے مدد مانگی۔ عربی عبارت اس طرح ہے: "فی کل أمر لا من نفسی ولا من غیر لیس له وجود حتی یستعان به فلاحول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم، فمن استعان من الغیر فقد استعان من العدم۔

"ذلک الکتاب" الشامل لجوامع الکلم المنزل الی جامع المظاهر

یہ کتاب یعنی قلیل الالفاظ اور کثیر معانی پر مشتمل اس پر نازل ہوئی ہے جو کائنات کے مظاہر اور نقوش کا جامع ہے۔

"لاریب فیه" فی أنه جوامع الکلم و أنه من اللہ۔

اس کتاب کے جوامع الکلم ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، اور نہ اس امر میں کوئی شبہ ہے، کہ یہ اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔

"اولئک هم الوارثون یرثون الفردوس" کی تفسیر اس طرح کرتے ہیں۔ تقرب الہیٰ کا اعلیٰ مرتبہ اجسام

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو فردوس صوری عطا کی جائے گی اور ارواح کو فردوس معنوی سے نوازا جائے گا۔

" أیحسب الانسان أن یترک سدی " مهملا لاتجازی علی أعماله ولا یسأل عن نعمه ولا یسأل بما أنعم الله علیه۔

کیا انسان اس گھمنڈ میں ہے کہ یوں ہی چھوڑ دیا جائے گا کہ نہ اس کے اعمال وافعال کا اس کو بدلہ دیا جائے گا۔ اور نہ اس سے اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کے بارے میں کوئی سوال ہوگا، اور نہ ان نعمتوں پر شکر ادا نہ کرنے کے متعلق باز پرس ہوگی۔

واقعۂ معراج کے بیان میں سورۂ "النجم" کی آیت " ولقد رآه نزلة أخری " اور انھوں نے (پیغمبر نے) اس کو ایک بار اور بھی دیکھا ہے۔ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ " اس کو " سے مراد حضرت جبریلؑ ہیں۔ اور اس سے قبل آیت " فکان قاب قوسین أو أدنی " دو کمانوں کے فاصلہ پر یا اس سے بھی کم رہ گیا، کی تشریح اس طرح کرتے ہیں:

" قاب قوسین، مقدار قوسی الوجوب والامکان فی دائرة الوجود مع توهم خط فاصل بینهما۔ أو أدنی، باسقاط ذلک الخط المتوهم ولکن لم یسیر بذلک الطا، عبدا منسوبا الی هویته بحیث لم یبق من علمه شیٔ و لا من بصره شیٔ و لا من سمعه شیٔ و لا من ادراکه شیٔ فالبسه الله نورا من سمعه و بصره و رؤیته فرأی الحق بنور الحق وسمع من الحق بسمع الحق۔"

عربی عبارت کا اردو مفہوم پیش ہے:

" قوسین سے مراد قوس وجوب اور قوس امکان ہے، اور دونوں کے درمیان ایک خط فاصل ہے۔ " أو أدنی " کے مرتبہ میں پہنچ کر یہ خط فاصل بھی نہ رہا، لیکن اس عروج کی انتہا پر پہنچنے کے بعد بھی اپنی شخصیت کے اعتبار سے عبد عبد رہا، معبود نہیں ہوا، البتہ اس مقام پر پہنچ کر علم و بصارت و سماعت اور ادراک میں سے کچھ باقی نہیں رہا۔ فیضان قدسی شروع ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر (اپنے بندے پر) اپنا سمع و بصر اور رؤیت کی جلوہ ریزی فرمادی کہ اس نے (رسول اللہ نے) حق کو حق کی تجلی سے دیکھا اور حق سے جو کچھ سنا حق ہی کی سماعت سے سنا۔

" ووجدک ضالاً " کی تشریح بھی ملاحظہ ہو:

" من ادراک حقائق الأشیأ فدعوت فی حضرتنا بقولک، اللّٰهم أرنا الاشیاء کماهی "

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اشیاء کی حقیقت و ماہیت کا ادراک آپؐ کو نہیں تھا، تو آپؐ نے ہماری جناب میں اس طرح دعا مانگی: "اللہ ہمیں اشیاء کی ماہیت و حقیقت کا علم عطا فرما"۔ "فهدی" الی معرفتها. تو اللہ نے حقائق اشیاء کی معرفت کا راستہ دکھا دیا۔ مزید توضیح اسطرح فرماتے ہیں: "فکحناك بکحل أنوار ربوبيتنا حتى أدركتها بنا" ہم نے اپنے انوار ربوبیت کا سرمہ آپ کی آنکھوں میں لگا دیا جس سے آپ کو حقائق و ماہیات کا ادراک ہو گیا۔ "ووجدك عائلا" خاليا عن كنوز علوم القدم وعن خزائن ذاتی" اور آپ کو علوم قدم کے اسرار اور اپنی ذات کے خزانوں سے خالی پایا۔ "فأغنى" تو غنی کر دیا اخلاق حمیدہ عطا کر کے اور اپنی صفات کا پرتو ڈال کر تفسیر کو ختم ان کلمات پر کیا گیا ہے: "وأما قولهم رؤية الأشياء بدلائل التوحيد فانهم يريدون أحدية كل موجود عين الدليل على أحدية الحق من الجنة والناس." "تم تمام شد"

یہ ایک نادر تفسیر ہے، اسلیے اس کا مخطوطہ بہت اہم ہے۔ میری ناقص معلومات کے مطابق کسی ہندستانی مفسر کی تحریر کردہ عربی کی پہلی مکمل تفسیر ہے۔ جس سے اس دور کے علمائے کے افکار کی عکاسی ہوتی ہے۔

تفسیر مذکور میں سے چند آیات کی توضیح بطور نمونہ پیش کی گئی ہے۔ تاکہ زبان و بیان تفسیر کا اندازہ لگایا جاسکے۔

ضمیمہ

محمد عارف اعظمی عمری

اس بارہ میں تذکرہ نگار مختلف الرائے ہیں کہ ہندستان میں سب سے پہلے کس نے تفسیر لکھی، بعض کے خیال میں حافظ ابن تاج ملتانی متوفی بعد ۷۴۳ھ کی 'خلاصہ جواھر القرآن' یہاں کی سب سے پہلی تفسیری تصنیف ہے[۱] بعض نے شیخ قاسم بن عمر دہلوی خواہر زادہ حضرت نظام الدین اولیاء کی 'لطائف التفسیر' کو اولیت دی ہے[۲] اور بعض تذکرہ نگاروں کے نزدیک نظام نیشاپوری کی تفسیر 'غرائب القرآن ورغائب الفرقان' ہندستان کی سب سے قدیم تفسیر ہے[۳]

راقم کے خیال میں مذکورہ بالا تفسیروں سے بھی پہلے شیخ محمد بن احمد ستری تھانیسری مرکلی گجراتی ثم دہلوی نے اپنی تفسیر "کاشف الحقائق وقاموس الدقائق" لکھی جو غالباً ہندستان میں لکھی جانے والی سب سے پہلی تفسیری کتاب ہے۔

- مصنف کی نشوونما دہلی میں ہوئی اور یہیں ان کا انتقال بھی ہوا۔
- ان کو فقہ میں براہ راست امام مرغینانی صاحب ہدایہ سے شرف تلمذ حاصل تھا۔
- **ماخذ**: اس تفسیر میں ابن عطاء اور حسن بصری کے اقوال اور علامہ دینوری امام قشیری، مولانا جلال الدین رومی، شمس تبریزی اور شیخ سعدی وغیرہم کی کتابوں کے حوالے بکثرت ملتے ہیں۔

(معارف، ستمبر ۱۹۹۲ء)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر اشتیاق احمد ظلی
شعبۂ تاریخ
مسلم یونیورسٹی، علیگڑھ

مصباح العاشقین — ایک تعارف

قرآن مجید اسلام کی اساس ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار میں ظاہر ہونے والے فکری، نظریاتی، عقائدی، فقہی یہاں تک کہ سیاسی فرقوں اور تحریکوں نے بھی اپنے نظریات اور خیالات کی تائید و تصویب کے لیے ہمیشہ قرآن مجید کا سہارا لیا ہے اور اس کی تفسیر و تاویل اس انداز میں کی ہے جس سے ان کے اپنے افکار کی صحت و حقانیت ثابت ہوتی ہو۔ چنانچہ یہ امر باعث تعجب نہیں کہ اہل تصوف نے بھی شروع ہی سے اس طرف خاص توجہ دی اور یہ ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی کہ تصوف نہ صرف یہ کہ دین سے الگ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ یہی دین کی اصل اور روح ہے۔ یہ اس لیے بھی ضروری تھا کہ شروع ہی سے تصوف اور صوفیہ کے باب میں بہت سی بدگمانیاں راہ پاگئی تھیں اور بالخصوص علما کے حلقوں میں یہ خیال عام تھا کہ تصوف کی تشکیل میں بہت سے غیر اسلامی عناصر شامل تھے۔ چنانچہ ضرورت اس بات کی تھی کہ تصوف کی تعلیمات اور آداب کی قرآن مجید اور سنت سے مطابقت کے پہلو کو اجاگر کیا جائے اور یہ ثابت کیا جائے کہ یہ براہ راست قرآن و سنت سے ماخوذ ہیں اور ان کی بنیاد بھی انھیں نصوص پر ہے جن پر شریعت مطہرہ قائم ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے علماء تصوف نے شعوری طور پر کوشش کی اور ان مساعی کے نتیجے میں دو طرح کا لٹریچر وجود میں آیا۔ پہلی قسم میں وہ کتابیں شامل ہیں جنھیں ہم تصوف کی بنیادی اور نظریاتی کتابیں کہہ سکتے ہیں۔ ان کتابوں میں تصوف کی تعلیمات اور آداب و رسوم کی توضیح و تشریح اس انداز میں کی گئی ہے کہ وہ شریعت کے عین مطابق نظر آئیں اور ان کے درمیان کوئی تعارض محسوس نہ ہو۔ ان کتابوں کو اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اگرچہ وہ بیشتر اکابرین تصوف کے اقوال و واقعات سے پر ہوتی ہیں اور صوفی آداب و تعلیمات کی توضیح و تشریح بالعموم صوفیہ سے متعلق واقعات و حکایات سے کی جاتی ہے لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ مباحث کی ابتدا ممکنہ حد تک کسی قرآنی آیت سے کی جاتی ہے اور اس مفہوم و منشا کی دوسری آیات اور احادیث تائید میں پیش کی جاتی ہیں۔ اور اس طرح قرآن و سنت سے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مطابقت کے پہلو کو ابھار کر سامنے لایا جاتا ہے ۔ اس قسم کی کتابوں میں خاص طور سے کتاب اللمع فی التصوف ، سیانہ قیمتیہ قوت القلوب ، التعرف لمذہب اہل التصوف اور احیاء علوم الدین کا حوالہ دیا جا سکتا ہے ۔

دوسری طرف صوفیہ نے براہ راست قرآن مجید کی طرف توجہ اور اس کی تفسیر و تاویل اس طرح کی جس سے تصوف کے افکار و تعلیمات کی تائید و تصدیق ہو سکے ، اور یہ ثابت ہو جائے کہ تصوف بھی قرآن مجید ہی سے ماخوذ و مستفاد ہے اور اسلام سے باہر اس کی کوئی اساس نہیں ہے ۔ اس طرح صوفیہ نے جو تفسیریں لکھی ہیں ان کو سہولت کی غرض سے دو خانوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ۔ ایک تو وہ تفسیر ہے جس کا مقصد اور مطمع نظر ان افکار و خیالات کا اثبات ہے جن پر بالخصوص فلسفیانہ تصوف کی بنیاد ہے ۔ اس کوشش میں بسا اوقات اعتدال کا سر رشتہ ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے اور ایسی دور از کار تاویلات کا سہارا لیا جاتا ہے جن کے متحمل الفاظ قرآن نہیں ہوتے ۔ اس تفسیر کو نظری تفسیر کے نام سے جانا جاتا ہے اور اس کی سب سے زیادہ بھرپور جلوہ فرمائی ابن عربی کے تفسیری افادات میں ملتی ہے ۔

صوفیہ کے یہاں دوسرا اور زیادہ مقبول منہج اشاری و رمزی تفسیر کا ہے ۔ اس طریق تفسیر میں اصحاب تصوف ان مخفی اشارات اور پوشیدہ رموز کے ذریعہ قرآنی آیات کی تفسیر کرتے ہیں جن کا علم صرف اہلِ کشف کو ہوتا ہے ۔ یہ تفسیر قرآن کے ظاہری مفہوم سے بالکل الگ ہوتی ہے اگرچہ دونوں مفاہیم میں جمع و تطبیق کی گنجائش ہو سکتی ہے ۔ اس طرز تفسیر کی بنیاد علمی مقدمات پر قائم نہیں ہوتی بلکہ طویل ریاضت ، تربیتِ نفس اور مجاہدہ کے بعد صوفی روحانیت کے ایسے مقام و مرتبہ پر فائز ہو جاتا ہے جہاں الفاظ کے پیچھے چھپے ہوئے حقائق و معارف اس پر منکشف ہو جاتے ہیں گویا "آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں" بیشتر صوفی تفاسیر اسی انداز فکر اور منہج تفسیر کی ترجمان ہیں ۔

جن نظریات و تصورات کو تصوف میں کلیدی حیثیت حاصل ہے اور جن کے باب میں صوفیا اور علما میں نمایاں اختلاف رائے پایا جاتا ہے ان میں عشق الٰہی کا صوفی تصور شامل ہے ۔ یہاں یہ موقع نہیں ہے کہ اس مسئلے کے مختلف پہلوؤں سے بحث کی جائے اور عشق الٰہی و محبت الٰہی کے تصورات کے بارے میں خود صوفیہ کے یہاں جو مباحث پائے جاتے ہیں ان کی تفصیلات میں جایا جائے البتہ اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اس تصور کو تصوف کے نظام فکر میں اساسی اہمیت حاصل ہے ۔ سورۃ والضحیٰ کی تفسیر مصباح العاشقین جیسا کہ خود نام سے ظاہر ہے اس طرز فکر کی بھرپور عکاسی کرتی ہے ۔

مصباح العاشقین کے مصنف کے سلسلہ میں کافی ابہام پایا جاتا ہے ۔ اسٹوری نے ان کا نام بہاء الدین بن محمود بن ابراہیم لکھا ہے ۔ مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی کے شعبہ مخطوطات میں اس کتاب کے دو نسخے ہیں ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک میں مصنف کا نام صرف بیچارہ ابن محمود بن ابراہیم لکھا ہوا ہے جب کہ دوسرے میں ان کا نام بہار بن محمود بن ابراہیم لکھا ہے۔ مصنف کے بارے میں اس سے زیادہ معلومات دستیاب نہیں ہیں کہ وہ قاضی حمید الدین ناگوری کے پوتے تھے۔ مصنف کے بیان کے مطابق یہ تفسیر بیشتر قاضی صاحب کے افادات پر مشتمل ہے۔ اول الذکر مخطوطہ کل ۸ اوراق پر مشتمل ہے اور نامکمل ہے۔ دوسرا نسخہ مکمل ہے۔ یہ ۱۹ اوراق پر مشتمل ہے۔ مختلف صفحات پر سطریں مختلف ہیں اور سائز ۸×۷ رہے۔

سورہ والضحیٰ کے مطالعہ سے واضح طور پر محسوس ہوتا ہے کہ یہ مکی دور کے اس عہد سے تعلق رکھتی ہے جب حالات بےحد ناساز گار ہو چکے تھے اور شدت مخالفت کے باعث آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم دل گرفتہ رہنے لگے تھے چنانچہ اس سورہ کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ کا مشن کامیاب ہو کر رہے گا اور راستے کی تمام دشواریاں دور ہو جائیں گی۔ اس سورہ کے آئینہ میں آپ کی زندگی کے مختلف مراحل آپ کے سامنے رکھ دیئے گئے ہیں۔ جس ذات پاک نے اس سے پہلے کے مراحل میں آپ کی دستگیری فرمائی تھی وہی آئندہ بھی راستے کی رکاوٹوں کو دور کرے گی اور آپ کے مشن کو کامیابی اور فائز المرامی سے ہمکنار کرے گی۔ چنانچہ جس امتحان کے دور سے آپ گذر رہے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی بے التفاتی یا عتاب کی وجہ سے پیش نہیں آیا ہے بلکہ یہ اسی امتحان کا ایک حصہ ہے جو روحانی اور اخلاقی تربیت کے لئے ضروری ہے[1]۔ بہت سے مفسرین کا یہ خیال ہے کہ یہ سورہ کچھ دنوں تک وحی کے رکے رہنے کے بعد نازل ہوئی[2]۔

یہ ہے سورہ والضحیٰ کے بنیادی مضامین کا ایک اجمالی تعارف۔ لیکن جب اسی سورہ کی صوفیانہ تفسیر لکھی گئی تو مصباح العاشقین بن گئی اور عشق و محبت اور ناز و نیاز کی ایک عجیب و غریب داستان میں تبدیل ہوگئی۔ آئندہ صفحات میں اس تفسیر کے مشمولات کا ایک مختصر سا خاکہ پیش کیا جا رہا ہے۔

چونکہ مصباح العاشقین ایک صوفیانہ تفسیر ہے اس لئے "والضحیٰ واللیل اذا سجیٰ" سے مراد ان الفاظ کے ظاہری معانی تک محدود نہیں ہو سکتے چنانچہ ان کی مختلف تاویلات پیش کی گئی ہیں۔ 'والضحیٰ' سے اللہ تعالیٰ نے اس دن کی قسم کھائی ہے جس دن غار حرا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت جبرئیل پہلی بار وحی لے کر تشریف لائے اور 'واللیل' سے اس رات کی قسم کھائی گئی ہے جس رات آپؐ حضرت ام ہانی رضی کے مکان پر آرام فرما رہے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیلؑ کو حکم دیا کہ میرے حبیبؐ کو بیدار کرو اور میرے حضور میں لے آؤ۔ قاضی حمید الدینؒ فرماتے ہیں کہ جبرئیلؑ کا واسطہ بیچ میں نہ تھا بلکہ عشق کو حکم ہوا کہ جبرئیل کی صورت اختیار کرے اور حبیب خدا کو بیدار کرے۔

---

۱ مصباح العاشقین، حبیب گنج فارسی تیم ۵ ریہ تفسیر ورق الف ۲ ملاحظہ کیجیے مولانا امین احسن اصلاحی تدبر قرآن۔ فاران فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۸۳ء جلد ۸، ص ۴۰۹ — ۴۱۱

۳ مثال کے طور پر ملاحظہ کیجئے زمخشری، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل .. المطبعۃ البہیۃ المصریۃ ۱۹۲۵ء الجزء الثانی ص ۵۹۹۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرا قول یہ ہے کہ 'والضحیٰ' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک کے نور کی قسم ہے۔ ایک شب رسالتمآبؐ حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں مقیم تھے۔ اس وقت حضرت عائشہؓ خرقہ سینے میں مصروف تھیں۔ اتفاق ایسا ہوا کہ ان کے ہاتھ سے سوئی چھوٹ کر گر گئی۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ گھر میں چراغ بھی نہیں کہ اس کی روشنی میں سوئی ڈھونڈھی جاسکے۔ یہ سن کر حضورؐ مسکرا دیئے جس سے دندانِ مبارک ظاہر ہوگئے اور اس کے نور سے حجرہ روشن ہوگیا اور حضرت عائشہؓ کو سوئی مل گئی دندان مبارک کے نور سے عرش سے فرش تک روشنی پھیل گئی۔ بعض ملائکہ نے سمجھا کہ یہ نور تجلی ہے چنانچہ وہ سجدہ میں گر پڑے۔ دوسرے ملائکہ بھی چاہتے تھے کہ سجدہ کریں لیکن ارشادِ باری ہوا کہ اے ملائکہ یہ نور تجلی نہیں ہے بلکہ ہمارے حبیبؐ کا نور دندان ہے جسے اس نے ہماری ایک کنیز کے سامنے ظاہر کیا اور یہ امر غیرت خداوندی کو شاق گذرا اور ارشاد ہوا الشہر و ہم ان دانتوں کو جراحت پہنچاتے ہیں۔ چنانچہ جنگ احد میں حبیبؐ کے دندان مبارک پر پتھر لگا تو ندا آئی یہ پتھر اس رات کی غیرت کا نتیجہ ہے جب آپ نے عائشہؓ کے سامنے خندہ فرمایا اور دندانِ مبارک اسے دکھائے:

بارے کسی کہ دعوی دوستی ما کند دندان بدیگرے نماید دندان اورا (بشکنم[۱])

ایک قول یہ بھی ہے کہ 'والضحیٰ' قسم ہے آپ کے چہرہ انور کی اور 'واللیل' قسم ہے آپ کی زلف مشک بوی کی:

"یعنی سوگند یاد کرد حق تعالیٰ بروشن جمال سید عالمؐ و بموی مشک بوی فخر اولاد آدم وقتے کہ در پوشد سپیدی۔" (ردی تراش[۲])

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر والضحیٰ سے مراد جمال روئے مصطفیٰؐ اور واللیل سے کنایہ موی مشک سید اصفیاؐ سے ہے تو پھر صراحتاً اس کا ذکر نہ کرنے کی کیا وجہ ہے؟ مصنف نے اس اشکال کے کئی جوابات دیئے ہیں:

پہلا جواب یہ ہے کہ ایسا اس لئے کیا گیا ہے کہ کنایہ صراحت سے زیادہ بلیغ مانا جاتا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ایسا مومنین کے سامنے اظہار واقعہ اور کفار سے اخفار راز کے لئے کیا گیا ہے۔

مصرع۔ من دانم و تو دانی و اغیار ندانند۔ یہ دونوں جواب متعلمانہ ہیں۔

تیسرا جواب عاشقانہ ہے اور قاضی حمید الدینؒ کے افادات سے ماخوذ ہے اور وہ یہ ہے کہ اہل عشق کا طریقہ یہ ہے کہ عاشق صادق معشوق کا نام نہیں لیتا اس لیے معشوق یا تو موجود ہوگا یا غائب۔ اگر موجود ہے تو نام لینا سخت بے ادبی ہے اور اگر معشوق موجود نہیں ہے تو عاشق اپنے آپ میں کہاں؟ دوسرے تمام انبیا تو دگاہ

۱۔ مصباح العاشقین، جیب گنج ۲۳ فارسیہ تفسیر، ورق ۱۰ الف ب ۲۔ نفس مصدر، ورق ۱۰ ب۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رب العالمین کے عاشق ہیں لیکن ہمارے رسول تو حبیب رب العالمین ہیں اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کی نظروں میں ہیں اس لیئے کنایہ کا انداز اختیار کیا گیا اور صراحت سے اجتناب کیا گیا۔

اس سورہ کی شان نزول یہ بیان کی گئی ہے کہ کچھ منافقین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض سوالات کیئے۔ آپ نے فرمایا کل جواب دوں گا" اقول غدا" اور انشاء اللہ کہنا یاد نہ رہا۔ غیب سے ندا آئی جبرئیل! دیکھا ہمارے حبیب نے کیا کیا۔ غیروں کے سامنے ہم کو فراموش کر دیا۔ تم بھی کچھ دن ادھر نہ جاؤ تاکہ تنبیہ ہو جائے۔ چنانچہ سلسلہ وحی منقطع ہو گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ منافقین بار بار جواب کا مطالبہ کرتے اور آپ خاموش رہ جاتے۔ اس سلسلہ نے طول کھینچا اور منافقین کا تمسخر اس حد تک پہنچ گیا کہ ان لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ محمدؐ کے خدا نے محمدؐ کو چھوڑ دیا ہے۔ جب اصحاب کی بیقراری اور آپ کی گریہ وزاری حد سے بڑھ گئی تو بارگاہ ذوالجلال سے حضرت جبرئیل کو حکم ہوا کہ درد فراق اور طعنہ اغیار سے ہمارا حبیب بہت دل شکستہ اور ملول ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس کا مرغ روح قفس تن سے پرواز کر جائے اور سارا عالم تاریک ہو جائے۔ جاؤ ہمارا سلام کہو اور کہو "والضحیٰ واللیل اذا سجیٰ، ما ودعک ربک وما قلیٰ"۔

حضرت جبرئیلؑ تشریف لائے تو آپ نے اس بے التفاتی کا سبب دریافت فرمایا۔ حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا کہ یہ بے التفاتی کی بات نہ تھی بلکہ عشق و محبت کے اسرار ہیں۔ ایسا اس لیئے ہوا کہ آپ نے اغیار کے سامنے "اقول غدا" کہا اور ان شاء اللہ نہ فرمایا۔ دوسرا سبب یہ ہوا کہ آپ کے در پر کتے کا ایک بال پڑا ہوا تھا۔ جہاں کتے کا بال ہو وہاں میں آ نہیں سکتا۔ آج ہوا اس بال کو اڑا لے گئی تب میرا آنا ہوا۔ آپ کے لیئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام اور آپ کے جمال کی قسم لے کر آیا ہوں۔ آپ کی قدر یہ منافق کیا جانیں۔ آپ کی قدر تو اللہ ہی جانتا ہے جس نے آپ کے واسطے سارے عالم کو پیدا کیا۔ آپ کی قدر تو روز قیامت روشن ہو گی۔ وہاں آپ جو کچھ مانگیں گے آپ کو عطا کیا جائے گا۔ "ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ"۔

اسی ضمن میں قیام قیامت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا ذکر ہے جس کے نتیجے میں امت کا ہر شخص جنت میں داخل ہو جائے گا سوائے ایک شخص کے جو دوزخ میں رہ جائے گا۔ پانچ سو سال تک اس کو عذاب ہوتا رہے گا۔ پانچ سو سال کے بعد اس کی دردناک آواز آپ کو سنائی دے گی۔ دریافت حال پر جب آپ کو یہ معلوم ہو گا کہ یہ آپ کے ایک گنہ گار امتی کی آواز ہے تو آپ جہنم کا قصد فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ مالک جہنم سے فرمائے گا کہ ہمارے حبیب اپنے ایک گنہ گار امتی کے لیئے آ رہے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ آ جائیں اور اسے دیکھ کر دوزخ میں داخل

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو جائیں اور ان کی برکت سے ہم جہنم کو سرد کر دیں اور سارے کافروں کو نجات حاصل ہو جائے۔ مالک اسے دوزخ سے نکال کر حضورؐ کے حوالہ کر دے گا۔ آپ اسے اپنے ساتھ لائیں گے اور اپنے جوار میں جگہ عنایت فرمائیں گے اور "پیغامبر علیہ السلام او را بسیار عذر خواہد۔ ہر آں بندہ بگوید اے برادر مرا معلوم بنود کہ در دوزخ بودی۔ بخدا اگر مرا معلوم بودے ہرگز من درون بہشت نہ آمد (مے) و از پروردگار خود خوشنود نمی شدمے۔"

'الم یجدک یتیماً فآوی' کے سلسلہ میں ایک قدرے طویل بحث میں یہ بات کہی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت اسماعیل علیہ السلام تک اور اس کے بعد بھی آپ کے اجداد کو جو غیر معمولی عزت و شرف بخشا اس کی وجہ یہی تھی کہ ان کے صلب میں آپؐ تھے اور ان کی پیشانی نور محمدیؐ سے منور تھی۔ ملائکہ نے حضرت آدمؑ کو سجدہ اسی لئے کیا تھا کہ ان کی پیشانی میں انھوں نے آپؐ کا نور مشاہدہ کیا تھا۔ حضرت ابراہیم کو آگ سے نجات اسی باعث ملی اور حضرت اسماعیلؑ کو ذبح عظیم کے بدلہ میں اسی وجہ سے بچایا گیا۔

اس آیت کریمہ کا سبب نزول یہ بتایا گیا ہے کہ ایک بار ایسا ہوا کہ سات دن تک آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں مسلسل فاقہ رہا اور چولہا جلنے کی نوبت نہ آئی۔ فاقہ سے سب کی حالت غیر تھی اور خود سرور کائنات صلعم اپنے شکم مبارک پر سات پتھر باندھے ہوئے تھے تاکہ دوسروں پر کیفیت ظاہر نہ ہو۔ اس خیال سے کہ شاید حضرت علیؓ کچھ شکار کر کے لائے ہوں حضورؐ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے یہاں تشریف لے گئے تاکہ گھر والوں کے کھانے کے لئے وہاں سے کچھ لائیں۔ وہاں یہ معلوم ہوا کہ حضرت فاطمہؓ کے یہاں نو دن سے فاقہ ہے اور حضرات حسنینؓ شدت ضعف سے بے سدھ پڑے ہوئے تھے۔ یہ دیکھ کر سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم بیقرار ہو گئے اور بارگاہ رب العزت میں فریاد کی کہ خداوندا تو نے آدمؑ کو ابوالبشر بنایا، ابراہیمؑ کو خلیل اللہ بنایا اور آگ سے نجات دی، سلیمانؑ کو ملکاً لاینبغی لاحد من بعدی بخشا، موسیٰؑ کو کلیم اللہ اور عیسیٰؑ کو احیاء موتی پر قدرت بخشی اور مریم کی جنت کے میووں سے پرورش کی اور مجھے کیا دیا سوائے اس کے کہ فقر و فاقہ میں مبتلا کر دیا۔ "مرا چہ دادی بدست فقر گرفتار کر دی!"

اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ "الم یجدک یتیماً فآوی"۔ اگر ہم نے سلیمان کو ملک دنیا دیا تو آپ کو ملک آخرت بخشا اور صاحب کوثر کا مرتبہ عطا کیا۔ اگر ہم نے ابراہیمؑ کو خلیل بنایا تو آپ کو محبوبیت کے درجہ پر فائز کیا۔ اگر عیسیٰ کو روح اللہ کہا اور ان کی دعا سے مردوں کو زندہ کیا تو آپ کو اپنا دوست بنایا اور گنہگاروں کو آپ کے بخش دیا۔ اگر مریم کی پرورش نعیم جنت سے کی تو آپ کو شراب عشق کا ذوق آشنا کیا۔ اس کے بعد بھی آپ فرماتے ہیں کہ مرا چہ دادی۔ "الم یجدک یتیماً فآوی"۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر ہم نے آدمؑ کو ابوالبشر کہا تو آدم، ان کی ذریت اور جو کچھ بھی ہم نے پیدا کیا وہ محض آپ کی وجہ سے پیدا کیا۔

آپ کہتے ہیں کہ ہم نے سلیمانؑ کو ملک عطا کیا اور جن وانس کو ان کا مطیع فرمان بنایا۔ ہم نے تو آپ کی امت کو ایسی بادشاہت عطا فرمائی ہے کہ جب آپ کا ایک امتی مراقبہ میں سر جھکاتا ہے تو ۱۸ ہزار عالم اس کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں اور وہ آنکھ اٹھا کر ادھر دیکھتا بھی نہیں۔ وہ ہماری محبت میں ایسا مستغرق ہوتا ہے کہ اسے کچھ اپنی خبر بھی نہیں ہوتی۔ جب وہ اپنے آپ میں آتا ہے اور اس پر نظر پڑتی ہے تو فریاد کرتا ہے اور ناخوش ہوتا ہے اور کہتا ہے:

"الٰہی ما از تو ترا می خواہم و تو مرا مشغول بغیر خود کنی"۔

آپ کہتے ہیں کہ ہم نے موسیٰؑ کو کلیم اللہ کا مرتبہ عطا کیا۔ موسیٰ کی کیفیت تو یہ تھی کہ وہ شوق دیدار میں ایسا بیقرار تھے کہ ہنوز شکم مادر میں تھے کہ "رب ارنی انظر الیک" کا نعرۂ مستانہ بلند کر دیا اور ان کی والدہ سخت متفکر و پریشان ہوئیں کہ یہ آواز کہاں سے آئی۔ پیدا ہونے کے بعد عام بچے روتے ہیں لیکن انھوں نے وہی نعرہ شوق لگایا "رب ارنی انظر الیک"۔ لیکن آپ کی وجہ سے ہم نے ان کی لن ترانی کے تازیانہ سے تادیب کی۔

اگر عیسیٰ کی دعا پر ہم نے مردے زندہ کر دیئے تو یہ خصوصیت تو ہم نے آپ کے امتیوں کو بھی بخشی ہے۔ الشیخ یحیی و یمیت۔ مریم کی پرورش اگر ہم نے میوہ جنت سے کی تو محض اس وجہ سے کہ انھیں آپ کی زوجیت کا شرف حاصل ہونا تھا۔ اور آپ ہم سے گلہ کرتے ہیں۔ ٹھہریئے قیامت کو برپا ہونے دیجئے تو مریم کو ہم آپ کی زوجیت میں دیتے ہیں اور ہم خود بغیر کسی واسطے کے آپ کا عقد پڑھائیں گے اور حاضرین کو انعام میں اپنے دیدار سے مشرف کریں گے۔ ہمیں تو آپ سے اس وقت سے محبت ہے جب آپ پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔ تمام انبیاء محب ہیں اور آپ محبوب ہیں۔ چنانچہ قیامت کے دن سارے انبیاء ہمارے جمال کے نظارہ میں محو ہوں گے اور ہم آپ کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔

"ووجدک عائلاً فاغنیٰ" کے ضمن میں حضرت خدیجہؓ کے ساتھ آپ کے نکاح کا تذکرہ ہے اور پورے بیان سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ یہ منصب نبوت پر فائز ہونے کے بعد کا واقعہ ہے۔ حضرت خدیجہؓ کے بارے میں بیان ملاحظہ ہو۔

"خدیجہ بادشاہ بود و بادشاہ زادہ و برادران او نیز بادشاہ بودند و بعضے می گویند کہ شوہر او نیز بادشاہ بود گنجینہ ہفت بادشاہ بدست آوردہ بود"

اس مختصر تعارف سے کسی حد تک اس تفسیر کا انداز اور منہج واضح ہو گیا ہوگا اور یہ بات سامنے آگئی ہوگی کہ تفسیر قرآن میں اگر اس انداز کو اپنایا جائے تو بات کہاں سے کہاں جا پہنچتی ہے اور وہ بنیادی مقصد نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے جس کے لئے قرآن مجید نازل ہوا تھا۔ ترقیمہ میں یہ عبارت درج ہے۔

"این تفسیر سورہ والضحیٰ تصنیف بندہ محمود بن ابراہیم بندہ مخدوم مرحوم قاضی حمید الدین ناگوریؒ۔ کاتب الحروف خاک پای درویشان فقیر حقیر احمد اللہ ولد شیخ نور اللہ محمد کنبوہ ابن محمد جعفر بن شیخ عبد المومن کنبوہ سنبھلی رستم خانی این مصباح العاشقین برائے خواندن برخوردار میاں محمد غوث ولد میاں میاں شاہ داؤد جیونہرہ شاہ شاہ محمود۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جناب یحییٰ ندوی
بیگوسرائے

فتوح الغیب فی کشف عن قناع الریب

شرف الدین حسین بن محمد بن عبد الله الطیبی کان ذا ثروة من الارث والتجارة فلم یزل ینفق ذلک علی وجوه الخیرات الی ان کان فی اخر عمره فقیرا، کان متواضعا، کریما حسن المعتقد شدید الرد علی الفلاسفة والمبتدعة مظهرا فضائحهم مع استیلائهم فی بلاد المسلمین حینئذ شدید الحب لله ورسوله کثیر الحیاء ملازما الجماعة لیلا ونهارا شتاء وصیفا مع ضعف بصره بآخره، ملازما لاشتغال الطلبة فی العلوم الاسلامیة بغیر طمع بل یحدثهم ویعینهم ویعیر الکتب النفیسة لاهل بلده وغیرهم من اهل البلد ان من یعرف ومن لا یعرف، محبا لمن عرف منه تعظیم الشریعة، مقبلا علی نشر العلم، آیة فی استخراج الدقائق من القرآن والسنن شرح الکشاف شرحا کبیرا واجاب عما خالف مذهب السنة احسن جواب یعرف فضله لمن طالعه وامر بعض

علامہ طیبی خاندانی طور پر مالدار اور تاجر تھے، ہمیشہ دولت کو کار خیر میں خرچ کرتے تھے یہاں تک کہ آخر عمر میں فقیر ہوگئے تھے۔ موصوف متواضع، سخی اور صحیح العقیدہ تھے بلاد اسلامیہ پر فلسفیوں اور بدعتیوں کے غلبہ پانے کے وقت بھی، ان کی سختی سے تردید کرتے اور کھل کر ان کی برائیاں کرتے، اللہ اور رسول کی محبت میں سرشار، بڑے باحیا تھے، آخر عمر میں ضعف بصارت کے باوجود گرمی وسردی کے دن ورات کی جماعت پنجگانہ کے پابند تھے، بغیر کسی لالچ اور طمع کے طلبہ کو علوم اسلامیہ کے اندر مشغول ہی نہیں رکھتے بلکہ انہیں حدیثیں بھی سناتے اور ان کی مدد بھی کرتے اور اپنے ہم وطن اور غیر ہم وطن کو جن کو پہچانتے یا نہیں پہچانتے ان کی اپنی عمدہ عمدہ کتابیں مستعار دیتے تھے، جن کو شریعت کا احترام کرتے دیکھتے ان سے محبت کرتے، علم کی نشر واشاعت پر متوجہ رہتے تھے، اللہ کی ایک نشانی تھے، انہوں نے کشاف کی مبسوط شرح لکھی اور اس میں زمخشری کے مذہب اہل سنت کے خلاف

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تلامذته باختصاره على طريقة نهجا له
ثم شرع في جميع كتاب في التفسير وعقد
مجلسا عظيما لقراءة كتاب البخاري فكان
يشتغل في التفسير من بكرة الى الظهر ومن
ثم الى العصر لا سماع البخاري ان كان يوم
مات، فانه فرغ من وظيفة التفسير الى مجلس
الحديث فدخل مسجدا عند بيته فصلى
نافلة قاعدا وجلس منتظرا الاقامة لفريضة
فقضى نحبه متوجها الى القبلة وذلك
يوم الثلثاء وثالث عشرى شعبان ۷۴۳ھ
الدرر الكامنة ج ۲ ص ۱۶۵ لابن حجر العسقلانی۔

اعتراضوں کا بہترین جواب دیا ہے جو اس کتاب کا مطالعہ کریگا
وہ ان کے فضل وکمال کا معترف ہوگا۔ انہوں نے اپنے
شاگردوں کو اپنی کتاب کے منہج پر اس کا اختصار کرنے
کا حکم دیا تھا۔ انہوں نے تفسیر میں ایک کتاب لکھنی شروع
کی تھی۔ انہوں نے بخاری کی قرأت کے لیے ایک بڑی
مجلس منعقد کی۔ صبح سے ظہر تک تفسیر میں مشغول رہتے
ظہر سے عصر تک بخاری کی سماعت کے لیے اپنی وفات کے دن وظیفہ تفسیر سے
فارغ ہوکر حدیث کے مجلس کی طرف متوجہ ہوئے ظہر کی
نماز کے لیے جو ان کے گھر کے قریب مسجد تھی وہاں نفل نماز بیٹھکر پڑھی
اور فرض کی اقامت کے منتظر تھے کہ اچانک روح پرواز کرگئی اس حال
میں کہ قبلہ رو تھے یہ واقعہ منگل دن ۲۳ شعبان ۷۴۳ھ کو پیش آیا۔

طیبی کہلانے کی وجہ / الطیبی نسبة الى الطيب بكسر الطاء وسكون الياء بلد بين واسط وكور الاهواز

(زرقانی ج ۵ ص ۸۸)

طیبی طیب کی طرف منسوب ہے جو واسط اور اہواز کے درمیان ایک شہر ہے۔ علامہ طیبی کی پیدائش کا سن نہیں معلوم ہوسکا اور ان کی تعلیمی زندگی کا تذکرہ نگار نے کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ البتہ علامہ سیوطیؒ بغیۃ الوعاۃ ص ۲۲۸ میں اخذ علی ابی حفص السهروردی لکھا ہے کہ انہوں نے ابوحفص سہروردی سے پڑھا تھا جس کی تائید ان کی کتاب فتوح الغیب سے ہوتی ہے

لواقح الانوار القدسية في بيان العهود المحمدية ص ۲۳۳ لعبد الوهاب الشعرانی

سمعت شيخنا شيخ الاسلام زكريا الانصاري
يقول قل ان يجتمع في شخص في عصر من الاعصار
علم الفقه والحديث والتصوف ولم يبلغنا انها
اجتمعت في احد بعد الطيبي صاحب حاشية
الكشاف الى وقتنا هذا ومن اجتمعت فيه
هذه العلوم الثلاثة فهو الذي ينبغي ان

میں نے اپنے شیخ شیخ الاسلام زکریا انصاری سے سنا وہ
کہتے تھے زمانہ میں کم لوگ گذرے ہیں جن کو علم الفقہ
والحدیث والتصوف کا جامع قرار دیا جائے۔ علامہ
طیبی صاحب حاشیۃ الکشاف ایسا کوئی جامع نظر نہیں
آیا۔ ان تین علوم کے جامع کو شیخ اہل السنۃ والجماعۃ
کا لقب دیا جائے جو اس لقب کو انکے لیے نہیں دیتے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يلقب بشيخ اهل السنة والجماعة فى عصره ومن لم يلقبه بذلك فقد ظلمه۔

وہ ان پر ظلم کرتے ہیں۔

صاحب التاج المكلل ص۳۰۳۔

نواب صدیق حسن خاں صاحب نے یہ لکھا ہے:

قال فى البدر الطالع: كان حسن المعتقد شديد الرد على الفلاسفة والمبتدعة ومظهرا لفضائحهم مع استيلائهم على بلاد المسلمين فى عصره شديد المحبة لله ورسوله كثير الحياء ملازما للجماعة والجمعة ملازما للتدريس للطلبة فى العلوم الاسلامية، له اقبال على استخراج الدقائق من الكتاب والسنة وحاشية على الكشاف هى انفس حواشيه على الاطلاق مع ما فيها من الكلام على الاحاديث اذا اقتضى الحال على ذلك على طريقة المحدثين مما يدل على ارتفاع طبقته فى علمى المعقول والمنقول.

علامہ طیبی کا حاشیہ الکشاف بہترین حاشیوں میں سے ہے انہوں نے حدیث پر کلام کیا ہے محدثین کے طریقہ پر جو ان کے معقول و منقول کے طبقہ کے بلند ہونے کا ثبوت ہے۔

(البدر الطالع علامہ شوکانی رح کی کتاب ہے)

مشہور محدث محمد بن عبد الباقی الزرقانی، شرح المواهب اللدنية ج ۵ ص۹۵ العلامة شرف الدين حسن بن محمد بن عبد الله الطيبى۔

قال السيوطى: له المام بالحديث لكنه لم يبلغ فيه درجة الحفاظ ومنتهى نظره الكتب الستة ومسند احمد والدارمى ولا يخرج من غيرها وكثيرا يورد صاحب الكشاف الحديث المعروف فلا يحسن الطيبى تخريجه ويعدل

علامہ سیوطی نے کہا کہ ان کو حدیث سے مناسبت تھی لیکن وہ درجہ حفاظ کو نہیں پہونچے اور ان کی منتہائے نظر صحاح ستہ، مسند احمد الدارمی ہے اسکے علاوہ کسی اور سے تخریج نہیں کرتے اور بہت سے مرتبہ صاحب کشاف مشہور و معروف حدیث لاتے ہیں اس کی عمدہ تخریج نہیں کرتے ہیں اور دوسری نقل

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الی ذکر ما هو فی معتاد مما فی هذه الکتب وهو قصور فی التخریج

ہو جاتے ہیں اسکے ہم معنی حدیث کو بیان کرنے میں جو ان کتابوں میں ہے یہ ان کی تخریج میں ان کی کوتاہی کو بتاتا ہے۔

علامہ ابن خلدون اپنے مقدمہ صفحہ ۴۷۲ میں لکھتے ہیں۔

شرف الدین الطیبی من اهل عراق العجم. شرح فیه کتاب الزمخشری هذا وتتبع الفاظه وتعرض فی الاعتزال بادلة تزیفها وتبین البلاغة انما تقع فی الایة علی ما یراه اهل السنة لا علی ما تراه المعتزلة فاحسن ذلک۔

علامہ طیبی نے الفاظ کی تحقیق پوری طرح کی ہے۔ اور صاحب کشاف کے اعتزالی کھوٹے دلائل کا تعارض کیا ہے۔ آیات کے ضمن میں اہل سنت کے نظریہ کے مطابق بلاغت سے مسائل کی پوری فراوانی ہے اور اس کو اچھی طرح انجام دیا ہے۔

(کشف الظنون ج ۲ صفحہ ۱۴۷)

علامہ طیبی نے قرأت کے مختلف وجوہ کی تشریح، احادیث اور روایات کی تصحیح، لغات کی تحقیق، نکات کی تدقیق اور مسائل کی تقریر میں اپنی کوئی کوشش اٹھا نہیں رکھا تاہم اس میں دو خامیاں رہ گئیں۔ ایک تو یہ کہ کشاف ایسی کتاب ہے جس کی تہ تک پہونچنے کے لیے صرف علوم ظاہری کی تکمیل کافی نہیں بلکہ اسکے لیے چند اور شرائط کی ضرورت ہے جن کا ذکر صاحب کشاف نے کیا ہے اور وہ بغیر سخت ترین مجاہدہ کے حاصل نہیں ہو سکتا۔

دوسرے یہ کہ علامہ طیبی کو نکات بیانیہ پیدا کرنے کا بڑا شوق تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شرح بہت طویل ہو گئی۔

ہمارے موضوع سے باہر ہے کہ تفسیر کشاف کی کن کن لوگوں نے شرحیں لکھیں اور ان شرحوں کی کیا خوبیاں ہیں علامہ طیبی کی اہمیت کو بتانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ میں کچھ کا ذکر کردوں۔ عمادالدین یحییٰ بن قاسم العلوی المعروف بالفاضل الیمانی م ۷۵۰ حاشیۃ الطیبی سے اپنی کتاب تحفۃ الاشراف فی کشف غوامض الکشاف میں مدد لی ہے۔ کشف الظنون ج ۲۔ علامہ تفتازانی م ۷۹۲ نے اپنی شرح الکشاف میں طیبی کا ذکر نہیں کیا ہے مگر صاحب کشف الظنون ج ۲ میں لکھا ہے کہ یہ طیبی کی تلخیص ہے۔ کشف ج ۲

یہ ایک خاکہ پیش کر دیا کہ قارئین کتاب کی اہمیت کا اندازہ فرمائیں۔ تفصیلی مضمون جو کتابی شکل میں آئے گا اس کا انتظار فرمائیں۔

شرح الطیبی سے چند اقتباسات نقل کر رہا ہوں کہ قارئین کتاب کی اہمیت کا اندازہ لگائیں۔

قوله والهدى مصدر زمخشری قالوا اضطرب کلام سیبویه فی الهدی فمن یقول هو عوض من المصدر لان فُعَلا لا یکون مصدرا واخری یقول مصدر رهدی وقال ایضاً فلما یکون ما ضم اوله من المصادر الا منقوصا لان فعلا لا یکاد یری مصدرا من غیر ثبات الواو والیاء

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فدل على انه مصدر كالبُكا والشرى ۔

اعلم ان المصنف استدل على مطلوبه وهو ان الهدى هى الدلالة الموصولة الى البغية بوجوه ثلاثة ۔

الاول ۔ وقوع الهداية فى الآيتين فى مقابلة الضلال والضلالة هى الخسة وحيث وقعت مقابلة لها كان معناها متقابلا لمعناها ۔

وثانيها ۔ استعمال المهدى فى موضع المدح كالمهتدى يعنى ان المهدى اسم مفعول من هدى والمهتدى اسم فاعل من اهتدى وكما يوصف المرء بالمهتدى فى مقام المدح لوصوله الى البغية يوصف بالمهدى ايضا ولولا اعتبار هذا القيد فى مسمى الهدى لم يكن الوصف يكون مهتديا مدحا

وثالثها ۔ ان اهتدى مطاوع هدى الى آخره ومعناه انا اذا قلنا انكسر الاناء كانت الفائدة الاخبار بحصول معنى الانكسار ومن تعلق تكسر لمن قام به الانكسار الذى هو اثر كسر كذا قولنا اهتدى اعلام بالوصول الى البغية من تعلق هدى بمن قام به الاهتداء الذى هو اثر الهدى فلو لم يكن فى مسمى الهدى الايصال الى البغية معتبرا يلزم ان يكون المطاوع على خلاف معنى المطاوَع الذى هو اثره وقوله ولولا اهتدى معطوف على قوله بدليل وقوع الضلالة وقوله ۔ و يقال عطف على وقوع اى يدل قولهم ويجوز ان يعطف على الدليل قال صاحب التقريب وفى الوجوه نظر ۔ لان الاول معارض بقوله تعالى "واما ثمود فهديناهم فاستحبوا العمى على الهدى" والثانى ان المدح حاصل بالتمكين من الاستدلال وان لم يوصل الى البغية والثالث بقوله امرته فلم يأتمر لعله اقتدى بالامام حيث قال فى تفسير والهدى عبارة عن الدلالة وقال صاحب الكشاف هى الدلالة الموصولة الى البغية والذى يدل على صحة القول الاول فساد الثانى لانه لو كان كون الدلالة الموصولة الى البغية يعتبر فى مسمى الهدى لامتنع حصول الهدى عند عدم الاهتداء لكن الله تعالى مع عدم الاهتداء فى قوله واما ثمود فهديناهم فاستحبوا العمى على الهدى ثم اجاب عن الوجه الاول ان الفرق بين الهدى والاهتداء معلوم بالضرورة فمقابل الهدى هو الضلال ومقابل الاهتداء هو الضلال فجعل الهدى بمقابلة الضلال ممتنع وعن

۱ـ نسخہ قلمی میں اسی طرح ہے مگر کشاف مطبوعہ مصر کا حکم ہے ۔ یا لیا ہے ذکر بالهمزہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الثانی ان الممتنع بالهدی یسمی مهدیًّا وغیره المنتفع به لا یسمی مهدیا الا ان الوسیلة اذا لم یفض الی المقصود کانت نازلة منزلة المعدوم وعن الثالث لان الایتمار مطاوع الامر یقال امرته فأتمر ولم یلزم منه ان یکون من شرط کونه امرا حصول الایتمار فکذا هکذا وا لجواب عن قوله اثبت الهدی مع عدم الاهتداء یعنی فی قوله تعالی "واما ثمود فهدیناهم فاستحبوا العمی علی الهدی" ان یقال لا نسلم حصول هدی الحقیقی لان المراد باثبات الهدی تمکنهم علیه بسبب ازاحة العلل من بعث الرسول بیان الطریق ولذلک رتب علیه فاستحبوا العمی علی الهدی وفیه عن الهدی واستحبابا للعمی کما قال فی قوله تعالی "اولئک الذین اشتروا الضلالة بالهدی" وعن قوله فجعل الهدی فی مقابلة الضلال ممتنع اذ لو کان ممتنع لم یقع فی الآیتین لان المراد بالمقابلة فی الصناعة الجمع بین اللفظین الدالین علی المعنیین المتضادین حقیقة او تقدیراً ای سواء کانا متعدیین او لازمین او احدهما متعدیا والاخر لازما وفی الآیتین هذا المعنی موجود سیما فی الثانیة فانه صریح فیها لتوسط کلمة التقابل وعن قوله ان المنتفع بالهدی یسمی مهدیا بمعنی ان المهدی انما دل علی المدح بالمجاز والقرینة مقام المدح فلا یثبت القرینة بحقیقة المقام ان یقال ان المراد بقوله تعالی مهدی فی موضع المدح ان المهدی من الاوصاف التی تستعمل فی المدح مطلقا الا انه معرض ذلک عن قوله امرته فلم یأتمر ما قاله البزدوی فی اصوله الابری ان امر فعل متعد لازمه ایتمر ولا وجود للمتعدی الا ان یثبت لازمه بالکسر لا یتحقق الا بالانکسار فعضه من الامر بفة ان لا یثبت بالامتثال الا ان ذلک لو ثبت بالامر نفسه سقط الاختیار من المامور اصلا وللمامور عندنا ضرب من الاختیار معنی هذا الکلام ان اصحاب اللغة ما اثبتوا لکل فعل متعد لازما الا اذا اتفقا فی الوجود قال ابن الحاجب معنی المطاوعة حصول فعل من فعل فالثانی مطاوع لانه مطاوع الاول والاول مطاوع لانه مطاوعة الثانی فاذا وجد المطاوع یجب ان لا یتخلف عنه الطاوع فاذن معنی امرته فایتمر جعلته مؤتمرا فایتمر لکن منع الایتمار معنی سقوط الاختیار ولزم الجبر فعرض له عارض فوجب العدول عن الحقیقة هذا ان الواجب الجمع بین القولین ودفع العاجز عن البحرین بتحقیق معنی الهدی اهی حقیقة فی الدلالة المطلقة مجاز

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فی الدلالة المخصوصة او عکسه ام هی مشترکة بینهما او موضوعة للقدر المشترک وهو البیان، روینا فی صحیح الامام محمد بن اسماعیل فهدیناهم بینا لهم علی الخیر والشر لقوله تعالیٰ وهدیناه النجدین وکقوله انا هدیناه السبیل، الهدی الذی الارشاد متنعا استعدیناه من ذلک قوله تعالی اولئک الذین هدی الله فبهداهم اقتده، وقال الزجاج والواحدی معناه البیان وقال الجوهری الهدی الدلالة والارشاد وقال صاحب المطلع معنی الهدایة فی اللغة الدلالة یقال هداه فی الدین یهدیه هدایة اذا دله علی الطریق والهدی یذکر الحقیقة والارشاد ایضا ولهذا اجاز النفی والاثبات قال تعالی انک لا تهدی من احببت ولکن الله یهدی، ــــــــــــــــــــ

وقال الله تعالیٰ وانک لتهدی الی صراط مستقیم، وفی کلام المصنف اشعار بان الهدی حقیقة فی الدلالة الموصلة الی البغیة مجاز فی مجردة الدلالة وذلک قوله فی حم السجدة الیس مدینة حصلت فیه الهدی والدلیل علیه قولک هدیته فاهتدی بمعنی تحصیل البغیة فکیف شاء استعمله فی الدلالة المجردة وهذا انتصب لاقامة الدلیل علی حقیقتها فی هذا المعنی وانما حقیق ان یحمل علیه فی هذا المقام لا تقتضیه مدح الکتاب وکونه کاملا فی بابه والامام لما رای الدلائل منصوبة فی کونها حقیقة فی مطلق الدلالة انتصب لابطال مذهبه هربا من الاشتراک والمجاز وکان الزجاج والواحدی الی القول بالقدر المشترک بین المفهومین ولکل وجهة هو مولیها ورق ۲۹-۳۰ جلد اول

وروی محی السنة عن ابن عباس ومقاتل لا یدرکه الابصار فی الدنیا وهو یدرک الابصار لا یخفی علیه شیء وقال الواحدی والدلیل علی ان هذا الایة مخصوصة بالدنیا ج ۲ - ورق ۲۱، سورۃ انعام .

توضیح اقتباسات

(۱) فعل کے وزن پر مصدر نہیں آتا ہے یہاں هُدٰی فعل کے وزن پر ہے۔ اس کا جواب علامہ طیبی نے یہ دیا کہ یہ منقوص ہے اور اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے۔ بغیۃ الضلال کے مقابل یہاں مستعمل ہے۔ ھدایۃ کے معنی مقصود تک پہونچانا، ایصال الی المقصود کی دو قسم ہیں ایک مقصود تک پہنچانا دوسری قسم مقصود تک کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

راہنمائی۔ اھتدا اور ہدایہ کی بحث کی ہے۔ راہ یاب اور رہنمائی کرنا۔ المھدی کے معنی المھتدی بھی آتا ہے۔

فتوح الغیب فی الکشف عن قناع الغیب المعروف بحاشیۃ۔

کتب خانہ خدا بخش فہرست کتب نمبر ۲۷۳، تا ۲۷۶ نسخۃ خطیبۃ۔

پہلی جلد۔ ۲۵۲ ورق۔ سطریں ۳۱ خط نسخ۔ کاتب کا نام نہیں ہے۔ اور سن کتابت بھی نہیں ہے۔ گیارہویں یا بارہویں صدی کی کتابت معلوم ہوتی ہے۔ سورہ فاتحہ سے مائدہ تک۔

دوسری جلد۔ ۲۲۹ ورق۔ سطریں ۳۱۔ خط نسخ۔ کاتب کا نام نہیں ہے اور سن کتابت بھی نہیں ہے۔ گیارہویں یا بارہویں صدی کی کتابت معلوم ہوتی ہے۔ سورہ انعام سے سورہ کہف تک۔

تیسری جلد۔ ۲۲ ورق۔ سطریں ۳۳۔ خط نسخ۔ کاتب کا نام حسین بن محمد بن حسن بن محمود الحنفی ہے سن کتابت ۷۶۸ھ۔ سورہ مریم سے الصافات تک۔

چوتھی جلد۔ ۲۶۲ ورق۔ سطریں ۳۳ خط نسخ کاتب کا نام محمد بن نصر اللہ العمری السمرقندی سن کتابت ۷۶۸ھ تیسری اور چوتھی جلد مؤلف کے انتقال کے چوبیس سال بعد کی لکھی ہوئی ہے۔ اس نسخہ کی اہمیت ہوتی ہے۔

علامہ طیبیؒ کے حالات مندرجہ ذیل کتابوں میں ملتے ہیں:

(۱) الدرر الکامنۃ لابن حجر العسقلانی (۲) مقدمہ ابن خلدون (۳) بغیۃ الوعاۃ للسیوطی (۴) المواہب اللدنیۃ الزرقانی (۵) لواقح الانوار للشعرانی (۶) التاج المکلل نواب صدیق حسن خان (۷) البدر الطالع للشوکانی (۸) مفتاح السعادۃ للطاش کبری کوبری (۹) روضات الجنان (۱۰) کشف الظنون (۱۱) معجم المؤلفین (۱۲) ھدیۃ العارفین

علامہ طیبیؒ کی حسب ذیل تصنیفات ہیں۔

(۱) فتوح الغیب فی کشف عن قناع الریب (۲) الکاشف عن حقائق السنن النبویۃ (۳) التبیان فی المعانی والبیان (۴) مقدمۃ فی علم الحساب (۵) اسماء الرجال۔

معجم المؤلفین اور بغیۃ الوعاۃ للسیوطی کے حوالے سے ان کی تصنیفات نقل کیے گئے ھیں۔

••

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر میر نجم الدین علی خاں
حیدرآباد

تفسیر بحر مواج

مؤلفہ

قاضی شہاب الدین دولت آبادی متوفی ۸۴۹ھ

اسلامی فتوحات کے ساتھ ساتھ عربی زبان بھی متاثر ہوئی اور علوم عقلیہ کے حصول سے بہت سے اختلاف پیدا ہوئے۔ پس ضروریات زمانہ کے لحاظ سے اور غیر عرب مسلمانوں کے لیے تفسیر ضروری سمجھی گئی کہ کلام الٰہی میں بیان کردہ احکامات کو واضح کیا جائے۔

قرآن فہمی میں ذہنِ صحابہ جدا جدا تھے تاہم اس فرق و اختلاف کے باوجود عوام الناس کے لیے اُن کی تفسیریں ممد و معاون تھیں۔ یہ تفسیریں باعتبار نزولِ آیات مستند ہیں کیونکہ انھوں نے وہ بات رسول اللہ صلعم سے سنی ہے۔ وہ اہل زبان تھے اور صحبت نبوی سے مستفید ہوئے تھے۔ مثلاً عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہم اجمعین البتہ تابعین کی تفسیروں کو قبول کرنے یا قبول نہ کرنے میں علماء کا اختلاف پایا جاتا ہے، کیونکہ علوم عقلیہ کے حصول سے بہت سے اختلافات پیدا ہوئے جس میں گروہی تعصب، سیاسی مسلک اور جذبۂ انتقام بھی شامل ہو گیا۔ غرض کہ ہر مفسر جو کسی فن میں ممتاز تھا اُس نے قرآن کی تفسیر کو اپنے فن کے قالب میں ڈھالنے کی کوشش کی اس طرح ان تفسیروں کو آج آٹھ بڑے گروہوں میں اس طرح تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ تفسیر بالقرآن، تفسیر بالحدیث، فقہی، ادبی، تاریخی، فلسفی، صوفیانہ اور کلامی۔

صحابہ کی تفسیر میں اجمال ہے۔ ان تفاسیر میں فقہ کے احکام نہیں پائے جاتے۔ تابعین کے دور میں کتاب سنت، صحابہ کے تفسیری اقوال کے علاوہ اہل کتاب کی کتب مقدسہ اور ذاتی اجتہاد سے کام لیا گیا۔ اس لیے ایسی تفاسیر پڑھنے والے کے لیے یہ تفسیریں واجب نہیں ہو سکتیں۔

ہندستان مختلف جغرافیائی منطقوں میں منقسم ہے ان منطقوں کی تاریخیں بھی جدا جدا ہیں جو سیاسی، سماجی، معاشی اور اخلاقی پہلوؤں کو سمیٹے ہوئے ہے۔ لیکن ہندستان کے مفسر کو الٰہیات

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

THEOLOGY اور مذہبی شعائر RITUALS میں اختلاف نہ کرتے ہوئے معاملات (شہری حقوق و فرائض) سے متعلق احکامات کو واضح طور پر ظاہر کرنا چاہیئے۔

شیخ الامام العالم ملک العلما سلطان الفضلا احمد بن عمر الزاوی قاضی القضاۃ شہاب الدین بن شمس الدین عمر دولت آبادی کا موروثی وطن ہرات تھا لیکن ان کی پیدائش آٹھویں صدی ہجری میں بمقام دولت آباد ہوئی جو دکن کا ایک علاقہ ہے۔ یہ علاقہ آجکل مہاراشٹرا میں شامل ہے۔ محمد بن تغلق نے اس مقام کو اپنی راجدھانی بنانا چاہا تھا۔ بہمنی سلطنت کی بنیاد یہیں پڑی اور بہمنی سلطنت کا پہلا صدر مقام یہی دولت آباد تھا۔

شہاب الدین کی ابتدائی تعلیم دولت آباد میں ہوئی۔ مدرسی تعلیم کے لیے انھیں ہجرت کر کے دہلی جانا پڑا کیونکہ ان دنوں وہاں قاضی عبدالمقتدر اور مولانا خواجگی نحوی (یہ دونوں بھی سید محمد الحسینی گیسو دراز بندہ نواز کے استاد تھے) کی علمی شہرت تھی۔

قاضی صاحب نے ان ہر دو اساتذہ سے اکتساب علم کے ساتھ ساتھ مولانا خواجگی کے ہاتھ پر بیعت کی اور طریقت کی تربیت حاصل کی۔ علم طریقت کا استفادہ حضرت میر سید اشرف جہانگیر سے کیا۔ جس کا اشارہ حضرت میر کے خطوط سے ملتا ہے۔ جیسا کہ ان کے زمانے میں دانشمندوں کی بہتات تھی جو یا تو ان کے استاد تھے یا ہمعصر لیکن جو شہرت حق تعالیٰ نے آپ کو بخشی اس زمانے کے کسی اور شخص کو ایسا رتبہ نصیب نہیں ہوا۔ آپ ذہین و عاقل تھے، قوتِ حافظہ تیز تھا کسی بات کا ادراک جلد کر لیتے تھے۔

دہلی پر تیمور کے حملوں کی وجہ سے مولانا خواجگی کے ہمراہ آپ بھی کالپی تشریف لے گئے، اور جونپور میں داخل ہوئے۔ وہیں زندگی گذاری۔ وہاں کے سلطان ابراہیم مشرقی کی عنایت سے عہدہ قضاۃ پر آپ کا تقرر ہوا، اور بعد میں مدرسہ جونپور کے امام الشیخ مقرر ہوئے۔ محمد بن قاسم بن غلام علی بیجاپوری کی تاریخ میں مزید تفصیلات درج ہیں۔

قاضی صاحب کی بے شمار تصنیفات ہیں، لیکن جن تصنیفات کا علم ہو سکا وہ یہ ہیں۔ بزبان عربی ابن حاجب کی کافیہ پر حواشی جو بقول علما متانت و لطافت میں بے مثل ہیں۔ یہ تصنیف ان ہی کی حیات میں بہت شہرت پائی۔ صاحب فوائد ضیائیہ نے ان پر تنقید لکھی، لیکن یہ تنقید بھی محض قاضی صاحب کے تذکرہ کی وجہ سے مقبول ہوئی۔ "کشف الظنون" کے مصنف چلپی لکھتے ہیں: "قاضی صاحب

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شرح فوقانی لکھی، شرح بیضاوی، شرح بزودی لکھی جو اصول فقہ پر لکھی گئی ہے۔ شرح قصیدہ بانت سعاد لکھا۔ شرح قصیدہ بردہ لکھا۔ بزبان عربی نحو پر رسالہ ارشاد لکھا جو آپ اپنی مثال ہے۔ اس میں قاضی صاحب نے جدید ترتیب استعمال کی ہے جس کے بیان کرنے میں اکثر علما عاجز تھے۔ فصاحت و بلاغت میں علم بے مثال رکھتے تھے۔ ان کا لکھا ہوا ایک رسالہ "مناقب السادات" بھی ہے۔ جس میں اہل بیت سے حب و محبت کے عقیدہ پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ جو باعث نجات آخرت ہے۔ اس رسالہ کے لکھنے کی ایک وجہ یہ ہوئی کہ ان کے وقت ایک سید تھے جن کو سید اجمل کہا جاتا تھا۔ یہ اپنے وقت کے اکابر میں تھے لیکن علم ظاہری نہ رکھتے تھے۔ قاضی صاحب کی سید صاحب سے بعض مجالس میں تقدیم و تاخیر کی گفتگو ہوئی اور یہی اس رسالہ کے تحریر کرنے کی بنیاد بنی۔ قاضی صاحب لکھتے ہیں سید صاحب نے کہا تھا کسی شخص کا نام اس شخص کا تعین کرتا ہے، لیکن قاضی صاحب کی علمیت مشکوک ہے۔ اس لئے انھیں قاضی صاحب پر تقدیم و ترجیح حاصل ہے۔

قاضی صاحب اس بات سے ناخوش ہوئے اور ان سے برگشتہ ہوئے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ قاضی صاحب کو اس رات عالم خواب میں زیارت رسول اللہ صلعم نصیب ہوئی۔ رسول اللہ صلعم نے انکی تنبیہ کی اور سید اجمل صاحب کی رضا حاصل کرنے کو فرمائے۔

صبح قاضی صاحب سید صاحب کے گھر گئے، توبہ کی اور رسالہ لکھا۔ انھوں نے اور بھی رسالے لکھے۔ جیسے شرح مصباح بزبان فارسی، فتاویٰ ابراہیم شاہی بزبان عربی، عقیدہ اسلام اور بزبان فارسی تفسیر بحر مواج۔ ان میں سے کچھ کتابیں دکن میں، کچھ دہلی اور کچھ جونپور میں لکھی گئی ہیں، لیکن دکن میں تقریباً تمام مخطوطوں کے نقول موجود ہیں۔ ان کا انتقال ۸۴۹ ہجری میں ہوا۔ جونپور کے مدرسہ ہی میں ان کو دفن کیا گیا۔

تفسیر بحر مواج میں قاضی صاحب عالمانہ انداز میں پہلے حمد و ثنا تحریر کرکے خلفائے راشدین کی مدح بیان کرتے ہیں۔ وہ خود بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے اس تفسیر میں جمیع علوم جیسے علم حدیث، کلام، فقہ، علم ادب، حکمت و عرفان کا استعمال کیا ہے۔ ان کی تحریر کے مطابق انھوں نے تفسیر کی دیگر کتاب، مثلاً تفسیر امام کلبی، زاہدی، نسفی، مدارک، کشاف اور بعض شروحات کشاف، تفسیر امام رازی اور ابواللیث سمرقندی کے انداز سے استفادہ کیا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تفسیر بحر مواج میں وہ وحی کے نزول و وقت کو بیان فرماتے ہیں، پھر نحوی و صرفی ترکیب تحریر کرتے ہوئے ترکیب جملہ بیان کرتے پھر معنی دیتے ہیں، ضرورتاً حدیث یا فقہ بیان کرتے سوال قائم کرتے اور جواب تحریر فرماتے ہیں۔ مثال کے طور پر "پارہ سیقول" کی ایک آیت "فان طلقها فلا جناح علیهما ان یتراجعا ان ظنا ان یقیما حدود الله" کی تفسیر اس طرح بیان کی گئی ہے:

"لا برای نفی جنس است جناح اسم او ست علیهما خبر است ان تراجعا بتقدیر فی ان یتراجعا متعلق است بعلیهما کہ ظرف مستقر است و جملہ فلا جناح علیهما جزا فان طلقها است و جملہ فان طلقها با جزاء خویش عطف است بر شرطیہ سابقہ ان یقیما حدود الله مفعول است مر ظنا اگر متعدی سوی دو مفعول باشد مفعول ثانی تقدیر کنند۔

ان ظنا اقامتهما حدود الله حاصل منهما و این شرط مستغنی است از خبر اکتفا بما قبل معنی اینست پس اگر شوہر دوم زن مطلقہ ثلثہ مذکورہ را کہ منکوحہ او شدہ بود طلاق گوید و عدت طلاق او بگذرد پس نسبت بزہ کاری بر زن مذکورہ و شوہر اول در باز گشتن ایشان بیکدیگر یعنی در این شوہر اول سوی این زن باز گردد و این زن سوی شوہر اول بنکاح پیوندد و اگر گمان برند ایشان کہ حدود خدای را اقامت خواہند کرد و حقوق آن بجا خواہند آورد۔"

●●

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر حامد علی خاں
علی گڑھ

سواطع الالہام کا جائزہ

فیضی کی تفسیر "سواطع الالہام" ہے اور یہ اس کا عظیم الشان کارنامہ ہے فیضی کی عربی دانی اور لغت عربی پر عبور کی جس قدر تعریف کی جائے وہ کم ہے بلکہ یہ کہنا قطعی مبالغہ نہ ہوگا کہ فیضی کو عربی زبان پر ایسی کامل قدرت تھی کہ کوئی عرب بھی اپنی زبان دانی کا ایسا ثبوت فراہم نہیں کر سکتا تھا۔ فیضی نے تفسیر لکھنے سے پہلے مشق کے طور پر فن اخلاق میں "موارد الکلم" صنعت مہملہ میں لکھی تھی۔ فیضی نے نثر کی طرح عربی نظم میں بھی صنعت مہملہ کو اپنایا۔ فیضی کی تفسیر جہاں ایک طرف عربی زبان پر اس کی قدرت کی مثال آپ ہے تو دوسری طرف عربی زبان کی بے پایاں وسعت کا زندہ ثبوت ہے مزید برآں عبارت کے فقروں اور جملوں میں سجع بھی پایا جاتا ہے۔ فیضی کی اقتدا کرتے ہوئے صاحبزادہ علی عباس خاں ولد صاحبزادہ علی حسین خاں رامپوری متوفی ۱۲۹۸ھ نے بہ عہد نواب کلب علی خاں صرف "سورہ یوسف" کی تفسیر لکھی جو فیضی کی تفسیر کے مقابلے میں مختصر ہے اور عبارت آسان ہے[1] غالباً فیضی کا اتباع کرتے ہوئے سید محمود آفندی دمشقی نے ۱۲۲۴ھ میں "درر الاسرار" نامی غیر منقوط تفسیر لکھی اور خلیفہ سلطان عبدالحمید کے نام معنون کی۔ یہ تفسیر فیضی کی تفسیر کے مقابلے میں بہت مختصر ہے[2]

فیضی نے اس تفسیر کے لکھنے سے پہلے اہم اور بلند پایہ مفسرین کی تفاسیر کا مطالعہ کیا تھا' اسی لیے ان کے اقوال نام لیے بغیر ذکر کیے ہیں۔ فیضی نے قرآن کے مطالب و معانی کو اختصار کے ساتھ پیش کرنے پر اکتفا کیا ہے۔

خود اس نے صراحت کی ہے:

اِعْلَمُوا ... وُسَطاء العوام والعُلَماء الأعلام + أحرر مدلول الکلام کلام اللہ الملک العلام + وأسهم محصول ما أوله الکمل وحاوله الکرام + وأحکم مؤول سوره ومدلول دواله کمال الإحکام والأحکام + أسطر ما هو أمال المروم وأس المرام۔[3]

---

[1] تذکرہ کاملان رامپور: ۲۲۱ [2] ہندستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت ۲: ۲۹۳ [3] سواطع الالہام" فیضی، نولکشور پریس، لکھنؤ ۱۸۸۹ء/۱۳۰۶ھ: ۳

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ترجمہ: اے اربابِ علوم اور فضلائے کبار! آگاہ ہو کہ میں مالکِ حقیقی علام الغیوب اور خدائے برتر کے کلام کا مطلب تحریر کروں گا، کاملانِ فن اور معتدر فضلا کے بیان کا ماحصل لکھوں گا، قرآنی سورتوں کے معنی اور ان کے حقیقی مفہوم کو انتہائی استحکام کے ساتھ قلم بند کر کے محکم بناؤں گا اور قرآن کے اصل مطلوب اور بنیادی مقصد ہی کو سپردِ قلم کروں گا۔

فیضی نے اپنے دعویٰ کو پوری طرح نبھایا۔ اس نے اختصار پر عمل کرتے ہوئے قرآنی آیات کی تشریح اس طرح کی ہے کہ کہیں بھی ابہام باقی نہیں رہا ہے اور مفہوم کو واضح کر دیا ہے۔ خوبی یہ ہے کہ عبارات شروع سے آخر تک مربوط ہے البتہ صنعتِ مہملہ کی پابندی اپنے اوپر عائد کر لینے سے زبان کا دائرہ بہت تنگ ہو گیا ہے لہٰذا قلیل الاستعمال الفاظ کو استعمال کرنا پڑا ہے اور الفاظ کے متبادر و قریب معانی کی جگہ بعض اوقات بعید تر معانی مراد لینا پڑے ہیں۔

راقم کو علامہ شبلی کی اس رائے سے اختلاف ہے:

"سخت تعجب ہے کہ فیضی جیسے حکیم اور فلسفہ پسند شخص نے کیونکر یہ بیہودہ مغز کاوی گوارا کی۔ تفسیر کو پڑھ کر بجز اس کے کہ جا بجا مہمل الفاظ جمع کر دیے ہیں اور کچھ اثر طبیعت پر نہیں ہوتا۔ بہرحال ایک لغو کام ضرور ہے، کسی سے بن آئے یا نہ آئے"۔[1]

فیضی کی تفسیر مہمل الفاظ کا مجموعہ نہیں ہے کیونکہ "سواطع الالہام" میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہے جو قدیم کتبِ لغت[2] میں موجود نہ ہو جبکہ کتبِ لغت میں مہمل الفاظ مندرج نہیں ہوتے ہیں۔ فنِ تفسیر کے ارتقا کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مفسرین کی کسی فن میں مہارت سے تفسیر کی صورت بدل جاتی ہے۔ نحویوں، حکیموں، فقیہوں اور خاص مسلک کے حامل مفسروں کی تفسیریں شاہد ہیں۔ فیضی نے جس قدر دعویٰ کیا اسے پورا کر دکھایا۔ ساتھ ہی عربی زبان کا ایک نادر شاہکار پیش کیا ورنہ یوں تو کسی بھی جسمانی اور ذہنی فن میں کمال حاصل کرنے اور اس کے مظاہرہ کرنے کو ایک لغو کوشش اور بیہودہ مغز کاوی قرار دیا جا سکتا ہے۔

فیضی کو تفسیر لکھنے میں کتنی محنت کرنا پڑی؟ خود اس کا قول ہے:

"سَرَعَ بِسَطْرِهِ اَسْحَارًا وَآصَالًا كَحَدِّ وَالْعَوَامِّ + وَلَا كَمَالِهِ كَمَا هُوَ مَصْدُوْرُ الصَّدْرِ وَمُلْهِمُ السِّرِّ كَمْ دَعَامٌ"

ترجمہ: (اس نے تیز رفتار گھوڑوں کی تیز رفتاری کے مانند صبح و شام (ہمہ وقت) تفسیر لکھنے میں عجلت سے کام لیا۔ اور سینے میں القا کیے ہوئے مطالب اور الہام شدہ رازوں کو معرضِ تحریر میں لا کر تفسیر کو مکمل کرنے کے لیے نمازیں پڑھیں اور روزے رکھے۔)

فیضی کی تفسیر دو سال کی مدت میں بتاریخ ۱۰ ربیع الثانی ۱۰۰۲ھ بروز دوشنبہ مکمل ہوئی۔ فیضی نے تفسیر مکمل ہو جانے پر پھر ایک بار خاتمہ میں بطور شکر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت تحریر کر کے اپنے لیے

---

[1] شعر العجم ۳: ۴۲ [2] سواطع الالہام: ۳

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اپنے والد کے لیے خدا سے دعائیں کیں۔ عبارت خاتمہ بھی غیر منقوط ہے۔ اس عبارت کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ فیضی کو فن تاریخ گوئی میں کامل مہارت تھی۔ خاتمہ میں ننانوے جملے ہیں جن میں سے پورا نوے جملوں سے ایک ہزار دو ہجری تاریخ برآمد ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر تین جملے درج ہیں:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ مُحَصِّلِ المرامِ لِکَمَلِ سواطع الالهام ۔ اُلْهِمَ المُحَرَّرُ وَحْدَهُ لِاِطْرَاءِ اُمِّ الکلام ۔ وَاللّٰهُ مُسَدِّدُ الاُمُورِ وَمُسَهِّلُ کُمَّلِ المِهَامِ"[1]

ترجمہ: (مقصد کو پورا کرنے والے اللہ کی تعریف ہے کہ تفسیر "سواطع الالہام" مکمل ہوگئی۔ کلام اللہ کے بنیادی مطالب کو بہ حسن اسلوب ادا کرنے کے لیے صرف محرر کو ہی خدا کی طرف سے الہام ہوا۔ اللہ کاموں کو عمدہ طریقے سے انجام دینے والا اور عظیم ترین مہموں کو آسان بنا دینے والا ہے۔) یہاں یہ امر بھی ذہن میں رہے کہ اللہ تعالیٰ کے صفاتی اسما کی تعداد ننانوے ہے۔

فیضی نے آخر میں بہ ترتیب حروف تہجی مشکل الفاظ کے معانی کی فہرست درج کی ہے۔ فیضی کی تفسیر مکمل ہوئی تو اس کے معاصر علماء نے عربی نثر و نظم میں تعریفات لکھیں۔ مطبع نولکشور سے طبع ہونے والے نسخے میں سید محمد حسینی شاہی الجابری، فضیل بن جلال کالپوی، مفسر القرآن محمد یعقوب میر فی کشمیری، نور اللہ شوستری، عبدالعزیز بن عبدالعزیز بن جان احمد بن مصطفیٰ شریف اور امان بن غازی سرہندی کی طویل تعریفات طبع ہو چکی ہیں۔ "سواطع الالہام" شائع ہونے کے وقت آخر میں سید عبدالرزاق مدعو بہ امیر علی اور ابوالحسن مودی محمد شہیر بہ خادم علی کی غیر منقوط تقریظات شامل کی گئیں۔ ملا ظہوری ترشیزی نے صنعت اہمال کی خوبیوں میں ایک شاندار قصیدہ اور تقریباً ستر رباعیاں لکھیں۔ ملا ملک قمی نے رباعیات تحریر کیں۔ میر حیدر معمائی کاشانی نے سورۂ اخلاص سے "سواطع الالہام" کی تاریخ نکالی۔ فیضی اس تاریخ سے اس قدر مسرور اور متاثر ہوا کہ اس نے میر حیدر کو دس ہزار روپے بطور انعام دیے۔ "سواطع الالہام" کی ایک عمدہ تاریخ "لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین" ہے۔ شہنشاہ اکبر نے تفسیر کی تکمیل پر فیضی کو بطور انعام دس ہزار روپے عطا کر کے اپنی مسرت کا عملی اظہار کیا۔[2]

تذکرہ نگاروں کی آرا جس طرح ہر ایک تقریظ نگار نے فیضی کے علم و فضل، عربی دانی اور قرآن فہمی کو سراہا ہے، اسی طرح ہر ایک تذکرہ نگار اور مطبوعہ کتب کے تعارف کرانے والوں نے "سواطع الالہام" کو فیضی کا عظیم الشان کارنامہ بتایا اور اس تفسیر کے باعث علما و فضلا نے عربی لغت میں فیضی کی مہارت اور کمال کا لوہا مانا۔ یہاں عربی، فارسی، اردو اور انگریزی زبانوں کے تمام اقتباسات لکھنا طوالت کا باعث ہوگا۔ اس لیے ذیل میں صرف دو اقتباسات درج کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے:

---

[1] "سواطع الالہام": ۷۲۶ [2] بزم تیموریہ: ۱۴۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"برہان فضیلت شیخ فیضی "سواطع الالہام" تفسیر بے نقط است کہ دریں ہزار سال بیشتر ہیچ مستعدی را میسر نہ شدہ۔ طرفہ ایں کہ ایں چنیں کار دشوار در عرض دو سال از مبدء بہ منتہی رسانید۱؎"

(آزاد بلگرامی نے لکھا ہے کہ غیر منقوط تفسیر "سواطع الالہام" شیخ فیضی کی عظمت و فضیلت کی قوی دلیل ہے۔ ایک ہزار سال میں کسی کو اس طرح کے لکھنے کی توفیق حاصل نہ ہوئی۔ پھر تعجب ہے کہ اس قسم کا دشوار کام شروع سے آخر تک دو سال کی مدت میں مکمل ہو گیا)

"ومِن اَجَلِّ مصنفاتہ سواطعُ الالہام تفسیرًا لقرآن الکریم الغیرِ المنقوطِ صَنَّفَہٗ فی اسنتینِ وأَتَمَّہٗ فی ۱۰۰۲ - یدل علی اطالۃِ یدِہٖ فی علمِ اللُّغۃِ و أنا وقَفْتُ عَلَیْہِ۲؎"

(نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے: قرآن کریم کی غیر منقوط تفسیر "سواطع الالہام" فیضی کی جلیل الشان تصنیف ہے فیضی نے دو سال میں تفسیر لکھی اور ۱۰۰۲ھ میں تفسیر کو مکمل کر لیا۔ یہ تفسیر فیضی کی عربی زبان میں کامل مہارت و قدرت کی دلیل ہے۔ میں نے تفسیر کا مطالعہ کیا ہے۔)

مقدمۂ تفسیر فیضی نے "سواطع الالہام" کی ابتدا میں بیس صفحات کا طویل مقدمہ لکھا ہے۔ مقدمہ ہذا کی عبارت بھی غیر منقوطہ ہے فیضی نے حمد و نعت کا فریضہ ادا کرنے کے بعد مقدمہ کو دو حصوں میں منقسم کیا ہے۔ پہلے حصے کو "السواطع الصوالح بصدر الکلام الحوامل لاحوال محرر سواطع الالہام" کے نام سے موسوم کیا ہے: فیضی نے اس حصے میں سولہ "سواطع" لکھے ہیں۔ ہر ایک ساطعہ میں الگ الگ امور کو تحریر کیا ہے فیضی نے شہنشاہ اکبر کی تعریف کی اور اس کے حسن سلوک کو وضاحت سے بتایا۔ اپنے حالات اور اپنے والد اور دوسرے بھائیوں کے سوانح لکھے اور آخر میں "سواطع الالہام" کی ستائش میں تیس اشعار کا ایک قصیدہ لکھا۔ ایک "ساطعہ" میں فیضی نے لکھا ہے کہ جب اس نے تفسیر لکھنے کا ارادہ کیا اور اپنے والد سے اظہار کیا تو وہ بہت خوش ہوئے اور جب مختلف اوقات میں تفسیر کے اجزاء انھیں دکھائے تو ان کی مسرت میں بے حد اضافہ ہوا۔ انھوں نے کام کو سراہا اور ہمت افزائی کی۔ چونکہ اکبر بادشاہ، شیخ مبارک، فیضی، ابو الفضل وغیرہ منقوط ہیں، اس لیے ہر ایک نام کو معما کی صورت میں لکھا ہے۔ یہاں دو مثالیں درج کی جا رہی ہیں:

۱۔ وَسْطُ الداماءِ + أَمدُ الساحِلِ + لواءُ السماءِ + سِرُّ العُلُوِّ + عَلَمُ الإکْمالِ + أُسُّ العدلِ + اساسُ السداد + محصولُ الوُدِّ + حاصلُ الکلِّ + أَصعدُ المُلوکِ + أَصلُ الصوالحِ + مطلعُ المکارمِ + مادُ الدولِ + عِمادُ العالمِ + معادُ المعارفِ + حدُّ الأحلامِ + مآلُ الأذواقِ (ر کا درمیان یعنی ح) +

۱؎ مآثر الکرام: ۱/۲۲۶ ۔ ۲؎ ابجد العلوم: ۳/۸۹۸ ۔ ۳؎ سواطع الالہام: ۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ساحل کی انتہا یعنی ل) + (آسمان کا ہوا یعنی ا) + (بلندی کا راز یعنی ل) + (کمال بمعنی تکمیل کا نشان یعنی ا) + (عدل کی بنیا یعنی م) + (ہدایت کی اساس یعنی د) + (وُدّ و محبّت کا ماحصل یعنی د) + (کل کا مرادف اجمعین یعنی ین) + (بادشاہوں میں سب سے زیادہ بلند تر یعنی م) + (نیک اعمال کی اصل یعنی ح) + (مکارم کا مطلع یعنی م) + (حکومتوں کا امام یعنی م) + (عالم کا عماد یعنی ا) + (معارف کا منتہی یعنی ک) + (احلام کا مرادف کا آخری حصہ یعنی ب) + (ادوار کا آخر یعنی ر) (م ج ل ا ل ا د ی ن م ح م ا ک ب ر کا مجموعہ جلال الدین محمد اکبر)

۲۔ أُسّ العلم (علم کی جڑ یعنی م) + اصل الرُّوع (روع کا مرادف قلب ہے اس کی جڑ یعنی ب) + مطلع الالہام (الہام کا پہلا حصہ یعنی ا) + رأس الشُّؤُس (رؤس کا سر یعنی ر) + امام الکرام[1] (کرام کے سامنے کا حصہ یعنی ک) م ب ا ر ک کا مجموعہ مبارک ہے۔

فیضی نے مقدمہ کے دوسرے حصے کا نام "السواطع اللوامع لعلوم کلام اللہ العلام و اسرار القلوامع لصاد ما لمرام" مقرر کیا ہے۔ فیضی نے ایک سو دو مختصر وطویل سواطع میں قرآنی مسائل کو ذکر کیا ہے۔ یہاں تمام مسائل کا بیان ممکن نہیں ہے ورنہ یہ خود ایک مستقل مضمون ہو جائے گا۔ چند اہم مسائل بیان کرنے پر اکتفا کیا جائے گا۔ فیضی نے رسول صلعم کی مدح سرائی کرتے ہوئے نزول قرآن کی کیفیت بتائی۔ قرآن مجید کی اہمیت اور اس کے جمع و تدوین کے متعلق بتایا۔ قرآن مجید کے بہت سے ناموں میں سے صراط، امام سوال اور کلام غیر منقوط اسماء ہیں۔ قرآن کے حفاظ اور ابتدائی مفسرین وغیرہ کا ذکر کیا۔ حروف قرآنی کے صحیح تلفظ کے سلسلے میں بہت سے الفاظ کی تشریح کی۔ محکم و غیر محکم اور حروف مقطعات وغیرہ کے احکام لکھے۔ قرآن کی سورتوں اور آیتوں کی تعداد، مکی اور مدنی سورتوں کا فرق، امر و نہی اور حلال و حرام اشیا کو وضاحت سے بیان کیا۔ علماء خیر اور علماء سوء کی وضاحت کرتے ہوئے فیضی نے لکھا ہے کہ صالح علماء وہ ہیں جن کا مقصد اسلام ہوتا ہے۔ اسلام اور اہل اسلام کی سربلندی سے انھیں خوشی ہوتی ہے۔ ان کا حقیقی مقصود صرف خدا ہوتا ہے اور وہ اللہ کے اوامر و نواہی پر عمل کیے جانے کو پسند کرتے ہیں۔ علماء سوء وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کے کلام میں تبدیلی کرتے ہیں۔ بدعملی کے مرتکب ہوتے ہیں، لا یعنی امید لیا قائم کرتے ہیں، ان کے سینے برائیوں کے گنجینے ہوتے ہیں۔ ان کا مقصد دولت کا حصول اور خواہشات نفسانی کی تکمیل ہوتا ہے اور ان کے طریقے حرص و طمع سے وابستہ ہوتے ہیں۔ مصنف نے آخری ساطعہ میں صالح اعمال کی توفیق عطا کرنے کی اللہ سے دعا کی ہے تاکہ مآل بہتر ہو سکے۔

خصوصیات تفسیر | فیضی کا نظریہ ہے کہ آیت کا مکمل مفہوم مختصر ترین عبارت میں بیان کر دے اور اس

---

[1] سواطع الالہام : ۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں وہ کامیاب رہا۔ اس کی تفسیر میں درج ذیل امور یا خصوصیات ہیں:

۱۔ فیضی نے صرف دو سورتوں "الفاتحہ" اور "البقرا" کی وجہ تسمیہ لکھی ہے جو حسب ذیل ہے۔

"سورة الفاتحة وهو أوّل السُّور وصدر كلام الله، مطلعُ صراح العلم والكلام مصدرُ مصادر الأوامر والأحكام، سُلّمُ مصاعد الحِكَم والأسرار، مدارُ مصالح الآصال والأسحار"

ترجمہ: (سورہ فاتحہ سب سے پہلی سورت اور قرآن کا آغاز ہے۔ خالص علم اور کلام کی ابتدا ہے۔ اوامر و احکام کا خالص منبع و ماخذ ہے اعلیٰ حکمتوں اور رازوں کا زینہ ہے، شام اور صبح کے اوقات کی مصلحتوں کا دارومدار ہے۔)

فیضی نے سورۃ فاتحہ کے دیگر ناموں میں پانچ غیر منقوط ناموں کو مع وجوہ تسمیہ تحریر کیا ہے۔

"ولها أسماءٌ أحصاها العلماءُ، أحدها الدّعاءُ لما هو مدعوّ أهل الله وهم دعوه لحصول المقاصد، والأساسُ لما هو أُسّ الكلام وأصلُه، والأُمّ لما هو حاملٌ لمدلول الكلّ ومولدٌ لمحصول ما أوحاه الله طوراً، والحمدُ لما هو أوّلُ كلمها كما حكموا الأسماءَ السُّورَ أو هو حاوٍ لمحامده، والأصلُ لما رأوا أعوامَ أهلِ الإسلام طرحوا كلام الله ومالوا للّهو ودادوموا كلامَ أهلِ الأهواء سمّوا كلاماً ما دها للسُّور كلّها لإصلاح أحوالهم"[۱]

ترجمہ: (سورہ فاتحہ کے بہت سے نام ہیں۔ ان سب کو علماء نے بیان کیا ہے۔ ایک نام 'سورۃ الدعاء' ہے کیونکہ وہ اللہ والوں کی دعا ہے اور انھوں نے حصول مقاصد کے لیے اسے بطور دعا پڑھا ہے۔ 'سورۃ الأساس' اس کا نام ہے کیونکہ وہ کلام اللہ کی بنیاد اور اصل ہے۔ 'سورۃ الأُم' اسے اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ قرآن کے تمام معانی کی حامل ہے اور اللہ کے وحی کردہ جملہ مطالب کا مولد ہے۔ 'سورۃ الحمد' بھی اسے کہتے ہیں کیونکہ (۱) سورت کا پہلا کلمہ حمد ہے اور علماء نے تمام سورتوں کے ناموں کا فیصلہ اسی طرح کیا ہے۔ (۲) یہ سورت اللہ کی تعریفوں کو محیط ہے۔ اس کو 'الأصل' کا نام دیا گیا کیونکہ علماء نے عام مسلمانوں کو دیکھا کہ وہ اللہ کے کلام کو پس پشت ڈال کر لہو و لعب کی طرف متوجہ ہو گئے ہیں اور بندگان ہوا و ہوس کے کلام پر مستقل طور پر وقت گنوا رہے ہیں تو علماء نے ان کے اصلاح حال کی خاطر تمام سورتوں کی ابتدا میں سورتوں کی تعریف میں کلام لکھ دیا ہے۔)

"سورة البقرة سمّوها لورود أحوالها ومحامد أطوارها وسطوع أسرارها وإعلاء أمورها ممّا طال كلامه"

ترجمہ: (سورۃ البقرہ کے نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ گائے کے احوال اس کے اطوار کی تعریفیں اس کے اسرار کی بلندی

۱۔ سواطع الالہام: ۲۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مال ہے۔ "أَلَمَهُ" بمعنی "أجاره ولاح لِمَهَلِهِ" (اس نے اس کی نگہداشت کی اور اس کے لم کو ظاہر کیا) پانچواں[۱] قول ہے کہ اس کی اصل "لاہ" بمعنی بلندی ہے۔ اس کی اصل "ہاء" ہے۔ اس کے ساتھ لام ملک ملا دیا گیا ہے اور لام عہد کا ہے اور وہ معبود الٰہ ہے، مولوہ بمعنی محمود آتا ہے۔ اللہ علم[۲] ہے۔ اس کی کوئی اصل اور مصدر نہیں ہے جس طرح کہ اس کے مسمّیٰ کی کوئی اصل نہیں ہے اور سب کی اور مصدر ہے۔ (یہ آخری قول تمام اقوال میں صحیح ہے۔)

"الصراط المستقیم" الصِّرَاطُ أَصْلُهُ السِّرَاطُ صَارَ أَوَّلُهُ صَادًا لِمَا لِلطَّاءِ وَسَمَّاهُ سِرَاطًا لِمَا هُوَ سَارِطٌ لِسَالِكِهِ كَمَا سَرَطَ أَحَدُكُمُ الطَّعَامَ[۳]

ترجمہ: (الصراط کی اصل "السراط" ہے طاء کی مناسبت سے سین صاد سے بدل گئی۔ سراط کو سراط کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ چلنے والے کو ہڑپ کر جانے والا ہے جس طرح کہ کوئی طعام کو ہڑپ کر جاتا ہے۔)

۴۔ فیضی نے حسب ضرورت صرفی و نحوی تحقیقات کو درج کیا ہے۔ ذیل میں پانچ مثالیں درج ہیں:

"إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ" إِيَّاكَ كَرَّرَهُ امحاءً الوَهْمِ عَدَمِ الحَصْرِ[۴]

ترجمہ: إِيَّاكَ کو مکرر لانے کی وجہ یہ ہے کہ کوئی یہ وہم نہ کرے کہ استعانت میں حصر نہیں ہے۔

"سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ" وَهُوَ اسْمٌ مَدْلُولُهُ المَصْدَرُ عُومِلَ مَعَهُ كَمَا عُومِلَ مَعَ المَصَادِرِ[۵]

ترجمہ: (سَوَاءٌ اسم ہے اس کا مدلول مصدر ہے، اس کا استعمال یہاں اسی طرح ہے جیسا کہ مصادر کا استعمال ہوا کرتا ہے)

"سُجَّدًا" وهو حالٌ (نحوی اصطلاح کے مطابق "سُجَّدًا" حال ہے) "الكتابُ" وهُوَ مَصْدَرٌ صَارَ اِسْمًا (الکتاب مصدر ہے اسم کی جگہ مصدر کا استعمال مبالغۃً کیا گیا ہے) عَمَّ أَصْلُهُ عَمَّا كَمَا رَوَوْا كَمْ وَمِمَّا[۶] (عَمَّ اصل میں عَمَّا ہے جیسا کہ علما نے مِمَّ اور مِمَّا نقل کیا ہے۔)

۵۔ فیضی نے موقع بموقع دلائل تحریر کیے ہیں۔ ذیل میں تین مثالیں درج ہیں:

"أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ الحاصِلُ هُم ادَّرَكُوا أَسْوَءَ الصِّرَاطِ وَأَرْدَءَ الأَعْمَالِ وَوَالَوْهُ وَتَرَكُوا أَصْلَحَهَا وَأَحْمَدَهَا وَعَادَوْهُ فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ هُم أَرْدَؤُوا رَأْسَ أَمْوَالِهِمْ وَمَحْصُولَ أَعْمَارِهِمْ وَمَا حَصَلَ لَهُمْ إِلَّا اللَّوْمُ وَالنَّدَمُ[۷]

ترجمہ: منافقین نے بدترین راہ اختیار کی اور بدترین اعمال خوب خوب کیے اور دوسروں کی سرپرستی کی۔ اس کے بالمقابل صالح اعمال اور پسندیدہ کاموں کو چھوڑ دیا اور اس سے دشمنی کی (لہٰذا ان کی تجارت ان کے واسطے نفع بخش ثابت نہیں ہوئی) کیونکہ انھوں نے اپنا راس المال اور اپنی عمروں کو گنوا دیا۔ انھیں صرف ملامت اور ندامت ملے۔

---

۱ سواطع الالہام: ۲۲ ۲ ایضاً: ۲۲ ۳ ایضاً: ۲۲ ۴ ایضاً: ۲۴ ۵ ایضاً: ۲۲ ۶ ... ۲۲ ۷ ایضاً: ۲۶

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

عمال ہے۔ "أَلَمَهُ" بمعنی "أَصَاهُ وَلَاحَ لِمَهْ" (اس نے اس کی نگہداشت کی اور اس کے لم کو ظاہر کیا) پانچواں[5] قول ہے کہ اس کی اصل "لَاہ" بمعنی بلندی ہے۔ اس کی اصل "ھاءٌ" ہے۔ اس کے ساتھ لام ملک ملا دیا گیا ہے اور لام عہد کا ہے اور وہ معبود الٰہ ہے، مولوہ بمعنی محمود آتا ہے۔ اللہ علم[6] ہے۔ اس کی کوئی اصل اور مصدر نہیں ہے جس طرح کہ اس کے مسمّٰی کی کوئی اصل نہیں ہے اور سب کی اور مصدر ہے۔ (یہ آخری قول تمام اقوال میں صحیح ہے۔)

"الصراط المستقیم" الصِّرَاطُ أَصْلُهُ السِّرَاطُ صَارَ اَوَّلُہ صاداً لِمَا لِلطاءِ وَسَمَّاہ سِرَاطاً لما هُوَ سَارِطٌ لِسالکہ کما سَرَطَ أَحَدُکُمُ الطعامَ[1]

ترجمہ: (الصراط کی اصل "السراط" ہے طاء کی مناسبت سے سین صاد سے بدل گئی۔ سراط کو سراط کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ چلنے والے کو ہڑپ کر جانے والا ہے جس طرح کہ کوئی طعام کو ہڑپ کر جاتا ہے۔)

۴۔ فیضی نے حسب ضرورت صرفی ونحوی تحقیقات کو درج کیا ہے۔ ذیل میں پانچ مثالیں درج ہیں:

"إِيَّاكَ نستعين" إِيَّاكَ کَرَّرَہُ اِمحاءً الوَهْمِ عَدَمِ الحصرِ[2]

ترجمہ: إِيَّاكَ کو مکرر لانے کی وجہ یہ ہے کہ کوئی یہ وہم نہ کرے کہ استعانت میں حصر نہیں ہے۔

"سَوَاءٌ عليهم" وَهُوَ اسمٌ مَدلولُهُ المصدرُ عومل مَعَہ کما عُومِلَ مع المَصَادِرِ[3]

ترجمہ: ("سَوَاءٌ" اسم ہے اس کا مدلول مصدر ہے۔ اسکا استعمال یہاں اسی طرح ہے جیسا کہ مصادر کا استعمال ہوا کرتا ہے۔)

"مُصَدِّقاً" وهو حالٌ[4] (نحوی اصطلاح کے مطابق "مُصَدِّقاً" حال ہے) "الکتابُ" وهو مَصدرٌ صار اِسماً (الکتاب مصدر ہے اسم کی جگہ مصدر کا استعمال مبالغۃً کیا گیا ہے) عَمَّ أَصْلُهُ عَمَّا کما ہو وکَمْ وَمِمَّا[5] (عَمَّ اصل میں عَمَّا ہے جیسا کہ علما نے مِمَّ اور مِمَّا نقل کیا ہے۔)

۵۔ فیضی نے موقع بموقع دلائل تحریر کیے ہیں۔ ذیل میں تین مثالیں درج ہیں:

"أُولٰئِكَ الَّذِينَ اشتروا الضَّلَالَةَ بالهُدٰى الحاصل هُم اَوْ اَدْرَكُوا أَسْوَأَ الصراطِ وأَسْوَءَ الأعمالِ وَوَالَوہُ وتَرَكُوا أَصْلَحَهَا وأَحْمَدَهَا وعادَوْہُ فما ربحت تجارتُهم هُم أَهْدَرُوا رَأْسَ اموالِهم ومَحْصُولَ أَعمارِهم وما حَصَلَ لَهُمْ إِلَّا اللوم والنَّدَم[6]

ترجمہ: منافقین نے بدترین راہ اختیار کی اور بدترین اعمال خوب خوب کیے اور دوسروں کی سرپرستی کی۔ اس کے بالمقابل صالح اعمال اور پسندیدہ کاموں کو چھوڑ دیا اور اس سے دشمنی کی (لہٰذا ان کی تجارت ان کے واسطے نفع بخش ثابت نہیں ہوئی) کیونکہ انھوں نے اپنا راس المال اور اپنی عمروں کو گنوا دیا۔ انھیں صرف ملامت اور ندامت ملے۔

---

۱ سواطع الالہام: ۲۲ ۲ ایضاً: ۲۲ ۳ ایضاً: ۲۷ ۴ ایضاً: ۲۲ ۵ ایضاً: ۲۲ ۶ ایضاً: ۲۶

www.KitaboSunnat.com

"فانجینٰکم واغرقنا آل فرعون وانتم تنظرون ۵ ما صومل بعکم ومع الاعداء آلمامًا واہلاکًا واھلاکھم محسوسٌ معلومٌ لکم"[1]

ترجمہ: (اے بنی اسرائیل! تم نے اپنے ساتھ اور اپنے دشمنوں کے ساتھ صورت حال کو دیکھا۔ اس کا سبب تمہارا اعزاز تھا اور تمہارے دشمنوں کو ہلاک کرنا۔ ان کی ہلاکت کا منظر تم نے محسوس کیا اور ان کی ہلاکت کا یقین ہو گیا۔)

"والسّماءِ أکرمھا لِما ھو أسطعُ مِمّا أسرہُ اللہ سمّوًا"[2]

ترجمہ: اللہ کی مخلوقات میں بلندی کے اعتبار سے آسمان سب سے زیادہ بلند ہے، اس لیے اللہ نے اس کی قسم کھا کر اسے شرف بخشا۔

۶۔ فیضی نے قرارت کا اختلاف بتایا ہے۔ ذیل میں تین مثالیں درج ہیں:

"الحمدُ لِلّٰہ" ما ورد الحمدِ لِلّٰہ مکسورۃ الدّال مطاوعًا للّام ورد واللّامُ مطاوعًا للدّال عکسًا للأوّل"[3] (الحمد للہ میں ایک قرأت الحمدِ للہ ہے۔ دال کو لام مکسور کی موافقت سے کسرہ دیا گیا ہے اور دوسری قرأت میں دال کی موافقت کے باعث لام کو پیش دیا گیا ہے۔

"نعبدُ" ما ورد مکسورۃ الأوّل۔[4] ایک روایت میں ن کو کسرہ دے کر 'نِعبدُ' پڑھا جاتا ہے۔

"فلامہ ما ورد امکسورۃ الأوّل لِوام اللام الثُّلثُ ورد وا کالسُّدس"[5] (لام کی موافقت سے پہلے حرف کو زیر دے کر 'فلِامہ' پڑھا گیا ہے اور السُّدُس کی طرح ایک قرأت 'الثُّلُثُ' ہے۔)

۷۔ فیضی نے ضمیروں کے مراجع التزام کے ساتھ بیان کیے ہیں۔ ذیل میں تین مثالیں درج ہیں:

"وَخرّ وا ھا س الوالدُ مَعَ الأھلِ والأولادِ"[6] (والد مع اہل اور اولاد سرنگوں ہو گئے۔) "والجانّ خلقنہ والدہٗ الأوّل"[7] (جن یعنی اس کے مورث اعلیٰ کو پیدا کیا۔) "أم تأمرُھم أھلَ الطّلاح أحلامُھم"[8] (کیا ان بدبختوں کو ان کی عقلیں حکم دیتی ہیں۔)

۸۔ فیضی نے مختلف علما کے اقوال تفسیر میں لکھے ہیں اور کسی ایک قول کو ترجیح دی ہے۔ ذیل میں تین مثالیں درج ہیں:

"مالکِ یومِ الدین" ما ورد ملکِ وھو الأصحُّ لِما ورد کلُّ مَلِکٍ مالِکٌ ولا عکس فکلُّ مالکٍ مأمورُ ملکٍ لا عکسہ"[9] (مالک کی جگہ ایک روایت 'مَلِکِ' ہے اور وہی صحیح ترین ہے کیونکہ عربی زبان میں "کلّ مَلِکٍ مالِکٌ" بولا جاتا ہے اور اس کا عکس "کلّ مالِکٍ مَلِکٌ" کہنا درست نہیں ہے کیونکہ ہر مالک ملک کا خادم ہوا

---

1 سواطع الالہام: ۳۴۳ 2 ایضاً: ۷۰۷ 3 ایضاً: ۱۲ 4 ایضاً: ۲۲ 5 ایضاً: ۵۰ 6 ایضاً: ۳۰۹ 7 ایضاً: ۴۴۳ 8 ایضاً: ۳۲۴ 9 ایضاً: ۲۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتا ہے اور کل ملک ماموم مالک کہنا صحیح نہیں ہے۔)

"الذین آتیناھم الکتاب یعرفونه: رسول الله مع محامده ومکارمه أو العلم أو کلام الله أو التحویل، والأول أصح وأمس لکلامه"[1]

ترجمہ: (اہل کتاب اللہ کے رسول کو ان کی صفات حمیدہ اور فضیلتوں کے ساتھ جانتے ہیں یا علم یا اللہ کا کلام یا تحویل قبلہ کو جانتے ہیں۔ پہلا قول صحیح ترین ہے اور کلام اللہ کے مناسب ہے۔)

"ورسولاً الی بنی اسرائیل أی رددھم لما ھو مرسل لھم لا عاماً أو لرد ما وھموا ھو مرسل لسواھم لا لھم"[2]

(فیضی نے تفسیر کی ہے اللہ نے حضرت عیسیٰ کو بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجا تھا۔ یہ صحیح نہیں ہے کہ حضرت عیسیٰ تمام انسانوں کے لیے رسول بنا کر مبعوث کیے گئے تھے۔ یہاں ان لوگوں کے یقین کی تردید ہو جاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ بنی اسرائیل کے لیے نہیں بلکہ ان کے علاوہ دوسرے انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔)

۹۔ فیضی نے قرآن مجید کی ہر ایک سورت کا مضمون اختصار کے ساتھ سورت کے شروع میں لکھا ہے ــــ ذیل میں تین مثالیں درج ہیں:

"سورة النساء محصول مدلولها اعلام اسر آدم وحواء وأمر صل الرحم والردع عما أکل مال مساک حسد والدة ولوم الأکل والأھول وعدد الاعراس وحکم مھورھا وحرس المال والمراحم مع أھل الارحام حال إسھام الأموال وعدد أھل السھام وأھل المراحم وعلول الحرم وحل أھول الإماء ومدح المرء وحکم السکر لما صلوا ولوم الھود لما حولوا طرسھم ورد ما أودع لأھله وأحوال الولاة لما ردوا أمر کلام الله وحکمه وأمر العماس ولسومه رد السلام وردع الولاء مع أھل الصدود وإھلاک العمد والسھو ومدح الرحال مع رسول الله صلعم ومدح أھله وصلح المرء مع عرسه ولوم أھل الولع والصود وھمھم لإھلاک روح الله ومدح کمل أھل العلم وإعلاء طوالع أوھام رھطه روح الله واعلام عدم سمود الملائکة ورد روح الله عما الھه الله وأطاعوه"[3]

(سورۃ النساء کے مضامین کا خلاصہ یہ ہے: حضرت آدم و حوا کی تخلیق کی اطلاع، صلہ رحمی کا حکم، یتیم کا مال کھانے کی ممانعت، یتیم کا مال کھانے والے کی ملامت، شادی، بیویوں کی تعداد اور ان کے مہر کا حکم، مال کی حفاظت، ترکہ میت

۱۔ سواطع الالہام: ۵۰۔ ۲۔ ایضاً: ۸۸۔ ۳۔ ایضاً: ۱۱۳۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تقسیم کرتے وقت رشتہ داروں کے ساتھ قرابتوں کی حفاظت، اصحاب الفرائض اور محرومین کی تعداد، آزاد عورتوں کی فضیلت، باندیوں سے شادی کا حلال ہونا، انسان کی ستائش، نماز پڑھتے وقت نشہ آور چیز کے استعمال کا مسئلہ اپنی کتاب میں تحریف کر دینے پر یہود کی ملامت، صاحب امانت کو امانت واپس کرنے کا حکم، کلام اللہ کے امر اور جنگ کے امر کو رد کرنے پر حریصوں اور جھوٹوں کی ملامت، سلام کے جواب کا لازم ہونا، منافقین کے ساتھ قربت کی نہی، قتل عمد اور قتل سہو کا بیان، رسول کے ہجرت کی تعریف، شوہر کے اپنی بیوی سے مصالحت کی اچھائی، حریصوں اور یہودیوں کی مذمت، حضرت عیسیٰ کے ارادہ قتل پر یہود کی ملامت، باکمال اہل علم کی مدح، نصاریٰ کے فاسد عقیدے سے خدا کی بلندی، اس امر پر ناراضگی کا اظہار کہ نصاریٰ نے حضرت جبرئیل اور حضرت عیسیٰ کو معبود بنا لیا ہے اور اس کی اطاعت کی ہے۔)

" سورۃ السبا و محصول اُصُولِ مدلولها إعلامُ أدلّاءِ الوُجُودِ وارسالُ مُحمّدٍ رسولِ الله صلعم وإعلامُ سدادِ داؤُدَ وولدِه وهلاكِهما والادلاءُ لِردّ طوعِ الماله العواطلِ وأحوالُ الأممِ الأُوَلِ مع رُسُلِهم ووُدُّ أهلِ الصّدّ والعودِ لِدارِ الأعمال"[1]

ترجمہ: (سورہ سبا کے مضامین کا ماحصل یہ ہے: باری تعالیٰ کے وجود اور حضرت محمد رسول اللہ صلعم کے رسول بنا کر بھیجے جانے پر دلائل سے آگاہی، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کے ہدایت پر ہونے اور دونوں کے وفات پانے کی اطلاع، باطل معبودوں کی اطاعت کے رد پر حجت بیان کرنا، سابق امتوں اور ان کے رسولوں کے حالات، کافروں کے دنیا میں واپس ہونے کی خواہش۔)

" سورۃ الاخلاص محصولُ اصولِ مدلولِها إعلامُ وجودِ اللهِ الأحدِ الصّمدِ وإعلامُ عُلوّه ممّا ولد وولِد وسُموّه عمّا عادله وساهمه"[2]

ترجمہ: (سورۂ اخلاص کے مضمون کی تلخیص یہ ہے: یکتا اور بے نیاز اللہ کے وجود کی اطلاع، اللہ کے والد اور مولود ہونے سے بالاتر ہونے کی اطلاع اور اس کا ہمسر و شریک ہونے سے اس کی ذات بلند تر ہے۔)

۱۰۔ فیضی نے عام طور سے آیاتِ قرآنی کے شانِ نزول تحریر کیے ہیں۔ ذیل میں تین مثالیں لکھی گئی ہیں۔

" ولمّا صرّح اللهُ ما هُوَ الأصلُ وهُوَ الإسلامُ لِلّهِ الأحدِ وعلّمَ الصّراطَ الموصلَ أو رادَ ما صدَعَ إرسالُ مُحمّدٍ صلعم وسدادَه وأرسلَ وإن كنتم في ريبٍ الخ"[3]

ترجمہ: (جب اللہ تعالیٰ نے صراحت سے فرما دیا کہ اصل مذہب کیا ہے؟ درحقیقت اصل مذہب ایک اللہ پر ایمان لانا ہے۔ اللہ نے اپنے تک پہنچا دینے والا راستہ بھی بتا دیا تو یہ کلام نازل فرمایا تاکہ رسول صلعم کے ہادی اور رسول ہونے کا اظہار فرما دے۔)

[1] سواطع الالہام: ۵۱۵، [2] ایضاً: ۲۵، [3] ایضاً: ۲۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"ولمّا سأل أحدٌ رسولَ اللّٰہ صلعم ما حال الهلال أوّلُ ما طلع مساءً لاح كالسّلك وصار ممّلوّاً مدوّراً لامعاً وعاد وصار كما هو أوّلاً أرسل اللّٰه يسئلونك محمّد عن الأهلّة واحدها الهلال قل لهم هي مواقيت للنّاس معالم أهل العالم ومعاهد أمورهم ومحالّ أعمالهم وصومهم وعدد إعراسهم ومدد عهودهم وما سواها معالم الحجّ ومراسمه وأعماله له مدة معهودة وعهد معلوم معالمه الهلال"[1]

ترجمہ: (جب ایک صحابی نے رسول اللہ صلعم سے دریافت کیا کہ ہلال کا کیا حال ہے؟ پہلی رات کو وہ ایک تار کی طرح طلوع ہوتا ہے پھر رفتہ رفتہ وہ بڑھتا اور بدر کامل بن کر خوب روشن ہو جاتا ہے مگر آغاز کی طرح وہ چھوٹا ہوتا جاتا ہے اور ٹھیک پہلی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔ اس سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یسئلونک عن الاھلۃ الخ آیت نازل فرمائی۔)

"لمّا حاولوا وسألوا ورود وما وعد وأسرعوا ورداً وإلهاً واحداً وهو الوعد وورود الآلاء لأسعد حصول دعائهم وسعوا لصرعهم ورد أتى أمر اللّٰه الخ"[2]

ترجمہ: (جب صحابہ نے ارادہ کیا اور کافروں کی تردید اور تحقیر کی وجہ سے ان پر جلد عذاب نازل ہونے کو طلب کیا کیونکہ انہیں یقین تھا کہ اگر عذاب کا نازل ہونا صحیح ہے تو اللہ ان کی دعا کو شرف قبول عطا فرمائے گا اور کفار کی عقوبت کو ان سے دفع فرمائے گا۔ اس سوال کے جواب میں أتی امر اللہ الخ آیت نازل ہوئی۔)

۱۱۔ فیضی کی تفسیر میں تکرار نہیں ہے۔ اس نے کسی لفظ 'فقرے یا جملے کی تفسیر کے بعد متن قرآن کے لکھنے پر اکتفا کیا ہے البتہ بعض مقامات پر "مدلولہ کما مرّ" (اس کا مطلب پہلے بیان ہو چکا ہے) لکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تفسیر کے اوراق کی تعداد پارہ بہ پارہ کم ہوتی گئی ہے۔ تفسیر کے صفحات کی تعداد سات سو چھ ہے۔ پہلے پارے کی تفسیر اٹھائیس صفحات میں ہے اور دوسرے پارے کی تفسیر چوبیس صفحات میں ہے۔ اس طرح صفحات میں برابر کمی ہوئی ہے۔

۱۲۔ فیضی نے جغرافیائی مباحث' علم ہیئت اور علم نجوم کی مباحث سے احتراز کیا ہے جیسا کہ درج ذیل تین مثالوں سے ظاہر ہے:

"ولمّا أرسل الرّسول الحكم الإلٰه واحد لا إلٰه إلّا هو وسمعه أهل العدول ولهم أله حول أمم الدّهر وهكروا ممّا سمعوا وحاروا وحاولوا دوال السّداد أرسل اللّٰه إنّ في خلق السّمٰوات وأدوارها والأرض وأسرارها واختلاف اللّيل والنّهار حرّاً وهرّاً وسواداً ولمعاً أو حولهما ورودهما ولاءً

---

[1] سواطع الالہام: ۵۷ [2] ایضاً: ۳۰۹

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

والمراد الفلك التي تجري بامر الله وحكمه في البحر مع ملاء الماء ومده بما للمصدر او موصول بنفع الناس لحملهم واصرارهم ووصولهم لاوطارهم وما انزل الله ارسل الله من علو السماء ماء مطرا مدرارا فاحيا به الماء الارض وطراها دوحا وكلاء وورودا بعد موتها لكمال الحر والصر وعدم ورود الماء وما صور الله وبث صعصع وحدده واحل فيها لمسراح والرواح من كل دابة ماله حراك وتصريف الرياح ارسالها صعودا واطوارا وصرصرا وسموما وسهاما ودوردا طورا للاكرام والرحم وطورا للاصرار وهما موحدا والسحاب والغماء والركام والمعصر المسخر المطوع لامر الله وحكمه وسطا الهواء للصاعد ولاحادر اما هو محله بين السماء والارض وهو الهواء لايات لعالم اسراره ودوال امره وسواطع وجوده لقوم يعقلون ۝ اسرار عالم الملك واطواره وهو مما اعلم علو علم الكلام واهله وسداد مسلك الادلاء لاعلاء المصامدة[1]

ترجمہ: جب اللہ کا کلام "والٰھکم الہ واحد لا الہ الا ھو" نازل ہوا اور کافروں نے اسے سنا جبکہ کعبہ کے گرد و نواح میں ان کے بہت سے معبود تھے۔ کافروں کو یہ سن کر تعجب ہوا اور انھوں نے صحت دعوی کے لیے دلائل کا مطالبہ کیا تو اللہ تعالی نے ان فی خلق السموات الخ آیت نازل فرمائی جس کا مطلب یہ ہے کہ بے شک آسمانوں کی تخلیق یعنی ان کی گردش اور زمین کی تخلیق یعنی اس کے اسرار میں، رات و دن کے یکے بعد دیگرے آنے جانے میں یعنی گرمی سردی، تاریکی اور روشنی میں یا ان دونوں کے منتقل ہونے میں یا پے در پے ایک کے بعد دوسرے کے آنے میں، پانی سے لبریز ہونے اور مد کی حالت میں اللہ کے حکم سے سمندروں میں اس طرح جہازوں کے رواں دواں ہونے میں جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں، ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جائیں اور اپنی حاجات وضروریات پوری کریں، آسمان کی بلندی سے بہنے والی بارش کی صورت میں پانی نازل کرنے میں، گرمی، سردی کی شدت اور پانی نہ ہونے کی وجہ سے مردہ زمین میں پانی سے اس طرح جان ڈالنے میں کہ درخت سرسبز ہو گئے، گھاس اُگ آئی اور پھول کھلنے لگے، زمین میں مویشیوں کی مختلف تصویر کشی کرنے میں ان کے جدا جدا رہنے، چرنے کے لیے صبح کو جانے اور شام کو واپس ہونے میں، ہواؤں کو گردش دینے یعنی قسم قسم کی ہواؤں کے چلانے میں کبھی باد صرصر ہے، کبھی گرم ہوا ہے کبھی باد سموم اور کبھی زہریلی گرم ہوا، پھر کبھی یہ ہوائیں اعزاز اور رحمت کے لیے ہوتی ہیں اور کبھی عذاب وہلاکت کے لیے آسمان و زمین کے درمیان مسخر ابر میں یعنی تاریک، گہرے اور ہلکے ابر میں جو اللہ کے زیر حکم ہوا میں معلق ہیں، اوپر چڑھیں نیچے اتریں پس اپنی جگہ فضا میں معلق ہیں۔ یہ مذکورہ بالا تمام اشیاء اور اللہ کی تخلیقات کے معلومات اللہ کے بلند تر وجود کے

[1] سواطع الالہام: ۵۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دلائل ہیں اور کائنات کے اسرار و اطوار کو سمجھنے والوں کے لیے یقیناً نشانیاں ہیں۔ مجھے اس آیت سے علم کلام اور متکلمین کی بلندی کا یقین ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ مجھے یہ بھی یقین ہے کہ حجت کا طریقہ درست ہے۔

ولقد جعلنا اسرا في السماء الأسمك الأطلس أو محاطه الأول بروجاً صروحاً للحرس
أو محال للوامع معلوماً عددها كما دل الرصد كالحمل والأسد والدلو ولوامع وزينّا
السماء صوراً للناظرين ٥ مآل الأمور وهم أولوا الأحلام الكوامل وحفظناها السماء من
صعود كل شيطان موسوس رجيم ٥ مدحور ومطرود الأمن مارداً استرق وأسمع السمع
السموع معلاً وسراً فأتبعه أدركه الموسوس المسترق شهاب سعر ساعور
صاعد مبين ٥ ساطع أهلكه أو آلمه ۔[1]

ترجمہ: بے شک ہم نے ابتدائے آفرینش سے سب سے بلند و بے تاروں والے آسمان میں یا اس مقام پر جہاں پہلے آسمان کا احاطہ کیا گیا ہے چند برج یعنی حفاظت کے لیے کچھ محل یا روشن تاروں کے لیے کچھ محل بنائے۔ روشن تاروں مثلاً حمل، اسد اور دلو وغیرہ کی تعداد رصد سے معلوم ہوتی ہے یا ہم نے روشن چمکدار اشیاء کو بنایا ہے۔ ہم نے امور کے انجام پر نظر کرنے والوں کے لیے آسمان کو مختلف صورتوں سے آراستہ کیا ان ناظرین کے لیے جو درحقیقت کامل عقل رکھنے والے ہیں۔ ہم نے وسوسہ ڈالنے والے راندہ درگاہ اور دھتکارے ہوئے ہر شیطان کے چڑھنے سے آسمان کی حفاظت فرمائی مگر وہ سرکش شیطان جو چوری چھپے اور خاموشی سے عالم بالا کے راز سنے تو ایک بلند شہاب یعنی آگ کی بلند لپیٹ وسوسہ ڈالنے والے شیطان کا پیچھا کرتی ہے۔ پھر یا تو اسے ہلاک کر دیتا ہے یا سخت اذیت پہنچاتا ہے۔

أو لم يسيروا ما ساروا في صعد الأرض الرحبة مكاء ومهامهها فينظروا كيف كان صار
عاقبة مآل طلاح الأمم الذين مرّوا من قبلهم وهم كعاد ورهط صالح أو المراد ما مرّوا
وراءوا أعلامهم وآثارها وأعلام حالهم كانوا الأمم الأول أشد أكمل منهم أهل الحرم
قوة أعمالاً وعدداً وأثاروا أكروا الأرض وعمروها هؤلاء الأمم أكثر مما مصدر
مطروح مما للمصدر عمروها أهل الحرم وجاءتهم الأمم الأول رسلهم الأدلاء رسلوا
لهم بالبينات ٥ الأعلام السواطع وما أسلموا وأهلكوا فما كان الله الملك العدل
ليظلمهم حال إهلاكهم ولكن كانوا أولاً أنفسهم لا سواها يظلمون ٥ لما عملوا

۱۔ سواطع الالہام: ۳۲۹

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ما أصابَ هُم أهلاً الإهلاك [1]

ترجمہ: (کیا اہل حرم سخت زمینوں اور جنگلات میں نہیں چلے اور ان مقامات پر ان لوگوں نے قوم عاد اور قوم ثمود کی مانند گذشتہ بدنصیب امتوں کو نہیں دیکھا کہ ان کا کیا انجام ہوا؟ مقصد یہ ہے کہ اہل حرم ایسے مقامات پر گزرے ہیں اور سابق امتوں کے نشانات دیکھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پہلی امتوں کے حالات کی مزید وضاحت فرمائی کہ گذشتہ امتیں اہل حرم کے مقابلے میں جسموں کے لحاظ سے ذخائر اور دنیائی سامان کے لحاظ سے زیادہ طاقتور تھیں اور اہل حرم کی بہ نسبت زمین پر کاشت کرنے اور آباد کرنے میں بالاتر تھیں۔ ان کی طرف اللہ کے مبعوث رسول واضح نشانیاں لے کر آئے۔ وہ اسلام نہیں لائے اور ہلاک کر دیے گیے۔ پھر عادل اور حقیقی مالک اللہ کی یہ شان نہیں کہ ان کو ہلاک کرنے میں ظلم سے کام لیا ہو لیکن خود ہی ان لوگوں نے اپنے اوپر ظلم کیا کیونکہ ان کے اعمال و افعال نے ان کو ہلاک کیے جانے کا مستحق بنا دیا تھا)

۱۳۔ فیضی نے علم کلام کی مباحث کو ذکر نہیں کیا جیسا کہ درج ذیل مثال سے ظاہر ہے:

"لو کان فیہما عالم السماء وعالم الترٰہکا ء الٰہۃٌ الا اللّٰہ سواہ لفسد تا لکطّ الھما العدمُ والھلاکُ وما دا ما مددا طولاً لحصول الادّاء حال عدل الحاکم وعدم وجود کما ھو المعادُ أو لما حصلا ومحلّ مدعہ علمُ الکلام [2]"

ترجمہ: (اگر عالم سما اور عالم ارض میں اللہ کے سوا چند معبود ہوتے تو دونوں بگڑ جاتے یعنی دونوں عدم و ہلاکت کا شکار ہو جاتے۔ چند حاکموں کے ہونے کی صورت میں باہمی اختلاف کی وجہ سے یا سرے سے کسی حاکم کے نہ ہونے کی صورت میں دونوں عالم طویل مدتوں تک برابر موجود نہ ہوتے جس طرح کہ معاد میں دونوں کا ختم ہو جانا ہوگا۔ اس بحث کا محل علم کلام ہے۔)

۱۴۔ فیضی نے اپنی تفسیر میں فصاحت و بلاغت کے مسائل سے تعرض نہیں کیا ہے جیسا کہ درج ذیل مثال سے عیاں ہے:

"ولکم فی القصاص الإهلاكِ المعهود وهو اعدامُ المُهلكِ أوسّ المُهلكِ حياةٌ للمُهلكِ والمُهلكِ والمُهلكُ المُعدمُ لما علم لو أعدم لأُعدم ما أعدم وما أهلكَ احداً وردهم عادموا أمام الاسلام إهلاك المعدود وأوسّ الواحد او إهلاك أحدٍ ما او وسّ المُهلكِ ولما أمر الإهلاكُ المعهودُ سلم الكلُّ يا أولي الألباب أهل الاحلام والحواس لعلكم تتقون ۝ حد لأمر وع الإهلاك أو وسمه [3]"

ترجمہ: (مقتول کے بدلے قاتل کو قتل کی سزا دینے میں تم لوگوں یعنی قاتل اور مقتول دونوں کی زندگی

---

[1] سواطع الالہام: ۲۹۴، [2] ایضاً: ۲۹۹ [3] ایضاً: ۵۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کیونکہ قاتل کو اس امر کا یقین ہوتا ہے کہ اگر اس نے قتل کیا تو قتل رائیگاں نہیں جائے گا اور اسے بدلے میں قتل کر دیا جائے گا۔ اس طرح وہ قتل کا مرتکب نہیں ہوتا۔ اسلام سے پہلے یہ رواج تھا کہ ایک مقتول کے بدلے متعدد افراد کو قتل کیا جاتا تھا یا مقتول کے بدلے کسی بھی ایک شخص کو قتل کر دیا جاتا تھا۔ اسلام نے جب متعین قاتل کو قصاص میں قتل کیے جانے کا حکم دیا تو سب محفوظ ہو گئے۔ اے صاحبان ہوش و حواس اور ارباب عقل و خرد تم لوگوں کو قصاص کا حکم دیا گیا تاکہ مقتول کے بدلے میں قتل کیے جانے کے خوف سے تم لوگ ظلماً قتل کرنے سے بچو۔)

۱۵۔ فیضی نے معقولات کے شائقین معتزلہ کے مسلک کی نہ صرف نمائندگی نہیں کی بلکہ اشارۃً یا کنایۃً ایک لفظ بھی ان کے سلسلے میں نہیں لکھا۔ ذیل میں ایک مثال درج ہے:

"والهود لمّا رأوا أحمد أصلعم وصروع كلامه وأطوار أوامره واطالوا مساحلهم أو ردوا العوراء وهو ما امره واحداً وما كلامه واطر أما أمر الآمال وحد رسل الله ما ننسخ ما الطرح وما ادره من آية وهو إعلاء أمد حكمها واصدارها مسجلاً او أحد همها او ننسها أمحوها عمّا وعاها وهو الصدور نات بخير عمل أصلح واسهل لاهل الاسلام حالاً وما لا منها او مثلها عدلها صلاحاً وعوداً"[1]

ترجمہ: (یہودیوں نے جب محمد صلعم کو ایک حکم کے چھوڑ دینے اور دوسرے احکام پر عمل پیرا ہوتے دیکھا تو زبان درازی کرتے ہوئے اس طرح عیب جوئی کی کہ نہ آپؐ کا حکم ایک ہوتا ہے اور نہ آپ کا کلام استوار ہوتا ہے۔ محمدؐ کوئی بھی حکم دیتے ہیں تو اس سے پھر جاتے ہیں اور اسے حرام قرار دیتے ہیں۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے "ما ننسخ من آیۃ الخ" کو نازل فرمایا۔ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ ہم کسی آیت کے حکم کو نہ ترک کرتے ہیں اور نہ دور کرتے ہیں۔ یہ تو صرف آیت کے حکم اور زبان سے یا دونوں میں سے ایک کی مدت کا رفع کرنا ہوتا ہے۔ ہم دلوں سے یاد شدہ آیت کو محو نہیں کرتے مگر اس سے زیادہ صالح عمل اور مسلمانوں کے لیے حال اور استقبال میں سہل ترین عمل کا حکم دیتے ہیں۔)

۱۶۔ فیضی نے عام مفسرین کی رائے سے کہیں کہیں اختلاف کیا ہے۔ عام مفسرین نے "ولا تقولوا لمن یقتل الخ" کا شان نزول یہ بتایا ہے کہ مشرکین عرب کے دہریہ خیالات کے حامل لوگوں کا کہنا تھا کہ رسولؐ کے اصحاب اپنے آپ کو خود ہی قتل کرتے ہیں اور اپنی زندگیوں کو خسارے میں ڈالتے ہیں لہٰذا دنیا سے کوئی فائدہ اٹھائے بغیر رخصت ہو جاتے ہیں اور اپنی حیات عزیز کو بلا وجہ برباد کر دیتے ہیں۔ فیضی نے فرقہ دہریہ کی جگہ منافقین بتایا ہے۔ ذیل میں آیت مع تفسیر درج ہے:

---

[1] سواطع الالہام ص ۲۳۰

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ولا تقولوا أهلَ الإسلام لِمن يُقتَلُ في سبيل الله لإعلاءِ الإسلامِ مُوردها رهط أهل الاسلامِ هلكوا عمّا ساءهم أمواتٌ بل هم أحياءٌ أطهارٌ وأرواحهم رصّادٌ وكرُّهم دارُ السلامِ لهم إدراكُ الأمور وعلمُ الأحوالِ ولكن لا تشعرون ٥ أحوالهم وأطوارهم حسًّا

ترجمہ: (اے مسلمانو!) اسلام کو بلند کرنے کے لیے جو اشخاص اللہ کی راہ میں مقتول ہوئے ہیں، ان کو مردہ نہ کہو۔ مسلمانوں کا ایک گروہ یعنی منافقین کہتے تھے کہ وہ شخص فلاں جنگ میں مارے گئے۔ وہ مردہ نہیں ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں — ان کی روحیں پرواز کر گئی ہیں، اور جنت ان کی قیام گاہ ہے۔ انھیں امور کا ادراک بھی ہوتا ہے اور حالات کا علم بھی لیکن تم لوگوں کو محسوس طور پر ان کے احوال اور طور طریقوں کا شعور نہیں ہے۔

۱۷- فیضی نے امم سابقہ کے حالات و واقعات، فرعون، ہامان، شداد، قارون، لقمان اور سکندر ذوالقرنین وغیرہ کے قصص و حکایات اور خصوصیات کے ساتھ بنی اسرائیلی غیر معتبر روایات کو تفسیر میں جگہ نہیں دی ہے۔ صرف اصحاب کہف کا واقعہ اختصار کے ساتھ لکھا ہے جو درج ذیل ہیں:

"إذ يتنازعون أهلُ عصرهم وهم أهلُ الاسلام وأعداؤهم بينهم أمرَهم أمرَ هؤلاءِ الكُمّلِ الرُّكّادِ وهو كلامُ أولادِ الرعاعِ هلكوا وكلامُ رهطِهم ركدوا وأكما ركدوا أو لا والمرادُ إدراكُ أهلِ العالمِ لأمرِ المعادِ لما ورد رسا ... رهطُ روحِ الله وعدّ والحدود والأحكام وطلع ... ملوكهم والهوا الصُّوَرِ العواطلِ وأكرَ هو الطرعها سواهم وملكه ملكٌ حادلٌ مُلحدٌ رهوده ممكّنةٌ وأكره ملأً كا وكرامَ رهطِه للعدول وصدّ دهمُ الإهلاكَ وكرهوا ورد الإسلامَ وردوا وأسه فعرّدوا وعوّلوا ممرّاً ساءهم عوّاءُ عوى عواءً وطاوعهم وطردوه وأعطاه الله الكلامَ وكلّم ما مرادكم أودّا ودّاء الله أمرُكم والحرُ سكمها أو مرّوا وممرّاً أراهم راعٍ معه عوّاءٌ أدركهم وأطاعهم إسلاماً وردوا سلعاً وكرٌ وأمسوا وداً طوالاً ومرّ دهرٌ وملكَ مصرَهم ملكٌ مسلمٌ صالحٌ وادّارع أهلُ ممالكه للمعادِ أسلم رهطٌ للمعادِ ورهطٌ وحار الملكُ وورد مركزه وأصعد واسطه والماءُ مسحاً وأصار السماء دوطاه ومهاده وسأل الله إعلامَ أصلِ الأمرِ وألحّ وسهر هؤلاءِ الرُّكّادُ وأرسلَ واحداً للطعامِ كما مرّ وورد مصرَ سلّمهم المصرَ للطعامِ ومعهُ دراهمُ دهرٍ أوّلَ وهاره أهلُ المصرِ وكلموه ادراك ما الأمدُ سوسا وأوصلوه للملكِ وحكا له

ل۔ سواطع الالہام: ۵۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَحالَ تابطهم صَدَدَ المَلِكِ وَاضمحلت المَملكةُ وَأهلُ المِصرِ مَعَهُ لِاطّلاعِ حالِ تابطيهِ وَاحتوهُم وَحَمِدُ اللهَ لِما أراهُم أمارات وَالآلاءُ مِرَ المَعادِ ودعوا لِلمَلِكِ وعادوا المراكدهم ووكروا وهلكوا وطرحَ المَلِكُ كساءهُ وعملَ لِكُلِّ واحدٍ وعاءً أحمرَ وتابوتهم حال دُكاسهم كُنا هالِلاحمرِ وأمارَ هاميتا سِواءهُ وأسّس واسِطَهُ مركعاً[1]

ترجمہ: (جب ان کے اہل زمانہ یعنی اہل اسلام اور ان کے دشمنوں کے درمیان باکمال سونے والوں کے بارے میں نزاع ہونے لگا۔ ایک گروہ ۔۔۔ لوگوں کے مرجانے کا قائل تھا۔ دوسرے گروہ کا قول تھا کہ وہ ابتداء سے بے حس و حرکت سوئے ہوئے ہیں۔ یا یہاں لوگوں میں معاد کی صحت میں باہمی نزاع مراد ہے۔ ایک روایت ہے کہ نصاریٰ نے برائی کو اختیار کیا، اللہ کے حدود و احکام سے تجاوز کیا، ان کے بادشاہوں نے خوب فساد برپا کیا تھا، باطل تصویروں کو خدا بنا لیا تھا اور اپنے علاوہ دوسرے لوگوں کو ان کی عبادت کرنے پر مجبور کیا تھا: ایک ظالم جابر سخت گیر اور ملحد بادشاہ حکمراں ہوا۔ اس نے اپنی رعایا اور اعیان و امراء کو صحیح طریقے سے ہٹنے پر مجبور کیا اور انھیں قتل کر دینے کی دھمکی دی اصحاب کہف نے یہ بات ناپسند کی اسلام کے علاوہ ہر طریقے کو رد کیا اور اسلام کے دوامی ہونے کا قول کیا۔ عقیدۂ اسلام کے حامل ان افراد نے راہ فرار اختیار کی۔ ایک کتا انھیں دیکھ کر بھونکا اور ان کے پیچھے چل دیا۔ ان لوگوں نے کتے کو ہنکا کر دفع کرنے کی کوشش کی۔ اللہ تعالیٰ نے کتے کو گویائی عطا فرمائی۔ کتا بولا: تم لوگوں کا کیا مقصد ہے؟ مجھے اللہ کے دوستوں سے محبت ہے، تم سب سو جاؤ، میں تمہاری پاسبانی کروں گا۔

دوسری روایت ہے کہ ان لوگوں کو جاتے ہوئے ایک چرواہے نے دیکھا اور چرواہے کے ساتھ ایک کتا تھا۔ چرواہے نے ان کی بات سمجھ لی اور اسلام میں اُن کا ہم خیال بن گیا۔ سب ایک وسیع غار پر پہنچے۔ غار کے اندر گئے اور سب دراز ہو کر لیٹ گئے ایک طویل زمانہ گزر جانے کے بعد ان کے شہر کا حکمراں ایک عادل مسلم بادشاہ ہوا۔ اس کی رعایا کے درمیان امر معاد میں اختلاف ہوا۔ ایک گروہ معاد پر ایمان لایا اور دوسرے گروہ نے عقیدہ معاد کی تردید کی شاہ کو اس حالت پر حیرت تھی۔ وہ اپنی خوابگاہ تک گیا کمرے کا دروازہ بند کیا، محل کے قریب پانی چادر کی طرح سکون سے بہ رہا تھا اور اس نے زمین کی تہ کی مٹی کو بدل دیا تھا۔ بادشاہ اپنے بستر پر لیٹا، سونے سے قبل خدائے برتر سے صحیح حال بتا دینے کی درخواست کی اور بار بار دعا کی۔ اصحاب کہف بیدار ہوئے اور انھوں نے ایک شخص کو شہر سے کھانا لانے کے لیے بھیجا جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔ اُن کا قاصد پرانے زمانے کے درہم لے کر شہر پہنچا۔ اہل شہر نے اس شخص کو متہم کیا، اس سے کہنے لگے کہ اسے کوئی مدفون خزانہ مل گیا ہے۔ اہل شہر نے اس شخص کو بادشاہ تک پہنچایا۔ قاصد نے بادشاہ کے روبرو اپنا اور اپنی جماعت کا حال بتایا۔ بادشاہ اور شہر کے باشندے اس شخص

---

[1] فتح الالہام: ۳۶۴

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی جماعت کے حال سے واقف ہونے کے لیے نکلے۔ سب نے اصحاب کہف کو محسوس طور پر دیکھا اور امر معاد پر روشن دلیل دکھانے پر اللہ کا شکر ادا کیا۔ اصحاب کہف نے بادشاہ کے لیے دعائے خیر کی اور واپس ہو کر اپنی خواب گاہوں میں سو گئے اور ہلاک ہو گئے۔ بادشاہ نے اپنی چادر ان پر ڈال دی اور ہر ایک کے لیے ایک سونے کا ظرف تیار کر کے ان کے پیچھے اپنی خواب کو کندہ کرایا اور اپنے ظرف کے علاوہ سب برتنوں کو غار میں رکھ دیا اور اس غار کے دروازے پر ایک مسجد تعمیر کرائی۔)

فیضی نے اصحاب فیل کا مختصر طور سے واقعہ لکھا ہے مگر میرے نزدیک وہ سورۃ الفیل کا شان نزول ہے جیسا کہ درج ذیل تشریحات کو پڑھنے سے واضح ہوتا ہے:

"لَمَّا سَمِعَ مَلِكُ السُّودِ اِكْرَامَ حَرَمِ اللّٰهِ وَاِكْرَامَ دَارِهٖ حَسَدَ وَأَسَّسَ دَارًا وَرَصَّعَهَا كُلَّهَا وَاَمَرَ اِكْرَامَهٗ رِعَاءَ رُؤَسَاءِ الْمُلْكِ وَعُلَمَاءِ الدَّهْرِ كُلِّهِمْ وَوَرَدَ اَحَدٌ لِاَهْلِ اُمِّ الرُّحْمِ حَوْلَهَا رَاكِدًا صَدَدَهَا مَا سَدَّدَهَا وَسَلَحَ وَطَرَحَ الرِّكْسَ وَسَطَهَا مَسَاءً اَوْ عَرَّدَ وَرَحَلَ وَعَلِمَ الْمَلِكُ وَحَرَدَ وَمَارَ عَدُوًّا لِاَهْلِ اُمِّ الرُّحْمِ كُلِّهِمْ وَاَعَدَّ عَسْكَرًا لِهَدْمِ حَرَمِ اللّٰهِ وَاَسَاسِهِ الْمُرَصَّصِ وَاَرْسَلَ مَعَهُمْ حَمْسًا مُسَلَّحًا وَمَعَهٗ مَحْمُوْدٌ كَالطَّوْدِ سُمُوًّا وَسَمِعَ رُؤَسَاءُ الْمِصْرِ السُّطُوَّ وَحَالَهٗ وَاَدْرَكُوْا رَوْعَ الْهَلَاكِ وَلَمَّا وَرَدَ الْعَسْكَرُ صَدَدَ الْمِصْرِ وَسَطَ الْمَحْصَرِ عَادَ الْمَحْمُوْدُ وَهَرْوَلَ وَاَسْرَعَ وَاَرْسَلَ اللّٰهُ سُوْدًا اَطْمَارًا كَدًّا مَصَاعِدَ رُؤُوْسِهِمْ مَعَ كُلِّ وَاحِدٍ حَصًا كَالْعَدَسِ وَالْحِمَّصِ طَرَحَهَا وَكَسَرَ رَاْسَ مَرْءٍ صَدَدَهٗ وَهَلَكُوْا وَهُوَ اَوَّلُ عَامِ وِلَادِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلعم وَاَرْسَلَ اللّٰهُ اِعْلَامًا لِاَهْلِ الْاِسْلَامِ مُمَهِّدًا لِلْاِعْلَاءِ"۔

ترجمہ: (جب شاہ حبشہ نے حرم اور بیت اللہ کی تعظیم کے بارے میں سنا تو اسے حسد پیدا ہوا۔ اس نے ایک مکان بنایا، اسے ہیروں و جواہر سے مزین کر کے خوب آراستہ کیا اور اس کی تعظیم و تکریم کا حکم دیا، ملک کے رؤساء اور اس عہد کے تمام علماء بن کر حیرت میں پڑ گئے۔ اہل مکہ کا ایک بڑا آدمی رات میں نئے مکان کے سامنے پہنچا، اس کی چوکھٹوں کو توڑا، قضائے حاجت کے بعد نجاست کو مکان کے وسط میں پھینک دیا اور تیزی سے واپس ہو گیا۔ بادشاہ کو اس حرکت کا علم ہوا اور وہ غضبناک ہو گیا۔ اب وہ تمام اہل مکہ کا دشمن بن گیا۔ اس نے اللہ کے حرم اور اس کے پختہ مکان کو منہدم کرنے کے لیے ایک لشکر تیار کیا اور ایک طاقتور لشکر روانہ کیا۔ لشکر کے ساتھ بلند پہاڑ کی مانند محمود نامی ہاتھی تھا۔ جب اہل مکہ نے حملہ آور لشکر کا حال سنا تو ان کے ہوش و حواس اڑ گئے اور ہلاکت کے خوف سے یکے بعد دیگرے سب وہاں سے ہٹ گئے۔ جب لشکر شہر میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وسعت کے وسط تک پہنچا تو محمود ہاتھی واپس ہوا اور نہایت تیزی سے دوڑا۔ اللہ نے ان کے سروں پر منڈلانے والے سیاہ پرندوں یعنی ابابیل کا جھنڈ بھیج دیا۔ ہر ابابیل کے ساتھ مسور یا چنے کے برابر ایک کنکر تھی جسے اس نے گرادیا۔ وہ کنکری جس شخص کے سر پر گرتی تو وہ سر کو چور چور کردیتی۔ لشکر اور سربراہ لشکر ادھر اس سب ہلاک ہوگئے۔

رسول اللہ صلعم کی ولادت بھی اسی سال ہوئی لہذا اللہ تعالیٰ نے آپ کے دشمنوں کو دھمکی دیتے ہوئے ان کے حالات کو بیان کیا۔

۱۸۔ فیضی نے تاریخ داں ہونے کے باوجود مستند تاریخی واقعات بیان کرنے سے گریز کیا اور صرف کلام اللہ کے معانی تحریر کرنے پر اکتفا کیا۔ مثال کے طور پر آیت مباہلہ کی تفسیر درج کی جارہی ہے۔ یہاں فیضی نے یہ وضاحت نہیں کی کہ رسول اللہ صلعم سے جھگڑا کرنے والے کون لوگ تھے۔ نیز انجام بھی بیان نہیں کیا۔ آیت مباہلہ مع تفسیر یہ ہے:

"فَمَنْ حَاجَّكَ مارَاكَ رَسُولَ اللهِ فِيهِ أمْرِ روحِ اللهِ مِن بَعْدِ مَا لِلمَوصُولِ جَاءَكَ وَرَدَكَ وَصَحَّ وُرُودُهُ لكَ مِنَ العِلْمِ المُسَدَّدِ المُدَلَّلِ فَقُل لَهُم مُحَمَّدُ تَعَالَوا اهْلُمُّوا امّا وَحْدَهُ دعاءً لِعُمُومِ مَدلُولِ الموصُولِ نَدْعُ أَبْنَاءَنَا اراد وَلَدَا أَسَدِ اللهِ الكرّارِ وَأَبْنَاءَكُمْ أوْلادَكُم وَنِسَاءَنَا أراد وَلَدَهُ الوَدُودَ وَعِرسَ أَسَدِ اللهِ وَأَهْلَهُ وَنِسَاءَكُمْ أعْرَاسَكُم وَأَنْفُسَنَا أراد وَلَدَ عَمِّهِ أَسَدَ اللهِ وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ وَهُوَ الدُّعَاءُ كَدًّا فَنَجْعَلْ لَعْنَةَ اللهِ طَرْدَهُ وَرَدَّهُ عَلَى الرَّهْطِ الكَاذِبِينَ أَهْلِ الوَلَعِ عُمُومًا سَوَاءٌ رَهْطُكُمْ أوْ رَهْطُ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللهِ"[1]

ترجمہ: (اے اللہ کے رسول! حضرت عیسیٰ کے بارے میں آپ کو اللہ کی جانب سے صحیح اور مدلل علم ہو جانے کے بعد جو لوگ آپ سے حجت بازی کریں تو اے محمدؐ آپ ان سے فرمائیے! آجاؤ ہم اپنے بیٹے حسن و حسین کو آواز دیں اور تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ، ہم اپنی عورتوں یعنی فاطمہ کو بلائیں اور تم لوگ اپنی بیویوں کو بلاؤ، ہم علی کو بلائیں اور تم اپنے آپ بلاؤ۔ پھر ہم انہماک سے دعا کریں لہذا ہم عام دعا کریں گے کہ اے اللہ! جھوٹوں پر لعنت نازل فرمادے خواہ تم لوگوں کی جھوٹی جماعت ہو یا محمد کی جماعت ہو۔)

۱۹۔ فیضی اپنے عہد کا مانا ہوا حکیم اور فلسفی تھا لیکن اس نے تفسیر میں عقلی، فلسفی اور طبعی مسائل تحریر کرنے سے کنارہ کشی کی۔ اس نے تفسیر میں کسی غیر ضروری اور غیر متعلق بحث کو بیان نہیں کیا۔ فیضی نے تخلیق آدمؑ، ہبوط آدمؑ، مقابلہ ملائکہ و آدمؑ اور دوزخ و جنت وغیرہ کی مباحث کو بیان نہیں کیا جیسا ذیل آیات کی تفسیر سے ثابت ہوتا ہے:

"وَادَّكِرْ مُحَمَّدُ إذْ عَهِدَ اَقَالَ رَبُّكَ اسْمُ لَكَ وَمُصْلِحُ أحْوَالِكَ وَأَحْوَالِ الكُلِّ لِلمَلائِكَةِ

---

[1] سواطع الالہام: ۹۰

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

كلهم عموماً واحده ملك أصله مالك مصدره لالوك وهو الإرسال سماهم الله أملاكاً لأنهم
رسل الله أرسلهم لإصلاح العالم كما أراد إني جاعل مؤيدي في ملك الأرض خليفة ط مما هم
رادوها أمامه وهم الملك لما هم راكدوها وحاكموها أعطاهم الله ملكها وهم أطاعوا
وعملوا ما أمروا ومدلولها رأس الكل وهم ما هم له السمو والسودد والماء للطهراء كما وصل
للعلام والمراد آدم وحده وهو الأصح أو هو وأولاده ووحده لما هو أصلهم وإمامهم
قالوا هؤلاء الأملاك سؤالاً للحكم لعدم علمهم لها لا رداً ولا مراءً لحكمه أتجعل حاكماً
فيها ملكها لإصلاحها من امرء يفسد طلاحاً فيها ملكها وهم آدم وأولاده وعلموا أحوالهم
لإعلام الله وإلهامه لهم أو لما طالعوا سطور اللوح أو حدسوا عما عمل طلاح رهط مروا أمامهم
وهم ردوها وحكموها أو أدركوها لكمال ردعهم ويسفك الدماء حدلاً وطلاحاً وما العلل
والحكم لإكرامهم وإعلاء حالهم مع إهدارهم الدماء وإصدارهم الأعمال السوء
والحال نحن نسبح وهو أحمد الأوراد بحمدك حمداً كاملاً وهو أصل محامد الكل
وهو حال ونقدس عما ساء وكره وأورد رهط مدلولهما واحد لك ط وكل واحد
مطهر لك قال الله رداً إني أعلم ما حكمه ما لا تعلمون ٥ لها أصلاً وما لكم علم
أسرار لا حد لها وعلمه أحاط الكل وما معلومكم إلا ما صلا مما علمكم الله وما سواه هو موهوم لكم
لا سداد له ولما أراد الله إكرام آدم وإعلاء علومه ومداركه وإعلام أحواله ومعالمه كما
أرسل وعلم الله آدم إلهاماً أسماء كلها أسماء الله وأسرارها طراً وأسماء الأولاد وأسماء
كل ما سار وطار وما درك وما ركد عموماً والحاصل أراه أولاً الأمور كلها وعلمه أسماءها
كما أراه أسداً وعلمه اسمه ثم عرضهم أوردهم الله أراد أهل أسماء أسروا ولهم اسم
ورسم على الملائكة رداً أو إرساماً فقال الله للأملاك أنبئوني أعلموا بأسماء هؤلاء الأمور
كلها ولكل اسم ورسم إن كنتم ملأ الأملاك صادقين ٥ كلاماً ولكم سداد الكلام وعلم الأسماء
وهم حاروا وقالوا كلهم سبحانك كلام حامد وهو مصدر لمطروح لا علم لا معلوم لنا
إلا ما معلوماً هو علمتنا ط وما هو علم الأسماء إنك أنت لا سواك العليم عالم مصالح أهل العالم

---

۱ سواطع الالہام: ۲۹ — ۳۰

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

كما هو الأصلح لا المعلم الحكيم ٥ كامل الحكم علماً أو الحاكم العدل أو المحكم للأمور كلها ومصلحها قال الله لآدم يا آدم أنبئهم أعلمهم بأسمائهم أراد أمور أعلم الله أسماءها لآدم ولما صار آدم مأموراً لإعلام الأسماء لهم علمهم الأسماء أسماء أسماء فلما أنبأهم أعلمهم كما أمر الله بأسمائهم وأعلامهم واحداً واحداً وهم علموا علو حال آدم ولاح لهم عدم علمهم قال الله رداً لهم ألم أقل لكم ملأ الأملاك وهو كلام مهدد مهول إني أعلم علماً أحاط غيب السماوات والأرض أسرار عالم العلو وأطوار عالم الملك أو أحوال آدم وحواء السراء وإهدار ولده الدم وأعلم ما كلاماً تبدون له وما سراً كنتم تكتمون ٥ له سراً ولكل محاط لعلم الله واذكر محمد إذ عهد أولنا أمراً للملائكة لما علمهم آدم الأسماء كلها إكراماً لآدم اسجدوا أمسوا رءوسكم سطح العراء وهو الأصل أو المراد اركعوا أهطعوا لآدم وهو إمام لكم وما لمالك العالم وحاكم لمحاكم الكل علماً وكما الأمر فسجدوا أطاعوا أو كلهم له رءوسهم إلا الموصل لما هو ملك أو للجسم لما هو سواه إبليس ط وهو عدو الله أبى رده وكرهه وصد عما أمر واستكبر علواً وسمد عداءً وحسداً وكان صار من الملأ الكافرين لرده أمر الله علواً وهو ملاك طرده لاطراح الأمر وحده وقلنا لآدم للإعلاء حاله يا آدم اسكن اركد أنت مؤكد وزوجك حواء مولدها ملاط آدم الجنة دار السلام كما دل اللام لما هو للعهد والمعهود سواها وهو موعد دوام السرور ومحل كمال الروح لك ولأهلك وكلا أمر لآدم وحواء معاً إحمالها أكلاً رغداً واسعاً حيث شئتما عموماً كما هو مراد كما ولا تقربا للأكل ورد وه مكسور الأول هذه الشجرة السمراء أو الكرم أو ما سواهما ورد أولها مكسوراً وهو ردع لهما وهما ما عملاه لما وهما الردع لا للإحرام أحملا الردع عما أوماه الله معهود الا عما سواه والله أراد العموم فتكونا حال إحرامكما لهما أكلاً من الهط الظالمين ٥ الحلال لصدادهما ردعهما الله لعدو ولكما عما صلح لكما فأزلهما آدم وحواء أو أملصهما ووسوس لهما الشيطان وهو ألد الأعداء لهما ولأولادهما عنها دار السلام فأخرجهما وسواسهما مما روح وسرور كانا آدم وحواء فيه هما معاد الموصول وقلنا أمراً لهما اهبطوا حطوا واحد أو الأمر لآدم وحواء والمراد هما وأولادهما

---

١ سواطع الإلهام: ٣ - ٣١

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أَوِالأُمُرُلَهُمَا وَلِلمَارِدِ وَوَرَدَ حُدُورُ الطاءُ رس بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ج اعداء عادٍ وهُمَا دَوُلَدَ ادَمَ عُمُومًا أَوْ اَهلَ الاِسلامِ والمارد المُوَسوِس وهُوَحالٌ وَلَكُمْ فِى الاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ مَحلَّ التَّكونِ والسُّكونِ وَمَتَاعٌ رَوحٌ وَمَرَحٌ اِلٰى حِيْنٍ ٥ السَّلامِ أو أَمَدِ الدَّهرِ۔

ترجمہ: (اے محمد!) یاد کیجیے جب آپ کے خالق، آپؐ کے احوال اور سب کے احوال کی اصلاح فرمانے والے اور آپ کے پروردگار نے تمام فرشتوں سے فرمایا: اے فرشتو! میں زمین کے ملک میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ حضرت آدمؑ سے پہلے فرشتے زمین پر سکونت کرنے والے اور حکومت کرنے والے تھے۔ اللہ نے زمین کا ملک انھیں عطا کیا تھا۔ انھوں نے اللہ کے حکم کے مطابق اس کی اطاعت کی تھی۔ "اِنِّی جَاعِلٌ فِی الاَرْضِ" کا مدلول یہ ہے کہ میں سب کا سردار اور بادشاہ پیدا کرنے والا ہوں۔ اس کے لیے بلندی اور سیادت ہوگی۔ یہاں مقصد یہ ہے کہ صرف حضرت آدم کو خلیفہ بناؤں گا۔ یہی صحیح ترین بات ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت آدم اور اس کی اولاد کو خلیفہ بنانا مقصود ہے۔ یہ بات کہ حضرت آدمؑ کو تنہا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ وہ اولاد کی اصل اور پیشوا ہیں۔ فرشتوں نے ارشاد باری تعالیٰ سن کر کہا: کیا آپؐ ملک زمین میں اس کی اصلاح کے لیے اس شخص کو خلیفہ بنائیں گے جو وہاں فساد برپا کرے گا۔ فرشتوں کا مقصد حضرت آدمؑ کی اولاد ہے۔ فرشتوں کو اولادِ آدم کے فساد پھیلانے کا علم اللہ کی اطلاع اور الہام کے ذریعے ہوا تھا یا انھوں نے لوح محفوظ پر نوشتہ حالات کا مطالعہ کیا تھا یا حضرت آدمؑ سے پہلے مفسد گروہ اجنہ پر قیاس کیا تھا کیوں کہ اجنہ کو زمین میں سکونت حاصل ہونے اور حکمران بننے پر فساد پھیلایا تھا یا فرشتوں نے اپنی ذہانت کے کامل ہونے کی وجہ سے فساد برپا کرنے کا ادراک کر لیا تھا۔ انسان ظلماً اور فساد کی وجہ سے خون بھی بہائے گا۔ ایسی صورت میں اولادِ آدم کے اعزاز و اکرام اور ان کے مراتب کی بلندی کے کیا اسباب اور حکمتیں ہیں جبکہ اولاد آدم خون ریزی کرے گی اور ان سے بُرے اعمال صادر ہوں گے حالانکہ ہم آپ کی حمد کی تسبیح کرتے ہیں اور حمد ہی تمام تعریفوں کی اصل ہے اور ہم ہر ایک بُری اور مکروہ چیز سے آپ کی تقدیس و تطہیر کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: مجھے ان حکمتوں کا علم ہے جن کو تم بالکل نہیں جانتے۔ تمھیں لامتناہی رازوں کا علم نہیں ہے۔ صرف اللہ کا علم تمام اسرار کو محیط ہے۔ تمھیں اللہ کے تعلیم کردہ امور کے معلومات صرف ایک قطرے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تمہارے ان معلومات کے علاوہ باقی موہومات ہیں جن کی صحت میں کوئی صداقت نہیں ہے۔ جب خدائے برتر نے حضرت آدم کو مکرم بنانے، اس کے علوم اور عقل و فہم کو بلند بنانے، اُس کے احوال اور اس کے کمال کی علامات سے آگاہ کرنے کا ارادہ فرمایا تو اس نے حضرت آدم کو پیغام بھیجا اور الہام کے ذریعے اللہ نے حضرت آدم کو اپنے تمام اسماء، اسرار، اولاد کے اسماء، ہر ایک چرند، پرند، درندے، متحرک اور ساکن تمام اشیا کے اسما بالعموم سکھا دیے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے پہلے تمام اشیا کو دکھایا اور ان کے اسما سکھا دیے جیسا کہ اللہ نے آدم کو تیر دکھایا اور اس کا نام سکھا دیا۔ پھر اللہ نے فرشتوں کے سامنے ان سب کو ان کی بات کو رد کرنے اور کاری ضرب لگانے کے لیے پیش کیا یعنی اللہ نے تمام ایسی اشیا پیدا کر دیں جن کا واقعی کوئی نام ہے اور کسی بھی طرح کی ان کی صورت ہے۔ پھر اللہ نے فرشتوں سے فرمایا: مجھے ان سب چیزوں کے نام بتاؤ کیونکہ ہر ایک شے کی ایک صورت اور ایک نام ہے اگر تم اپنی گفتگو میں سچے ہو تمہاری بات صحیح ہے اور تمہیں اسمار کا علم ہے۔ فرشتے حیران ہوئے اور سب نے عرض کیا: ہم آپ کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ ہمارے معلومات بس وہی ہیں جو آپ نے ہمیں سکھلائے ہیں۔ ہمیں اسمار کا علم نہیں ہے۔ درحقیقت صرف آپ ہی اہل عالم کی مصلحتوں کو جاننے والے ہیں کہ مناسب ترین کیا امر ہے اور سیکھے ہوئے فرشتوں کو علم نہیں ہے۔ آپ ہی علم و عمل کے اعتبار سے حکمتوں میں کامل ہیں یا آپ ہی عادل حاکم ہیں یا آپ ہی امور کو محکم بنانے والے اور ان کی اصلاح فرمانے والے ہیں۔ اللہ نے ارشاد فرمایا۔ اے آدم: فرشتوں کو ان کے اسمار سے باخبر کر دیجیے یعنی ایسے تمام امور کے اسمار جو اللہ نے انھیں سکھلائے ہیں، آدم فرشتوں کو سکھائیں جب حضرت آدم ؑ ملائکہ کو اسمار سکھلانے پر مامور ہوئے تو حضرت آدم ؑ نے انھیں ایک ایک کر کے ہر چیز کا نام سکھایا حضرت آدم نے جب خدا کے حکم کے مطابق فرشتوں کو ایک ایک کر کے سب کے نام بتا دیے۔ فرشتوں کو حضرت آدم ؑ کے حال کی بلندی کا علم ہو گیا اور اپنی لاعلمی ظاہر ہو گئی تو اللہ نے ان کی تہدید و توبیخ کرتے ہوئے اور ان کی بات رد کرتے ہوئے فرمایا: اے گروہ ملائکہ: کیا میں نے تم سب سے نہیں کہا تھا کہ میرا علم آسمانوں اور زمین کے غیب کو محیط ہے یعنی عالم بالا کے اسرار اور عالم ملک ارض کے طور طریقوں کا علم صرف مجھے ہے یا مجھے حضرت آدم و حوا کے گیہوں کھانے اور اولاد آدم کی خون ریزی کا علم ہے۔ مجھے اس بات کا بھی علم ہے جس کو تم نے زبان سے ظاہر کیا تھا اور اس راز کا بھی علم ہے جسے تم نے رسوائی کے خوف سے چھپایا تھا۔ اللہ کا علم سب ہی کا احاطہ کرنے والا ہے۔ اے محمد! یاد کیجیے کہ جب حضرت آدم ؑ نے فرشتوں کو تمام چیزوں کے نام سکھا دیے تو ہم نے حضرت آدم ؑ کو معزز بنانے کے لیے فرشتوں کو حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ حضرت آدم کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤ کیونکہ وہ تمہارا امام ہے عالم کی مملکتوں کا مالک ہے اور علم و کمال کے باعث سب کے حکموں کا حاکم ہے۔ سجدہ ریزی یہ ہے کہ فضا کی سطح سے اپنے سروں کو مس کر دو کیونکہ سجدہ دراصل یہی ہے یا مطلب یہ ہے کہ انتہائی تواضع کے ساتھ جھک جاؤ۔ اللہ کے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے تمام فرشتے سجدہ ریز ہو گئے اور سب نے ابلیس کے علاوہ اپنے سروں کو حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے جھکا دیا۔ چونکہ شیطان اللہ کا دشمن ہے اس نے انکار کر دیا اللہ کے حکم کو رد کیا اس کے حکم کو ناپسند کیا اور اپنے کو بہتر سمجھتے ہوئے اللہ کا امر بجا لانے سے انکار کیا اللہ سے دشمنی اور حضرت آدم ؑ سے حسد کرتے ہوئے اپنے آپ کو بڑا سمجھا اور وہ کافروں میں سے ہو گیا۔ اس نے اپنے آپ کو بلند و بالا سمجھ کر اللہ کے امر کو رد کیا تھا جو اس کے نافرمان ہو جانے کا سبب بنا۔ تنہا نفس امر کا ترک کرنا مردود بنا گیا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جانے کا سبب نہیں تھا۔ اور ہم نے حضرت آدم کے حال کو بلند کرنے کے لیے فرمایا: اے آدم: تم اور تمہاری بیوی حوّا (جن کی پیدائش حضرت آدم کے پہلو سے ہوئی تھی) جنّت یعنی سلامتی کے مقام پر سکونت پذیر ہو جاؤ۔ جنت دائمی سرور کی جگہ ہے اور اللہ نے اس کا وعدہ فرمایا ہے۔ جنّت حضرت آدم اور ان کے اہل کے لیے کمالِ راحت کی جگہ ہے۔ تم دونوں جنّت کے پھلوں کو خوب فراخی کے ساتھ کھاؤ جہاں بھی تم دونوں چاہو اور کھانے کے لیے اس درخت سے قریب نہ ہو۔ درخت گیہوں یا انگور ان دونوں کے علاوہ تھا۔ دونوں نے قریب نہ ہونے کی بات کو صرف اجتناب کرنا سمجھا اور یہی خیال کیا کہ اس کا کھانا حرام کر دیا گیا ہے۔ اس لیے دونوں نے اسے کھا لیا۔ یا مطلب یہ ہے کہ دونوں نے اللہ کی نہی کو صرف اشارہ کردہ درخت سمجھا اور اس کے عموم کو نہیں سمجھا یعنی وہ جنس۔ اگر تم نے نہی پر عمل نہیں کیا تو تم دونوں کھانے کی غرض سے اس درخت سے قریب ہونے پر زمرۂ ظالمین میں سے ہو جاؤ گے یعنی اللہ کی نہی کو حلال بنانے والے نہی سے اعراض کرنے والے اور صالح حکم سے روگردانی کرنے والے بن جاؤ گے۔ چونکہ شیطان آدم و حوّا اور ان کی اولاد کا سب سے بڑا دشمن ہے، اس لیے اس نے دونوں کے دلوں میں وسوسہ پیدا کیا اور دونوں کو لغزش میں مبتلا کر کے دونوں کو امن و سلامتی کے مکان یعنی جنت سے دور کر دیا۔ پس شیطان کے وسواس ڈالنے کی وجہ سے کہ اس نے دونوں کو اپنے موقف سے ہٹا دیا، اس لیے اللہ نے دونوں کو اس راحت و مسرت کے مقام سے نکال دیا جہاں وہ تھے اور جہاں وہ انتہا میں رہیں گے۔ ہم نے دونوں کو حکم دیتے ہوئے فرمایا: تم سب نکل جاؤ اور نیچے اتر جاؤ۔ یہ حکم آدمؑ و حوّا کو ہے البتہ مقصد آدم اور حوّا اور ان کی اولاد بھی ہے یا یہ حکم حضرت آدم و حوّا اور شیطان کے لیے ہے۔ ایک روایت میں طاؤس کا نازل ہونا بتایا گیا ہے۔ تم میں سے بعض یعنی اولادِ آدم میں سے عموماً یا اہلِ اسلام اور وسوسہ ڈالنے والے شیطان میں سے بعض بعض کے دشمن ہوں گے۔ تم لوگوں کے لیے زمین میں سے سکونت و قیام کی جگہ ہے اور موت تک یا زمانے کی انتہا تک وہاں راحت و مسرت ہے۔)

۲۰۔ فیضی نے مقدمۂ تفسیر کے حصۂ دوم "السواطع اللوامع" کے ایک ساطعہ میں لکھا ہے:

"مما أرسل ما سماه الله محكمًا وهو ما سهل دراك مدلوله ولاح سرّه وعكسه وهو

ما الأمد راك لمدلوله وسرّه المطموس ولا عالم لمراده المدموس إلا الله كعلم المعاد

وصدر السور كالم وطسم والر ولمر وكصوم عمر معهود الخ"

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ نے اپنے نازل کردہ کلام میں ایک کا نام محکم بتایا ہے۔ محکم کا مطلب سمجھنا آسان ہوتا ہے اور اس کا راز واضح ہوتا ہے۔ دوسری قسم اس کی عکس (متشابہ) ہے۔ اس کا مطلب سمجھنے والا اور اس کے مخفی راز کو جاننے والا اللہ کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ مثلاً معاد کا علم، سورتوں کی ابتدا میں حروفِ مقطعات کا علم اور متعین وقت کے روزے رکھنے وغیرہ کا حقیقی علم کسی شخص کو نہیں۔)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فیضی نے اپنی وضاحت کے مطابق بتیس سورتوں میں حروفِ مقطعات کے مطالب و معانی بھی لکھے جو دوسرے متقدمین مفسرین نے لکھے ہیں مگر فیضی کے نزدیک صحیح ترین بات یہ ہے "سرّ اللہ مع رسولہٖ" یا "اللہ أعلم مراده" (اللہ کا اپنے رسول کے ساتھ راز ہے یا اللہ اپنی مراد کو زیادہ جاننے والا ہے) اس لیے زیادہ تر سورتوں میں یا تو دونوں جملوں میں صرف ایک جملہ لکھنے پر اکتفا کیا اور جن سورتوں میں دوسرے اقوال نقل کیے ہیں۔ اُن میں "سرّ اللہ مع رسولہٖ" ضرور لکھے۔ اسی طرح فیضی نے "الاعراف' یونس' الرعد' طٰہٰ' الفرقان' السجدہ' الحدید" نامی سورتوں میں "استوی علی العرش" متشابہ جملے میں "استوی" کی تفسیر "کما هو حراءه" کما هو أهله[۲۶۵] ص ۲۶۵' کما هو حراءه ص ۳۱۱' کما هو حراءه ص ۳۸۶' کما هو احلّ له' ص ۴۴۸' کما هو أهله وحراءه ص ۵۰۲' "مَمَدَ اللہ وَسطاً" (فصّی) بالترتیب کی ہے۔

فیضی نے آیت قرآنی "هُوَ الَّذِی انزل الکتاب منه آیاتٌ محکماتٌ هُنَّ أُمُّ الکتاب وأُخَرُ مُتشابهات' فامّا الذین فی قلوبهم زیغٌ فیتبعون ما تشابه منه ابتغاء الفتنة وابتغاء تاویله وما یعلم تاویله الا اللّٰه والراسخون فی العلم" میں شوافع کے مسلک سے اختلاف کرتے ہوئے حنفی مسلک کے مطابق "الا اللّٰه" پر وقف لازم کی علامت لگائی ہے اور "الراسخون فی العلم" پہلے جملے سے متصل نہ بنا کر نیا دوسرا جملہ تسلیم کیا ہے۔ غالباً اس طرح کے شواہد کے پیش نظر اسماعیل پاشا بغدادی نے فیضی کے سوانح میں "الفقیه الحنفی"[۱] لکھا ہے۔

"سواطع الالہام" کی مذکورہ بالا خصوصیات کے پیش نظر یہ بات بلاخوفِ تردید کہی جا سکتی ہے کہ فیضی نے صرف قرآنی آیات کی تشریح کی ہے اور ضروری حد تک مطالب قرآن کی وضاحت کی ہے فیضی کی تفسیر فقہ' نحو اور علم بیان وغیرہ میں سے کسی مخصوص علم و فن کی نمائندہ نہیں ہے البتہ صنعتِ مہملہ کے التزام نے عبارت سے مطالب کو اخذ کرنا بہت دشوار بنا دیا ہے۔

●●

---

[۱] هدیة العارفین فی أسماء المؤلفین وآثار المصنفین : ۸۲۳

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر سید غیاث الدین ندوی
لکچرار عربی
اسٹیٹ تکمیل الطب کالج، لکھنؤ

تفسیر سورۃ الکوثر

از مرزا جان دہلوی

کتب خانہ شبلی ندوۃ العلماء کے خزینہ مخطوطات میں تفسیر عربی حوالہ نمبر ۱۶۷ پر ایک نسخہ "تفسیر سورۃ الکوثر" مرزا جان شیرازی دہلوی کا تالیف کردہ ہے۔ یہ مخطوطہ کتب خانہ ندوہ میں مستعار ڈاکٹر عبد العلی حسنی مرحوم کے ذخیرۂ کتب میں شامل ہے جو ۱۱ × ۲۰.۳ سنٹی میٹر سائز کے دس صفحات پر مشتمل ہے۔ ہر صفحہ میں ۱۲ سطریں ہیں۔ اصل کتاب کے صفحات سے قبل ایک زائد ورق پر دو مہریں ثبت ہیں جو کرم خوردگی کی باعث پڑھی نہیں جا سکتیں۔ اصل کتاب بھی جزوی کرم خوردہ ہے لیکن مجموعی اعتبار سے بہتر حالت میں ہے۔ خط فارسی معتاد ہے۔ ترقیمہ کی عبارت صرف اتنی ہے:

"تمت الرسالة والحمد لله على الاتمام والصلوٰة على رسوله وآله والسلام۔"

اس عبارت سے کاتب اور تاریخ کتابت کا پتہ نہیں چل سکتا۔ لیکن مخطوطہ کے مطالعہ سے اتنا اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ کاتب عربی سے نابلد تھا اور فارسی خط شکست کا عادی تھا چنانچہ اس نے نقطوں کا صحیح اہتمام نہیں کیا ہے اور بعض مقامات پر نقطوں اور شوشوں کا اس طرح حذف و اضافہ کیا ہے کہ بسا اوقات شدید التباس پیدا ہوتا ہے۔

"میرزا جان" کا پورا نام شمس الدین حبیب اللہ بن عبد اللہ العلوی الدهلوی "میرزا جان" الشیرازی ہے خیر الدین زرکلی نے الاعلام (۲: ۱۶۷) میں سن وفات ۹۹۴ھ / ۱۵۸۶ء بتاتے ہوئے تحریر کیا ہے" فقیه حنفي هندي اصله من شيراز" اس کے بعد تصانیف میں" انموذج الفنون وحواشي في العقائد والحكمة والمنطق" کا ذکر کیا ہے۔ حاجی خلیفہ نے "کشف الظنون" (۱: ۱۸۵) میں انموذج الفنون کا ذکر کرتے ہوئے سن وفات ۹۹۴ھ بتایا ہے۔ اسماعیل پاشا بغدادی نے "ہدیۃ العارفین" (۱: ۲۶۲-۲۶۳) میں یہی سن وفات ذکر کرتے ہوئے تصانیف میں انموذج الفنون کے علاوہ بعض حواشی کی تفصیلات ذکر کی ہیں اور "وغیر ذالک" لکھ کر غیر مذکور تصانیف کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے۔ عمر رضا کحالہ نے معجم المؤلفین (۲: ۱۸۸) میں "عالم مشارک فی انواع من العلوم" کے الفاظ سے یاد کرتے ہوئے انموذج اور بعض حواشی کا ذکر کیا ہے لیکن کسی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے بھی زیر بحث رسالہ تفسیر کا ذکر نہیں کیا ہے۔ البتہ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون (۱: ۴۵۰) میں ایک تفسیر "سورۃ الکوثر" کا ذکر مصنف کے ذکر کے بغیر ان الفاظ میں کیا ہے:

"اوله الحمد لله الذی اعطی رسوله الکوثر الخ وهو مختصر مشتمل علی فوائد منقولة من نهایة الایجاز للرازی والکشاف وحواشیه"

حاجی خلیفہ کی مذکور ابتدا اور مخطوطہ کی ابتدا یکساں ہے۔ پوری عبارت اس طرح ہے:

"الحمد لله الذی اعطی رسوله الکوثر، وامره ان یصلی وینحر وجعل شانئه هو الابتر والصلوة علیه وعلی آله الاطهر۔ وبعد فهذه رسالة کاشفة القناع عن وجه الاعجاز فی سورة الکوثر مشتملة علی فوائد لطیفة ونکات شریفة مع ما نقله الامام الرازی فی نهایة الایجاز فی درایة الاعجاز عن العلامة الزمخشری"

دونوں میں اسقدر جزوی اختلاف ہے کہ حاجی خلیفہ کے نزدیک یہ رسالہ رازی کی ہدایۃ الایجاز اور کشاف اور اس کے حواشی کے منقول فوائد پر مشتمل ہے جبکہ مؤلف نے رازی کے حوالے سے زمخشری کا نام تو لیا ہے لیکن کشاف اور اس کے حواشی کا ذکر نہیں کیا ہے۔ لیکن اس جزوی اختلاف کے باوجود یہ یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ حاجی خلیفہ نے جس مختصر کا ذکر کیا ہے۔ وہ مرزا جان کا تالیف کردہ یہی زیر بحث رسالہ ہے۔ جس کے مؤلف کی تحقیق حاجی خلیفہ کو نہیں ہو سکی۔ البتہ کتاب کے مآخذ کے سلسلہ میں حاجی خلیفہ کی بات زیادہ صحیح ہے۔ اس لئے اگر مؤلف کی عبارت میں حرف جر "عن" پر غور کریں تو اس کے معنی ہوتے ہیں کہ رازی نے زمخشری کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ لیکن ایسا ہے نہیں۔ رازی نے نہایۃ الایجاز میں سورۂ کوثر کے وجوہ اعجاز پر مبنی مستقل فصل قائم کی ہے لیکن اس میں ایک بار بھی زمخشری کا نام نہیں لیا ہے۔ اور نہ ہی کشاف میں سورہ کوثر کی تفسیر میں وہ نکات مذکور ہیں جو امام رازی نے نہایۃ الایجاز میں بیان کئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس رسالہ میں اگر زمخشری کو نقل کیا گیا ہے تو رازی کے حوالے سے نہیں بلکہ براہ راست یا کسی اور واسطے سے بعض مقامات پر زمخشری کا قول حوالے کے ساتھ ذکر کیا ہے اور بعض جگہ نام لئے بغیر عبارت نقل کی گئی ہے۔ اسی طرح بعض عبارتیں کشاف کے حواشی سے ماخوذ ہیں۔ لیکن یہ سمجھنا بھی درست نہیں کہ رسالہ محض منقولات پر مشتمل ہے مؤلف نے اپنی بات نہیں کہی ہے۔ اس لئے کہ متعدد مقامات پر مرزا جان نے اپنی رائے نقل کی ہے اور اپنی طرف سے بعض نکات کا اضافہ کیا ہے۔ مجموعی طور پر رسالہ کا اصل ماخذ رازی کی نہایۃ الایجاز ہے جس کے بعض فوائد حرف بہ حرف نقل کئے گئے ہیں اور بعض میں حذف و اضافہ سے کام لیتے ہوئے رغموض اور پیچیدگی دور کرنے کی کوشش

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر "انا اعطینا" کے فوائد میں ایک فائدہ رازی نے یوں بیان کیا ہے "صدر الجملۃ بحرف التاکید الجاری مجری القسم" جبکہ مرزا جان نے "الجاری مجری القسم" کی جگہ لکھا ہے: "لعلہ لتسلیۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واطمینان قلبہ ولرد انکار من ینکرہ"

نہایۃ الایجاز میں "انا اعطینا" کے ۸ فوائد بیان کیے گئے ہیں جبکہ میرزا جان نے ۷ فوائد کا اضافہ کرتے ہوئے ۱۵ فوائد بیان کیے ہیں۔ فصل لربک وانحر میں نہایۃ الایجاز میں ۸ فوائد مذکور ہیں اور زیر بحث رسالہ میں ۶ فوائد کے اضافہ کے ساتھ ۱۴ فوائد مذکور ہیں۔ اسی طرح "ھو الابتر" کے سلسلہ میں "نہایۃ" میں ۵ فوائد ہیں اور میرزا جان نے ۱۱ فوائد بیان کیے ہیں اور اس ضمن میں خبر معرف باللام کی بہ تفصیل ۵ وجوہ بیان کی ہیں۔

بعض مقامات پر دوسروں کی آراء کے بعد اپنی رائے بھی دی ہے۔ چنانچہ کوثر کے معانی کی تفصیل کے بعد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنھما کی اسی رائے کو کہ "کوثر کے معنی خیر کثیر کے ہیں" ان الفاظ میں راجح قرار دیا ہے۔

"ولعل الاولی ان یقال: ان المعنی عام کما روی عن ابن عباس رضی اللہ عنھما لکونہ انسب للفظ والمقام، ودفعہ لما قالوہ من ان موعداللہ لا یحمل الا علی اوفی محتملہ اللفظ وابلغہ فیندرج تحتہ کل من ھذہ الامور المذکورۃ وغیرھا من العلم والعمل وشرف الدارین لکونہ علیہ سید جمیع الانبیاء وکونہ اشرف جمیع المخلوقات وکونہ صاحب المقام المحمود واللواء وغیر ذالک مما لا تعد ولا تحصی۔"

مرزا جان کی سب سے خوبصورت موثر وہ عبارت ہے، جس کو خلاصۂ بحث کی حیثیت حاصل ہے اور جس میں سارا نچوڑ بیان کر دیا ہے۔ وہ یہ ہے:

"ھذا واعلم ان کمال الانسان بکمال العلم والعمل وانہ ظاھر فیمکن ان یکون انا اعطیناک الکوثر اشارۃ الی کمالہ بالعلم ویؤیدہ ما روی من الامام جعفر الصادق رضی اللہ عنہ: انا اعطیناک نورا فی قلبک، وان یکون فصل لربک وانحر اشارۃ الی کمالہ بالعلم[1] وما یلایمہ کلمۃ الفاء تنبیہا علی مرتبۃ العمل عن مرتبۃ العلم۔"

"ھو الابتر" میں خبر کو معرف باللام لانے کی دوسری وجہ اس طرح بیان کی ہے:

"والثانی: ان یراد بہ ان شانئک عین حقیقۃ الابتر ومتخزیہ معہ ولیس مغائرا لہ

---

(۱) غلطی کتابت ہے۔ صحیح "العمل" ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وطريقة طريقة قولك هل سمعت بالاسد۔ وهل تعرف حقيقة فزيدهو بعينه۔ واليه يشير كلام صاحب الكشاف فى قوله تعالىٰ: (اولٰئك هم المفلحون) حيث قال: ان معنى التعريف فى المفلحون الدلالة على ان المتقين هم الذين ان حصلت صفة فى المفلحين وتحققوا هم وتصوروا الصورتهم الحقيقة فهم هم لا يعدون تلك الحقيقة۔ وهذا الوجه ادق مما سبق فيه المبالغة مالا يخفى على ذى مسئلة

اس عبارت میں "هل سمعت" سے "هو هو" تک کی عبارت جرجانی کے حاشیہ کشاف[1] سے لی گئی ہے۔ لیکن نقل میں "فزيد" سے پہلے "فان كنت تعرفه" چھوٹ گیا ہے، جس کی وجہ سے ربط کلام میں فرق آگیا ہے۔ ساتھ ہی دونوں عبارتوں میں یہ فرق بھی ہے کہ میرزا جان نے "هل تعرف حقيقة" نقل کیا ہے۔ جبکہ میں نے حاشیہ جرجانی کے جس نسخہ سے استفادہ ہے اس میں "هل تعرف ما هو" ہے۔ اسی طرح زمخشری کی عبارت میں بھی نقل کی غلطی ہے۔ پوری عبارت اس طرح ہے:

"ومعنى التعريف فى المفلحون الدلالة على ان المتقين هم الناس الذين عنهم بلغك انهم يفلحون فى الآخرة۔ كما اذا بلغك ان انسانا قد تاب من اهل بلدك فاستخبرت من هو؟ فقيل: زيد التائب: اى هو الذى اخبرت بتوبته، او على انهم الذين ان حصلت صفة المفلحين وتحققوا ما هم وتصوروا بصورتهم الحقيقة فهم هم لا يعدون تلك الحقيقة[2]"

اور آخری جملہ یعنی "هذا الوجه" سے "ذى مسئلة" تک میرزا جان کی اپنی رائے ہے۔ ایک مقام پر کشاف کی مندرجہ ذیل عبارت من وعن نقل کی گئی ہے لیکن یہاں حوالہ مذکور نہیں ہے۔

"(ان) من ابغضك من قومك لمخالفتك فهم (هو الابتر) لا انت لان كل من يولد الى يوم القيامة من المومنين فهم اولادك واعقابك وذكرك مرفوع على المنابر والمنار وعلى لسان كل عالم وذاكر الى آخر الدهر يبدأ بذكر الله ويثنى بذكرك ولك فى الآخرة ما لا يدخل تحت الوصف فمثلك لا يقال له الابتر وانما الابتر هو شانئك المنسى فى الدنيا والآخرة[3]"

---

[1] حاشیہ جرجانی ۱: ۱۴۴۔ [2] کشاف ۱: ۱۴۶ - ۱۴۸۔ [3] کشاف ۴: ۲۹۱۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لفظ "کوثر" کی تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت کے بیان اور سورہ کوثر کی معنوی خوبیوں کے ضمن میں میرزا جان نے قصیدہ بردہ کے اشعار بھی نقل کیے ہیں۔ رسالہ کا خاتمہ بھی اس قصیدہ کے دو شعروں پر ہے خاتمہ کی پوری عبارت اس طرح ہے:

"ھذا اخیر ما قصدنا ایرادہ فی ھذا المقام لعلہ یکون لنا قحا لطالبی الحق من الایام واسأل اللہ ان یجعلہ وسیلۃ الی شفاعۃ رسولہ والہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وسلم۔"

ان آتِ ذنبا فما عہدی بمنتقض　　من النبی ولا حبلی بمنصرم

فان لی ذمۃ منہ بتسمیتی　　محمدا وھو اوفی الخلق بالذمم

مراجع

۱۔ الاعلام۔ خیر الدین زرکلی۔ طبعہ ثالثہ۔

۲۔ دلائل الاعجاز۔ عبدالقاہر جرجانی۔ دارالمعرفہ بیروت۔ لبنان ۱۹۷۸ء۔

۳۔ تفسیر کشاف۔ جاراللہ زمخشری۔ مطبعہ مصطفی البابی الحلبی واولادہ مصر ۱۹۲۶ء۔

۴۔ حاشیہ کشاف علی بن محمد بن علی زین الدین ابوالحسن حسینی جرجانی۔ تفسیر کشاف کی مذکورہ اشاعت کے حاشیہ پر۔

۵۔ کشف الظنون۔ حاجی خلیفہ۔ دارالفکر ۱۹۸۲ء۔

۶۔ معجم المؤلفین۔ عمر رضا کحالہ۔ دار احیاء التراث العربی، بیروت۔

۷۔ نہایۃ الایجاز۔ فخر الدین رازی۔ قاہرہ ۱۳۱۷ھ۔

۸۔ ھدیۃ العارفین۔ اسماعیل پاشا بغدادی دارالفکر ۱۹۸۲ء۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جناب ظفر الاسلام اصلاحی

عہد جہانگیری کی ایک اہم تصنیف

دستور المفسرین کا ایک تعارفی مطالعہ

علم تفسیر کو جملہ علوم وفنون پر فضیلت وفوقیت حاصل ہے اسی لیے اسے اشرف العلوم کہا جاتا ہے۔ اس کے شرف وفضل کی اس سے بڑی اور کیا دلیل ہوسکتی ہے کہ اس کا تعلق اس عظیم کتاب سے ہے جو سراپا ہدایت اور سارے انسانوں کے لیے بے مثال نسخۂ کیمیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس علم میں اسلامی تاریخ کے ہر دور میں دلچسپی لی گئی اور علمی حلقوں میں قرآنی علوم کو ایک خاص مقبولیت حاصل ہوئی جو کسی دوسرے علم کے حصہ میں نہ آئی۔ ہندوستان میں مسلمانوں کا عہد حکومت بھی اس باب میں کوئی استثنا نہیں رکھتا۔ اس سے قبل اسی مجلہ میں شائع شدہ چار مقالوں میں تفسیر ومتعلقہ فنون میں اس عہد کی خدمات کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جاچکا ہے۔[1] ان مقالات میں پیش کی گئی تفصیلات سے یہ بخوبی واضح ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں قرآنی علوم کے میدان میں معاصر علماء کی کاوشیں صرف تفسیر کی قدیم کتابوں کی شروح وحواشی تک محدود نہیں تھیں بلکہ عربی وفارسی میں مختصر ومبسوط اور مکمل وجزئی تفاسیر بھی ان کی علمی یادگار ہیں۔ ان کے علاوہ نفس فنِ تفسیر ومتعلقہ علوم (تاریخ نزول قرآن، جمع وتدوین قرآن، اعراب ورسم الخط، شان نزول، ناسخ ومنسوخ، نظم قرآن واحکام قرآن) سے متعلق بھی ان کی تصانیف وتالیفات ملتی ہیں۔ زیر مطالعہ کتاب "دستور المفسرین" علم تفسیر کے بعض اہم پہلوؤں سے متعلق ایک عربی تصنیف ہے جو عہد جہانگیری (۱۶۰۵-۱۶۲۷ء) کی یادگار ہے۔

دستور المفسرین ۳۰ اوراق پر مشتمل ایک عربی رسالہ ہے جو ابھی شایع نہیں ہوسکا ہے۔ اس کا مخطوطہ مولانا آزاد لائبریری (مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) کے شعبۂ مخطوطات میں ذخیرۂ عبدالحئی میں نمبر ۱۸/۱۳ کے تحت محفوظ ہے۔[2] یہ مخطوطہ نسخ میں لکھا ہوا ہے اور متفرق مقامات پر کرم خوردہ ہے۔ اس میں

* یہ مضمون خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری (پٹنہ) کے زیر اہتمام "قرآنیات کے اہم مخطوطات" کے موضوع پر ۲۰-۲۲ فروری [illegible] کو منعقدہ سیمینار میں پیش کیا گیا تھا۔ یہاں اسے بعد ترمیم واضافہ شائع کیا جارہا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتابت کی متعدد غلطیاں پائی جاتی ہیں حتی کہ بعض جگہوں پر آیات کے نقل میں بھی صحت کا اہتمام نہیں کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اس میں مختلف اوراق بے ترتیب مجلد ہو گئے ہیں[46]۔ ان سب خامیوں کے باوجود یہ نسخہ اس لحاظ سے بہت قیمتی ہے کہ اب تک کی تحقیق کے مطابق یہ دستور المفسرین کا واحد دستیاب قلمی نسخہ ہے۔ CONTRIBUTION OF INDIA TO ARABIC LITERATURE کے مصنف[47] ڈاکٹر زبید احمد نے اسے غیر دستیاب و معدوم کتابوں کے زمرہ میں شامل کیا ہے اور غلطی سے اس کا نام "دستور المصنفین" درج کیا ہے[48]۔ مولانا آزاد لائبریری کا یہ نسخہ اس اعتبار سے بھی اہم ہے کہ یہ مصنف کے ذاتی نسخہ سے نقل کیا گیا ہے اور اس کے سنِ کتابت (۱۰۷۰ھ) اور سنِ تصنیف (۱۰۶۴ھ[49]) میں صرف ۶ سال کا فرق پایا جاتا ہے۔ اس طرح اس نسخہ کو مصنف کے عہد سے قریب ترین قرار دیا جاسکتا ہے۔

پیشِ نظر کتاب کے مصنف عماد الدین محمد عارف عبد النبی بن سراج الدین شیخ عبد اللہ الصوفی ہیں جو عام طور پر شیخ عبد النبی شطاری کے نام سے معروف ہیں۔ خود اس کتاب کے ابتدائی حصہ میں یہ صراحت ملتی ہے کہ وہ نسباً عثمانی، صوفی مشرب کے اعتبار سے شطاری اور فقہی مسلک کے لحاظ سے حنفی ہیں[50]۔ ان کا آبائی وطن سندیلہ تھا، ان کے والد شیخ عبد اللہ بن شیخ بہلول شطاری ۹۹۰ھ/۱۵۸۲ء میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ آگرہ منتقل ہوئے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کی اسی لیے شیخ عبد النبی کے نام کے ساتھ "السندیلوی ثم الاکبرآبادی" لکھا جاتا ہے[51]۔ علوم و فنون کے میدان میں وہ اپنے والد سے فیضیاب ہوئے اور تصوف کی دنیا میں بھی انہی سے تربیت حاصل کی۔ انھوں نے اپنی ایک دوسری کتاب فواتح الانوار (شرح لوائح الاسرار ملا جامی) میں اپنے والد کے ذکر میں "ابونا" (ہمارے والد) کے ساتھ "شیخنا و مرشدنا" کے القاب بھی استعمال کیے ہیں[52]۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ بعض تذکرہ نگاروں اور مصنفین نے دونوں میں باپ و بیٹے کے رشتہ کے ذکر کے بجائے صرف مرشد و مرید یا استاد و شاگرد کے تعلق کو ظاہر کیا ہے[53]۔ شیخ عبد النبی کے بارے میں معاصر مآخذ سے تفصیلات نہیں ملتیں۔ بعد کے تذکرہ نگاروں نے کچھ معلومات فراہم کی ہیں اور ان کی تصانیف و تالیفات پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ ان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ مختلف علوم و فنون بالخصوص تفسیر، حدیث، فقہ و تصوف میں دلچسپی رکھتے تھے۔ شرح و حواشی اور مختصر رسائل سمیت تقریباً چالیس کتابیں ان سے منسوب ہیں۔ ان میں بیشتر کتابیں تصوف کے مباحث سے تعلق رکھتی ہیں[54]۔ علم

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن سے متعلق ان کی خاص تصنیف "دستور المفسرین" ہے۔ آیات متشابہات کے موضوع پر بھی وہ ایک رسالہ لکھنا چاہتے تھے جیسا کہ خود انھوں نے مذکورہ کتاب کے آخر میں ذکر کیا ہے [۱۲] لیکن غالباً عمر نے وفانہ کی اور وہ اس ارادہ کو پایۂ تکمیل تک نہ پہونچا سکے۔ حدیث سے متعلق کچھ مختصر رسائل (شرح حدیث "الصلوٰۃ معراج المومنین"، شرح حدیث "کنت کنزاً مخفیاً" شرح حدیث "خیر الاسماء عبداللہ وعبدالرحمٰن") کے علاوہ مشکوٰۃ المصابیح کی شرح (ذریعۃ النجاۃ فی شرح المشکوٰۃ) بھی ان کی ایک اہم علمی یادگار ہے [۱۳]۔ یہاں یہ وضاحت اہمیت سے خالی نہ ہوگی کہ شیخ عبدالنبی کی کتابوں کی فہرست ان کی ایک تالیف "فواتح الانوار شرح لوائح الاسرار" کے قلمی نسخہ پر ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ملتی ہے۔

جیسا کہ سید عبدالحیٔ فرنگی محلی (مصنف طرب الاماثل بتراجم الافاضل) نے ذکر کیا ہے [۱۴] ان سب کے باوجود صاحب دستور المفسرین کی تاریخ وفات کی کوئی قطعی شہادت نہیں مل سکی ہے۔ پروفیسر محمد سالم قدوائی نے اپنی کتاب "ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں" میں اور ڈاکٹر محمد اسحاق نے "علم حدیث میں برعظیم پاک وہند کا حصہ" میں شیخ عبدالنبی کے تذکرہ میں ان کی تاریخ وفات پہلے بالترتیب ۱۰۲۰ھ و ۱۰۳۰ھ درج کی ہے لیکن بعد میں پھر ان کے یہاں اس حقیقت کا اعتراف ملتا ہے کہ ان کی صحیح تاریخ وفات معلوم نہ ہو سکی [۱۵]۔ بہر حال یہ طے شدہ ہے کہ وہ ۱۰۲۱ھ (۱۶۱۲ء) میں باحیات تھے اس لیے کہ یہی دستور المفسرین کا سن تصنیف ہے [۱۶]۔ اس لحاظ سے وہ مغل بادشاہ اکبر و جہانگیر دونوں کے معاصر قرار دیے جا سکتے ہیں۔

معاصر بادشاہوں سے شیخ عبدالنبی کے کسی تعلق یا راہ و رسم کا ذکر نہیں ملتا لیکن عبدالرحیم خانِ خاناں (م ۱۶۲۷ء) اور ان کے مابین کچھ تعلقات کا ثبوت اس بات سے فراہم ہوتا ہے کہ انھوں نے دستور المفسرین کو انھیں کے نام معنون کیا ہے اور اس کی ابتدا میں حمد و صلوٰۃ کے بعد ایک ورق سے زیادہ خانخاناں کی تعریف و توصیف کے لیے وقف کیا ہے اور ان کے لیے "والی اقالیم الفضل والکرم، مالک دیوان الممالک شرقاً وغرباً، معز العلماء والفضلاء، وحید العصر، فرید الزماں، صاحب السیف والقلم، معدن الجود ومنبع الکرم، جامع العلم والعرفان" جیسے القاب استعمال کیے ہیں [۱۷]۔ یہاں یہ وضاحت برمحل معلوم ہوتی ہے کہ عبدالرحیم خانخاناں عہد اکبری کے عمائد میں اپنی امتیازی حیثیت، دربار شاہی میں سیاسی اثر و رسوخ کے علاوہ علوم و فنون میں گہری دلچسپی اور اہل علم کی قدردانی و حوصلہ افزائی کے لیے بھی معروف تھے جیسا کہ شیخ عبدالنبی کے تاثرات سے بھی ظاہر ہوتا ہے [۱۸]۔ دستور المفسرین

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے علاوہ سورۃ الکوثر کی ایک تفسیر (مصنفہ ابوالعصمت محمد معصوم سمرقندی) کے بھی اس مربی علم کے نام معنون کیے جانے کا ذکر ملتا ہے[۹۱]۔

زیر مطالعہ کتاب (دستور المفسرین) کے نام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں اصول تفسیر کے مختلف مسائل زیر بحث آئے ہوں گے لیکن یہ اول تا آخر قرآن کریم میں ناسخ و منسوخ کے مباحث سے تعلق رکھتی ہے۔ غالباً اسی وجہ سے بعض تذکرہ نگاروں نے اس کا نام "رسالہ ناسخ و منسوخ مسمّٰی بدستور المفسرین" تحریر کیا ہے[۹۲]۔ اس میں شبہ نہیں کہ علم تفسیر میں نسخ کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے اور ایک مفسر کے لیے اس سے گہری واقفیت ضروری تصور کی جاتی ہے۔ اسی طرح یہ بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ قرآن و حدیث دونوں میں نسخ واقع ہوا ہے اور ان بنیادی مآخذ سے مسائل کے استنباط کے لیے اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر گہری نظر درکار ہوتی ہے لیکن علم ناسخ و منسوخ کی اس اہمیت کے باوجود اس سے متعلق مباحث کی بنیاد پر پوری کتاب کو "دستور المفسرین" کے نام سے موسوم کرنا کچھ بہت زیادہ موزوں نہیں معلوم ہوتا، اس سے بہرحال یہ واضح ہوتا ہے کہ شیخ عبدالنبی تفسیر سے متعلق علوم میں علم نسخ کو غیر معمولی اہمیت دیتے تھے۔

فن تفسیر یا قرآنی علوم کے ضمن میں ناسخ و منسوخ کے مسائل پر مختلف کتابوں میں جو اظہار خیال کیا گیا ہے ان سے قطع نظر اس موضوع پر متعدد مستقل تصانیف بھی ملتی ہیں۔ ان میں یہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں: کتاب الناسخ والمنسوخ فی کتاب اللہ تعالیٰ (قتادہ بن دعامہ السدوسی م ۱۱۸ھ) الناسخ والمنسوخ فی القرآن الکریم (ابوعبید القاسم بن سلام م ۲۲۴ھ) الناسخ والمنسوخ فی القرآن الکریم (محمد بن حزم الاندلسی م ۳۲۰ھ)، الناسخ والمنسوخ (ابوجعفر احمد بن محمد نحاس م ۳۳۸ھ)، الناسخ والمنسوخ فی القرآن (ہبۃ اللہ بن سلامہ بغدادی م ۴۱۰ھ)، الایضاح لناسخ القرآن ومنسوخہ (ابومحمد مکی بن ابی طالب م ۴۳۷ھ)، الناسخ والمنسوخ فی القرآن (قاضی ابوبکر بن العربی م ۵۴۳ھ)، نواسخ القرآن (ابوالفرج عبدالرحمٰن بن الجوزی م ۵۹۷ھ) الایجاز فی معرفۃ ما فی القرآن من منسوخ وناسخ (ابوعبداللہ محمد بن برکات السعدی) عہد وسطیٰ کے ہندوستانی علماء نے بھی قرآنی علوم سے متعلق مباحث میں نسخ کے مسئلہ پر اظہار خیال کیا ہے لیکن شیخ عبدالنبی سے پہلے کسی ایسے ہندوستانی عالم کا سراغ نہیں مل پایا ہے جس نے اس موضوع پر کوئی مستقل کتاب لکھی ہو۔ بعد کے دور میں نواب صدیق حسن خاں نے فارسی میں اور سخاوت علی جونپوری نے اردو میں اس موضوع پر کتابیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تصنیف کیں جو بالترتیب افادۃ الشیوخ بمقدار الناسخ والمنسوخ اور الناسخ والمنسوخ کے نام سے معروف ہوئیں۔ اس موضوع میں اہل علم کی دلچسپی کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ بعض نے اس کے مباحث کو اشعار کے قالب میں پیش کیا جیسا کہ سبیل الرسوخ فی علم الناسخ والمنسوخ کے نام سے عبدالکریم اڈنی کی ایک عربی منظوم تالیف بھی ملتی ہے۔[41] اسی موضوع پر ممتاز مفسر و ماہر قرآنیات مولانا حمید الدین فراہی (م ۱۹۳۰ء) کا ایک مختصر غیر مطبوعہ عربی رسالہ۔ الرسوخ فی الناسخ و المنسوخ۔ بھی دستیاب ہے۔[42]

جہاں تک دستور المفسرین کے مآخذ کا تعلق ہے مصنف نے اس کے مقدمہ میں خود یہ صراحت کی ہے کہ انہوں نے قدماء و متاخرین کی متعدد کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔ کتاب کے متن میں خاص طور سے ابوجعفر النحاس، مکی بن ابی طالب، ابن حبیب نیشاپوری، ابومسلم اصفہانی، ابن الحصار، قاضی ابن العربی، ابن الحاجب، ابن عطیہ اور جلال الدین السیوطی کے اقوال نقل کیے گئے ہیں۔ ان سب میں سب سے زیادہ ابن العربی اور السیوطی کا حوالہ ملتا ہے۔ بعض مقامات پر سیوطی کی کتاب (الاتقان فی علوم القرآن) سے عبارت بغیر اس کے حوالہ کے نقل کی گئی ہے جیسا کہ ورق ۹ اور ۱۰ پر دیکھا جا سکتا ہے۔[43] امام سیوطی کی کتاب سے کثرت استفادہ کے باوجود شیخ عبدالنبی نے ان سے بعض مسائل میں اختلاف بھی کیا ہے جیسا کہ آنے والی تفصیلات سے واضح ہوگا۔

دستور المفسرین میں بحث کا آغاز کرتے ہوئے شیخ عبدالنبی نے حمد و صلوٰۃ کے بعد سب سے پہلے علم تفسیر کی فضیلت اور اس باب میں علم ناسخ و منسوخ کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے۔ علم تفسیر کو مفخر العلوم اور کنز الشرائع قرار دیتے ہوئے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ تفسیر یا قرآن کریم کے معنی و مفہوم کی تعیین میں علم ناسخ و منسوخ کو کس قدر اہمیت حاصل ہے۔ مزید برآں بعض روایات کی روشنی میں انھوں نے اس پر خاص زور دیا ہے کہ اس علم میں مہارت کے بغیر قرآن کریم کی تفسیر بیان کرنا اور مختلف مسائل و معاملات کی وضاحت کرتے ہوئے آیات سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس ضمن میں مصنف نے خاص طور سے اس روایت کو پیش کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے کوفہ کی مسجد میں ایک شخص کو اپنے وعظ میں قرآن کا معنی و مطلب بیان کرتے ہوئے دیکھا تو اس سے دریافت کیا کہ کیا وہ ناسخ و منسوخ سے واقف ہے اس کا جواب نفی میں پاکر حضرت علیؓ نے اس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر ان الفاظ میں نکیر ظاہر کی کہ تم خود بھی ہلاک ہوئے اور دوسروں کو بھی ہلاک کیا [۲۴]
شیخ عبد النبی نے اس ضمن میں دو روایتیں نقل کی ہیں ایک کے مطابق یہ واقعہ
ابو یحییٰ عبد الرحمٰن کے ساتھ پیش آیا جب کہ دوسری میں واعظ کی حیثیت سے
کعب الاحبار کا نام ملتا ہے [۲۵] اسی ضمن میں مصنف نے حضرت حذیفہ بن الیمان کا یہ
قول بھی نقل کیا ہے کہ کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ وعظ و نصیحت کہے اور قرآن کی تفسیر
بیان کرے الا آنکہ وہ ناسخ و منسوخ کا عالم ہو تاکہ وہ حلال و حرام میں تمیز کر سکے اور
واجب و جائز کا فرق بیان کر سکے [۲۶]

مباحث کے اعتبار سے دستور المفسرین کو موٹے طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا
جا سکتا ہے۔ پہلے حصے میں مسئلہ نسخ اور ناسخ و منسوخ آیات کے بارے میں اختلاف آراء
کا جائزہ لیا گیا ہے اور مختلف حیثیتوں سے ناسخ و منسوخ آیات کی اقسام اور متعلقہ
مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ دوسرے حصہ میں قرآن کریم کی تمام سورتوں کو
ان کی ترتیب کے اعتبار سے فرداً فرداً ذکر کر کے ناسخ و منسوخ کے پائے جانے یا نہ
پائے جانے کی حیثیت سے ان پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ ان تمام مسائل سے متعلق
دستور المفسرین کے مباحث کا خاص پہلو یہ ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں اختلاف رائے پایا جاتا
ہے تو مصنف نے اس کی صراحت کی ہے اور اپنے موقف کے موافق و مخالف دونوں کے اقوال
ان کے دلائل کے ساتھ پیش کیے ہیں اور آخر میں اپنی جوابی دلیل سے اسے مزید واضح
کیا ہے ان کے مباحث کا دوسرا اہم پہلو یہ ہے کہ اپنے نقطہ نظر کی تائید میں انھوں
نے نقلی و عقلی دونوں طرز استدلال اختیار کیے ہیں۔ اختلافی مسائل میں فقہا کی رایوں
کا ذکر کرتے ہوئے شیخ عبد النبی نے خاص طور سے حنفی و شافعی مسلک کی وضاحت
کی ہے۔ فقہ حنفی تو ان کا مسلک تھا اور شافعی علماء کی رایوں کو جگہ جگہ ظاہر کرنے کی وجہ غالباً
یہ ہے کہ ان کے مباحث زیادہ تر سیوطی کی کتاب الاتقان فی علوم القرآن سے مستفاد ہیں مزید
برآں اس کتاب میں بعض مقامات پر معتزلہ و اشاعرہ کی آراء بھی بیان کی گئی ہیں مصنف نے اپنے
مباحث کے اہم نکات بالخصوص اپنی آراء و دلائل "تنبیہ" کی ذیلی سرخی کے تحت پیش کیے ہیں اور
دلچسپ بات یہ ہے کہ یہی انداز امام سیوطی کے یہاں بھی ملتا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نسخ فی القرآن کے مسئلہ پر اپنی بحث کا آغاز کرتے ہوئے مصنف نے پہلے نسخ کی لغوی و اصطلاحی تشریح کی ہے اور یہ رائے ظاہر ہے کہ قرآن مجید میں نسخ کے جواز اور اس کے وقوع پر امت کا اجماع ہے[۲۵] اس ضمن میں انھوں نے قرآنی احکام کی نسخ کی متعدد مثالیں پیش کی ہیں اور قدماء کے اقوال سے استشہاد کیا ہے[۲۶] یہاں یہ وضاحت بے موقع نہ ہوگی کہ معتزلہ علماء بالخصوص ابو مسلم اصفہانی نسخ کو ایک عیب تصور کرتے ہوئے قرآن کریم میں اس کے وقوع کو محال قرار دیتے ہیں[۲۷] جہاں تک نسخ کا مفہوم، اس کی نوعیت اور قرآن کریم میں اس کے محل وقوع کا تعلق ہے اس باب میں علماء متقدمین و متاخرین میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ متقدمین اس لفظ کو بہت وسیع مفہوم میں استعمال کرتے تھے یہاں تک کہ کسی عام حکم کی تخصیص اور مطلق کی تقیید کی صورتیں بھی ان کے ہاں نسخ کے دائرہ میں شامل تھیں اسی لیے وہ کثیر تعداد میں آیتوں کو منسوخ شمار کرتے تھے یہاں تک بعض کے نزدیک اس نوع کی آیات کی تعداد پانچ سو تک پہنچ گئی ہے۔ متاخرین کے نزدیک نسخ کا اطلاق صرف اسی صورت میں ہوتا ہے جب کوئی سابق حکم بالکلیہ اٹھالیا جائے اور اس کی جگہ کوئی نیا حکم نازل ہو، جیسا کہ خود اس آیت سے یہی مفہوم مترشح ہوتا ہے:

مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰيَةٍ اَوۡ نُنۡسِهَا نَاۡتِ	ہم اپنی جس آیت کو منسوخ کر دیتے ہیں یا
بِخَيۡرٍ مِّنۡهَاۤ اَوۡ مِثۡلِهَا	بھلا دیتے ہیں اس کی جگہ اس سے بہتر
(البقرہ : ۱۰۶)	لاتے ہیں یا کم از کم ویسی ہی۔

اسی مفہوم کے پیش نظر متاخرین کے نزدیک چند ہی آیتیں منسوخ کے زمرہ میں شامل ہیں علامہ سیوطی نے آیات منسوخہ کی تعداد ۲۰ اور امام زرکشی نے ۳۱ بتائی ہے۔ شاہ ولی اللہ صرف پانچ آیتوں کے نسخ کے قائل ہیں[۲۸] یہی رائے زیادہ متوازن ہے اور بعد کے دور کے علماء میں اسی کو مقبولیت حاصل ہوئی، دستور المفسرین کے مصنف متقدمین کے موقف سے متاثر نظر آتے ہیں جیسا کہ آنے والی تفصیلات سے واضح ہوگا۔ بعض جدید اسکالرس نے شیخ عبدالنبی سے یہ رائے منسوب کی ہے کہ ان کے نزدیک منسوخ آیات کی تعداد ۱۱۳ ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے دراصل انھوں نے ایک جگہ بعض علماء کا یہ قول نقل کیا ہے کہ صرف آیت سیف نے ۱۱۴ آیتوں کو منسوخ کیا اسی سے شیخ عبدالنبی کی بابت یہ اشتباہ پیدا ہوا کہ ان کی بھی یہی رائے ہے[۲۹]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نسخ کی مختلف اقسام کی وضاحت کرتے ہوئے شیخ عبدالنبی نے سب سے پہلے اس مسئلہ کی وضاحت کی ہے کہ نسخ کن چیزوں (یا کس طرح کی آیتوں) میں واقع ہوا ہے اس ضمن میں انھوں نے تین اقوال نقل کیے ہیں: (الف) صرف امر و نہی میں۔ (ب) امر و نہی کے علاوہ ان اخبار میں بھی جو امر و نہی کے معنی میں ہیں۔ (ج) امر و نہی اور مطلق اخبار میں مصنف نے پہلا قول مجاہد بن جبیر، سعید بن جبیر، اور عکرمہ بن عمار سے منسوب کیا ہے اور خود انھوں نے دوسرے قول کو راجح قرار دیا ہے اور ان لوگوں پر سخت تنقید کی ہے جنہوں نے خبر، اور وعدہ و وعید ظاہر کرنے والی متعدد آیات کو منسوخ کے زمرہ میں شامل کرلیا ہے۔ یہاں انھوں نے اشاعرہ و معتزلہ کا موقف بھی واضح کیا ہے اول الذکر خبر والی آیات میں بھی نسخ کے جواز کے قایل ہیں جب کہ موخر الذکر اس کو جائز نہیں سمجھتے۔[۳۲] علامہ زرکشی کے بیان کے مطابق جمہور علما صرف امر و نہی میں نسخ کے قایل ہیں[۳۳]

نسخ کے اقسام کی وضاحت میں شیخ عبدالنبی نے نہایت شرح و بسط سے کام لیا ہے اور مختلف پہلوؤں سے اس کی قسمیں بیان کی ہیں۔ حکم منسوخ کی نوعیت کے اعتبار سے اس کی تین قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو بجا آوری سے قبل منسوخ کر دیا گیا (مثلاً آیت نجویٰ)، دوسرے وہ جو نبی آخر الزماں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل دوسری شریعتوں میں معمول بہ تھا (بیت المقدس سے خانہ کعبہ کی جانب تحویل قبلہ یا عاشورہ کے بجائے رمضان کے روزے فرض ہونا)۔ تیسرے وہ حکم جو کسی سبب سے عاید کیا گیا تھا اور اس کے زائل ہونے کی صورت میں اس حکم کو منسوخ کر دیا گیا (مثال کے طور پر جب مسلمانوں کی کمزوری اور تعداد کی کمی کا عذر جاتا رہا تو صبر و عفو کے بجائے قتال کا حکم دیا گیا) امام سیوطی سے اتفاق کرتے ہوئے شیخ عبدالنبی تیسری قسم کے نسخ کو تسلیم نہیں کرتے اور اسے انشاء کے قبیل سے شمار کرتے ہیں۔[۳۴] نسخ کی دوسری تقسیم ناسخ کی نوعیت کے اعتبار سے قایم کی گئی ہے اول وہ جس میں ناسخ نے کسی فرض کو اس طور پر منسوخ کیا کہ حکم اول پر عمل ناجائز قرار پایا (جیسے زانی کو قید کرنے کی سزا اس پر حد جاری ہونے کے حکم سے منسوخ ہوئی) دوسرے وہ جس میں ناسخ نے کسی امر مستحب کو منسوخ کیا (فرضیت جہاد کی آیت) چوتھے وہ جس میں امر مندوب سے کوئی فرض منسوخ ہوا (قیام لیل (نماز تہجد) کا قراءت کے حکم سے منسوخ ہونا)[۳۵]

شیخ عبدالنبی نے نسخ کی تیسری قسم آیات منسوخہ کی نوعیت کے اعتبار سے بیان کی ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اس ضمن میں آیاتِ منسوخہ کی تین تقسیم قایم کی گئی ہے اول وہ جن کی تلاوت اور ان میں بیان کیا گیا حکم دونوں منسوخ ہوئے (منسوخ التلاوۃ والحکم)، دوم وہ جن میں بیان کیا گیا حکم منسوخ ہو گیا لیکن ان کی تلاوت باقی ہے (منسوخ الحکم دون التلاوۃ)، سوم وہ جن کا حکم باقی رکھا گیا لیکن تلاوت منسوخ ہو گئی (منسوخ التلاوۃ دون الحکم)۔ مصنف کی رائے میں قرآن میں ۶۳ سورتیں ایسی ہیں جن میں دوسری قسم کے نسخ کی آیات پائی جاتی ہیں[۳۳]۔ ابن سلامہ اور امام زرکشی کا بھی یہی موقف ہے[۳۴]۔ علامہ سیوطی نے نسخ کی اس معروف قسم پر تفصیل سے بحث کی ہے اور اس قسم کی آیتوں کے بارے میں واضح طور پر لکھا ہے کہ یہ بہت کم ہیں (قلیلٌ جدًا) اور ۲۰، ۲۱ سے زیادہ نہیں ہو سکتیں[۳۵]۔ درحقیقت نسخ کی یہی وہ سب سے معروف قسم ہے جس پر علماء کا اتفاق پایا جاتا ہے اور جس سے متعلق فن تفسیر اور قرآنی علوم کی کتابوں میں عام طور پر بحث ملتی ہے۔ باقی اور اقسام مختلف فیہ ہیں اور علماء کی اکثریت انھیں تسلیم بھی نہیں کرتی[۳۶]۔ خود شیخ عبد النبی نے قاضی ابوبکر کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے کہ علماء کی ایک جماعت نسخ کی پہلی قسم (منسوخ التلاوۃ والحکم) کی منکر ہے۔ اس لیے کہ یہ خبرِ آحاد پر مبنی ہے اور ایسی خبر کی بنیاد پر کسی آیت کے نزول یا نسخ پر استدلال نہیں کیا جا سکتا[۳۷]۔ دلچسپ بات یہ کہ اس ضمن میں شیخ عبد النبی نے امام سیوطی کا حوالہ دے کر ان کی کتاب کی عبارت نقل کی ہے[۳۸]۔

شیخ عبد النبی نے نسخ کی ایک اور تقسیم قائم کی ہے اور وہ ناسخ و منسوخ (حکم) کے خفیف یا ثقیل (ہلکے یا بھاری) ہونے کے اعتبار سے۔ اس سلسلے میں انھوں نے چار قسمیں مع امثلہ بیان کی ہیں۔ اول یہ کہ حکم ناسخ منسوخ شدہ حکم سے زیادہ بھاری یا مشکل ہو (مثلاً وجوبِ صومِ رمضان سے روزہ و فدیہ کے مابین اختیار کا منسوخ ہونا)۔ مصنف کی تصریح کے مطابق جمہور اس قسم کے نسخ کے جواز کے قائل ہیں جب کہ بعض شافعیہ اس کو صحیح نہیں سمجھتے۔ عدم جواز کے قایلین کی خاص دلیل یہ ہے کہ یہ مصلحت کے خلاف ہے اور قرآن کریم کی اس آیت سے بھی اس کی نفی ہوتی ہے:

يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (البقرۃ: ۱۸۵)

(اللہ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے سختی کرنا نہیں چاہتا)

دوسرے یہ کہ نیا حکم منسوخ سے ہلکا ہو (مثلاً مسلمان پہلے جہاد میں مخالفین کی دس گنا تعداد

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے مقابلہ کے لیے مکلف تھے بعد میں ان کے لیے صرف دوگنی تعداد سے مقابلہ کرنا ضروری رہ گیا)۔ تیسرے یہ کہ ناسخ و منسوخ حکم ایک ہی جیسے ہوں اور نوعیت کے اعتبار سے ان میں کوئی خاص فرق نہ ہو (مثلاً بیت المقدس کے قبلہ کو منسوخ کر کے خانۂ کعبہ کو قبلہ قرار دینا) چوتھے یہ کہ منسوخ شدہ حکم کا کوئی بدل نہ مقرر کیا گیا ہو[23]۔ ان چاروں قسموں میں سے قسم اول پر شیخ عبدالنبی نے بہت تفصیل سے بحث کی ہے اور اس سے متعلق دونوں نقطہ نظر (جواز و عدم جواز) کو واضح کرتے ہوئے ان کے حاملین کے دلائل کا تجزیہ بھی پیش کیا ہے۔ چوتھی قسم کے بارے میں انھوں نے یہ صراحت کی ہے کہ جمہور اس کے جواز کے قایل ہیں جبکہ بعض علماء اسے صحیح نہیں تسلیم کرتے۔ یہاں یہ صراحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ علامہ سیوطی کے یہاں نسخ کی اس قسم کا ذکر نہیں ملتا اور نہ ہی امام زرکشی نے یہ تقسیم قائم کی ہے۔

نسخ سے متعلق ایک اہم بحث قرآن و سنت کا ایک دوسرے کا ناسخ و منسوخ بننا ہے۔ اس موضوع پر تمام کتابوں میں یہ بحث ملتی ہے۔ دستور العلماء کے مصنف نے بھی اس مسئلہ پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور قدماء کے افکار و آراء کا جائزہ لیا ہے۔ انھوں نے اس سلسلہ میں بھی چار قسمیں بیان کی ہیں: (الف) قرآن کا نسخ قرآن سے۔ اس کے جواز و وقوع پر علماء کا اتفاق ہے۔ سوائے ابومسلم اصفہانی کے جو فی نفسہٖ نسخ فی القرآن کے وقوع ہی کو عقلاً محال تصور کرتے ہیں۔ (ب) قرآن کا نسخ سنت سے۔ جمہور کے خیال میں سنت متواترہ قرآنی آیات کی ناسخ بن سکتی ہے۔ امام شافعی اس کے عدم جواز کے قایل ہیں۔ شیخ عبدالنبی نے نسخ الکتاب بالسنۃ کے قائلین و عدم قائلین دونوں کے دلائل سے بھی تعرض کیا ہے اور حنفی ہونے کی وجہ سے قائلین کے موقف کی پرزور حمایت کی ہے۔ قائلین کے استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ سنت متواترہ کا مرتبہ قرآن کے برابر ہے۔ فرق صرف وحی متلو و غیر متلو کا ہے۔ اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ فرماتے تھے یا حکم دیتے تھے وہ اللہ کی ہدایت کے مطابق ہوتا تھا۔ عدم قائلین کی دلیل کا زور اس پر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہرحال ایک انسان تھے اس لیے ایک انسان کے قول یا فرمان سے کلام الٰہی منسوخ نہیں ہو سکتا[24]۔ اس نقطۂ نظر کی بنیاد مسلمہ خود وہ آیت (مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰیَةٍ اَوۡ نُنۡسِهَا نَاۡتِ بِخَيۡرٍ مِّنۡهَاۤ اَوۡ مِثۡلِهَا۔ بقرہ: ۱۰۶) ہے جس سے نسخ ثابت ہوتا ہے اس لیے کہ اس میں فرمایا گیا ہے کہ جب کوئی آیت منسوخ کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جاتی ہے تو اس سے بہتر یا اس کے برابر دوسری آیت نازل ہوتی ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ سنت قرآن کے نہ تو مثل ہے اور نہ اس سے بہتر۔ یہاں یہ واضح رہے کہ شوافع کے علاوہ حنابلہ اور علماء اہل حدیث کے نزدیک بھی حدیث کسی آیت کی ناسخ نہیں بن سکتی[۴۴]۔ ہندوستانی علماء ومفسرین میں مولانا حمید الدین فراہی کا بھی یہی موقف تھا اور انھوں نے رسالہ الرسوخ فی الناسخ والمنسوخ کے علاوہ تفسیر نظام القرآن کے مقدمہ میں بھی نسخ کے اس پہلو پر تفصیل سے بحث کی ہے[۴۵]۔

(ج) سنت کا نسخ سنت سے۔ جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ خبر متواتر خبر متواتر کو منسوخ کر سکتی ہے اور خبر واحد خبر واحد کی ناسخ بن سکتی ہے۔

(د) سنت کا نسخ قرآن سے۔ اس پر سب کا اتفاق ہے، اشاعرہ ومعتزلہ بھی اس کے قایل ہیں۔ نسخ کی دوسری اقسام کی طرح ان قسموں کی بحث کے ضمن میں بھی مصنف نے ہر قسم کو مثالوں سے واضح کیا ہے۔

دستور المفسرین کے مباحث کا دوسرا اہم حصہ قرآن کریم کی مختلف سورتوں میں ناسخ ومنسوخ آیات کی تفصیلات سے تعلق رکھتا ہے۔ ناسخ ومنسوخ کے وقوع وعدم وقوع کے اعتبار سے مصنف نے قرآن کریم کی سورتوں کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ان کی تحقیق کے مطابق ۴۳ سورتیں ایسی ہیں جن میں کوئی ناسخ ومنسوخ نہیں پایا جاتا۔ ۲۵ سورتیں ایسی ہیں جن میں ناسخ ومنسوخ دونوں موجود ہیں۔ ۶ سورتوں میں صرف ناسخ آیات ملتی ہیں جب کہ ۴۰ سورتوں میں صرف منسوخ آیات ہی موجود ہیں۔ ان چار قسموں سے متعلق سورتوں کی تعداد کے باب میں مصنف نے علماء کے اختلاف کا ذکر بھی کیا ہے۔ مثلاً بعض کے نزدیک قسم اول میں ۴۲ سورتیں شامل ہیں اور بعض کے خیال میں (۲۵ کے بجائے) ۳۱ سورتوں میں ناسخ ومنسوخ دونوں قسم کی آیات پائی جاتی ہیں[۴۶]۔ موخر الذکر خیال امام زرکشی نے پیش کیا ہے[۴۷]۔ مصنف نے مذکورہ تقسیم کے تحت سورتوں کی جو تعداد لکھی ہے وہ ابن سلامہ بغدادی اور علامہ سیوطی کے بیان کے مطابق ہے[۴۸]۔

دستور المفسرین کے آخر میں مصنف نے قرآن کریم کی تمام سورتوں کا (ایک ایک کر کے) اس اعتبار سے جائزہ پیش کیا ہے کہ ان میں ناسخ ومنسوخ موجود ہے کہ نہیں اور اگر ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو کتنی آیتوں میں۔ یہ بحث کافی طویل ہے اور تقریباً ۵۰ اوراق میں پھیلی ہوئی ہے۔ اس کے تحت ہر سورہ کو ذکر کرتے وقت پہلے انھوں نے اس کے مکّی یا مدنی ہونے کی نشاندہی کی ہے اور اس کی آیات، کلمات اور حروف کی تعداد کی تعیین بھی کی ہے۔ جن سورتوں میں منسوخ آیت یا آیتیں پائی جاتی ہیں انھیں وہ ذکر کرتے ہیں اور ان کے وجوہِ نسخ سے بھی بحث کرتے ہیں۔ اگر کسی آیت کے نسخ کے سلسلہ میں علماء کے مابین اختلاف رائے ہے تو اسے بھی واضح کرتے ہیں۔ سورۃ الفاتحہ کے باب میں دستور المفسرین میں یہ تفصیلات ملتی ہیں:

یہ سورہ ام الکتاب ہے یہ مکمل طور پر محکم ہے۔ اس میں کوئی ناسخ و منسوخ نہیں ہے اس میں ۷ آیات اور ۲۵ کلمات ہیں۔ اس کے مقام نزول کے بارے میں مختلف رائیں ہیں۔ جمہور کی رائے میں یہ مکی ہے بلکہ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ سب سے پہلے نازل ہونے والی سورہ ہے اور مجاہد سے یہ قول مشہور ہے کہ یہ مدنی ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ اپنی عظمت و فضیلت کی وجہ سے یہ سورہ دو بار نازل ہوئی ایک بار مکہ میں اور ایک بار مدینہ میں۔ اس کے مقام نزول کے باب میں چوتھا قول یہ ہے کہ اس کا نصف حصہ مکہ میں اور نصف مدینہ میں نازل ہوا جیسا کہ امام ابو اللیث سمرقندی نے روایت کی ہے۔ اسی کے ساتھ منسوخ آیات والی ایک سورہ کا بیان بھی ملاحظہ ہو۔ سورہ محمد کے ضمن میں وہ لکھتے ہیں: "یہ سورہ مدنی ہے۔ نسفی نے اس کے بارے میں یہ نادر قول نقل کیا ہے کہ یہ مکی ہے۔ اس سورہ کو سورۃ القتال بھی کہا جاتا ہے۔ اس میں ۳۸ آیات اور ۵۳۷ کلمات ہیں۔ اس کے حروف کی تعداد ایک ہزار تین سو انچاس ہے۔ اس میں دو منسوخ آیتیں پائی جاتی ہیں۔ (اول) فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا (محمد: ۴) اس کی ناسخ یہ آیت ہے: إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ (الانفال: ۱۲) نیشاپوری میں اصحاب الرائے کا یہ قول منقول ہے کہ یہ آیت بھی منسوخ ہے۔ اس لیے کہ مشرکین و کفار کے ساتھ احسان یا فدیہ کا معاملہ صرف یوم بدر میں روا رکھا گیا تھا۔ اس کی ناسخ یہ آیت ہے: فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ (التوبۃ: ۵) (تو مشرکین کو قتل کرو جہاں پاؤ)۔ مجاہد سے منقول ہے کہ (مشرکین و کفار کے ساتھ) اب مَنّ و فداء نہیں یا تو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قبول اسلام ہے یا گردن زدنی۔ اس سورہ میں دوسری منسوخ آیت ہے: وَلَا يَسْأَلْكُمْ أَمْوَالَكُمْ (نمبر ۳۶) (اور وہ تمہارے مال تم سے نہ مانگے گا) اور اس کی ناسخ اسی کے بعد کی آیت ہے: إِن يَسْأَلْكُمُوهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوا وَيُخْرِجْ أَضْغَانَكُمْ (نمبر ۳۷) (اور اگر وہ تمہارے مال تم سے مانگ لے اور سب کے سب تم سے طلب کرے تو تم بخل کرو گے اور وہ تمہارے کھوٹ اکھاڑ لائے گا) بعض رسائل میں یہ مذکور ہے کہ اس سورہ میں کوئی ناسخ و منسوخ نہیں ہے[۲۴]"

یہاں یہ وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ سورہ محمد کی مذکورہ دونوں آیتوں کے نسخ کے باب میں شیخ عبدالنبی نے ابن سلامہ و ابن جوزی اور دوسری علماء سے اختلاف کیا ہے۔ شیخ عبدالنبی کے بقول سورہ محمد کی پہلی آیت منسوخہ (فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً) سورۃ الانفال کی آیت نمبر ۱۲ (فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ) سے نسخ ہوئی جبکہ ابن سلامہ و ابن جوزی اور نیشاپوری کی رائے میں اس کی ناسخ سورۃ التوبہ کی آیت نمبر ۵ (فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ) ہے[۲۵]۔ دوسری آیت (وَلَا يَسْأَلْكُمْ أَمْوَالَكُمْ) شیخ عبدالنبی کے خیال میں اسی کے بعد کی آیت (إِن يَسْأَلْكُمُوهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوا) سے منسوخ ہوئی۔ ابن سلامہ کی رائے میں اس آیت کی ناسخ یہ آیت ہے: هَا أَنتُمْ هَٰؤُلَاءِ تُدْعَوْنَ لِتُنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ (محمد: ۳۸)[۴۳]۔ (دیکھو تم لوگوں کو دعوت دی جا رہی ہے کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرو)۔ ابن جوزی کے بیان کے مطابق بعض نے اس آیت کا ناسخ آیت زکوٰۃ کو قرار دیا ہے لیکن انھوں نے خود اس قول کو باطل قرار دیا ہے اور ان لوگوں پر بھی سخت تنقید کی ہے جو اس کا ناسخ اس کے بعد کی آیت کو تصور کرتے ہیں[۵۵]۔

اوپر کی تفصیلات سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوتی ہے کہ نسخ فی القرآن کے مسئلہ پر دستور المفسرین میں بڑی اہم و مفید بحثیں پیش کی گئی ہیں۔ گرچہ اس موضوع پر عربی، فارسی و اردو میں متعدد کتابیں دستیاب ہیں لیکن جس طریقہ سے دستور المفسرین میں نسخ کے مختلف پہلوؤں سے تفصیلی بحث کی گئی ہے اور ہر پہلو سے متعلق علماء و مفسرین کی رائیں اور اختلافی مسائل میں ان کے نقطہائے نظر مع دلائل پیش کیے گئے ہیں وہ کم ہی کتابوں میں ملتے ہیں۔ اسی کے ساتھ قرآن کریم کے بارے میں جو قیمتی ذیلی معلومات اس میں فراہم کی گئیں ہیں ان کی وجہ سے اس کتاب کی افادیت اور بڑھ گئی ہے۔ اس اہمیت و افادیت کے پیش نظر دستور المفسرین اپنی تدوین و اشاعت کے لیے بجا طور پر اہل علم و اصحاب خیر کی توجہ کی طالب ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ یقیناً علم قرآن کی ایک قابلِ قدر خدمت ہوگی۔

(ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین (التوبہ: ۱۲۰)۔ (یقیناً اللہ کے یہاں محسنوں کا حق الخدمت مارا نہیں جاتا)

حواشی ومراجع

۱ ملاحظہ کریں: ششماہی علوم القرآن، ۱/۱، جولائی۔ دسمبر ۱۹۸۵ء؛ ۱/۲، جنوری۔ جون ۱۹۸۶ء؛ ۱/۲، جولائی۔ دسمبر ۱۹۸۶ء؛ ۱/۱، جنوری۔ جون ۱۹۸۷ء۔

۲ فہرست نگار (CATALOGUER) کی غلطی کی وجہ سے یہ مخطوطہ فن تفسیر کے بجائے تجوید کے تحت درج ہے۔

۳ مثال کے طور پر ورق ۴۲ اصلاً ۴۱ ہے اور جس پر ۴۱ لکھا ہوا ہے وہ اصل میں ۴۲ ہے۔ اسی طرح ورق ۵۰ ورق ۲، (ماقبل آخری ورق) ہے۔

۴ ZUBAID AHMAD, THE CONTRIBUTION OF INDIA TO ARABIC LITERATURE, DIKSHIT PRESS ALLAHABAD 1945, p.288.

۵ اس مخطوطہ کے آخر میں سنِ تصنیف اور پھر موجودہ نسخہ کی کتابت کا سن بھی درج ہے۔ ملاحظہ فرمائیں ورق ۳۰ الف

۶ شطاری سلسلہ کے تعارف کے لیے ملاحظہ فرمائیں

S. A. A. RIZWI, A HISTORY OF SUFISM IN INDIA, NEW DELHI 1983, CHAPTER III THE SHATTARIYYA SILSILA pp. 151-173. K. A. NIZAMI, SHATTARI SAINTS AND THEIR ATTITUDE TOWARD THE STATE, MEDIEVAL INDIA QUARTERLY VOL. 1 PT 2 (1950) pp. 56-70 AND J. SPANCER, TRIMINGHAM SUFI-ORDER IN ISLAM OXFORD 1971, pp. 97-98

۷ دستور المفسرین، مخطوطہ ذخیرہ فرنگی محلی (مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) ۱۸/۲۱، ورق ۲ ب

۸ شیخ عبدالنبی کے مختصر حالات کے لیے دیکھیے، محمد غوثی شطاری، گلزار ابرار (اردو ترجمہ) اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور ۱۳۹۵ھ، ص ۵۴۲۔ محمد عبدالحی بن عبدالحلیم الانصاری اللکنوی، طرب الاماثل بتراجم الافاضل، مطبع یوسفی، لکھنؤ ۱۳۲۰ھ، ص ۲۲۷۔ ۲۲۸؛ رحمان علی خان، تذکرہ علماء ہند، نول کشور، لکھنؤ ۱۹۱۴ء، ص ۱۳۴۔ ۱۳۵؛ سید عبدالحی الحسنی، نزہۃ الخواطر، دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد ۱۹۵۵ء، ۵/۲۶۱۔ ۲۶۲؛ محمد سالم قدوائی، ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں، مکتبہ جامعہ، دہلی ۱۹۷۳ء، ص ۲۱۷۔ ۲۱۸؛ محمد اسحاق، علم حدیث میں برِ عظیم پاک و ہند کا حصہ، دہلی ۱۹۸۲ء، ص [illegible]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۹؎ طرب الاماثل بتراجم الافاضل، ص ۲۲۷-۲۲۸

۱۰؎ رحمان علی خاں، ص ۱۳۳، محمد اسحاق، ص ۱۶۸

۱۱؎ طرب الاماثل، ص ۲۲۷-۲۲۸، تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۳۵، نزہۃ الخواطر، ص ۲۶۲

۱۲؎ دستور المفسرین، ورق ۳، الف

۱۳؎ محمد اسحاق، ص ۱۶۸

۱۴؎ طرب الاماثل، ۲۲۷-۲۲۸

۱۵؎ محمد سالم قدوائی، محولہ بالا، ص ۲۱۷، محمد اسحاق، ص ۱۶۸

۱۶؎ دستور المفسرین، ورق ۳، الف

۱۷؎ دستور المفسرین، اوراق ۳ب-۴ب

۱۸؎ دستور المفسرین، اوراق ۴ الف-ب۔ عبدالرحیم خان خاناں (م ۱۶۲۷ء) کی علمی دلچسپیوں اور خدمات کے لیے ملاحظہ فرمائیں، عبدالباقی نہاوندی، مآثر رحیمی، کلکتہ ۱۹۳۱ء، ۲/۱۵۳۸-۱۵۷۶، نظام الدین احمد بخشی، طبقات اکبری، کلکتہ ۱۹۳۱ء، ۲/۲۲۶-۲۲۷ اور Dr. CHHOTU BHAI RANCHHODJI NAIK, ABDUR-RAHIM KHAN AND HIS LITERARY CIRCLE, GUJARAT UNIVERSITY, AHMADABAD 196[?]pp. 228-462.

۱۹؎ دیکھیے فہرست مخطوطات فارسی، ایشیاٹک سوسائٹی، بنگال (مرتبہ ایوانز) نمبر ۹۰، ص ۱۴

۲۰؎ رحمان علی خاں، ص ۱۳۵، محمد عبدالحی، محولہ بالا، ص ۲۲

۲۱؎ اس منظوم رسالہ کے تعارف کے لیے ملاحظہ فرمائیں: محمد سالم قدوائی، محولہ بالا، ص ۲۷۴-۲۷۷

۲۲؎ مخطوط دائرہ حمیدیہ، مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر اعظم گڑھ۔ اس مخطوطہ کے تعارف کے لیے دیکھیں محمد اجمل اصلاحی، تصانیف فراہی کا غیر مطبوعہ سرمایہ، ششماہی علوم القرآن، ۵/۲ جولائی۔ دسمبر ۱۹۹۰ء ص ۹۳-۹۴

۲۳؎ موازنہ کے لیے دستور المفسرین کا ورق ۱۰، الف اور الاتقان فی علوم القرآن (مطبوعہ حجازی قاہرہ ۱۳۶۸ھ) کا ص ۲۶۲ دیکھا جاسکتا ہے۔

۲۴؎ دستور المفسرین، ورق ۳ الف

۲۵؎ ابن الجوزی کی بیان کردہ روایت کے مطابق کوفہ کی جامع مسجد میں وعظ کہنے والے (جن کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا) ابو یحییٰ تھے (نواسخ القرآن، دارالکتب بیروت ۱۹۸۵ء، ص ۳۱) ابن سلامہ کی نقل کردہ روایت میں اس کنیت کے بجائے نام "عبدالرحمن بن داب" کا ذکر ملتا ہے (الناسخ والمنسوخ، مطبوعہ ہندیہ ۱۳۱۵ھ ص ۴)۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مختلف طرق سے اس واقعہ کی روایت اور ان کے متن میں کچھ الفاظ کے اختلاف کے لیے ملاحظہ فرمائیں ابن الجوزی، محولہ بالا، ص ۱۱-۱۳۔

۲۶۔ دستور المفسرین، ورق ۳ الف

۲۷۔ دستور المفسرین، اوراق ۵ ب - ۶ الف

۲۸۔ ابو مسلم الاصفہانی، ملتقط جامع التاویل لمحکم التنزیل (مرتبہ سعید الانصاری) مطبعۃ البلاغ کلکتہ ۱۳۴۰ھ ص ۹-۱۰؛ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں۔ صبحی صالح، مباحث فی علوم القرآن، دمشق ۱۳۸۲ھ، ص ۲۶۵۔

۲۹۔ نسخ فی القرآن سے متعلق تفصیلی مباحث اور علماء کی اختلافی آراء کے مطالعہ کے لیے دیکھیے امام سیوطی، محولہ بالا، ص ۲۱-۲۶؛ محمد بن عبداللہ الزرکشی، البرہان فی علوم القرآن، القاہرہ ۱۹۵۷ء، ۲/۲۸-۴۵، شاہ ولی اللہ الدہلوی، الفوز الکبیر، جیوتی پریس، کانپور (ب۔ت) ص ۲۱-۲۵، تقی عثمانی، علوم القرآن اور اصول تفسیر، مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴۰۱ھ، ص ۱۵۹-۱۷۲، صبحی صالح، مباحث فی علوم القرآن، محولہ بالا، ص ۲۵۹-۳۰۰، ابراہیم عادل، نسخ فی القرآن کا مسئلہ، تحقیقات اسلامی، ۱۱/۳، جولائی ستمبر ۱۹۹۲ء، ص ۷۵-۱۰۷۔

۳۰۔ محمد سالم قدوائی، محولہ بالا، ص ۲۲۳۔

۳۱۔ دستور المفسرین، اوراق ۶ الف، ب

۳۲۔ البرہان فی علوم القرآن، ص ۴۳

۳۳۔ "انساء" کے معنی بھلا دینے یا ذہنوں سے فراموش کرا دینے کے ہیں۔ اصطلاحی طور پر اس کے دو معنی بیان کیے گئے ہیں: اللہ تعالیٰ کا اپنے کسی حکم کا عبارت سمیت اٹھا لینا یا کسی آیت کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے ذہنوں سے فراموش کرا دینے کے تاکہ اس پر عمل موقوف ہو جائے۔ اس طرح اسے نسخ کی قسم "منسوخ التلاوۃ والحکم" کے زمرہ میں شامل کیا جاتا ہے۔ قرآن کریم کی آیت "مَا نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا" کے سیاق میں "انساء" پر ایک اچھی بحث کے لیے ملاحظہ فرمائیں ابراہیم عادل، نسخ فی القرآن کا مسئلہ، محولہ بالا ص ۸۰-۸۳۔

۳۴۔ دستور المفسرین، اوراق ۷ب - ۸ الف

۳۵۔ حوالہ مذکور، ورق ۸ الف

۳۶۔ دستور المفسرین، اوراق ۱۴ الف - ۱۴ب، ۱۸ب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۵ ابن سلامہ، ص۱۴، امام زرکشی، ص۴۷

۲۶ امام سیوطی، محولہ بالا، ص۲۳

۲۷ تفصیل کے لیے دیکھئے صبحی صالح، مباحث فی علوم القرآن، ص۲۰۱-۲۰۴

۲۸ ابومسلم الاصفہانی: ملتقط جامع التاویل لمحکم التنزیل (مرتبہ سعید الانصاری) مطبعۃ البلاغ کلکتہ ۱۳۴۰ھ، ص۹-۱۰؛ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں۔ صبحی صالح، مباحث فی علوم القرآن، دمشق ۱۹۶۲ء، ص۲۹۵-

۲۹ نسخ فی القرآن سے متعلق تفصیلی مباحث اور علماء کی اختلافی آراء کے مطالعہ کے لیے دیکھئے امام سیوطی، محولہ بالا، ص۲۱-۲۶؛ محمد بن عبداللہ الزرکشی، البرہان فی علوم القرآن، القاہرہ ۱۹۵۷ء، ۲/۳۲-۳۵؛ شاہ ولی اللہ الدہلوی، الفوز الکبیر، جیوتی پریس، کانپور (ب۔ت) ص۲۱-۲۵، تقی عثمانی، علوم القرآن اور اصول تفسیر، مکتبہ دار العلوم کراچی ۱۳۹۱ھ، ص۱۵۹-۲۰۲؛ صبحی صالح، مباحث فی علوم القرآن، محولہ بالا، ص۲۹۳-۳۰۰، ابراہیم عادل، نسخ فی القرآن کا مسئلہ، تحقیقات اسلامی ۱۱/۳، جولائی ستمبر ۱۹۹۲ء، ص۷۶-۱۰۲

۳۰ محمد سالم قدوائی، محولہ بالا، ص۲۲۳۔

۳۱ دستور المفسرین، اوراق ۹ الف-ب

۳۲ البرہان فی علوم القرآن، ص۳۳

۳۳ "انساء" کے معنی بھلا دینے یا ذہنوں سے فراموش کرا دینے کے ہیں۔ اصطلاحی طور پر اس کے دو معنی بیان کیے گئے ہیں: اللہ تعالیٰ کا اپنے کسی حکم کا عبارت سمیت اٹھا لینا یا کسی آیت کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے ذہنوں سے فراموش کرا دینے کے تاکہ اس پر عمل موقوف ہو جائے۔ اس طرح اسے نسخ کی قسم "منسوخ التلاوہ والحکم" کے زمرہ میں شامل کیا جاتا ہے۔ قرآن کریم کی آیت "مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا" کے سیاق میں "انساء" پر ایک اچھی بحث کے لیے ملاحظہ فرمائیں ابراہیم عادل، نسخ فی القرآن کا مسئلہ، محولہ بالا، ص۸۲-۸۳۔

۳۴ دستور المفسرین، اوراق ۷ب-۸ الف

۳۵ حوالہ مذکور، ورق ۸ الف

۳۶ دستور المفسرین، اوراق [illegible] ۱۸ب

۳۷ ابن سلامہ، ص۱۴، امام زرکشی، ص۴۷

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳۸ امام سیوطی، بحوالہ بالا، ص۲۳

۳۹ تفصیل کے لیے دیکھیے صبحی صالح، مباحث فی علوم القرآن، ص۲۰۱-۲۰۲
(اردو ترجمہ: علوم القرآن از غلام احمد حریری تاج کمپنی نئی دہلی ۱۹۸۶ء، ص۲۹۶-۳۰۸)، محمد حنیف ندوی، مطالعۂ قرآن، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۷۸ء، ص۲۵۲-۲۵۷۔

۴۰ دستور المفسرین، ورق ۱۰ الف

۴۱ الاتقان فی علوم القرآن، ص۲۵

۴۲ دستور المفسرین، اوراق ۸ الف - ۱۱ الف

۴۳ دستور المفسرین، اوراق ۱۲ الف - ۱۲ ب

۴۴ نسخ الکتاب بالسنۃ کے موضوع پر مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ کریں: امام سیوطی، ص۲۱، ابن الجوزی، ص۲۵-۲۶، محمد وصی فراہی، قرآن وسنت اور نسخ، سالانہ مجلہ انجمن طلبہ مدرسۃ الاصلاح (سرائے میر، اعظم گڑھ) شمارہ نمبر ۵، ۱۹۹۲ء، ص۳۱-۴۰

۴۵ حمید الدین فراہی، تفسیر نظام القرآن (اردو ترجمہ: امین احسن اصلاحی) دائرہ حمیدیہ، سرائے میر، ۱۹۹۱ء، ص۲۵، ۴۱، محمد اجمل اصلاحی، محولہ بالا مقالہ، علوم القرآن ۵/۲ جولائی۔ دسمبر ۱۹۹۰ء، ص۹۳-۹۴

۴۶ دستور المفسرین، اوراق ۱۳ الف - ۱۳ ب

۴۷ البرہان فی علوم القرآن، ص۳۲

۴۸ الناسخ والمنسوخ، ص۱۳-۱۸، الاتقان فی علوم القرآن، ص۲۱

۴۹ دستور المفسرین، اوراق ۴۲ الف - ۴۳ الف

۵۰ دستور المفسرین، ورق ۴۲ الف

۵۱ یہ غالباً ابو القاسم محمد بن حبیب النیشاپوری (م ۴۰۶ھ) ہیں۔ نسخ اور دیگر مباحث سے متعلق ان کے اقوال ان کی تفسیر کے حوالے سے علامہ سیوطی، امام زرکشی اور دوسرے مصنفین نے نقل کیے ہیں لیکن ان کی تفسیر کہیں دستیاب نہ ہوسکی کہ اس سے موازنہ کیا جاسکے۔ دیکھیے الاتقان، ص۲۱، البرہان فی علوم القرآن، ۲/۳۱، مباحث فی علوم القرآن، ص۲۶۵

۵۲ دستور المفسرین، ورق ۴۶ الف ۵۳ ابن سلامہ، ص۹۱، ۲، ابن الجوزی، ص۲۲۸-۲۲۹

۵۴ ابن سلامہ، ص۸۹ ۵۵ ابن الجوزی، ص۲۲۹

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جناب سید شاہ محمد اسمٰعیل
خدا بخش لائبریری پٹنہ

تفسیر ملّا شاہ ـــــ ایک تعارف

کلیات ملّا شاہ کے عنوان سے تین جلدیں لائبریری میں محفوظ ہیں، تینوں جلدیں ایک ہی کاتب کی تحریر کردہ ہیں، کتابت خوشخط نستعلیق میں ہے، عبارت زرّیں جدول کے مابین ہے۔ ابتدائی صفحات مزین و منقش ہیں۔ پیمانہ یہ ہے: ۱۰ × ½ ۶ ، ½ ۷ × ۴ انچ۔

جلد اوّل قرآن مجید کی چند سورتوں کی تفسیر و ترجمہ پر مشتمل ہے۔ دیباچہ میں مصنف نے اس کے دو نام لکھے ہیں۔ تفسیر شاہ اور شاہ تفاسیر۔ یہ دونوں مادہ ہائے تاریخ ہیں۔ انہیں درج ذیل رباعی میں پیش کیا ہے:

میگفت مرا یکی کہ تاریخ بجو　　　تفسیر شاہ را دگفتم کہ ہمو
تفسیر شاہ یک عدد کم آمد　　　گفت این دل من شاہ تفاسیر بگو

اس طرح اس تفسیر کا سال تکمیل ۱۰۵۷ھ قرار پاتا ہے۔

مختلف تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ ملّا شاہ نے تفسیر قرآن کی ابتدا کی تھی مگر حیات نے وفا نہ کی اور صرف ایک پ۔۔ کی تفسیر مکمل ہو سکی۔ ہمارے اس مخطوطہ سے اس کی نفی ہوتی ہے یوں تفسیر تو ناتمام رہی لیکن سورۂ یوسف کے علاوہ ابتدائی تین پاروں سے زیادہ کی تفسیر اس مخطوطہ میں موجود ہے۔ افسوس ہے کہ درمیان سے اوراق غائب ہونے کے سبب یہ ۔۔۔ بھی ناقص حالت میں موجود ہے۔ تفصیل درج ذیل ہے: (اس جلد میں اوراق کی مجموعی تعداد ۷۶ ہے)

تفسیر / ترجمہ / انکات کا موجود حصہ	ان آیات کی تفصیل پر مشتمل اوراق غائب ہیں
ق ۱ (ب) - ۲ (الف) دیباچہ بزبان عربی	
ق ۲ (ب) - ۳ (الف) تفسیر بسم اللہ	
ق ۳ (الف) - ۵ (ب) تفسیر سورۂ فاتحہ	
ق ۶ (ب) - ۵۲ (الف) تفسیر سورۂ بقرہ	۶-۱۲، ۳۶-۳۷، ۱۱۴-۱۲۸
ق ۵۳ (الف) - ۶۷ (الف) تفسیر سورۂ آل عمران	۱۵۴　۱۸۳
ق ۶۸ (ب) - ۷۶ (ب) تفسیر سورۂ یوسف	۳۱　۱۱۰

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تفسیر میں عربی اور فارسی دونوں کا استعمال ہوا ہے۔ بعض حصوں کی تفسیر صرف عربی میں ہے، اور بعض کی صرف فارسی میں۔ اسی طرح بعض جگہ عربی اور فارسی دونوں سے کام لیا گیا ہے۔ شرح و تفسیر کا نہج بھی مختلف اختیار کیا گیا ہے۔ کہیں ترجمہ و تفسیر کے ساتھ نکات بھی بیان کیے ہیں، کہیں ان میں سے دو اور کہیں صرف ایک پر اکتفا کی ہے۔

دوسری اور تیسری جلد کی تفصیلات کے لیے لائبریری کا توضیحی کیٹلاگ ج ۳، ص ۱۱۶-۱۱۴ ملاحظہ کریں۔ جلد اوّل کا دیباچہ مختصر ہے اور عربی میں ہے، ابتدا یہ ہے:

" الحمد للّٰہ الذی لہ کلمات لطیفۃ وفیھا نکات نفیسۃ ... امابعد فھذا العاجز العاصی العاری یعنی شاہ محمد بن عبد[ا] ی [ا] محمد بن سلطان علی بن فتح اللہ الاکسائی الوستاقی البدخشی یتمسک بالنکات القرآنیہ ... اما ھذا فبحکم العشق و المحبۃ فلا علاج لہ ولا دواء لھا..."

" یعنی شاہ محمد ... نکات قرآنیہ کو مختلف انداز سے پیش کر رہا ہے۔ یہ تفسیر عشق و محبت کے رنگ میں ڈوبی ہوئی ہے، اس لیے یہ نکات ملاحت و حلاوت سے خالی نہیں ہیں، جن کا ادراک وہی کر سکتا ہے، جسے غور و فکر کے ساتھ ذوق و شوق کا حصہ بھی نصیب ہوا ہو۔"

بسم اللّٰہ کی تفسیر: اسم، اللّٰہ، اور الرحمٰن کی لغوی تشریح متداول تفاسیر کے مطابق چند الفاظ میں کی ہے، مثلاً الرحمٰن کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں! " الرحمٰن من الرحمۃ لفظ خاص للّٰہ تعالٰے لا یطلق علی الغیر، معناہ عام یعنی وھبہ تعالٰی عام فی الدنیا ورزقہ تعالٰی عام فیھا للمومن و للکافر"

پھر الرحیم کی تفسیر میں یوں رقمطراز ہیں: " رحیم بھی رحمت ہی سے مشتق ہے۔ خصوصیت و عمومیت میں یہ الرحمٰن کا عکس ہے، الرحمٰن کا تقدم الرحیم پر، خاص کا تقدم عام پر ہے، دنیا کا تقدم آخرت پر، گویا لفظ کا تقدم معنی پر ہے۔"

بسم اللّٰہ کے ضمن میں کم و بیش ۲۰ نکات پیش کیے ہیں، ان میں سے چند نقل کیے جاتے ہیں:

مشہور فعل مقدر ابتدأ لکھنے کے بعد لکھتے ہیں:۔ المبتدا بہ ای شئ" اس کے متعدد افعال مقدرہ بیان کیے ہیں مثلاً: " او اتمسک بہ کتمسک العشق بالحسن او اصاحب بہ کمصاحبۃ العبد لصاحبہ' او آنس بہ کموانسۃ الجسد بالروح. او الصق بہ کلصوق الباء بالاسم، او امعوبہ کمعویۃ الھمزۃ بالبسم ای فی البسم۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ کی تفسیر اور اس سے متعلق نکات عربی میں ہیں پھر لکھتے ہیں کہ بسم اللہ کے سلسلہ میں ہماری ایک کتاب ہے، جو بسم اللہ اور اس کے حروف کی تعریف پر مبنی ہے اور تین ہزار ابیات پر مشتمل ہے۔ ہم نے اس کا نام رسالہ بسم اللہ رکھا ہے اور اس کی ابتدا یہ ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم   خال وخط وزلف وقد مستقیم

(یہ رسالہ کلیات کی دوسری جلد میں شامل ہے)

اس کے بعد بسم اللہ کے جزو قرآن ہونے سے متعلق فقہاء کے مذاہب پر روشنی ڈالی ہے۔

تفسیر سورۂ فاتحہ: آیات کا ترجمہ فارسی میں ہے۔ پھر مختصر تفسیر، اس کے بعد نکات ہیں، چند نکات عربی میں ہیں۔ ترجمہ کا انداز یہ ہے: "اَلحَمدُ لِلّٰہ، ستودن بہ نیکی و پاکی خاص مر ذاتی راست کہ مستجمع صفات کاملہ است۔ مالک یوم الدین' یعنی متصرف روز جزا است۔ ایاک نعبد یعنی ترا می پرستیم۔ و ایاک نستعین خاص از تو یاری می خواہیم۔

چند نکات بطور نمونہ: رب العٰلمین کے ذیل میں:

نکتہ، تربیت او عام ست شریعت یا خاص است طریقت یا اخص است، حقیقت۔ نکتہ یا عام است علماً، یا خاص است عملاً، یا اخص است بترکھما محویۃً فی الذات۔

صراط الذین انعمت علیھم کے ضمن میں رقمطراز ہیں: نکتہ، یعنی صلحاء یعنی اہل شریعت' وسلکا یعنی اہل طریقت، وعرفا یعنی اہل حقیقت' یعنی عاما وخاصا واخصا،

یہ تین مدارج اکثر آیات کے ضمن میں بیان ہوئے ہیں۔

تفسیر سورۂ بقرہ: پارہ اوّل میں فارسی ترجمہ کے ساتھ نکات کا سلسلہ جاری ہے۔ ترجمہ کا انداز یہ ہے:

ھدی للمتقین الذین یومنون بالغیب یعنی این کتاب ہدیٰ است مر متقیان را، آنچنا متقیانی کہ ایمان می آرند بغیب۔

نکتہ بہ ضمن متقین، یعنی پرہیزگاران پرہیز از گناہ، چنانچہ در شریعت است یا پرہیز از مراد خود، چنانچہ در طریقت است یا پرہیز از خود چنانچہ نزد اہل حقیقت است۔

پارہ اوّل کے اختتام پر نکات کا سلسلہ ختم کر دیا ہے، ترجمہ اور مختصر تفسیر کا سلسلہ جاری ہے۔ زبان فارسی ہے، کہیں کہیں عربی کا بھی استعمال ہے، لکھتے ہیں:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"ولقد غیرنا الاسلوب فی تفسیر ھذا الجزء من القرآن تنشیطا للاذھان"۔ پھر آیت نمبر ۲۰۲ کے بعد طوالت کے خیال سے ترجمہ کا سلسلہ ترک کر دیا ہے، بلکہ نکات پیش کیے ہیں۔ لیکن نکتہ کا لفظ مذکور نہیں ہے لکھتے ہیں: "ولقد ترکت الترجمۃ بوضوحھا عند اولی الالباب وبملاحظۃ الاطناب

فی النصف الاٰخر من ھٰذا الجزء الثانی من کلامہ تعالیٰ واکتفیت فی ھذا

بقولی کما ھوا لمرقوم، ثم التفت الی النکات بترک لفظ النکتۃ"

سورہ بقرہ کے خاتمہ پر یہ تحریر ہے:

"ولا تغفل عما قلنا عن نکات ھذا التفسیر فان فیہ النفع الکثیر،

خصوصا لطالب اللہ الکبیر"

تفسیر سورۂ آل عمران: مختصر تفسیر کے ساتھ کہیں کہیں نکات پیش کئے ہیں، زبان عربی ہے۔ فارسی اشعار بھی استعمال کئے ہیں۔

تفسیر سورۂ یوسف: ترجمہ وتفسیر کی زبان فارسی ہے۔ رکوع اول کا بیشتر حصہ منظوم ہے۔ مابعد کا ترجمہ وتفسیر نثر میں ہے۔ بعض آیتوں کا آزاد ترجمہ ایک بیت یا ایک مصرع میں دیا ہے۔ ابتدا:

بنام آنکہ یوسف سرخ رو زوست | مکدر خاطریٔ زن ازان روست
رسولاں را بسوئ خود کشیدہ | ہمہ یک تن، محمد ہست دیدہ
دلم بر سورۂ یوسف چہ بشگفت | خدایش بہترین قصّہ ہا گفت

ترجمہ کی شان: قال قائل منھم لا تقتلوا یوسف والقوہ فی غیابۃ الجبّ یلتقطہ بعض السیّارۃ = گفت گویندۂ ازیشاں مکشید یوسف را واندازید درقعر چاہ تا برگیرند اورا البعضی از سائران راہ گذر۔

بیشتر نکات تصوف کے رنگ میں ہیں، کہیں ادیبانہ وشاعرانہ انداز فکر سے بھی کام لیا ہے۔ مثلاً وجاءت سیّارۃ کے ضمن میں لکھتے ہیں:

نکتہ: السیّارۃ کنایۃ عن الکواکب التی فی حوالی ھالۃ القمر۔

یعنی چاہ، قمر یعنی یوسف، سیارہ، صاحب توفیقان (کذا) یعنی قافلہ، ولھٰذا قال سیّارۃٌ ولم یقل قافلۃ اوراحلۃ اورفقۃ"

نثر میں ترجمہ قرآنی الفاظ کی رعایت کے باوجود سلیس ہے۔ البتہ منظوم ترجمہ الفاظ کی رعایت سے کہیں کہیں آزاد

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوجاتا ہے۔ چند مثالیں درج کی جاتی ہیں:

وراودتہ التی ھو فی بیتھا عن نفسہ = ع دگر مقصود خود را خواست آن زن۔ نثر: درخواست یوسف را آن زنی کہ یوسف درخانہ او بود۔ از نفسش یعنی از کامش۔

وشھد شاھد من اھلھا = ع گواہی داد یک طفل خدا دوست۔ نثر: گواہی داد گواہی دہندہ از کسان آن زن۔

شاہ تفاسیر پر ایک نظر: قرآن کریم ایک ذوجہات کتاب ہے۔ جو اپنے ظاہر وباطن کے ہر پہلو سے معجزہ ہے۔ یہ معانی کا ایک دریائے ناپیداکنار ہے، جس کے عجائب وغرائب کا شمار حیطۂ انسانی سے باہر ہے۔

امام بوصیری فرماتے ہیں:

لھا معان کموج البحر فی مدد — وفوق جوھرہ فی الحسن والقیم

مما تعد ولا تحصی عجائبھا — ولا تسام علی الاکثار بالسام

اس بحر بیکراں کے غواص کبھی نہیں تھکتے اور اس گلستان ہمیشہ بہار کو خزاں کے جھونکے، کبھی چھو نہیں سکتے۔ تفسیریں پر تفسیریں لکھتے جاؤ، اس کے معانی کا سیلاب رُکنے نہ پائے گا۔ کسی نے الفاظ وتراکیب پر نظر ڈالی، کسی نے معنی وبلاغت کے پھول چنے۔ کسی کو منطق وفلسفہ کے حقائق کی تلاش رہی، تو کسی کو معرفت وسلوک کے انوار کی طلب رہی۔

علامہ ابن عربی (م ۶۳۸ھ = ۱۲۴۰ء) اپنی تفسیر قرآن کے مقدمہ میں رقمطراز ہیں:

"ایک عرصہ تک میں نے تلاوت قرآن کو اپنا معمول بنا لیا اور معانی ومفاہیم کے تدبّر میں مشغول رہا، لیکن شرح قلب کی نعمت میسر نہ ہوئی۔ ایک وقت آیا کہ میں قرآن سے مانوس ہو گیا اور اسکی حلاوت سے آشنا ہوا۔ اس طرح میں انبساط قلبی اور نشاط روحانی کی اس منزل کو پہنچ گیا کہ ایک ایک آیت کے تحت' اتنے معانی مجھ پر منکشف ہونے لگے کہ ان کے بیان سے نطق انسانی عاجز ہے اور ان کے ضبط واحاطہ سے قوت بیانی قاصر ہے' تو مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یاد آیا:

ما نزل القرآن آیۃ الا ولھا ظھر وبطن ولکل حرف حد ولکل حد مطلع۔	قرآن کی جو آیت بھی اتاری گئی ہے، اس کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہے، ہر کلمہ کی ایک حد ہے اور ہر حد کے لیے ایک مطلع ہے۔

تو میں نے سمجھ لیا کہ ظاہر سے مراد تفسیر ہے' باطن سے تاویل، اور حد کے معنی یہ ہیں کہ جہاں تک فہم کی رسائی ہو'

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو مشاہدہ کی منزل تک پہنچا دے"۔ (تفسیر ابن عربی ج ۱ ص ۳)

صاحب تفسیر عرائس البیان اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے امام جعفر صادق کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

کتاب اللہ علی اربعۃ اشیاء العبارۃ والاشارۃ واللطائف والحقائق فالعبارۃ فللعوام، والاشارۃ للخواص واللطائف للاولیاء والحقائق للانبیاء۔

کتاب اللہ کے چار پہلو ہیں، عبارت، اشارت، لطائف اور حقائق، تو عبارت عوام کے لیے ہے۔ اشارت خواص کے لیے، لطائف اولیاء کے لیے اور حقائق انبیاء کے لیے۔

پھر ظاہر، باطن، حد اور مطلع کی توضیح حضرت علی مرتضیٰؓ کے ارشاد سے کرتے ہیں:

فالظاهر تلاوۃ والباطن فهم و الحد هو احکام الحلال والحرام والمطلع هو مراد اللہ من العبد۔

ظاہر تلاوت ہے اور باطن فہم تک رسائی۔ حد سے مقصود حلال وحرام کے احکام ہیں اور مطلع کا مطلب یہ ہے کہ جو بات اللہ تعالیٰ بندے سے چاہتا ہے۔

(عرائس البیان ص ۳)

صاحب روح المعانی متذکرۃ الصدر حدیث کے ضمن میں لکھتے ہیں:

ان ظاهرها ماظهر من معانیها لاهل العلم بالظاهر وباطنها ما تضمنه من الاسرار التی اطلع علیها ارباب الحقائق ومعنی قوله ولکل حرف حد ان لکل حرف منتهی فیما اراد اللہ تعالیٰ من معناه ومعنی قوله ولکل حد مطلع ان لکل غامض من المعانی والاحکام مطلعا یتوصل به الی معرفته ویوقف علی مراد به۔

آیات کے ظاہر سے مراد وہ معنی ہیں جو علم ظاہری والوں پر ظاہر ہوتے ہیں۔ باطن سے مقصود وہ اسرار ہیں جو معنی ظاہری کے ضمن میں ارباب حقائق پر منکشف ہوتے ہیں۔ لکل حرف حد کا مطلب یہ ہے کہ ہر لفظ کی ایک انتہا ہے، جو اللہ تعالیٰ اس کے معنی سے مراد لیتا ہے۔ اور لکل حد مطلع کے معنی یہ ہیں کہ ہر غامض معنی اور حکم کے لیے ایک مطلع ہے، جس کے ذریعہ اس کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور اس کے مراد سے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔

(روح المعانی ج ۱، ص ۷)

اسی بنا پر اہل علم کی مختلف النوع تفاسیر کے ساتھ ارباب تصوف نے بھی اپنے رنگ میں تفسیریں لکھی ہیں۔ اس نوع کی تفسیروں میں علامہ ابن عربی کی تفسیر قرآن اور فتوحات مکیہ علامہ آلوسی کی روح المعانی وغیرہ شامل ہیں، تفسیر حسینی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تفسیر مظہری، عرائس البیان اور دوسری متعدد تفسیروں میں بھی یہ رنگ نمایاں ہے۔ تصوف کے حقائق و مشاہدات کے پیش نظر لکھی جانے والی تفاسیر میں۔ چند قابل ذکر تفسیریں اور بھی ہیں:

ایک قدیم تفسیر ابو عبدالرحمٰن محمد بن الحسین بن موسیٰ السلمی لاردی النیسا پوری الصوفی (م ۴۱۲ھ = ۱۰۲۱ء) کی بنام "الحقائق فی التفسیر" موجود ہے، بعد کے مصنفین نے اس سے استفادہ کیا ہے۔ اس کا ایک مخطوطہ لائبریری میں موجود ہے جو ۸۲۳ھ کا نوشتہ ہے۔

شیخ کمال الدین ابو الغنائم عبدالرزاق بن جمال الدین بن احمد الکاشی السمرقندی (م ۷۳۶ھ = ۱۳۳۶ء) نے دو تفسیریں اسی طرز پر لکھی ہیں۔ ایک کا نام "حقائق التاویل فی دقائق التنزیل" ہے اور دوسری کا نام تاویلات القرآن" ہے، موخرالذکر کا مخطوطہ لائبریری میں موجود ہے۔

علامہ آلوسی اس سلسلہ میں لکھتے ہیں:

واما کلام السادۃ الصوفیۃ فی القرآن فھو باب من الاشارات الی دقائق تنکشف علی ارباب السلوک ویمکن التطبیق بینھا وبین الظواھر المراد، وذلک من کمال الایمان ومحض العرفان۔	حضرات صوفیہ کے اقوال قرآن کے بارے میں ان اشارات سے تعلق رکھتے ہیں، جن سے ارباب سلوک پر حقائق کا انکشاف ہوتا ہے نیز ان دقائق کی تطبیق ظاہر معنی سے بھی ممکن ہو اور یہ بات اسی وقت ممکن ہے، جب ایمان کامل اور عرفان خالص نصیب ہو۔

پھر لکھتے ہیں کہ ایسی بات ہرگز نہیں ہے کہ صوفیہ کا یہ اعتقاد ہو کہ ظاہر معنی سرے سے مراد نہیں ہیں اور محض باطن معنی مراد ہیں، یہ تو ملاحدہ باطنیہ کا خیال ہے اور اس طرح وہ لوگ شریعت کی بالکلیہ نفی کرتے ہیں۔ بھلا صوفیائے کرام کو اس سے کیا واسطہ، وہ تو ظاہر معنی کی حفاظت کی تلقین کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ظاہر معنی کو اولیت حاصل ہے کیونکہ احکام ظاہری سے واقفیت حاصل کیے بغیر باطن معنی تک رسائی کا خیال بھی مہمل ہے:

من ادعی فھم اسرار القرآن قبل احکام التفسیر الظاھر فھو کمن ادعی البلوغ الی صدر البیت قبل ان یجاوز الباب۔	جو شخص تفسیر ظاہری کے احکام کی واقفیت سے قبل اسرار قرآنی کو سمجھنے کا دعویٰ کرے۔ اس کی مثال اس شخص جیسی ہے، جو دروازے سے گزرنے کے قبل گھر میں پہنچ جانے کا دعویٰ کرتا ہو۔

ظاہر معنی کی اہمیت بیان کرنے کے بعد باطن معنی کے متعلق یوں رقمطراز ہیں:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فلا ینبغی لمن لہ ادنیٰ مسکۃ من عقل بل ادنیٰ ذرۃ من ایمان ان ینکر اشتمال القرآن علیٰ بواطن یفیضہا المبدأ الفیاض علیٰ بواطن من شاء من عبادہ۔

جس شخص کو عقل کا ادنیٰ حصہ ملا ہو، بلکہ ایمان کا ادنیٰ ذرہ نصیب ہو، اس کے لئے مناسب نہیں ہے کہ قرآن کے باطن معانی پر مشتمل ہونے کا منکر ہو۔ مبدأ فیاض ان معانی کو اپنے بندوں میں سے جس کے باطن پر چاہتا ہے، افاضہ فرماتا ہے۔

شاہ تفاسیر: ملّا شاہ کی تفسیر اگرچہ نامکمل ہے اور مختصر ہے، لیکن علامہ آلوسی کے بیان کردہ حدود کا فی الجملہ لحاظ رکھا گیا ہے۔ جہاں تک ترجمہ کا تعلق ہے، اس میں ظاہر معنی سے کام لیا ہے۔ تفسیری مضامین خال خال ہیں۔ زیادہ حصہ نکات پر مشتمل ہیں جن کا تعلق ظاہر معنی اور باطن معنی دونوں سے ہے۔ مثلاً ایاک نعبد کے ضمن میں لکھتے ہیں:

"یعنی بعد از فراغ انواع حمد ... وبعد از توصیف ذاتہ تعالیٰ بالالوھیتہ والربوبیتہ والرحمتہ والمالکیتہ نشتغل بالعبادۃ"

پھر کہتے ہیں کہ ہر چند تحمید و توصیف بھی عبادت ہے، لیکن عبادت مخصوصہ جس کا ظہور نماز میں ہوتا ہے، اس کی نوعیت جداگانہ ہے۔ نمازی سب سے پہلے اِنّی وَجّہت پڑھتا ہے۔ پھر اللہ اکبر کہہ کر متوجہ الی اللہ ہوتا ہے اور ماسوی اللہ سے صرف نظر کر لیتا ہے۔ آگے چل کر لکھتے ہیں:

"پس نماز این است، یعنی اوّل تہیۂ بعد از آں غزائے بالنفس الکاہلتہ دوسوستہ الشیطان فانہ لایرضیٰ بخطاب ایاک نعبد بطریق الشہود، یعنی باز میدارد آن توجہ خاص را بجناب تعالیٰ"

زاہد، سالک اور عارف کی توجہ الی اللہ میں کیا فرق ہے، بیان کرتے ہیں:

"اگر زاہد است متوجہ محض یاد حق است، دراں وقت اگر یاد رفت، نماز رفت۔ اگر سالک است توجہ او صرف محبت است، اگر دران وقت آن توجہ رفت محبت رفت، محبت رفت نماز رفت۔ اگر عارف است توجہ او بدیدن آن رواست کہ خود ہم درمیان نیست ... پس اگر این نیست، عارف عارف نیست یعنی نمازی نیست"

متصوفانہ نکات بالعموم ظاہر معنی سے مربوط رہتے ہیں اور پہلے ظاہری احکام بیان کرنے کے بعد سالکانہ وعارفانہ نکات پر خامہ فرسائی کرتے ہیں۔ لیکن بعض مقام ایسے بھی ہیں کہ لطائف ونکات تاویلات باردہ بن جاتے ہیں۔ ایسا ہی ایک مقام ختم اللہ علیٰ قلوبہم کی تفسیر میں آتا ہے۔ اتفاق یہ ہے کہ ہمارے اس مخطوطہ میں وہ حصہ موجود نہیں ہے۔ رشید خاں لودھی 'مرآۃ الخیال' میں لکھتے ہیں:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"ملا در زمان اقامت کشمیر تفسیر بزبان اہل تصوف شروع نمودہ بود و مدار را مطلقاً بر تاویل گذاشتہ ... از آنجملہ شرح یک آیہ از عجائبات تواں گفت بر سبیل نقل درین اوقات ثبت میگردد۔"

پھر ختم اللّٰہ علیٰ قلوبہم الیٰ عذاب عظیم کے ظاہری معنی جو جمہور مفسرین نے بیان کئے ہیں اسے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

"این آیہ میباید در شان اولیاء اللہ باشد و معنیش چنین بود کہ ختم اللہ علیٰ قلوبہم مہر نہاد خدای تعالیٰ بر دلہای اولیای خود تا ساخت آن فضای باصفا کہ بحکم قلب المومن عرش اللہ تعالیٰ... وعلیٰ سمعہم و بر گوشہای ایشان کہ دریچہ ہای شہرستان قلعہ تنند تا از دخل کلمات لاطائل مسدود می مانند وعلیٰ ابصارہم غشاوۃ و بر بصرہای ایشان پردہ است از سرادق عظمت و جلال و جلباب حسن لایزال کہ در تماشای آن بجمال ناسوت و ملکوت نظر نمی گمارند۔ ولہم عذاب عظیم و مر ایشان را ست شربتہای بزرگ در مزہ و حلاوت انتہی کلامہ درین مقام ملا شاہ عذاب را از عذب گرفتہ کہ بمعنی آب صاف شیرین آید۔ (مرآۃ الخیال ص ۱۳۰، نزہتہ الخواطر ص ۹، مجمع الغرائب ج ۲، ص ۱۰۲۳)۔

طلاق، عدت، نکاح ثانی اور رضاعت سے متعلق آیات کی تفسیر میں ظاہر معنی کے ساتھ، اس کے باطن معنی جو بیان کیے ہیں، وہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ یعنی زوجین سے متعلق احکام کو ظاہر معنی کے طور پر بیان کیا ہے اور مرشد و مسترشد کے تعلقات کو باطن قرار دیا ہے، اور ہر آیت کے ضمن میں دونوں پہلوؤں سے وضاحت کا سلسلہ جاری رکھا ہے۔

قرآن کریم کے فارسی تراجم جو اس وقت ہمارے پاس موجود ہیں، ان کو سامنے رکھتے ہوئے ملا شاہ کے ترجمہ کا جائزہ لینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ہمارے سامنے اس وقت پہلا ترجمہ وہ ہے جو شیخ سعدی شیرازی (م ۶۹۱ھ - ۱۲۹۲ء) کی طرف منسوب ہے۔ دوسرا وہ ہے جو ملا حسین واعظ کاشفی (م ۹۱۰ھ - ۱۵۰۰ء) کی تفسیر حسینی سے ماخوذ ہے، اور تیسرا ترجمہ شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ - ۱۷۶۲ء) کا ہے۔

واذ قال ربک للملئکۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃ ط قالوا اتجعل فیہا من یفسد فیہا ویسفک الدماء ونحن نسبح بحمدک و نقدس لک ط قال انی اعلم ما لا تعلمون ۵ ترجمہ منسوب بہ شیخ سعدی :

"و یاد کن چون گفت پروردگار تو، مر فرشتگان را کہ بدرستی من آفرینندہ ام، در زمین، جانشینی را گفتند آیا می آفرینی در زمین کسی را کہ فساد کند دراں، و بریزد خونہا و ما تسبیح می کنیم ترا بستایش و بہ پاکی یاد می کنیم ترا،

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گفت بدرستی من میدانم آنچه شما نمی دانید۔" (پانچ ترجمہ والاقرآن مجید، اقبال پرنٹنگ ورکس دہلی)۔

ترجمہ ملّا حسین واعظ کاشفی :

"ویاد کُن چون گفت پروردگار تو، مرتمام فرشتگان را، بدرستی کہ من آفریننده ام، درزمین بدلی گفتند، آیا می آفرینی، درزمین، کسی راکہ فساد کند درزمین، وبریزد خون، وحال آنکہ ما بہ پاکی یادکنیم ترابہ امر تو، وذکر می کنیم ترا بہ پاکیزگی، گفت خدای بدرستی کہ من می دانم آنچہ شما نمی دانید۔ (تفسیر حسینی مطبع احمدی)

ترجمہ شاہ ولی اللہ دہلوی :

"ویاد کن چون گفت پروردگار تو، بفرشتگان کہ من آفریننده ام درزمین خلیفہ، گفتند آیا می آفرینی درزمین کسی را کہ تباہی کند، وما تسبیح می کنیم بحمد تو، وبپاکی اقرار می کنیم برای تو، فرمود ہر آئینہ میدانم آنچہ شما نمی دانید۔" (پانچ ترجمہ والاقرآن مجید)

ترجمہ ملّا شاہ :

"وقتی کہ گفت پروردگار تو، مرملائکہ را بدرستی کہ من میگردانم درزمین بدلی، گفتند فرشتہا آیا خلق میکنی درزمین کسی را کہ فساد می کند درزمین ومی ریزد خونہا، وحالانکہ ما بپاکی یاد می کنیم ترا بامر تو وذکر می کنیم ترا بپاکیزگی، گفت خدای تعالیٰ بدرستی کہ من می دانم، آن چیزی را کہ نمی دانید شما آنرا۔"

ان میں سے دو ترجمے ملّا شاہ کے عہد سے قبل کے ہیں اور ایک ترجمہ ان کے بعد کا ہے۔ لیکن سلاست وروانی میں ان کا ترجمہ بھی دیگر تراجم کے ہم پلّہ ہے۔

نکات کے سلسلہ میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مصطلحات سے بالعموم کام نہیں لیا ہے اور نہ فنّی مسائل سے بحث کی ہے، بلکہ زبان سلیس اور انداز بیان سادہ ہے۔

بہ حیثیت مجموعی یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ اگر اس عام فہم تفسیر کے ساتھ یہ ترجمہ مکمل ہوجاتا، تو قرآن مجید کے فارسی تراجم وتفاسیر میں ایک مفید اضافہ ہوتا ہے۔

●●

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جناب محمد ظفیر الدین مفتاحی
مفتی دارالعلوم، دیوبند

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کا ترجمہ قرآن اور اسکی اہمیت

گیارھویں صدی ہجری کے ختم اور بارہویں صدی کے ابتدائی دور میں ہندستان کے اندر جو نصاب تعلیم رائج تھا، اس میں بہت سارا زور معقولات کی تعلیم پر دیا گیا تھا۔ کتاب و سنت کی تعلیم بقدر ضرورت رکھی گئی تھی۔ باہر کے جو علماء ہندستان آئے تھے وہ عموماً معقولات سے ہی دلچسپی رکھتے تھے۔ منطق و فلسفہ میں وہ دستگاہ کامل رکھتے تھے۔ قرآن و حدیث سے ان کو کوئی خاص شغف نہ تھا معقولات کے بعد اگر کچھ توجہ تھی تو "فقہ حنفی" پر تھی، کہ عوام کا تعلق عبادات سے تھا اور وہ احکام و مسائل کے سلسلہ میں علماء سے استفسار کرنے پر مجبور تھے۔ اس لئے علماء وقت اس فن سے صرف نظر نہیں کر سکتے تھے۔ باقی حدیث کی کتابوں میں صرف "مشارق الانوار" اور "مشکوۃ المصابیح" داخل نصاب تھیں یہی زمانہ تھا جس میں امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۱۴ھ میں) پیدا ہوئے اور اسی ماحول میں پرورش پائی۔ آپ کے گھر میں اس وقت تصوف کا چرچا تھا، اس لیے کہ آپ کے پدر بزرگوار شاہ عبدالرحیم (م ۱۱۳۱ھ) کو تصوف سے بڑا گہرا تعلق تھا۔

اس وقت ہندستان کی عام زبان فارسی تھی۔ دفتروں میں بھی یہی زبان رائج تھی، حکمراں بلاشبہ مسلمان تھے، مگر ان کو دین اور دینی تعلیمات سے جو تعلق ہونا چاہیئے تھا، نہیں تھا۔ عالمگیر (م ۱۱۱۸ھ) رحمۃ اللہ علیہ کو دین سے بلاشبہ مناسبت تھی، اور ان کی ہی توجہ سے "فتاوی عالمگیری" جیسی ضخیم کتاب چھ جلدوں میں مرتب ہو سکی، اور علماء میں اس کی اشاعت ہوئی۔ عالمگیرؒ کے بعد کہنا چاہیئے ملک میں طوائف الملوکی کی سی کیفیت پیدا ہو چکی تھی، آپس میں جنگ و جدال اور قتل و خونریزی تک کی نوبت پہونچ چکی تھی۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اسی زمانہ میں مسند علم و فن کو زینت بخشی، آپ کو قدرت نے ذہانت اور دوراندیشی کی دولت سے مالا مال کیا تھا۔ درس و تدریس کے ساتھ ملکی حالات پر نظر رکھتے تھے، اور مسلمان جو بدعات و خرافات میں مبتلا ہوتے جا رہے تھے، اس سے سخت دلگیر تھے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب "قرآن کریم" کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تلاوت کا بلاشبہ رواج تھا، حفاظ بھی بکثرت تھے، مگر ترجمہ قرآن کی طرف دھیان نہیں تھا اور یہی وجہ تھی کہ اب تک کسی ہندستانی عالم دین نے زبان فارسی میں قرآن کے ترجمہ کی زحمت گوارا نہیں کی تھی۔ غیر ملکی ایک آدھ فارسی ترجمے ضرور پائے جاتے تھے مگر وہ اس ملک کے ذوق اور ذہن و فکر کے قریب نہیں تھے۔ حضرت شاہ صاحب ان حالات سے سخت دردمند اور دلگیر تھے اور سوچ رہے تھے کہ ہماری حکومت کی اس بے توجہی پر جس قدر افسوس کیا جائے کم ہے۔ قدرت نے شاہ صاحب کے دل میں یہ بات ڈالی، کہ بنیادی کتاب جس پر مسلمانوں کا ایمان ہے، وہ کتاب اللہ ہے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر وقت میں تاکید کے ساتھ فرمایا تھا کہ جب تک کتاب اللہ اور سنت رسول سے تمہارا تعلق رہے گا، کوئی تم کو غلط راستہ پر نہ ڈال سکے گا۔ اسلیے سب سے پہلے ملکی زبان میں عام فہم ترجمہ کیا جائے۔ تاکہ مسلمان تلاوت میں اس ترجمہ کو سامنے رکھیں اور ان کو اندازہ ہو کہ اللہ تعالیٰ ہم سے کیا مطالبہ کرتا ہے، اور ہم پر کیا فرائض و حقوق عائد ہوتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے ترجمہ قرآن کا ایک مقدمہ بھی تحریر فرمایا ہے جس کا مخطوطہ محفوظ ہے۔ اس میں لکھتے ہیں:

"دریں زمانہ کہ ما دراٰنیم و دریں اقلیم ما ساکنیم نصیحت مسلمانان اقتضا می کند کہ ترجمہ قرآن عظیم بزبان فارسی سلیس متداول، بے تکلف فضیلت نمائی و بے تصنع عبارت آرائی بغیر تعرض قصص مناسب و بغیر ایراد توجیہات تحریر کردہ شود تا خواص و عوام ہم یکساں فہم کنند، صغار و کبار بیک وضع ادراک نمایند، لہٰذا ایں فقیر را داعیہ ایں امر خطیر بخاطر رسانیدند، خواہ مخواہ بر سر آں آوردند" (دیباچہ فتح الرحمٰن قلمی)

"موجودہ زمانہ جس میں ہم لوگ رہ رہے ہیں، مسلمانوں کی خیر خواہی کا تقاضا تھا کہ قرآن کا ترجمہ فارسی میں ایسا سلیس، سادہ اور عام فہم ہونا چاہیے جو بلا تکلف سمجھا جا سکے، اس میں اپنی بڑائی اور تصنع اور عبارت آرائی کا شائبہ تک نہ ہو اور قصے اور مختلف توجیہات نہ ہوں، تاکہ عوام و خواص دونوں سمجھ لیں اور چھوٹے بڑے دونوں یکساں طور پر فائدہ حاصل کر سکیں، یہی بات تھی کہ فقیر کے دل میں اتنے اہم کام کا داعیہ پیدا ہوا۔ اور اس کام کا سودا خواہ مخواہ سر میں سمایا، اور اس کام کے لیے میں نے اپنے آپ کو آمادہ کیا۔"

ترجمہ قرآن کا ارادہ جب راسخ ہو گیا تو پہلے حسب قاعدہ آپ نے اس وقت کے فارسی ترجموں کو اپنے اس معیار پر جانچا، کہ ان میں سے کسی سے کام چل سکتا ہے یا نہیں؛ مگر بار بار غور و فکر کے بعد طے کرنا پڑا کہ جب تک

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

موجودہ رائج زبان میں نیا ترجمہ نہیں لایا جائے گا، عوام و خواص کو اس پرانے ترجمہ سے دلچسپی نہیں ہو سکے گی۔ ترجمہ یہاں کی زبان میں لکھا گیا تو یقیناً توجہ ہوگی، اور دیندار مسلمان اس کو پڑھیں گے۔ خود شاہ صاحب آگے لکھتے ہیں:

" و صحیح کے موافق آں میزان نیفتاد، لاجرم عزم تالیف ترجمہ دیگر مصمم شد و ترجمہ بروئے کار آمد" (ایضاً)

" ان سابق ترجموں میں کوئی بھی اس معیار پر پورا نہیں اترا، مجبوراً ایک نئے ترجمہ کا مصمم ارادہ کرنا پڑا، اور ترجمہ لکھنا شروع کر دیا۔"

گویا آپ مجبور ہوئے کہ ترجمہ پر دھیان دیں، اور جس طرح بھی ہو اس خدمت کو بقلم خود انجام دیں۔ اس فیصلہ کے بعد آپ نے قرآن پاک کا ترجمہ کرنا شروع کر دیا اور پہلی فرصت میں "سورہ بقرہ" اور "سورہ آل عمران" کا ترجمہ کر ڈالا۔

ابھی آل عمران کا ترجمہ ختم ہوا تھا کہ حرمین شریفین حاضری کا ارادہ فرمایا، اور اس سفر کا شوق ایسا غالب ہوا کہ ترجمہ روک کر سفر کی تیاری شروع کر دی۔ ۱۱۴۳ھ میں آپ کا یہ سفر ہوا، وہاں پہنچ کر علمائے حرمین سے استفادہ میں ایسے منہمک ہوئے کہ تقریباً تین سال گزر گئے۔ کوئی شبہ نہیں اس قیام میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت ساری ظاہری، و باطنی نعمتوں سے مالا مال فرمایا۔ بالخصوص علم حدیث سے شغف پیدا ہوا۔ اسی سفر میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ) نے شیخ ابوطاہر مدنی اور دوسرے مشائخ حرمین سے روایت حدیث کی سعادت و اجازت حاصل کی۔ روضہ اطہر صلی اللہ علیہ وسلم پر بار بار حاضری دے کر فیوض و برکات سے اپنے دل و دماغ کو روشن کیا۔ وہاں سے واپس آئے تو ایک طرف حدیث نبوی کی طرف علمائے وطن کو متوجہ کیا، اور صحاح ستہ کے درس کو رواج دیا۔ دوسری طرف ترجمہ قرآن کی فکر دامن گیر رہی۔ دیباچۂ ترجمہ میں اس وقفہ کا آپ نے تذکرہ فرمایا ہے، لکھا ہے کہ " بعد ازاں سفر حرمین افتاد آں سلسلہ از ہم گسست۔ (ایضاً) یعنی اس کے بعد حرمین شریفین کا سفر درپیش آیا اور ترجمہ کا جو سلسلہ جاری تھا باقی نہ رہ سکا۔ حرمین سے واپسی کے بعد باوجود دھیان کے فوراً ترجمہ قرآن کا کام شروع نہیں کر سکے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو آپ سے یہ کام لینا تھا، اس لیے اس کی صورت یہ پیدا ہوئی کہ کچھ سال بعد چند اہل علم آپ کی خدمت گرامی میں حاضر ہوئے اور انھوں نے عرض کیا " آپ ان کو ترجمہ قرآن پڑھا دیں۔ آپ نے ان کی یہ عرضداشت قبول فرمائی"، اور ترجمہ پڑھانے کے ساتھ ساتھ آپ نے اپنا بقیہ کام بھی شروع کر دیا تاکہ کسی طرح ادھورا کام مکمل ہو جائے۔ خود تحریر فرماتے ہیں:

" بعد ازاں سالہا چند عزیزے پیش

" چند سال کے بعد کچھ عزیز فقیر کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فقیر خواندن قرآن با ترجمۂ آں شروع کرد، ایں سلسلہ جنباں آں عزم راشد، و بر سر آں آورد کہ بہ قدرِ خواندن سبقاً سبقاً نوشتہ شود (مقدمہ فتح الرحمٰن قلمی)

پاس حاضر ہوئے، ترجمہ قرآن پڑھنے کی درخواست کی اور فقیر نے ان کو ترجمہ قرآن پڑھانا شروع کر دیا۔ یہ سلسلہ اُس پرانے عزم کے لیے مہمیز ثابت ہوا اور طے کر لیا کہ جتنا یہ لوگ سبقاً سبقاً پڑھتے جائیں گے روزانہ اسی قدر ترجمہ لکھتا جاؤں گا۔"

چنانچہ آپ نے یہی کیا کہ روزانہ جس قدر ان عزیزوں کو پڑھاتے، ان کا ترجمہ لکھ لیا کرتے تھے۔
اس طرح بتدریج ایک تہائی قرآن کا ترجمہ ہو گیا۔ اس کے بعد جو عزیزان پڑھ رہے تھے، ان کو سفر درپیش آ گیا اور وہ سفر پر روانہ ہو گئے، ترجمہ کا جو سلسلہ چل رہا تھا، اس طرح وہ پھر کچھ دنوں کے لیے رک گیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ خود لکھتے ہیں :

"چوں قریب ثلث قرآن رسیدہ شد کہ آں عزیز را سفر درپیش آمد، و آں تحریر در چند توقف افتاد۔" (ایضاً)

"جب ترجمہ کا یہ سلسلہ تہائی قرآن تک پہنچا کہ ان عزیز کو سفر درپیش آ گیا اور ترجمہ کا لکھنا موقوف ہو گیا۔"

بعض اہل علم جو زیادہ مشغول ہوتے ہیں، ان کا حال یہی ہوتا ہے کہ مختلف کام میں کچھ اس طرح انہماک ہوتا ہے کہ جب کوئی کام التوا میں پڑ گیا تو پھر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلا کام ذہن سے نکل سا گیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ چونکہ مشغول آدمی تھے۔ درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور پھر تلامذہ اور احباب کے خطوط کے جوابات کا آپ پر کافی بار تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ترجمہ قرآن کا کام پھر التوا میں پڑ گیا، مگر بہت جلد سب کاموں سے یکسو ہو کر آپ نے پھر ترجمہ پر توجہ دی، اور بقیہ ایک تہائی قرآن ترجمہ کر لیا۔ اس طرح دو ثلث یعنی بیس پاروں کا ترجمہ مکمل ہو گیا۔

اہتمام یہ تھا کہ قرآن کے الفاظ کے نیچے ترجمہ ہو، اور ترجمہ ہر جملہ کا اس کے نیچے لکھا جائے یعنی الفاظ قرآن اور ان کا ترجمہ آمنے سامنے ہو تا کہ نظر پڑتے ہی معلوم ہو جائے کہ اس جملہ کا ترجمہ یہ ہے اور اس طرح پورے قرآن کا ترجمہ لکھ دیا جائے . . . چنانچہ اسی انداز پر ترجمہ کی تبییض شروع کرا دی۔ خود لکھتے ہیں :

" بہ بعض یاراں گفتہ شد کہ مسودہ را تبییض

"بعض عزیزوں سے کہا گیا کہ مسودہ کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کنند و آں ترجمہ را مقرون بہ آیات قرآن نویسند تا نسخہ مستقل گردد و آں یار سعادتمند روز عید اضحیٰ ۱۱۵۰ھ خمسین بعد الالف والمائۃ در تبییض شروع نمود" (ایضاً)

تبییض کر دیں اور ترجمہ کو آیات قرآنی سے ملا کر لکھیں تاکہ ایک مستقل نسخہ تیار ہو جائے۔ چنانچہ انھوں نے یوم عید اضحیٰ ۱۱۵۰ھ سے اس مسودۂ ترجمہ کو صاف کرنا شروع کر دیا۔"

معلوم ہوا کہ باضابطہ ترجمہ کی تبییض دس ذی الحجہ ۱۱۵۰ھ کو شروع ہوئی۔ حضرت شاہ صاحب نظر ثانی فرما کر شاگردوں کو دیتے رہے اور وہ نقل کرتے رہے۔ بہت جلد یہ تبییض مکمل ہو گئی اور حضرت کے سامنے بیس پاروں کا ترجمہ مبیضہ کی شکل میں پیش ہوا۔ آپ نے اس کو ملاحظہ فرمایا تو قدرتی طور پر دلی مسرت اور اطمینان سب حاصل ہوا اور پھر ترجمہ کا کام شروع فرما دیا۔ ایک تہائی قرآن جو ترجمہ سے رہ گیا تھا، اسے آپ نے پہلی فرصت میں مکمل کر لیا۔

الحمدللہ بقیہ دس پاروں کا ترجمہ بھی شعبان ۱۱۵۰ھ میں مکمل ہو گیا۔ گویا اسطرح پورے قرآن پاک کے ترجمے سے آپ نے فراغت حاصل کر لی۔ دس پارے کا ترجمہ جو اخیر میں ہوا تھا، اس کی تبییض رہ گئی تھی، آپ نے اسے بھی شروع کرا دیا۔ رمضان المبارک کے پہلے ہفتہ میں تبییض کا یہ کام بھی پورا ہو گیا۔ اس طرح ترجمہ کا جو کام ۱۱۴۳ھ میں شروع کیا گیا تھا وہ اوائل رمضان ۱۱۵۱ھ میں مکمل ہو گیا۔ گویا پورے نو سال میں یہ کام پورا ہوا — بہرحال دیر سویر آپ نے یہ اہم خدماتِ قرآنی انجام دی۔

" باز عزم را انتعاشی پدید آمد تا آخر قرآن مسودہ شد و کان ختم التسوید فی اوائل شعبان و ختم التبییض فی اوائل رمضان ۱۱۵۱ھ احدی وخمسین۔" (ایضاً)

"پھر عزم میں ابھار آیا، اور آخر قرآن تک کا ترجمہ مسودہ کی شکل میں مکمل ہو گیا مسودہ کا اتمام اوائل شعبان میں ہوا اور اس کی تبییض اوائل رمضان ۱۱۵۱ھ میں مکمل ہو گئی۔"

اس کے بعد کچھ سالوں میں آپ کے شاگرد رشید خواجہ محمد امین کی محنت و توجہ سے اس کے متعدد نسخے تیار ہوئے اور اہل علم میں پھیل گئے۔ جب یہ پورا ترجمہ ارباب فضل و کمال اور علمائے کرام کے سامنے آیا تو وہ بے حد خوش ہوئے اور انھوں نے ان نسخوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور بطور نقل پھیل گیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اس ترجمہ کا نام "فتح الرحمٰن" تجویز فرمایا اور اہل علم میں اسی نام سے مشہور ہوا۔ حضرت والا خود لکھتے ہیں:

" و نام ایں کتاب "فتح الرحمٰن بترجمۃ

" اس ترجمہ کا نام "فتح الرحمٰن" بترجمۃ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

القرآن مقرر کردہ شد۔"	(ایضاً)	القرآن تجویز کیا گیا۔"

پھر اسی کے ساتھ اپنا نام بھی لکھا ہے جیسا کہ مصنف و مترجم کا دستور ہے :

" نام مصنف ایں کتاب احمد بن عبدالرحیم است. لقب مشہور ولی اللہ الدہلوی وطناً والعمری نسباً۔"	(ایضاً)	" اس ترجمہ کرنے والے کا نام احمد بن عبدالرحیم ہے، جو ولی اللہ کے نام سے مشہور ہے. دہلی کا باشندہ ہے اور نسباً فاروقی ہے۔"

یہ تو تفصیل ترجمہ کی تھی جو پیش کی گئی کہ کب شروع ہوا، اور کیسے کیسے انجام پایا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں ہندستان میں کوئی ایسا پریس نہیں تھا کہ طبع ہو کر پورے ملک میں دفعتاً پھیل جاتا۔ باقی نقل کا کام بھی کافی تیز ہوا کرتا تھا۔ لکھنے والے معاوضہ لے کر بہت جلد نقل کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ اس کی اشاعت اسی رابستہ سے ہوئی مگر اب ملاحظہ فرمایا جائے کہ ترجمہ قرآن کے سلسلے میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کا نظریہ کیا تھا، اور کیا چاہتے تھے۔ آپ کی تجویز اور دلی خواہش یہ تھی کہ چھوٹے بچے ناظرہ قرآن یا حفظ قرآن کے بعد فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھ چکیں تو ان کو ابتدائے زندگی میں ہی قرآن کا یہ ترجمہ پڑھانا شروع کر دیا جائے، تاکہ بچپن میں ہی قرآن پاک کا نقش ان کے دل و دماغ میں راسخ ہو جائے اور قرآن مجید میں جو کچھ مضامین ہیں وہ ذہن نشین ہو جائیں، بالخصوص قرآنی احکام و مسائل اور عقائد و اخلاق سے وہ آشنا ہو جائیں۔ سبقاً سبقاً اگر یہ ترجمہ ہونہار بچوں کو پڑھا دیا گیا تو قرآن سے انھیں گہری مناسبت پیدا ہو جائے گی، اور آئندہ زندگی میں کبھی کسی گمراہ کرنے والے کے جال میں پھنس نہیں سکیں گے۔ قرآن پاک کا یہ ترجمہ پڑھنا زندگی کے ہر موڑ پر ان کی رہنمائی کا فریضہ ادا کرے گا۔

شاہ صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ خصوصیت سے ان لوگوں کے بچوں کو ضرور شروع زندگی میں پڑھا دیا جائے جن کے متعلق ظاہر حالات سے معلوم ہو کہ وہ پورا نصاب تعلیم نہ پڑھ سکیں گے۔ بقدر ضرورت پڑھ کر اپنے کاروبار میں لگ جائیں گے :

" و مرتبۂ ایں کتاب بعد خواندن متن قرآن و رسائل مختصر فارسی است، تا فہم لسان فارسی بے تکلف دست دہد و بہ تخصیص صبیان اہل حرف و سپاہیان کہ توقع استیفاء علوم عربیت ندارند در اول سن تمیز ایں کتاب بیشاں تعلیم باید کرد،	" اس ترجمۂ قرآن کے پڑھانے کا وقت ناظرہ یا حفظ قرآن ختم کرنے اور تھوڑی بہت فارسی پڑھ لینے کے بعد ہے، تاکہ وہ بآسانی فارسی ترجمہ سمجھ لیں۔ خصوصی طور پر جو لوگ صنعت و حرفت میں لگے ہوئے ہیں اور جو ملازمین ہیں، ان کے بچوں کو ضرور پڑھایا جائے جن کے مکمل نصاب عربی پڑھنے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تا اول چیزیکہ در جوف ایشان افتد معانی قرآن باشد وسلامت فطرت از دست نرود، وسخن ملاحدہ بصورت مرقع صوفیہ شدہ۔ عالم را گمراہ سازند فریفتہ نکند وہمچنیں اراجیف معقولیان خام وسخن ہنود بے نظام لوح سینہ را ملوث نسازد ونیز آنانکہ بعد انقضاء شطر عمر توفیق توبہ یابند۔" (ایضاً)

اور ختم کرنے کی توقع نہیں ہے۔ ایسے بچوں کو سن تمیز اور سن شعور کو پہونچتے ہی یہ ترجمہ قرآن پڑھا دیا جائے تاکہ سب سے پہلی چیز جو ان کے اندر جگہ پکڑے، وہ قرآن پاک کے معانی ہوں، اور اس کی برکت سے ان کی فطری سلامتی زائل نہ ہونے پائے اور ان بے دینوں کی غلط باتیں ان کو دھوکہ میں نہ ڈال سکیں، جو صوفیہ کے لباس میں دنیا کو گمراہ کرتے پھرتے ہیں۔ اسی طرح معقولیوں کی بکواس سے غیر مسلموں کی باتوں سے ان کا سینہ داغدار نہ ہوسکے اور عمر کا ایک حصہ گذرنے کے بعد انھیں توبہ کی توفیق نصیب ہو۔"

حضرت شاہ صاحب کے اس منصوبے کو بغور مطالعہ فرمائیں کہ آپ کیا چاہتے تھے، اور قرآن پاک کی کیسی عظمت آپ کے قلب میں راسخ تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحبؒ کو یقین تھا کہ اگر بچوں کو سن شعور کے ساتھ سبقاً سبقاً قرآن پاک کا ترجمہ پڑھا دیا گیا تو ان کی آئندہ زندگی سنور جائے گی۔ اور پھر وہ زندگی کی کسی منزل میں کسی کے دھوکہ میں نہ آسکے گا۔ نہ جاہل صوفیا کی باتیں ان کو گمراہ کرسکیں گی اور نہ معقولیوں کی کٹ حجتی ان کی قوموں میں تزلزل پیدا کرسکے گی، حد یہ ہے کہ غیر مسلموں کا کوئی داؤ بھی ان پر کارگر نہ ہوگا۔ اگر کبھی انسانی طبیعت کی وجہ سے کوئی لغزش ہوگئی اور کہیں ان کے قدم جادۂ اعتدال سے ڈگمگا گئے تو پھر تھوڑے دنوں کے بعد اس کو توبہ کی توفیق ہوگی اور گناہ کی وادیوں سے دامن جھاڑ کر نکل آئے گا۔

اللہ کا کلام بہرحال اس کے ذہن وفکر اور دل ودماغ کو متاثر کرکے رہے گا۔ اور جب کوئی ایسی افتاد پڑے گی تو ترجمہ قرآن کی روشنی اس کی رہبری کرے گی اور اس کو راہ راست پر لا ڈالے گی۔

آپ نے ترجمہ قرآن کے پڑھنے پڑھانے پر زور دیا ہے اور یہ ذہن نشین کیا ہے کہ کوئی مسلمان اس سے محروم نہ رہنے پائے۔ خواص وعوام سبھوں کو اس کے پڑھنے پر متوجہ کیا جائے۔ قرآن پڑھنے میں مزہ اس وقت زیادہ آئے گا، جب وہ سمجھ کر پڑھے گا کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے کیا مطالبہ ہے اور وہ اپنے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بندوں سے کیا چاہتا ہے:

"ایں کتاب ایشاں را باید آموخت تا در تلاوت حلاوتے یابند و منفعت آں در حق جمہور مسلماناں متوقع است انشاء اللہ العظیم" (ایضاً)

"یہ ترجمہ ان کو پڑھنا چاہیئے تاکہ تلاوت میں حلاوت حاصل ہو اور اس کے منافع کی جمہور مسلمانوں کے حق میں پوری توقع ہے۔ انشاء اللہ"

آپ نے اس اشکال کا جواب بھی دیا ہے کہ "گلستاں، بوستاں" پڑھنے والوں کو ترجمہ قرآن کیسے سمجھ میں آئے گا اور وہ کس طرح اس سے مستفید ہوں گے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ جو بچے "گلستاں، بوستاں، منطق الطیر" اور اس طرح کی دوسری کتابیں پڑھتے ہیں، کیا وہ اس کو سمجھتے ہیں یا نہیں؟ اور آخر پڑھایا اسی لئے جاتا ہے کہ اچھی باتیں ان کے ذہن نشین ہوں۔ تو آخر کیا بات ہے کہ قرآن پاک کی باتیں ان کے ذہن نشین نہ ہوں گی یا اس سے ان کو فائدہ نہیں ہوگا۔ ترجمہ قرآن اللہ کا کلام ہے، اور بڑے اچھے انداز میں بندوں کو خطاب کیا گیا ہے اور دنیا اور آخرت کی زندگی کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ آپ کی یہ بھی رائے تھی کہ یہ ترجمہ قرآن ان لوگوں کو بھی سنایا جائے جو خود نہ پڑھ سکتے ہوں۔ ان کو مختلف ٹولیوں اور حلقوں میں تقسیم کر دیا جائے اور ایک مقرر وقت پر روزانہ پابندی سے ایک اچھا فارسی کا جاننے والا ترجمہ قرآن پڑھ کر ان کو سنائے، اور جہاں ان کی سمجھ میں نہ آئے، سوال کرے تو وہ بتائے کہ یہاں قرآن یہ بتانا چاہتا ہے۔ ماحصل یہ ہے کہ عوام کا جاہل طبقہ بھی قرآنی تعلیم سے محروم نہ رہنے پائے، البتہ روزانہ تھوڑا تھوڑا سنایا جائے۔ جتنی دیر لوگ شوق سے سن سکیں۔ اتنی دیر نہ کی جائے کہ لوگ گھبرا جائیں

شاہ صاحب لکھتے ہیں:

"و سائر ابنائے روزگار کہ اکثر اوقات بشغل مشغول اند در وقت فراغ کہ با یکدیگر حلقہ بہ نشینند و کسیکہ بر عبارت فارسی قدرت باشد و اندکے از فن تفسیر بہرہ یافتہ یا عزیزی کہ ایں ترجمہ را اگر رانیدہ خود بقدر وسعت وقت یک دو سورۃ یا ترجمہ آں بہ ترتیل و تبیین و وقوف کلام بخواند تا ہم بشنوند و معانی محفوظ شوند" (ایضاً)

"موجودہ زمانہ کے ان تمام لوگوں کو بھی سنایا جائے جو عمومی طور پر معاش کے حاصل کرنے میں مشغول رہتے ہیں نہ فرصت کے وقت میں مختلف ٹولیوں میں بیٹھیں اور فارسی عبارت پڑھنے پر جن کو قدرت ہو، اور معمولی طور پر فن تفسیر سے دلچسپی ہو یا جو یہ ترجمہ پڑھ چکے ہوں جتنا وقت ہو اسی اعتبار سے ایک دو سورتوں کا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترجمہ سنادیں اور قرآن ترتیل کے ساتھ پڑھیں
تاکہ دوسرے لوگ یکسو ہو کر فیض اور معانی و مفہوم
محفوظ رکھیں۔"

حضرت شاہ صاحب کی یہ تجویز اور خواہش بہت مبارک تھی اور آپ نے جو کچھ اس وقت کے لیے تحریر فرمایا تھا، وہ آج بھی اس لائق ہے کہ اس پر عمل کیا جائے۔ موجودہ دور کے ارباب فضل و کمال اور علماء اس تجویز پر غور کریں، اور اس وقت بجائے فارسی ترجمہ کے اردو ترجمہ سنانے کا اور پڑھنے پڑھانے کا اہتمام کیا جائے۔

سوچنا یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب کو کتاب اللہ سے کتنا گہرا اعتقاد تھا اور آپ عوام و خواص تک قرآن پہنچانے کے لیے کس قدر بیتاب تھے۔ اور آپ کو کیسا یقین تھا کہ ترجمہ قرآن کا پڑھنا اور سنانا بیکار نہیں جائے گا بلکہ یہ کارآمد ثابت ہوگا، دنیا کی ساری اچھی باتیں ہم ان کو سنانے کا اہتمام کرتے ہیں۔ اگر نہیں کرتے تو صرف قرآن پاک سنانے کا اہتمام نہیں کرتے، ایسا کیوں؟

حالانکہ عہد نبوی اور عہد صحابہ میں اشاعت اسلام کے ساتھ قرآن سنانے کا خاص اہتمام ہوا کرتا تھا۔ صحابہ کرام متعدد حلقے بنا لیتے تھے، اور ہر حلقہ میں ایک پڑھنے والا ہوا کرتا تھا جو قرآن پڑھ کر سنایا کرتا تھا اور احکام و مسائل بیان کیے جاتے تھے۔

حضرت شاہ صاحب نے بھی اس طرف اشارہ فرمایا ہے، لکھتے ہیں:

"وتشبہی پیدا کردہ باشد با صحابہ کرام ہمیں دستور حلقہ حلقہ نشینند و قاری ایشاں قرآت می کرد" (ایضاً)

"اور صحابہ کرام سے ایک تشبہ پیدا کیا جائے کہ وہ اسی طرح حلقہ حلقہ بنا کر بیٹھتے تھے اور قرآن پڑھنے والا ان کے سامنے تلاوت کیا کرتا تھا۔"

آگے دونوں کا فرق بیان فرمایا ہے:

"وایں قدر فرق است کہ صحابہ کرام سلیقہ خود زبان عربی فہم می کردند وایں جماعت بتوسط ترجمہ فارسیہ" (ایضاً)

"دونوں میں امتیاز ہے کہ صحابہ کرام زبان عربی سمجھتے تھے، اور ہمارے ہندستانی بھائی عربی نہیں جانتے ہیں فارسی ترجمہ کے ذریعہ سمجھیں گے۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ماحصل یہ ہے کہ جس طرح صحابہ کرام میں قرآن پڑھنے اور سننے کا ذوق تھا، یہی ذوق و شوق ہم مسلمانوں میں بھی پیدا ہونا چاہیئے۔ تاکہ ہمیں اللہ کی کتاب سے ایک خاص مناسبت باقی رہے اور ہماری زندگی میں قرآن پاک ہماری رہنمائی کا فریضہ ادا کرتا رہے ایک چیز کو بار بار سننے کے بعد وہ ذہنوں میں جاگزیں ہو جاتی ہے اور جلد اس کا ذھول نہیں ہوتا ہے۔

اس ملک میں جس کی زبان عربی نہیں ہے۔ اگر قرآن پاک کا ترجمہ اپنی مادری زبان میں سنیں گے تو یقیناً ہمارا دل مضامین قرآن سے متاثر ہوگا۔ دل کی کجی دور ہوگی، سوز و گداز پیدا ہوگا، اور کلام الہٰی کے پڑھنے اور سننے سے دل میں جلا پیدا ہوگی، اور حکم خداوندی معلوم ہوتا رہے گا۔ اور اگر پہلے سے معلوم ہے تو اس کی یاددہانی ہوتی رہے گی کہ ہمارے رب کا ہم بندوں سے کیا مطالبہ ہے اور ہم پر کیا حقوق و فرائض عائد ہوتے ہیں۔ پھر ان حقوق و فرائض کی ادائیگی میں کیا کیا کوتاہیاں ہوتی ہیں۔

جب ہم بزرگوں کے قصے سنتے ہیں تو ہمارے دلوں میں نیکی کا جذبہ اُبھرتا ہے اور کلام الہٰی میں جب ہم پیغمبروں اور خدا کے برگزیدہ رسولوں کے واقعات سنیں گے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ہمارے دلوں میں ہلچل پیدا نہ ہوگی۔ قوموں کی بربادی کے قصے جب ہمارے سامنے آئیں گے کہ رسولوں کی نافرمانی سے ان پر کیسے کیسے عذاب آئے، تو کیا ان کو معلوم کر کے ہمارے دلوں میں نرمی پیدا نہیں ہوگی؟ گناہوں پر تنبیہہ نہیں ہوگا؟ اور ہم اپنی نافرمانیوں سے باز نہیں آئیں گے؟ انسان دل رکھتا ہے، اور وہ حالات سے لازماً متاثر ہوتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے اپنے اس مقدمہ میں اس طرف بھی اشارہ فرمایا ہے کہ لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ مثنوی مولانا رومؔ اور شیخ سعدیؔ کی "گلستاں" "بوستان" پڑھ کر اثر قبول کرتے ہیں، اور سننے والے ان کتابوں کو پڑھوا کر سنتے ہیں۔ تو آخر احکم الحاکمین کی کتاب اور اس کتاب میں جو نصیحتیں ہیں ان کو سن کر ہمارے دلوں میں کیونکر گداز پیدا نہ ہوگا؟ اور اطاعت کا جذبہ کیسے نہیں ابھرے گا؟

مسلمانوں میں کتاب الہٰی سے جو دوری پیدا ہوگئی، آخر وہ کب دور ہوگی، تفسیر کی کتابوں سے آخر ہم مناسبت اور شغف کیوں پیدا نہیں کرتے؟ شاہ صاحبؒ چاہتے تھے کہ مسلمانوں میں زندگی کا خون دوڑنے لگے۔ ان کی بے حس زندگی میں احساس و شعور پیدا ہو، اور ان کا رشتہ اسلام اور تعلیمات اسلام سے مضبوط ہو، تاکہ ان کی زندگی میں انقلاب کی لہر اٹھے۔ یہ خواب غفلت سے بیدار ہو جائیں، اور ان کی دنیا و آخرت سنور جائے۔

آپ نے تحریر فرمایا:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"اگر انصاف دہی فائدہ اصلی از نزول قرآن۔ الفاظ است بمواعظ و ہدایت آں نہ صرف تلفظ بیان۔ اگرچہ تلفظ آں ہم مغتنم است۔ پس چہ مسلمانی آوردہ است کسے کہ مدلول قرآن را نہ فہمد و کدام حلاوت دارد آں کہ مدلولِ کلام اللہ را نہ داند۔"
(ایضاً)

"اگر انصاف کریں تو قرآن پاک کے نزول کا مقصد اصل یہ ہے کہ اس کی ہدایتوں اور نصیحتوں سے ہم سبق لیں۔ گو صرف متن قرآن کا پڑھنا بھی فائدہ سے خالی نہیں مگر اس شخص کے ہاتھ مسلمانی کیا آئے گی جو قرآن کے مدلول کو نہ سمجھ سکے اور وہ کیا شیرینی پائے گا جو قرآن پڑھ کر کلام کے منشا کو نہ جان سکے۔"

حضرت شاہ صاحبؒ چاہتے ہیں کہ قرآن پڑھ کر آدمی ترجمہ اور تفسیر کے راستہ سے اس کے مطالب اور مفہوم کو سمجھنے کی جدوجہد کرے اور قرآن انسانوں میں جو اوصاف عالیہ پیدا کرنا چاہتا ہے وہ خوبیاں پیدا ہونے لگیں۔ قرآن پاک کے نزول کا مقصد انسانوں کی ہدایت ہے مزاج میں جو بے اعتدالی پائی جاتی ہے۔ اس میں اعتدال پیدا کرنا ہے جو جذبات اور احساسات ہیں ان کو ان کے صحیح محل میں استعمال کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ بیجا استعمال سے بگاڑ کا اندیشہ ہے۔ آج ساری خرابیاں اس لئے پیدا ہوتے لگی ہیں کہ ہم نے اعتدال کا دامن چھوڑ دیا ہے۔ جن لوگوں میں عربی سمجھنے کی صلاحیت تعلیم کے ذریعہ پیدا ہو چکی ہے جیسے علماء اسلام اگر بغور یہ ترجمہ بھی پڑھیں گے تو نفع اٹھانے سے محروم نہیں رہیں گے۔ ان کو بھی اسکے پڑھنے کا انشاء اللہ نفع ہو کر رہے گا:

"لیکن امیدواری از فضل حضرت باری آنست کہ ایں جماعت نیز دریں کتاب نظر کنند تحت لفظ قرآن بیش ایشاں روشن تر شود . . . بسا فائدہ کہ بیش از مطالعۂ آں نشنیدہ و ندیدہ باشند بتازگی استفادہ نمایند۔"
(فتح الرحمٰن)

"اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے توقع ہے کہ یہ جماعت بھی جو نصاب درسیات پڑھ چکی ہے جب اس ترجمہ کا بغور مطالعہ کرے گی تو انھیں بھی بہت کچھ روشنی ملے گی، اور بہت سی علمی چیزوں سے آگاہی ہو گی اور اس کے مطالعہ سے پہلے جو چیز نہ سنی اور نہ دیکھی تھی وہ سامنے آئے گی اور وہ ان سے خاطر خواہ فائدہ حاصل کریں گے۔"

جو طلبہ عربی پڑھ رہے ہیں، ان کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ اپنے ابتدائی درجوں میں قرآن کا ترجمہ سبقاً سبقاً ضرور پڑھ لیا کریں، تاکہ ان کو قرآن پاک سے مناسبت پیدا ہو جائے اور یہ ذہن نشین ہو جائے کہ قرآن پاک

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں کیا مضامین ہیں اور کہاں کہاں کس انداز سے بیان کئے گئے ہیں۔ پھر یہ کہ کس لفظ کا لغوی معنی کیا ہے:

"بہتر ازاں چیست کہ درجہ ادنیٰ از علم تفسیر دراول عمر اکتساب کردہ شود، تا اگر علوم عالیہ بدست آید، ایں نیز مدد و معاون در اتمام مقصد دلی بود، اگر بدست نیاید حصہ از مقصود بدست آوردہ شد و خسارت محض نیافتہ باشد۔" (ایضاً)

"اس سے بہتر کیا ہوگا کہ زندگی کے شروع ہی میں قرآنی علوم حاصل کر لیا جائے، تاکہ ان کو علوم آئیہ حاصل ہو جائے تو مقصد کی تحصیل میں وہ آگے چل کر ممد و معاون بنے، اور اگر وہ حاصل نہ کر سکے تو کم از کم قرآن کا حصہ جو اصل مقصود ہے حاصل ہو جائے اور تحصیل میں جو محنت ہو چکی ہے وہ بیکار نہ جائے اور خسارہ میں نہ آئے۔"

یہ دیکھا گیا ہے کہ بہت سے طلبا درمیان میں تعلیم چھوڑ کر کاروبار میں لگ جاتے ہیں یا اسکول کالج کی لائین اختیار کر لیتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو عمر صرف، نحو اور ابتدائی عربی ادب یا منطق و فلسفہ میں صرف ہو چکی ہے، وہ اکارت چلی جاتی ہے اور کتاب اللہ کا کوئی حصہ اور مضمون اس کے حصے میں نہیں آتا ہے۔ وہ اس سے قطعاً محروم رہ جاتا ہے۔ اگر ابتدائی درجوں میں قرآن کا ترجمہ سبقاً سبقاً پڑھ چکا ہوتا تو ایسی محرومی نہیں ہوتی۔ جب بھی قرآن کی تلاوت کرتا تو قرآن کا ضروری مضمون اس کے ذہن میں آتا اور تلاوت میں اسے خاص دلچسپی ہوتا۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے ترجمہ میں نہ ایسا طول دیا ہے جو مفہوم کے سمجھنے میں تھکا دے، اور نہ ایسا مختصر ہے کہ جس سے مفہوم و ماحصل خبط ہو کر رہ جائے۔ زبان فارسی سلیس سادہ اور عام فہم استعمال کی ہے، تاکہ ہر شخص بآسانی مفہوم ذہن نشین کر لے۔ اگر کوئی ضروری بات بتانی ہے تو اسے مختصر انداز میں حاشیہ میں درج کر دیا ہے۔ کہیں یعنی کا لفظ بڑھا کر اور کہیں مثل کا لفظ بڑھا کر اور حاشیہ میں اضافہ میں یہ جملہ بڑھایا ہے "مترجم گوید" اور بہت سارے اقوال میں سے اس قول کو اختیار کیا جو سب سے زیادہ صحیح ہے اور مستند حدیثوں سے لیا گیا ہے۔ موضوع اور ضعیف حدیثوں سے مکمل اجتناب کیا گیا ہے۔ اسی طرح اسرائیلی روایات سے بھی مکمل پرہیز کیا گیا ہے۔ ترجمہ میں یہ اہتمام ہے کہ جتنا قرآن کا جملہ ہے معنی بھی اتنے ہی جملوں میں ادا ہو جائے۔ تعبیر واضح اختیار کی گئی ہے۔

اپنے اس ترجمہ کی خصوصیت حضرت شاہ صاحبؒ نے پانچ چھ نمبروں میں بیان کی ہے۔ مثلاً ترجمہ میں متعارف فارسی کا استعمال، تعبیر میں ضرورت سے زیادہ اطناب اور اختصار سے پرہیز، مقصود کے بیان میں وضاحت معنی کا پورا لحاظ، معنی کا سمجھنا اگر کسی واقعہ پر موقوف ہے تو وہاں بقدر ضرورت ایک دو جملوں میں اس کا بیان

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

توجیہات میں قوی تر توجیہ کا انتخاب، ترجمہ میں محذوف کا اظہار اور ضمیر کے مرجع کی صراحت تاکہ مفہوم خبط نہ ہو سکے، مختصر یہ کہ ترجمہ میں کنجلکی پیدا نہیں ہونے دی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب یہ ترجمہ علماء اور اہل علم کے سامنے آیا تو سبھوں نے ہر پہلو سے پسند کیا اور اس کی خوبیوں کا اعتراف کیا اور جاننے والوں کو اس کے مطالعہ کا مشورہ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں اس فارسی ترجمہ کو بڑا قبول عام عطا فرمایا۔ ہندوستانی عالم دین کے قلم سے یہ پہلا ترجمہ تھا، جو لکھا گیا تھا۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ جب اردو کا زمانہ آیا تو اس وقت اس کے ترجمہ کے لیے آپ کے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی نے قلم اٹھایا اور ۱۲۰۵ھ میں بڑا ہی نفیس ترجمہ لکھا جو اس زمانہ کا بامحاورہ ترجمہ سمجھا گیا۔ پھر آپ کے دوسرے صاحبزادے شاہ رفیع الدین نے تحت اللفظ ترجمہ کیا، یقیناً صاحبزادوں نے ترجمہ کرتے وقت اپنے والد بزرگوار کا فارسی ترجمہ سامنے رکھا ہوگا جس سے ان کو بڑی مدد ملی ہوگی۔ اگر باپ بیٹوں نے ترجمے نہ کیے ہوتے تو اہل ملک کو بڑی دشواریوں سے دوچار ہونا پڑتا۔ بعد کے سارے ترجمے انہی فارسی اردو ترجموں کو سامنے رکھ کر کیے گئے ہیں۔ کوئی مترجم اردو اس احسان سے اپنے آپ کو سبکدوش نہیں کر سکتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اس ترجمہ قرآن کے علاوہ بیسوں قیمتی کتابیں اپنی حیات میں تصنیف فرمائی ہیں جن کا معیار آج بھی بڑا اونچا سمجھا جاتا ہے اور ان کا مطالعہ اہل علم کے لیے بہت ضروری ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کا ذہن وفکر آفاقی تھا اور زندگی کے تمام شعبہ جات پر وسیع نظر رکھتے تھے۔ اس ملک میں جس قدر علماء پائے جاتے ہیں، سب کا سلسلۂ اسناد شاہ صاحبؒ سے جا کر ملتا ہے۔

اس مخطوطہ قرآن پاک کے شروع میں "فتح الرحمٰن بترجمہ القرآن" کے نام سے ایک مقدمہ ہے، جو چھ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ اور اخیر میں قرآن جس سے حاصل کیا ہے اس کی پوری سند ہے، اور درمیان میں قرآن پاک مع ترجمہ ہے۔ قرآن پاک خط نسخ میں ہے اور ترجمہ خط نستعلیق میں۔ نمبر اوراق درج نہیں۔ سنہ کتابت بھی درج نہیں۔ شروع کے اوراق کرم خوردہ ہیں۔

●●

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جناب ضیاء الدین اصلاحی
دار المصنفین، اعظم گڑھ

مقدمۂ فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن و الفوز الکبیر و فتح الخبیر

کا ایک ترجمہ

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ ہندستان کے ان علمائے کبار میں ہیں جن کے علمی و دینی، فکری و تحقیقی اور اصلاحی و تجدیدی کارناموں کا غلغلہ پوری دنیا میں مچا ہوا ہے، مولانا شبلی رقمطراز ہیں:

" ابن تیمیہ اور ابن رشد کے بعد بلکہ خود انہی کے زمانہ میں مسلمانوں میں جو عقلی تنزل شروع ہوا تھا اس کے لحاظ سے یہ امید نہ رہی تھی کہ پھر کوئی صاحب دل و دماغ پیدا ہوگا۔ لیکن قدرت کو اپنی نیرنگیوں کا تماشا دکھانا تھا کہ اخیر زمانے میں کہ اسلام کا نفس واپسیں تھا۔ شاہ ولی اللہ جیسا شخص پیدا ہوا جس کی نکتہ سنجیوں کے آگے غزالی، رازی، ابن رشد کے کارنامے بھی ماند پڑ گئے"۔ (تاریخ علم الکلام حصہ اول ص ۱۰۹)

تفسیر، حدیث، فقہ، کلام اور اسرار الدین میں ان کی اولیت، یکتائی اور انفرادیت کے جلوے گوناگوں ہیں۔ ہر علم و فن میں ان کا انداز نظر اعلانیہ اپنے زمانہ سے جدا ہے۔ ان کی ذہانت، عبقریت اور مجتہدانہ ذوق نے ہر روش اور ہر چمن میں گل بوٹے پیدا کیے ہیں اور علم و ہنر کا ایک تازہ جہاں آباد کیا ہے۔

شاہ صاحب کے گوناگوں کارناموں میں سب سے نمایاں اور ممتاز کارنامہ قرآن مجید اور اس کے علوم و معارف کی ترویج و اشاعت ہے۔ انھوں نے اپنے عہد کی دفتری و تعلیمی زبان فارسی میں قرآن مجید کے ترجمہ و تحشیہ کا اولین کارنامہ انجام دیا ہے۔ جس کی بدولت ہندستان میں قرآن فہمی کا عام چرچا ہوا اور اردو اور دوسری زبانوں میں بھی قرآن مجید اور احادیث نبوی کے ترجمے کا دروازہ کھل گیا۔

خدا بخش لائبریری کے اس بین الاقوامی سمینار کے لیے اپنا مقالہ تیار کرنے کے لیے جب میں نے دار المصنفین کے مخطوطات کے تفسیری ذخیرہ پر نظر ڈالی تو وہ شاہ ولی اللہ ہی کی ایک لطیف و انیق تصنیف پر رک گئی۔ اس کا نام فہرست میں "مقدمہ تفسیر فتح الرحمان" درج تھا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہت عرصہ ہوا شاہ صاحب کے ترجمہ قرآن کو میں نے اپنے استاذ مولانا اختر احسن اصلاحی[1] مرحوم کے یہاں دیکھا تھا، اس وقت مجھے اس کی خبر نہ تھی کہ شاہ صاحب نے اس کا کوئی مقدمہ و دیباچہ بھی لکھا ہوگا۔ اس کا علم اس وقت ہوا جب شاہ صاحب کی تصنیفات اور ان پر لکھی ہوئی کتابیں پڑھیں۔ لیکن خیال یہی تھا کہ مقدمہ مختصر اور اوسط درجہ کا ہوگا مگر اس قدر ضخیم مخطوطہ کو دیکھ کر حیرت ہوئی اور اس کے دو ایک صفحے پڑھنے کے بعد ہی یہ اندازہ ہوا کہ شاہ صاحب نے اپنی مالوف عادات کے مطابق اس میں بھی افکار تازہ اور مضامین نو کے انبار لگا دیے ہیں۔

ظاہر ہے جو مخطوطہ کمیت و کیفیت دونوں ہی حیثیتوں سے اہم ہو اسے موضوع مقالہ بنانا غیر مناسب نہ تھا۔ لیکن مخطوطے کی ورق گردانی سے معلوم ہوا کہ اصل مقدمہ صرف ۱۵ صفحے کا ہے۔ اس میں بھی تین صفحے تمہید کے ہیں اور باقی ۱۲ مقدمے کے ہیں۔ اس کے بعد ص ۱۷ سے ۱۹۶ تک شاہ صاحب کی دوسری معرکۃ الآرا اور اصول تفسیر کی مہتم بالشان تصنیف الفوز الکبیر ہے اور اسی میں فتح الخبیر بھی شامل ہے جو الفوز الکبیر ہی کا پانچواں باب ہے اور اسے شاہ صاحب نے ایک مستقل تصنیف بھی بنایا ہے، یہ ص ۱۲۷ سے شروع ہو کر ص ۱۹۶ پر تمام ہوئی ہے ص ۱۹۷ سے ص ۲۲۰ تک یعنی آخر کتاب تک ایک اور فصل ہے جو ترجمہ قرآن کا تکملہ و تتمہ ہے۔

'الفوز الکبیر مع فتح الخبیر' تفسیر و اصول تفسیر میں شاہ صاحب کی مشہور و مقبول کتاب ہے، اس کے خطی نسخے اکثر کتب خانوں میں موجود ہیں، اور یہ کئی بار چھپ بھی چکی ہے اور اس کے عربی، اردو ترجمے بھی شائع ہو چکے ہیں۔ مگر مقدمہ اور ضمیمہ کو میں نے غیر مطبوعہ سمجھ کر اول الذکر کا مفصل تعارف لکھا۔ اس غلط فہمی کا باعث بعض فہرست نگاروں کا بیان ہوا جیسے مکتبہ مشرقیہ دار العلوم اسلامیہ پشاور کے فہرست نگار لکھتے ہیں:

"قلمی، خوش خط بدرجہ اوسط مع دیباچہ و ضمیمہ مشتمل بر خصوصیات ترجمہ اریہ دیباچہ اور ضمیمہ نسخہ ہائے مطبوعہ میں نہیں پائے جاتے، معہ رسالہ فوز الکبیر و فتح الخبیر..." (الباب المعارف العلمیہ ص ۴۹، عدد مسلسل ۴۳۲ الف)

مختلف کتب خانوں میں مقدمہ کے جو قلمی نسخے موجود ہیں ان کے صفحات کی تعداد میں فرق و اختلاف ہے دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور دار العلوم دیوبند کے نسخے چھ صفحوں کے ہیں[2] اور ٹونک کے کتب خانے کا نسخہ حسب تصریح مولوی ابو الطیب عبد الرشید صاحب ۱۲۔۱۳ صفحے کا ہے[3] کتب خانہ آصفیہ کا خطی نسخہ اور دار المصنفین کے نسخہ کے صفحوں کی بھی یہی تعداد ہے۔ فتح الرحمٰن ۲۰۴ صفحے کا ہے[4]۔

1۔ مولانا اختر احسن اصلاحی ــــــــ مولانا حمید الدین فراہیؒ کے ارشد تلامذہ میں تھے ہند و پاک کے مشہور مصنف و ماہر قرآنیات مولانا امین احسن اصلاحی صاحب تفسیر تدبر قرآن کے ہم درس اور بڑے لائق و ذی علم شخص تھے پوری زندگی مدرسۃ الاصلاح سرائے میر کی خدمت میں گذاری، اکتوبر ۱۹۵۸ء میں انتقال کیا رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ 2۔ تاریخ دعوت و عزیمت ج ۵ ص ۳۴۷ از مولانا سید ابو الحسن علی ندوی، تعارف مخطوطات دار العلوم دیوبند ص ۲۰ مرتبہ مولانا ظفیر الدین 3۔ معارف فروری ۱۹۴۶ء 4۔ فہرست کتب خانہ آصفیہ ج ۱ ص ۵۶۶ سن ۱۳۳۲ھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فتح الرحمٰن اصل میں شاہ صاحب کے ترجمۂ قرآن اور اس کے تفسیری حواشی کا نام ہے۔ اس بنا پر خیال ہوتا ہے کہ آصفیہ کا نسخہ فتح الرحمٰن کے بجائے مقدمہ فتح الرحمٰن ہے اور اس میں بھی وہ سب رسالے شامل ہیں جو دار المصنفین اور پشاور کے نسخے میں ہیں۔ اس کی تائید مولوی قادر بخش خاں میر مجلس عدالت عالیہ کی تفصیلی تجارتی فہرست محبوب الالباب سے ہوتی ہے[1] جس میں ابتداء خطبہ کے بعینہٖ وہی الفاظ درج ہیں جو نسخہ دار المصنفین میں ہیں۔

پشاور، حیدر آباد اور اعظم گڑھ کے نسخوں کے نہ کاتب کا نام معلوم ہو سکا اور نہ سن کتابت کا پتہ چل سکا مگر ٹونک کے نسخہ کا سن کتابت بھی معلوم ہے اور کاتب کا نام بھی۔ چنانچہ مولوی ابو الطیب عبد الرشید صاحب اپنے مقالہ مشمولہ معارف جلد ۶۱ عدد[2] میں لکھتے ہیں:

"یہ رسالہ شاہ صاحب کے ترجمۂ قرآن کے مطبوعہ نسخوں میں نہیں ہے جو رسالہ فتح الرحمٰن کے بعض مطبوعہ نسخوں کی ابتدا میں چھپا ہوا ہے وہ زیر نظر رسالہ کے علاوہ ہے، یہ نسخہ ۱۲ جمادی الثانی ۱۲۲۷ھ کا لکھا ہے۔ کاتب کا نام محمد علی الحسینی السقطی ہے۔ اس رسالہ کا ایک قلمی نسخہ مولانا سید نور الحق علوی استاذ اورینٹل کالج لاہور کے یہاں بھی ہے۔ ان دونوں نسخوں میں کہیں کہیں الفاظ کی کمی و زیادتی کا معمولی فرق ہے[2]۔"

اس سے ثابت ہو گیا کہ غیر مطبوعہ نسخے میں کاتب کے نام اور کتابت کے سال کی صراحت موجود ہے، مگر ہمارے پیش نظر مخطوطہ میں نہ کاتب کا ذکر ہے اور نہ کتابت کے سال کی صراحت ہے۔ اس بنا پر ہم کو شاہ صاحب کے مطبوعہ ترجمہ فتح الرحمٰن کی تلاش ہوئی، افسوس ہے کہ اب یہ بھی نایاب ہو رہا ہے، اتفاق سے مولانا قاضی اطہر مبارک پوری اور مدرسۃ الاصلاح سرائے میر ضلع اعظم گڑھ کے کتب خانوں میں سے مطبوعہ ترجمے مل گئے۔ اول الذکر مطبع ہاشمی سے ۱۲۸۴ھ اور موخر الذکر بھی اسی مطبع سے ۱۲۸۲ھ میں شائع ہوا ہے۔ دونوں میں وہی دیباچہ مطبوعہ صورت میں موجود ہے، جو ہمارے مخطوطہ میں ہے۔ اسی دیباچہ کے متعلق مولانا سید ابو الحسن علی ندوی نے مطبع فاروقی دہلی سے ۱۲۹۴ھ میں چھپنے کی صراحت کی ہے[3]۔ انھوں نے اس کے جو اقتباسات دیے ہیں وہ بھی ہمارے مخطوطہ میں ہیں۔ علاوہ ازیں حیات ولی کے مصنف تحریر کرتے ہیں:

"حضرت شاہ صاحب نے فتح الرحمان کا ایک مقدمہ لکھا ہے جس میں ترجمہ کے اصول اور ترجمہ قرآن کی ضرورت و اہمیت اور چند دیگر فوائد ذکر کیے ہیں۔ ناشرین نے اس کو فتح الرحمٰن ہی کے ساتھ طبع کر دیا ہے[4]۔"

اس سے ظاہر ہو گیا کہ ہمارے پیش نظر مخطوطہ کا مقدمہ بھی الفوز الکبیر کی طرح مطبوعہ ہے۔ اوپر کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے ترجمہ کے تعلق سے اس کے علاوہ بھی کوئی رسالہ تحریر فرمایا تھا۔ جو ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔

---

[1] محبوب الالباب فی تعریف الکتب والکتاب ص ۶۰۵ [2] معارف فروری ۴۸ء [3] تاریخ دعوت و عزیمت جلد پنجم ص ۱۴۷
[4] حیات ولی ص ۵۴۸

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اس صدی کی چھٹی دہائی میں حیدر آباد پاکستان میں شاہ ولی اللہ اکیڈمی قائم ہوئی تھی چند برس تک اس کا آرگن ماہنامہ "الرحیم" بہت آب وتاب سے شائع ہوتا رہا اس کے جولائی ۶۵ء کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو۔

"شاہ صاحب کے کئی رسائل ہنوز غیر مطبوعہ ہیں۔ ہم کتابوں میں صرف ان کے نام پڑھتے ہیں آج تک ان کی زیارت سے محروم ہیں النوادر' النخبہ' مقدمہ در فن ترجمہ قرآن غالباً آج تک کہیں طبع نہیں ہوئے۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکا "مقدمہ درفن ترجمہ قرآن" تھا جو اس مطبوعہ مقدمہ فتح الرحمٰن کے علاوہ ہے۔ اس کا ایک نسخہ ندوۃ العلماء کے کتب خانہ میں بھی ہے جسکا نام المقدمہ فی قوانین الترجمہ خود شاہ صاحب نے بتایا ہے۔[۱] اسی کا غیر مطبوعہ نسخہ ٹونک کے کتب خانہ میں بھی ہے مگر مولوی ابوالطیب عبدالرشید صاحب لکھتے ہیں:

"اکتوبر ۴۶ء کے برہان دہلی میں اسی مقدمہ کو مختصر نوٹ کے ساتھ شائع کیا گیا ہے جو راقم کے ٹونک لائبریری کے نسخہ سے نقل ہے۔ طبع کرانے میں بڑی عجلت سے کام لیا گیا ہے۔ ضرورت تھی کہ اس کے دوسرے نسخوں کو تلاش کرکے ان سے تصحیح ومقابلہ کے بعد شائع کیا جاتا۔ راقم سطور نے مختلف نسخوں کی مدد سے اس کی تصحیح کرلی ہے اور ان شاء اللہ عنقریب اسے شائع کیا جائے گا۔"[۲]

یہ مضمون فروری ۴۹ء میں شائع ہوا تھا جو ۱۹۸۰ء میں "قصر علم ٹونک کے کتب خانے اور ان کے نوادر" میں بعینہ اسی طرح شامل ہے۔ اب یہ پتہ نہیں کہ یہ تصحیح شدہ نسخہ چھپا کہ نہیں مگر برہان نے تو جیسا تیسا شائع ہی کردیا۔

برہان کا مذکورہ بالا شمارہ تلاش کے باوجود نہیں مل سکا اس لیے ہم اس کا مقابلہ مطبوعہ دیباچے سے نہیں کرسکے کہ دونوں کا فرق معلوم ہوجاتا۔ ناظرین اس طویل تمہید سے گھبرا اٹھے ہوں گے۔ اس کا مقصد یہ بتانا تھا کہ میں اس اجلاس کے لیے ایک غیر مطبوعہ مخطوطہ کو بحث ونظر کا موضوع بنانا چاہتا تھا مگر مجھے اس میں کامیابی نہیں ہوسکی اور اب وقت اتنا کم رہ گیا تھا کہ کسی بہت ہی نایاب مخطوطہ کا سیر حاصل جائزہ پیش کرنا ممکن نہ تھا اس لیے چاروناچار مجھے دارالمصنفین کے اسی مخطوطہ کا جائزہ لینے کے لیے مجبور ہونا پڑا جس کے بارے میں پہلے بتایا جاچکا ہے کہ یہ مقدمہ فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن، الفوز الکبیر، فتح الخبیر اور ایک ضمیمہ پر مشتمل ہے[۳] ان چاروں میں غالباً آخر الذکر کے سوا

---

[۱] تاریخ دعوت وعزیمت ج پنجم ص ۳۴۷ [۲] معارف فروری ۱۹۴۸ء [۳] میرے پیش نظر مخطوطہ کی ترتیب یہی ہے لیکن دارالعلوم دیوبند کے مخطوطہ کی ترتیب اس سے کسی قدر مختلف ہے اس کے تعارف نگار مولوی ظفیر الدین صاحب رقمطراز ہیں:

"یہ مقدمہ چھ صفحات پر ہے اور ہر صفحہ میں ۲۱ سطریں پائی ہیں پھر اس مقدمہ کے اخیر میں قرآن پاک کی آپ کو جو سند حاصل ہے وہ درج ہے پورے قرآن پاک کا ترجمہ ختم کرکے اخیر میں ان حواشی کو جمع کردیا ہے جو آپ نے کہیں کہیں لکھے تھے یا جو آپ کے تفردات کے حکم میں تھے یہ حواشی ۱۸ اوراق پر مشتمل ہیں، ان کو آپ تشریحی نوٹ سے تعبیر کرسکتے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ یہ چیز بہت عجیب وغریب ہے اور ہر صاحب علم کے پڑھنے کے لائق ہے۔ اس ترجمۃ القرآن کے ساتھ حواشی باقی مفقود ہیں)

www.KitaboSunnat.com

سب غیر مطبوعہ ہیں۔ ہندستان کے بدلے ہوئے حالات میں فارسی تو درکنار اردو کا چلن بھی کم ہو گیا ہے۔ اس لیے مقدمہ کو شاہ ولی اللہ صاحب کے ترجمہ قرآن کے ساتھ بطور دیباچہ شائع ہو چکا ہے لیکن یہ دونوں اس لائق ہیں کہ ان کے مطالب کی طرف توجہ کر کے ان کی ترویج و اشاعت کی جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ مقدمہ کے متعدد نکات سے میں خود بے خبر تھا۔ ممکن ہے میری طرح کچھ اور لوگوں کو بھی اس کے مشمولات سے زیادہ واقفیت نہ ہو اس لیے کسی قدر اس کا مفصل تعارف کرایا جاتا ہے اور چوں کہ میرے مخطوطہ کی ترتیب میں بھی مقدم ہے اس لیے پہلے اسی پر بحث و گفتگو کی جاتی ہے۔

مقدمہ کی ابتدا خدا کی حمد و ثنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و منقبت سے ہوئی ہے جس میں کئی اہم اور لائق توجہ باتیں شاہ صاحب نے ارشاد فرمائی ہیں۔ مثلاً

۱۔ قرآن مجید کو خدائے تعالیٰ نے اپنی رافت تامہ کی بنا پر اپنے بندوں پر نازل فرمایا ہے تاکہ وہ خدا کی مرضی اور ناراضگی سے واقف ہوں، نفس کے مکاید قبیح اعمال اور ناپاک اخلاق کی تاریکیوں سے چھٹکارا حاصل کریں اور حظیرۃ القدس کی راہ پائیں، ۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سعادت دارین سے مطلع فرمایا اور دونوں جہاں کی مصلحتیں بوجہ اتم ہم پر واضح کیں نہ آپ کے بیان سے واضح تر کوئی بیان ہے اور نہ آپ کی رحمت سے بڑھ کر کوئی رحمت ہے۔ ۳۔ نیک بخت ترین وہ ہے جو آپ کی اتباع کرے اور بدبخت ترین وہ ہے جو آپ کی پیروی سے منحرف ہو جائے۔

دینی کتابوں کی تصنیف کا مقصد مسلمانوں کی خیر خواہی ہے مسلمانوں کی باہمی خیر خواہی کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ اسی خیر خواہی کے نتیجہ میں علمائے دین اور اکابر اہل یقین نے ہر زمان و مکان میں تفسیر، حدیث، عقائد، فقہ اور سلوک میں بے شمار کتابیں لکھیں بعض نے اپنی تصنیفات میں اطناب سے اور بعض نے اختصار سے کام لیا۔ کچھ لوگوں نے عربی زبان میں علم و فن کے موتی بکھیرے اور کچھ نے عجمی زبان میں کتابیں لکھیں۔

موجودہ زمانہ میں قرآن مجید کا ترجمہ کرنا مسلمانوں کی خیر خواہی کا اقتضا ہے شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ:

"ہم لوگ جس زمانہ اور جس ملک میں رہتے ہیں اس میں مسلمانوں کی خیر خواہی کا اقتضا یہ ہے کہ قرآن عظیم کا ترجمہ فارسی زبان میں ایسا سلیس اور روزمرہ کے مطابق کیا جائے جو تکلف و تصنع اور عبارت آرائی سے پاک ہو اور اس میں قصوں، حکایات اور مختلف النوع توجیہات سے کوئی سروکار نہ رکھا جائے تاکہ عوام و خواص اسے یکساں طور پر سمجھ لیں۔

(بقیہ صفحہ ۴۳ سے آگے) کے بعد آپ کا مشہور رسالہ "الفوز الکبیر" اور "فتح الخبیر" بھی درج ہے" (تعارف مخطوطات دار العلوم دیوبند ص ۱) میرے پیش نظر نسخہ میں حواشی فتح الخبیر کے بعد سب سے اخیر میں ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چھوٹے بڑے سب ہی اس کا ادراک کرلیں۔ اسی لیے اس اہم اور نازک کام کا داعیہ فقیر کے دل میں پیدا ہوا۔"

شاہ صاحب کا یہ بیان اگر اس روشنی میں پڑھا جائے تو اس کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ ہوگا کہ ان کے زمانہ میں قرآن مجید کی طرف سے بے توجہی بہت بڑھی ہوئی تھی لوگ فقہ و خلاف اور معقولات کی فضول اور کلام و عقائد کی پیچیدہ بحثوں میں الجھے ہوئے تھے، اس زمانہ کی علمی و تعلیمی زبان میں فارسی کے تو بہت کم ترجمے ہوئے تھے اور جو ہوئے بھی تھے وہ اولاً تو مفقود تھے ثانیاً سلیس، روزمرہ اور محاورہ کے مطابق نہ تھے۔

شاہ صاحب کے ترجمۂ قرآن کی سرگذشت وہ اپنے ترجمہ قرآن کی تالیف کی روداد اس طرح بیان کرتے ہیں:

"میں نے پہلے غور و خوض سے چند ترجموں کو دیکھا تاکہ ان میں سے جو ترجمہ میرے مقررہ معیار اور موجودہ دور کے مذاق کے مطابق ہو اس کی ترویج کی فکر و کوشش کی جائے۔ مگر بعض ترجموں میں تطویل و اطناب تھا اور بعض میں مخل انداز تقصیر و اختصار تھا۔ کوئی بھی اس معیار کا نہ تھا جو مطلوب تھا اس لیے میں نے ترجمہ کی تالیف کا عزم مصمم کرلیا اور بقرہ و آل عمران کا ترجمہ تیار کرلیا لیکن اس کے بعد حرمین کے سفر پر روانہ ہوگیا جس کی وجہ سے یہ سلسلہ موقوف ہوگیا۔ چند برس بعد ایک عزیز نے مجھ سے سبقاً سبقاً ترجمہ پڑھنا شروع کیا۔ اس تقریب سے پھر ترجمہ کی تحریک پیدا ہوئی چنانچہ طے ہوا کہ ان کو جس قدر قرآن کا ترجمہ پڑھاؤں گا اس کے بقدر ترجمہ لکھتا بھی جاؤں گا اس طرح ابھی ایک تہائی قرآن مجید کا ترجمہ ہوا ہوگا کہ وہ عزیز سفر میں چلے گئے اور ترجمہ کا کام پھر رک گیا۔ ایک مدت کے بعد پھر ایک تقریب پیدا ہوگئی اس کی وجہ سے وہ پرانا خیال عود کر آیا اور دو ثلث تک ترجمہ مکمل ہوگیا۔ اسی اثنا میں بعض دوستوں نے مشورہ دیا کہ مسودہ کا مبیضہ تیار کرلیا جائے اور ترجمہ کے ساتھ ہی آیات قرآنی کا متن بھی ضبط تحریر میں لایا جائے تاکہ ایک مستقل نسخہ تیار ہوجائے۔"

مسودہ و مبیضہ کی تکمیل کا سال اور کتاب کی ترجیح انہی سعادت مند دوست نے عید الاضحیٰ ۱۱۵۰ھ سے تبییض شروع کی اور جس قدر مسودہ تیار ہوچکا تھا اسے جب وہ صاف کرچکے تو پھر حرکت پیدا ہوئی اور اخیر تک کا مسودہ مکمل ہوگیا۔ اس طرح شعبان کے اوائل میں ترجمہ کی تالیف سے فراغت ہوئی اور اسی سال اوائل رمضان ۱۱۵۱ھ میں اس کی تبییض کا کام بھی پورا ہوگیا۔ اس کے بعد ۱۱۵۶ھ میں برادر دینی عزیز القدر[1] خواجہ محمد امین

---

[1] خواجہ محمد امین کا اصل وطن کشمیر تھا، لیکن انھوں نے دہلی میں مستقل سکونت اختیار کرلی تھی۔ ان کو اپنے شیخ سے ایسا گہرا تعلق تھا کہ ولی اللّٰہی کی نسبت سے مشہور رہے۔ یہ شاہ ولی اللہ کے ان چار بڑے خلفاء میں تھے جن سے ان کی تعلیمات کی اشاعت ہوئی۔ شاہ صاحب نے خاص طور پر ان کیلئے بعض رسائل بھی تالیف کیے، انکی وفات کے بعد انکے خلف الرشید شاہ عبدالعزیز صاحب نے خواجہ محمد امین سے علوم کی تکمیل کی انکا انتقال ۱۱۸۶ھ یا اس کے قریب ہوا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اکرمہ اللہ تعالیٰ بالشہودہ کے اہتمام سے اس کتاب کی ترویج ہوئی اور اس کا درس شروع ہوا اور اس کے متعدد نسخے تیار ہوگئے اور اہل عصر بھی اس کی جانب ملتفت ہوگئے۔

للہ الحمد کہ آں نقش کہ خاطر می بست　　آمد آخر زپس پردۂ تقدیر پدید

مقدمہ کی اہمیت | شاہ صاحب کے نزدیک خود بھی اس مقدمہ کی بڑی اہمیت تھی اس لیے وہ ترجمہ قرآن کے مطالعہ سے قبل مقدمہ کو ملاحظہ کرنا ضروری قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس ترجمہ میں خصوصاً اور فن ترجمہ میں عموماً علی وجہ البصیرت غور وخوض اسی پر موقوف ہے۔

شاہ صاحب کے ترجمہ قرآن کی نوعیت | یہ کتاب فن ترجمہ قرآن کی ہے جس میں نحو و قواعد کی رعایت کرتے ہوئے عربی مضامین و مطالب کو فارسی عبارت میں ادا کیا گیا ہے۔ مفہوم کو مقدم رکھا گیا ہے محذوف کو ظاہر کیا گیا ہے۔ الفاظ کی ترتیب میں قرآن کے متن کی پابندی کی گئی ہے۔ سوائے ان جگہوں کے جہاں دونوں زبان کے فرق واختلاف کی وجہ سے ترتیب کا لحاظ کرنے میں رکاکت اور مفہوم میں تعقید لازم آتی ہو۔ اسباب نزول کے بیان اور مشکلات کی توجیہ پر بقدر ضرورت توجہ دینا ضروری سمجھا گیا ہے۔

ترجمہ قرآن کے مطالعہ کیلیے شاہ صاحب کی ہدایتیں اور مشورے | قرآن مجید کا متن اور فارسی کے مختصر رسائل پڑھنے کے بعد جب فارسی زبان بے تکلف سمجھنے کی استعداد پیدا ہوجائے تو اس ترجمہ کو شروع کرانا چاہیئے۔ خصوصاً سپاہیوں اور پیشہ ور لوگوں کے بچوں کے سن شعور کو پہنچنے کے ساتھ ہی اس کی تعلیم دینی چاہیئے۔ کیونکہ ان سے اس کی امید نہیں کہ وہ علوم کی مکمل تحصیل کریں گے تاکہ ان کے دلوں میں پہلی چیز جو جاگزیں ہو وہ کتاب اللہ کے معانی و مطالب ہوں اس سے ان کی فطری سلامتی باقی رہے گی اور وہ ملاحدہ کی باتوں کے دلدادہ نہ ہوں گے جو پاکباز صوفیہ کے خط و خال کو داغدار کرتے ہیں۔ خام عقلیت پسندوں اور غیر مسلموں کی پست اور بے ہودہ باتوں سے محفوظ رہیں گے اور ان کے افکار و باطل خیالات کی آلودگیوں سے ان کا قلب ملوث نہ ہوگا اور نصف عمر گذرنے کے بعد انھیں تو یہ کی توفیق میسر آئے گی۔ اس کتاب کو اگر لوگ یاد کرلیں گے تو انھیں قرآن کی تلاوت میں لطف ملے گا اور جمہور مسلمانوں کو بھی اس سے نفع متوقع ہے۔

بچوں اور مبتدیوں کے لیے اس کا فائدہ ظاہر ہے مگر اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جن کا زیادہ وقت فکر معاش میں گذرتا ہے۔ ان لوگوں کو چاہیے کہ فرصت کے وقت میں حلقے بناکر بیٹھیں اور جس شخص کو فارسی عبارت پڑھنے اور سمجھنے کی استعداد ہو اور اسے تھوڑا بہت فن تفسیر کا ذوق ہو یا جس عزیز کی نظر سے یہ ترجمہ گذر چکا ہو،

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ وقت کی گنجائش کے لحاظ سے ایک دو سورہ کا ترجمہ صفائی و روانی اور ترتیل کے ساتھ سمجھ کر پڑھے تاکہ سب لوگ اسے سن کر اس کے مفہوم سے لطف اندوز ہو سکیں۔

حلقے بنا کر بیٹھنا صحابہ کرامؓ کی مشابہت اختیار کرنا ہے، صحابہ اسی طریقے سے دائروں اور حلقوں میں بیٹھتے تھے اور ایک آدمی قرأت کرتا تھا فرق صرف اتنا ہے کہ صحابہ کرام عربی زبان سمجھنے کی مکمل صلاحیت رکھتے تھے اور یہ جماعت فارسی ترجمہ کے واسطے سے اس کو سمجھے گی۔

جس طرح مثنوی مولانا جلال الدین رومی، گلستان شیخ سعدی، منطق الطیر شیخ فرید الدین عطار، قصص فارابی، نفحات مولانا عبدالرحمن جامی اور اسی طرح کی دوسری کتابوں کو پڑھنے اور سمجھنے کے لیے لوگ مجلسوں میں بیٹھتے ہیں اسی طرح اس ترجمہ کو پڑھنے اور سمجھنے کے لیے بیٹھیں تاکہ ان کا دل اس کا ادراک کرلے۔ اگر وہ اولیاء اللہ کے کلام سے اشتغال تھا تو یہ کلام اللہ سے اشتغال ہے اگر وہ حکماء کے مواعظ تھے تو یہ احکم الحاکمین کے مواعظ ہیں اگر وہ عزیزوں کے مکتوبات تھے تو یہ رب العزت کے مکتوبات ہیں، اور دونوں کے مرتبوں میں کس قدر عظیم الشان فرق ہے۔

اگر انصاف سے دیکھو تو قرآن کا نزول موعظت و ہدایت ہی کے لیے ہوا ہے۔ اس کے الفاظ فی نفسہٖ مقصود نہیں ہیں گو ان کو پڑھنا بھی غنیمت ہے لیکن غور کرو اس شخص کے حصہ میں کیا مسلمانی آئے گی جو قرآن مجید کے معانی و مطالب کو نہ سمجھے اور اس شخص کو بھلا کیسے حلاوت مل سکتی ہے جو کہ کلام اللہ کے مضمون ہی سے ناواقف ہو۔

البتہ جن لوگوں کو عربی زبان پر عبور ہے اور انھوں نے اساتذہ سے کتب تفسیر پڑھی ہیں انھیں اس ترجمہ کی احتیاج نہیں ہے مگر اللہ کے فضل سے امید ہے کہ ایسے لوگوں کو بھی اس کے مطالعے سے فائدہ ہو گا۔ ان کے سامنے قرآن کا مفہوم روشن اور واضح صورت میں آئے گا اور وہ نحو کے مختارات، غریب الفاظ کی شرح اور دوسری باتوں سے مطلع ہوں گے اور انھیں بہت سے ایسے نئے اور تازہ فوائد حاصل ہوں گے جن کو اسکے مطالعہ سے پہلے نہ انھوں نے سنا ہو گا اور نہ دیکھا ہو گا۔

یہ ترجمہ چونکہ جمہور مخلوق کو پیش نظر رکھ کر ان کی شفقت اور ان کے فائدہ کے لیے لکھا گیا ہے اور یہ لوگ اعراب کے مختلف وجوہ کلام کی مکمل توجیہات اور قصوں کے استیعاب وغیرہ کے متحمل نہیں ہوتے اس لیے ان بحثوں سے تعرض نہیں کیا گیا ہے۔ رہے وہ لوگ جو علوم آلیہ کے واقف کار ہیں تو ان کو اس کے مطالعہ سے ان علوم میں تعمق کا داعیہ ہو گا اور وہ مدۃ العمر ان میں مصروف رہیں گے۔ یہ میرا مشاہدہ ہے کہ جن لوگوں نے تھوڑا بہت علم تفسیر سیکھا ہے ان کے لیے یہ معمولی علم و واقفیت علوم آلیہ میں مکمل دستگاہ کے بعد بھی ممد و معاون ہوتی ہے اور اگر علوم آلیہ میں وہ دستگاہ نہ بھی حاصل کر سکے تب بھی گوہر مقصود ان کے ہاتھ لگے گا اور وہ بالکل ہی خسارہ میں نہیں رہیں گے"۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترجمہ میں کن باتوں کی رعایت کی گئی ہے | شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس کتاب میں تحریر کا یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ ہر آیت کو جدا لکھ کر اس کا ترجمہ اسی کے ساتھ شامل کر دیا گیا ہے اور ترجمہ میں مشہور اور رائج زبان اور روزمرہ محاورہ کا خیال رکھا گیا ہے اور متن کے اصل الفاظ سے جو بات زیادہ ہے اگر وہ دو ہی ایک کلمے کی حد تک ہے تو تعین یا اسی طرح کے کسی اور لفظ سے اس کو متمیز کر دیا گیا ہے اور اگر کلام تام کا اضافہ کیا گیا ہے تو اس کے شروع میں مترجم گوید اور آخر میں واللہ اعلم کے لفظ سے اسے نشان زد کر دیا گیا ہے۔

جہاں تک ممکن ہوا ہے قرآنی قصوں کے بارے میں ایک دو فقرے لکھ دینے پر اکتفا کیا گیا ہے اسباب نزول کے متعلق طویل قصوں کا اسی قدر ماحصل پیش کیا گیا ہے جو آیات کے سیاق و سباق کے لحاظ سے ضروری تھا۔ جن باتوں کا تعلق نقل سے تھا ان کے سلسلہ میں اس کتاب میں محدثین کی صحیح تر تفسیروں سے مدد لی گئی ہے جیسے بخاری، ترمذی اور حاکم کی تفسیریں اور بحد امکان ضعیف و موضوع حدیثوں سے احتراز کیا گیا ہے۔ علمائے اہل کتاب سے جو اسرائیلی قصے منقول ہیں ان کو اس میں شامل نہیں کیا گیا ہے کیوں کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں نہیں ہیں۔ سوائے ان جگہوں کے جہاں معنی و مفہوم کی وضاحت قصوں کو نقل کیے بغیر نہیں ہو سکتی ہے کیونکہ الضرورات تبیح المحظورات

ترجمہ کے بعض امتیازات | شاہ صاحب نے دوسرے ترجموں کے مقابلہ میں اپنے ترجمہ کے امتیازات حسب ذیل بتائے ہیں۔

۱۔ قرآنی مفہوم کے بقدر ترجمہ میں فارسی کے الفاظ لائے گئے ہیں مگر اس کے ساتھ ہی مراد و منشا کی وضاحت لطافت تعبیر کا بھی خیال رکھا گیا ہے، دوسرے ترجموں میں ترجمہ کی عبارت میں جو اطناب، رکاکت، اغلاق اور تعقید پائی جاتی ہے، بقدر امکان ان سے اس میں احتراز کیا گیا ہے۔

۲۔ دوسرے ترجموں میں یا تو متعلق قرآن قصوں کو مطلقاً نظر انداز کر دیا گیا ہے یا ان پر طویل اور مفصل بحث کی گئی ہے مگر اس ترجمہ میں درمیانی راستہ اختیار کیا گیا ہے۔ جس جگہ آیت کا مفہوم قصہ پر موقوف نہیں ہے، اسے ترک کر دیا گیا اور جہاں اس پر منحصر ہے بقدر ضرورت دو تین منتخب الفاظ و کلمات میں ان کی توضیح کر دی گئی ہے۔

۳۔ مختلف اور بکثرت توجیہات میں سے صرف اس توجیہ کو لے لیا گیا ہے جو عربیت کے لحاظ سے زیادہ قوی اور علم حدیث و فقہ کی رو سے زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے اس سے بہت کم ہی انحراف کیا گیا ہے۔

۴۔ اس ترجمہ میں ایسا پہلو اختیار کیا گیا ہے کہ نحو سے واقفیت رکھنے والے اعراب قرآن کے وجوہ، حذف، ضمیر کے مرجع اور ان لفظوں کے محل کو جان لیں جو عبارت میں مقدم و مؤخر ہو گئے ہیں۔ لیکن جو لوگ فن نحو سے واقف نہیں ہیں وہ بھی اصل غرض سے محروم نہیں رہیں گے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۵۔ قدیم ترجمے دو حالتوں سے خالی نہیں ہیں یا تو وہ تحت اللفظ ہیں یا حاصل المعنی اور ان دونوں صورتوں کی وجہ سے بہت سے خلل راہ پا گئے ہیں مگر یہ ترجمہ ان دونوں طریقوں کا جامع ہے اور اس میں قدیم ترجموں کے خلل انداز پہلوؤں کو دور کر دیا گیا ہے۔

وجوہ اعراب شاہ صاحب نے بتایا ہے کہ اس ترجمہ سے وجوہ اعراب کا علم ہوتا ہے اس کے متعلق انھوں نے لکھا ہے کہ یہ تفصیل طلب بحث ہے جس کو اختصار کے ساتھ تین، ساڑھے تین صفحوں میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرنے میں کیا کیا نزاکتیں ہوتی ہیں، اس سلسلہ میں فعل، فاعل مفعول، مفعول مطلق، مفعول لہ، مفعول معہ، حال، تمیز، حروف ربط و عطف، صلہ، موصول، اور تقدیم و تاخیر وغیرہ کے استعمال پر گفتگو کر کے دونوں زبانوں سے مثالیں دی ہیں اور دونوں کے نقطۂ اتحاد و اختلاف کو واضح کیا ہے۔ اس مقدمہ سے جو اور باتیں معلوم ہوتی ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۔ شاہ صاحب نے اپنے ترجمہ کی بنیاد تفسیر وجیز واحدی اور جلالین پر رکھی ہے۔

۲۔ اپنے ترجمہ قرآن کا نام "فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن" بتایا ہے۔

۳۔ ترجمہ کے اس حصہ کا نام انھوں نے مقدمہ رکھا ہے اور بتایا ہے کہ جس طرح عام مصنفین اصل کتاب سے پہلے اپنے کچھ مقاصد بیان کرنے کے لیے مقدمہ لکھتے ہیں، اسی طرح یہ مقدمہ بھی چند مقاصد پر مشتمل ہے۔

۴۔ مقدمہ کے علاوہ انھوں نے ترجمہ کے اصول و قوانین پر بھی ایک رسالہ لکھا تھا جس کا نام اس مقدمہ میں انھوں نے قواعد ترجمہ بتایا ہے اور ندوۃ العلماء کے کتب خانہ میں اس کا جو مخطوطہ ہے اس میں اس کا نام یہ لکھا ہے۔

"ایں رسالہ ایست در قواعد ترجمہ مسماۃ بالمقدمہ فی قوانین الترجمہ[1]"

ترجمہ: یہ رسالہ ترجمہ کے قواعد پر ہے جس کا نام المقدمہ فی قوانین الترجمہ ہے۔

کاتبوں کو وصیت پہلے آج کل کی طرح طباعت کی سہولت نہ تھی اس لیے مصنفین کتابوں کے بکثرت نسخے نقل کرا لیتے تھے۔ شاہ صاحب نے بھی اس کا اہتمام فرمایا تھا اس مقدمہ میں ترجمہ کے سلسلہ میں انھوں نے اس کے کاتبوں کو مندرجہ ذیل وصیت کی تھی۔

"قرآن کی عبارت کو جلی حرفوں میں لکھیں، اس پر اعراب دیں اور اسے سرخ روشنائی سے لکھیں تاکہ وہ ترجمہ سے ممتاز اور متمائز رہے اور اس کی احتیاط کریں کہ ترجمہ کے الفاظ سے کسی طرح کی کوئی تحریف راہ نہ پائے۔

---

[1] تاریخ دعوت و عزیمت ج ۵ ص ۱۴۷

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اشتباہ کے موقع پر کلام تام کو سرخ نقطہ دیں تاکہ وہ مابعد سے جدا اور نمایاں رہے اور ترکیب اضافی و توصیفی میں مضاف و موصوف پر بھی زیر کا نشان دیدیں تاکہ مبتدیوں کے لیے یہ چیزیں روشن اور واضح رہیں۔

اگر ترجمہ میں مبتدیوں کی استعداد کے لحاظ سے مشکل لفظ و مفہوم آگیا ہو تو سعادت مند لوگ اس کے معنی و مطلب کو کتاب کے حاشیہ پر تحریر کردیں تاکہ کسی شخص کو بھی دشواری نہ ہو۔

سند قرأت آخر میں شاہ صاحب نے از اول تا آخر قرأت قرآن کی اپنی سند دی ہے جو بروایت حفص ہے جس کے بعد ہی یہ رسالہ تمام ہو جاتا ہے مگر تمت کے بعد اسی سطر میں پہلے تعوذ اور اس کا ترجمہ پھر بسملہ اور اس کا ترجمہ دیا ہے، تعوذ کا ترجمہ "می پناہم بخدا از شیطان رانده شده" اور بسملہ کا ترجمہ یہ ہے "می آغازم بنام خدائے بخشائندہ مہربان" مگر اصل ترجمہ میں سورتوں کے شروع میں جہاں بسم اللہ کا لفظ آیا ہے اس کے ترجمہ میں می آغازم نہیں ہے اس میں قابل غور رحمٰن کا ترجمہ بخشائندہ ہے۔

مقدمہ کے بعد مخطوطہ میں الفوز الکبیر اور فتح الخبیر شامل ہیں۔ یہ دونوں شاہ صاحب کی بہت مشہور تصانیف ہیں جو عربی مدارس کے نصاب میں بھی داخل ہیں اس لیے یہ محتاج تعارف نہیں مگر مخطوطہ کے بڑے حصہ کا یہ جز ہیں اسلیے ان پر بھی ایک طائرانہ نگاہ ڈال لینا مناسب ہوگا۔

الفوز الکبیر: یہ اپنے موضوع پر منفرد اور بے نظیر کتاب ہے۔ اس کے متعلق خود شاہ صاحب فرماتے ہیں:

"چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس فقیر پر کتاب اللہ کے فہم کا دروازہ کھولا ہے، اس لیے میں نے چاہا کہ ایک مختصر رسالہ میں ان مفید نکات کو ضبط تحریر میں لاؤں جو کلام اللہ کے تدبر میں لوگوں کے کام آئیں۔ عنایت خداوندی سے مجھ کو امید ہے کہ ان قاعدوں کی معرفت کے بعد کتاب اللہ کے معانی و مطالب کے فہم کی جو راہ کشادہ ہوگی وہ تفسیروں کے مطالعہ اور مفسرین کی جو اس زمانہ میں بہت کم ہیں صحبت میں عمر گذارنے سے بھی نہیں کھلے گی۔"

شاہ صاحب کی تصریح کے مطابق یہ کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے پہلے باب میں قرآن مجید کے جو پانچ علوم و مضامین مذکور ہیں ان کا بطریق نص خود قرآن مجید ہی سے ثبوت ملتا ہے اور اصلاً انہی کو بیان کرنے کے لیے وہ نازل ہوا ہے، یہ علوم مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ علم احکام یعنی عبادات، معاملات، تدبیر منزل اور سیاست مدن، ان سے متعلق واجب، مندوب، مباح یا مکروہ، حرام امور کی تفصیل فقیہ کا کام ہے۔

۲۔ علم مخاصمہ، اس کا تعلق چار گمراہ جماعتوں یہود، نصاریٰ، مشرکین اور منافقین سے ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کی تفریع متکلم کی ذمہ داری ہے۔

۳۔ علم تذکیر بآلاء اللہ یعنی آسمان وزمین کی خلقت اور خدا کی صفات کاملہ کا ذکر۔

۴۔ علم تذکیر بایام اللہ اس میں ان حوادث وواقعات کا ذکر ہوتا ہے جو فضل وانعام کی صورت میں اللہ نے اطاعت کرنے والوں پر کیا ہے اور سزا وعذاب کی صورت میں منکرین پر کیا ہے۔ شاہ صاحب کے نزدیک فلسفیانہ اور تاریخی مسائل کی تعلیم کے بجائے قرآن کا مقصد تزکیہ نفس ہے، اسی لیے قرآن مجید میں بدیہی واقعات بیان کیے گئے ہیں اور تاریخی قصے دہرائے گئے ہیں۔

۵۔ علم تذکیر بالموت میں موت اور اس کے بعد پیش آنے والے حشر ونشر، میزان، جنت اور دوزخ کا ذکر ہوتا ہے۔

دوسرے باب میں تفسیر قرآن کی مشکلات زیر بحث آئی ہیں جن کی وجہ سے اہل زمانہ پر قرآن مجید کے معانی ومطالب مخفی رہ گئے۔ شاہ صاحب نے ان مشکلات کو بہت واضح انداز واسلوب میں حل فرمایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ: قرآن مجید بہت سلیس زبان اور سادہ وآسان عبارت میں نازل ہوا ہے جس کو عرب سنتے ہی سمجھ لیتے تھے، چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آیات متشابہات پر غور وخوض سے منع فرمایا ہے اس لیے صحابہ کرام نے اس طرح کی آیات کی فلسفیانہ توجیہہ وتشریح کی جستجو نہیں کی مگر اہل عجم کو اس طرح کی آیتوں میں مختلف مشکلات پیش آئیں، جیسے بعض لفظوں کا اغلاق وابہام، ناسخ ومنسوخ کا علم نہ ہونا، شان نزول سے عدم واقفیت، نحوی ولغوی اشکالات۔ نسخ کے بارے میں شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ قدما نے اس میں بہت زیادہ وسعت دی جس کے نتیجہ میں پانچ سو آیتیں منسوخ قرار پائیں، علامہ سیوطی نے غور وفکر سے کام لے کر بتایا کہ صرف بیس آیتیں منسوخ ہیں، شاہ صاحب کی تحقیق کے مطابق پانچ آیتیں منسوخ ہیں۔

شان نزول کے سلسلہ میں وہ فرماتے ہیں کہ قدما نے اس میں خلط مبحث کیا ہے وہ ہر واقعہ جس پر کسی آیت کا اطلاق ہو سکتا ہے اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیش آیا ہے اسے شان نزول قرار دیتے ہیں اور اسی کے ماتحت آیت کی تفسیر کرتے ہیں۔

تیسرے باب میں قرآن مجید کے اسلوب بیان کی خصوصیات بیان فرمائی ہیں، اس سلسلہ میں ان کا یہ خیال قابل ذکر ہے کہ باقاعدہ کتابوں کی طرح قرآن مجید مرتب ومبوب نہیں ہے، اس کی سورتوں کی مثال ان احکام وقوانین کی طرح ہے جن کو بادشاہ وقتاً فوقتاً جاری کرتا ہے۔

چوتھے باب میں فنون تفسیر اور صحابہ وتابعین کے درمیان تفسیری اختلافات کے مسئلہ پر گفتگو فرمائی ہے یہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اصل میں عام تفاسیر پر ایک تبصرہ ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مفسرین نے اپنے اپنے مخصوص نقطہ نظر سے تفسیریں لکھی ہیں مثلاً نحو و صرف کے ماہرین نے نحوی و صرفی نقطہ نگاہ سے تفسیر لکھی اور فلسفی نے فلسفیانہ زاویہ نظر اختیار کیا علی ہذا القیاس فقیہ و متکلم نے اپنے اپنے نقطہ نظر کو اپنایا۔ شاہ صاحب کے نزدیک تفسیروں کے اس انداز سے نقصان پہنچا اور قرآن کی روح کو سمجھنے سے لوگ قاصر رہے۔ اس کے بعد پانچواں باب شروع ہوتا ہے جسکو شاہ صاحب نے فتح الخبیر کے نام سے موسوم کیا ہے۔

فتح الخبیر: اس حصہ میں قرآن مجید کے غریب لفظوں کی شرح اور اس کے اسباب نزول پر مفید بحثیں کی گئی ہیں۔ جن کو محفوظ کرنا مفسر کے لیے ضروری ہے اور ان کے بغیر شاہ صاحب قرآن مجید پر غور و خوض کو ممنوع بتاتے ہیں۔

شاہ صاحب نے "الفوز الکبیر" کے اس باب کو خطبہ کے ساتھ علیحدہ اس لیے شروع کیا ہے تاکہ یہ ایک مستقل رسالہ بن جائے اور کسی کا جی چاہے تو وہ اسے علیحدہ لکھ لے ع وللناس فیما یعشقون مذاھب

اس حصہ میں قرآن مجید کے متعلق وغریب الفاظ کے وہ معنی بیان کیے گئے ہیں جو احادیث میں مذکور ہیں حافظ سیوطی نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف الاتقان میں اس قسم کی حدیثوں کا ایک باب باندھا ہے جس میں وہ حدیثیں ذکر کی ہیں جو حضرت عبداللہ بن عباس سے ابن ابی طلحہ اور ضحاک کے طرق سے مروی ہیں لیکن شاہ صاحب کے خیال میں اس کے بعد بھی بعض غریب الفاظ باقی رہ گئے تھے اس لیے انھوں نے فتح الخبیر میں ان سب احادیث کو بھی جمع کر دیا ہے جو ان دونوں حضرات کے علاوہ دوسرے طرق واسناد سے مروی ہیں مگر سیوطی نے الاتقان میں تمام سلسلہ اسناد بھی بیان کیا ہے اور شاہ صاحب نے غالباً اختصار کی وجہ سے ان کو نہیں بیان فرمایا ہے۔

شاہ صاحب نے احادیث وآثار سے غریب الفاظ کی شرح فرمانے کے علاوہ جا بجا شان نزول کو بھی تحریر فرمایا ہے۔ اس طرح یہ فتح الخبیر الفوز الکبیر کا ایک حصہ بھی ہے اور الگ سے ایک مستقل رسالہ بھی ہے جس میں مشکل الفاظ کی تشریح کی گئی ہے۔ غرض ان دونوں رسالوں میں اصول وآداب تفسیر پر بہت ہی مفید اور عالمانہ بحث کی گئی ہے۔

ضمیمہ "الفوز الکبیر" کے پانچویں باب یعنی "فتح الخبیر" کے خاتمہ کے بعد جو فصل آتی ہے وہ دراصل شاہ صاحب کے ترجمہ قرآن کا تکملہ و ذیل اور زیر نظر مخطوطہ کا چوتھا جز ہے یہ بھی بڑا اہم اور مفید ہے جس کے متعلق شاہ صاحب نے بتایا ہے کہ اس میں وہ حواشی درج ہیں جو ترجمہ کے نسخہ کے مسودہ کے حاشیہ پر تحریر کیے گئے ہیں[1] ان کی نوعیت حسب ذیل ہے۔

۱۔ جس توجیہہ پر ترجمہ کی بنا ہے، اس کی اس میں بعض جگہ وضاحت وتبیین کی گئی ہے۔ ۲۔ بعض حواشی میں ترجمہ میں

---

[1] خدا بخش لائبریری میں ترجمہ قرآن کا مخطوطہ موجود ہے جس کے آخر میں یہ ذیل شامل ہے مگر اس پر حواشی نہیں ہیں البتہ مترجم کو یہ کے بعد کی عبارتوں اور ذیل کے عبارتوں میں کہیں کہیں جزوی یکسانیت ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اختیار کیے گئے تفسیری پہلو کے شاہد و ثبوت کو واضح کیا گیا ہے ۳۔ بعض میں شاہ صاحب کے تفردات و مرجحات کا ذکر ہے۔

حسب اتفاق و موقع یہ حواشی کہیں تو عربی زبان میں تھے اور کہیں فارسی زبان میں جب اس ترجمہ کی تبییض ہو گئی تو بہتر معلوم ہوا کہ اس نسخہ کے ذیل میں اسے لکھ دیا جائے تاکہ ترجمہ کا مطالعہ کرنے والے اس سے بھی مستفید ہو سکیں۔

شاہ صاحب کی ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ اس فصل کی حیثیت اصل ترجمہ کے ذیل اور ضمیمہ کی ہے، مگر یہ مطبوعہ ترجمہ قرآن میں شائع نہیں ہوا ہے۔ اس لیے میرے خیال میں ان کی حیثیت تفسیری نوٹ کی ہے جو غالباً غیر مطبوعہ ہیں۔ ذیل میں اس کی کچھ مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

یا ایھا الذین آمنوا کتب علیکم القصاص الخ (بقرہ: ۱۷۸) کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں۔

"مدارک میں ہے کہ قصاص مساوات کی تعبیر کے لیے آیا ہے۔ جمہور مفسرین نے قتلی سے مقتولین اور قاتلین دونوں کو مراد لیا ہے۔ ان لوگوں نے تغلیب کا لحاظ کیا ہے۔ آیت کا مدلول قاتل و مقتول میں برابری کا اعتبار ہے اس صورت میں ان کے نزدیک آیت کو منسوخ ہونا چاہیے اس لیے کہ تمام مذاہب میں انثیٰ بالانثیٰ پر عمل نہیں ہے کیونکہ انثیٰ کے مقابلہ میں ذکر بھی ہو سکتا ہے اسی طرح الحر بالحر بھی معمول بہ نہیں ہے کیونکہ حر کے مقابلہ میں عبد بھی ہو سکتا ہے۔ اس بنا پر بندہ ضعیف اس کی یہ توجیہہ کرتا ہے کہ قتلی سے مراد صرف مقتول ہے اور قصاص سے مساوات مراد ہے یعنی ہر مقتول کا حکم دوسرے مقتول کے حکم کے ساتھ برابر ہے الحر بالحر والعبد بالعبد والانثیٰ بالانثیٰ کا اضافہ اسی لیے فرمایا کہ مراد مساوات ہر صنف کے فرد کا حکم ہے یا دوسرے فرد کا حکم اسی صنف کے ساتھ ہے۔"

فدیۃ طعام مسکین (بقرہ: ۱۸۴) کے متعلق رقمطراز ہیں:

فقیر اس آیت سے سمجھتا ہے کہ یہاں صدقہ فطر مراد ہے۔ مفہوم یہ ہوگا کہ تجب علی الذین یطیقون طعام مسکین طعام مسکین مع اہلہ۔ یعنی جو لوگ مسکین کے طعام کی طاقت رکھتے ہوں ان پر مسکین کا طعام مع اہل و عیال واجب ہے یہاں اضمار قبل الذکر ہے۔ اسکی مزید توضیح الفوز الکبیر کے دوسرے باب ناسخ و منسوخ کے سلسلہ میں اس طرح کی ہے:

"کہا گیا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے فمن شھد منکم الشھر الخ سے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آیت محکم ہے اور اس میں کوئی حذف نہیں ہے۔ میرے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ جو لوگ طعام کی طاقت رکھتے ہیں ان پر فدیہ ہے جس سے مراد طعام مسکین ہے، یہاں ضمیر قبل الذکر آئی ہے کیونکہ وہ رتبتاً متقدم ہے اور ضمیر اس لیے لائے ہیں کہ فدیہ سے مراد طعام ہے جس سے مراد ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے۔ اللہ نے روزے کے حکم کے بعد اس آیت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں صدقہ فطر کا حکم دیا ہے جس طرح اس کے بعد دوسری آیت میں عید کی تکبیرات کا تذکرہ ہے۔"

یسئلونک عن الاھلۃ (بقرہ: ۸۹) کے تحت ارقام فرماتے ہیں:

"میرے نزدیک بذہ الاشخص سے مراد اشہر حج ہیں ہلال کو مطلق لانے کی وجہ یہ ہے کہ ہلال مہینہ کے اوّل کو بھی کہتے ہیں اور آخر کو بھی۔ یہ اسی طرح کا اطلاق ہے جس طرح کا خریف کا سّن پر اور جمعہ کا اسبوع (ہفتہ) پر ہوتا ہے۔ یہی مفہوم لینے پر جواب بغیر کسی تکلف کے سوال پر منطبق ہو جاتا ہے۔"

اہلہ کا یہی مفہوم دور حاضر کے مشہور مصنف مولانا امین احسن اصلاحی نے بھی لیا ہے فرماتے ہیں:

"اہلہ ہلال کی جمع ہے ہلال شروع ماہ کے چاند کو کہتے ہیں اور اس سے مراد مہینہ بھی ہوتا ہے۔ خاص طور پر جمع کی صورت میں تو اس کا استعمال مہینوں ہی کے لیے معروف ہے۔ اہلہ پر الف لام اس بات کی دلیل ہے کہ سوال کچھ مخصوص مہینوں سے متعلق ہے اور سیاق وسباق پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوال اشہر حرام اور ان کے احکام وآداب سے متعلق تھا۔ چنانچہ آگے کی آیات میں اس سوال کے جو جواب دیے ہیں وہ تمام حج اور اشہر حج ہی سے متعلق ہیں۔"[1]

آگے اس کو بہت مدلل طور سے ثابت کیا ہے۔ یسئلونک ماذا ینفقون الخ (بقرہ ۲۱۵ و ۲۱۹) یہ دو جگہ آیا ہے۔ پہلی جگہ انفاق کی نوعیت کے بارے میں سوال ہے ما انفاق میں بھی مصارف کے متنوع ہونے کے لحاظ سے تنوع ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ ما انفقتم من خیر فللوالدین الخ جس کا مطلب یہ ہے کہ خرچ کیے جانے والے مال کے لیے مناسب ہے کہ وہ ان اصناف کے لیے ہو اور دوسری جگہ سوال یہ ہے کہ وہ کس مال کو خرچ کریں۔ کیا اسے جو ان کی ضرورت کے لیے ہے یا اسے جو ان کی ضرورت سے زیادہ ہو۔ چنانچہ جواب دیا گیا کہ عفو یعنی حاجات ضروریہ سے زائد ہوں۔ اس مفہوم کو بیان کرنے کے بعد یہ بھی لکھا ہے کہ اگر تم تلاش و تفحص سے کام لو تو تفسیروں میں اس آیت کی اس سے بہتر توجیہہ نہیں پاؤ گے۔

واذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن فلا تعضلوھن (بقرہ ۲۳۲) کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

"مفسرین کا مشہور قول یہ ہے کہ طلقتم میں خطاب ازواج سے ہے اور فلا تعضلوھن میں اولیا سے خطاب ہے یہ مفہوم معقل بن یسار کی ایک حدیث سے ماخوذ ہے۔ مگر بندہ ضعیف کا رجحان اس طرف ہے کہ دونوں جگہ خطاب شوہروں سے ہے معقل بن یسار نے جو معنی بیان کئے ہیں وہ بطریق منطوق کے بجائے بطریق مفہوم ہے۔"

---

[1] تدبر قرآن جلد اوّل ص ۴۲۷ طبع اول دار الاشاعت الاسلامیہ لاہور۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

والوالدات پر مصنف کے متعلق لکھتے ہیں :

" اس بندہ ضعیف نے جو کچھ سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ آیت متعلقہ وغیر متعلقہ والدات کے لیے عام ہے سورۂ آل عمران کی آیت

واذ اخذ اللہ میثاق النبیین الخ (   ) کی توجیہ اس طرح کی ہے :

" واذ اخذ اللہ من بنی آدم المیثاق الذی اخذہ لاجل النبیین یہ توجیہ ان کے نزدیک سب سے عمدہ

اور تکلف سے خالی ہے جس طرح اللہ نے بنی آدم سے توحید وعبادت کا میثاق لیا تھا جیسا کہ فرمایا الست بربکم قالوا

بلیٰ اسی طرح ان سے یہ دوسرا میثاق نبیوں کی تصدیق کے لیے لیا تھا۔ اس قصہ کی بنیاد اللہ کے اس ارشاد فاما

یاتینکم منی ھدی فمن تبع ھدای فلاخوف علیھم ولا ھم یحزنون پر ہے ۔"

واذا ضربتم فی الارض الخ (النساء : ۱۰۱) کا مفہوم یہ بتایا ہے کہ :

" ابن عمر کے اثر اور آیتوں کے سیاق کے مطابق صحیح صورت یہ ہے کہ اس سے صلوٰۃ الخوف مراد ہے اور قصر کا مفہوم

رکوع وسجود کو اشارہ سے ادا کرنا ہے ۔ سفر کی قید اتفاقی ہے کیونکہ اللہ کا ارشاد ہے واذ کنت فیھم اس لیے

اس کو صلوٰۃ الخوف ہی پر محمول کرنا صحیح ہوگا ۔

مخطوطہ کی حالت | یہ مخطوطہ ۲۰۰ صفحے کا ہے، سائز متوسط اور اچھا لکھا ہے، حالت بہتر ہے ۔ کہیں شکستہ نہیں ہے مگر کرم خوردہ ضرور ہے لیکن اسکی وجہ سے پڑھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی ۔ ہر صفحہ کے چاروں طرف حاشیے چھوڑے گئے ہیں سطروں کی تعداد ۱۹ ہے اور انکے درمیانی فاصلہ میں بھی تناسب ہے ۔ جو صفحہ درمیان سے شروع ہوا ہے اسکی سطروں کی تعداد کم ہے سیاہی بہت اچھی استعمال کی گئی ہے جو کہیں بھی دھندلی اور پھیکی نہیں ہے ۔ آیتوں اور دوسری خاص اور اہم باتوں کو نمایاں اور ممتاز کرنے کے لیے سرخ روشنائی استعمال کی گئی ہے ۔ ہر صفحے کا متن چوکھٹے میں ہے ۔ پہلے چاروں طرف سے سیاہ روشنائی سے ایک لکیر بنائی گئی ہے اسکے بعد سرخ قلم سے لکیر بنائی گئی ہے کاتب کا نام اور سن کتابت درج نہیں مخطوطہ مکمل ہے لیکن سرورق اور ٹائیٹل کور نہیں ہے ممکن ہے اس پر کاتب وغیرہ کا نام درج رہا ہو ۔ اندازہ یہی ہے کہ مصنف کے قریب العہد کا لکھا ہوا ہے ۔

املا | "گ" کو "ک" اور "ژ" کو "ز" کو بلا نقطہ عموماً لکھا ہے مگر کہیں کہیں "گ" اور "ژ" نقطہ کے ساتھ بھی ہے، فائدہ میں "ی" کا نقطہ دیا ہے اور ہمزہ اوپر نہیں ہے ایک جگہ ھدیہ کو ہاے مدورہ سے لکھا ہے ۔ متن میں بعض جگہ عبارت قلم زد کی گئی ہے اس کے لیے کہیں تو سرخ اور کہیں سیاہ روشنائی استعمال کی گئی ہے اور بعض جگہ پنسل سے بھی خط نسخ کھینچ دیا گیا ہے ۔

بہر حال نسخہ کی عام حالت بہت اچھی اور بہتر ہے ۔

●●

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جناب محمد سعود عالم قاسمی
ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی
علیگڑھ

فتح الرحمان

ایک تنقیدی مطالعہ

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (ولادت ۱۱۱۴ھ/۱۷۰۳ء وفات ۱۱۷۶ھ) جس دور میں پیدا ہوئے وہ مسلمانوں کے سیاسی زوال کا نقطہ آغاز تھا۔ اورنگ زیب عالمگیر کے بعد سے جو حالات ابتر ہوئے تو مسلم حکومت کے سقوط پر ہی منتہی ہوئے بظاہر مسلمانوں کا یہ سیاسی زوال حکمرانوں کی نا عاقبت اندیشی اور نااہلی کا نتیجہ تھا، مگر دراصل اس میں ملت کے ہر طبقہ کا کردار مضمر تھا پھر یہ زوال محض سیاسی ہی نہ تھا بلکہ دینی واخلاقی علمی و ثقافتی ہر پہلو کو محیط تھا۔ شاہ ولی اللہ نے بڑی باریک بینی سے نامساعد حالات اور ان کے اسباب پر غور کیا اور اس کے علاج کے لئے کمربستہ ہوئے۔ شاہ صاحب کی اس اصلاحی جدوجہد کے دو پہلو تھے۔ ایک وقتی اور عارضی، دوسرے دائمی اور ہمہ جہتی۔ شاہ صاحب نے ایک طرف تو امت کے ہر طبقہ کی کمزوریوں کی نشاندہی کی اور ان کی تلافی کی طرف ان کو متوجہ کیا۔[1] حالات جب زیادہ بگڑے تو بعض مسلم حکمرانوں کو مداخلت کی دعوت دی۔[2] مگر وہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ جس قوم کی سیاست و معیشت سے لے کر علم و اخلاق تک متاثر ہو چکا ہے، اس کی اصلاح محض وقتی اور ہنگامی اقدامات سے نہیں ہو سکتی جب تک کہ کوئی پائیدار بنیاد امت کو کھڑا کرنے کیلئے نہ تلاش کی جائے۔ چنانچہ شاہ صاحب نے ایک علمی تحریک برپا کرنے کی کوشش کی اور یہ ان کے نزدیک امت کے امراض کا واحد علاج تھا۔ انھوں نے اپنی اس تحریک کی بنیاد قرآن پر رکھی، اور قرآن کو امت مسلمہ کی قوت حیات سمجھ کر اس کی اشاعت اور خدمت پر عازم ہوئے۔ ایک طرف تو انھوں نے مروجہ اسلامی علوم پر قرآن کے نقطۂ نظر سے غور و فکر کیا اور اپنی بساط کے مطابق ان کو رخ دینے کی کوشش کی اور دوسری طرف قرآن کو اپنے اصلاحی پروگرام کا مرکز بنایا۔ صورت حال یہ تھی کہ مدارس دینیہ میں قرآن کی تفسیریں بھی پڑھائی جاتی تھیں اور جلالین، الکشاف، مدارک التنزیل وغیرہ بھی داخل نصاب تھیں، مگر ان سے قرآن فہمی کا ذوق پیدا ہونے کے بجائے فقہی اور فلسفیانہ جزئیات کو جلا ملتی تھی۔

[1] التفہیمات الالہیہ [2] ملاحظہ ہو شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات۔ مرتبہ خلیق احمد نظامی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عوام کا حال یہ تھا کہ وہ حلقہ بنا کر جامی کی نفحات الانس، عطار کی منطق الطیر، رومی کی مثنوی اور فارابی کی کتب قصص[1] کا مذاکرہ کرتے تھے، مگر قرآن کی طرف توجہ نہیں دیتے تھے۔ انفرادی طور پر جو لوگ قرآن پڑھتے تھے وہ محض تلاوت کو ہدایت اور نجات کے لئے کافی سمجھتے تھے۔ اس کے معانی کو سمجھنے اور ان میں غور و فکر کو بالکل اہمیت نہیں دیتے تھے۔ اور یہ سمجھتے تھے کہ یہ حق صرف عالموں کا ہے۔

شاہ صاحب نے اس صورت حال میں قرآن کریم کا سلیس مروجہ فارسی زبان میں ترجمہ کیا اور عوام سے کہا:

"اگر تم انصاف سے کام لو تو نزول قرآن کا اصل فائدہ یہ ہے کہ اس سے نصیحت اور عبرت حاصل کی جائے اور اس کی ہدایت سے رہنمائی حاصل کی جائے۔ قرآن کا صرف تلفظ مقصود نہیں ہے۔ اگرچہ وہ بھی غنیمت ہے۔ بسلمانوں نے یہ کیا شیوہ اختیار کر لیا ہے کہ وہ قرآن کے مفہوم کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اس شخص کو کیا حلاوت نصیب ہو سکتی ہے، جو قرآن کے مدلول کو نہیں سمجھتا۔"[1]

پھر مسلمانوں کو قرآن کریم کے درس کا حلقہ بناتے اور قصے کہانیوں کی جگہ ترجمہ قرآن کو سننے سنانے کا اہتمام کرنے کا مشورہ دیا چنانچہ وہ کہتے ہیں:

"جس طرح یاران سعادت مند مولانا روم کی مثنوی، شیخ سعدی کی گلستان، شیخ فریدالدین عطار کی "منطق الطیر" فارابی کے قصے، مولانا جامی کی "نفحات الانس" اور ان جیسی دوسری کتابیں مجلسوں میں پڑھتے ہیں کیا اچھا ہو اگر اسی طرح وہ قرآن کریم کے اس ترجمہ کو آپس میں پڑھیں اور اس کی تفہیم سے شغل خاطر کریں۔ اگر وہ اولیاء اللہ کے کلام کا مشغلہ ہے تو یہ شغل کلام اللہ ہے۔ اگر وہ حکیموں کے مواعظ ہیں تو یہ احکم الحاکمین کا موعظہ ہے۔ اگر وہ عزیزوں کے مکتوبات ہیں تو یہ رب العزۃ کا مکتوب ہے۔"[2]

شاہ صاحب نے قرآن کے اس ترجمہ "فتح الرحمن" کا آغاز ۱۱۴۳ھ یعنی سفر حرمین سے پہلے کیا تھا اور سورہ البقرہ اور آل عمران کا ترجمہ کر چکے تھے پھر حج کا ارادہ کیا اور حجاز تشریف لے گئے، اس دوران ترجمہ کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ ۱۱۴۵ھ میں حجاز سے واپسی ہوئی اور ترجمہ کا سلسلہ پھر شروع ہوا۔ اس طرح یہ ترجمہ شعبان ۱۱۵۱ھ میں مکمل ہوا، اور ۱۱۵۶ھ میں منظر عام پر آیا، اور اہل علم اس سے مستفید ہوئے۔

قرآن کی اشاعت کے لئے شاہ صاحب پہلے سے موجود بہت سے تراجم و تفاسیر میں سے کسی کو بھی منتخب کر کے اس کو رواج دے سکتے تھے مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا، بلکہ ایک ترجمہ یا مختصر حواشی رقم کیا۔ اس کی کیا وجہ تھی شاہ صاحب

---

[1] مقدمہ فتح الرحمن۔ [2] ایضاً

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے تفصیل سے اس مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"یہ زمانہ جس میں ہم موجود ہیں اور یہ ملک جس کے ہم باشندے ہیں، اس میں مسلمانوں کی خیرخواہی تقاضہ کرتی ہے کہ قرآن مجید کا ترجمہ روزمرہ کی متداول اور سلیس فارسی زبان میں اظہار فضیلت، عبارت آرائی، متعلقہ قصوں اور توجیہات کا تذکرہ کئے بغیر کیا جائے تاکہ عوام وخواص یکساں طور پر سمجھ سکیں، اور چھوٹے بڑے سبھی معانی قرآن کا ادراک کر سکیں۔ اس لئے اس اہم کام کا داعیہ فقیر کے دل میں ڈالا گیا، اور اس کے لیے مجبور کیا گیا۔ اس سلسلہ میں دوسرے تراجم پر غور کیا تاکہ جو ترجمہ مناسب حال ہو اس کی ترویج واشاعت کی کوشش کی جائے، اور جس طرح ممکن ہو اہل زمانہ کے لئے مرغوب ہو۔ لیکن بعض ترجموں میں بے کیف طوالت محسوس کی اور بعض ترجموں کو مخل حد تک مختصر پایا۔ کوئی ترجمہ اس میزان پر پورا نہ اترا لامحالہ نئے ترجمہ کی تالیف کا پختہ ارادہ کر لیا۔"[1]

تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ قرآن کا ترجمہ کرنے کی وجہ سے شاہ صاحب کی مخالفت کی گئی اور ان پر قاتلانہ حملہ ہوئے۔ "حیات ولی" کے مصنف نے ایک ہم عصر فاضل کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس ترجمہ کے سبب مفسدین عصر کی نماز کے بعد شاہ صاحب پر حملہ آور ہوئے اور جب شاہ صاحب نے اپنا گناہ پوچھا تو انھوں نے کہا "تم نے قرآن کا ترجمہ کر کے بالکل عوام الناس کی نگاہوں میں ہماری وقعت کو کھو دیا۔" اور اسی بنا پر شاہ صاحب نے دہلی چھوڑ کر عرب جانے کا قصد کیا۔[2]

"کوثر سیریز" کے مصنف شیخ اکرام نے بھی اس واقعہ کو شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے، اور علماء کے مخالفانہ اور جاہلانہ رویہ پر افسوس ظاہر کیا ہے۔[3] مگر اس واقعہ کی تاریخی حیثیت قابل اعتبار نہیں معلوم ہوتی۔ اس کے کئی اسباب ہیں، ایک تو یہ کہ اس وقت جیسا کہ شاہ صاحب نے خود بھی تذکرہ کیا ہے کہ فارسی زبان میں قرآن کریم کے متعدد تراجم موجود تھے۔ ان کے ہوتے ہوئے شاہ صاحب کے ترجمہ کی مخالفت کیوں کی گئی؟ کیا علماء واقعی برہمن پنڈتوں کی طرح اپنے مذہبی دستاویز کے مطالعہ کرنے کا حق عوام کو دینے کے لیے تیار نہ تھے یا وہ سمجھتے تھے کہ غیر عربی میں قرآن کا ترجمہ کرنا گناہ ہے؟ یہ دونوں باتیں ناقابل فہم ہیں۔ دوسرے یہ کہ شاہ صاحب نے حرمین کا سفر ۱۱۴۳ھ میں کیا تھا۔ اور یہ ترجمہ ۱۱۵۶ھ میں منظر عام پر آیا۔ اس لئے ترجمہ کی مخالفت کی وجہ سے دہلی چھوڑ کر حجاز جانے کا قصّہ بھی درست

---

[1] مقدمہ فتح الرحمٰن۔ [2] رحیم بخش، حیات ولی ص۲۲۰ [3] شیخ محمد اکرام، رود کوثر ص۵۵۲، لاہور ۱۹۸۶ء۔ نیز ملاحظہ ہو مسلمانوں کے سیاسی افکار ص۲۶۴، جائزہ تراجم قرآنی ص۱۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں ہوسکتا۔ تیسرے یہ کہ خود شاہ صاحب کی تحریروں سے اس اہم حادثہ کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ حالانکہ شاہ صاحب نے اپنے خاندانی اور ذاتی حالات و کوائف تفصیل سے لکھے ہیں اور جزئیات کو بھی قلم بند کیا ہے۔ اس کے برعکس شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ "جب فتح الرحمن کی تکمیل ہوئی تو معاصرین اس کی طرف متوجہ ہوئے"[۱] شاہ صاحب تو معاصر علما کی توجہ کا تذکرہ کرتے ہیں مگر ہمارے تذکرہ نگار حضرات ان کی مخالفت ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ مولانا عبید اللہ سندھی نے دہلی کے حاکم نجف خاں کو اس شورش کا ذمہ دار قرار دیا ہے[۲]۔ مگر یہ بھی خلاف واقعہ ہے کیونکہ شاہ صاحب کے عہد میں نجف خاں کا دہلی میں آنا ہی ثابت نہیں ہے۔ نجف خاں شاہ عالم ثانی کے ساتھ ۱۱۸۵ھ مطابق ۱۷۷۲ء میں یعنی شاہ صاحب کے انتقال کے دس سال بعد دہلی میں آیا ہے۔[۳] شاہ صاحب کے صاحب زادوں کے ساتھ اس کے معاندانہ رویہ پر کوئی کلام نہیں مگر جب دہلی میں اس کا کوئی وجود نہیں تھا تو پھر شاہ صاحب کے ترجمہ قرآن کی بنیاد پر ان کی مخالفت کا کوئی معنی نہیں۔

شاہ صاحب کا یہ ترجمہ اردو تراجم کا امام اور رہنما ہے، اسی ترجمہ نے شاہ صاحب کے صاحبزادوں کو تحریک دی کہ وہ فارسی اور اردو میں قرآن کی خدمت انجام دیں۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیزؒ نے فارسی میں "فتح العزیز" لکھی، شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین نے اردو میں ترجمے کئے اور پھر اردو زبان میں تراجم اور تفاسیر کا ایک سلسلہ چل پڑا۔ گویا "فتح الرحمن" قرآن کا صرف ترجمہ نہیں ہے، بلکہ ترجمہ قرآن کی تحریک بھی ہے۔

خصوصیات ترجمہ اس ترجمہ میں شاہ صاحب نے جن امور کو ملحوظ رکھا ہے انکو حسب ذیل نکات میں بیان کیا ہے۔

۱۔ ایک یہ کہ قرآن کی آیات کا انہی کے مطابق اظہار مراد اور لطافت تعبیر کے ساتھ معروف فارسی زبان میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ دوسرے تراجم میں عبارت کی طوالت، تعبیر کی رکاوٹ اور مفہوم کو سمجھنے میں جو دقت پیش آتی ہے، حتی الامکان اس سے احتراز کیا گیا ہے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ سارے ترجمے دو حال سے خالی نہیں ہیں۔ یا تو قرآن کے قصوں کو ان میں مطلق چھوڑ دیا گیا ہے یا ان تمام کا احاطہ کیا گیا ہے اور اس ترجمہ میں درمیانی راہ اختیار کی گئی ہے۔

۳۔ تیسرے یہ کہ مختلف توجیہات میں عربی زبان و قواعد کے اعتبار سے زیادہ مستحکم، علم حدیث اور علم فقہ کے اعتبار سے زیادہ درست اور رکم الفاظ کی توجیہہ کو اختیار کیا گیا ہے۔ جو کوئی تفسیر وجیز اور تفسیر جلالین جو کہ اس ترجمہ کی اصل کی حیثیت رکھتی ہیں اور دوسری تفاسیر کا مطالعہ کرے، وہ اس میں ذرا بھی شک نہ پائے گا۔

۱؎ مقدمہ "فتح الرحمن"۔ ۲؎ شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک، ص ۴۳۔ امیر شاہ خاں کا بیان ہے کہ نجف خاں نے شاہ صاحب کے پہونچے اتروا دیئے۔ امیر الروایات، ص ۳۳۔ نیز ملاحظہ ہو علمائے ہند کا شاندار ماضی ۲/۵۲۔ ۳؎ ولیم بیل، "مفتاح التواریخ" ص ۳۵۹، نول کشور کانپور ۱۸۶۷ء۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴۔ چوتھے یہ کہ یہ ترجمہ کچھ اس انداز سے کیا گیا ہے کہ جو کوئی علم نحو سے واقف ہے، یعنی قرآن کا اعراب، محذوف کی تعیین، ضمیر کا مرجع، لفظ کا محل وغیرہ جو کہ عبارت میں مقدم و مؤخر کیا گیا ہے وہ اس کو بخوبی جان سکتا ہے، اور جو شخص نحو نہیں جانتا وہ بھی اصل مقصد سے محروم نہیں رہے گا۔

۵۔ پانچویں یہ کہ قدیم تراجم کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو ترجمہ تحت اللفظ ہے یا ترجمہ حاصل المعنی ان دونوں میں بہت سی دشواریاں (خلل) پیدا ہو جاتی ہیں، لیکن یہ ترجمہ ان دونوں صورتوں کی کمزوریوں سے پاک ہے[1]۔

اندازِ تفسیر یہ ترجمہ چونکہ شاہ صاحب نے مسلمانوں میں قرآن فہمی کا ذوق پیدا کرنے کے لیے اور قرآن کی بنیاد پر زندگی کی تعمیر جدید کے لیے کیا ہے اور آیات کے الفاظ کے بجائے پورے مفہوم کو سمیٹا ہے، اگرچہ وہ الفاظ سے صرف نظر نہیں کرتے۔ اس انداز ترجمہ سے بہت سے مسائل خود بخود حل ہو جاتے ہیں، اور کسی مزید تفسیر کی ضرورت نہیں رہتی۔ بعد کے ادوار میں بہت سے اردو مفسرین نے اس انداز ترجمہ کو قوسین کی علامت کے ساتھ اپنایا ہے۔

مفسرین نے جن مقامات پر طول طویل بحثیں کی ہیں، شاہ صاحب نے وہاں سادگی اور صفائی سے گذرنے پر اکتفا کیا ہے اور بحث کے ان پہلوؤں کو چھیڑا ہی نہیں ہے جن میں اُلجھ کر ایک عام آدمی مقصد کلام سے دور رہ سکتا ہے۔ شاہ صاحب نے اس سلسلہ میں اپنے نقطہ نظر کی وضاحت کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں :

"مشکل مقامات کی توجیہ، متشابہات کی تاویل اور ان جیسے دیگر مقامات میں علماء کے درمیان اختلاف پیدا ہوا ہے۔ اگر تحقیقی نظر سے دیکھو تو یہ مذاہب اصل شرع نہیں ہیں، بلکہ شریعت میں عقلی موشگافی کی ایک قسم ہے[2]"

اجتہادی ترجمہ ان مقامات پر جہاں چند معانی اور مفاہیم کی گنجائش ہے اور مفسرین نے آیت کے مختلف معنی مراد لیے ہیں۔ شاہ صاحب نے وہاں اپنے ذوق قرآن اور اجتہادی بصیرت سے ترجمہ کیا ہے۔ اور عام مفسرین کی رائے کو اختیار کرنا ضروری نہیں سمجھا ہے۔ اس معاملہ میں شاہ صاحب کو اگر کوئی شاذ رائے ملتی ہے اور وہ قرآن کی حکمت سے ہم آہنگ ہے تو شاہ صاحب اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ اس سے کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اگرچہ شاہ صاحب کے پیش نظر جلالین اور وجیز دو تفسیریں تھیں مگر اس سے آگے بڑھ کر مفسرین کے اقوال اور اختلافات بھی پیش نظر تھے، مثال کے طور پر قرآن کی یہ آیت:

"وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا" (البقرہ ۱۴۳)

شاہ صاحب اس کا ترجمہ کرتے ہیں "وہم چنیں ساختیم شمارا گروہ مختار، تا گواہ باشید بر مردماں، و تا گواہ باشد رسول بر شما" وسط ایک جامع لفظ ہے اس کا ترجمہ مفسروں نے، خیار، معتدل، اجود، اوسط وغیرہ کیا ہے[3]۔ مگر شاہ صاحب نے یہاں "مختار" ترجمہ

---

[1] مقدمہ فتح الرحمٰن۔ [2] ایضاً۔ [3] ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر جلد اول تفسیر البقرہ آیت ۱۴۳۔ روح المعانی جلد دوم تفسیر آیت الکشاف من حقائق التنزیل تفسیر البقرہ آیت ۱۴۳۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا ہے جو مقتضائے حال سے پوری طرح ہم آہنگ ہے۔ اس میں خیار، معتدل، اجود، اوسط کے علاوہ قوت اور شوکت کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے۔ اس ترجمے نے آیت کے مفہوم کی عظمت کا سراغ لگا لیا ہے۔

اس سورہ کی ایک دوسری آیت میں بھی شاہ صاحب کا یہ اجتہادی رنگ زیادہ نکھرا ہوا نظر آتا ہے۔

"واذا تولی سعی فی الارض لیفسد فیها ویهلک الحرث والنسل والله لا یحب الفساد۔ (البقرہ ۲۰۵)

شاہ صاحب اس کا ترجمہ کرتے ہیں۔" وچوں ریاست پیدا کند بشتابد در زمین تا تباہی کند در آنجا، و نابود سازد زراعت ومواشی را، و خدا دوست نہ دارد تباہ کاری را۔"

اس آیت کے لفظ "تولی" کو شاہ صاحب نے والی، حکمران اور سربراہ حکومت کے معنی میں لیا ہے جبکہ عام طور پر مفسرین نے اس لفظ کو "ادبر" یعنی پھرنے کا معنی پہنایا ہے۔ صرف ایک ضحاک نے "والی" کا ترجمہ کیا ہے اور اسے زمخشری نے "قیل" سے ذکر کیا ہے[1]۔ شاہ صاحب کے اس ترجمہ کی خوبی یہ ہے کہ اس میں خدا بیزار حکمرانوں کی نفسیات اور کرتوت کو بے نقاب کیا گیا ہے جو اپنی حکومت کے قیام اور حفاظت کے لیے انسانوں کا بے دریغ قتل عام کرتے ہیں، اور معاشی و اقتصادی وسائل کا خاتمہ کرتے ہیں۔ سورۃ النحل میں اس مفہوم کے کچھ اور پہلو متعین ہوئے ہیں۔

" ان الملوک اذا دخلوا قریۃ افسدوها وجعلوا اعزۃ اهلها اذلۃ وکذالک یفعلون"۔ (النمل)

بادشاہ جب کسی ملک میں گھس آتے ہیں تو اسے برباد اور اس کے معزز باشندوں کو ذلیل کر دیتے ہیں۔ اور یہی کچھ ان کا شیوہ ہے۔

موقع کلام کی نزاکت فتح الرحمن کی ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں موقع کلام کی نزاکت کا احساس اور لحاظ پورے طور پر پایا جاتا ہے۔ یعنی ترجمہ محض الفاظ سے نہیں بلکہ صورت حال کے تناظر میں کیا جاتا ہے۔ چنانچہ سورۂ توبہ کی آیت " التائبون العابدون الحامدون السائحون الراکعون الساجدون " کا ترجمہ شاہ صاحب اس طرح کرتے ہیں۔" ایشاں توبہ کنندگاں اند، عبادت کنندگان، حمد گویندگان اند، سفر در راہ خدا کنندگان، رکوع و سجدہ کنندگان اند" یعنی اس آیت میں السائحون کا ترجمہ " خدا کی راہ میں سفر کرنے والے۔" کیا ہے۔ اسی انداز کی ایک آیت سورۃ تحریم میں آئی ہے۔" عسی ربہ ان طلقکن ان یبدلہ ازواجا خیرا منکن مسلمات مؤمنات قانتات تائبات عابدات سائحات ثیبات وابکارا۔" (تحریم ۵) شاہ صاحب نے اس آیت میں سائحات کا ترجمہ " روزہ دارندگان " کیا ہے چونکہ سورۃ توبہ میں مومن مردوں کا ذکر تھا۔ اس لیے خدا کی راہ میں سفر کرنے والا کا ترجمہ زیادہ مناسب تھا۔ اور یہاں مومن

---

[1] زمخشری، الکشاف عن حقائق التنزیل تفسیر البقرہ آیت نمبر ۲۰۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عورتوں کا تذکرہ ہے جن کے لئے سفر کرنے کی کچھ زیادہ اہمیت نہیں اس لئے شاہ صاحب نے یہاں "زمرہ دار ندگان" ترجمہ کیا ہے۔

ترجمہ میں تنوع شاہ صاحب نے بعض مواقع پر اس بات کی بھی رعایت کی ہے کہ اگر کوئی آیت ایک سے زیادہ مطالب پر حاوی ہے تو انھوں نے ایک ترجمہ پر اکتفا نہ کرکے دوسرے مطلب کا بھی ترجمہ کیا ہے۔ شاہ صاحب اس سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ یہ دونوں مطالب اپنی جگہ درست اور مناسب ہیں۔ مثلاً سورۃ الرعد کی آیت " وما کان لرسول ان یاتی بآیۃ الا باذن اللہ لکل اجل کتاب ٭ یمحو اللہ ما یشاء و یثبت وعندہ ام الکتاب (الرعد-۳۹) کا ترجمہ کرتے ہیں۔ " نشاید ہیچ پیغمبر راکہ بیارد نشانہ مگر بحکم خدا ہر قضائے موقت را نام ہست، نابود می سازد ہرچہ می خواہد و ثابت کند ہرچہ خواہد و نزدیک اوست ام الکتاب یعنی لوح محفوظ " اس کے بعد حاشیہ پر ایک دوسرے ترجمہ کی نشاندہی اس طرح کرتے ہیں۔ " شاید کہ معنی چنیں باشد کہ ہر زمانہ را شریعت است۔ نسخ می کند خدائے تعالیٰ آنچہ می خواہد و ثابت می گذارد آنچہ خواہد و نزدیک اوست لوح محفوظ۔"

ترجمہ کی غنائیت اس ترجمہ میں سلاست و روانی، حسن ادا، جملوں کی خوبصورتی اور عبارت کی دلکشی کے ساتھ ایک طرح کی غنائیت اور صوتی آہنگ بھی پایا جاتا ہے۔ ایک قاری جس طرح قرآن کے الفاظ کو ادا کرکے لطف محسوس کرتا ہے۔ شاہ صاحب اس لطف کو ترجمہ میں بھی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر سورہ "الم نشرح" کا ترجمہ ملاحظہ کیجئے:

الم نشرح لک صدرک ○	آیا کشادہ نکردیم برائے تو سینہ ترا،
ووضعنا عنک وزرک ○	و دور نکردیم از تو بار ترا،
الذی انقض ظھرک ○	آں بارکہ گراں کردہ بود پشت ترا،
ورفعنا لک ذکرک ○	و بلند ساختیم برائے تو ثنائے ترا،

اسی طرح اس ترجمہ میں بہت سے محاسن پوشیدہ ہیں جن کے اظہار کے لئے فرصت اور دقت نظر کی ضرورت ہے۔

" فتح الرحمٰن " ترجمہ کے علاوہ مختصر حواشی پر بھی مشتمل ہے۔ یہ حواشی الگ سے بھی شائع ہو چکے ہیں۔ اس میں شاہ صاحب نے قرآنی آیات کی مختصر تشریح اور مشکل مقامات کی ضروری توضیح کی ہے۔ بعض مقامات پر انتہائی اختصار سے کام لیا ہے ایک یا دو لفظوں میں مدعا بیان کر دیا ہے اور جہاں ضرورت محسوس کی ہے قدرے تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ یہ حواشی شاہ صاحب[1] کی قرآن فہمی کا بڑا ثبوت ہیں اور ان کی تفسیری رجحان کی بھی نمائندگی کرتے ہیں۔ اس میں انھوں نے تفسیری اقوال، ذاتی خیالات، شان نزول، ربط آیات، ناسخ و منسوخ، تحقیق الفاظ، فقہی احکام اور تمثیل و محاکات پر

---

[1] " نزھۃ الخواطر" ۶ / ۸۰۔ ڈاکٹر سالم قدوائی نے ان حواشی کو عربی تفاسیر کے ضمن میں بیان کیا ہے۔ ملاحظہ ہو "ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں" مگر یہ محتاج ثبوت ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گفتگو کی ہے گویا ایک طالب حق کے لیے مطالعہ قرآن کے دوران جن چیزوں کو سمجھنا ناگزیر ہے۔ شاہ صاحب نے ایجاز کے ساتھ ان کو موضوع بنایا ہے۔

ان حواشی کی نمایاں خصوصیت اختصار اور جامعیت ہے۔ مثلاً سورۃ التوبہ کی آیت "یاایھا النبی جاھد الکفار والمنافقین (التوبہ۔۷۳) کا ترجمہ یوں کیا ہے۔" جہاد کن با کافران وجہاد کن با منافقان" اور حاشیہ پر صرف دو الفاظ لکھے ہیں، یعنی "بسیف وبزبان" "اس کا مطلب یہ ہے کہ کافروں سے تلوار سے جنگ کرو اور منافقوں سے زبان سے۔ ان دو الفاظ نے کفار ومنافقین سے جنگ کرنے کی نوعیت کا پورا مسئلہ واضح کر دیا ہے، مگر کمال اختصار کے ساتھ۔ اسی طرح سورہ ھود کی آیت: " افمن کان علی بینۃ من ربہ ویتلوہ شاھد منہ (ھود۔۱۷) کا ترجمہ کیا ہے۔" آیا کسیکہ باشد بر حجتے از جانب پروردگار خود، ومتصل می آید گواہی از جانب پروردگار" اور حاشیہ پر دو الفاظ کا اضافہ کیا ہے (۱) دلیل عقلی (۲) قرآن۔ یعنی آیت مذکورہ میں 'بینہ' سے مراد دلیل عقلی ہے اور شاہد سے مراد قرآن کریم ہے۔ ان دو الفاظ نے آیت کے مفہوم کو بہت بلند کر دیا ہے۔ گویا مومن وہ ہے جس کے پاس اس کے ایمان کے لیے دلیل عقلی بھی ہے۔ اور قرآن بھی جبکہ کافروں کے پاس نہ دلیل عقلی ہے اور نہ دلیل خداوندی، بلکہ صرف گمان اور گہری تاریکی۔

فقہی احکام کا لحاظ حاشیہ میں شاہ صاحب نے آیات احکام کے ذیل میں فقہی جزئیات کو بھی سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ انھوں نے فقہ حنفی کے علاوہ دیگر مکاتیب فقہ کو بھی پیش کیا ہے تاکہ آیات کے مفاہیم وضاحت کے ساتھ سامنے آسکیں۔ چنانچہ

" فمن اضطر فی مخمصۃ غیر متجانف لاثم فان اللہ غفور الرحیم" (مائدہ ۔ ۳)

" جو شخص بھوک سے مجبور ہو کر ان میں سے کوئی کھالے بغیر میلان گناہ کے تو اللہ معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے"

اس ذیل میں شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ:

" مخمصہ میں مردار کھانا جائز ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک "متجانف لاثم" کا فائدہ یہ ہے کہ ضرورت سے زیادہ نہ کھائے اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک اس کا فائدہ یہ ہے کہ اضطرار کے وقت مردار کھانے کی رخصت چوروں اور ڈاکوؤں کے لیے نہیں ہے۔"

آیات احکام کی تشریح میں شاہ صاحب نے فقہا کے اقوال ہی نقل نہیں کیے ہیں بلکہ اپنی رائے کا بھی اظہار کیا ہے مثلاً: "الیوم احل لکم الطیبات وطعام الذین اوتوا الکتاب من قبلکم وطعامکم حل لھم والمحصنات من المؤمنات والمحصنت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم اذا اٰتیتموھن اجورھن محصنین غیر مسافحین ولا متخذی اخدان (مائدہ۔۵)
کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک محصنات اس جگہ پاک دامن و پارسا کے معنی میں ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک آزاد کے معنی میں۔ غیر مسافحین سے معلوم ہوا کہ نکاح متعہ درست نہیں ہے اور ولا متخذی اخدان سے معلوم ہوا کہ خفیہ نکاح درست نہیں۔"

علمائے اہل سنت کے نزدیک نکاح متعہ درست نہیں ہے، مگر اس کی بنیاد وہ حدیث ہے جو حضرت سبرہ جہنی سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ " یا ایھا الناس انی قد کنت اذنت لکم فی الاستمتاع من النساء وان اللہ قد حرم ذالک الی یوم القیمۃ فمن کان عندہ منھن شیء فلیخل سبیلھا ولا تاخذوا مما اٰتیتموھن شیئا۔"[1]

شاہ صاحب نے اس آیت سے استدلال کر کے حرمت متعہ پر نص قطعی کو ناطق بنا دیا ہے۔ اسی طرح "قل للمومنات یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن" (النور۔۳۱) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"زینت کے مقامات دو طرح کے ہیں۔ ایک تو وہ کہ جس کو چھپانے میں حرج ہے اور وہ چہرہ اور ہتھیلی ہے۔ دوسرے وہ جس کو چھپانے میں حرج نہیں ہے۔ مثلاً سر، گردن، بازو، بانہہ اور پنڈلی۔ چنانچہ چہرہ اور ہتھیلی کا دوسروں کے سامنے چھپانا فرض نہیں ہے، بلکہ سنت ہے اور ان کے علاوہ دیگر مذکورہ چیزوں کا اجنبیوں کے سامنے چھپانا فرض ہے لیکن محرموں کے سامنے فرض نہیں ہے۔"

عورتوں کا چہرہ پردہ میں شامل ہے یا نہیں، اس سلسلہ میں علما کی اکثریت کا خیال ہے کہ وہ پردہ کے مقامات میں سے ہے، تاہم ایک معتدبہ تعداد ان علماء کی ہے جو چہرہ کا پردہ لازم نہیں سمجھتے اور ان دونوں خیالات کے لیے قرآن و حدیث میں دلائل اور اشارات موجود ہیں۔ شاہ صاحب نے فرض اور سنت کی تقسیم کر کے صورت مسئلہ کو نہایت خوش اسلوبی سے واضح کر دیا ہے۔

جمہور مفسرین سے اختلاف شاہ صاحب نے حاشیہ میں اپنی رائے کے اظہار کے ساتھ جمہور مفسرین سے اختلاف بھی کیا ہے اور ان کے اقوال پر نقد بھی کیا ہے۔ اس سے شاہ صاحب کی مجتہدانہ بصیرت کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے مثلاً سورۃ النساء کی آیت:

---

[1] مسلم "کتاب النکاح" حرمت متعہ کے لیے دوسری احادیث کے لئے ملاحظہ ہو: بخاری "کتاب النکاح" باب نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن نکاح المتعۃ اخیرہ۔ موطا امام مالک، کتاب النکاح، باب المتعۃ وغیرہ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

" وان کان من قوم بینکم وبینھم میثاق فدیۃ مسلمۃ الی اھلہ وتحریر رقبۃ مومنۃ " (۹۲)

کے ذیل میں شاہ صاحب نے لکھا ہے :

" جمہور مفسرین نے " وان کان من قوم بینکم وبینھم میثاق " کی تصویر کافر مقتول کو سمجھا ہے۔ اس بات کے پیش نظر کہ مومن اور کافر کے درمیان وراثت منقطع ہے اور سبیل دیت سبیل میراث ہے، لیکن بندہ ضعیف کہتا ہے کہ مسئلہ کی تمہید " ما کان لمومن ان یقتل مومنا الا خطا " ہے، اور زیر بحث مسئلہ میں ' وھو مومن ' کی قید قابل اعتبار ہے اور دیت کا لزوم ایفائے عہد کے لحاظ سے ہے نہ کہ بر سبیل میراث ' اس کی مثال سورہ ممتحنہ میں قوم معاہد کی طرف سے آنے والی مومن عورت کی مہر ہے "[1]

سورۃ النساء کی دوسری آیت :

" واذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوۃ ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا ان الکافرین کانوا لکم عدوا مبینا " (النساء - ۱۰۱)

کی تفسیر کرتے ہوئے شاہ صاحب کہتے ہیں :

" مشہور یہ ہے کہ یہ آیت صلوۃ مسافر کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور خوف کی قید اتفاقی ہے۔ لیکن اس بندہ کے نزدیک قوی یہ ہے کہ یہ آیت صلوۃ خوف کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور سفر کی قید اتفاقی ہے اور قصر سے مراد تعداد رکعات کے بجائے رکوع و سجود کی کیفیت میں قصر ہے۔ یعنی یہ کہ اشارہ سے ادا کی جائے گی۔"

شاہ صاحب کی اس تفسیر سے یہ نہ سمجھا جائے کہ وہ حالت سفر میں نماز میں قصر کے قائل نہیں ہیں۔ بلکہ وہ اس آیت کے صحیح مفہوم تک پہونچنے کی سعی کرتے ہیں۔ جہاں تک صلوۃ سفر میں قصر کا تعلق ہے وہ نہ صرف احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، بلکہ خود شاہ صاحب نے انکی حکمتوں پر متعدد مواقع پر روشنی ڈالی ہے، چنانچہ " حجۃ اللہ البالغہ " میں لکھتے ہیں :

" فلا یقاس مقیم بہ علی المسافر فی رخص الصلوۃ والصوم فان دفع الحرج مصلحۃ الترخیص وعلۃ القصر والافطار وانما العلۃ ھی السفر "[2]

ازالۃ الخفا میں شاہ صاحب نے اپنے نقطہ نظر کی مزید وضاحت کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں :

---

[1] شاہ صاحب نے جس مثال کی طرف اشارہ کیا ہے وہ سورۃ ممتحنہ کی آیت نمبر ۱۰ میں موجود ہے۔

[2] " حجۃ اللہ البالغہ " اول باب الفرق بین المصالح والشرائع، کتبہ رشیدیہ دہلی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"رازاس مسئلہ میں یہ ہے کہ سفر اور خوف میں سے ہر ایک تخفیف صلوٰۃ کے مناسب ہے[1]۔"

شاہ صاحب کی انفرادیت

سورۃ الحج کی ایک آیت کی تفسیر میں مفسرین کرام سے عام طور پر لغزش ہوئی ہے۔ یعنی:

"وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیتہ فینسخ اللّٰہ ما یلقی الشیطان ثم یحکم اللّٰہ آیتہ واللّٰہ علیم حکیم" (الحج-۵۲)۔

کتب تفسیر وسیر میں ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے، جسے اس آیت کی شان نزول سمجھا جاتا ہے اور اس سے آیت کا مفہوم متعین کیا جاتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہجرت حبشہ کے بعد ایک مرتبہ نبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے سورۃ النجم کی تلاوت فرمائی اور جب "افرءیتم اللات والعزیٰ ومناۃ الثالثۃ الاخریٰ" تک پہونچے تو شیطان نے آپؐ کی زبان پر یہ الفاظ طاری کر دئے۔ "تلک الغرانیق العلیٰ وان شفاعتھن لترتجیٰ"۔ جب کفار نے یہ سنا تو بولے "بس اسی بات کا تو سارا جھگڑا تھا، اب جبکہ محمدؐ نے ہماری دیویوں کی تعریف کر دی ہے تو ہمارا ان سے کوئی جھگڑا نہیں۔ چنانچہ جب حضورؐ نے اختتام سورت پر سجدہ کیا تو آپ کے ساتھ کفار بھی سجدہ میں چلے گئے۔ اس کی تنبیہ کے پیش نظر اللّٰہ نے سورہ بنی اسرائیل کی یہ آیت نازل فرمائی:

"وان کادو لیفتنونک عن الذی اوحینا الیک لتفتری علینا غیرہ واذا لاتخذوک خلیلا" (الاسراء-۷۳)

اس سے حضور صلی اللّٰہ علیہ وسلم بہت رنجیدہ ہوئے، تا آنکہ سورۃ حج کی مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ اس واقعہ کو تھوڑے بہت اختلاف کے ساتھ طبقات ابن سعد، تفسیر ابن جریر، ابن ابی حاتم وغیرہ نے بیان کیا ہے۔ حافظ ابن حجر، ابوبکر جصاص، زمخشری اور ابن جریر نے اسے درست قرار دیا ہے۔ اس بنا پر آیت کا مفہوم کچھ کا کچھ ہو گیا ہے۔ حالانکہ مذکورہ واقعہ اور اس کی تفصیلات میں بہت سی کمزوریاں پائی جاتی ہیں۔ یہ روایت حضرت سعید بن جبیر اور حضرت عبداللّٰہ بن عباس کے حوالے سے متعدد طریقوں سے آئی ہے، مگر ان میں سے کوئی طریقہ درست نہیں ہے۔ اور اگر اس واقعہ کو تھوڑی دیر کے لیے درست مان لیا جائے تو کئی تضادات کو بھی قبول کر لینا پڑتا ہے۔ ایک تو یہ کہ اسی صورت میں وحی الٰہی کی کوئی ضمانت باقی نہیں رہتی، اور دین حنیف کا سرچشمہ مشتبہ ہو جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ جب یہ واقعہ ہجرت حبشہ کے فوراً بعد یعنی سنہ ۵ نبوی کا ہے اور سورہ بنی اسرائیل کی مذکورہ آیت معراج کے بعد نازل ہوئی ہے، اور معراج کا واقعہ معتبر روایات کے مطابق ۱۰ نبوی کا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللّٰہ نے اپنے نبیؐ کو پانچ سال بعد تنبیہ کی اور سورہ حج چونکہ ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہے، تو کیا یہ سمجھا جائے کہ اس کی وضاحت تین سال بعد ہوئی۔ تیسرے یہ کہ اگر حضور صلی اللّٰہ علیہ وسلم پر شیطان

---

[1] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء ص۱۱۹ مطبع صدیقی بریلی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے وہ الفاظ القا کیے تو اس کے بعد کے کلمات :

" الکم الذکر ولہ الانثی تلک اذا قسمۃ ضیزی. ان ھی الا اسماء سمیتموھا انتم وآباءکم ما انزل الله بھا من سلطان ان یتبعون الظن وما تھوی الانفس."

کیا کافروں نے نہیں سنے تھے، جن میں ان کی اور ان کے معبودوں کی پرزور مذمت کی گئی ہے؟ یہ اور ان جیسی پیچیدگیاں ہیں جو واقعہ کی تفصیلات کو بے معنی بنا دیتی ہیں۔ اس جگہ شاہ صاحب کی انفرادیت یہ ہے کہ وہ ان واقعات سے صرف نظر کرکے آیت ہی سے مفہوم متعین کرتے ہیں اور کہنا چاہیئے کہ ان کی تشریح انوکھی اور معنی خیز ہے۔ انھوں نے لفظ "تمنی" کی وضاحت کی ہے، اور اسی سے مسئلہ صاف کیا ہے۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ :

" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ وہ اس سرزمین کی طرف ہجرت کر چکے ہیں جہاں کھجور کے بہت سے درخت ہیں تو گمان ہجر کی طرف ہوا حالانکہ نفس الامر میں وہ مدینہ تھا یا مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ وہ مکہ میں داخل ہو چکے ہیں اور حلق وقصر کرا رہے ہیں تو گمان ہوا کہ اسی سال اس کی تعبیر پوری ہو جائے گی. حالانکہ فی الاصل وہ چند سالوں کے بعد پوری ہوئی"

اس قسم کی مثالوں میں مومنوں اور مخلصوں کا امتحان مقصود ہوتا ہے[1]۔

لفظ "تمنی" کے ذیل میں شاہ صاحب نے یہ دو پس منظر بیان کرکے آیت کے مفہوم کو پیچیدگیوں سے پاک کر دیا ہے، جن میں مفسرین الجھ کر رہ گئے ہیں۔ شاہ صاحب نے اپنی ایک کتاب میں لفظ شیطان کی بھی وضاحت کی ہے وہ لکھتے ہیں :

" شیطان سے مراد عالم تخلیط کی برائیاں ہیں اور ہر مقرب کو اس کی جسمانیت کے اعتبار سے تخلیط حاصل ہوتی ہے، چنانچہ اس کے سینہ میں اس قسم کا وسوسہ پیدا ہوتا ہے کہ جس پر ذوق کا شبہ ہوتا ہے لیکن جلد وہ مضمحل ہو جاتا ہے اور وسوسہ اس کے دل سے دور ہو جاتا ہے۔ نسخ سے مراد وسوسوں کا ازالہ ہے[2]۔"

تطبیق آیات وسور شاہ صاحب کے پسندیدہ موضوعات میں سے ایک موضوع تطبیق کا ہے۔ حاشیہ "فتح الرحمٰن" میں بھی انھوں نے اس کا لحاظ رکھا ہے اور سورتوں کے مضامین اور آیات کے مفاہیم میں حسب ضرورت تطبیق دینے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ سورۃ الانعام کی آیت :

" الذین اتینھم الکتاب یعلمون انہ منزل من ربک بالحق." (الانعام۔ ۱۱۴)

---

[1] حاشیہ بر آیت مذکورہ۔ [2] الخیر الکثیر ص ۴۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ:

"مکی سورتوں میں مذکور ہے کہ یہود قرآن کی تصدیق کرتے ہیں' اور مدنی سورتوں میں کہا گیا ہے کہ یہود اس کی تکذیب کرتے ہیں۔ اس کی وجہ تطبیق یہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے تو یہود کو اپنی شریعت کے اتباع کی دعوت نہیں دی تھی۔ اس بنا پر عام یہود صدق قرآن کے معترف تھے کہ قرآن کا حکم عربوں پر لازم ہے اور ان میں سے کوئی اس کا انکار نہیں کرتا تھا' اور جب آپ نے ہجرت کی تو ان کو بھی اسلام کی دعوت دی۔ اس پر یہ لوگ عناد میں مبتلا ہو گئے۔"

اسرائیلی روایات اسرائیلی روایات کے سلسلہ میں شاہ صاحب کا موقف جیسا کہ مقدمہ میں خود انھوں نے بیان کیا ہے، یہ ہے:

"اسرائیلی قصے جو کہ علمائے اہل کتاب سے منقول ہیں نہ کہ خیر البشرؐ کی حدیث سے "فتح الرحمٰن" میں شامل نہیں کیے گئے ہیں۔ سوائے اس جگہ کے جہاں اس کے معنی کی گرہ نہیں کھلتی اور ضرورتیں ممنوعات کو مباح کر دیتی ہیں[1]"

چنانچہ حتی الامکان "فتح الرحمٰن" میں شاہ صاحب نے اس ضابطہ کی پابندی کی ہے مگر بعض مقامات پر مسئلہ کا دوسرا رخ ان سے اوجھل رہ گیا ہے اور اسرائیلی روایات ان کے لئے حجاب بن گئی ہیں۔ مثلاً:

" ھو الذی خلقکم من نفس واحدۃ وجعل منھا زوجھا لیسکن الیھا فلما تغشھا حملت حملا خفیفا فمرت بہ فلما اثقلت دعوا اللہ ربھما لئن اتیتنا صالحا لنکونن من الشکرین. فلما اتھما صالحا جعلا لہ شرکاء فیما اتھما فتعلی اللہ عما یشرکون" (الاعراف ۔ ۹-۱۸۹)۔

شاہ صاحب اس جگہ لکھتے ہیں:

" یہ حواؑ کے حال پر منطبق ہوتا ہے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ جب حواؑ حاملہ ہوئیں تو شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا' اور جب بچہ کا پیدا ہوا تو اس کا نام عبد الحارث رکھ دیا۔"

شاہ صاحب نے جس روایت کو درست مان کر آیت کا انطباق کیا ہے وہ ساقط الاعتبار ہے۔ سب سے پہلے اس کی سند پر نظر ڈالیے۔ ابن جریر اس حدیث کی روایت محمد بن بشار عن بندار عن عبد الصمد سے کرتے ہیں اور امام ترمذی محمد بن مثنی عن عبد الصمد سے کرتے ہیں' اور کہتے ہیں:

---

[1] مقدمہ "فتح الرحمٰن"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

" ھذا حدیث حسن غریب لانعرفہ الا من حدیث عمر بن ابراھیم ورواہ بعضہ عن عبدالصمد ولم یرفعہ ۔"

صورت حال یہ ہے کہ عمرو بن ابراہیم بصری ہیں۔ ان کے بارے میں ابوحاتم الرازی نے کہا " لا یحتج بہ" یہ قول سمرہ کا ہے اور حدیث مرفوع نہیں ہے۔ چنانچہ ابن جریر کہتے ہیں :

" حدثنا ابن عبدالاعلی حدثنا معمر عن ابیہ حدثنا بکر بن عبداللہ عن سلیمان التیمی عن ابی العلا بن الشخیر عن سمرہ بن جندب قال سمی آدم ابنہ عبدالحارث ۔"

حضرت حسن نے بھی اس آیت کی تفسیر کی ہے، مگر انھوں نے یہ بات نہیں لکھی۔ اگر ان کے نزدیک یہ سمرہ سے مروی حدیث مرفوع ہوتی تو وہ اس سے تجاوز نہ کرتے۔ ابن جریر کے بقول حضرت حسن نے کہا کہ یہ بعض ملتوں کے بارے میں ہے نہ کہ آدم کے سلسلہ میں۔ ان تین اشکالات کے بعد حافظ ابن کثیر اس نتیجہ پہ پہنچتے ہیں :

" ھذا یدلک انہ موقوف علی الصحابی ویحتمل انہ تلقاہ من بعض اھل الکتاب من امن منھم مثل کعب ووھب ابن منبہ وغیرھما ۔"

حافظ ابن کثیر کا یہ تبصرہ زیادہ صحیح ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس آیت کے مصداق کفار ہیں، اگر حوّا اس کا مصداق ہوتیں تو نوحؑ اور لوطؑ کی بیویوں کی طرح ان پر بھی عتاب نازل ہوتا۔ کیونکہ انبیاؑ کی بیویوں کا معاملہ عام عورتوں سے مختلف ہوتا ہے۔ مزاج دین کا تقاضہ یہ ہے کہ معیارِ نبوت کو گرانے کے بجائے روایت کے سقم کو قبول کر لیا جائے۔

مختصر یہ ہے کہ شاہ صاحب کا یہ ترجمہ مع حواشی "فتح الرحمٰن" ایسے بہت سے قرآنی مباحث کو اجاگر کرتا ہے جن سے فہم قرآن کی گرہیں کھلتی ہیں۔ بحیثیت مجموعی شاہ صاحب کا یہ کارنامہ اپنی نوعیت میں منفرد ہے۔ شاہ صاحب نے صرف قرآن کے ترجمہ پر ہی اکتفا نہیں کیا، بلکہ قرآن کے علوم کو عام کرنے کے لیے اصول تفسیر سے متعلق "الفوز الکبیر" اور "فتح الخبیر" لکھی، قرآنی قصص اور تمثیلات کی حکمتوں اور ربط کی وضاحت کے لیے "تاویل الاحادیث" لکھی اور قرآن کو دوسری زبانوں میں منتقل کرنے کے اصول وضوابط پر "المقدمہ فی قوانین الترجمہ" مرتب کی۔ اگر ان تمام تصانیف کو سامنے رکھ کر شاہ صاحب کے کارنامے کی قدر وقیمت متعین کی جائے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاہ صاحب قرآن کریم کے خادم علماء میں صدر نشین نظر آتے ہیں۔

●●

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر وحید اشرف

صدر شعبہ عربی، فارسی، اردو، یونیورسٹی آف مدراس
(مدراس)

تفسیرِ لطیفی پر ایک نظر

حضرت محی الدین سید عبد اللطیف ذوقی ۱۱۵۱ھ میں ویلور (تامل ناڈو) میں پیدا ہوئے اور ۱۱۹۴ھ میں وفات پائی۔ ان کے حالات ان کے ہم سبق باقر آگاہ نے تحفۂ احسن کتاب میں جس کے نسخے اب بھی موجود ہیں لکھے ہیں۔ ابتدا میں اپنے والد سید ابوالحسن قربی سے کچھ پڑھنا شروع کیا لیکن پڑھنے میں جی نہ لگنے کے سبب ترک کر دیا۔ پندرہ سال کی عمر کھیل کود میں گزر گئی۔ اس کے بعد شہسواری، تیر اندازی اور تیراکی کا شوق ہوا۔ ایک سال میں ان فنون میں مہارت حاصل کرنے کے بعد عربی سیکھنے کی طرف مائل ہوئے لیکن جلد ہی اسے چھوڑ کر فارسی سیکھنا شروع کر دیا اور دو سال میں اتنی استعداد پیدا کر لی کہ دو سو سے زیادہ اشعار پر مشتمل ایک قصیدہ فارسی زبان میں لکھ ڈالا جس کا عنوان ہے "لور لور لالا"۔ تحصیلِ علم کے دوران شعر گوئی بھی جاری رہی۔ روزانہ نظامی کے ایک سو اشعار حفظ کر لیتے تھے۔ عربی زبان، فقہ، معانی و بیان، حدیث و تفسیر وغیرہ کی تکمیل کے بعد ریاضت و مجاہدہ شروع کیا اور صوفیہ کی اصطلاح میں مقامِ قطبیت پر فائز ہوئے۔

اس زمانے میں کتابوں کا حاصل کرنا نہایت دشوار کام تھا۔ حضرت ذوقی کتابیں خریدتے اور کبھی مستعار لے کر خود نقل کر لیتے۔ ایک دفعہ ایک شب میں پوری گلستاں نقل کر ڈالی۔ درس و تدریس، ریاضت و مجاہدہ، شعر و شاعری، فتویٰ نویسی، خطوط کے جواب دینا، تصنیف و تالیف، کتابوں کا نقل کرنا ان کے روزانہ کے مشاغل تھے۔ انھوں نے بہت سی کتابیں نقل کیں اور ان کے بہت سے مسودے اب بھی موجود ہیں، بہت سے ضائع ہو گئے۔ انھوں نے تالیفات و تصنیفات کا ایک گراں قدر ذخیرہ چھوڑا ہے۔ اشعار کی تعداد لاکھ کے ہندسوں میں بتائی جاتی ہے جن میں سے بیشتر ناپید ہو چکے ہیں۔ اتنی قلیل عمر میں متنوع موضوعات پر اس قدر کثیر تصانیف ایک غیر معمولی واقعہ ہے جس کی مثال دنیا میں بہت نادر ہو گی۔ حضرت ذوقی بیک وقت پُرگو عظیم شاعر، ادیب، مصنف، صوفی، فقیہ مفسر اور مفتی تھے۔ اس مضمون میں پہلی بار ان کی تفسیر کا تعارف کرایا جا رہا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت ذوقی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ترجمہ اور تفسیر قرآن کا مسودہ موجود ہے۔ مسودے میں ان کے ابتدائی الفاظ سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے پورے قرآن کا ترجمہ مختصر تفسیر کے ساتھ کیا تھا لیکن اس وقت صرف ایک جلد موجود ہے جس میں صرف آٹھ پارے ہیں۔ جس کے آخر میں ترقیمہ ہے کہ جزو اوّل ربیع الاوّل ۱۱۹۰ھ میں تمام ہوا۔ اس کے بعد جزو ثانی کے کچھ اوراق اسی جلد میں ہیں جن میں سورۂ انعام کا ترجمہ ہوا ہے۔ یہ سب اوراق منتشر تھے۔ ان اوراق کو ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر الملقب بہ حضرت پیر علیہ الرحمہ نے یکجا کر کے ایک ہی جلد میں مجلّد کرا دیا جس کی وجہ سے یہ آٹھ پارے بھی محفوظ ہو گئے اور تفسیر لطیفی کا یہاں تعارف کرانا ممکن ہو گیا۔ ابتدائی ۲۶ اوراق بہت کرم خوردہ ہیں جزو اوّل جو آٹھ پاروں پر مشتمل ہے اس میں کل ۲۸۸ اوراق ہیں اور اس کے بعد سورۂ انعام کا ترجمہ ۴۶ اوراق میں ہے جو مکمل نہیں ہے۔

اس تفسیر کا نام مفسّر نے تفسیر لطیفی رکھا ہے اور ابتدا میں لکھا ہے کہ بعض اعزا قرآن کی تفسیر جاننے کا شوق رکھتے ہیں لیکن انھیں دستیاب نہیں اس لیے ایک موجز تفسیر بنام تفسیر لطیفی لکھی۔ خود یہ بیان بتاتا ہے کہ انھوں نے صرف آٹھ پاروں کی تفسیر نہیں لکھی ہوگی۔ اس وقت کل ۳۴۴ اوراق یعنی تقریباً ۶۸۰ صفحات موجود ہیں۔

ذیل میں اس تفسیر کا تعارف ایک سرسری مطالعہ پر مبنی ہے۔ اتنا وقت نہ تھا کہ شروع سے آخر تک ایک ایک لفظ کو پڑھا جا سکتا۔ یہ بھی ممکن نہ تھا کہ بہت سی تفسیروں کو سامنے رکھ کر اس تفسیر سے مقابلہ کیا جا سکتا اور اس تفسیر کی خوبیوں کو اس دعوے کے ساتھ پیش کیا جاتا کہ یہ ہیں اس کی امتیازی خصوصیات۔ اس لیے راقم نے یہ کیا کہ سرسری مطالعہ سے جو نکات نظر میں آئے انھیں یہاں پیش کر دیا ہے۔ جو لوگ جاننے کی خواہش رکھتے ہیں وہ ان نکات کو سامنے رکھ کر دوسری تفسیروں سے مقابلہ کر سکتے ہیں۔ لیکن کچھ بھی ہو اس تفسیر کی اپنی اہمیت ہے کیونکہ یہ ایک ایسے عالی مرتبت عالم اور صاحب دل صوفی کے قلم سے نکلی ہے جو اپنے زمانے میں صوفیہ کی اصطلاح میں مقام قطبیت پر فائز تھے۔

اگرچہ حضرت ذوقی صوفی کامل تھے لیکن تفسیر میں انھوں نے صوفیانہ انداز نہیں اختیار کیا ہے مجھے صرف ایک آیت ایسی ملی جس کا ترجمہ میری نظر میں خاص صوفی مشرب کے مطابق ہے جس کا ذکر اس مضمون میں کیا گیا ہے۔

یہ تفسیر عبدالکریم ابوالقاسم قشیری کی لطائف الاشارات کی مانند ہے لیکن دونوں کے طرز میں فرق بھی ہے۔ لطائف الاشارات عربی میں ہے اور تفسیر لطیفی فارسی میں ہے۔ لطائف الاشارات نہ ترجمہ ہے نہ تفسیر بلکہ اس میں ہر آیت کے بارے میں ایسے نکات ہیں جن سے آیت کی معنویت یا حکمت کی طرف کوئی اشارہ ملتا ہے۔ اس لیے اگرچہ لطائف الاشارات بھی موجز ہے لیکن ترجمہ نہیں ہے۔ حضرت ذوقی نے ترجمہ کیا ہے اور ترجمہ کے تقاضوں کو ملحوظ رکھا ہے۔ اس ترجمہ میں الفاظ حشو و زوائد سے پاک ہیں۔ ترجمہ سلیس اور بامحاورہ ہے، اگرچہ ترجمہ تقریباً

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تحت اللفظ ہے لیکن عبارت کو آسانی سے پڑھا اور سمجھا جا سکتا ہے۔ کہیں کہیں آیتوں کی ضروری تفسیر بیان کی ہے۔ ترجمہ کے الفاظ ایسے چیچے تُلے ہیں اور اکثر معنویت سے بھرپور ہیں کہ ان سے تشریح و تفصیل کی طرف اشارے مل جاتے ہیں لیکن ان اشاروں کو سمجھنا عام آدمی کا کام نہیں۔ عام آدمی کے لیے اسکے ظاہری بیان کو سمجھ لینا ہی کافی ہے۔

اس تمہید کے بعد ہم ذیل میں تفسیر لطیفی سے چند آیتیں اور ان کا ترجمہ اور تفسیر نقل کرتے ہیں اور اس کے بعد قارئین کو اس کی بعض خصوصیات کی طرف متوجہ کریں گے۔

۱۔ سورہ بقرہ میں مال خرچ کرنے کا حکم آیا کہ اسے قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں وغیرہ پر خرچ کرو۔ اردو کے اکثر مترجمین نے لفظ مسکین کی اس طرح تعریف نہیں کی ہے جو تفسیر لطیفی میں ملتی ہے۔ حضرت ذوقی نے سورہ بقرہ کی دو آیات میں لفظ مساکین کی تعریف کی ہے۔ ایک آیت یہ ہے۔

واٰتی المال علیٰ حبہ ذوی القربیٰ والیتمیٰ والمسٰکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب ٥

اس میں مساکین کا ترجمہ یوں کیا ہے: "محتاجانِ سوال ناکنندہ" یعنی ایسے محتاج جو دوسروں سے سوال نہیں کرتے۔

۲۔ دوسری آیت یہ ہے:

یسئلونک ماذا ینفقون ط قل ما انفقتم من خیر فللوالدین والاقربین والیتمیٰ والمسٰکین وابن السبیل۔

اس میں مساکین کا ترجمہ لکھتے ہیں: "درویشان کہ چارۂ معیشت خود ندارند" یعنی ایسے محتاج جو معاش کا کوئی مستقل ذریعہ نہیں رکھتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ذوقی کے نزدیک مسکین کی تعریف یہ ہے کہ وہ محتاج جو کوئی مستقل ذریعۂ معاش نہیں رکھتا اور سوال بھی نہیں کرتا۔

اس آیت میں لفظ اقربین بھی ہے۔ اقربین کا ترجمہ حضرت ذوقی نے یوں کیا ہے۔

"خویشان نزدیک کہ وارث نباشد چہ آں صلۂ رحم است" یعنی ایسے نزدیکی رشتہ دار جو وارث نہ ہوں کہ ان پر خرچ کرنا صلۂ رحم ہے" اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اوپر کی آیت میں حکم احسان کا ہے اور وراثت میں کوئی احسان نہیں کیونکہ وراثت کا حکم الگ سے ہے اور وارث کا حق خدا کی طرف سے مقرر ہے۔ یہاں حکم اس کے علاوہ ہے۔ یہاں حضرت ذوقی سے اتفاق کرنا ضروری نہیں ہے۔ ممکن ہے انھیں اشتباہ ہوا ہو کیوں کہ ایسی حدیثیں ملتی ہیں کہ اگر وارثین محتاج ہوں تو انھیں صدقہ دینا زیادہ ثواب ہے۔

۳۔ سورہ بقرہ میں (آیت ۲۷۵) سود خوار کی حالت قیامت کے دن بیان کی گئی ہے۔ اس میں شیطان کے مس کرنے کا بیان ہے۔ شیطان کے مس کرنے کے معنی میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں اور بعض کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قول کے مطابق شیطان کی وجہ سے کوئی آسیب زدہ نہیں ہوتا یعنی شیطان صرف بہکاتا ہے اور گمراہ کرتا ہے مگر انسان سے لپٹ کر اس کو جنون میں مبتلا نہیں کرسکتا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ شیطان کے چھونے یا لپٹنے سے انسان آسیب زدہ، بدحواس اور پاگل ہو جاتا ہے۔ حضرت ذوقی نے بھی اسی دوسرے قول کی تائید کی ہے۔

اصل عبارت و ترجمہ یہ ہے:

الذین یاکلون الربٰوا لایقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطان من المس

ترجمہ لطیفی: آنانکہ میخورند مالِ ربا را برنخیزند از قبرہای خود روز بعث ونشور مگر آنچنانکہ میخیزد آنکس کہ بزند و بیفگند اورا دیواز سودن۔

یعنی جو لوگ سود کا مال کھاتے ہیں وہ روز حشر قبر سے اس طرح اٹھیں گے کہ جیسے کوئی اٹھتا ہے اس حال میں کہ شیطان اس کو مارتا ہے اور گراتا پڑا تا ہے اس کو مس کر کے یا اس سے لپٹ کر۔ پھر حضرت ذوقی وضاحت کرتے ہیں:

"حاصلش آنست کہ رباخواران بشکل مجانین باشند و اہل عرصات ایشان را بدین نشانی بشناسند"

یعنی حاصل کلام یہ ہے کہ سود خواران پاگلوں کی طرح ہوں گے اور اہل محشر انھیں اسی نشانی سے پہچان لیں گے۔

۴۔ سورۂ بقرہ کی ایک آیت میں لفظ کسب اور اکتساب کے صیغے استعمال ہوئے ہیں۔ اردو میں اس آیت کے مفہوم کو واضح کرنے کے لیے مترجمین و مفسرین نے اپنے اپنے طریقے اختیار کیے ہیں۔ مفہوم میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ لیکن حضرت ذوقی نے فارسی ترجمہ میں جو الفاظ استعمال کیے ہیں ان سے الفاظ کسب اور اکتساب کی معنویت خود بخود واضح ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ حضرت ذوقی نے لفظ کسب اور اکتساب کی خاصیت کو بتا کر مفہوم کی مزید وضاحت کر دی ہے۔ آیت اور اس کا ترجمہ یہ ہے:

"لھا ما کسبت وعلیھا ما اکتسبت" ترجمہ لطیفی: مر آں نفس راست آنچہ کسب کردہ است از نیکوئی ہا و بر وی باشد آنچہ بجای آوردہ از بدیہا۔ یعنی اسی نفس کے لیے ہے اس کا ثواب جس نے نیکی کمائی اور اسی پر پڑے گی جو اس نے بدی کی۔ اس ترجمہ کے بعد حضرت ذوقی اسی ذیل میں لکھتے ہیں:

"تخصیص خیر بکسب و شر باکتساب بجہت آنست کہ افتعال برای انکماش است یعنی شتافتن و نفس می شتابد در و تکلیف دادہ شود بخیر"

اردو ترجمہ: خیر کی تخصیص کسب کے ساتھ اور شر کی تخصیص اکتساب کے ساتھ اس لیے ہے کہ باب افتعال میں انکماش کے معنی پائے جاتے ہیں یعنی کسی چیز کی طرف پہلے ہی سے اشتغال یا اس کی طرف بہت جلد مائل ہونا اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نفس برائی کی طرف تیزی سے مائل ہوتا ہے اور اسے مکلف کیا گیا ہے خیر کے لیے۔"

ہمیں نفس کی اس خصوصیت کی طرف اشارہ قرآن میں بھی ملتا ہے مثلاً۔

سورہ یوسف میں ہے۔ جبکہ حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا: ان النفس لامارۃ بالسوء الا ما رحم ربی

ترجمہ: بے شک نفس کا تو کام ہی برائی کا حکم دینا ہے مگر اسکی برائی سے وہی نفس بچ سکتا ہے جس پر میرا رب رحم کرے۔

سورۂ بقرہ میں اس آیت کے بعد دعائیہ آیات ہیں۔ اس کے بارے میں حضرت ذوقی لکھتے ہیں:

" حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دریں محل بالہام الٰہی آغاز دعا کرد"

یعنی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس موقع پر الہام ہوا دعائیہ آیات کا" اور آپنے آغاز دعا کیا۔ عام طور پر اردو تراجم و تفاسیر میں یہ قول نہیں ملتا۔ ممکن ہے کسی نے نقل کیا ہو۔ لفظ الہام سے یہ اشارہ مقصود ہے کہ یہ دعائیہ آیات بذریعہ جبرئیل نہیں نازل ہوئیں بلکہ بلا واسطہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر القا ہوئیں۔

ایک قول یہ ملتا ہے کہ شب معراج میں جو نعمتیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو براہ راست اللہ جل شانہ سے ملیں ان میں سے ایک سورہ بقرہ کی آخری دو آیات ہیں (مجموعۂ خیر البیان از مولانا زید ابوالحسن فاروقی ص ۷۰ مطبوعہ ابو الخیر اکادمی دہلی)

۵۔ سورہ آل عمران کی ایک آیت یہ ہے: ومکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین

اس آیت کے ترجمہ میں حضرت ذوقی نے بہت احتیاط سے کام لیا ہے اور لفظ مکر کی تاویل خوبصورتی کے ساتھ کر کے ادب کے دامن کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا ہے۔

مکر اللہ کا ترجمہ یوں کیا ہے: "خدائے تعالیٰ جزای مکر ایشان بالشان رسانید"

یعنی خدائے تعالیٰ نے ان کے مکر کی جزا اُن تک پہنچا دی۔ اور اللہ خیر الماکرین کا ترجمہ یوں کیا ہے: "خدائے تعالیٰ بہترین مکافات کنندگان است مراہل مکر را" یعنی خدا تعالیٰ اہل مکر کو مکافات عمل (عمل کا بدلہ) دینے میں سب سے زیادہ بہتر قادر ہے۔

۶۔ سورۂ آل عمران کی ایک آیت کا ترجمہ اور تفسیر اس طرح ہے: ان اللہ لا یخفی علیہ شئ فی الارض ولا فی السماء

ترجمہ وتفسیر لطیفی: "بدرست یکہ خدای تعالیٰ پوشیدہ نماند بروی چیزی از کائنات نہ در زمین نہ آسمان بلکہ علم او محیط بہمہ معلومات است بخلاف علم عیسیٰ علیہ السلام کہ او از بعضی غیبات خبر داشت و آں نیز از تعلیم وی بحقق علم ناقص استدلال ربوبیت او نمیتوان کرد"

اردو ترجمہ: "بے شک خدای تعالیٰ سے کائنات کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے نہ زمین کی نہ آسمان کی بلکہ اس کا علم تمام معلومات کو محیط ہے۔ بخلاف عیسیٰ علیہ السلام کہ وہ بعض علوم غیب پر مطلع تھے اور وہ بھی ان

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"کو خدا کی عطا سے حاصل تھے پس علم ناقص سے حضرت عیسیٰ کی ربوبیت پر استدلال کرنا درست نہیں ہے۔"

اس سے پہلے اُن منکرین توحید کا بیان ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کے قائل تھے۔ اس لیے آیت کے سیاق و سباق کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت ذوقی نے تفسیر میں وضاحت کردی ہے جس سے یہ بتانا بھی مقصود ہے کہ بندہ کا علم غیب ذاتی نہیں ہوتا بلکہ خدا کی عطا سے ہوتا ہے۔ عالم الغیب ہونا صرف خدا کی صفت ہے اور عطائی علم غیب ہونا خود بندہ ہونے کی دلیل ہے۔ اس لیے عطائی علم غیب سے کسی بندہ کی ربوبیت ثابت نہیں ہوتی بلکہ اس کا بندہ ہونا ہی ثابت ہوتا ہے۔ اس لیے اس آیت میں ایک مناظرہ کے ذریعہ اہل باطل کی تردید کی گئی ہے۔ حضرت ذوقی کی اس تفسیر سے قرآن میں جو بلاغت کا پہلو ہے وہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ بیان تو واضح ہے مگر بیان کے موقع و محل نے کلام کو بلیغ بنا دیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے عالم الغیب ہونے کا بیان اور یہ بیان کہ ساری کائنات کو اس کا علم محیط ہے، یہاں اس سب سے ہے کہ منکرین توحید کے استدلال کو رد کیا جائے جو حضرت عیسیٰؑ کی اُلوہیت کے قائل ان کے بعض علوم غیب کی بنیاد پر تھے۔

۷۔ سورہ آل عمران ہی میں ایک جگہ شہید کی حیات کا ذکر ہے۔ حضرت ذوقی نے ترجمہ کے ساتھ اس حیات کی بھی کچھ وضاحت کی ہے۔ آیت اور ترجمہ و تفسیر یہ ہے:

"ولا تحسبنّ الذين قُتِلُوا في سبيلِ اللهِ امواتًا ط بل احياءٌ عند ربهم يرزقون"

ترجمہ و تفسیر لطیفی: "بلکہ ایشان زندگانند نزد پروردگار خود باعتبار آنکہ ہر سال ثواب غزوہ بدیشان میرسد یا آنکہ خاک ایشان را نمیخورد یا رد سلام زایران میکنند یا بدستور زندگان روزی دادہ می شوند از میوہ ہای بہشت"

اس دو ترجمہ: "یہ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے پاس اس اعتبار سے کہ ہر سال ان کے جہاد کا ثواب ان کو پہنچتا ہے یا یہ کہ زمین ان کے جسم کو نہیں کھاتی یا یہ کہ وہ زائرین کے سلام کا جواب دیتے ہیں یا زندوں کی طرح بہشت سے ان کو میوے دیے جاتے ہیں کھانے کے لیے۔"

ان امور کے بیان کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ تمام باتیں زندہ ہونے کی علامات ہیں۔ اور یہ تمام علامات شہیدوں میں پائی جاتی ہیں۔

سورۂ آل عمران کی ایک آیت "انه مسيح عيسى ابن مريم" میں لفظ مسیح کی تشریح اس طرح کی ہے:

"مسیح است و آن از القاب است عیسیٰؑ اسم اوست و تقدیم لقب بر اسم برای تعظیم است و اصل مسیح در عبرانی مشیح است و معنی آن مبارک، چنانکہ او سبحانہ تعالیٰ فرمودہ و جعلني مباركاً اينما كنت، و گفتہ اند

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسیح اورا ازآن میگفتند کہ ہر مریض راکہ مسح میکرد شفا می یافت یا آں کہ مسح میکرد زمین را لبیاحت و متوطن جای نمیشند و بہ نسبت او بجانب مریم اشارہ است باآنکہ او مجرد است از پدر"

ترجمہ: "وہ مسیح ہیں اور مسیح لقب ہے۔ عیسیٰ ان کا نام ہے اور نام سے پہلے لقب لانا ان کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لیے ہے اور عبرانی میں یہ لفظ مشیح ہے۔ اس کے معنی مبارک ہے جیسا کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وجعلنی مبارکا اینما کنت اور کہا گیا ہے کہ ان کو مسیح اس لیے کہتے تھے کہ جس مریض کو وہ مسح کردیتے وہ شفا پاتا تھا یا یہ کہ وہ زمین کو سیاحت سے مسح کرتے تھے اور کسی جگہ متوطن نہیں ہوتے تھے اور مریم کی طرف اس لیے اشارہ کیا گیا کہ وہ بغیر باپ کے پیدا کیے گئے۔"

۹۔ سورہ بقرہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ہے کہ جب انھوں نے پوچھا تھا کہ اے رب تو کس طرح مُردوں کو زندہ کرے گا، مجھے دکھا دے۔ بعض صوفیہ نے اس کی صوفیانہ تفسیر کی ہے۔ مثلاً حضرت سید محمد گیسو دراز (المتوفی ۸۲۵ھ) کی تفسیر الملتقط (خطی) میں صوفیانہ انداز دیکھا جا سکتا ہے۔ لیکن حضرت ذوقی نے یہاں بھی ظاہری معنی ہی مراد لیے ہیں لیکن اس بات کا لحاظ رکھا ہے کہ نبی کی شانِ نبوت پر حرف نہ آنے پائے اور قرآن کریم کے معنی و مراد میں بھی کوئی فرق نہ ہو۔ ملاحظہ ہو:

واذ قال ابراھیم رب ارنی کیف تحیی الموتیٰ ط قال اولم تومن ط قال بلیٰ ولکن لیطمئن قلبی

ترجمہ وتفسیر لطیفی: یاد کن آن را کہ گفت ابراہیم علیہ السلام ای پروردگار من بنمائی مرا بدیدۂ سر چگونہ زندہ میگردانی مُردگان را، گفت آیا تو ایمان نیاوردہ بدان کہ من مردہ زندہ میکنم؟ گفت بلیٰ ایمان آوردہ ام (بلیٰ ایجاب لیکار نفی است و اگر استفہام بمعنی ایجاب گیرند در قولہ تعالیٰ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ یعنی تو ایمان نداری بقدرت من بر احیا و اماتت چنانکہ بانمرود گفتی کہ ربی الذی یحیی و یمیت۔ بلیٰ را بمعنی نعم اعتبار باید کرد) ولیکن سوال کردم از نمودن احیا ہاموات تا مطمئن و ساکن گردد دل من بدیدن کیفیت آں۔

آوردہ اند کہ ابلیس برکنارۂ دریا ئی میگذشت، نظرش بر مرداری افتاد کہ مرغان و درندگان ہر یکی از او پارہ می ربایند، ابلیس گفت خوش دامی یافتم کہ بدان کوتہ نظران کم خرد را صید میتوان نمود چہ ایں اجزای متفرقہ را از حوصلہ ہای مرغان وشکمہای نہنگان وماہیان و درندگان جمع کردن مستبعد ست پس دریں امر لغزش تمام بیاید واحیای موتیٰ را خلاف عقل دانند و بانکار حشر پردازند پس حق سبحانہ بابراہیم علیہ السلام وحی فرستاد کہ برکنارۂ فلاں دریا برو کہ دشمن من دام فریب گستردہ تجویز میکند تمہیدا را (؟) ... انگند ابراہیم علیہ السلام

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

در آنجا آمد، ابلیس آں شبہ را بروی القا نمود۔ ابراہیم علیہ السلام در جواب او فرمود کہ محل عجب نیست آنکہ اجزار را از عدم بوجود آوردہ است، قادر است کہ آں را جمع نماید اگر در مواضع متعددہ متفرق شدہ باشد۔ پس ابراہیم علیہ السلام دعا کرد کہ ای پروردگار من کیفیت احیای موتی بمن بنمای تا ایں طاغی ملزم گردد و دل من بالزام اطمینان پذیرد۔"

اس کا ترجمہ: اسے یاد کرو جبکہ ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ اے میرے پروردگار مجھے ان ظاہری آنکھوں سے دکھا کہ تو کس طرح مُردوں کو زندہ کرے گا۔ خدا نے کہا کہ کیا تمہارا ایمان اس پر نہیں ہے کہ میں مُردوں کو زندہ کرونگا؟ ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ ہاں ایمان ہے (بلیٰ نفی کے بعد ایجاب ہے اور اگر استفہام کو ایجاب کے معنی میں لیں بقولہ تعالیٰ اولم تؤمن یعنی تمہیں میری اس قدرت پر ایمان ہے کہ میں مُردوں کو زندہ کروں گا جیسا کہ تم نے نمرود سے کہا تھا کہ میرا رب وہ ہے جو جلاتا اور مارتا ہے۔ بلیٰ کو بمعنی نعم اعتبار کرنا چاہیے) لیکن میں نے سوال کیا کہ مُردوں کو زندہ کرکے دکھا دے تاکہ اس کی کیفیت کو دیکھ کر میرا دل مطمئن ہوجائے اور قرار پکڑے۔

کہتے ہیں کہ ابلیس ایک دریا کے کنارے سے گذر رہا تھا۔ اس کی نظر کسی مُردار پر پڑی کہ چڑیاں اور درندے اس کا گوشت کاٹ کر کھارہے تھے۔ ابلیس نے کہا اچھا جال ہاتھ آیا ہے۔ اس جال میں کم عقلوں کو پھنسا سکتا ہوں کیوں کہ چڑیوں کے پوٹوں اور جانوروں اور مچھلیوں کے پیٹ سے ان اجزار کو جمع کرکے پھر سے زندہ کرنا ان کی عقل سے مستبعد نظر آئے گا اور اس امر میں ان کو پوری طرح بہکایا جاسکتا ہے تاکہ وہ احیار موتیٰ کو خلافِ عقل مان لیں اور حشر و نشر کا انکار کردیں۔ پس حق سبحانہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام پر وحی کی کہ فلاں دریا کے کنارے جاؤ کہ وہاں میرے دشمن نے فریب کا جال بچھایا ہے اور چاہتا ہے کہ انھیں گمراہی کے بھنور میں ڈال دے۔ ابراہیم علیہ السلام وہاں آئے۔ ابلیس نے یہ اشتباہ ابراہیم علیہ السلام کے دل میں ڈالنا چاہا۔ انھوں نے جواب دیا کہ اس میں کوئی تعجب نہیں ہے کہ جو اجزار کو عدم سے وجود میں لایا ہے وہ اس پر قادر ہے کہ ان کو جمع کردے اگرچہ یہ اجزار مختلف مقامات میں متفرق ہوگئے ہوں۔ پس ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی کہ اے پروردگار احیار موتیٰ کی کیفیت مجھ پر ظاہر کردے تاکہ یہ گمراہ و باغی ملزم ٹھہرے اور میرا دل الزام سے بری ہو کر مطمئن ہوجائے (یعنی میں نے جو بروز حشر احیار موتیٰ کا دعویٰ کیا ہے۔ وہ سامنے آجائے گا تو عملی ثبوت دیکھ کر ایک طرف شیطان ملزم قرار پائے گا اور دوسری طرف میرے دل کو چین نصیب ہوگا اور پھر مجھ پر الزام عائد نہ کرسکے گا)

اس تفسیر میں چند نکات قابل توجہ ہیں:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۔ بعض اُردو مترجمین نے یہ لکھ دیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام بتقاضائے بشری شبہ میں پڑ گئے تھے اور اپنے شبہ کو دور کرنے کے لیے خدا سے احیاء موتیٰ کا تقاضا کیا تھا۔ حضرت ذوقی نے اس اشکال کا ازالہ اس طرح کیا ہے کہ قرآن ہی سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول پیش کر دیا کہ انھوں نے نمرود سے کہا تھا کہ میرا رب وہ ہے جو جلاتا اور مارتا ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ کا ایمان مستحکم تھا اور نبی کی شان کے یہ خلاف ہے کہ وہ ایمان کے معاملہ میں شبہ میں پڑ جائے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ کیف تحی الموتیٰ کا ترجمہ انھوں نے اس طرح کیا ہے "بنمای مرا بدیدۂ سر چگونہ زندہ میگردانی مردگاں را" یعنی مجھے مُردوں کو زندہ کرنے کی کیفیت کو ان ظاہری آنکھوں سے دکھا دے۔ سوال کے الفاظ یہ نہیں ظاہر کرتے کہ آپ کو ایمان نہ تھا بلکہ وہ اس کیفیت کو آنکھوں سے دیکھنا چاہتے تھے۔ اس کا ثبوت ہمیں خدائے تعالیٰ کے اس سوال سے ملتا ہے اَوَلَمْ تؤمِن۔ کیا تمہارا اس پر ایمان نہیں ہے کہ میں مُردہ کو زندہ کر سکتا ہوں؟ اس پر ابراہیم علیہ السلام کا یہ جواب ہے کہ بیشک میں اس پر ایمان رکھتا ہوں؟ دراصل باری تعالیٰ کے سوال کا مقصد اس بات کو واضح کر دینا ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ ابراہیم علیہ السلام کے ایمان میں شبہ اور نقص تھا ورنہ خدائے تعالیٰ کو ابراہیم علیہ السلام سے پوچھنے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ وہ علام الغیوب ہے اور دلوں کے حال سے واقف ہے۔ اب رہا دل کے اطمینان کا مسئلہ تو یہ اس شان نزول سے ظاہر ہوتا ہے جو حضرت ذوقی نے بیان کی ہے۔ یہ نہیں بتایا ہے کہ یہ روایت انھوں نے کہاں سے لی ہے۔ اس واقعہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دیکھ کر کہ ابراہیم علیہ السلام کے سبب مُردہ زندہ ہو گیا کوئی یہ نہ سمجھے کہ کوئی نبی خود سے مردہ زندہ کر سکتا ہے بلکہ یہ کام درحقیقت مالک حقیقی کا ہے اور اسی کے حکم سے مُردوں کو ابراہیم علیہ السلام کے ذریعہ زندہ کیا گیا تاکہ یہ ابراہیم علیہ السلام کی نبوت پر ایک دلیل بن جائے۔

اب اس سلسلہ کی آخری آیت نقل کی جاتی ہے جس کے ترجمہ میں صوفیانہ طرز بھی شامل ہے۔ یہ سورۂ فاتحہ کی آیت ذیل ہے۔

"ایاک = تُرا، نعبد = عبادت میکنیم، وایاک نستعین = وخاص از تو مدد می جوییم در عبادت"

اردو ترجمہ: "اور ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور خاص تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں عبادت میں"

اس ترجمہ میں جو خاص لفظ قابل توجہ ہے وہ ہے "عبادت میں" قرآن کی اس آیت میں یہ لفظ نہیں ہے سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ذوقی نے اپنی طرف سے اس لفظ کا اضافہ کیوں کیا؟ قرآن استعانت عام ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت ذوقی نے اسے عبادت کے ساتھ خاص کر دیا۔ یہ اعتراض علماء ظاہر کی طرف سے ہو سکتا ہے۔ لیکن حضرت ذوقی نے جو ترجمہ کیا ہے اس میں زیادہ گہرائی ہے اور ذوق بندگی شامل ہے جو قرآن کے اس منشاء کے مطابق ہے جس کا تعلق توحید کے رموز سے ہے جو عبادت و بندگی کے مفہوم کو اس طرح ظاہر کرتا ہے جس سے بندہ پر مقام بندگی کی کیفیت کھلتی ہے۔ قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ بندہ ہر نیک کام کا فاعل حقیقی خدا کو سمجھے اور اسے اپنی طرف منسوب نہ کرے یعنی وہ معبود کے سامنے اپنے احساس انا بلکہ اپنے احساس وجود کو بھی ختم کر دے۔ لیکن برائی کو خود اپنی ذات سے منسوب کرے۔ اسی لیے ایک حدیث ہے کہ برائی کرتے وقت دل میں ایمان نہیں رہتا۔ کیونکہ اس وقت اس کی انانیت بیدار ہوتی ہے۔ مومن کی حلال کی کمائی کو بھی بندے کی ذات سے نہیں منسوب کیا گیا ہے بلکہ کہا گیا کہ وممارزقناھم ینفقون یعنی رزاق حقیقی فرماتا ہے کہ ہم جو مومنین کو روزی دیتے ہیں وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ لیکن سورہ فاتحہ کی اس آیت میں خود مومن کی زبان سے ایک دعوے کا اظہار اس طرح کرایا گیا ہے جس سے اس کی انا کا اظہار ہوتا ہے اور فعل کا دعویٰ ظاہر ہوتا ہے یعنی "ایاک نعبد" ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ (ہم کا صیغۂ جمع اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ تمام مومنین تیری ہی عبادت کرتے ہیں) یہاں عابد اور معبود میں فرق کا اظہار کرنا لازمی تھا اس لیے بندہ کو اپنی انا کا اظہار کرنا اور دعویٰ فعل کرنا پڑا لیکن اس کے فوراً بعد یہ کہنا "وایاک نستعین" یہ ظاہر کرتا ہے کہ اے خدا تیری توفیق کے بغیر ہم یہ عبادت بھی نہیں کر سکتے ۔۔۔ اس طرح انا اور فعل کا دعویٰ دونوں ختم ہو جاتے ہیں۔ جب بندہ مقام بندگی کے اس درجہ کو پہنچ گیا ہو کہ وہ دعویٰ انا اور دعویٰ فعل سے عاری ہو چکا ہو تو وہ کسی بھی امر میں اپنے اختیار و ارادہ کا دعویٰ نہ کرے گا اور اس کا ہر ارادہ خدا کے ارادہ کے تابع ہو جائے گا اور اس کا یہ یقین ہر وقت اس کے ساتھ رہے گا کہ وہ خدا کی مدد کے بغیر کچھ بھی نہیں کر سکتا۔

اس طرح اگرچہ ترجمہ میں "در عبادت" زاید ہے لیکن اس معنی میں وہ مراد بھی شامل ہے جو علماء ظاہر کا قول ہے اور صوفیہ کا نقطۂ نظر بھی شامل ہے کہ بندہ خدا کے وجود کے سامنے ہیچ ہے یعنی لاموجود الا اللہ۔

زیر بحث آیت کے تحت جو کچھ اوپر لکھا گیا ہے یہ عام فہم انداز میں ان لوگوں کے لیے ہے جو کچھ علم و فہم رکھتے ہیں۔ لیکن توحید کے مراتب میں یہ ایک مرتبہ ہے۔ جن کو اس موضوع سے دلچسپی ہو وہ راقم کی کتاب تصوف حصہ اول میں زیر عنوان وحدت الوجود ملاحظہ فرمائیں۔

اس بحث کا سلسلہ جبر و اختیار کے مسئلہ سے جا ملتا ہے جو بہت نازک ہے۔ ان مسائل کی بھی اساس قرآن میں موجود ہے لیکن ان کی معرفت ان لوگوں کو ہوتی ہے جو تزکیۂ نفس اس طرح کر چکے ہوں کہ توحید ان پر چھا جائے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس وقت وہ دیکھتے ہیں کہ درحقیقت بدی کا وجود نہیں ہے۔ برائی ہماری یعنی بندہ کی نسبت سے ہے۔ اس مسئلہ کو علمی طور پر بھی بیان کیا گیا ہے جو بہت دقیق ہے اور جسکے بیان کرنے کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔ اشارۃً دو صوفیہ کے اشعار یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔ شیخ ابوالوفا خوارزمی (آٹھویں اور نویں صدی ہجری) لکھتے ہیں:

" بدکردم واعتذار بدتر زگناہ زیرا کہ دریں ہست سہ دعوای تباہ دعوای وجود ودعویٰ قدرت وفعل لاحول ولاقوۃ الا باللہ "

ترجمہ: میں نے برائی کی اور پھر برائی کا عذر کیا جو گناہ سے بھی بدتر ہے، کیوں کہ عذر پیش کرنے میں تین تباہ کن دعوے ہیں، " انا کا دعویٰ " " قدرت کا دعویٰ اور فعل کا دعویٰ لاحول ولاقوۃ الا باللہ " یعنی ایسے دعوؤں سے خدا بچائے۔ لیکن یہ بہت مشکل مسئلہ ہے۔ اس بحث سے بچنا بہتر ہے۔

تفسیر لطیفی کی بعض خصوصیات کی طرف اشارے کیے جا چکے ہیں اور مذکورہ مثالوں سے ان خصوصیات کی وضاحت بھی ہو جاتی ہے۔ اگر تفسیر کا مطالعہ بالاستیعاب کیا جائے تو بہت سے نکات نظر میں آسکتے ہیں اور اس تفسیر کی معنوی خصوصیات پر مزید روشنی پڑ سکتی ہے۔ ہم کہہ چکے ہیں کہ یہ مضمون ایک سرسری مطالعہ پر مبنی ہے شروع میں ہم نے جن خصوصیات کی طرف اشارے کیے ہیں ان کا اعادہ ذیل میں کسی قدر تفصیل سے کیا جاتا ہے۔

۱۔ قرآن کی تفسیر لکھنے میں اس بات کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے کہ بیان خواہ کتنا ہی مفصل ہو اس میں غیر ضروری الفاظ و جملے نہ ہوں، بیجا تکرار نہ ہو، انشا پردازی، پرشکوہ انداز بیان، خطابت، خوش بیانی اور رنگین بیانی سے کام نہ لیا گیا ہو جو بات ہو واضح ہو، ابہام نہ ہو غرضکہ انداز بیان صاف، سادہ، غیر مبہم ہو اور حشو و زوائد سے پاک ہو۔ تفسیر لطیفی میں ان تمام باتوں کا لحاظ پایا جاتا ہے۔ ۲۔ حضرت ذوقی نے ترجمہ تقریباً تحت لفظ کیا ہے۔ لیکن ترجمہ کو پڑھنے اور سمجھنے میں کوئی مشکل نہیں محسوس ہوتی ——— یہ ترجمہ کی خوبی ہے۔ ترجمہ قرآن کے مفہوم کے مطابق ہے اور زیادہ تر الفاظ اصل کے مطابق یا ان سے بہت قریب ہیں۔ ۳۔ ترجمہ عام فہم ہے اور عام لوگ اس سے استفادہ کر سکتے ہیں یعنی وہ لوگ جو فارسی سے واقف ہیں لیکن اسمیں جو اشارے ہیں ان سے خواص ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ ۴۔ ترجمہ میں مقام ادب میں ہر جگہ ادب کا لحاظ رکھا گیا ہے اور کیوں نہ ہو جبکہ کہا گیا ہے کہ التصوف کلہ ادب' تصوف سراسر ادب ہے، بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ الدین کلہ ادب' دین سراسر ادب ہے۔ ۵۔ ترجمہ ظاہر کرتا ہے کہ ترجمہ کرنے والا صرف عالم ہی نہیں بلکہ عارف بھی ہے مگر یہ عارفانہ پہلو عام لوگوں کی فہم سے بالا رہے۔ مترجم اگر عالم ہونے کے ساتھ عارف بھی ہو تو اس سے قرآن فہمی کی زیادہ توقع کی جا سکتی ہے خصوصاً ان مواقع پر جن کا تعلق توحید اور اخلاص کی باریکیوں سے ہو۔ حضرت ذوقی نے یہ ترجمہ و تفسیر اپنے زمانے کی ضرورت کو پورا کرنے کیلئے لکھی تھی، زمانے کی ضرورت سے مراد ان کے اپنے ماحول کے تقاضوں سے ہے اور اس کے پیچھے صرف تبلیغ و اشاعت دین کا جذبہ ہی کارفرما تھا۔

●●

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جناب اخلاق حسین قاسمی
صدر مرکز اسلامی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی
شیخ چاند، لال کنواں، دہلی ۶

تفسیر مرادیہ کا ایک جائزہ

تفسیر مرادیہ اردو کی سب سے پہلی تفسیر ہے۔ یہ تفسیر شاہ مراد اللہ انصاری سنبھلی کی تصنیف ہے شاہ مراد اللہ عرف غلام کا کی قصبہ سنبھل ضلع مراد آباد (یوپی) کے انصاری خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ خاندان اپنے دور میں دنیوی وجاہت اور علم و فضل دونوں میں ممتاز مقام کا مالک تھا۔ شاہ صاحب سلسلہ نقشبندیہ میں حضرت مرزا مظہر جان جاناں سے بیعت تھے اور مرزا صاحب کے بڑے خلفا میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

شاہ صاحب نے اپنے روحانی فیض کے لیے بنگال کو منتخب کیا اور اس علاقہ میں ہزاروں مسلمان آپ کے دامن فیض سے وابستہ ہوئے۔ آپ کے تربیت یافتہ صوفیائے بنگال میں شاہ محمد غوث، شاہ محمد دانش اور شاہ محمد ادریس کے اسمائے گرامی بہت مشہور ہیں۔ شاہ مراد اللہ کا وصال اپنے شیخ طریقت حضرت مرزا صاحب کے وصال (۱۰ محرم ۱۱۹۵ھ مطابق ۱۷۸۱ء) سے پہلے ہوا۔

شاہ مراد اللہ انصاری کے صاحبزادے مولانا ثناء اللہ صاحب بھی صاحب نسبت بزرگ تھے اور ان کا شمار بھی حضرت مرزا صاحب کے خلفا میں ہوتا ہے۔ (مقامات مظہری از مولانا غلام علی مجددی ص ۷۵)

شاہ صاحب نے یہ تفسیر پارہ عم یتسائلون مکمل اور ابتدا قرآن میں سورہ بقرہ کی بیس آیات تک تصنیف کی اور اس کے بعد ہاتھ روک لیا۔

یہ تفسیر سب سے پہلے ۱۲۴۷ھ = ۱۸۳۱ء میں کلکتہ کے اندر چھپی اور اس کے بعد سید عبداللہ صاحب (ناشر موضح قرآن شاہ عبدالقادر صاحب) کے مطبع میں چھپتی رہی اور تحریک بالاکوٹ کا حلقہ اس کی اشاعت کرتا رہا یہاں تک کہ انگریزی حکومت نے اس تحریک کے لٹریچر کے ساتھ اس پر بھی پابندی لگا دی اور یہ تفسیر ممنوع قرار دیدی گئی۔ (ہندوستان میں وہابی تحریک از ڈاکٹر قیام الدین ص ۳۰۵)

تفسیر مرادیہ پارہ عم کی آخری عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تفسیر ۲۷ محرم بروز جمعہ ۱۱۸۵ھ = ۱۷۷۱ء میں مکمل ہوئی۔ اصل عبارت یہ ہے:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"حمد اور شکر کا سجدہ لائق ہے، سزاوار ہے، پاک پروردگار کے تئیں جس خدا نے اپنے فضل و کرم سے اور حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے عم سپارے کی تفسیر ہندی زبان میں تمام کروادی اور اس عاصی گناہ گار مراد اللہ انصاری سنبھلی قادری نقشبندی حنفی کو یہ خدمت فرما کر توفیق بخش کر اس کے دل میں اپنے کلام کو بیان بخشا، زبان کو، ہاتھوں کو قوت بخشی، قلم کو کاغذ کے اوپر جاری کروادیا، یہ خیر کا کام پورا کردیا، پھر اس تفسیر کا نام "خدائی نعمت" مقرر کروایا۔"

یہ تفسیر محرم کے مہینہ کی چوبیس تاریخ جمعہ کے دن گیارہ سو چوراسی برس ہجری تمام ہو کر پچاسی شروع ہوا تھا جو تمام ہوئی۔" (مطبوعہ مطبع کریمی بمبئی ۱۳۱۰ھ ص ۲۸۷)

مصنف نے یہ ظاہر نہیں کیا کہ "خدائی نعمت" نام تاریخی ہے۔ لیکن مولانا منصور احمد بردوانی نے اسے تاریخی نام قرار دیا ہے اور اسے "خدائی نعمت" قرار دیا ہے۔ اس صورت میں یہ تاریخی نام بن جاتا ہے۔ مولانا بردوانی کا یہ قیاس درست ہے، کیونکہ اس دور میں کتابوں کے تاریخی نام رکھنے کا رواج عام تھا۔

مولانا بردوانی مطبع ماہ عالم افروز کلکتہ کے مصحح تھے اور ان کا تصحیح شدہ نسخہ ۱۲۵۱ھ میں اس مطبع میں طبع ہوا۔

ولی اللہی تحریک کے اثرات: ۔شاہ مراد اللہ انصاری کی یہ تفسیر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی قرآنی تحریک کے زیر اثر وجود میں آئی۔ حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بارہویں صدی ہجری میں مسلم معاشرہ کی تجدید و اصلاح کے لئے جو تحریک شروع کی اس کا آغاز آپ نے قرآن کریم کے ترجمہ اور تفسیر سے کیا۔ شاہ صاحب ۱۱۴۵ھ میں حرمین شریفین کی زیارت اور دربار نبوت سے روحانی فیوض حاصل کر کے ہندوستان واپس آئے۔

اب آپ کے اندر اصلاح امت کا زبردست جذبہ و جوش تھا۔ آپ سے پہلے ہندستان میں براہ راست قرآن کریم کے ترجمہ اور تفسیر سے استفادہ کرنے کا تصور بھی ادب کے خلاف سمجھا جاتا تھا۔ عوام تو عوام خواص کے اندر بھی یہ تصور عام تھا کہ قرآن کریم خداوند عالم کا کلام ہے اس لئے اسے سمجھنا بہت مشکل ہے اور اس کتاب آسمانی سے براہ راست فیض حاصل کرنا ممکن نہیں۔ چنانچہ جب شاہ صاحب نے اس وقت کی سرکاری زبان فارسی میں قرآن کا ترجمہ کیا تو آپ کے خلاف ایک شور بپا ہو گیا اور دہلی میں شرارت پسندوں کے ذریعہ آپ کی توہین کرائی گئی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ کے فارسی ترجمہ کا نام "فتح الرحمان" ہے۔ یہ ترجمہ ۱۱۵۰ھ میں مکمل ہوا۔ ۱۱۵۷ھ میں آپ نے اس ترجمہ کو درس میں داخل کر کے باقاعدہ اس کی تدریس شروع کر دی۔ شاہ صاحب نے عربی مدارس کے نصاب میں بھی قرآن کریم کی اہمیت بڑھائی اور تفسیر جلالین سے پہلے براہ راست ترجمہ قرآن کو نصاب میں داخل کیا۔

شاہ صاحب نے فتح الرحمٰن کے مقدمہ میں قرآن کریم کے مطالعہ کے فیوض و برکات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

"اس کے (قرآن کریم کے) پڑھنے سے بچوں اور بچیوں اور کم علم لوگوں میں فطری سلامتی قائم رہتی ہے اور خدا تعالیٰ نے پیدائشی طور پر انسان کو جو فطرت سلیمہ عطا فرمائی ہے وہ ماحول کے برے اثرات سے محفوظ رہتی ہے۔ اور اگر ماحول کے برے اثرات مسلمان کو گناہوں کی طرف کھینچ کر لے جاتے ہیں تو پھر بھی اس ترجمہ کی برکت سے مسلمان کو توبہ کی توفیق نصیب ہو جاتی ہے۔"

شاہ صاحب کے اس پیغام نے علما و مشائخ کی توجہ اس طرف مبذول کرائی۔

شاہ صاحب کے چھوٹے صاحبزادے شاہ عبدالقادر صاحب نے ۱۲۰۵ھ میں "موضح قرآن" کے نام سے بامحاورہ ترجمہ کیا اور شاہ رفیع الدین (عبدالوہاب) نے لفظی ترجمہ کی ضرورت پوری کی اور شاہ عبدالعزیز نے تفسیر عزیزی کے ذریعہ قرآنی احکام و معارف کو عام کرنے کی سعی فرمائی۔ مگر یہ عظیم الشان جامع اور مبسوط تفسیر مکمل نہ ہو سکی۔

شاہ مراد اللہ کی تفسیر کو اردو میں جسے اس وقت ہندی کہا جاتا تھا، کی سب سے پہلی تفسیر ہونے کا شرف حاصل ہے۔ شاہ صاحب کو اس عظیم خدمت کا پورا پورا موقع مل جاتا تو تفسیر مرادی ایک اہم تفسیر ہوتی۔ مگر چونکہ یہ سعادت خاندان ولی اللہی کے اس چشم و چراغ کے حصہ میں آئی تھی جو اپنے عہد کا نہ صرف بلند پایہ عالم بلکہ خاندان ولی اللہی میں سب سے زیادہ صاحب نسبت تھا۔ مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی کا قول ہے کہ شاہ ولی اللہ کی اولاد میں شاہ عبدالقادر سب سے زیادہ صاحب نسبت تھے۔

یہ عجیب راز کی بات ہے کہ شاہ مراد اللہ کو اردو میں تفسیر قرآن مکمل کرنے سے ان کے شیخ حضرت مرزا صاحب نے روکا۔

حضرت مرزا صاحب کے خلیفہ ارشد شاہ غلام علی صاحب کا بیان ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے شاہ مراد اللہ کو ہدایت کی کہ وہ پورا وقت ذکر و مراقبہ میں صرف کریں اور کوئی دوسرا شغل

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اختیار نہ کریں (مقامات مظہری ص ۱۰)

چنانچہ شاہ صاحب نے سورہ بقرہ کی تفسیر شروع کردی تھی اور ابتدائی بیس آیتوں کی تفسیر ہو چکی تھی کہ اسی پر آپ نے اپنے شیخ کے حکم کی تعمیل میں اختتام کر دیا۔ (قلمی نسخہ شیرانی کلکشن پنجاب یونیورسٹی، لاہور) اور حضرت مرزا صاحب کی مخالفت اردو تفسیر کی حد تک جاری رہی کیونکہ حضرت مرزا صاحب کے دوسرے خلیفہ ارشد حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی عربی زبان میں تفسیر مظہری کے نام سے ایک جامع ترین تفسیر تحریر فرما رہے تھے۔ اور وہ تفسیر مکمل ہوئی۔

حضرت قاضی صاحب کو اپنے پیر مرشد کے ساتھ انتہائی قلبی محبت تھی چنانچہ حضرت کے وصال کے بعد آپ کی انتہائی نازک مزاج رفیقہ حیات کو اپنے ساتھ پانی پت لے گئے اور اپنی شاہ مزاج پیرانی کی شاہانہ طریقہ پر خاطر مدارات کرتے رہے تاکہ انہیں بیوگی کا احساس نہ ہو۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے حضرت شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی کے لیے اردو ترجمہ و تفسیر کی تکمیل میں سبقت کا اعزاز حاصل کرنے کا موقعہ عطا ہوا۔

بہر حال اسی سے حضرت شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی کی روحانی عظمت کا اندازہ لگانا آسان ہو جاتا ہے کہ ایک طرف اکبری مسجد میں علوم عربیہ کے درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہا ساتھ ہی قرآن کریم کا بامحاورہ پہلا ترجمہ تحریر کیا جاتا رہا اور اسی کے ساتھ شاہ صاحب کے روحانی فیض اور تزکیہ نفس سے بڑے بڑے اکابر استفادہ کرتے رہے۔

حلقہ درس سے مولانا فضل حق خیر آبادی اور مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید جیسے اکابر علم پیدا ہوئے اور تزکیہ نفس کے حلقہ سے حضرت سید احمد بریلوی جیسے بااثر اولیا نے جنم لیا۔

ہندستان میں تفسیر قرآن :- مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی نے لکھا ہے کہ اسلامی ہند کے ابتدائی دور میں ہندستان کے اندر صرف تفسیر کشاف پڑھائی جاتی تھی۔ پھر جب عربی مدارس کے نصاب میں معقولات کی کتابوں کا بوجھ زیادہ ہوا تو کشاف کو نکال کر اس کی جگہ مختصر تفسیر، جلالین شریف رکھ دی گئی اور بڑی تفسیروں سے مناسبت پیدا کرنے کے لیے تفسیر بیضاوی تا سورہ بقرہ شامل کر دی گئی۔

تصوف کے سلسلوں میں حضرت چشتیہ کا سلسلہ ایسا ہے جس میں قرآن اور تلاوت قرآن کو خاص اہمیت حاصل تھی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہمارے حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ فرمایا کرتے تھے :

"جو سلوک کلام اللہ کے ذریعہ ہو وہ قوی اور پائیدار ہوتا ہے مگر دیر سے ہوتا ہے کیونکہ انسان قرآن حکیم کے دیگر عجائبات میں لگ جاتا ہے اور ذکر کے ذریعہ طبیعت جلد متوجہ ہوتی ہے مگر وہ اس قدر پائیدار نہیں ہوتی۔ (اسات مجالس مرتبہ مولانا محمد میاں صاحب ص ۴۸)

حضرت فرمایا کرتے تھے "ہمارے مشائخ دیوبند چاروں سلسلوں سے تعلق رکھتے ہیں مگر ان پر چشتیہ نسبت غالب ہے۔ مشائخ چشت میں حضرت سلطان محبوب الہیٰ کو تلاوت قرآن سے والہانہ عشق تھا۔ مولانا گیلانی نے لکھا ہے کہ حضرت محبوب الہی کی خانقاہ حفظ خانہ معلوم ہوتی تھی۔ چنانچہ امیر خسرو جیسا شاعرانہ مزاج رکھنے والا مرید تہجد کی نماز میں سات پارہ روزانہ تلاوت کرتا تھا۔ حضرت محبوب الہی فرماتے تھے کہ شعر شاعری کے ذوق پر تلاوت قرآن کریم کے ذوق کو غالب رکھو۔ حضرت کی خانقاہ میں مولانا علاالدین اندپتی جیسے عالم فاضل حضرت کے گھرانے کے بچوں کو قرآن کریم پڑھانے پر مامور تھے۔

چشتیہ بزرگوں کے معمولات میں مزامیر کے ساتھ سماع کا چرچا زیادہ کیا جاتا ہے لیکن ان حضرات کو تلاوت قرآن کے ساتھ جو دلچسپی تھی اسے کوئی یاد نہیں کرتا۔

حضرت محبوب الہی کا یہ معمول تھا کہ کھانا شروع کرنے سے پہلے کوئی خوش الحان قاری تلاوت کرتا، عموماً یہ خدمت حضرت بابا صاحب کے نواسوں حافظ محمد اللہ، حافظ موسیٰ کے سپرد رہتی۔ ان دونوں بچوں کی آواز میں اپنے نانا (بابا شیخ فریدالدین شکر گنج) کی نسبت سے بلا کا درد اور سوز تھا۔ یہ بچے جب تلاوت کرتے تو حضرت محبوب الہی بار بار رحمت باد، رحمت باد فرماتے رہتے۔ دسترخوان کی تلاوت کا نام آپ کے حلقہ میں دعائے مائدہ مشہور تھا۔ (نظام تعلیم و تربیت جلد اول ۳۱۰، جلد دوم ۱۹۴)

لیکن جہاں تک کلام ربانی کی تلاوت کے ساتھ اس پر غور و فکر کرنے اور اس کے مطالب کو سمجھنے کا تعلق ہے، اس کی منظم تحریک کا سہرا شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کے سر ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور تفسیر قرآن:- شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ گیارہویں صدی کے مجدد اسلام میں شامل ہیں، عہد اکبری کی الحادی تحریک کے مقابلہ میں ایک طرف حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی روحانی توجہ اور دعوتی مکتوبات کے ذریعہ اس تحریک کا مقابلہ کر رہے تھے۔ اور دوسری طرف شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی، علم حدیث اور دوسرے علوم اسلامی کی اشاعت کے ذریعہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلام کے خلاف شائع ہونے والے لٹریچر کے اثرات کا ازالہ کرنے میں مصروف تھے۔

حضرت شیخ نے اپنی تعلیمی اور تدریسی تحریک کے سلسلہ میں حدیث نبوی کی جن اہم کتابوں کی شروح و حواشی تحریر فرمائے ان کی تعداد سات کے قریب ہے۔ اسی طرح سیرۃ تاریخ اور فقہ و تصوف و کلام پر فارسی اور عربی زبانوں میں جو کتابیں تصنیف فرمائیں، ہر فن میں ان کی تعداد آٹھ نو سے کم نہیں لیکن تفسیر کے موضوع پر اتنے عظیم مصنف کا کام بہت کم رہا۔

(۱) التعلیق الحاوی علی تفسیر البیضاوی (۲) شرح مسدد رتفسیر آیت نور (۳) تحصیل الغنائم و البرکات تفسیر سورہ والعادیات۔

اور یہ ماحول کا اثر تھا۔ ورنہ حضرت شیخ کی نظر قرآنی علوم پر جتنی وسیع تھی ان چند مختصر کتابوں کے مطالعہ سے بآسانی اندازہ ہو سکتا ہے۔ قرآن کریم کے ترجمہ و تفسیر کی اشاعت و دعوت کی طرف سے یہ صورت حال حضرت شیخ (وفات ۱۰۵۲ھ) کے بعد پھر سو برس تک جاری رہی، یہی وجہ ہے کہ "حیات شیخ" کے مصنف کو یہ لکھنا پڑا کہ:

"ہندوستانی مسلمانوں کے دینی سرمایہ کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کے گھرانے سے پہلے قرآن فہمی کا عام چرچا ہندوستان میں کبھی نہیں ہوا۔ (حیات شیخ خلیق نظامی ص ۳۴۳)

حکیم محمد شریف خاں:۔ اشاعت قرآن کریم کی ولی اللہی تحریک ہی کا یہ اثر بھی تھا کہ حکیم محمد شریف خاں (ولادت ۱۱۴۳ھ وفات ۱۲۲۲ھ ۔ ۱۸۰۷ء) نے بھی اپنے فن طبابت کی مصروفیات کے باوجود قرآن کریم کے اردو ترجمہ پر توجہ فرمائی اور ایک نہایت سلیس و شگفتہ اردو زبان کا ترجمہ ترتیب دیا۔

حکیم شریف خاں دہلی کے اس طبیب خاندان کے بہت نمایاں اور فاضل آدمی تھے، انہی کی طرف اس خاندان اور ان کی رہائش گاہ کو منسوب کیا جاتا ہے اور خاندان شریفی اور شریف منزل کہا جاتا ہے۔

حکیم صاحب کو ان کے فاضل باپ حکیم محمد اکمل خاں (شاہی طبیب شاہ عالم) نے عربی اور فارسی کے علوم کی تعلیم دی اور فن طبابت کی ماہرانہ صلاحیت سے بہرہ ور کیا۔ اس ولی اللہی خاندان سے علمی فیض حاصل کرنے کا تاریخ میں کوئی تذکرہ نہیں ملتا، البتہ اس دور کے علماء و مشائخ، شاہ ولی اللہ، حضرت مرزا مظہر جان جاناں اور ان کے خلیفہ خاص قاضی ثناء اللہ پانی پتی سے ان کے خصوصی روابط ضرور ثابت ہوتے ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت مرزا صاحب کے مجموعۂ مکاتیب (فیض تمامہ) میں ان کے نام دو مکتوب موجود ہیں۔ حکیم صاحب نے علم طب کی عربی اور فارسی کتابوں پر جو فاضلانہ حواشی و شروح تحریر فرمائے وہ سب موجود ہیں لیکن افسوس کہ ترجمۂ قرآن کریم کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔

راقم السطور اخلاق حسین قاسمی نے شریف منزل کے کتب خانہ میں یہ نسخہ دیکھا جو حکیم محمد اجمل خاں کے بڑے صاحبزادے حکیم محمد جمیل خاں صاحب کی لاپرواہی کی نذر ہو گیا اور سارا کتب خانہ کوڑیوں کے مول فروخت کر دیا گیا۔

شاہ عالم ثانی کا دور — دین حق کا یہ معجزہ ہر دور میں واضح طور پر نظر آتا ہے کہ جب مسلم اقتدار پر زوال طاری ہوا تو قدرت نے اپنے دین کو اس زوال کے اثرات سے محفوظ رکھنے کے لئے اہل علم کے مخصوص گروہ کو کھڑا کر دیا۔ عالمگیر اورنگ زیب کے بعد مغل اقتدار پر زوال آنا شروع ہوا تو ولی اللہی خاندان قدرت کا خاص عطیہ بن کر نمودار ہو گیا۔

تاریخ حیران ہوتی ہے کہ مسلمانوں کے زوال پذیر معاشرہ میں شاہ ولی اللہ جیسے غیر معمولی صلاحیت کے عالم اور صوفی پیدا ہوئے اور شاہ صاحب کے چاروں صاحبزادے اور ایک پوتے (شاہ اسماعیل شہید) اپنے والد اور دادا کی تحریری سرگرمیوں کے علمبردار بنے اور بارہویں صدی کے اس مجدد خاندان کے ہاتھوں مسلمان قدیم تہذیبی زوال سے محفوظ ہو گئے۔

اس خاندان نے مسلمانوں کے سیاسی زوال کی روک تھام بھی کی مگر ارباب سیاست و ریاست کے وجود کو گھن لگ چکا تھا۔ وہ زوال مکمل ہو کر رہا۔

ولی اللہی تحریک (جہاد بالقرآن) کے اثرات کا دور شاہ عالم کا دور تھا اس لئے تبصرہ نگاروں نے اس دور کی طرف اس سعادت کو منسوب کر دیا۔ چنانچہ اردو کے قدیم تراجم پر تبصرہ کرتے ہوئے بابائے اردو ڈاکٹر عبدالحق صاحب نے لکھا ہے کہ "شاہ عالم بادشاہ کا عہد (۱۱۷۵ھ=۱۷۶۱ء تا ۱۲۰۳ھ=۱۷۸۸ء) قرآن کریم کے تراجم کے لئے بہت مبارک و ممتاز تھا۔

(۱) شریفی خاندان کے ایک بزرگ حکیم شریف خاں دہلوی (وفات ۱۲۲۲ھ=۱۸۰۷ء) نے اردو ترجمہ کیا جو طبع نہ ہو سکا۔ (۲) تفسیر حقانی از سید شاہ حقانی مارہروی۔ (۳) توضیح مجید از سید علی مجتہد لکھنوی۔ (۴) چراغ ابدی از عزیز اللہ ہم رنگ۔ (۵) تفسیر مرادیہ از شاہ مراد اللہ۔ (۶) ترجمۃ القرآن از فورٹ ولیم کالج کلکتہ بہ سرپرستی ڈاکٹر جان گلکرسٹ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فورٹ ولیم کالج والا ترجمہ تو ڈاکٹر صاحب مذکور کی بڑی توجہ و محنت کے ذریعہ علما کی ایک جماعت نے کیا تھا، وہ مکمل مسودہ کی شکل میں دو جگہ موجود ہے۔ ایک قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں ہے اور دوسرا قلمی نسخہ نواب سالار جنگ میوزیم حیدرآباد میں ہے۔ راقم نے کلکتہ والا مسودہ دیکھا ہے اور ترجمہ کی صاف اور شستہ زبان کے نمونے حاصل کئے ہیں جو راقم کی کتاب محاسن موضح قرآن میں موجود ہیں معائنہ کے وقت (۱۹۷۱) ایک صاحب سے ملاقات ہوئی تھی جو اس ترجمہ پر تحقیقی کام کر رہے تھے لیکن کافی عرصہ گذر جانے کے بعد بھی اس تحقیقی کام کا نتیجہ سامنے نہ آسکا، واللہ اعلم وہ کام کس منزل تک پہنچا، ضرورت ہے کہ وہ مسودہ چھپ کر لوگوں کے ہاتھوں میں آئے۔ اہل علم و ادب اس پر توجہ دیں۔

تفسیر مرادیہ کی زبان: تفسیر مرادیہ پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر عبدالحق صاحب لکھتے ہیں:

"تفسیر کی زبان بہت صاف اور سادہ ہے، متروک الفاظ خال خال ہیں اور وہ بھی بہت معمولی، مثلاً یے (بجائے یہ) وے (بجائے وہ) اوپر (بجائے پر) ہووے (بجائے ہو) اندھیاری (بجائے اندھیرا) ان نے (بجائے اس نے) یہ اور اسی قسم کے اور الفاظ بھی ہیں جو اب بھی بعض مقامات پر بول چال میں آتے ہیں، جملوں کی ساخت البتہ کسی قدر پرانی ہے۔ اس کتاب کی زبان بارہویں صدی کے اواخر کی زبان کا اچھا نمونہ ہے" (قدیم اردو کراچی ص ۱۳۰)

شاہ صاحب سورۂ نبا رعم یتساءلون کی تفسیر شروع کرنے سے پہلے تمہید کے طور پر لکھتے ہیں:

"شروع کرتا ہوں کہ عم سپارے کی تفسیر اللہ کے نام کی برکت سے، جس نے ہم کو دنیا میں پیدا کیا اور روزی دی اور سب طرح کی نعمت بخشی اور بخشنے والا ہے ہر مومن اور مسلمان کو آخرت میں اور بہشت میں لے جانے والا ہے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے۔

عم سپارے میں پہلی سورت عم ہے، مکہ میں نازل ہوئی، اس میں چالیس آتیں اور ایک سو چہتر کلمے اور آٹھ سو ایک حروف ہیں۔

جب حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغمبری کی خلعت پہنے اور پیغمبر ہوئے اور حکم سے حق تعالیٰ کے مکے کے سارے آدمیوں کو اپنی پیغمبری کی خبر دی اور ایمان لانے کو فرمایا اور بت پوجنے سے منع کیا، اللہ تعالیٰ کی بندگی بجا لانے کے واسطے حکم فرمایا اور شرک سے توحید کی طرف بلایا۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مزید دو اقتباس اور درج ذیل ہیں ـــــ موت کے بارے میں لکھتے ہیں :۔

"پروردگار تعالیٰ جس وقت جس آدمی کو مارنا چاہتا ہے اس کی جان لینے کا حکم کرتا ہے۔ وہ آدمی اسی وقت مرتا ہے پھر کسی حکیم طبیب کی دوا نا عقلمند کی کچھ تدبیریں کام آتی نہیں۔ ہزاروں دوا کریں، حکمت کریں، نیز خبر کریں، کچھ کام نہیں آتا، اس راہ سے سب لاچار، بے اختیار اپنے اپنے وقت میں آخرت کی طرف چلے جاتے ہیں"۔ (ص ۵۸)

مسلمانوں کی دینی بے راہ روی کے متعلق لکھتے ہیں :۔

"اس زمانہ میں بہت لوگ مسلمان کہاتے ہیں، اپنے تئیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت جانتے ہیں، لیکن دین کے کام انہوں نے چھوڑ دیے ہیں، قبروں کو سجدے کرتے ہیں، کافروں کی رسمیں بجا لاتے ہیں۔ ہولی، دیوالی، دسہرہ کرتے ہیں ستیلا، جبتیہ، پنچانند، کالی، مہادیوی، بن بی بی، لال پری، شیخ سدو، زین خاں، مانک پیر، ست پیر وغیرہ کو پوجتے ہیں، ان کو منت چڑھاتے ہیں اور بہت باتیں ہیں جو مرد و عورت سب کرتے ہیں، یہ نادانی کا سبب ہے۔ دین کے علم سے جاہل ہیں، ناواقف ہیں" (ص ۱۱۹)۔

راقم سطور کے سامنے تفسیر مرادیہ کا وہ ایڈیشن ہے جو مطبع برکتی محلہ مصری گنج متصل مدرسہ عالیہ کلکتہ بہادر میں سن ۱۲۸۰ھ میں طبع ہوا۔ پھر اس تفسیر کا نہایت عمدہ ایڈیشن راقم سطور کو قصبہ بان کوٹ کوکن (بمبئی) میں محمد حسین خاں ساکھر کر صاحب کے ذاتی کتب خانہ سے حاصل ہوا جو لیتھو پریس میں چھاپا گیا ہے۔ صرف ایک پارہ کی تفسیر میں جو متروک و نامانوس الفاظ و محاورات آئے ہیں ان کی تعداد ایک سو گیارہ کے قریب ہے۔ یہ فہرست ڈاکٹر محمد ایوب قادری مرحوم نے "اردو نثر کے ارتقا میں علما کا حصہ" کتاب میں شائع کی ہے۔ (ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ص ۳۵)

تفسیر مرادیہ کے بیس سال بعد اردو (ہندی) کا پہلا مکمل ترجمہ و تفسیر (موضح قرآن) وجود میں آیا۔ اب اردو زبان بیس سال آگے بڑھ چکی تھی اور موضح قرآن کے مصنف شاہ عبدالقادر صاحب نے اردو زبان کی تصحیح و ترقی کے لیے اردو کے معمار حضرت خواجہ میر درد سے باقاعدہ استفادہ کیا تھا۔ اس لیے تفسیر موضح قرآن زبان و بیان اور صاحب کلام کے مرادی معنی کی ادائیگی کے لحاظ سے ایک معیاری اور الہامی تفسیر قرار پائی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

البتہ زمانی سبقت کے لحاظ سے تفسیر مرادیہ کا اپنا ایک مقام بن گیا۔

جائزہ تراجم قرآنی (دیوبند) کے مصنف سے اس سلسلے میں ایک فروگذاشت ہو گئی۔ مصنف نے تفسیر مرادیہ کی زبان کے نمونہ کے طور پر سورہ فاتحہ کا ترجمہ نقل کر دیا۔ حالانکہ سورہ فاتحہ اصل نسخہ میں شامل نہیں ہے۔ کسی ناشر نے موضح قرآن سے یہ سورہ نقل کر کے پارہ عم کو مکمل کر دیا اور قارئین کو التباس و اشتباہ سے بچانے کے لیے یہ بھی تحریر کر دیا۔

"یہ قاعدہ اصل قرآن شریف مترجم ہندی کا ہے"

اس میں شاہ عبدالقادر صاحب کے موضح قرآن کی طرف اشارہ ہے۔ جائزہ کے مصنف کی نظر اس پر نہیں پڑی۔

●●

توحید و رسالت، وحی یا دوسرے عقیدہ و ایمان سے متعلق مسائل ہیں یا جدید ملحدین یا مشککین کے اعتراضات کے جواب میں نہ تو انھوں نے معذرت کا لہجہ اختیار کیا ہے اور نہ ان کے پرفریب نظریات سے متاثر و مرعوب ہو کر اسلامی مسائل میں تاویل و ترمیم کی روش اختیار کی ہے۔ اس طرح ہم یہ بات معارف القرآن کی خصوصیت میں کہہ سکتے ہیں کہ وہ آسان زبان میں صحیح قرآنی تفسیر ہے۔ اور تفسیری زوائد سے پاک ہے۔ اور عصری مسائل میں کلام اللہ سے بہترین رہنمائی کے باب میں تمام اردو تفسیروں میں بہترین تفسیر ہے۔ محدث العصر مولانا محمد یوسف بنوری اپنی کتاب "یتیمۃ البیان فی شئی من علوم القرآن" میں لکھتے ہیں۔

معارف القرآن للاستاذ الکبیر المفتی الاکبر مولانا الشیخ مفتی محمد شفیع الدیوبندی طالت حیاتہ المبارکۃ فی عافیۃ فی ثمانی مجلدات ماخذہ بیان القرآن لحکیم الامۃ الشیخ التھانوی فلخصہ فی عبارات واضحۃ وزاد علیھا مسائل وابحاثاً یحتاج الیھا العصر الحاضر ولسنا نحتاج الثناء علی الکتاب فاصبح خیر تفسیر یُستفید منہ عالم وغیر عالم (یتیمۃ البیان ص ۶۹)

استاذ کبیر مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی (طالت حیاتہ) کی تفسیر معارف القرآن آٹھ جلدوں میں ہے۔ جس کا ماخذ حکیم الامت مولانا تھانوی کی تفسیر بیان القرآن ہے۔ جسے مفتی صاحب نے آسان و واضح عبارت میں تلخیص کی ہے۔ اور ایسے مسائل و مباحث کا اضافہ کر دیا ہے جس کی عصر حاضر کو ضرورت ہے۔ یہ کتاب ہماری تعریف کی محتاج نہیں ہے۔ یہ بہترین تفسیر ہے جس سے عالم و غیر عالم استفادہ کرتے ہیں۔

●●

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جناب محمد برہان الدین سنبھلی
ندوۃ العلماء، لکھنؤ

تکملۂ تفسیر فتح العزیز ــــــ ایک تعارف

سرزمین ہند میں یوں تو بے شمار علماء و فقہاء نیز اصحاب درس و افتاء اور ارباب سیف و قلم پیدا ہوئے مگر ہندستان کی پوری علمی تاریخ میں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ (م ۱۱۷۶ھ)، ان کی اولاد و احفاد کو جو امتیاز حاصل ہوا اور ان کے ذریعہ جتنا اور جیسا فیض پہنچا وہ کسی اور کے حصہ میں نہ آسکا، حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا پورا خاندان ہی "ایں خانہ ہمہ آفتاب است" کا مصداق ہے۔ لیکن ان میں موصوف کے فرزند اکبر حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز (م ۱۲۳۹ھ) قدس سرہ العزیز کی بلاشبہ ستاروں میں آفتاب کی سی حیثیت ہے، نہ صرف اسلئے کہ اسی چراغ سے خانوادۂ ولی اللہی کے تمام چراغ روشن ہوئے بلکہ اسی سراج منیر سے پورے ہندستان میں علم کا (بالخصوص علم حدیث کا) چراغاں ہوا، شاید اسی بناپر انھیں "سراج الہند" کا لقب دیا گیا۔ شاہ صاحب موصوف کو تمام علوم متداولہ میں مہارت تامہ اور کامل دستگاہ حاصل تھی، جن کا دائرہ تاریخ و تذکرہ سے لے کر ریاضی و علم ہیئت تک پھیلا ہوا تھا۔ مگر فقہ و تفسیر میں تو انھیں وہ امتیاز حاصل تھا کہ قدیم علماء میں بھی ان کے ہم پلّہ چند ہی گذرے ہوں گے، معاصرین یا بعد کے علماء میں تو ان کی نظیر ملنا ہی مشکل ہے۔

تفسیر فتح العزیز

لیکن تقدیری بات کہ ان دونوں موضوع پر بھی شاہ صاحبؒ کا تحریری ذخیرہ بہت کم ملتا ہے۔ تفسیر کی صرف تین جلدیں (جن میں سورۂ بقرہ کی تفسیر پر مشتمل پہلی جلد نا تمام اور دوسری و تیسری جلد سورۃ الملک سے لے کر تا آخر قرآن مجید) ملتی ہیں۔ اس تفسیر کے بارے میں ہندستان کے ممتاز عالم اور علماء کے تذکروں کا خصوصی ذوق اور ان پر وسیع نظر رکھنے والے محقق مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ لکھتے ہیں:

"تفسیر قرآن مسمی بہ "فتح العزیز" جسے آپ نے (شاہ عبدالعزیزؒ نے) شدت مرض اور ضعف کی حالت میں املا کرایا تھا۔ یہ کئی جلدوں میں تھی، جس کا بڑا حصہ، ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں ضائع ہوگیا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور صرف شروع اور اخیر کی دو جلدیں بچ گئیں "۔[1]

اسی کے بارے میں ایک دوسری جگہ، موصوف یہ لکھتے ہیں :

" حضرت شاہ صاحبؒ کا دوسرا علمی و اصلاحی کارنامہ "تفسیر فتح العزیز" کی شکل میں ہے جسے "تفسیر عزیزی" اور "بستان التفاسیر" کا نام بھی دیا گیا ہے، یہ شاہ صاحبؒ کی باقاعدہ املا کی ہوئی مستقل تصنیف ہے۔ خود شاہ صاحبؒ کی تصریح کے مطابق وہ سورۃ الفاتحہ، سورۃ البقرہ، پھر سورۃ الملک سے آخر قرآن تک ہے۔ لیکن سورہ بقرہ مکمل نہیں ہو سکی۔ جس کے اسباب معلوم نہیں ہو سکے۔ صرف ربع پارۂ دوم کے قریب آیت " وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ " تک طبع ہو سکی۔ کتاب تین جلدوں میں ہے۔ پہلی جلد سورۂ فاتحہ سے لے کر پارۂ دوم کے ربع کے قریب تک۔ دوسری جلد سورۃ الملک (انتیسویں ۲۹ پارے) سے لے کر "سورۃ المرسلات" تک ہے۔ تیسری جلد سورۂ عم یتساءلون (سورۂ نبا) سے شروع ہو کر آخر قرآن تک ہے "۔[2]

شاہ صاحبؒ کی تفسیر کا اصلی رنگ تو منقول تفسیروں والا ہے، لیکن جگہ جگہ انکی مجتہدانہ اور محققانہ خصوصیات بھی نمایاں نظر آتی ہیں، جن کی وجہ سے اسے ایک ایسا امتیاز حاصل ہو گیا جو معاصر بلکہ قبل و بعد کی بھی بہت سی تفسیروں کو نہیں حاصل ہو سکا۔ اس بیان میں غالباً مبالغہ نہیں سمجھا جائے گا کہ اگر یہ تفسیر مکمل ہو گئی ہوتی۔ یا مکمل محفوظ رہ جاتی۔ تو دوسری تفسیروں سے بڑی حد تک بے نیاز کر دیتی۔ اس کے نامکمل رہ جانے۔ یا بڑے حصہ کے ضائع ہو جانے کی وجہ سے جو خلا محسوس ہوتا ہے، بعید نہیں کہ اسے پُر کرنے کی متعدد کوششیں کی گئی ہوں گی۔ مگر ہمارے سامنے بس ایک کوشش، وہ بھی ناتمام آسکی ہے جو شاہ عبدالعزیز صاحبؒ ہی کے ایک شاگرد مولانا حیدر علی فیض آبادی (م ۱۲۹۹ھ) نے کی۔

صاحب تکملہ فتح العزیز کا مختصر تعارف مولانا حیدر علی موصوف کا تذکرہ، ہندستان کے رجال علم و فکر کی مشہور تاریخ " نزھۃ الخواطر " میں اس طرح ملتا ہے :

"حیدر علی بن محمد حسن بن محمد ذاکر بن عبد القادر الدھلوی ثم الفیض آبادی، قرأ العلم ... من علماء الشیعۃ بفیض آباد، ثم سافر دھلی

"حیدر علی بن محمد حسن بن محمد ذاکر بن عبد القادر دہلوی پھر فیض آبادی نے پہلے فیض آباد کے شیعہ علماء سے پڑھا اس کے بعد دہلی جا کر شیخ رفیع الدین سے

---

[1] تاریخ دعوت وعزیمت حصہ پنجم ص ۳۵۲ مطبوعہ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ (پہلا ایڈیشن) (۲) ایضاً ص ۲۵۷ -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واخذ عن . . . الشیخ رفیع الدین واستفاض عن الشیخ عبدالعزیز ولازمہ زمانا حتی برع فی کثیر من العلوم، ثم الی حیدرآباد فولاہ نواب مختار الملک العدل والقضاء . . . مع اشتغالہ بالتصنیف والتالیف . . . ومات ۱۲۹۹ھ [1]

اور شیخ عبدالعزیز کے پاس لمبے عرصہ تک ٹھہر کر بڑا فیض اٹھایا۔ یہاں تک کہ وہ بہت سے علوم میں ماہر بن گئے۔ پھر لکھنؤ آئے، اس کے بعد بھوپال، پھر حیدرآباد چلے گئے، وہاں نواب نے قاضی بنا دیا اسکے ساتھ وہ تصنیف وتالیف میں بھی لگے رہے۔ ۱۲۹۹ھ میں وفات ہوئی۔

تکملہ کا محرک

تفسیر فتح العزیز کے تکملہ کی خدمت والیہ بھوپال نواب سکندر بیگم کے ایماء پر انجام دی جیسا کہ اسی کتاب "نزھۃ الخواطر" میں ہے۔ "ولہ تکملۃ فتح العزیز" فی مجلدات کبار صنفھا بامر نواب سکندر بیگم بھوپال [2]۔"

حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی۔ صاحب "مقالات طریقت" کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں کہ: "مولوی حیدر علی صاحب 'منتہی الکلام' نے حسب خواہش سکندر بیگم والی بھوپال تفسیر "فتح العزیز" کا تکملہ ستائیس ۲۷ جلدوں میں لکھا، راقم نے دیکھا ہے [3]"

تکملہ فتح العزیز کا باقی ماندہ حصہ

لیکن اسے بھی قسمت کی ستم ظریفی کہا جائے یا کچھ اور؟ کہ تکملہ فتح العزیز کا بھی، اصل فتح العزیز کی طرح، اکثر حصہ زمانہ کی دستبرد سے غالباً محفوظ نہ رہ سکا۔ بس اس کی ستائیس جلدوں میں سے چار جلدیں ہی ندوۃ العلماء کے کتبخانہ میں (مخطوطات کے شعبہ میں) محفوظ ہیں۔ انہی کا تعارف ذیل کی سطروں میں کرانا مقصود ہے۔

تکملہ فتح العزیز کا تعارف

پہلی جلد:۔ سورہ بقرہ کی آیت "وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ" کی تفسیر سے شروع ہو کر دوسرے پارے کے ختم تک کی تفسیر پر مشتمل ہے۔ دوسری جلد:۔ تیسرے پارے کے شروع سے لے کر تیسرے ہی پارے کے ختم تک کی تفسیر پر مشتمل ہے۔ تیسری جلد:۔ چوتھے پارے کے شروع سے لے کر چوتھے ہی پارے کے ختم تک کی تفسیر پر مشتمل ہے۔ چوتھی جلد:۔ پانچویں پارہ کے شروع سے لے کر پانچویں ہی پارے کے ختم تک کی تفسیر پر مشتمل ہے۔ اس تفصیل سے یہ دلچسپ بات سامنے آتی ہے کہ ان میں سے ہر جلد "ندوۃ العلماء" کے کتب خانہ میں، مکرر ہے۔ یعنی ہر ایک کے دو دو قلمی نسخے ہیں۔ ایک ہی نسخے کی چاروں جلدوں کے مجموعی

---

[1] "نزھۃ الخواطر" للعلامۃ الحکیم عبدالحیٰ ج ۷، ص ۱۵۵-۱۵۴ (مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد)۔ [2] ایضاً ص ۱۵۵ ج ۷۔
[3] "مقالات طریقت" بحوالہ "تاریخ دعوت وعزیمت" حصہ پنجم ص ۳۵۰، یہ عبارت صاحب "مقالات" کی ہی ہے (مولانا علی میاں صاحب کی نہیں ہے) اور صاحب مقالات ہی کا دیکھنا یہاں مراد ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اوراق کی تعداد ۱۵۵۰ یعنی ۳۱۰۰ صفحات (تین ہزار ایک سو صفحات) ہوتی ہے، اور صفحات کا سائز بھی اتنا بڑا ہے کہ آج کوئی بھی کتاب (بجز حدیث و فقہ کی نصابی کتابوں کے) اتنے بڑے سائز پر غالباً طبع نہیں ہوتی۔

پہلی جلد :- جس کے کتب خانہ کے رجسٹر کے مطابق (خاص) نمبرات ۱۴، ۳۸ ہیں کے بارے میں کچھ تفصیلات۔ کتب خانہ کا نمبر ۳۸ کا آغاز:

"دیگر گفت بسفر دریا بارادۂ جہاد درکشتی سوار بودیم کہ ناگاہ منادی آواز می زند کہ اہل کشتی درنگ کنید کہ با مری خبر دہیم"

کتب خانہ نمبر ۳۸، پہلی جلد اختتام:

"انبیاء ورسل کہ باوج کمال رسیدہ و بغایت شرف و بزرگی فائز گردیدہ اند آنہا نیز مدارج خویش اختلاف دارند"

کل اوراق : ۴۳۴، سائز: ۲۰×۱۹ (حوض کا سائز ۲۴×۶، ۱۲)

نوٹ :- ہر جگہ سائز کی پیمائش سنٹی میٹر (c.m) میں دی گئی ہے۔ ہر صفحہ میں ۱۹ سطریں، کتابت بخط فارسی، سیاہ روشنائی سے، ہر صفحہ پر تین لائن کا باڈر جس میں دو لائن سرخ روشنائی سے اور ایک سیاہ سے۔

کتب خانہ کے نمبر ۱۴، پہلی جلد کا آغاز: "نمبر ۳۸ کی ہی طرح۔ اختتام:

"تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض (بخط نسخ، سرخ روشنائی سے)۔ آں پیغمبران کہ حال شان سمت ذکر یافت بزرگی دادیم و فضیلت نہادیم جمعی از ایشاں را الفضائل و کمالات علی بعض (بخط نسخ، سرخ روشنائی) بر جمعی دیگر منھم من (آیات بخط نسخ، سرخ روشنائی سے)۔"

کل اوراق: ۴۱۲۔ سائز: ۲۹×۱۷ (حوض کا سائز = ۲۳،۷×۱۲)۔ ہر صفحہ میں ۱۹ سطریں اور تین لائنوں کا باڈر جن میں دو سرخ اور ایک سیاہ،

دیگر خصوصیات : تفسیر کا خط فارسی عمدہ، کاغذ بادامی، دبیز اچھی حالت میں، پیشانی پر مہر محمد جمال الدین خان مدار المہام حاشیہ پر لکھا ہے "تکملہ تفسیر فتح العزیز، پارہ سیقول، از مولوی حیدر علی" (نیلی روشنائی سے)

کچھ اور قابل ذکر باتیں:- (۱) اصل تفسیر فتح العزیز کی پہلی جلد کا اختتام ناقص جملہ پر ہوا ہے، آیت "ان تصوموا خیر لکم" کی تفسیر میں فضائل روزہ کی روایات کے ضمن میں حضرت یحییٰ سے متعلق ایک حدیث نبوی (صلی اللہ علی صاحبہ وسلم) بیان کرتے ہوئے یہ روایت۔ اصل تفسیر میں ذکر کی گئی ہے :

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"حضرت عیسیٰ علیہ السلام را وحی شد کہ بحضرت یحییٰ بگویند کہ حق تعالیٰ شما را ۔"

بس یہیں "فتح العزیز" کی پہلی جلد (مطبوعہ) ختم ہو جاتی ہے، تکملہ میں یہ واقعہ دوسرے نمبر کی روایت میں ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے پہلے تکملہ جہاں سے شروع ہوتا ہے۔ اس میں ایک اور حدیث نبوی کے حوالہ سے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے جو اصل تفسیر میں بھی "فتح العزیز" میں، مذکورہ بالا ناقص واقعہ سے پہلے، مذکور ہے۔ لیکن اس تکرار کی وجہ معلوم نہیں ہو سکی[1]۔ مزید برآں یہ کہ تکملہ میں سب سے پہلے جو واقعہ یعنی حضرت ابو موسیٰ اشعری کی روایت مذکور ہے وہ شروع سے ناقص معلوم ہوتا ہے۔ اس کا کچھ ابتدائی حصہ یقیناً رہ گیا ہے۔ (یہ دونوں واقعات سیوطی رح کی مشہور تفسیر در منثور سے لیے گئے معلوم ہوتے ہیں، کیونکہ اس میں بھی یہ دونوں واقعات، اسی آیت کے تحت، مذکور ہیں)۔

(۲) ۔ نمبر ۱۵ کی پیشانی پر مہر ہے۔ نمبر ۴۸ پر نہیں ہے۔

(۳) ۔ نمبر ۱۵ کا اختتام "تلک الرسل فضلنا بعضہم علیٰ بعض . . . الخ" پر ہوتا ہے لیکن نمبر ۴۸ کا اختتام "انبیاء و رسل کہ باوج کمال رسیدہ . . . الخ" پر ہوتا ہے۔

تکملہ کی دوسری جلد (کتب خانہ کا خاص نمبر ۴۸) کے بارے میں بعض معلومات: "نمبر ۴۸ دوسری جلد کا آغاز:"

"تلک الرسل فضلنا بعضہم (بخط نسخ، سرخ روشنائی ہے) آں پیغمبران کہ حال شان سمت ذکر یافت بزرگی دادیم (بخط فارسی، سیاہ روشنائی ہے)۔"

دوسری جلد کا اختتام:

"والحمد للہ علیٰ ذلک حمداً کثیراً (بخط فارسی، سیاہ روشنائی)۔"

نمبر ۱۵ کے کل اوراق: ۴۳۷، اور نمبر ۴۸ کے کل اوراق ۴۲۱ ہیں۔ ہر صفحہ میں ۱۹ سطریں، نمبر ۱۵ کا سائز ۱۷×۲۹ (حوض کا سائز: ۱۲×۲۴) پہلے صفحہ کے بائیں طرف لکھا ہے:

"تکملۂ تفسیر فتح العزیز پارہ تلک الرسل از مولوی حیدر علی صاحب۔"

نمبر ۴۸ کا سائز: ۱۷.۵×۲۸ (حوض کا سائز: ۱۲×۲۴) نمبر ۴۸ کے شروع میں دو مہریں تھوڑے فصل سے (خان علامہ الہمام) مہر کا اوپری حصہ کٹ گیا۔

بعض اور قابل ذکر باتیں :- نمبر ۱۵ جگہ جگہ سے کرم خوردہ، آیات سرخ روشنائی سے، اور حدیث کی اکثر کتابوں کے نام بطور حوالہ بھی سرخ روشنائی سے، دونوں نسخے (۱۵، ۴۸) تقریباً یکساں ہیں۔ البتہ ۴۸ کا خط کچھ

---

[1] تکرار کی ایک وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ صاحب تکملہ کو تفسیر فتح العزیز کا وہ نسخہ ملا جس میں وہ پہلا واقعہ بھی ناتمام مذکور ہوا، اس کے بعد دوسری جلد کا مسودہ شروع ہو جاتا ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور بہتر ہے۔ اگرچہ دونوں کے خط' فارسی' اچھے ہیں۔ دونوں میں سرخ روشنائی بھی جگہ جگہ (آیات و عنوانات اور حوالوں کے لیے) استعمال ہوئی ہے، لیکن نمبر ۱۵ میں سرخ روشنائی کا استعمال کچھ زیادہ ہے۔ (نمبر ۴۸ کے مقابلہ میں)

تکملہ کی تیسری جلد :- (کتب خانہ کا خاص نمبر ۱۶، ۱۷) نمبر ۱۶، ۱۷ تیسری جلد کا آغاز :

" لن تنالوا البر، (بخط نسخ، سرخ روشنائی سے) ہرگز نیابید نکوئی یا نرسید بہشت را۔" (فارسی خط سیاہ روشنائی سے)

تیسری جلد نمبر ۱۶ کا اختتام :

" ان اللہ کان غفورا رحیما واللہ اعلم "۔ بخط فارسی۔ شروع صفحہ پر مہر محمد جمال الدین / خان مدار المہام

تیسری جلد نمبر ۱۷ کا اختتام :

" ان اللہ کان غفورا رحیما واللہ اعلم وعلمہ احکم تمت تمت " (بخط فارسی)

نمبر ۱۶ کے کل اوراق : ۳۲۰ (دبیز کاغذ) اور نمبر ۱۷ کے کل اوراق : ۳۷۹ (باریک کاغذ)۔ سائز : ۳۰ × ۱۷ (حوض کا سائز = ۲۴×۱۲)، ہر صفحہ میں ۱۹ سطریں۔

دیگر خصوصیات : نمبر ۱۶ جگہ جگہ سے کاغذ پھٹ گیا ہے اور ربڑ پیپر لگا کر جوڑا گیا ہے، کرم خوردہ بھی ہے۔ بعض جگہ سے حروف بھی کٹ گئے ہیں۔

نمبر ۱۷ کہیں کہیں، اور نصف کے بعد جگہ جگہ، کناروں پر کیڑا کھا لینے کے نشانات ہیں مگر اصل، مکتوب حصہ محفوظ ہے۔ نمبر ۱۷ کے شروع میں مہر نہیں ہے۔ دونوں (۱۶، ۱۷) کے خط ایک جیسے ہیں۔

نمبر ۱۶ ورق ۲۳۲ کے بعد پورے پچاس ورق نہیں ہیں، حالانکہ اوراق پر نمبر مسلسل پڑے ہوتے ہیں۔ اس لئے سرسری نظر سے دیکھنے پر مکمل معلوم ہوتی ہے، یہ نسخہ بوسیدہ بھی بہت زیادہ ہے (بنسبت نمبر ۱۷ کے)

تکملہ کی چوتھی جلد : (کتب خانہ کا خاص نمبر ۱۸، ۱۹) چوتھی جلد نمبر ۱۸، ۱۹ کا آغاز :

" والمحصنٰت من النساء الا ما ملکت ایمانکم والمحصنات "۔ (نمبر ۱۹) (بخط نسخ، صرف ۱۹ میں سرخ روشنائی سے اور نمبر ۱۸ میں سیاہ سے) وحرام کردہ شد بر شما شوہر داران از زنان تا اب مختلف نشود و نسب ضائع نگردد۔"

(بخط فارسی سیاہ روشنائی سے)

چوتھی جلد نمبر ۱۸، ۱۹ کا اختتام :

" او سبحانہ وحق تعالیٰ شکایت غیر خود را ہم نمی پسند دچہ جائی شکایت ذات خود را زیرا کہ "

چوتھی جلد نمبر ۱۸ کی کل تعداد اوراق = ۳۲۲، ہر صفحہ میں ۱۷ سطریں۔ سائز = ۳۰ × ۱۷ (حوض کا سائز = ۲۴×۱۲) پہلے صفحہ کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حاشیہ پر (نیلی روشنائی سے) لکھا ہے: "تکملہ تفسیر فتح العزیز"۔ آخری صفحہ پر (سیاہ روشنائی سے) لکھا ہے:
"تم الجزء الخامس۔"

<u>امور دیگر قابل ذکر:</u> کاغذ اچھا چکنا، اوسط درجہ کی دبازت، درمیان میں متفرق جگہ پر مختلف قسموں کا کاغذ استعمال ہوا ہے۔ آیات قرآنی بخط نسخ (سیاہ روشنائی سے) تفسیر بخط فارسی (سیاہ روشنائی سے) خط عمدہ جلی، کہیں کہیں کرم خوردہ و شکستہ، بڑھ پیپر سے جوڑا گیا۔ ہر صفحہ پر باڈر، سرخ لائین ڈبل اور ایک سیاہ لائین (کل تین لائینا) سے بنایا گیا ہے۔ نمبر ۱۹ (چوتھی جلد) کا سائز = ۲۱×۱۸ (حوض کا سائز = ۲۴×۶، ۱۲) ہر صفحہ میں ۱۹ سطریں۔ کل اوراق: ۲۸۸، پہلے صفحہ کے پیشانی پر مہر "محمد جمال الدین خان مدار المہام سنہ ۱۲۶۸ھ"۔ پنسل سے اسی صفحہ کے بالائی کنارہ پر لکھا ہے: "تکملہ فتح العزیز" سیاہ روشنائی سے حاشیہ پر لکھا ہے: "تفسیر علوم قرآن"۔

<u>دیگر امور قابل ذکر:</u> قرآنی آیات کی کتابت بخط نسخ عمدہ جلی (سرخ روشنائی سے) تفسیر بخط فارسی (سیاہ روشنائی سے) خط اوسط درجہ کا عمدگی میں؛ درمیان میں بعض عنوانات بھی سرخ روشنائی سے ہیں۔ کہیں کہیں سے کرم خوردہ، پہلا صفحہ پانچ جگہ سے کرم خوردہ اور اس کا اثر تین جگہ کا، کئی ورق تک پڑا۔ پوری جلد میں کاغذ یکساں، اچھا، چکنا، اوسط درجہ کی دبازت۔ ہر صفحہ پر باڈر ڈبل سرخ لائن اور ایک سیاہ لائن کا، چوتھی جلد کا اختتام ناقص ہوا ہے کہ جملہ بھی پورا نہیں ہو سکا۔ تمام جلدوں میں اندازہ ہوتا ہے کہ ایک ہی طرز خط کی پیروی کی گئی ہے۔ چنانچہ تقریباً ہر جگہ "گ" کو "ک" کی شکل میں (ایک ہی مرکز سے) لکھا گیا ہے۔ اور اکثر جگہ یائے معروف (ی) ہی کی صورت میں یائے مجہول (یے) بھی لکھی گئی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ تکملہ کی ان جلدوں میں سے کسی ایک پر بھی نہ تو کاتب (ناسخ) کا نام ملتا ہے نہ سن و تاریخ کتابت کا ذکر

تکملہ پر بحیثیت مجموعی ایک نظر

یہ تکملہ، اصل تفسیر (فتح العزیز) سے منقولی رنگ۔ احادیث و روایات نیز قصص و حکایات کی کثرت، میں تو بالکل مشابہ ہے۔ بلکہ بعید نہیں کہ بعض جگہ کثرت روایات و آثار نیز قصص و حکایات میں اصل سے کچھ بڑھ گیا ہو۔ لیکن شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ کی مجتہدانہ نظر، ژرف نگاہی اور عبقریت کی جو شان اصل تفسیر (فتح العزیز) میں جگہ جگہ نمایاں نظر آتی ہے اس کی تکملہ میں توقع رکھنا ہی بے محل ہے، اور اس کی تلاش سعی لاحاصل، پھر بھی بڑی حد تک اصل کی کچھ خصوصیات برقرار رکھنے کی صاحب تکملہ نے کوشش کی ہے۔ خاص طور سے فرق باطلہ جیسے ملحدین اور متفلسفین کے۔ قرآن مجید پر اعتراضات کی جوابدہی قرآن مجید کی آیتوں پر بظاہر وارد ہونے والے لغوی، نحوی نیز دوسرے قسم کے اشکالات کا حل۔ آیت کے بارے میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مفسرین کے متعدد اقوال کی موجودگی کی صورت میں کسی قول کو بدلائل ترجیح اور مختلف المعانی لفظ میں سے ایک یا چند معنی اختیار کرنے کے وجوہ و اسباب، جیسے امور سے خاطر خواہ بحث کی گئی ہے۔ اس بنا پر یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ یہ تکملہ، خاصی حد تک اصل کا رنگ لیے ہونے کے ساتھ تفسیر کے طالب علم کیلئے پر از معلومات اور یکجا بہت سی نقول فراہم کرنے کا ایک کامیاب ذریعہ و ماخذ بن گیا ہے۔ لیکن متقدمین کی اکثر تصانیف اور خود اصل تفسیر "فتح العزیز" کی طرح یہ بھی اجمالی حوالوں کا ہی مواد فراہم کرتا ہے جس سے بس کتاب کے نام کی حد تک ماخذ کی نشاندہی ہوتی ہے۔ موضع اور محل کا تعین نہیں ہوتا۔ اس لئے مکمل حوالہ کی تلاش اور صحیح موقع کے تعین کیلئے طالب کو خاصی محنت کرنا ناگزیر ہے۔

اصل کی طرح "تکملہ" کی زبان (فارسی) بڑی سہل اور سلیس و شیریں ہے کہ معمولی فارسی خواں بھی استفادہ اور اخذ مطلب بیشتر حصہ میں، کر سکتا ہے۔ اور جیسا کہ اوپر اشارۃً ذکر آیا، خط بھی بہت صاف اور جلی ہے (کچھ کمزور بینائی والا شخص بھی اسے پڑھ سکتا ہے)۔ اتنی ضخیم تفسیر کا لکھنا، قطع نظر اس کی دیگر خصوصیات کے بجائے خود ایک عظیم کارنامہ ہے۔ لیکن اب تک نہ چھپ سکنے کے باعث اس کی افادیت محدود ہی نہیں گویا معدوم ہو گئی ہے، حتیٰ کہ اس کے وجود سے واقفیت بھی بہت محدود حلقہ میں ہے۔ رہی سہی کسر اس کی بقیہ جلدوں کے دستیاب نہ ہونے سے پوری ہو گئی۔

تکملہ کے کچھ نمونے: تکملہ سے یہاں مختصر طور پر چند نمونے پیش کیے جا رہے ہیں، تاکہ قارئین خود تھوڑا بہت اس کی قدر و قیمت اور بعض خصوصیات کا اندازہ کر سکیں۔

(۱) "تکملہ" پہلی جلد۔ کتب خانہ کا نمبر ۱۴: سورہ بقرہ آیت "وأن تصوموا خير لكم" کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"تقدیر آیت کہ متضمن بر شرط است موافق فہم اکثر مفسرین اینست کہ اگر دانید فضیلت صوم را اختیار کنید و تخلف نورزید چون ما قبلش دلالت برین جزا دارد، لفظ "اختر تموہ" را ساقط فرمودہ اند۔ و بعضی گفتہ اند کہ مراد از علم، خوف است۔ چنانچہ فرمودہ اند "انما يخشى الله من عباده العلماء" (آیت کا ترجمہ کر کے لکھتے ہیں) پس گویا چنیں فرمودند کہ اگر شما خوف خدا کنید مشقت و تکلیف روزہ خود بر داشتن بہتر خواہد بود برائے شما و حاجت بفدیہ نخواہد بود۔" (ورق ۳، ب)۔

(۲) "تکملہ" دوسری جلد۔ کتب خانہ کا نمبر ۱۵: سورہ آل عمران آیت "یوتی الحكمة من يشاء ... الخ کے تحت مذکور ہے:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"مراد لفظ حکمت علم است یا فعل صواب و مروی است از مقاتل لفظ حکمت کہ در قرآن مجید واقع شدہ بچار معنی تفسیر کردہ اند یکے مواعظ و نصیحتہائے قرآنی (اس کے آگے شواہد بھی ذکر کئے ہیں) . . . دوم آنکہ حکمت بمعنی فہم و علم است (پھر شواہد کا ذکر ہے) . . . معنی سوم آنکہ مراد از آن نبوت و پیغمبری است (یہاں بھی آگے شواہد لکھے ہیں) . . . چہارم قرآن مجید است کہ بحکمت از آن تعبیر میرود بسبب آنکہ عجائب اسرار دراں ودیعت نہادہ اند" (ورق ۹۰ الف)

(۳) "تکملہ" چوتھی جلد - کتب خانہ کا نمبر ۱۹: سورۃ النساء کی آیت "ولولا فضل اللہ علیک ورحمتہ لھمت طائفۃ منھم ان یضلوک" کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

"دریجا اعتراض وارد می شود کہ ظاہر ایں آیت نفی می کند موجود شدن قصد منافقین را یا زلال آنجناب . . . جوابش آنکہ ضرور نیست کہ 'لھمت' جواب 'لو' باشد بلکہ ایں کلام تواند بود کہ مقدم باشد بر 'لو' وجواب آں در تقدیر و مقول باشد بر طریق قسم' وجواب 'لو' محذوف بود . . . وتقدیرش آنکہ "لقد ھمت طائفۃ منھم' ان یضلوک ولولا فضل اللہ ورحمتہ لاضلوک" (ورق ۲۴۲ الف)

بس اسی پر اپنی گفتگو ختم کرنے کی اجازت چاہتے ہوئے رخصت ہوتا ہوں!

●●

لہ پہلے معنی کے لیے "ما انزل علیکم من الکتاب والحکمۃ یعظکم بہ" دوسرے کے لیے "ولقد اٰتینا لقمان الحکمۃ" تیسرے کیلئے "فقد اٰتینا اٰل ابراھیم الکتاب والحکمۃ" اور چوتھے کیلئے "ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ" شواہد کے طور پر پیش کئے ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جناب حبیب الرحمٰن میواتی

دہلی

نظم الجواھر ونضد الفرائد

مولانا سیّد ولی اللہ فرخ آبادی ۱۱۶۵ھ تا ۱۲۴۹ھ / ۱۷۵۲ء تا ۱۸۳۲ء

ایک مطالعہ ——— اور تعارف

تین جلد: جلد اوّل ۶۳۸ ص سائز ۲/۱ ۳۲/۲۲ سم فی صفحہ ۲۱ سطریں، جلد دوم ۸۳۲ ص سائز ۲/۱ ۳۲/۲۳ سم فی صفحہ ۲۱ سطریں، جلد سوم ۶۶۰ ص سائز ۲/۱ ۳۲/۲۳ سم فی صفحہ ۲۱ سطریں۔

بخط نستعلیق، خود مصنف کے قلم کا مبیضہ ہے۔ بخط مصنف ہونے کے لحاظ سے بھی اور اس حیثیت سے بھی کہ کہیں اور جگہ اس کا وجود معلوم نہیں نہایت اہم نسخہ ہے۔ نزہۃ الخواطر ج ۷ ص ۵۲۶ میں اس کتاب کا ذکر ہے۔ یہ ۱۲۳۶ھ میں مکمل ہوئی۔ نام سے تاریخ نکلتی ہے۔ رحمان علی نے کہا ہے کہ یہ تفسیر فی الحقیقت نظم جواہر موتیوں کی لڑی ہے: تذکرہ رحمان علی ص ۵۴۵ ذیل کشف الظنون ج ۲ عمود ۶۵۸ الثقافۃ الاسلامیہ ص ۲۶، اولاً مناسب ہے کہ مصنف علّام کا تذکرہ کردیا جائے: علامہ حکیم عبدالحی لکھنوی رقم طراز ہیں:

مشہور فاضل، جید عالم دین، بے نظیر فقیہ اور نکتہ رس مفتی ولی اللہ بن احمد علی حسینی فرخ آبادی رحمہ اللہ مشہور علماء میں سے گزرے ہیں خیر آباد کے نواح موضع سانڈی (Sandi) میں جمعہ کے دن دس شوال ۱۱۶۵ھ/۱۷۵۲ء کو پیدا ہوئے۔ پھر بچپن ہی میں اپنے والد کے ہمراہ فرخ آباد کا سفر کیا اور وہیں پڑھنے لگے، وہاں کے علماء سے استفادہ کیا۔ پھر قنوج پہنچے اور شیخ عبدالباسط[1] بن رستم علی قنوجی کے درس میں شامل ہوئے۔ مولوی عبدالباسط بن مولوی رستم علی قنوجی حدیث و تفسیر اور اصول و فروع میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ تفسیر ذوالفقار خانی لکھ رہے تھے کہ اس کے مکمل ہونے سے پہلے ان کی عمر بے بہا کی تفسیر ۱۲۲۳ھ/۱۸۰۹ء میں تمام ہوگئی اور وہ رحمت حق سے واصل ہوگئے۔ رسالہ عجیب البیان فی علوم القرآن بھی ان کی یادگار ہے۔ مولانا قنوجی ۱۱۵۹ھ/۱۷۴۶ء میں پیدا ہوئے۔ ان کی تصانیف میں: زبدۃ الفرائض، نظم اللآلی فی شرح ثلاثیات البخاری، انتخاب الحسنات فی ترجمۃ احادیث دلائل الخیرات، احیاء المتین فی شرح الاربعین اور شفاء الشافیۃ فی شرح الکافیۃ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی ہیں۔ تلامذہ میں مفتی ولی اللہ فرخ آبادی صاحب۔ المطر الثجاج فی شرح صحیح مسلم بن الحجاج شامل ہیں۔ (تذکرہ علماء ہند اردو ترجمہ ص ۱۷۲) ساری درسی کتابیں ان سے پڑھیں۔ ۱۱۸۹ھ میں حجاز کا سفر کیا۔ حج و زیارت سے فارغ ہو کر شیخ احمد سعید صقر اور ان کے والد شیخ محمد سعید اور شیخ عبدالملک حنفی مفتی مکہ مکرمہ اور شیخ ابراہیم الشافعی زبیری کے ہاں قرآت حدیث کی اور اجازتِ درسِ حدیث حاصل کی ۱۱۹۶ھ میں واپس وطن آئے اور ۱۲۲۴ھ میں فرخ آباد میں ایک بڑے مدرسہ کی بنیاد ڈالی جس کا نام فخر المواقع رکھا جس سے تاریخ کی بنا ظاہر ہوتی ہے۔ آپ کی یادگار یہ مدرسہ۔ اور مندرجہ ذیل تصانیف ہیں۔

(۱) شرح ورد التقرب وحزب التوسل الی سید الانبیاء والرسل ۔ ۱۔ جلد، (۲) نظم الجواہر ونضد الفرائد ۳ جلدیں (۳) تاریخ فرخ آباد ۔ ۱ جلد (۴) المطر الثجاج فی شرح صحیح مسلم بن الحجاج ۔

بروز پیر ۵ رجب ۱۲۴۹ھ میں وفات پائی ۔ رحمہ اللہ تعالیٰ (نزھۃ الخواطر ص ۲۶ - ۵۲۷)

مولوی ولی اللہ فرخ آبادی بن احمد علی عالم باعمل اور فاضل اجل تھے۔ تفسیر میں نظم الجواہر تصنیف فرمائی۔ جو حقیقت میں "جواہر کی لڑی ہے" اس کے نام سے تاریخ تصنیف ظاہر ہوتی ہے ۱۲۳۶ھ۔ ۹ سال کی عمر میں فرخ آباد پہنچے۔ فرخ آباد، قنوج اور بریلی (روہیلکھنڈ) میں تحصیل علم کی۔ ان کے اساتذہ میں مولوی فضل اللہ بہاری، مولوی دائم علی فرخ آبادی خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ مولوی عبدالباسط قنوجی سے فاتحہ فراغ پڑھا علم طب مولوی حکیم رحیم علی خاں سے پڑھا خواجہ رحمت اللہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ۱۱۹۰ھ/۱۷۷۶ء میں حرمین شریف پہنچے۔ چھ سال وہاں مقیم رہے۔ پھر واپس آکر فرخ آباد میں مقیم ہو گئے۔ فرخ آباد میں ایک مدرسہ اور کتب خانہ قائم کیا۔ مدرسہ کا تاریخی نام "فخر المواقع" ہے۔ ۹ راگست ۱۸۰۵ء کو مفتی مقرر ہوئے اور ۱۳ راکتوبر ۱۸۲۸ء تک اس عہدہ پر کام کرتے رہے۔ ۵ رجمادی الثانی ۱۲۴۹ھ مطابق ۸ ارنومبر ۱۸۳۲ء کو مفتی ولی اللہ کا انتقال ہوا۔ مصرع ذیل سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔

دفن کردند گنج علم بہ خاک (تذکرہ علمائے ہند اردو ترجمہ ص ۴۶ - ۵۴۵)

یہ عجیب و غریب کتاب اکیس سو اڑتیس صفحات، تیس تفصیلی ابواب، بیشمار فصلوں اور تین موٹی جلدوں پر مشتمل ہے۔ مصنف نے اپنا مفہوم فارسی میں ادا کیا ہے جو بہت شستہ اور بلیغ معلوم ہوتی ہے۔ وہ حافظ قرآن بھی ہے، اور حفظ قرآن اس وقت کیا جب وہ مفتی کے فرائض انجام دے رہے تھے، اور ایک دو کتابیں تالیف فرما چکے تھے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بڑی عمر میں قرآن کریم یاد کرنے کا آسان طریقہ یہی ہے کہ نہایت توجہ اور انہماک سے مطالعہ کیا جائے اور قرآن کریم کے الفاظ و حروف کو نگاہوں کے ذریعہ دماغ کے گوشہ میں محفوظ کر لیا جائے۔ دوران درس و مطالعہ قرآن کریم کے الفاظ و معانی لوح دماغ پر اس طرح ثبت کر لیے کہ بیک نظر وہ پورے قرآن مجید کا ملاحظہ و مشاہدہ کر سکتے تھے۔ ان کی کوشش یہ ہے کہ اس کتاب کے ناظرین بھی انھیں کی طرح تلاوت و فہم قرآن مجید اور اس کے تدبر و فکر سے سرفراز ہوں۔

قرآن کریم سے متعلق انھوں نے کوئی گوشہ ایسا نہیں چھوڑا جسے تشنہ کہا جا سکے۔

تجوید و قرأت، صرف و نحو، لغت و اشتقاق، منطق و فلسفہ، ہیئت و اقلیدس، ادب، معانی و بیان، فصاحت و بلاغت، تاریخ و ایام، طب ادویہ، عقائد و مناظرہ، تصوف احسان، فقہ و اصول فقہ، حدیث و اصول حدیث، تفسیر اصول تفاسیر عام سوالات اور ان کے جوابات ہر شق پر ہر جہت سے کام کیا ہے۔ اور پوری محنت اور لگن کے ساتھ کام کیا ہے۔

ابتدا، کچھ اس طرح کی ہے:

بسم اللہِ علیہ مثنیاً وَعلیٰ نبیہ مُصَلِّیاً
خداوندا در تائید کن وا بہار گلشن جاوید بنما
معطر کن دماغم زاں گلستاں بدل فرما کرامت راحتِ جاں
منور ساز چشم از نور ما زاغ کہ نظارہ کنم انوار آں باغ
بہ کلکم کن عطا رطب اللسانی سواد شرح وحی آسمانی
ادا سازد حق نظم و معانی حقائق را کند روشن بیانی
کہ آرد در قلم شرح و بیانش بترتیب بدیع و وضع دلکش
ز اربابِ حقیقت چشم دارم زعین لطف شاں امید دارم
دراں بینند گر جائے خطائے کنند اصلاح و احساں از دعائے

نحمدہ حمداً طیباً مبارکاً کازدھاء کلماتہ التامّۃ وکفاء آلاءہ العامّۃ حمد الشاکرین، ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہٗ ونشھد انّ محمداً عبدہ ورسولہ خاتم الأنبیاء وسید المرسلین۔ صلّی اللہ علیہ وسلّم وبارک علیہ وعلیٰ اٰلہ وازواجہ وذرّیتہ واصحابہ واحبابہ وعترتہ واشیاعہ واتباعہ وامتہ اجمعین وعلی جمیع اخوانہ من النبیین والصدیقین والشھداء والصّالحین کل وقت وحین الی ابد الأبدین ودھر الداھرین۔ اما بعد می گوید بندہ محمد ولی اللہ بن احمد علی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حسینی فرخ آبادی رضی اللہ تعالیٰ علیہ دلاء جلائل النعم وسجال الایادی۔ پس از اتمام حفظ قرآن مجید و فرقان حمید در اوائل ۱۲۳۳ھ۔۔۔ شروع نمودم در تالیف این کتاب مستجمع جمیع علوم قرآن کہ بفضلہ سبحانہ مسلمانان را در قرأت و تلاوت و حفظ و فہم کلام باری یاری دہد و دیدن و دریافتن آں بدیدۂ دل بصارت و بصیرت را نور و سرور بخشد۔

زہے بارہ کاشف اسرار قرآں ۔۔۔ کہ سازد جملہ مشکلہاش آساں
بہارستان معنیہائے رنگیں ۔۔۔ کہ رشکش کردہ گل از باغ رضواں
دہد ہر صفحہ اش یاد از رخ حور ۔۔۔ کہ ہر سطرش نظیر زلف غلماں
بیاضش بحر گوہر ہائے نایاب ۔۔۔ سوادش چشمہ سار آب حیواں
ز کافورش خنک دل دانش و دیں ۔۔۔ بمشکش خرم و خوش جان و ایماں
فزاید بینش ارباب دانش ۔۔۔ بہ اہل اللہ بخشد روح و ریحاں
کند اہل نظر را دیدہ روشن ۔۔۔ شود عینک برائے عین عرفاں
کلیم آسا ید بیضا بر آرد ۔۔۔ مسیحا وش معانی را دہد جاں
بتشریف قبول خالق و خلق ۔۔۔ شرف یابد طفیل جاہ فرماں
مؤلف را شود لطف از رہ فضل ۔۔۔ لقا ور رحمت و رضوان و غفراں

مصنف چونکہ حافظ اور قاری ہے اس لیے شروع میں قرآن کریم کو صحیح طرز پر تلاوت کرنے کی کوشش کی ہے۔ عربی کے حروف ہجا میں صوتی مشابہت پائی جاتی ہے۔ اور اگر صحیح مخرج کے مطابق حروف کی ادائیگی نہ ہو پائے تو فہم معانی میں ـــــ بڑی دشواری پیدا ہوتی ہے۔ اسے ایک مثال سے سمجھیے:

حرف ذال، زاء، ضاد، ظاء تقریباً ہم آواز۔ ذلّ: ذلیل و کمتر ہونا۔ زلّ: پھسلنا۔ ضلّ: گم کردہ راہ ہونا ظلّ: ہونا، ہمیشہ رہنا اور سایہ وغیرہ۔ انگریزی میں ان سب کے لیے زیڈ آتا ہے۔

یہ الجھن قراء کرام کے طبقہ نے دور کی کہ ہر ہر حرف کا مخرج متعین کیا۔ ذریعۂ ادائیگی کو تفصیل سے بیان کیا۔ اس لیے ابتداءً تجوید و قرأت کے بنیادی مسائل بیان کیے۔ محکم و متشابہ، قرآنیات کا اہم موضوع ہے۔ مؤلف جب اس مقام پر پہنچے تو محکم و متشابہ کی بحث کو مؤخر کیا۔ پہلے قرآن کریم کی تلاوت و قرأت کے دوران حفاظ کو جو متشابہ پیش آتے ہیں ان کی تفصیل بیان کی اور مواقع متشابہ کی نشان دہی کرتے ہوئے اس کی ایک تفصیلی جدول ثبت کر دی جسے دیکھ کر سارے قرآن کے متشابہ بیک نظر نگاہوں کے سامنے آ جاتے ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن کریم کی صحیح خواندگی فہم قرآن میں نہ صرف معین ومددگار ہے بلکہ فہم قرآن اس کے بغیر ممکن نہیں ... یہی وجہ ہے کہ مصنف نے اوّلاً تجوید وقرآت اور صرف ونحو سے تعرض کیا ہے۔ اور پہلی جلد ایسے ہی اصول وضوابط کیلیے وقف ہے تاکہ قرآن وتلاوت قرآن مجید صحیح ہو۔ اخفاء واظہار' نون غنہ' ادغام کبیر' ادغام صغیر' وقف تام وقف ناقص' وقف جائز' وقف لازم اور سکتہ جیسی اہم قرآنی علامتوں کی توضیح کر ان کے بغیر تلاوت ناقص و ناتمام رہتی ہے رسم قرآن' خط عربی کا مجمل بیان' مقطوع وموصول کہ وقف اختیاری مقطوع پر جائز ہے موصول پر نہیں' تاء تانیث اسمیہ کے ماقبل فتحہ ہوتا ہے۔ محذوف یاء کا بیان جو حقیقتاً جزو کلمہ ہے مگر موجودہ رسم قرآن میں محذوف ہے۔ ایسے کلمات کا ذکر کہ وہ چند مواقع پر خلاف اصل ہیں۔ اور ان پر وقف کرنے میں ائمہ قراء کا اختلاف ہے تقسیم قرآن' سورتوں پر' آیتوں پر' اجزاء' پر جنہیں سیپارہ کہتے ہیں' احزاب اور رکوعات میں تقسیم وغیرہ۔

دوسری جلد میں مفردات قرآن کا عنوان دیکر قرآنی لغات کی تفصیلی شرح ہے۔ الفاظ قرآنی کے مرادی معنی محل استعمال اور محل وقوع کی بھی نشان دہی کی گئی ہے ترجمہ فارسی میں کیا ہے۔ عربی کے کس باب سے اس لفظ کا اشتقاق ہے یہ بھی ساتھ لکھ دیا ہے۔ مثلاً کلوح ترش روے شدن از مَنَعَ وَمنہ قولہ تعالیٰ وھم فیھا کالحون و ہمیں تفسیر نمودہ ابن عباسؓ۔ اَبّ۔ چارہ جو چارپایوں کے لیے تیار کیا جاتا ہے ومنہ وقولہ تعالیٰ وفاکھۃ واباً و ہمیں تفسیر نمودہ ابن عباسؓ۔ یاجوج ماجوج۔ دو قبیلہ یافث بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں اور بعض نے یہ کہا ہے یہ دو عجمی اسم ہیں بدلیل منع صرف اور بعض نے لکھا ہے عربی لفظ اجّ سے مشتق ہے معنی جلدی جلدی دوڑنا عدم صرف بتاویل قبیلہ ص ۲/۳

پھر مرکبات قرآن کا بیان ہے بلکہ شرح ہے اعراب اور معانی وبیان کی وضاحت کے ساتھ۔ اور اکثر آیات کا ترجمہ دیا ہے نحوی راجح ترکیب کے مطابق بترتیب اجزاء ثلاثین۔ مفردات کی شرح حروف ہجاء کی ترتیب سے ہے اور مرکبات کی شرح اجزاء کی ترتیب پر مبہمات قرآن پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مستند مفسرین کے حوالوں سے بترتیب سورہ قصص القرآن کا مفصل بیان ہے۔ قرآن کے بیان کردہ واقعات اور ان پیغمبروں کی معاصر تاریخ پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے' مؤرخین ومفسرین کے حوالے سے۔ اس مضمون کے آخر میں ایک ضمیمہ یا تذییل ہے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وفیات میں مثلاً آدم علیہ السلام کے بدن میں جب نفخ روح ہو گئی تو جنت میں داخل ہوئے اور چالیس سال وہاں رہے۔ اور جنت سے نکلے جانے کے بعد جسے تاریخ کی ابتدا تسلیم کی گئی ہے (تاریخ ہبوط آدم) نو سو تیس سال زندہ رہے۔ وفات شیث علیہ السلام ۱۱۴۲ ہبوط آدمؑ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے بعد حضرت ادریس علیہ السلام ۲۷ ۴۶ ہبوطؔ میں مکان بلند کی طرف اٹھا لیے گئے۔ ولادت نوح علیہ السلام ۲۴۲ ۱۶ ہبوطؔ بعثت ۲ ۱۶۸ ہبوطؔ طوفان نوح ۲۶ ۳۲ ۲ ہبوطؔ اور وفات نوح علیہ السلام ۲ ۸ ۲۶ ہبوطؔ ولادت ابراہیمؑ در ۳۲۲۳ ہبوط و واقعۂ آتش نمرود ۳ ۳ ۶۸ ہبوطؔ ۰۰۰۰ اسحقؑ و بنائے کعبہ ۳۴۲ ہبوط و ولادت اسمٰعیلؑ قبل ازاں چہاردہ سال۔ و وفات ابراہیم ۳۴۹۸ ہبوطؔ و وفات یعقوب ۳۵۲۰ ہبوط و وفات موسیٰ ۳۸۱۱ ہبوطؔ و وفات داؤد ۳ ۳ ۴ ۴ ہبوطؔ و بنائے بیت المقدس را قبل ازاں چہار سال شروع کردہ بود۔ و وفات سلیمانؑ ۲ ۴۷ ۴ ہبوطؔ و تخریب بیت المقدس بخت نصر ۴۸۶۷ ہبوط دوبارہ تعمیر بیت المقدس از دست کورش ۴۹۲۷ ہبوط و کورش نام بہمن بن اسفندیار است و در ہمیں سال از دست ظہور کرد۔ و کورش با وے عقد اتفاق بست و ولادت سکندر رومی ۵۲۶۰ ہبوط و ہمیں سال افلاطون جان بجان آفریں سپرد و وفات سکندر ۵۲۵۹ ہبوطؔ ولادت یحییٰ و عیسیٰ ۵۵۸۴ ہبوط و رفع عیسیٰ بآسمان ۵۶۱۷ ہبوط و خرابی بیت المقدس بار دیگر از دست طیطوس رومی ۵۶۵۷ ہبوطؔ و انتباہ اصحاب کہف ۶۰۳۶ھ و ولادت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ۶۱۶۲ ہبوطؔ و ایں سنین کہ مذکور شدہ شمسیہ است ج ۲ ص ۲۶-۲۵ پر غرائب القرآن کے بھی کچھ نمونے دیے ہیں:

بعضے مفسرین در آیۂ کریمہ مرج البحرین یلتقیان گفتہ۔ مراد از بحرین علی بن ابی طالبؓ و فاطمۃ الزہراءؓ است و از برزخ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ و از لؤلؤ و مرجان حسنین علیہم من الصلوٰت والتسلیمات افضلہا واکملہا۔ و بعضے مفسرین در آیۂ کریمہ۔ محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار الخ گفتہ: مراد از الذین آمنوا ابوبکر صدیقؓ است و از اشداء علی الکفار عمر بن الخطابؓ و از رحماء بینہم عثمان بن عفانؓ و از تراھم رکعا سجدا علی بن ابی طالبؓ۔ و از یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا سائر صحابہؓ۔ و بعضے مفسرین از عکرمہؓ روایت کردہ کہ اَخْرَجَ شَطْأَہٗ رمز است از ابی بکرؓ و فَآزَرَہٗ از عمر فاروقؓ وَفَاسْتَغْلَظَ از عثمان ذی النورین۔ و فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِہٖ از علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

حافظ ابن حجر در فتح الباری می فرماید۔ اتفاق دارند سلف بر آنکہ مخاطب در آیۂ کریمہ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ۔ آنحضرت است صلی اللہ علیہ وسلم۔ و امام رازی از قفال نقل کردہ کہ مخاطب بآں انسان است کہ مذکور است قبل ازیں آید در آیۂ کریمہ ینبؤا الانسان یَوْمَئِذٍۢ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ۔ یعنی عرض کردہ خواہد شد بر انسان کتاب وے و گفتہ شود او را بخواں کتاب خود را۔ ہر گاہ شروع کند در خواندن کتاب لرزہ کند زبان وی از خوف۔ پس شتابی کند در خواندن۔ پس گفتہ شود او را۔ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ۔ بدرستی بر ماست کہ جمع خواہیم کرد عمل تو و خواہیم خواند بر تو پس ہر گاہ خوانیم آنرا بر تو پس پیروی کن خواندن آں را باقرار آنکہ کردی آں را پستر بر ماست بیان امر انسان و آنچہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علاقه دارد بپاداش آں۔ امام رازی می گوید ایں گفتۂ قفال وجہے خوب است عقل ازاں ابا نمیکند اگرچہ آثار برخلاف آں وارد است۔ و قفال را داعی بیان مناسب است بما قبل و مابعد۔

شیخ ولی اللہ محدث دہلوی در ترجمہ گفتہ: ظاہر نزد بندہ آنست یعنی وعدہ لازم است بر ما جمع کردن قرآن در مصاحف و حفظ و قرأت آں عصر بعد عصرٍ و توفیق ایضاح و تفسیر معانی۔

در شمس العلوم میگوید: نزد امام ابو حنیفہؒ شب قدر بعد وفات نبی صلی اللہ علیہ وسلم برداشتہ شد۔ و نزد امام شافعی و موافقان وی ثابت است و آنرا در عشرۂ اخیرہ از رمضان باید جست۔

از علی بن عبد اللہ بن عباسؓ در تفسیر آیۂ کریمہ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ آمده که مراد از الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ابوبکر صدیقؓ است و از عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ عمر فاروقؓ و از تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ عثمان بن عفانؓ و از تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم کذا فی عین المعانی۔

صاحب کشاف در کلمہ اِنَّا اَعْطَيْنَا گفت بجائے عین در قرأت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نون خواندہ شد۔ و انطاء بمعنی اعطاء است در لغت اہل یمن و ہمچنین ذکر کردہ محمد بن ابی بکر رازی در کتاب خود (ج ۳ ورق ۲۳۸، الف بار) بدائع لفظیہ بھی مذکور ہیں مثلاً ابو قلمون، و آنرا ذوالمعنيين نیز گویند۔ و آنچناں باشد کہ در کلام لفظ آید کہ در دو زبان دو معنی دارد و ہر دو معنی دراں صحیح باشد کقولہ تعالیٰ ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الآخرۃ حسنۃ و قنا عذاب النار نار در عربی بمعنی آتش و در ہندی بمعنی زن۔ اللہ تعالیٰ از عذاب ہر دو نگاہ دارد۔ سعدی شیرازی میگوید:

زن بد در سرائے مرد نکو ٭ ہم دریں عالم است دوزخ او ● زینہار از قرین بد زینہار ٭ وقنا ربنا عذاب النار

و قولہ آتینا فرداً فردا در عربی بمعنی منفرد و در فارسی بمعنی غداً و ہر دو معنی صحیح است۔

اس کتاب کی ہمہ جہتی، جامعیت اور افادیت کا اندازہ اس کے ابواب پر ہی سرسری نظر ڈالنے سے ہو سکتا ہے۔

(۱) مخارج حروف ہجا اور ان کی صفات اصلیہ کے بیان میں دو فصل ص ۲ (۲) حروف ہجا کی عارضی صفات کے بیان میں جو ایک دوسرے کی مقارنت سے حاصل ہوتی ہیں چار فصل ص ۷ (۳) در وقف۔ وقف کے بیان میں دو فصل ص ۱۴ (۴) اسم مصحف مجید کے بیان میں آٹھ فصل ص ۲۸ (۵) قرآن مجید کی مختلف وجوہ کے تحت تقسیم۔ تعداد جلالات شریف۔ لفظ اللہ کا ذکر۔ ہر ہر سورۃ پانچ فصل ص ۴۲ (۶) ان مسائل فقہیہ کے بیان میں جن کا جاننا قرآن مجید سے شغف رکھنے والوں کے لیے ضروری ہے چار فصل ص ۹۲ (۷) فضائل قرآن مجید میں۔ نیز بعض سورتوں اور بعض آیات کے فضائل میں (۸) قرآن مجید کی تلاوت قرأت کے آداب کے بیان میں ص ۱۱۴

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۹) سورہ آیات کی بعض خواص کے بیان میں کہ ضرورت کے وقت کام آتے ہیں تین فصل ص ۱۰۷ (۱۰) حفظ قرآن مجید کی بعض مجرب تدبیریں اور اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ کی تشریح و تفسیر پانچ فصل ص ۱۱۳ (۱۱) تجوید قرأت کے ائمہ سبعہ کا تذکرہ اور ان کے مسلک مذہب کے راویوں کے بیان میں چار فصل ص ۲۰۵ (۱۲) ائمہ سبعہ اور ان کے راویوں کے درمیان واقع اختلاف سے متعلق کلیات نو فصل (۱۳) امام حفص و امام ابوبکر کے اختلافِ روایات کی شرح از امام عاصم دو فصل ص ۲۲۲ (۱۴) جدول فرش اختلافات ائمہ سبعہ اور ان کے راویوں کے بیان میں سورتوں کی ترتیب پر مطابق تیسیر و شاطبیہ ص ۲۳۶ (۱۵) متکلم کی یاؤں کے بیان میں ان کے فتح و سکون میں قراء کرام کو اختلاف ہے۔ تیسیر و شاطبیہ سے ۳۱۴ ص (۱۶) شرح مفردات قرآنیہ۔ معانی لغویہ، بیانِ اشتقاق اور مناسب مقدار میں بعض کی تصاریف ص ۲۷۱ (۱۷) مبہماتِ قرآن کی شرح و بیان، مستند اور باوثوق ذریعہ سے ثابت شدہ۔ یہاں اصحابِ کہف کا قصہ تفصیل سے مذکور ہے ص ۹۸ (۱۸) قرآنی جملوں کی تشریح نحوی ترکیب، معانی و بیان کی روشنی میں۔ اور اکثر آیات کا ترجمہ وجوہ راجحہ کی رعایت کے ساتھ اور دوسرے نئے فوائد پاروں کی ترتیب کے مطابق۔ شروع میں جملہ اسمیہ کی تحقیق و تقسیم ص ۱۰۶ جلد دوم تمام ہوئی (۱۹) ان انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ جو قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ ان کے دور کے واقعات و سوانحات مفسرین کرام و مورخین کے بیان کی روشنی میں ص ۲۷۱ (۲۰) ذکر اسباب نزول آیات کریمہ۔ ائمہ تفسیر و حدیث کی روایت کے مطابق ص ۲۶ (۲۱) قرآنی آیات سے مستنبط عقائد اسلامیہ کا بیان چار فصل ص ۶۲ (۲۲) مسئلہ ناسخ و منسوخ کی تفصیلی تشریح، ماہرین نے جن کی تحقیق و تشریح کا حق ادا کر دیا ہے ص ۱۷ (۲۳) آیات احکام فقہیہ کی تفسیر، طریقہ استنباط، حنفی کتب فقہ کی ترتیب کے موافق پانچ فصل ص ۹۷ (۲۴) ہلاک کرنے والی اور نجات دینے والی صورتوں کی تفصیل صوفیاء کرام نے جن کی تحقیق و تلاش میں محنت فرمائی دو فصل ص ۱۵۲ (۲۵) منقول تفسیریں: احادیث حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم۔ آثار صحابہ رضی اللہ عنہم۔ اعلام مفسرین اور علماء بزرگوار رحمۃ اللہ علیہم کے تفسیری مآثر چار فصل (۲۶) ذکر بدائع لفظیہ و معنویہ۔ جو قرآن کریم اعجازی ترتیب میں نہاں تھیں۔ جنھیں ائمہ فن بلاغت و بدیع نے وضاحت و تفصیل سے بیان فرمایا ہے دو فصل ص ۲۴۱ (۲۷) قرآن کریم کے متعلق متعدد امور کی تفصیل و تشریح ص ۲۴۷۔ سات حروف نزول قرآن کی شرح۔ حقیقت قرآن اور اس کے نزول کی کیفیت۔ تعداد سور کے اختلاف میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ناطق فیصلہ، بیان قرأت متواترہ و مشہور و آحاد و شاذہ۔ ان کی حقیقت اور ان کے احکام بعض آیات کے بار بار نزول کی تحقیق، امثال قرآنی کی شرح، فواصل قرآنیہ کے لطائف، علوم متداولہ پر قرآن کا شمول، یہ بیان کہ قرآن کا ایک ظاہر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے اور ایک باطن ارباب قلوب کے طریقہ پر بعض آیات کی تفسیر حیات سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم میں اور آپ کی وفات کے بعد جمع قرآن مجید کی شرح سورتوں کی ترتیب مناسبت بعض سورتوں کی وجہ تسمیہ، شرح وجوہ اعجاز قرآن مجید، فضیلت و بلاغت کی حیثیت سے آیات کے درمیان تفاوت کا مسئلہ نظم و نثر میں آیات قرآنیہ سے اقتباس کی تحقیق کہانت و شاعری سے قرآن مجید کی تنزیہ' ان آداب کا بیان جن کی قرآن مجید کی نسبت سے رعایت ضروری ہے بعض قرآنی کلمات کا السنہ عجم یا قریش کے علاوہ دیگر قبائل کی لغت سے ہونے کے بیان میں اور ان قبائل اور زبانوں کی شرح' قرآن مجید سے متعلق چند دلچسپ حکایات (۲۸) قرآن مجید پر اشکالات اور ان کے جوابات تین فصل: سرسری اشکالات اور ان کے جوابات مفصل اور قوی اشکالات جو قرآن کریم کے ذہین طلبہ کو پیش آتے ہیں اور ان کا حل منکرین قرآن کے ایرادات اور ان کے مسکت جوابات ص ۲۷۸ (۲۹) قرآن مجید کی تفسیر سے متعلق چند ضروری اشیا: علم تفسیر کا شرف اور اس کی فضیلت ـــــ قرآن کی شرح و تفصیل بیان کرنے والے مفسرین کے لیے آداب و شرائط۔ حکم تفسیر بالرائی بدون نقل از قدماء مفسرین۔ اصول فقہ کے مبحث "کتاب اللہ" کے کچھ مسائل کا تذکرہ بعض مفسرین کی غلطیوں پر تنبیہ ص ۲۹۶ (۳۰) ان اعلام و افاضل کے طبقات کے ذکر میں جنھیں کلام ملک علام سے نسبت و تعلق ہے۔ طبقات قراء: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین، تبع تابعین رحمہم اللہ و مابعد طبقات مفسرین: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعین رحمہم اللہ و مابعد طبقات محدثین: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعین رحمہم اللہ و مابعد۔ طبقات فقہا: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعین و مابعد رحمہم اللہ۔ طبقات ائمہ لغت: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعین و مابعد رحمہم اللہ اجمعین اور ان کی تصنیفات کے ناموں کا تذکرہ۔

مصنف کی محنت و جانکاہی اور اس کے ذوق استجماع علوم قرآن کا اندازہ ان کی مددگار کتب سے بھی ہوتا ہے۔ اس لیے وہ بھی پیش ہے: وہ کتابیں جن سے اس تالیف میں مدد لی گئی۔

کتب تجوید و قراءات: جزریہ اور اس کی شرحیں: ازہریہ، جواہر سنیہ، طرازات معلمہ النشر فی القراءات العشر للجزری، تیسیر امام الائمہ دانی، قصیدہ لامیہ شاطبیہ، کتاب الرسم، کتاب الہدیۃ فی القراۃ، رسالہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی و شرح آن از شیخ مذکور، ... قراءات ... سجاوندی۔

کتب تفسیر: درۃ الفرید، مقصد القاری، نخبۃ البیان فی علوم القرآن: مولانا عبدالباسط قنوجی، انوار التنزیل: بیضاوی و حاشیہ آں۔ ملا عصام الدین اسفرائینی و مولانا عبدالحکیم لاہوری وغیرہما کشاف و حاشیہ آں۔ علامہ طیبی۔ معالم التنزیل امام بغوی۔ ... شیخ روزبہان بقلی، عین المعانی: سجاوندی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بحر مواج قاضی شہاب الدین دولت آبادیؒ۔ تفسیر مولانا نظام الدین نیشاپوری، ثواقب التنزیل مولانا علی اصغر قنوجی۔ مدارک التنزیل، تفسیر جلالین، تفسیر حسینی، تفسیر توضیح، تفسیر صغیر مولانا رستم علی قنوجیؒ، تفسیر احمدی مولانا غلام مصطفی معروف بہ ملاجیونؒ، اسباب نزول شیخ ابوالحسن علی بن احمد نیشاپوریؒ، الاتقان سیوطیؒ، الروض الریان فی رسولہ القرآن شیخ حسین بن سلیمانؒ، احسن الرسائل فی ما اشکل فی القرآن من المسائل شیخ احمد زکریا، تفسیر درر غرر شریف مرتضیٰ علم الہدیٰ۔ تفسیر بعض آیات ابن تیمیہ، تفسیر بعض آیات مرزا محمد مومن جزاری۔ تفسیر راس المفسرین و تاج المحدثین مولانا عبدالعزیز محدث دہلویؒ

کتب حدیث: صحیح البخاری اس کی شرحیں کرمانیؒ، فتح الباری، قسطلانیؒ۔ صحیح مسلم و امام نووی و ترجمہ شیخ محب اللہ دہلوی، موطا امام مالکؒ، شرح موطا مولانا سلام اللہ دہلوی، موطا امام محمد شیبانیؒ، شمائل ترمذیؒ، سنن دارقطنیؒ، معجم صغیر طبرانیؒ، مشکوٰۃ المصابیح و شرح آں طیبی و علی قاری و شیخ عبدالحق محدث دہلوی عربی و فارسی، جامع الاصول، اذکار نوویؒ، تبیان القرآن فی آداب القرآن نوویؒ، حصن حصین، مقاصد حسنہ سخاویؒ، شرح سفر السعادۃ، طب نبوی سنن المہدی، قول بدیع، درر منضود۔

اصول حدیث: نخبۃ مع شروح، رسالہ طیبیؒ، رسالہ سیوطی، رسالہ ملا علی قاریؒ

اسماء الرجال: الاستیعاب ابن عبدالبرؒ، تقریب التہذیب ابن حجرؒ

کتب سیر: روضۃ الاحباب شیخ جمال الدین محدث، مواہب اللدنیہ قسطلانیؒ

علم الکلام: محصل امام فخر الدین رازی، عشرین القواعد امام ابوالمعانیؒ، شرح مواقف، شرح مقاصد، شرح طوالع، شرح صحائف، شرح عقائد عضدیہؒ و حاشیہ یوسف کوسج و شاہ عبدالرحمٰن الہ آبادیؒ، مولانا کمال الدین فتحپوری، شرح عقائد نسفیؒ و حواشی از افاضل، رد می مولانا خیالی و ملا عبدالحکیمؒ و ترۃ کمال و احمد جند۔ تکمیل الایمان شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، بحر المذاہب منعم خاں قنوجیؒ۔ عقائد مولانا یعقوب بنانی عضدی مع شرح بزودی حسامی مع شروح، تحقیق توضیح مع حاشیہ، تلویح، منار مع شروح، دائر و حواشی آں۔ نور الانوار ملاجیونؒ، شرح منار مولانا رستم علی قنوجی، مسلم الثبوت مع شرح مولانا نظام الدین سہالوی و شیخ کمال الدین الہ آبادی و فاضل گوپاموی، و ملک العلماء مولانا عبدالعلی، و مولانا محمد مبین۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتب فقہ: ھدایہ مع شرح: فتح القدیر، عنایہ، نہایۃ، کفایۃ اور اس کا فارسی ترجمہ از مولانا ارشد بنگالی کنز الدقائق اور اس کی شرحیں: معدن، مسکینی، البحر الرائق شرح وقایہ مع حاشیہ چلپی، قدوری، مختصر وقایہ، الاشباہ والنظائر، منظومہ فقہ شیخ عمر نسفی، فتاوی عالمگیریہ، حیدۃ الفقہ سراجی مع شرح سید شریف، زبدۃ الفرائض، مولانا عبدالباسط قنوجی کتاب قبالۃ مختار الاختیار

لغت: صحاح، دیوان الادب، قاموس، شمس العلوم، تاج المصادر زوزنی، تاج المصادر بیہقی، صراح، منتخب اللغات مولانا عبدالرشید، غرائب القرآن محمد بن ابی بکر رازی، غریب القرآن امام راغب (مفردات) جواہر القرآن۔

صرف ونحو: شافیہ مع شرح شیخ رضی، نظام الدین نیشاپوری، جاربردی، حکیم الملک اور مولانا عبدالباسط قنوجی اصول اکبریہ محمد اکبر الہ آبادی مع شرح از مصنف مراح الارواح علل خلیلی زنجانی مع شرح ملا سعد الدین تفتازانی کافیہ مع شرح شیخ رضی، قاضی شہاب دولت آبادی، غایۃ التحقیق متوسط اور ترجمہ کافیہ سید شریف فوائد ضیائیہ مولانا جامی مع حواشی، مولانا عبدالغفور، ملا عبدالحکیم و ملا عصام الدین، وجیہ الدین گجراتی وحواشی شیخیہ۔ لباب الاعراب مع شرح زوزنی، لب لباب، مغنی اللبیب ابن ھشام۔ الفیہ ابن مالک وشرح از ابن مصنف وغیرہ۔ تسہیل۔ قطر الندیٰ مع شرح ارشاد قاضی شہاب دولت آبادی۔ مصباح اور اس کی شروح: توضیح الحواشی وضوء وحاشیہ۔ دھن، منہل، مفصل، فرائد قاضی عضد وشرح ملا علی قاری، وتعلیقات۔ ھمع الھوامع مع شرح جمع الجوامع شرح ابیات مکمل، شرح مفصل شرح ابیات فوائد ضیائیہ۔

معانی وبیان وبدیع: مفتاح العلوم سکاکی۔ تلخیص وشروح: مطول اطول، مختصر حاشیہ سید شریف وچلپی۔ مولانا سیرافی بر مطول حاشیہ فاضل خطابی، مولا زادہ، عبدالعزیز یزدی میرزا جان بر مختصر، شرح ابیات شواہد مطول ومختصر حاشیہ سید شریف بحاشیہ فاضل خطابی۔

سلوک ومعارف: احیاء العلوم، کیمیائے سعادت، مختصر احیاء، مجالس غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی، عوارف المعارف، مفتاح الھدایہ، مکتوبات شیخ احمد سرہندی ملقب بہ مجدد الف ثانی، مکتوبات خواجہ محمد معصوم۔ سبع سنابل میر واحد بلگرامی شرفۃ الاسلام، انفاس الخواص شیخ محب اللہ الہ آبادی۔ فصوص الحکم وشروح آن لطائف علمیہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا علی اصغر قنوجی۔ لوائح شرح رباعیات مولانا جامی، مثنوی مولانا روم، بوستان سعدی اور اکی شروح۔ ذخیرۃ الملوک سید علی ہمدانی۔

کتب تاریخ: تاریخ ابن خلکان، تاریخ امام یافعی، تاریخ الخلفاء سیوطی، حبیب السیر روضۃ الصفاء، تاریخ الفی، نفحات الانس، رشحات، نسمات، مرآۃ الاسرار، سیرۃ الاقطاب، فواتح الاولیاء، کشف الظنون، منازل اثنا عشر مولانا عبدالباسط قنوجی، تاریخ محمدی، از میر احمد بن رستم بدخشی۔

کتب متفرقہ: سوائے ما تقدم، ورسائل شتی جیسے ترجمۂ انجیل، مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات، شرح درر التقریب تالیف مؤلف، شرح قصیدہ بانت سعاد، شرح قصیدۂ بردہ شرح مقامات حریری علامہ میوانی، شرح دیوان امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ حسین میبذی، شرح دیوان متنبی، شرح حماسہ، شرح دیوان ابن الفارض، شرح نقایہ سیوطی براھین ساباطانیہ کاتب چلپی، سبحۃ المرجان فی آثار ھندستان مولانا آزاد بلگرامی، تحفۂ اثنا عشریہ مولانا عبدالعزیز محدث دہلوی۔ نفحۃ الیمن شیخ احمد شروانی، فوائد شرحیہ رسالہ شیخ زین (ورق الف با ۳۲۸ والف ۳۲۹ ج ۳)

●●

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جناب سعود عالم قاسمی
ناظم دینیات
مسلم یونیورسٹی، علیگڑھ

مولانا ولی اللہ فرنگی محلی کی تفسیر

معدن الجواھر

ہندستان میں عربی، فارسی، اردو اور دیگر زبانوں میں جو تفسیری خدمات انجام دی گئیں ان پر انکے عہد کا اور کم از کم انکے مصنف کے فکری و عملی رجحان کا عکس بھی پایا جاتا ہے۔ گو کہ مفسرین کا مقصد آیاتِ قرآنی کی وضاحت اور تشریح و تطبیق ہے۔ مگر یہ وضاحت وہ اپنے زاویہ نظر کے تحت ہی کرتے ہیں اور اس زاویہ نظر کو بنانے میں فکری و عملی اور اقتصادی رجحانات اور حالات کا بھی دخل ہوتا ہے۔ یہ رجحانات کبھی تو قرآن کریم کی روح سے ہم آہنگ ہوتے ہیں اور کبھی اس سے مختلف بھی، چنانچہ مختلف ادوار میں ہندستان میں جو تفسیریں لکھی گئیں ان کو بھی ہم اس کلیہ سے الگ نہیں کر سکتے۔ ان میں سے بیشتر تفاسیر تو وہ ہیں جن کو تفسیر بالماثور کے ضمن میں رکھا جا سکتا ہے اور بعض وہ ہیں جو تفسیر القرآن کے نقطہ نظر سے لکھی گئیں ہیں یعنی قرآن کی تشریح خود قرآنی آیات سے، اس کی مثال مولانا ثناء اللہ امرتسری کی تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن ہے۔ بعض تفسیریں وہ ہیں جو فقہی رجحان کی نمائندگی کرتی ہیں اس کی مثال شیخ کلیم اللہ جہان آبادی — کی قرآن القرآن اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی تفسیر مظہری ہے۔ بعض تفسیروں پر تصوف و سلوک اور طریقت کا رنگ غالب ہے۔ اس کی نمائندہ تفسیر محمد بن احمد شریحی تھانیسری — کی کاشف الحقائق وقاموس الدقائق اور شیخ نظام الدین تھانیسری کی ۱۰۳۶ھ کی تفسیر نظامی ہے۔ بعض تفسیریں کلامی انداز پر مرتب کی گئیں ہیں۔ اس رجحان کی نمائندہ تفسیر ابوالمنصور محمد ناصر الدین کی تجمیل التنزیل ہے۔ بعض تفسیریں ان روایات کو سامنے رکھ کر لکھی گئیں جو اہل بیت سے مروی ہیں۔ اس کی نمائندہ تفسیر ابوالمجد محبوب عالم گجراتی کی تفسیر ہے۔ بعض تفسیریں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں لکھی گئیں۔ اس کی نمائندہ تفسیر ملا معین الدین کی تفسیر سیرت النبی اور حاجی عبدالوہاب خلجی ۹۳۲ھ کی تفسیر ہے۔ بعض تفسیریں قرآن کے نظم و ربط کے پیش نظر مرتب کی گئیں اس کی نمائندہ تفسیر شیخ علاء الدین علی مہائمی ۸۳۵ھ کی تبصیر الرحمٰن و تیسیر المنان ہے۔ بعض تفسیریں طلاقت لسانی اور زبان دانی کے نقطہ نظر سے صنعت اہمال میں لکھی گئیں اس کی نمائندہ تفسیر فیضی کی سواطع الالہام ہے۔ بعض تفسیریں گروہی

www.KitaboSunnat..

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور مسلکی خدمت کے لیے لکھی گئیں اس کی نمائندہ تفسیر منبع الصادقین، خلاصۃ المنبع اور تفسیر علی رضا ہیں بعض تفسیریں کسی اہم تفسیر کا خلاصہ اور انتخاب کے بطور مرتب کی گئیں اس کی مثال محمد بن احمد خواجگی کی تفسیر، خواجہ حسین ناگوری کی تفسیر بحر المعانی اور خواجہ محمد معصوم کے حکم سے مرتب کی گئی تفسیر لب الفوائد ہیں بعض تفسیریں وہ بھی ہیں جن میں ان میں سے بیشتر رجحانات کی نمائندگی کی گئی ہے۔ اور بعض تفسیریں نثر کے بجائے نظم میں لکھی گئیں اس کی مثال سید محمد نور بخش م ۸۶۹ھ کی منظوم تفسیر ہے۔ عہد سلطنت میں قدیم تفاسیر کی مدد سے ایک نئی تفسیر رقم کرنے کا رجحان بھی عام تھا۔ اس سلسلہ میں آٹھویں صدی ہجری میں فیروز شاہ تغلق کے وزیر امیر تاتار خاں کے ایما سے علماء کی ایک ٹیم نے ایک ضخیم تفسیر مرتب کی جو اہم تفاسیر کا خلاصہ تھی۔ یہ تفسیر تاتار خانی کے نام سے موسوم ہے، صفی بن ولی قزوینی نے اورنگ زیب عالمگیر کی صاحب زادی زیب النساء بیگم کی فرمائش پہ زیب التفاسیر مرتب کی یہ تفسیر، مفاتیح الغیب، الکشاف، بیضاوی، بحر مواج اور تفسیر نیشاپوری کا خلاصہ ہے۔ قاضی عبدالوہاب گجراتی نے زبدۃ التفاسیر للقدماء والمتاہیر، کے نام سے قابل ذکر تفاسیر کا انتخاب مرتب کیا اسی نوعیت کی فارسی زبان میں آخری مفصل تفسیر معدن الجواہر ہے۔ اس کے مصنف ملا حبیب اللہ انصاری فرنگی محلی م ۱۲۰۷ھ ہیں اس میں بیشتر اہم تفاسیر کا خلاصہ اور انتخاب جمع کیا گیا ہے اور تفسیری رجحانات کی نمائندگی کی گئی ہے۔ ضخامت و جامعیت انداز گفتگو اور نکات بحث کے لحاظ سے ہندستان کے فارسی ذخیرہ تفاسیر میں یہ گراں قدر اہمیت کی حامل ہے۔

مصنف کے حالات: مصنف مولانا ولی اللہ بن حبیب اللہ انصاری ۱۱۸۲ھ مطابق ۱۷۶۹ء کو فرنگی محل میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ملا حبیب اللہ خود بھی عالم دین تھے اور اپنے بڑے بھائی بحر العلوم ملا مبین سے استفادہ کیا تھا۔ معقول ذریعہ آمدنی میسر نہ ہونے کی وجہ سے میر سعد الدین خاں رسالہ دار ملازم شجاع الدولہ کی فوج میں شامل ہو کر گورکھپور چلے گئے تھے۔ والد کی غیر موجودگی میں ولی اللہ کی تعلیم و تربیت کا مناسب انتظام نہ ہو سکا جن اساتذہ کو ان کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری سونپی گئی وہ کثرت تلامذہ کی وجہ سے ان کی طرف کم ہی توجہ دیا کرتے تھے۔ والدہ ان کی تعلیم کی طرف سے خاص طور پر فکر مند تھیں۔ یہاں تک کہ وہ ان کو ساتھ لیکر اپنے والد مفتی محمد یعقوب فرنگی محلی م ۱۱۷۳ھ کے گھر لکھنؤ چلی گئیں۔ وہاں ولی اللہ نے اپنے بڑے ماموں ملا عبدالقدوس سے ہدایت النحو تک تعلیم حاصل کی۔ جب ملا حبیب اللہ گورکھپور سے لوٹ کر آئے تو بیوی بچے کو اپنے گھر کے بجائے سسرال میں پایا اس سے وہ کبیدہ خاطر ہوئے مگر جب ان کے سامنے صورت حال رکھی گئی تو خود بھی لکھنؤ میں ٹھہرنے کا فیصلہ کر لیا اب وہ دوبارہ فوج میں نہیں گئے، اور ولی اللہ کی تعلیم و تربیت کے لیے یکسو ہو گئے۔ بعد میں میر سعد الدین خاں قندھاری کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کوششوں سے موضع پارہ کی جاگیر بطور معافی ان کو دے دی گئی جو گذر بسر کی حد تک ہی کافی تھی، اور انہوں نے اس پر اکتفا کر لیا پھر کسی دربار سے وابستہ نہیں ہوئے۔ مولانا ولی اللہ نے یہ حالات اپنی کتاب اغصان اربعہ میں لکھے ہیں۔

تذکرہ علمائے فرنگی محل کے مؤلف نے اتنا اور اضافہ کیا ہے کہ مولانا ولی اللہ نے ابتدائی تعلیم اپنے خالو مفتی ظہور اللہ سے حاصل کی[۲] مولانا ولی اللہ کا بیان ہے کہ "میں نے مختصرات درس اپنے والد ماجد سے پڑھے، اور شرح جامی سے لیکر مسلم الثبوت تک اپنے چچا ملا محمد مبین م ۱۲۲۵ھ سے پڑھا۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد ایک عرصہ تک تکمیل میں کوشاں رہا، متقدمین کی تصانیف کے مطالعہ میں بیشتر وقت صرف کرتا اور متاخرین کے اقوال کی تحقیق میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتا ایک عمر درس و تدریس میں بسر کی اور ایک زمانہ تصنیف و تالیف میں گذارا، بہت پریشانیاں دیکھیں مگر حفظ و حمایت الٰہی کو سب پر غالب پایا "[۳]

مولانا ولی اللہ نے بالترتیب تین شادیاں کیں ان سے دو صاحب زادیاں اور تین صاحب زادے تولد ہوئے مولانا نے اٹھاسی سال کی عمر میں ۱۲۷۰ھ میں وفات پائی[۴]

مولانا ولی اللہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے پہلے درس و تدریس کی ذمہ داری سنبھالی اور ایک عرصہ تک جو تقریباً نصف صدی پر محیط ہے تدریسی خدمات انجام دیں۔ ان کے شاگردوں کا سلسلہ بہت وسیع ہے ان کے ایک معاصر عالم شمس العلماء مولانا محمد نعیم فرنگی محلی م ۱۲۹۰ھ نے علماء فرنگی محل کے شاگردوں کی جو فہرست لکھی ہے اس کے مطابق مولانا ولی اللہ کے تلامذہ کی تعداد تریسٹھ تک پہونچتی ہے[۵] ان میں اہل سنت اور اہل تشیع دونوں شامل ہیں۔ مولانا عبدالحی[۶] نے نزہۃ الخواطر میں مولانا ولی اللہ کی تدریسی خدمات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

وبذل جهده في التدريس حتى انتهت اليه الرياسة العلمية بمدينة لكهنو وانتفع به خلق كثير[۷]

وہ درس و تدریس میں اس طرح منہمک ہوئے کہ شہر لکھنؤ کی علمی سرداری ان پر تمام ہوئی اور مخلوق کی بڑی تعداد نے ان سے استفادہ کیا۔

مولانا ولی اللہ نے تصنیف و تالیف کا آغاز عہد جوانی میں کیا۔ گویا تدریس کے ساتھ وہ وقت نکال کر تصنیف و تالیف میں بھی مشغول رہے۔ رسالہ اینغاطات ان کے عہد جوانی کی تصنیف ہے۔ تذکرہ علماء فرنگی محل کے مصنف نے اس رسالہ کی تاریخ آغاز ۱۲۰۵ھ لکھی ہے[۸]۔ آخر عمر میں مولانا تدریس سے دست بردار ہو کر تصنیف و تالیف کے لیے یکسو ہو گئے تھے۔ ان کی تالیفات کا میدان تفسیر، فقہ، عقائد، اور منطق و فلسفہ ہے۔ ان کی تصانیف میں بیشتر شروح و حواشی اور بعض مستقل تصانیف ہیں۔ فہرست تصانیف حسب ذیل ہے۔

غیر مطبوعہ: (۱) حاشیہ میر زاہد (۲) حاشیہ میر زاہد (ملا جلال) (۳) رسالہ اینغاطات در بحث علم

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(٤) شرح رسالہ ایقاظات (٥) شرح سلم العلوم (٦) رسالہ در بحث کلامی ہذا کاذب
(٧) حاشیہ شرح ہدایۃ الحکمۃ (٨) حاشیہ بر حاشیہ کمال شرح عقائد (٩) حاشیہ علی عروۃ الوثقی
(١٠) حاشیہ بر میر زاہد شرح مواقف (١١) نفائس الملکوت شرح مسلم الثبوت (١٢) حاشیہ بر ہدایہ (چار جلدیں)
(١٣) عمدۃ الوسائل للنجاۃ (١٤) مرآۃ المومنین فی مناقب آل سید المرسلین (١٥) الکشف الاسرار فی خصائص سید الابرار
(١٦) اداب السلاطین (١٧) شرح غایۃ العلوم (١٨) شرح معارج العلوم
(١٩) تذکرۃ المیزان (٢٠) تکملہ شرح مسلم از ملا عبد الحق (٢١) تکملہ شرح سلم از ملا حسن

مطبوعہ: (١) معدن الجواہر (سات جلدیں) (٢) التنبیہات فی بحث تشکیک الماہیات (٣) اغصان اربعہ

ان کے علاوہ بھی کچھ تصانیف تھیں جو ان کے وارثوں کی بے احتیاطی کے سبب ضائع ہو گئیں[٨]

مولانا کی ان تصانیف کی اہل علم کی نظر میں کیا قدر و قیمت ہے اس کا اندازہ مولانا شاہ سلیمان پھلواروی کے اس بیان سے لگایا جا سکتا ہے۔ وہ کہتے ہیں "استاد معظم یعنی مولانا عبد الحیؒ علمائے فرنگی محل میں سب سے زیادہ مولانا ولی اللہ کی کتب کا مطالعہ فرماتے اور سب سے زیادہ ان کی تعریف میں کلمات ارشاد فرماتے"[٩] مذکورہ تالیفات میں تفسیر معدن الجواہر سب سے زیادہ ضخیم، وسیع اور جامع ہے اس میں مصنف کی علمی قابلیت اور مختلف علوم و فنون پر ان کی دسترس کا ثبوت ملتا ہے۔ یوں تو فقہی و منطقی خدمات کی بدولت ہندستان میں علماء فرنگی محل کا نام ہمیشہ عزت و احترام کا مستحق رہے گا لیکن قرآن کریم کی تفسیر لکھ کر مولانا ولی اللہ نے علماء فرنگی محل کے وقار و اعتبار کو بہت بلند کر دیا۔ مفتی محمد عنایت اللہ انصاری فرنگی محلی کے بقول "فرنگی محل میں آپ پہلے وہ عالم ہیں جس نے تفسیر قرآن مجید تحریر فرمائی، آپ سے قبل اور آپ کے بعد کسی نے قرآن کی خدمت اس قدر نہیں کی جس قدر آپ نے کی"[١٠]

معدن الجواہر: معدن الجواہر فارسی زبان میں اپنی نوعیت کی منفرد، مفصل، مطول اور جامع تفسیر ہے۔ یہ ہنوز مخطوطہ ہے مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی کے شعبہ مخطوطات کی زینت ہے۔ یہ تفسیر جہازی سائز کے اوراق پر سات جلدوں میں ہے۔ ہر ورق کے حوض میں تیئس[٢٣] سطریں ہیں، حواشی اس کے علاوہ ہیں اس مخطوطہ کی کتابت کسی اور نے کی ہے جبکہ تصحیح، نظر ثانی اور حواشی مصنف کے قلم سے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مصنف کو پوری تفسیر کی تصحیح اور نظر ثانی کرنے کا موقع نہیں ملا، اس وجہ سے بعض جلدوں میں کاٹ چھانٹ اور ترمیم و اضافہ تو بہت ہے اور بعض جلدیں سبقت قلم کے باوجود علی حالہ ہیں۔ تفسیر کی عبارت سیاہ حروف میں اور آیات و سورہ سرخ علامتی حروف میں رقم کی گئی ہیں تفصیل اس طرح ہے:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جلد اول: مقدمہ (اوراق ۲۶۹) جلد دوم (حصہ اول، دوم): از سورۃ الفاتحہ تا المائدہ (اوراق ۴۱۱ - ۳۱۸) جلد سوم: از سورۃ الانعام تا الکہف (اوراق ۴۸۲) جلد چہارم: از سورۃ مریم تا صافات (اوراق ۴۱۵) جلد پنجم: از سورۃ ص تا الحدید (اوراق ۴۱۳) جلد ششم: از سورۃ المجادلہ تا الناس (اوراق ۲۲۵)

چار ہزار چھ سو چھیاسی صفحات پر مشتمل اس ضخیم تفسیر کی تالیف میں مؤلف نے کتنا وقت صرف کیا ہوگا اس کی کوئی وضاحت نہیں ملتی، البتہ اس تفسیر کی تکمیل ۱۲۴۰ھ میں ہوئی ہے جیسا کہ مصنف نے لکھا ہے ، "والحمد للہ علی اتمام ھذا المرام واختتام تفسیر القرآن المعجز من کلام رب العالمین وکان ذالک یوم الاحد لیالی من شھر رجب سنۃ الف ومائتین واربعین من ھجرۃ سید المرسلین"[۱]

گویا مصنف کی وفات سے تقریباً تیس سال قبل یہ تفسیر مکمل ہو چکی تھی۔ اس زمانہ میں مصنف پر تدریسی ذمہ داریاں بھی تھیں، اگر ان کی اس ذمہ داری اور دیگر مشاغل کو پیش نظر رکھا جائے تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کم از کم سات آٹھ سال قبل ضرور اس تفسیر کا آغاز کیا گیا ہوگا۔ اس خیال کو اس بات سے بھی تقویت ملتی ہے کہ مصنف نے اس تفسیر کو لکھنے کے سلسلے میں دو محرکات کا ذکر کیا ہے۔ ایک تو مہدی علی خاں بہادر سپہ دار جنگ کی خواہش وامرار جن کو علوم وفنون خاص طور پر قرآن کی تفسیر کی معرفت کا بڑا شوق تھا دوسرے کچھ طلباء کی درخواست جو قرآن مجید پڑھتے تھے اور بعض مقامات پر ان کو دشواری پیش آتی تھی وہ ان کی تسہیل وتفہیم چاہتے تھے بقول مصنف "وتمم الحاجۃ علی تفسیر موضح لذالک مع بسط غیر ممل وایجاز غیر مخل باللسان الفارسیۃ فیکون عام النفع واتم الفائدہ"[۲] یہی وجہ ہے کہ اس تفسیر کی تالیف قرآنی ترتیب کے لحاظ سے نہیں لکھی گئی بلکہ طالب علم کی درسی ضرورت کے اعتبار سے کی گئی، چونکہ طالب علم کے درس میں اس وقت سورۃ ابراہیم تھی اس لیے مصنف نے اسی سورۃ سے تفسیر کا آغاز کیا اور الناس تک کی تفسیر مکمل کی۔ پھر سورۃ یونس کی تفسیر لکھی اور اس کے بعد سورہ الفاتحہ سے بقیہ سورتوں کی تفسیر لکھی یہاں تک کہ پورے قرآن کی تفسیر مکمل ہوئی۔

معدن الجواہر کا ماخذ: اس ضخیم تفسیر کو لکھتے وقت مصنف نے قرآن وحدیث کے ذاتی علم کے ساتھ ہر مکتبۂ فکر کے علماء کی تفاسیر کو سامنے رکھا اور دستیاب شدہ ہر قابل ذکر تفسیر سے استفادہ کیا۔ ان میں بعض تفاسیر کا مصنف نے تفسیر کے مقدمہ میں تذکرہ کیا ہے۔ اور بعض دوسری تفاسیر کے حوالے اور اقتباسات آیات وسور کی تفسیر میں جا بجا ملتے ہیں۔ علماء احناف کی تفسیروں میں عبداللہ بن احمد محمود نسفی کی مدارک التنزیل، علامہ سلیمان زاہدی کی تفسیر زاہدی، کمال الدین واعظ کاشفی کی تفسیر حسینی (المواہب العلیہ) اور شاہجہاں آباد کے علماء کی تفسیر میں بھی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سامنے رکھیں۔ علمائے شوافع میں امام فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر (مفاتیح الغیب) علامہ حافظ محمد حسین بغوی کی معالم التنزیل اور علامہ ثعلبی کی انوار التنزیل سے استفادہ کیا۔ علمائے اہل تشیع میں علامہ طبرسی کی مجمع البیان۔ فتح اللہ بن شکر اللہ کاشانی کی منہج الصادقین کا خلاصہ۔ اور دوسری تفاسیر پیش نظر رہیں۔ ان کے علاوہ علامہ ابن جریر طبری کی تفسیر القرآن، جار اللہ زمخشری کی الکشاف عن حقائق التنزیل، ابو بکر محمد بن عبد اللہ کی احکام القرآن، اور خواجہ عبد اللہ انصاری کی کشف الاسرار وعدۃ الابرار[۱۳] اور بحر الحقائق[۱۴] کے حوالے اور اقتباسات ملتے ہیں۔ مذکورہ تفاسیر کے علاوہ تاریخ، فقہ، تصوف اور کلام کی کتابوں کے حوالے بھی موجود ہیں۔ مصنف نے ان تفاسیر کو غالباً اس لیے بھی پیش نظر رکھا ہے کہ آیات کے مفہوم کی وسعت اور جامعیت کا اندازہ ہو سکے، مختلف مکاتب فکر کے رجحانات کی نمائندگی اور نشاندہی کی جا سکے اور ان میں سے بہتر قول کو ترجیح دی جا سکے۔ چنانچہ مصنف نے پوری تفسیر میں مذکورہ کتابوں کے اقوال و اقتباسات طویل اور مختصر نقل کیے ہیں اور حسب ضرورت ان پر تنقید بھی کیا ہے۔ درحقیقت معدن الجواہر مذکورہ تفاسیر کا خلاصہ اور نچوڑ ہے، بلکہ اسے حسن انتخاب کہنا چاہیے۔ چنانچہ مصنف لکھتے ہیں:

"و ایں کمترین خوشہ چینیان علمائے کرام ایں ثمرا ذخیرۃ الآخرہ خواستہ انتخاب از تفاسیر چند نمودہ تفسیری در عبارت فارسی کہ مفید خاص وعام باشد تالیف دادہ و نام ایں معدن الجواہر نہادہ و تا مقدور در اہتمام الفاظ و معانی او کوشیدم"[۱۵]

اس تفسیر کی پہلی جلد جو ناقص الآخر ہونے کے باوجود ۷۵ اوراق پر مشتمل ہے، تفسیر معدن الجواہر کا مقدمہ ہے۔ اس میں سوال تفسیر علوم القرآن، غرائب القرآن، اعجاز القرآن، امثال القرآن، معرفت ناسخ و منسوخ، آداب تلاوت، معانی القرآن، قصص القرآن، معرفت قرأت، اور طبقات مفسرین وغیرہ پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ مقدمہ کے آخر میں احادیث رسولﷺ کی روشنی میں سورتوں کے فضائل اور اسباب نزول بھی مختصراً بیان کیے گئے ہیں تاکہ مطالعہ تفسیر کے دوران ان کو قاری متعلقہ سورتوں تطبیق دیتا چلا جائے۔ اس سے سورت کا مفہوم اور مرکزی مضمون کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

اس طویل مقدمہ میں مصنف نے اپنی طرف سے نئے مباحث نہیں چھیڑے ہیں نہ نئے گوشوں کا اضافہ کیا ہے اور نہ ہی کسی نئی ترتیب و اسلوب سے اسے مرتب کیا ہے بلکہ علامہ جلال الدین سیوطی کی کتاب الاتقان فی علوم القرآن کا ترجمہ فارسی میں کر دیا ہے اور جہاں ضرورت محسوس کی ہے تقدیم و تاخیر اور تلخیص و اضافہ سے کام لیا ہے۔ مصنف نے مقدمہ کے آغاز اور اختتام پر اس کا اعتراف بھی کیا ہے۔

"واخذت ذالک من کتاب الاتقان فی علوم القرآن للعلامہ جلال الدین

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سیوطی ... لانہ بذل الجھد فی استخراج تلک العلوم والقواعد من کتب القوم التی لا تیسر فی بلادنا ھذہ" ؎

اگرچہ مقدمہ مؤلف کی فکری کاوشوں کا نتیجہ نہیں ہے تاہم اتقان کو فارسی میں منتقل کر دینا بھی ایک قابل قدر خدمت ہے کیونکہ ہمارے علم کی حد تک اس سے پہلے ہندستان کے کسی عالم نے اس مفید کتاب کا فارسی میں ترجمہ کرنے کی ضرورت نہیں محسوس کی تھی، اور نہ اس موضوع پر اس قدر مفصل کوئی طبع زاد کتاب لکھی گئی۔ البتہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ نے ایک مختصر اور جامع کتاب اتقان ہی کی روشنی میں الفوز الکبیر کے نام سے لکھی جو ہندوپاک کے مدارس دینیہ میں جلالین کے ساتھ پڑھائی جاتی ہے۔

خصوصیات تفسیر : اس مفصل و مکمل تفسیر میں جن باتوں کی رعایت کی گئی ہے مصنف کے الفاظ میں یہ ہیں :

"جامعا لانواع لطائف ھذا العلم، حاویا بالاوصاف ... مما لابد فی معرفۃ القرأۃ والاعراب واللغات والمعضلات والمعانی والجہات واسباب النزول والاخبار والقصص، والآثار والحدود والاحکام والحلال والحرام ... والاختلاف بین الفریقین مائلا عن التعصب والاعتساف معرضا عن البغض والعناد مع اطالۃ للکلام فی توضیح الکلام" ؎

مصنف کا انداز تفسیر تفصیلی اور تجزیاتی ہے اور اسلوب کلامی اور استدلالی ہے۔ وہ ہر آیت بلکہ آیت کے ہر جزو کی تفسیر متعدد وجوہ سے کرتے ہیں۔ آیات کے مختلف پہلوؤں کو موضوع بحث بناکر بالترتیب ان پر گفتگو کرتے۔ پہلے احادیث و آثار اور پھر مفسرین کے اقوال نقل کرتے ہیں۔ اکثر و بیشتر ان اقوال کو بلا ترجیح و تطبیق جمع کرتے ہیں، غالباً ان کا منشا یہ ہوتا ہے کہ آیت کی جامعیت دیکھی جاتے مثلاً سورۃ الکوثر میں کوثر کی تفسیر میں مصنف نے بہت سے اقوال نقل کیے ہیں اور آخر میں لکھا ہے " ولفظ محتمل این ہمہ است " ؎ کبھی کبھی ان اقوال میں ترجیح و تطبیق بھی دیتے ہیں جیسا کہ " ھن ام الکتاب واخر متشابھات " کی تفسیر میں حسب ضرورت ان پر نقد کرتے ہیں، اور اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ نحوی و صرفی اور لغوی بحث کے ساتھ فقہی اور کلامی مسائل کو بھی زیر بحث لاتے ہیں مثال و مثل بہ میں مطابقت کو ظاہر کرتے ہیں پھر اس تفسیر پر جو اعتراضات ہو سکتے ہیں ان کو نقل کرکے جواب دیتے ہیں۔ مختلف مکاتب فکر کی آرا اور نقاط نظر کو سامنے لاتے ہیں اور ان کی وضاحت و تصحیح بھی کرتے ہیں۔ اگر کسی آیت کے سلسلہ میں تفصیلی بحث کی ضرورت محسوس کرتے ہیں تو ناگزیر گفتگو کرکے مصادر و مراجع کا حوالہ دیکر ان سے مطالعہ کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سفارش کرتے ہیں۔ امام رازی کی تفسیر مفاتیح الغیب کے بارے میں مؤلف کی رائے عام علماء سے مختلف نہیں ہے وہ بھی یہ سمجھتے ہیں کہ اس تفسیر میں غیر ضروری مباحث بھی درج کر دیئے گئے ہیں، اس کے باوجود وہ عام طور پر مفاتیح الغیب کا حوالہ دیتے اور طویل اقتباسات نقل کرتے ہیں مثلاً سورۃ البقرہ کی ابتدائی آیات کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

"واین مجموع اقوال مردم است در مسمّا ایمان در عرف شرع و استدلال بر یک در کتب کلامیہ مذکور است و بعضی ازاں در مفاتیح الغیب مبسوط، اگر خواہی بآں رجوع کن و ایں در تفسیر آیت قدر مذکور کافی است۔" ۱۹

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"تفصیل ادلہ اصحاب مذاہب ثلثہ چہ از کتاب و چہ از سنت با قدح بر یکے ازاں در مفاتیح الغیب مبسوط است و ایں مختصر ترین قدر و اکتفا مناسب دانستہ و تفصیل حوالہ مفاتیح الغیب نمودہ تا موجب املال خاطر طالبان نگردد۔" ۲۰

تفسیر سورۃ فاتحہ: مؤلف نے سورۃ الفاتحہ کی تفسیر بڑے شرح و بسط کے ساتھ کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ سورہ فاتحہ تمام آسمانی صحیفوں کا خلاصہ ہے۔ اس طرح کہ سورہ فاتحہ ام الکتاب یعنی اصل اور جوہر قرآن ہے اور قرآن آسمانی صحیفوں کا خلاصہ ہے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے بعض روایت سے بھی استشہاد کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

"چوں از قرآن چند چیز مقصود است (۱) الٰہیات (۲) معاد (۳) نبوت (۴) خلافت... ایں سورہ بر جملہا مشتمل است، پس ام القرآن و اصل آں باشد زیرا کہ قول الحمد للہ رب العالمین الرحمن الرحیم، دلالت می کند بر الٰہیات۔ و قول او مالک یوم الدین دلالت می کند بر معاد و قول او ایاک نعبد وایاک نستعین دلالت می کند بر قدرت و نفی جبر بندہ و بر آنکہ انسان فی الجملہ فاعل مختار می باشد و قول او اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین دلالت می کند بر اشارت قضا و قدر و بر نبوت و خلافت پس چوں مطالب قرآن ایں مطالب چہارگانہ اند و ایں سورۃ بر آں ہمہ مشتمل است

اجتہادی رنگ: لقب کردہ شد بام القرآن ۲۱

مصنف نے اس سورہ کو ام القرآن قرار دئے جانے کی پانچ توجیہیں کی ہیں اور ہر توجیہ کو دلائل و نظائر سے مکمل کیا ہے۔

سورہ آل عمران کی آیت "اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم" میں اولی الامر کی تفسیر میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مصنف نے مفسرین کی آرا تفصیل سے نقل کی ہے اور پھر اپنا نقطہ نظر بیان کیا ہے۔ یہ نقطہ نظر عام مفسروں سے ممتاز بھی ہے اور روح قرآن کے مطابق بھی وہ لکھتے ہیں:

"میگویم کہ ایں معصوم یا مجموع امت است یا بعض امت و معرفت عصمت بعض از احاد امت دشوار پس معلوم شد معصومیکہ امر کرد خدائے تعالیٰ مومنان را با طاعت بعض از ابعاض امت نیست بلکہ مجموع امت است، و ہمیں است مراد از اجماع امت پس ہر کہ امت اجماع کردہ بر امامت او مفروض الطاعت است۔" [22]

اس پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ کسی ایک آدمی پر امت کا اجماع ممکن نہیں تو پھر آیت میں ان کی اطاعت کی قطعیت کس طرح ثابت ہو سکتی ہے مؤلف نے اس کا جواب یہ دیا ہے:

"مراد از اجماع امت اجماع اہل حل و عقد است کہ علماء و صلحا باشند نہ عوام الناس۔" [23]

اس کا مطلب یہ کہ اولی الامر کے حقیقی مصداق "اجماع امت" ہے نہ کہ فرد واحد خواہ وہ عالم ہو یا حکمران یہ اجماع اگر شخص کو اپنا قائد تسلیم کرے تو وہ اولی الامر ہے ورنہ نہیں اور اجماع عوام کا معتبر نہیں بلکہ علماء اور صلحا کا ہے۔

صوفی رجحان: چونکہ مصنف کا رجحان سلوک و تصوف کی طرف بھی ہے اس لیے تفسیر میں اس کا انعکاس پایا جاتا ہے۔ مؤلف مولانا انوار الحق سے بیعت تھے اور ان سے غیر معمولی عقیدت رکھتے تھے۔ اغصان اربعہ انہی کے شجرہ سے متعلق ہے۔

مؤلف نے سورہ آل عمران کی آخری آیت "یا ایھا الذین آمنوا اصبروا و صابروا و رابطوا" کے تحت مفسرین کے اقوال نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

"ایں ہمہ قیل و قال در تفسیر ایں آیت بر طبق اقوال ارباب ظواہر از علماء تفسیر است واما آنچہ ارباب اسرار و تحقیق گویند معنی آنست کہ صبر کنید بر رواں کردن حکم او بہ طاعت، و مصابرت کنید بہ بلائی خود با قدائے سبحانہ و آمادہ باشید باسرار خود۔" [24]

ان مقامات پر جہاں صوفی رجحانات کی نمائندگی کی گئی ہے تصوف کی بعض تاریخی شخصیات مثلاً امام جعفر صادق، جنید بغدادی، حارث، سلمی، ابو القاسم قشیری اور دیگر عارفوں سے ملفوظات بھی نقل کیے گئے ہیں۔ اور تصوف کی بعض کتابوں کے حوالے دیتے گئے ہیں۔

کلامی رجحان: پھر چونکہ مصنف کا خاص میدان منطق و فلسفہ ہے اس لیے انداز تفسیر میں اس کا رنگ بھی جھلکتا ہے۔ چنانچہ سورہ آل عمران کی آیت "ویتفکرون فی خلق السموٰت والارض" کی تشریح کے ضمن میں رقم طراز ہیں:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"تفکر در خلق روا باشد و در خالق ممنوع و حرام زیرا کہ تصور بکنہ حقیقت او محال است اسلوبیکہ باں میدانم او یعنی آنکہ از جوہر و عرض مرکب نیست بلاشبہ حقیقت او مغایر ایشاں است پس معرفت او معرفت حق نہ باشد۔"[25]

طبی بحث: اس تفسیر میں بعض مقامات پر علم الادویہ کی بحث بھی ملتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کو فن طب سے بھی مناسبت تھی اور اشیاء کے خواص اور منافع سے واقفیت حاصل تھی چنانچہ سورۃ التین کی تشریح میں لکھتے ہیں

"قسم میخورم با نجیر کہ بزرگترین میوہا است و نفع ظاہر و باطن اما نفع ظاہر از آں جملہ ملین طبع است و محلل بلغم، و مطہر کلیتین، و مزیل ریگ مثانہ و مفتح سدہ و طحال، و شحم بدن"[26]

مؤلف نے زیادہ تر مفسرین کے اقوال کا انتخاب اور تفسیروں کے اہم مباحث کے اقتباس جمع کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ اس سے وہ یہ نتیجہ اخذ کرنا چاہتے ہیں کہ آیات کی تفسیر میں ان تمام مفاہیم کی گنجائش ہے اور الفاظ قرآن ان سب کو شامل ہیں۔ اسی طرح مؤلف نے تفسیر کے علاوہ ترجمہ میں بھی مفسروں کے رجحان کو ملحوظ رکھا ہے

تطبیق و تنقید: معدن الجواہر میں مصنف نے صرف مفسرین کے اقوال و اقتباسات ہی نقل نہیں کیے ہیں بلکہ ان سے اختلاف اور ان پر نقد بھی کیا ہے۔ سورتوں کے فضائل کے سلسلہ میں ابی بن کعبؓ کے حوالہ سے جو روایتیں آتی ہیں ان میں سے اکثر ساقط الاعتبار ہیں۔ اس اصول کو رقم کرنے کے بعد الکشاف پر نقد کرتے ہوئے لکھا ہے:

"در فضل ایں ہر دو سورہ (معوذتین) زمخشری از رسول خدا آوردہ ہر کہ معوذتین را بخواند پس گویا خواندہ باشد جملہ کتابہائے را کہ خدائے تعالی بر پیغمبراں فرود آوردہ، نزد محققان موضوع و مفتری است"[27]

اسی طرح فضائل سور کی دوسری روایات کو بھی مصنف نے ساقط الاعتبار قرار دیا ہے جو الکشاف میں نقل کی گئیں ہیں۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مصنف نے دیگر تفاسیر کی موضوع روایات کی نشاندہی تو کی ہے مگر خود اس اصول پر اپنی تفسیر کو مرتب نہیں کر سکے ہیں۔ معدن الجواہر میں بعض غیر معتبر روایات بھی ملتی ہیں جن کو مؤلف نے کتب تفاسیر سے نقل کر دیا ہے مگر ان کی تخریج اور تحقیق کا ان کو موقع نہیں ملا۔ چنانچہ سورۃ النساء کی فضیلت میں مصنف نے ابی بن کعبؓ سے روایت نقل کی ہے۔ اسی طرح یہ روایت "من عرف نفسہ عرف ربہ" یہ بھی موضوع ہے اسے حضرت علی کا قول تو نقل کیا گیا ہے مگر حدیث نہیں۔ نیز یہ روایت بھی موضوع ہے کہ "مصنوعات الٰہی میں ایک لمحہ کا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غور و فکر چھ سو سال کی عبادت سے بہتر ہے [۲۸]

مصنف نے معتزلہ، شیعہ، خوارج اور دیگر فرقوں کے نکتہائے نظر سے بھی تعرض کیا ہے اور دیانت داری کے ساتھ ان کے دلائل کو بیان کیا ہے۔ اس سلسلہ میں کسی بخل اور تعصب سے کام نہیں لیا ہے بلکہ بعض مواقع پر تنقید کے ساتھ دفاع بھی کیا ہے۔ مثلاً چار سے زیادہ عورتوں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنا جمہور اہل سنت کے نزدیک حرام ہے۔ اہل تشیع کے بارے میں سمجھا جاتا ہے کہ وہ اس کے جواز کے قائل ہیں یہی بات علامہ زاہدی نے اپنی تفسیر میں لکھی ہے۔ مؤلف نے اس سے اختلاف کیا ہے اور علامہ زاہدی کے قول کی توجیہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ شاید اس سے مراد امامیہ کے علاوہ کوئی اور فرقہ ہے انہوں نے لکھا ہے:

"تجویز نہ و تنہ زن مذہب ہیچ از شیعہ امامیہ نیست بل ابن ابی لیلیٰ کہ از قدماء علماء اہل سنت است قائل بآں شدہ است۔" [۲۹]

سورۃ المائدہ کی آیت "وما اهل لغير الله به" کی تفسیر میں مؤلف نے بغیر نام لیے ہوئے شاہ ولی اللہؒ پر نقد کرتے ہوئے لکھا ہے:

"وآنچہ بعضے گویند آیت محمول است برہمہ آنچہ براو نام غیر خدائی گیرند از تصدق و ذبیحہ وغیر آں، آں مخالف قول جمہور است در آنکہ آیت مخصوص است بہ ذبیحہ، بہ حرمت ایں امور معلوم نمی شود زیرا کہ خریدن چیزے بنام غیر خواہ مردہ باشد خواہ زندہ نزد ہیچ عالمے از علماء حرام نیست و نہ نص شارع برآں وارد شدہ" [۳۰]

زمخشری نے الکشاف میں جن آیتوں کی تفسیر میں رجحان اعتزال کی نشاندگی کی ہے مصنف نے اس کی نشاندہی کی ہے اور اس پر نقد کیا ہے۔ مثلاً سورہ آل عمران کی آیت "فمن زحزح عن النار وادخل الجنة فقد فاز فوزا عظيما" کی تفسیر میں رویت باری تعالیٰ سے متعلق [۳۱]

معدن الجواہر میں خصوصیت کے ساتھ ربط آیات و نظم سور کا اہتمام کیا گیا ہے۔ ہر سورۃ کے مضمون و مطالب پر اجمالی روشنی ڈالنے کے ساتھ پچھلی سورۃ سے اس کا ربط و نظم دکھایا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مؤلف مفسرین کے اس طبقہ کی نمائندگی کرتے ہیں جو ربط و نظم کو قرآن فہمی کے سلسلہ میں ضروری قرار دیتے ہیں۔ قدیم علماء تفسیر میں اس موضوع پر علامہ ابو جعفر بن زبیر متوفی ... نے "البرہان فی مناسبۃ سورۃ القرآن" کے نام سے ایک کتاب لکھی، علامہ برہان الدین بقاعی نے "نظم الدرر فی تناسب الآی والسور" لکھی۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے بھی ایک رسالہ رقم کیا۔ امام رازی نے اپنی تفسیر مفاتیح الغیب میں اس پر خصوصی توجہ دی، شیخ ابوبکر نیشاپوری تو اس سلسلہ میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صدر نشین کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بقول سیوطی ان کے لیے منبر رکھا جاتا جس پر بیٹھ کر وہ آیتوں کی تفسیر کرتے اور بتاتے کہ فلاں آیت، فلاں آیت کے پہلو میں کیوں رکھی گئی اور فلاں سورہ کو فلاں سورہ کے ساتھ رکھنے میں کیا حکمت ہے۔"[۴۲]

ہندوستان میں بھی بہت سے مفسروں نے اس پر خاص توجہ دی ہے چنانچہ مخدوم علاء الدین علی مہائمی نے تبصیر الرحمان و تیسیر المنان میں، قاضی شہاب الدین دولت آبادی نے بحر مواج میں قاضی مبارک ناگوری نے منبع عیون المعانی میں، شاہ عبدالعزیز نے فتح العزیز میں اور مولانا ولی اللہ نے معدن الجواہر میں خاص طور پر اس کو پیش نظر رکھا ہے چنانچہ سورہ رعد اور سورہ یونس کے باہمی ربط پر مصنف نے اس طرح روشنی ڈالی ہے:

"چوں سورہ رعد را سبحانہ وتعالیٰ با ثبات رسالت و انزال ختم فرمود مناسب افتاد کہ شروع نماید دریں سورۃ بیان عرض از رسالت و کتاب۔"[۴۳]

اسی طرح سورہ بنی اسرائیل اور سورہ الکہف کے باہمی ربط پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"باید دانست کہ اللہ تعالیٰ سورہ بنی اسرائیل را بتحمید و توحید و ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم و قرآن ختم کردہ وابتدا کرد ایں سورہ را بتحمید و ذکر نبی و قرآن تا اول ایں سورہ بآخر آں سورہ متصل شود، اتصال جنس بجنس۔"[۴۴]

سورۃ کے اجمالی مضمون اور ربط آیات کے ضمن میں آل عمران کی آخری آیت کے سلسلہ میں لکھتے ہیں

"فظہر ان ھذہ الآیۃ التی ھی خاتمۃ لھذہ السورۃ مشتملۃ علی کنوز الحکم والاسرار الروحانیۃ وانھا علی اختصارھا کالمتمم لکل ما تقدم ذکرہ فی ھذہ السورۃ من علوم الاصول والفروع۔"[۴۵]

مولانا ولی اللہ کے بعد اردو مفسرین میں بھی متعدد عالموں نے اس مسئلہ کو اہمیت دی ہے خاص طور پر مولانا حمید الدین فراہی نے مقدمہ نظام القرآن میں اس کی ضرورت و افادیت کو محسوس کرایا ہے اور اسے مطالعہ قرآن کی راہ کا سنگ میل قرار دیا ہے۔ مولانا فراہی کے نہج پر ان کے شاگرد مولانا امین احسن اصلاحی نے تدبر قرآن تالیف کی ہے

معدن الجواہر میں اس طرح کے بہت سے پہلو ہیں جو موضوع بحث و نظر اور قابل استفادہ ہیں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس تفسیر میں مولانا کے عہد کے علمی، ثقافتی اور معاشرتی ماحول کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے اور مناسب مقامات پر آیات کا انطباق بھی خوبصورتی کے ساتھ کیا گیا ہے۔ ہم نے بطور مشتے نمونہ از خروارے محض چند اقتباسات اوپر اندراج کو پیش کر دیا ہے اہل ذوق اصل تفسیر کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ مگر چونکہ یہ تفسیر مخطوطہ ہے اسلیے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس سے استفادہ عام ممکن نہیں۔ موجودہ صورت میں اس کی اشاعت بھی مشکل معلوم ہوتی ہے یہاں تک کہ اس کی تصحیح، تعلیق اور تدوین (Editing) بھی کسی ایک مشغول آدمی کے لیے آسان نہیں۔ یہ ایک ٹیم ورک یعنی کئی لوگوں کے مل کر یا یکسو ہو کر کسی فرد کے کرنے کا کام ہے۔ اگر اس کی تصحیح کے ساتھ تلخیص ہو جائے تو افادیت میں اضافہ ہو سکتا ہے بلکہ اردو میں منتقل ہو جائے تو زیادہ اچھا ہے۔ مقدمہ کے اردو ترجمہ کی ضرورت الاتقان کے اردو ترجمہ کی موجودگی میں شاید پیش نہ آئے گی میرا خیال ہے کہ کوئی یونیورسٹی، لائبریری یا کوئی تحقیقی ادارہ اس تفسیر کو پروجیکٹ کے لیے منظور کر سکتا ہے۔

حواشی وحوالہ جات: (۱) اغصان اربعہ ص۲۴، مطبع کارنامہ فرنگی محل لکھنؤ (۲) مفتی محمد عنایت اللہ انصاری فرنگی محلی تذکرہ علمائے فرنگی محل ص۱۹۷ (۳) اغصان اربعہ ص۲۶ (۴) تذکرہ علمائے فرنگی محل ص۱۹۸، (۵) مفتی محمد رضا انصاری، مجلہ علوم الدین، ص۱۷۸، اے ایم یو علی گڑھ ۱۹۷۳ء (۶) نزہۃ الخواطر ۷/ ۵۲۷، (۷) تذکرہ علمائے فرنگی محل ص۱۹۸ (۸) نزہۃ الخواطر ۷/ ۵۲۷ تذکرہ علمائے فرنگی محل ص۱۹۹ مجلہ علوم الدین ص۱۷۶ (۹) تذکرہ علمائے فرنگی محل ص۱۹۸ (۱۰) ایضاً ص۱۹۷ (۱۱) معدن الجواہر جلد ششم ورق ۲۲۵ (۱۲) مقدمہ ص۳ (۱۳) اسی نام کی ایک فارسی تفسیر سعد الدین عمر التفتازانی سمرقندی نے ۷۹۲ھ میں بھی لکھی ہے کشف الظنون ۱/ ۴۴۷ (۱۴) مقدمہ معدن الجواہر ص۶۶۲، (۱۵) بحر الحقائق والمعانی ابو بکر عبداللہ بن محمد الاسدی مشہور بہ نجم الدین دایہ کی تفسیر ہے۔ کشف الظنون اول مادہ ب، (۱۶) مقدمہ ورق ۴، (۱۷) ایضاً ورق ۲۵۲ (۱۸) تفسیر الکوثر (۱۹) معدن الجواہر ۲/ ۵۲ (۲۰) ایضاً ۲/ ۳ (۲۱) ایضاً سورۃ الفاتحہ (۲۲) ایضاً ورق ۱۹۵ (۲۳) معدن الجواہر جلد دوم ورق ۱۹۵ (۲۴) ایضاً ورق ۱۲۹ (۲۵) ایضاً ۱۲۴ (۲۶) ایضاً ۶/ ۱۹۴ (۲۷) معدن الجواہر ۳/ ۲۲۱ (۲۸) ایضاً ۲/ ۱۲۳ (۲۹) ایضاً ۱۳۴ (۳۰) ایضاً ۳۲۳ (۳۱) مقدمہ معدن الجواہر ورق ص۲۲۵ (۳۲) جلال الدین سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن ۲/ ۱۰۸، مطبع ازہریہ مصر ۱۹۲۵ء (۳۳) معدن الجواہر ۳/ ورق ۵۴۴، (۳۴) ایضاً ورق ۱۸ (۳۵) ایضاً ۱۸/ ۲۹

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جناب صلاح الدین محمد ایوب
مدراس

تفسیر فیض الکریم

ڈیڑھ سو سال قبل جنوبی ہند کے ایک ممتاز علمی خاندان کے ایک عالم نے قرآن کریم کی تفسیر کا کام شروع کیا۔ ان کا اسم گرامی صبغۃ اللہ تھا۔ حکمران آرکاٹ کی جانب سے انہیں بدر الدولہ اور قاضی الملک کا خطاب عطا ہوا تھا۔

جب مغلیہ خاندان کا زوال ہوا اور ایسٹ انڈیا کمپنی کا عروج ہوا، اس سے عام علمی ذوق میں کمی واقع ہو گئی۔ مغلیہ دور حکومت میں سرکاری زبان فارسی تھی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے دور میں فارسی بھی زوال پذیر تھی۔ اس وقت اردو ہی ایک ایسی زبان تھی جس کو عوام میں قبولیت عام تھی۔ چنانچہ قاضی بدر الدولہ نے نئے حالات کے مدنظر دینی کتابوں کو اردو میں تالیف فرمایا۔ ان کے سلسلۂ تالیفات میں ایک تالیف "تفسیر فیض الکریم" بھی ہے۔ یہ ان کا روشن ترین اور اہم ترین کارنامہ ہے۔

قاضی صاحب موصوف ایک بہت بڑے عالم باعمل تھے۔ قرآن مجید، حدیث، فقہ، کلام اور سیرت وغیرہ پر نہایت وسیع معلومات رکھنے والے بزرگ تھے۔ انھوں نے "تفسیر فیض الکریم" اپنی عمر کے آخری دور میں لکھنا شروع کیا۔ کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ کیا آپ اس کی تکمیل کر سکیں گے تو جواب میں ارشاد فرمایا کہ میرا پوترا اس کی تکمیل کرے گا جب وہ ساتویں پارہ میں سورہ انعام کی اس آیت پر پہنچے تو ان کا انتقال ۲۵ محرم ۱۲۸۰ھ میں ہو گیا۔ وہ آیت یہ ہے۔ وان یمسسک اللّٰہ بضر فلا کاشف لہ الا ھو۔ وان یمسسک بخیر فھو علی کل شیءٍ قدیرہ اس کے بعد مولانا قاضی بدر الدولہ کے فرزند ارجمند مولانا مفتی محمد سعید خاں صاحب نے اس تفسیر کی اہمیت کو محسوس کیا اور اپنے بزرگ والد محترم کے سلسلے تفسیر کی جانب خصوصی توجہ فرمائی تاکہ تفسیر مکمل ہو سکے۔ مفتی محمد سعید خاں صاحب مرحوم حیدرآباد میں عدالت العالیہ کے عہدہ مفتی پر فائز تھے ان کا ہر لمحہ زندگی کافی قیمتی تھا۔ خدا اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بے انتہا عشق تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حصہ میں یہ سعادت و برکت عطا فرمائی کہ وہ اپنے والد صاحب قبلہ کے آغاز کیے ہوئے کام کی تکمیل فرمائیں۔ بہرحال مفتی صاحب نے ایک طرف نامکمل پاروں کی تفسیر کو مکمل کرنا شروع کیا تو دوسری جانب مکمل

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حصہ کی اشاعت وطباعت فرمائی۔ جب مفتی صاحب بائیسویں پارے میں سورۂ فاطر کی اس آیت پر تفسیر لکھتے ہوئے پہنچے تو انھوں نے بھی داعی اجل کو لبیک کہا۔

"جنّٰتُ عدنٍ یدخلونها یحلّون فیها من اساور من ذهب ولؤلؤ ولباسهم فیها حریر۔"

۱۰ شعبان ۱۳۱۲ھ کو مفتی صاحب کا انتقال ہوا۔ اس کے بعد عرصہ دراز تک یہ سلسلہ تفسیر رک گیا۔ بعض اعزہ اور احباب کے اصرار پر قاضی بدرالدولہ صاحب کے دوسرے فرزند مولوی مفتی محمود صاحب نے اس کو جاری کیا۔ مفتی محمود صاحب بھی جید عالم تھے۔ لیکن یہ بھی اس تفسیر کو مکمل نہیں کر سکے۔ سورۂ رحمٰن کی اس آیت "فیها فاکهة ونخل ورمان" تک پہنچے تھے کہ ۱۰ جمادی الثانی ۱۳۴۵ھ کی شب کو ان کا انتقال ہوگیا۔

مولوی مفتی محمود صاحب کے بعد ان کے بھتیجے مولوی ناصر الدین محمد فرزند شمس العلماء قاضی عبید اللہ مرحوم نے یہ کام اپنے ذمہ لیا اور بالآخر تفسیر کی تکمیل فرما دی۔ مولوی ناصر الدین محمد نے پندرہ سال کی مسلسل محنت کے بعد بقیہ حصہ کی تفسیر پوری کی ہے۔ ۱۳۶۰ھ میں یہ کام مکمل ہوا۔

تفسیر فیض الکریم اس قدر ضخیم ہے کہ تقریباً سات ہزار صفحے ہیں۔ ابتدائی چند جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ باقی تفسیر قلمی صورت میں موجود ہے اس کی اشاعت میں زر کثیر صرف ہوگا اور زبان قدیم ہونے کے لحاظ سے اس کے خریدار بھی کافی تعداد میں فراہم نہ ہو سکیں گے کیونکہ قاضی بدرالدولہ مرحوم کی دیگر تصانیف مثلاً ریاض النسواں (فقہ شافعی) فوائد بدریہ (سیرت) اور نثر الجواہر (سوانح حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ) وغیرہ کے کثیر تعداد میں کئی اڈیشن شائع ہوئے ہیں ان کے مقابلہ میں تفسیر فیض الکریم مقبول عام نہ ہو سکی۔ چنانچہ حالات حاضرہ کے مدنظر یہ مناسب ہوگا کہ سردست عام فہم زبان میں پارۂ عم کی آخری سورتیں بامعنی مختصر تفسیر کے ساتھ شائع ہوں اور مفت یا کم قیمت پر ہدیہ دیے جائیں کیونکہ یہ سورتیں نماز پنج گانہ میں پڑھی جاتی ہیں کثرت تلاوت کی وجہ سے یہ سورتیں نونہالان قوم کے ذہن نشین ہونے میں کافی سہولت ہوگی۔ اس کے علاوہ انبیاء کرام کے قصے اور دیگر عنوانات کے تحت تفسیر فیض الکریم سے اقتباس کیا جائے اور عام فہم زبان میں اشاعت کا انتظام کیا جائے تو عوام کے لیے زیادہ مفید ہوگا۔ الغرض قرآن مجید کو سمجھ کر غور و فکر کے ساتھ پڑھیں تو باعث سعادت دارین ہے۔

قاضی بدرالدولہ کی تحریر کا انداز دیباچے سے بھی ہو سکتا ہے، فرماتے ہیں: "حمد و نعت کے بعد کہتا ہے بندہ ضعیف گنہگار صبغۃ اللہ بن محمد غوث بن ناصر الدین محمد حشرہم اللہ فی زمرۃ الابرار۔ سبحان اللہ اس خالق کے سخن کی کیا شان ہے جس کے معانی اور الفاظ کے وصف میں دانا کی عقل حیران ہے اس کا ہر ایک حرف اسرار و حقائق

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے چمن کی بہار ہے اور ہر ایک لفظ لطائف و دقائق کا گلزار ہے۔ وہی اللہ کی حبل متین ہے، جس نے اس کو استوار پکڑا کبھی اسے خلل نہیں اور اس کو مکرر پڑھنے سے خاطر پر ملالت نہیں۔ آگے کے عالموں کو اللہ تعالیٰ غریق رحمت کرے جنھوں نے قرآن شریف کو جاننے کے واسطے کئی کتابیں تفسیر کی تصنیف کیں۔"

اس تفسیر کو پڑھنے سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ قاضی بدرالدولہ نے مشہور کتب تفاسیر سے ہی نہیں بلکہ احادیث، فقہ اور کلام کی کتابوں سے بھی کام لیا ہے، اس طرح کہ ان مسائل میں دوسری کتابوں کو دیکھنے کی ضرورت نہیں۔

●●

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جناب ابو محفوظ الکریم معصومی

پروفیسر حدیث و تفسیر مدرسہ عالیہ کلکتہ

مولانا عبداللہ چھپروی نزیل کلکتہ
اور
قرآن کے بعض اردو تراجم کا تنقیدی جائزہ

بیسویں صدی کے اوائل کا کلکتہ منتخب روزگار اشخاص سے یکسر خالی نہ تھا۔ یہاں کے دینی حلقوں میں بھی زندگی زندہ دلی سے سرشار تھی اور ادبی چہل پہل سے ہم کنار۔

امام الہند مولانا آزاد جیسا "گل سرسبد" جس فضا میں پروان چڑھا، اس کی معنوی توانائیوں کا آپ بہ آسانی اندازہ کر سکتے ہیں۔ اس وقت کلکتہ کے ممتاز دانشوروں میں مولانا حافظ ابو محمد عبداللہ چھپروی بڑی اہمیت کے مالک تھے ثبوت میں ان کے متعدد علمی کارنامے پیش کیے جا سکتے ہیں بلکہ میرا خیال ہے کہ ان کے بعض کارنامے نہ صرف دینی بلکہ ادبی نقطۂ نظر سے بھی اردو نثر کے شعبہ انتقادیات میں لائق تحسین اضافہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

تعارفی خاکہ حافظ عبداللہ کا تذکرہ مجھ کو نہیں ملا۔ لہذا ان کی تصانیف کی اندرونی شہادتوں سے جو تعارفی خاکہ مرتب کیا جا سکتا ہے سردست اسی پر اکتفا کرنا ناگزیر ہوا۔ درج ذیل باتیں تصانیف سے قطعی طور پر معلوم ہوتی ہیں:

۱۔ وطن اور مولد "کوپا سموتا" ضلع چھپرہ (سارن) تھا۔ نام محمد عبداللہ بن حافظ فتح محمد بن مہاجر الی اللہ الحاج شیخ رمضان علی تھے (اسعاف ترجمۃ الانصاف ص ۱۹۶ خاتمہ بزبان عربی نقل مہر بر جواب استفتاء در بارۂ مسجد ضرار۔ ص ۳۲) بیشتر مقامات میں بقلم خود ابو محمد عبداللہ بھی لکھتے ہیں (البیان لفصاحۃ القرآن: ص ۵۷ : رفع الغواشی: ص ۲۵۶ جواب استفتاء در بارۂ مسجد ص ۳۲ بقلم خود ص: ۲۵۷-۲۶۷ بقلم تیانلگار حقیر)

۲۔ پیدائش کی تاریخ معلوم نہ ہو سکی' ابتدائی دور کے اساتذہ کے بارے میں بھی کچھ پتہ نہیں چلتا۔ قرآن کریم کے حافظ تھے۔ فن طب میں دستگاہ رکھتے تھے۔ اپنے ایک ہم نام حکیم عبداللہ لکھنوی سے گاڑھی دوستی رکھتے تھے، جس کا ثبوت تصانیف کے ضمن میں آئے گا۔ علوم دینیہ کے جید صاحب نظر فاضل تھے۔ عربی ادبیات میں بھی خاصہ بصیرت کے مالک تھے اردو عربی میں نظم نگاری پر قادر تھے مسکین تخلص تھا (حسرۃ العالم بوفاۃ محدث العالم: ص   ) انگی زبان سے بھی خاص واقفیت تھی۔

۳۔ اساتذہ میں شیخ الکل حضرت مولانا میاں صاحب سید نذیر حسین محدث دہلوی' جو دراصل سورج گڑھا مونگیر کے باشندہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے۔ سرفہرست ہیں۔ (البیان ص ۲۰ رفع النواشی ص : ۱۵، ۱۶ مثلاً)۔

غرض، حافظ صاحب نے طلب علم میں دلی کا سفر کیا اور میاں صاحب کے حلقۂ درس میں شریک ہو کر علوم الحدیث والقرآن کی تکمیل کی۔ پتہ نہیں یہاں کی مدت قیام کب سے کب تک رہی۔ یا میاں صاحب کے علاوہ اور کن کن لوگوں سے دلی ہی میں یا دلی پہنچنے سے پہلے دوسرے مقامات میں بھی اکتساب فیض کیا۔

۴۔ میاں صاحب محدث کے حلقۂ درس سے ان کی وابستگی کا دور حتمی طور پر ۱۳۰۴ ہجری سے پہلے رہا ہوگا تاہم ان کے ہم درس رفقا کا تعین کرنا بہت دشوار ہے۔ ویسے استاد بھائیوں کی طویل فہرست الحیاۃ بعد المات کے مولف کی کاوش سے قلمبند شدہ ملتی ہے۔ جس میں ضلع وار حضرت میاں صاحب کے شاگردوں کے نام مختصر پتہ کے ساتھ منضبط ہیں۔ ضلع سارن کے ذیل میں رقم ۱۹ کے تحت خود حافظ عبداللہ کا اندراج بہ الفاظ: ”مولوی حافظ عبداللہؒ کو پاسمو تا زیل کلکتہ“ نظر آتا ہے۔

(الحیاۃ بعد المات ص ۳۴۶) یہ مختصر اندراج اس لحاظ سے بہت قیمتی ہے کہ اس سے مولانا عبداللہ کے اصل مولد (کو پاسمو تا) کا نام معلوم ہوتا ہے، پھر نزیل کلکتہ) کے الفاظ سے واضح ہو جاتا ہے کہ اس سے مراد مولانا عبداللہ چھپروی ہیں جن کے ادبی کارنامے اس وقت زیر بحث ہیں۔

میاں صاحب محدث دہلوی سے سند اعلیٰ لینے کے بعد مولانا عبداللہ نے کلکتہ کو مستقر بنایا۔ قدیم ترین تاریخ ان کے قیام کلکتہ کی ربیع الثانی ۱۳۰۴ ہجری ہے جبکہ شاہ ولی اللہ کے رسالہ الانصاف کے اُردو ترجمہ کا مسودہ تکمیل کو پہنچا تھا۔ بعد کے واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی زندگی کا بہترین اور شاید طویل ترین حصہ یہیں بسر ہوا۔

۵۔ دینی و تدریسی خدمتوں کے ساتھ فن طب کی دستگاہ کے نتیجہ میں تشخیص و معالجہ کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ طب کی تحصیل انھوں نے بزمانۂ قیام دہلی کی ہوگی۔ حضرت میاں صاحب محدث بھی طب کی تحصیل کر چکے تھے ان کے استاد طب و ادویہ میں مولوی حکیم نیاز احمد سہسوانی تھے (الحیاۃ بعد الممات۔ ص ۳۶) میاں صاحب کے ایک نامور شاگرد و محدث یگانہ مولانا شمس الحق ڈیانوی نے بھی فارغ التحصیل ہونے کے بعد باقاعدہ طب کی تحصیل کی اور اس سلسلہ میں اپنے استاذ گرامی حضرت میاں صاحب سے اجازت چاہی تھی جو ان کو بڑی خوشی سے مرحمت کی گئی تھی (مکاتیب نذیریہ۔ ص ۴۲) بظاہر مولانا عبداللہ چھپروی نے بھی طب کی تحصیل اگر بعد میں کی تو یہ اجازت شیخ الکل ہی کی ہوگی۔ لیکن ان کے استاذ طب کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔

۶۔ کلکتہ میں مولانا عبداللہ درس و تدریس سے منسلک ضرور رہے لیکن پوری تفصیل نہیں ملتی۔ ذیل کے دو اداروں سے ان کا تعلق خود ان کی مختصر تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے۔

(۱) ایک مستفتی شہاب الدین منڈل جنگی پوری نے محمد پور (مرشد آباد) کی ایک قدیم جامع مسجد کی جماعت توڑ کر بلا وجہ شرعی ایک نئی مسجد کو جامع مسجد بنانے کی بابت فتویٰ طلب کیا تھا اس کا مفصل جواب قلم بند کرتے ہوئے مولانا عبداللہؒ نے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خاتمہ میں بزبان عربی یہ عبارت لکھی ہے: "اجابہ مجیبا وکتبہ بنانہ العبد المذنب الراجی الی اللہ ابو محمد عبد اللہ غفرلہ اللہ ووفقہ بما یحب ویرضاہ وأوصلہ الی غایتہ مایتمناہ فی المدرسۃ المحمدیۃ الصولتیۃ الواقعۃ فی الکلکتۃ المحمیہ فی یوم العشرین من ربیع الاول سنۃ ۱۳۰۹ھ۔۔۔ مہر" (مجموعہ اشعار حافظ عبد الکریم ص ۳۲)

یعنی جواب استفتا، مورخہ ۲۰ ربیع الاول ۱۳۰۹ھ کلکتہ کے "مدرسہ محمدیہ صولتیہ" میں قلم بند کیا گیا۔ گویا کلکتہ میں مدرسہ صولتیہ مکۃ المکرمہ کی کوئی شاخ بھی قائم تھی جس میں مولانا عبد اللہ بھی مصروف خدمت تھے اور غالباً صرف فتویٰ نویسی ہی سے نہیں بلکہ تدریس وتعلیم سے بھی سروکار رکھتے تھے۔ افسوس یہ ہے کہ اس مدرسہ کا محل وقوع کی بابت مزید صراحت نہیں کی گئی تاہم گمان غالب یہ ہے کہ مسجد اہل حدیث کولھو ٹولہ کا مدرسہ اس سے مراد لیا گیا ہے۔

(ب) دوسرے ادارہ کا علم اس طرح ہوتا ہے کہ اپنی ایک گراں قدر تالیف رفع الغواشی کے خاتمہ میں بعنوان (التماس چند) اپنے نام کے ساتھ یہ فقرہ تحریر فرمایا ہے: "عربک پروفیسر مدرسہ مٹیا برج کلکتہ، ۱۵ رمضان ۱۳۱۸ھ" (رفع الغواشی ص ۲۵۶) پتہ نہیں کہ مدرسہ محمدیہ صولتیہ کی متعلقہ خدمات سے سبک دوشی اور مدرسہ مٹیا برج کی پروفیسری سے منسلک ہونے میں کچھ وقفہ بھی تھا یا نہیں۔ علاوہ براں مدرسہ مٹیا برج کا تعین خود ایک مسئلہ ہے جس کا تشفی بخش حل ابتک دریافت نہیں کیا جا سکا۔ اگرچہ اس مختصر فقرہ سے یقینی طور پر معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں مٹیا برج بھی بڑے دینی مدرسہ سے خالی نہ تھا۔

آخری فرمانروائے اودھ واجد علی شاہ اختر نے یہاں ایک مدرسہ سلطانیہ قائم کیا تھا۔ لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مدرسہ اہل تشیع کے لیے مخصوص تھا۔ علامہ جمیل مظہری اور امیر رضا مظہری کے والد بزرگوار بھی اس مدرسہ سے وابستہ رہے تھے۔ اس سے مولانا عبد اللہ کا بحیثیت مدرس منسلک ہونا مزید صراحت کا محتاج ہے۔ ہاں اگر مٹیا برج کا اطلاق وسیع تر معنوں میں کیا گیا ہو تو بڑہ تلا کا موجودہ مدرسہ عین العلوم کو مدرسہ مٹیا برج کا مصداق ٹھہرانا بعید از امکان نہیں ہے۔

۷۔ مولانا عبد اللہ کا قیام موجودہ معلومات کی حد تک کلکتہ سے قریب ہوڑہ میں رہا۔ ۱۵ رمضان ۱۳۱۸ھ تک انھوں نے اپنے پتہ کی نشاندہی بہ الفاظ ذیل کی ہے: "مقیمی ہوڑہ اسٹیشن، محلہ ٹنڈیل رغ نمبر ۵۹" (رفع الغواشی ص ۲۵۶) مالک مکان کا نام امیر علی خاں تھا۔ پھر شعبان ۱۳۴۴ھ میں اپنی کتاب البیان لتراجم القرآن کو ختم کرتے ہوئے اپنا پتہ ان الفاظ میں لکھا ہے: "ہوڑہ، کلکتہ۔ نمبر ۹۲ تیل منی ملک لین" یہ کتاب ۱۳۴۶ھ میں طبع ہوئی اس کی گرد پوش پر بھی یہی پتہ درج ہے۔ غرض اس پورے عرصہ میں ہوڑہ سے کہیں باہر نقل مکان کرنے کا سراغ نہیں ملتا۔

۸۔ مولانا چھپروی کے دو صاحب زادوں کا ہمیں علم ہے: ابو محمد محفوظ، جو علم وفضل میں باپ کے جانشین تھے اور ان کی زندگی ہی میں نوشت وخواند کے سلیقہ سے آراستہ ہو چکے تھے۔ انھوں نے ایک مختصر سالہ حسرۃ الالام

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بوفاۃ محدث العالم کے نام سے مرتب کیا جس میں حضرت میاں صاحب محدث دہلوی کے حالات، وفات تک کے باختصار درج ہیں اور سانحۂ وفات سے متاثر ہو کر ان کے اجلۂ روزگار تلامذہ نے جو مراثی و قطعات تاریخی و تاثراتی بزبان عربی فارسی و اردو لکھے حتی الامکان سب ہی یکجا کر دیے گئے ہیں۔ خود مولانا عبداللہ چھپروی نے محدث دہلوی کا جو مرثیہ عربی اردو میں کہا تھا وہ بھی شامل مجموعہ ہے (عربی مرثیہ کل ۲۶ بیت حسرۃ العالم ص : ۱۵-۱۶ اردو قطعہ کل ۶ شعر ایضاً ص : ۱۶-۱۷) یہ رسالہ کل ۳۲ صفحوں کا ہے طباعت اس کی مطبع سعید، کلنگا، (کلکتہ) ۱۳۲۱ھ میں ہوئی۔ محدث دہلوی کے احوال میں یہ پہلی کاوش ہے جو کتابی شکل میں نمودار ہوئی۔ الحیاۃ بعد الممات کی تدوین و اشاعت بعد میں ہوئی۔

کتب خانہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں زیر شمارہ III ۴۳۲ ایک قلمی مجموعہ مولوی عبدالرحیم دہری (م ۱۲۷۳ھ/۱۸۵۶ء) کے بعض نادر فارسی رسائل و اقتباسات اور احوال پر مشتمل ملتا ہے یہ پورا مسودہ کہیں روشنائی اور کہیں سیاہ یا نیلگوں پنسل سے لکھا گیا ہے مسودہ نگار نے اپنا نام محمد محفوظ بلیاوی لکھا ہے میرے خیال میں یہ مولانا چھپروی کے صاحبزادہ ابو محمد محفوظ ہیں۔

۲۔ دوسرے صاحبزادے کا نام ابو غالب محمد معصوم تھا۔ یہ حافظ قرآن ہونے کے علاوہ علوم اسلامیہ کا بڑا ذہین اور ہونہار طالب علم تھا۔ لیکن پندرہ سال کی عمر میں انتقال کر گیا اور ہوڑہ ہی میں دفن کیا گیا اس سانحہ سے مولانا چھپروی بہت دل گرفتہ ہوئے اور جواں مرگ بیٹے کی یادگار کے طور پر اپنی ایک گراں قدر کتاب (البیان لتراجم القرآن کی اشاعت کی (البیان ص ۷، ۱))

اول الذکر مولوی ابو محمد محفوظ کے بارے میں مزید تفصیلات ہماری یافت سے باہر ہیں لہذا اب ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ان کی معنوی یادگاروں کی طرف آپ کی توجہ مبذول کریں۔

ایک شاگرد ان کے صرف ایک شاگرد مولوی محمد عین الدین کا نام ہمیں معلوم ہے جس نے ایک فقہی رسالہ ("ازعاق الاحقاق" فی مسئلۃ الطلاق) مرتب کر کے ۱۳۲۸ھ میں اس کی اشاعت کی تھی۔ اس رسالہ کی نسبت "جماعت اہل حدیث کی تصنیفی خدمات" کے مرتبین نے کسی غلط فہمی کی بنا پر خود مولانا عبداللہ چھپروی کی طرف کی ہے جو خلاف واقعہ ہے (جماعت اہل حدیث کی تصنیفی خدمات، جامعہ سلفیہ بنارس ۱۹۸۰ء ص ۱۳۹)۔ رسالہ کے خاتمہ میں خود مولف محمد عین الدین نے اپنے نام کے ساتھ یہ عبارت رقم کی ہے: "...من تلامیذ مولانا الحافظ الحاج الحکیم ابو محمد المدعو عبد اللہ الصفراوی وطناً و الکلکتوی قطناً (ازعاق الاحقاق مطبع سعید، کلنگا، سٹریٹ بابا... کلکتہ، ص ۴۴) احکام فطرہ پر بھی مولوی عین الدین نے ایک رسالہ لکھا تھا جو بنام "اتحاف البررۃ فی احکام الفطرۃ" ۱۳۲۶ھ میں ہادی المطابع ہرسن روڈ سے طبع ہو کر شائع ہوا اس رسالہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی عین الدین مدرسہ اسلامیہ ہوڑہ میں تدریسی خدمت کچھ عرصہ تک انجام دے چکے تھے اور اس مدرسہ کے جلسۂ سالانہ میں مولوی علی اکرم صاحب قاضی خضر پور، مولوی حافظ حکیم حاجی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابومحمد عبداللہ، مولوی ابوالنعمان عبدالرحمن، مولوی ضیاء الرحمن امام مسجد کولھوٹولہ، مولوی صوفی ابونعیم عبدالعظیم وغیرہ شریک ہوتے تھے۔

یہ مولوی عین الدین غالباً وہ بزرگ ہیں جن کو بعد میں خود حضرت میاں صاحب محدث دہلوی سے بھی شرف تلمذ حاصل ہوا (دیکھیے الحیاۃ بعد المماۃ ص: ۲۴۷ (۱۲۳) / ۲۴۹ (۱۲۷)) یہ بڑھ تلا جوار مٹیا برج کے باشندہ اور مقامی طور پر ہر دلعزیز تھے مدرسہ بڑھ تلا مٹیا برج کا نام ان کی وفات کے بعد بدل کر عین العلوم رکھا گیا۔

تالیفات: مولانا عبداللہ کی جو چھوٹی بڑی تالیفات میری نظر سے گزر چکی ہیں یا جن کے نام سے واقفیت ہو سکی ہے سب کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ اسعاف من ترجمۃ الانصاف: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا ایک رسالہ بنام "الانصاف فی بیان سبب الاختلاف" فقہی اختلافات کے اسباب و وجوہ کی تفصیل پیش کرتا ہے۔ متقدمین میں سے ابن حزم الظاہری، ابوالفتوح الحمیدی ابن السید البطلیوسی اور ابن تیمیہ الحرانی نے اس موضوع پر مباحث و رسائل قلم بند کیے تھے۔ خود شاہ ولی اللہ کے ایک شاگرد شیخ محمد حیات سندی مدنی کا ایک رسالہ متداول رہ چکا ہے لیکن شاہ صاحب کا رسالہ بلحاظ جامعیت و اسلوب خاص بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ مولانا عبداللہ چھپروی نے اس کا ترجمہ بنام (اسعاف) بتاریخ ربیع الثانی ۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۶ء اختتام کو پہنچایا ترجمہ حکیم محمد عبداللہ لکھنوی کی فرمائش پر کیا گیا اور اس کی اشاعت و طباعت کا حق بھی انھیں کو دیا گیا۔ ترجمہ کل ۹۵ صفحات کو متن رسالہ کے ساتھ محیط ہے۔ مطبع دبدبۂ احمدی میں ۱۳۰۵ھ / ۱۸۸۷ء میں اس کی طباعت ہوئی تاریخ طباعت میں دو قطعے اردو کے کسی شاعر نے جس کا تخلص عشرت تھا لکھے تھے جو عبارت خاتمہ سے پہلے ملتے ہیں ہمارے خیال میں یہ دونوں قطعے خواجہ عبدالرؤف عشرت کے ہوسکتے ہیں۔ آخری صفحہ (ص ۹۶) پر عربی زبان میں خود مترجم نے اس ترجمہ کی روداد سنائی ہے جس کی خاص اہمیت یہ ہے کہ انھوں نے اپنے والد اور جد بزرگوار کے نام بھی بتادیے ہیں۔

الانصاف کا ترجمہ مولانا محمد احسن صدیقی نانوتوی نے بھی کیا ہے جس کی تاریخ اس مصرع سے نکلتی ہے ع

"ترجمہ انصاف کا کشاف ہے" (۱۳۰۷ھ / ۱۸۸۹ء) (کشاف: ص ۲ مجتبائی ۱۹۰۹ء)

اس ترجمہ کو مطبع مجتبائی نے ۱۸۹۱ء / (۱۳۰۹ھ) میں شائع کیا جیسا کہ قاموس الکتب (ج ۱ ص ۲۱۶ ۔ ۴۱۷ شمارہ ۱۳۹۳) سے ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن راقم الحروف کے پیش نظر ۱۹۰۹ء کا مطبوعہ نسخہ ہے۔

قاموس الکتب کے مرتبین نے (اسعاف) کا ذکر نہیں کیا بہر حال نانوتوی کا ترجمہ نسبۃً زیادہ رواں معلوم ہوتا ہے۔

۲۔ اصلاح التمدن: علامہ سید علی بلگرامی (م ۱۹۱۱ء) نے موسیو لیبان کی فرانسیسی کتاب "تمدن عرب" کا ترجمہ بڑی عرق ریزی سے کیا اور خاص اہتمام سے اسے چھاپ کر شائع کیا۔ اس کے حواشی میں جا بجا قرآنی آیات کا انھوں نے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اضافہ اردو ترجمہ کے ساتھ کیا ہے۔ اور بیشتر ڈپٹی نذیر احمد کے ترجمہ پر اعتماد فرمایا ہے جیسا کہ مولوی عبدالحق بھی بلگرامی کے تذکرہ میں فرماتے ہیں:

"مرحوم مولوی نذیر احمد کے ترجمۂ قرآن کو بہت پسند کرتے تھے چنانچہ تمدن عرب میں جابجا آیات قرآنی کا ترجمہ اسی ترجمہ سے لیا ہے۔ ایک روز مولوی عبداللہ خان صاحب جن سے مرحوم کو بہت خصوصیت تھی اور ہم کو ان سے مرحوم کے اکثر حالات معلوم ہوئے ہیں آیت استویٰ علی العرش پڑھی اور کہا کہ مولوی نذیر احمد نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ عرش پر جا براجمان ہوا "مرحوم پھڑک اٹھے اور کہا کہ استویٰ کا ترجمہ اس سے بہتر نہیں ہو سکتا" (چند ہم عصر انجمن ترقی اردو علی گڑھ ۱۹۵۹ء) "تذکرہ شمس العلماء ڈاکٹر مولوی سید علی بلگرامی" ص ۹۴)

بہرحال اساتذہ ہے کہ مولانا عبداللہ چھپروی نے متن کتاب کے شمولات کے علاوہ ترجمۂ آیات کی خامیوں پر بھی اس رسالہ میں گرفت کی ہوگی یہ رسالہ ۱۳۱۹ھ تک طبع ہوا (البیان لتراجم القرآن ص ۳۴ حسرۃ العالم ص ۲۴) لیکن میری نظر سے نہیں گزرا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ البیان کی اس کتاب پر بہ سلسلہ واقعۂ افک حکیم فضل حسین مظفر پوری نے مستقل رسالہ (تمدن عرب اردو واقعۂ افک) $\frac{۱۳۲۰}{۱۹۰۲ء}$ میں شائع کیا تھا جس کا ذکر ڈاکٹر مظفر اقبال نے کیا ہے (بہار میں اردو نثر کا ارتقاء ۱۸۵۷ء سے ۱۹۱۴ء تک (ط۔ پٹنہ ۱۹۸۰ء ص ۶۸ (رقم ۱)

۳۔ امعان النظر فی توضیح شان البصر: اس موضوع پر حافظ عبداللہ محدث غازی پوری اور جسٹس سید امیر علی کے رسائل چھپے تھے۔ مولانا چھپروی نے بھی حسب ضرورت یہ رسالہ مرتب کر کے $\frac{۱۳۱۸ھ}{۱۹۰۰ء}$ تک شائع کیا تھا۔ لیکن مجھ کو اب تک نہیں مل سکا۔ (دیکھیے البیان ص ۳۴، رفع الغواشی (گرد پوش آخری صفحہ) حسرۃ العالم ص ۲۴ جماعت اہل حدیث کی تصنیفی خدمات (جامعہ سلفیہ بنارس ۱۹۸۰ء) ص ۱۳۹، جماعت اہل حدیث ہند کی تفسیری خدمات (مجلہ محدث ج ۵ شمارہ ۱۱ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ۔ نومبر ۱۹۸۷ء) رقم ۳۸ ص ۱۸) $\frac{۱۳۲۹ھ}{۱۹۱۱ء}$ میں مولانا عبدالرؤف داناپوری مقیم کلکتہ نے بھی بنام (مسئلہ قربانی) ایک رسالہ طبع کرایا تھا یہ رسالہ میری نظر سے نہیں گزرا (بہار میں اردو نثر کا ارتقاء ص ۱۴۴، رقم ۲۷)۔

۴۔ البیان لتراجم القرآن: اس کا مسودہ ۷ شعبان چہار شنبہ کو ۱۳۴۴ھ میں مکمل ہوا۔ مؤلف کا قیام ۹۶ نیل منی ملک لیکن ہوڑہ میں تھا۔ ۱۳۴۶ھ میں یادگار ابو غالب محمد معصوم پسر مؤلف طباعت و اشاعت کی گئی۔ اردو پریس ۶ نیل مادھب سین لین (کلکتہ) محمد علی پارک کا عقبی محلہ میں طباعت ہوئی کل ۱۰۸ صفحے ہیں۔

البیان ہمارے مؤلف کا بڑا اہم کارنامہ ہے۔ قرآن کریم کے تراجم کی تاریخ مختلف زبانوں کے تراجم قرآن کے بارے میں معلومات اور متعدد ترجموں کی خوبیوں اور خامیوں پر نقد و تبصرہ کا یہ مجموعہ غالباً اولین گنجینۂ تحقیق ہے نہ صرف اردو زبان میں بلکہ عربی فارسی وغیرہ میں بھی مؤلف سے پہلے کسی نے اس گوشہ کی جانب اگر توجہ کی ہو تو ہمیں اس کا علم نہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مؤلف نے ۸۲ تراجم کا تذکرہ وتعارف پیش کیا ہے جو اب سے ۶۴ برس پہلے کے وسائل کے پیش نظر بجائے خود لائق ذکر کارنامہ ہے تنہا اس تالیف پر ہمارا تبصرہ مستقل مقالہ کی شکل رکھتا ہے جو کسی دوسرے موقع پر پیش کیا جائے گا۔

۵۔ البیان لفصاحۃ القرآن: قرآن مجید کا اعجاز من کل الوجوہ اظہر من الشمس ہے اس کے مخاطب اول عربوں کو اپنی طلاقت لسانی اور فصاحت وبلاغت پر غرہ تھا لیکن قرآن کی ملکوتی فصاحت وبلاغت کے سامنے وہ بھی دم بخود رہ گئے کہ اس کا اعجاز لسانی وبیانی بشر کی انفرادی واجتماعی قدرت کلام سے ماوراء ہے اور اس کے کلام الٰہی ہونے کی بیّن وبدیہی دلیل۔ وقت نزول سے آج تک اس کا لفظی ومعنوی اعجاز ہمہ وجوہ آفتاب آمد دلیل آفتاب ہے۔

مؤلف کے دور میں لکھنؤ کے ایک دیسی پادری حسن علی نے منقح الاسلام کے نام سے ہرزہ سرائی کی تھی اور قرآن کی فصاحت وبلاغت پر بزعم خود اعتراض کیا تھا۔ اس کے جواب میں ہمارے مؤلف نے یہ رسالہ نہایت مدلل ومفصل قلمبند کرکے شائع کیا اور پادری کی مفسدہ پردازی کا ابطال کیا۔ یہ رسالہ بھی علمی وتحقیقی انداز، عربی زبان وادب کے رموز واسرار سے گہری واقفیت، وسعت مطالعہ ومعلومات کا لاجواب نمونہ ہے۔ جس میں مؤلف نے مناظرانہ روش سے ہٹ کر انتہائی سنجیدہ ومحققانہ شان کے ساتھ معترض کے جہل ونادانی کا پردہ فاش کیا ہے۔ اس رسالہ کو ہمارے مؤلف نے ۱۲ رجب ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۱ء میں بمقام کلکتہ تمام کیا مطبع انتظامی کانپور نے صفر ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء میں طبع کیا کل (۵۶) صفحات ہیں۔

بعض اہل قلم نے رسالہ کا نام البیان لوفصاحۃ القرآن لکھا ہے جو غلط ہے (محدث ج ۵ ع ۱۱، ۱۹۸۹ء ص ۳۸)

یہ واحد رسالہ ہے جس کا اندراج مولوی عبدالحق مرحوم کے زیر نگرانی مرتبہ قاموس الکتب میں بحوالہ فہرست کتب خانہ مدرسہ محمدیہ بمبئی نظر آتا ہے لیکن کسی غلط فہمی کی بناء پر مؤلف کی کنیت (ابوالاحمد) لکھی گئی ہے۔ (قاموس الکتب (۱۹۶۱) ج ۱ ص ۱۱۸ شمارہ ۹۳۶)

۶۔ جواباتِ استفتاء: وقتاً فوقتاً مولانا عبداللہ چھپروی کے قلم سے اصحاب استفتاء کی طلب پر مفصل ومدلل جوابات بھی منظر عام پر آتے رہے۔ میری نظر سے ایک استفتاء بابت مسجد ضرار گزرا ہے جس کا جواب مفصل طور پر مولانا نے ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۱ء میں قلم بند کیا تھا جو ۱۳۱۰ میں ایک منظوم رسالہ (مجموعہ اشعار۔ ہدایت آثار) کے آخری صفحات میں (۲۵-۳۲) طبع ہوا ہے اسی فتوی کی اختتامی عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ مولانا اس وقت مدرسہ محمدیہ صولتیہ کلکتہ سے منسلک تھے۔ فتوی پر تصدیقی دستخط کرنے والوں میں مولانا (محمد یوسف الجعفری العظیم آبادی) بھی شامل ہیں۔

۷۔ دفع الاغالیط فی شان فار قلیط: عیسائیوں نے (فارقلیط) کی تشریح وشناخت میں سخت غلط فہمی پھیلائی ہے اور ان کو اپنے موقف پر بیجا اصرار ہے۔ مولانا چھپروی نے ان کے رد میں یہ رسالہ تحریر فرمایا ہے۔ افسوس کہ اب تک مجھ کو یہ رسالہ دستیاب نہیں ہوا قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسالہ ۱۳۲۰ سے کسی قدر بیشتر لکھا گیا جیسا کہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حسرۃ العالم کے آخری صفحہ پر مندرجہ اشتہار سے ظاہر ہوتا ہے (حسرۃ العالم ص ۲۴)

۸۔ رافع الغواشی من وجوہ الترجمۃ والحواشی: اس کتاب کا مسودہ بتاریخ ۲۴ ربیع الثانی روز چہار شنبہ ۱۳۱۸ھ پایۂ تکمیل کو پہنچا اور ۱۳۱۹ھ میں مطبع ہادی المطابع کلکتہ سے کتاب چھپ کر منظر عام پر آئی۔ ہادی المطابع کے مالک منشی محمد ہدایت اللہ تھے ۱۴۱ ہریسن روڈ پر یہ مطبع قائم تھا۔ بظاہر یہی مطبع ہے جس کا ذکر ہادی پریس کے نام سے مولانا آزاد نے کیا ہے یہیں سے انکا پندرہ روزہ "لسان الصدق" طبع ہوتا تھا (آزاد کی کہانی ص ۳۰۳) مولانا خیر الدین علیہ الرحمۃ کی تالیفات اور اوراد و وظائف کے بعض مجموعے بھی اسی مطبع میں طبع ہوتے تھے ان میں سے ایک الاوراد الخیوریہ بسلالۃ الادعیۃ المأثوریہ من فیوضات الحق والفتوحات المحمدیہ میری نظر سے گزر چکا ہے۔

بہر حال مولانا چھپروی کی یہ کتاب بڑی اہتمام سے طبع ہوئی ہے کاغذ سفید دبیز استعمال ہوا ہے کتابت جلی روشن خط کی گئی ہے کل صفحات کی تعداد ۳۵۶ ہے آخری صفحات میں تقریظیں ملتی ہیں (ص ۳۵۷-۳۶۸) دو تقریظیں اردو میں اور دو عربی میں ہیں۔ آخری صفحہ پر تالیف کتاب کی تاریخ ایک فارسی قطعہ میں درج ہے قطعہ مولانا ابو النعمان اعظمی کا نتیجۂ فکر ہے ایک قطعہ آمد و طبع کتاب کی تاریخ پر مشتمل ہے قطعہ نگار کوئی صاحب مولانا فطرتی لکھنوی ہیں، حاشیہ پر ایک اطلاع بالفاظ ذیل ملتی ہے:

"اور بھی بہت سی تقریظیں ہیں منجملہ ان کے حافظ مولوی عبد الشکور صاحب مرحوم قاضی تالتلہ کلکتہ کی مدلل تقریظ ہے جو انشاء اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ضمیمہ کے ساتھ بہت جلد چھپ کر شائع ہوں گی" (رفع الغواشی ص ۳۶۸)

ہمارے مقالہ کا موضوع مؤلف کی یہی تالیف ہے لہذا اس فہرست میں امور مذکورہ بالا پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

۹۔ فہرس الاحادیث: حدیث نبوی کی کتابوں میں صحاح ستہ کا مرتبہ اس جا محتاج بیان نہیں ہے۔ مولانا چھپروی نے ان کی مندرجہ حدیثوں کی ایک جامع کلیدی فہرست ترتیب دینے کا کام شروع کیا تھا تاکہ بہ آسانی وقت ضرورت ایک ایک حدیث کا اصل مرجع سے نکالنا ممکن ہو۔ اس فہرست کا پہلا حصہ بالکل تیار ہو چکا تھا۔ کتاب رفع الغواشی کے ص ۲ گرد پوش پر اس کارنامہ کی تفصیل اور تیار شدہ حصہ کی طباعت جلد شروع ہونے کا اعلان ملتا ہے۔ پتہ نہیں اسکی طباعت ہو سکی تھی یا نہیں۔

۱۰۔ منقلہ: پادری حسن علی کے جواب میں یہ رسالہ قطعی طور پر ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۱ء سے پہلے لکھا اور چھاپا گیا اس لیے کہ اس کا حوالہ البیان لفصاحۃ القرآن (ص: ۳۷، ۳۸، ۴۰) میں ملتا ہے۔ رسالہ بہت مختصر چند ورقی رہا ہوگا کہ حسب اشتہار مل جائے اسکی قیمت صرف ۱ر (ایک آنہ) تھی (حسرۃ العالم ص ۲۴) مجھ کو یہ رسالہ اب تک نہیں ملا۔

رسالہ کا نام مرحلہ کا ہم وزن و ہم معنی ہو سکتا ہے لیکن مناظرانہ سلسلہ کی ایک [illegible] ہونے کے باعث مناسب ہے کہ اسکو ہم وزن (منقلہ) قرار دیا جائے منقلہ ضرب کاری کو کہتے ہیں جو [illegible] بلکہ اندر کی ہڈی کو نمایاں کر دیتی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہاں تک کل دس چھوٹی بڑی تالیفات کا قدرے قلیل حال معلوم ہوا۔ حسرۃ العالم کے اشتہار میں چند طبی رسائل مخزن الادویہ ہومیوپیتھک کان، متوسط اور خورد کی قیمتیں الگ الگ ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ان کی تالیف و ترتیب بھی مولانا چھپروی کے ہاتھوں انجام کو پہنچی ہو۔ ان کے علاوہ ایک رسالہ "اشارہ موسوی" کا بھی اندراج ملتا ہے غالباً یہ رسالہ بھی مولانا ہی کے قلم سے معرض تحریر میں آیا ہوگا اور اس میں از روے عہد نامۂ عتیق بشارت موسوی کی توضیح کی گئی ہوگی۔ ویسے ان رسائل چہار گانہ کی بابت مزید کچھ کہنا مناسب نہیں کہ مؤلف کی جو تالیفات میرے پیش نظر ہیں ان میں ان طبی رسائل کے حوالہ کا سوال بھی پیدا نہیں ہوتا اسی طرح کوئی صریح حوالہ اشارہ موسوی کے بارے میں بھی نظر نہیں آیا۔ البتہ بعض اصحابِ قلم نے مسألہ طلاق ثلاثہ پر حنفی موقف کے رد میں ازہاق الاحقاق کو ہمارے مؤلف سے جو منسوب کیا ہے وہ صحیح نہیں کہ یہ رسالہ مؤلف کے شاگرد مولوی عین الدین کی تالیف ہے جیسا کہ سطور بالا میں واضح کیا جا چکا ہے۔

مولانا عبداللہ چھپروی کی بیشتر اہم کتابیں جو میں نے پڑھی ہیں ان سب میں ایک بات قدر مشترک کے طور پر یہ نظر آتی ہے کہ بسم اللہ کہتے ہی وہ قاری کو اپنی طرف ملتفت کرتے ہیں اور اس کے ذہن کو اصل موضوع کے لیے آمادہ کرنے میں مصروف ہو جاتے ہیں اور حمد و نعت کے موقع پر بھی عبارت آرائی کی بجائے (حامداو مصلیا امابعد) یا (ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد) جیسے مختصر ترین فقرے لکھ کر موضوع کی مناسبت سے تمہیدی باتیں چھیڑتے چلے جاتے ہیں۔ جس قدیم ماحول میں رہ کر مؤلف نے یہ کتابیں لکھی ہیں۔ اس میں یہ بات بہت نادر کہی جا سکتی ہے خاص طور پر اس لیے کہ بلحاظ موضوع و مقاصد وغیرہ کہ خود یہ کتابیں سنجیدہ مذہبی فکر و نظر کی پیداوار ہیں۔

کتابوں کے عربی نام سے 'موجودہ مذاق' ایک حد تک گرانی محسوس کر سکتا ہے۔ لیکن اہل نظر جانتے ہیں کہ بیسویں صدی کے اوائل تک اصحاب قلم کا یہی چلن تھا۔ خالص دینی حلقوں کی تو بات ہی اور ہے۔ ادبی و صحافی حلقوں تک کا سرسری جائزہ لیجیے تو بیسوں نام اخبارات اور ہفتہ وار یا ماہانہ پرچوں کے "دارالسلطنت" احسن الاخبار تہذیب الاخلاق، اشاعۃ السنۃ، نصرۃ السنۃ، لسان الصدق جیسے ملیں گے ناولوں اور اصلاحی کہانیوں تک کے نام بنات النعش، توبۃ النصوح، ابن الوقت، منتخب الخطابات وغیرہ ملتے ہیں۔ غرض اس دور کے مذاق عام کے پیش نظر ہمارے مؤلف پر کتابوں کے عربی نام رکھنے کے سلسلہ میں گرفت کرنا تقاضۂ انصاف نہیں ہو سکتا۔

فہرست مندرجہ بالا کی دو کتابیں (۱) رفع الغواشی اور (۲) البیان لتراجم القرآن بڑی اہمیت کی حامل ہیں پہلی کتاب قرآن کریم کے ایک مکمل اردو ترجمہ و تحشیہ پر عالمانہ تبصرہ اور فاضلانہ تنقید سے عبارت ہے۔ جبکہ دوسری کتاب البیان کا مقصد، قرآن کی ترجمہ نگاری کی حتی الامکان جامع تاریخ کا قلمبند کرنا اور مختلف زبانوں میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کلام اللہ کے جو تراجم مؤلف کتاب کے دائرہ علم میں آئے۔ مقدور بھر ان سب کا تعارف و تبصرہ اور علی الخصوص اردو زبان کے تراجم کا ناقدانہ جائزہ پیش کرتا ہے۔ یہ کتاب دراصل رفع الغواشی کے ضمیمہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ گرچہ اس کے دیباچہ میں ایسی کوئی صراحت نہیں ملتی۔ میرے اس دعوی کی تصدیق پہلی کتاب کے بعض اختتامی فقروں سے ہوتی ہے جو عبد الشکور مرحیا اور دیگر تقریظ نگاروں کی غیر مطبوعہ تحریروں کے شامل رفع الغواشی نہ ہونے پر بطور معذرت لکھے گئے ہیں۔

وقت کی تنگ دامانی کے باعث راقم الحروف نے اس مقالہ کو صرف پہلی کتاب کے مشمولات تک محدود رکھنا طے کیا ہے۔ جس کا پورا نام رفع الغواشی عن وجوہ الترجمہ والحواشی ہے یعنی (ایک خاص ترجمۂ قرآن اور اس کے حواشی کی براگندہ نقاب پیشی) مؤلف نے جس ترجمۂ قرآن و حواشی متعلقہ کا تنقیدی جائزہ اس کتاب میں شرح و بسط کے ساتھ پیش کیا ہے وہ اردو زبان و ادب کے قد آور رکن ڈپٹی نذیر احمد کا ترجمہ و حاشیہ قرآن ہے چنانچہ عربی نام کے تحت سرورق پر یہ عبارت بھی ملتی ہے (یعنی تصحیح ترجمہ و حاشیہ قرآن شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد صاحب دہلوی)۔

حیات النذیر کے مؤلف سید افتخار عالم بلگرامی ثم المارہروی نے حصہ نہم میں "ترجمہ القرآن پر اعتراض" کے تحت جو مواد پیش کیا ہے اس میں کتاب رفع الغواشی اور اس کے مؤلف کے نام کی صراحت نہیں ملتی البتہ مولانا محمد اشرف علی صاحب کے رسالہ اصلاح ترجمۂ دہلویہ کا ذکر کیا ہے اور غالباً زیر تعارف کتاب مؤلف کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے کہ:

"مولانا اشرف علی صاحب کے سوا بنگالے کے کوئی اور مولوی ہیں انھوں نے بھی اعتراضات کا کوئی رسالہ تیار کیا ہے، مگر وہ ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ نظر سے گزرتا تو اس کی زیارت بھی نہیں کچھ نہ کچھ ضرور فائدہ دیتی۔" (دیکھیے حیات النذیر شمسی پریس دہلی ۱۹۱۲ء ص ۳۵۹)۔

مارہروی کی نظر سے یہ رسالہ چاہے نہ گزرا ہو لیکن واقعہ یہ ہے کہ ڈپٹی صاحب کے ترجمہ و حواشی کو نا قابلِ اعتماد پا کر ہمارے مؤلف نے ایک دم سے ڈپٹی صاحب کو ہدف اعتراض نہیں بنایا بلکہ ان سے باقاعدہ سلسلہ جنبانی کی کہ نشان دادہ مقامات پر غور فرمائیں اور پورے ترجمہ و حواشی پر نظر ثانی فرما کر کم از کم بعد کے ایڈیشن میں تلافی مافات و اصلاح سے دریغ نہ فرمائیں اس سلسلہ جنبانی میں مولوی یوسف حسن صاحب جعفری چیف مولوی بورڈ آف اکزامنرس کلکتہ نے بھی مولانا عبد اللہ سے تعاون کیا اور خود ڈپٹی صاحب سے خط و کتابت کی لیکن نتیجہ حسب خواہ نہیں نکلا (تفصیل کے لیے دیکھیے رفع الغواشی ص : ۳۲۰-۳۲۳) گویا بنگالے کے اس معترض کی بابت شمس العلماء مرحوم کو شروع سے ہی علم تھا اور مختلف فیہ نکات کی تفصیل بھی ملاحظہ کو پیش کی جا چکی تھی پھر جب پورا رسالہ طبع ہو گیا تو ہمارے مؤلف کا بیان ہے کہ "پہلا نسخہ اس کا بذریعہ رجسٹری ڈپٹی صاحب کی خدمت میں بھیجا گیا مگر انھوں نے شکریہ وغیرہ کا کیا ذکر ہے اس کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسید تک نہ جھجکی ؎ ہوئی اس مہوش کو حال سے میرے نہ آگاہی :: اگرچہ آسماں تک میری فریاد جگر پہنچی (البیان لتراجم القرآن۔ ص ۴۸) غرض فریق مقابل کے بیان کے پیش نظر کہا جا سکتا ہے کہ مارہروی کا بیان بجائے اصل واقعہ کے تجاہل عارفانہ کی صنعت پر مبنی ہے۔ بہر حال مارہروی نے اپنے بیان میں اشارہ کی حد تک رسالہ رفع الغواشی اور اس کے مؤلف کا جو تذکرہ کیا ہے وہ بھی غنیمت ہے ورنہ قصبہ منگلور ضلع سہارنپور کے مولانا گل محمد خاں کی خط و کتابت ڈپٹی صاحب سے مقدور والوں کو فرض روزہ کے بدلے فدیہ دینے کے مسئلہ پر جون ۷ ۱۸۹ء سے اپریل ۱۸۹۸ء تک ہوتی رہی اور جانبین کے متعلق خطوط پرچہ (چودھویں صدی راولپنڈی) کے صفحات پر چھپتے رہے اس معرکہ آرائی کے بارے میں مارہروی کے قائم کردہ ذیلی عنوان (ترجمۃ القرآن پر اعتراض) کے ضمن میں ایک حرف تک نہیں ملتا (دیکھیے رفع الغواشی ص: ۷۴-۸۵)

مولانا تھانوی کا رسالہ (اصلاح ترجمہ دہلویہ) راقم الحروف کو ہنوز دستیاب نہیں ہوا۔ غالباً رفع الغواشی مطبوعہ ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء کے بعد ہی مولانا تھانوی کا رسالہ شائع ہوا چنانچہ خود مولانا عبداللہ نے البیان لتراجم القرآن میں (اصلاح ترجمہ دہلویہ) کی بابت لکھا ہے:

"واضح ہو کہ جیسے اس ترجمہ ڈپٹیہ کی اصلاح میں کتاب رفع الغواشی عن وجوہ الترجمۃ والحواشی لکھی گئی ہے ویسی ہی مولوی اشرف علی تھانوی نے بھی اس کی اصلاح میں ایک مختصر رسالہ مسمیٰ "اصلاح ترجمہ دہلویہ" لکھا ہے۔ دیکھو اخبار دارالعلوم دہلی مطبوعہ ۱۷ جون ۱۹۰۲ء وغیرہ وغیرہ۔ کاش اس بارے میں اور علماء بھی اگر ایسے ہی چھوٹی بڑی تحریر کرتے تو ضرور اس امر کا کچھ نہ کچھ وزن بڑھ جاتا جس سے کچھ نتیجہ خیز ظاہر ہوتا مگر ؎ خدا پنج انگشت یکساں نکرد (دیکھیے البیان لتراجم القرآن۔ ص ۵۲)

"جائزہ تراجم قرآن" (مطبوعہ ۱۹۶۸ء) کے مرتبین نے اس رسالہ کا ذکر ترجمہ ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کے ضمن میں بالفاظ ذیل کیا ہے:

"متن کے بعض مقامات کے ترجمے اور حواشی کے بعض مسائل پر علماء کرام کو فی الجملہ اعتراض ہے اس سلسلہ میں حضرت مولانا تھانوی نے "اصلاح ترجمہ دہلویہ" کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے جو ۴۴ صفحات پر مشتمل ہے اس میں ترجمے اور حواشی کے اغلاط بیان کیے گئے ہیں۔ یہ رسالہ ساڈھورہ (انبالہ) کے مطبع بلالی میں چھپا ہے"۔ (جائزہ تراجم قرآنی دیوبند ۱۹۶۸ء ص ۴۰)

بہر حال رفع الغواشی میں ڈپٹی صاحب کے ترجمہ و حواشی کا جائزہ بہت ہی مبسوط و مدلل پیرائے میں لیا گیا ہے مؤلف نے جہاں احکام و تعلیمات قرآنیہ کے بنیادی پہلوؤں کو حتی المقدور پیش نظر رکھ کر اس ترجمہ کی جانچ اور متعلقہ حواشی کے فوائد و نکات مندرجہ کی چھان پھٹک کی ہے وہاں اصول ترجمہ نگاری اور زبان و بیان کے ضابطوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا بلکہ ضوابط ترجمہ نگاری کو معیار قرار دے کر ترجمہ و حواشی متعلقہ کی لسانی خوبیوں اور خامیوں پر بے لاگ تبصرہ کیا ہے۔ ڈپٹی صاحب کی "بے نظیر شخصیت" کے مقابلہ میں مولانا حافظ عبداللہ چھپڑی کی غیر معروف حیثیت سے اس کارنامہ کی اہمیت پر مطلق اثر نہیں پڑتا۔

پورے قرآن کریم کا قدیم اردو ترجمہ جو طبع ہو کر مقبول عوام و خواص ہوا اور جس کی استنادی حیثیت دینی اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لسانی دونوں پہلوؤں سے بالعموم تسلیم کی گئی شاہ عبدالقادر (م ۱۲۳۰ھ / ۱۸۱۴ء) کا ترجمہ ہے جو ۱۲۰۵ھ میں پورا ہوا اور ۱۲۴۵ھ میں غالباً اسکی پہلی طباعت واشاعت ٹائپ کے حروف میں مطبع احمدی کلکتہ سے ہوئی اس ایڈیشن کا اہتمام سید عبداللہ لاہوری نے کیا تھا (محاسن موضح قرآن ص ۳۵)

شاہ صاحب کے برادر بزرگ شاہ رفیع الدین (م ۱۲۳۳ھ / ۱۸۱۷ء) کا ترجمہ خاص ضرورت کے تحت الگ وجود میں آیا سید نجف علی خاں فوجدار کو قرآن کا تحت لفظی ترجمہ سبقاً سبقاً پڑھنے کا شوق دامن گیر ہوا۔ شاہ رفیع الدین سے درخواست کی آپ نے منظور فرمایا نجف علی خاں ترجمہ کو سن کر قلمبند کرتے جاتے تھے۔ تمام ہونے پر قلمبند شدہ نسخہ شاہ رفیع الدین کو دکھایا اس طرح شاہ صاحب نے اس پر شروع سے آخر تک ایک نظر ڈال کر توثیق فرمادی لبعد میں نجف علی خاں کے قلمبند کردہ اسی تحت لفظی ترجمہ کو نجف علی خاں کے لڑکے سید عبدالرزاق نے اپنے مطبع سے ۱۲۷۲ میں شائع کیا (جائزہ تراجم قرآنی ص ۲۲۱) مقابلہ کیجیے محاسن موضح قرآن ص ۱۵-۱۶) لیکن اس کا پہلا ایڈیشن کلکتہ کے ایک قدیم مطبع اسلامی پریس نامی میں شاہ عبدالقادر کے فوائد موضح القرآن کے ساتھ چھپا تھا (جائزہ تراجم قرآنی۔ ص ۴۳)

ترجمہ میں شاہ عبدالقادر کی روش اپنی نظیر آپ ہے وہ منصوبہ بند طریقے پر مطلب خیز ترجمہ کرتے ہیں لیکن متن قرآن کے لفظ لفظ کو اپنی گرفت میں رکھتے ہیں۔ ترجمہ کی زبان نہایت آسان، سہل اور رواں ہوتی ہے۔ لفظ لفظ کے معنی ومفہوم اور آیتوں کے مضامین کی صحت واستواری کو بنیادی طور پر ملحوظ رکھتے ہیں۔ جابجا عوام کی سوجھ بوجھ کی حد تک ضروری باتیں اور دلنشیں نکتے برمحل فوائد کی شکل میں ویسی ہی عام فہم اور نکھری ستھری زبان میں لکھتے چلے جاتے ہیں۔ جہاں محاورہ بے تکلف کھپ جاتا ہے کھپا دیتے ہیں ورنہ اپنی زبان دانی کا رعب نہیں گانٹھتے۔ ان کے پیش نظر عربی فارسی زبان وادب سے بالکل کورے عوام تک ان کی سمجھی بوجھی زبان میں قرآن کے صحیح ومفید ترین مفہوم کا ادا کر دینا بنیادی مقصود کی حیثیت سے رہتا ہے کہ اس ترجمہ کو پڑھ کر عوام کا ذہن ہموار ہوکر قرآن کی بنیاتی تعلیم کو جذب کرتا چلا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے عہد تک اردو زبان کے دو روپ جو ریختہ اور ہندی کے ناموں سے ایک خاص عبوری مرحلہ تک پہنچ چکے تھے ان میں سے ریختہ کی بجائے ہندی کو جس میں عربی وفارسی کی آمیزش بقدر نمک ہوتی ہے، ترجمہ فوائد کے لیے اختیار کیا۔ چنانچہ موضح قرآن کے دیباچہ میں خود ارشاد فرماتے ہیں: "اس میں ریختہ نہیں بولی بلکہ ہندی تاکہ متعارف عوام کو بے تکلف دریافت ہووے" (رفع الغواشی۔ ص ۸)

اس کے برخلاف شاہ رفیع الدین کے ترجمہ کا محرک ان کا اپنا ذاتی منصوبہ نہ تھا بلکہ سید نجف علی خاں کی درخواست پر یہ تحت لفظی ترجمہ وجود میں آیا تاکہ قرآن کے اصل الفاظ وآیات سے اہل طلب بہ آسانی مانوس ہوسکیں اور لفظ لفظ سے ترجمہ کے تال میل کو بے تکلف ذہن نشین کرلیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غرض ترجمۂ قرآن کے اسالیبی سلسلہ میں عہد سلف سے لے کر شاہ ولی اللہ کے عہد تک جن دو بنیادی طریقوں کی واضح نشاندہی ملتی ہے اور خود شاہ ولی اللہ نے بھی قوانین الترجمہ کے مقدمہ میں ان کو واضح کیا ہے ان میں سے ایک ایک طریقہ کو ہر دو صاحبزادگان نے بنیاد بنا کر ترجمہ قرآن کا پورا متن تیار کیا۔ تحت لفظی ترجمہ کے ذریعہ شاہ رفیع الدین قرآن کی اصل زبان سے قاری کو قریب کرتے ہیں جبکہ شاہ عبدالقادر کا مطلب خیز ترجمہ قرآنی پیغام کو عوام کے دل میں اتارنا چاہتا ہے (دیکھیے محاسن موضح قرآن ص ۷۱) دونوں ترجمے ہندوستان گیر پیمانہ پر مقبول و متداول ہیں خصوصاً شاہ عبدالقادر کے ترجمہ و فوائد کا ہمہ جہت فیضان برابر جاری و ساری ہے ۔۔

لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا اس وقت تک اردو زبان اور خصوصاً اردو نثر عبوری مرحلوں سے گذر رہی تھی ہندی یا ہندوی اور ریختہ کے دو روپ نمایاں تھے۔ اور بتدریج ان میں سے ہر ایک کو پختگی و کمال کے نقطۂ سمت الراس تک پہنچنے میں درمیان کی بہت ساری منزلوں کا طے کرنا باقی تھا۔ اس کے بعد سو برس گذرتے گذرتے بقول ڈپٹی نذیر احمد اردو کے عناصر خمسہ کا دور آنے تک اردو زبان خواہ ریختہ کے روپ میں ہو یا ہندوی کے بھیس میں اسلوب تراکیب کی توانائیوں کو پہنچ گئی پس شاہ عبدالقادر کے عہد کی زبان سے سو برس بعد کی زبان کو اپنی تراش و خراش میں حسن ادا و تعبیری ترکیب میں بوجوہ اعلیٰ درجہ پر فائز ہونا ہی چاہیے۔

شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد نے ۱۳۱۴ھ میں اپنا ترجمۂ قرآن شائع فرمایا (محاسن موضح قرآن ص ۳۰) جو فی الواقع بڑا ہی قابلِ قدر کارنامہ ہے۔ اور بقول محمد یحییٰ صرف ڈھائی برس میں یہ ترجمہ انجام کو پہنچا (سیر المصنفین ج ۲ ص ۲۰۴) اس میں بھی شبہ نہیں کہ ڈپٹی صاحب مرحوم عربی زبان و ادب کے بھی نادر الوجود فضلا میں اپنا مقام رکھتے ہیں بلفظ دیگر قرآن کی اصل زبان ہو یا ترجمہ کی دونوں میں ان کا علمی و ادبی پایہ تسلیم شدہ ہے لہٰذا ان کے ترجمہ کی زبان کو زیادہ دل آویز رواں اور حسن بیان کا مرقع ہونا چاہیے تھا۔ اہل نظر ڈپٹی صاحب کو اردو کے عناصر خمسہ میں شمار کرتے ہیں اور بجا طور پر ان کی تعریف کرتے نہیں تھکتے لیکن ہمارا بشری پنہاں کمزوریوں پر بہر وجوہ قابو پا لینا قد آور اشخاص کے بھی اپنے اختیار کی بات نہیں۔ مہدی افادی جیسے یگانہ ادیب کا یہ فقرہ ترجمہ کی تعریف میں ملتا ہے "بے شک ترجمۂ قرآن ایک مہتمم بالشان کوشش ہے جس کے لیے آئندہ نسلیں بھی ان کی ممنون ہوں گی" (افادات ص ۵۲) پھر ان کا یہ طنطنہ ملاحظہ کیجیے: "یہ مولوی نذیر احمد کون؟ وہی جن کا تصنیفی نام عوام میں ڈپٹی نذیر احمد ہے ... جس کی عربیت اس پایہ کی تھی کہ سخت سے سخت منحرف بھی اس کا لوہا مانتا ہے ... جس کی طبیعت میں قدرت نے عربی کا مذاق اس لیے رکھا تھا کہ وہ عرب کے صحیفہ آسمانی کا قالب [illegible] (افادات ص ۔۔ [illegible] کی معاصرانہ چشمک ص ۲۰۴) لیکن ڈپٹی صاحب ہی کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلوب نگارش کے سلسلہ میں ان کا یہ افادہ چونکا دینے کے لیے کافی ہے کہ: "بعض صاحبوں کو غالب کی طرح ان کی مشکل پسندی کا رونا ہے اور وہ پیوند کاریاں جو ان کی شستہ و رفتہ اور برجستہ اردو میں ہوتی ہیں جس میں انگریزی زبان لے جوڑ ہوتی ہے، عام خیال ہے کہ ثقل سے خالی نہیں۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ یہ سب ان کی جدت اختراع اور قوت آخذہ کا زور ہے آمد کی رو میں اضطراری طور پر اپنے پرائے کی تفریق نہیں ہو سکتی اور پہلی وجہ ہے کہ بعض حصے بلحاظ ترکیب و تحلیل اجزائے السنہ غیر گنگا جمنی ہوتے ہیں" (افادات مطبوعہ ۱۹۵۸ ص ۳۲-۲۲۳ ایضاً ص ۵۲-۵۳) اسلوب کا یہ عمومی سقم جسے انصاف کی دہائی دے کر علامت صحت قرار دینے کی کوشش کی گئی ہے اس نے بالآخر افادی جیسے وضعدار کی بیزاری اتنی بڑھا دی کہ پہلو بدل کر انھیں کہنا ہی پڑا کہ: "اس کا بھی افسوس ہے کہ ان کے لیکچر اب زیادہ سے زیادہ ترجمہ قرآن کے اشتہار ہو گئے ہیں پھیکے اور بے لطف جن میں نسبتاً کوئی جدت نہیں، دلچسپی نہیں، خیال کے ساتھ الفاظ کا ذخیرہ بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ختم ہو چلا۔" (ایضاً افادات ۔ ص ۵۵)

افادی جس بات کا اعتراف اپنے خاص انداز میں کرنا چاہتے ہیں مولوی محمد یحییٰ تنہا نے ڈپٹی صاحب کے انداز تحریر پر روشنی ڈالتے ہوئے تعریف کے ساتھ یوں واضح کر دیا ہے کہ "بعض اعتراض کے پیرائے میں شاکی رہے کہ مولانا مغلق الفاظ لکھتے ہیں اور غیر مانوس لغت لاتے ہیں۔ یہ ایک حد تک صحیح بھی ہے" (سیر المصنفین ج ۲ ص ۳۰۱ مطبوعہ جامعہ ملیہ ۱۹۲۸ء) پھر زیادہ صاف لفظوں میں فرماتے ہیں: "یہاں یہ عرض کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کی تصنیفات میں بعض بعض موقع پر محاوروں کا استعمال برمحل نہیں ہے اور وہ محاورہ کی خاطر موقع و محل کو نظر انداز کر جاتے ہیں، مولانا جیسے ادیب میں اور انشا پرداز میں یہ نقص نہایت قابل افسوس ہے۔" (سیر المصنفین ج ۲ ص ۳۰۲)

مولوی تنہا نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ "توبۃ النصوح" کا طویل اقتباس پیش کرتے ہوئے اس کو انشا پردازی کا اعلیٰ نمونہ قرار دیا ہے اور اسی اقتباس کے چند الفاظ اور محاوروں کو موقع و محل کے لحاظ سے 'غلط' بالکل نامناسب اور سوقیانہ تک لکھ دیا ہے (دیکھیے سیر المصنفین جامعہ ملیہ ۱۹۲۸ء ج ۲ ص ۳۴۲)

یہ درست ہے کہ افادی یا تنہا نے ڈپٹی صاحب کے ترجمہ و حواشی قرآن کے بارے میں راست تبصرہ کیا نہیں لیکن بالعموم دیگر تصانیف کے اسلوب و پیرایہ کی جو خامیاں بڑی احتیاط کے ساتھ دکھائی گئی ہیں ان کی زد کم از کم بالواسطہ تو ترجمہ قرآن و حواشی کی زبان پر پڑتی ہی ہے۔ تنہا نے ایک آیت کا ترجمہ بطور نمونہ لکھ کر اس کے ساتھ شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر کے ترجموں کا متعلقہ حصہ بھی نقل کر دیا ہے کہ ناظرین از خود تقابل باہمی کر کے ان کے مراتب کا اندازہ کر لیں۔ گریز کا یہ طریقہ بجائے خود بے معنی قرار نہیں دیا جا سکتا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہرحال بیسویں صدی کے اوائل کے چند بوریا نشینوں کو جو اس ترجمہ کی طرف توجہ کرنی پڑی ان میں سے مولوی گل محمد خاں، مولانا تھانوی اور مولانا عبداللہ چھپروی کی نیتوں پر شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ اوّل الذکر کا تو نام تک حیات النذیر میں نہیں آتا مولانا تھانوی اور ان کے رسالہ کا ذکر کسی قدر اچھے انداز میں کیا گیا ہے۔ لیکن ان کی اصلاح کی اہمیت اگر کسی درجہ میں تسلیم کی جاتی تو "حیات" کے آخر میں مارہروی کے قلم سے یہ فقرہ نہیں نکلتا: "اب رہی یہ بات کہ فاضل مترجم نے درحقیقت ترجمۃ القرآن میں کوئی غلطی کی ہے یا نہیں اس کا تصفیہ ہم سے متعلق نہیں یہ کام ہے علمائے قرآن و تفسیر کا ان کا یہ فرض ہے کہ وہ مخصوص اعتراض چننے کے لیے کمیٹی بٹھائیں اور جو کچھ معنوی اعتراض ہوں وہ فاضل مترجم کے سامنے پیش کیے جائیں۔ فاضل مترجم ترجمہ کی اصلاح کے لیے ہر وقت تیار ہیں۔ الخ (حیات النذیر ص ۵۹ س) اب رہا ذکر مولانا چھپروی کا تو ہم پہلے ہی عرض کر چکے ہیں کہ ان کی بابت دانستہ طور پر اشاروں پر اکتفا کیا گیا۔

'رفع الغواشی' کے لکھنے کی ایسی کون سی ضرورت تھی وہ اسباب کیا تھے جن کا مجموعی تقاضا رسالہ لکھے بغیر پورا نہیں ہو سکتا تھا؟ کیا مؤلف کو ڈپٹی صاحب سے کوئی خواہ مخواہ کی خصومت تھی؟ ان تمام سوالات کا جواب خود مؤلف ہی کی زبان سے سننا بہتر ہے کہ مؤلف کے اسلوب بیان سے بھی واقفیت ہو جائے اور طرح طرح کے شکوک بھی رفع ہو جائیں۔ اس اقتباس کے پیش کرنے میں ہم نے بہ نظر اختصار کچھ فقروں کو اس طرح حذف کیا ہے کہ عبارت کی روانی میں فرق نہ پڑے اور مؤلف کی غرض و غایت کے سمجھنے میں بھی دشواری نہ ہو یہ اقتباس دیباچہ کتاب سے منقول ہے۔

"شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد دہلوی، جن کی ایامی، محصنات و مرآۃ العروس، بنات النعش ... وغیرہ قصص و حکایات ہند ان میں آفتاب کے مانند مشہور رہیں، آج کل ان حضرت (امطا حضرات) نے قرآن شریف کا ایک ترجمہ نکالا ہے۔ اس کے دیباچہ میں ـــــ جو بعض چھاپوں سے بالکل اڑا دیا گیا ہے اور بعض میں ادل بدل کر لکھا گیا ہے ـــــ یہ دعوا کیا ہے کہ: "مولانا شاہ عبدالقادر صاحب چونکہ عربی بہت پڑھے ہوئے تھے اور بڑے دیندار تھے اس لیے ان کو اُردو زبان نہ آتی تھی۔ لہٰذا ان کا اور ان کے بھائی مولوی رفیع الدین کا ترجمہ قرآن محض بے ترتیب بے محاورہ ہے۔ اسلیے زمانہ حال کے محاورہ کے موافق میں نے (امطا میںنے) یہ ترجمہ لکھ کر شائع کیا ہے"۔ اس ادعاء محض کو دیکھ کر ان کے معتقدین اس ترجمہ کو قرآن سے (ص ۳) بڑھ کر سمجھنے لگے حتی کہ ایڈیٹر وکیل امرتسر اپنے پرچہ مورخہ ۱۲ فروری ۱۹۰۰ء میں یہ لکھ بیٹھے (جس صاحب مقدور اردو پڑھنے والے کے پاس مولوی نذیر احمد کی مترجم حمائل تشریف نہ ہو مجھ کو اس کے اسلام میں شک ہے) اس کو دیکھ کر میں نے (امطا میںنے) ان کے ترجمہ کی ضخیم و حمائل دونوں جلدیں بہم پہنچایا اور اول سے آخر تک پڑھا تو واہ واہ یہ تو عجیب طرح کا ترجمہ نظر آیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا — جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

چونکہ آج کل دینی امور میں جانچ وتحقیق کا دروازہ بالکل بند ہے اس لیے جہاں کسی نے کوئی امر نکالا لوگوں
نے اوسکا ڈنکا بجایا اور اس کے لیے لمبی لمبی کا اشتہار جاری کیا۔ پس عوام کالانعام بھیڑ یا دھسان اس
پر گر پڑے اور جو کچھ ان کا دل چاہا کر گزرے اور اس کے مقابل گو کیسی ہی عمدہ و بہتر چیز ہو اوس کو لاشی و ناچیز
محض کر دیے۔ اس لیے میں نے (مط۔ میننے) مناسب سمجھا کہ لوگوں کو اس ترجمہ کی حالت سے واقف کروں اور
ڈپٹی صاحب نے جو قصہ کہانی کی کتابوں کے مانند اس کو بھی انوکھے بیان و زبان سے لہو الحدیث و ناول
کے لہجہ و محاورہ میں ادا کیا ہے، لوگوں کو دکھاؤں۔ اور اپنے ترجمہ کے مقابلہ میں جو مولانا شاہ عبدالقادر و مولانا
رفیع الدین (ص ۴) رحمۃ اللہ علیہما کے ترجموں کو بے محاورہ بلکہ غیر مفہوم لکھا ہے اس کی حقیقت و اصلیت سے بھی
لوگوں کو خبردار کروں پس جاننا چاہیے کہ ڈپٹی صاحب اپنے مقدمہ ترجمہ قرآن جلد ضخیم مطبوعہ مطبع انصاری دہلی
۱۳۱۴ھ کے صفحہ ۱ میں لکھتے ہیں: "اگر اصل عبارت عربی کی ترتیب کا لحاظ کیا جائے تو اردو کی عبارت کا حال کیا
ہوگا یہ ہے وہ بڑا نقص جو مولانا شاہ رفیع الدین کے ترجمہ میں تو سراسر اور مولانا شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمہ میں بکثرت پایا جاتا ہے۔
مولانا شاہ عبدالقادر اور مولانا شاہ رفیع الدین کے ترجمے زبان کے پرانے ہونے کی وجہ سے اکھڑے اکھڑے
نہیں معلوم ہوتے جتنے بھی بے ترتیبی الفاظ کی وجہ سے۔

یہ نہیں کہ ان بزرگوں کو بے ترتیبی الفاظ کا علم نہیں ہوا یا انکے وقت میں ایسی بے ترتیب اردو فصیح سمجھی جاتی
تھی نہیں یہ لوگ بجائے خود اردو کے لیے سند تھے مگر بات یہ ہے کہ ایک طرف ترتیب الفاظ قرآن کا پاس اور
دوسری طرف اردو کی فصاحت ان کی دینداری نے اجازت نہ دی کہ ترتیب الفاظ قرآن کے مقابلہ میں اردو کی فصاحت کا پاس کریں۔
ترتیب الفاظ قرآن کا پاس اپنے اوپر لازم تو کیا یہانتک کہ وہ علی السماء کا ترجمہ "آسمان پر" کی جگہ "اوپر
آسمان کے" اور فی الارض کا ترجمہ "زمین میں" کی جگہ "بیچ زمین کے" کرتے ہیں، مگر من السماء الی الارض
(ص ۵) کا ترجمہ "سے آسمان تک زمین" تو نہیں کر سکتے۔

ترجمہ تو ترجمہ کثرت سے عربی کے پڑھنے نے انکے مذاق اردو پر یہ اثر کیا تھا کہ باوجودیکہ ترجمہ نہیں مگر الفاظ
کی بے ترتیبی ان کی اپنی اردو میں بھی ہے (یہاں ڈپٹی صاحب نے شاہ عبدالقادر کے دیباچہ کی ایک عبارت
بطور نمونہ نقل کی ہے) تاکہ بے ترتیبی الفاظ کو دکھائیں کہ جب دیباچہ کا یہ حال ہے تو ترجمہ میں الفاظ کی بے ترتیبی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نصِ قرآنی کی پابندی کے باعث کس قدر ہو گی۔ پھر انھوں نے بلفظ خود یوں فرمایا ہے)

(ص ٦) بایں ہمہ ترجمہ اپنے وقت میں اور اپنی شان میں بے نظیر تھا۔ لیکن اس کی بے ترتیبی اور اس کے انقباض نے عوام کو وہ فائدہ نہ ہونے دیا جس کی مترجم نے توقع کی تھی۔ لوگ اس کو بہ مجبوری پڑھتے ہیں اس لیے کہ اس سے بہتر اور کوئی ترجمہ نہیں۔ مگر خوش نہیں ہوتے اور اکثر جگہ سے تو سمجھتے بھی نہیں۔ شوق سے پڑھنا شروع کرتے اور اکتا کر چھوڑ دیتے ہیں۔ ترجمہ ہونا چاہیے تھا سلیس شگفتہ، مطلب خیز، بامحاورہ کہ ایک بار نظر ڈالو تو چھوڑنے کو جی نہ چاہے صفحے کے صفحے اور ورق کے ورق پڑھتے چلے جاؤ اور طبیعت نہ گھبرائے" انتہیٰ (رفع النواہی ص ۲۰۲)

مؤلف نے ڈپٹی صاحب کے بیان پر بدوجہ گرفت کی ہے اوّل یہ کہ انھوں نے شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین کے ترجموں میں طریق کار کے مبینہ فرق کو نظر انداز کر کے دونوں کے ساتھ برابری کا سلوک کیا۔ یعنی بلحاظ بے ترتیبی الفاظ و سلاست و مطلب خیزی دونوں کو موجب انقباض اور عوام کے لیے غیر مفید ٹھہرایا۔ حالانکہ تحت لفظی ترجمہ ہونے کے باعث شاہ رفیع الدین کا ترجمہ تو بلحاظ سلاست و روانی و مطلب خیزی دشوار قرار دیا جا سکتا ہے لیکن شاہ عبدالقادر کے ترجمہ پر یہ باتیں ہرگز چسپاں نہیں ہو سکتی ہیں کہ یہ ترجمہ فی الواقع شاہ عبدالقادر کے عہد کی بامحاورہ و سلیس زبان کا مستند نمونہ ہے چنانچہ خود ڈپٹی صاحب کو بھی دبی زبان سے اس کا اقرار ہے۔ دوم یہ کہ ڈپٹی صاحب نے شاہ عبدالقادر کے ترجمہ کی زبان پر اس انداز سے تنقید کی ہے جیسے شاہ صاحب ان کے معصر ہوں یا شاہ صاحب کے وقت کی زبان اور سو سال بعد کی منجھی ہوئی زبان دونوں ہم سطح ہو ں۔ چنانچہ ہمارے مؤلف نے ڈپٹی صاحب کے ایک ایک نکتہ کا جواب دے دیا ہے یہاں پوری تفصیل پیش کرنا غیر ضروری ہے لیکن ایک اور اقتباس لائق توجہ ہے:

"اب ڈپٹی صاحب کا موضح القرآن (کذا) کے دیباچہ کی تھوڑی سی عبارت لکھ کر مولانا کی اردو پر قدح کرنی اور اس کے بعد یہ لکھنا کہ اسی پر قیاس کرنا چاہیے ان کے ترجمہ کو یہ چھوٹے منہ سے بڑی بات نکالنی ہے ؎

نہ کہے غنچہ کہ اوس لب پہ دھڑی خوب نہیں　　　چپ کہ منہ چھوٹا سا اور بات بڑی خوب نہیں

سو برس پہلے کی اردو کو چھوڑ دیجیے، آج ہی کل کی کشمیر اور بمبئی و حیدر آباد و مدراس و میسور و انبالہ و پٹیالہ و بھاگلپور و راج محل اور پھر کلکتہ و ڈھاکہ (ص ۱۰) و چاٹگام و رنگون کی اردو کو ملا کر دیکھیے اور راجپوتانہ و مارواڑ و مالوہ کے سوا دہلی ہی کے عوام و خواص و بازاری و دربار ی اور شرفا و اراذل کے زن و مرد کی اردو کو ملاحظہ فرمایئے تو اس سے کہیں بڑھ کر فرق و اختلاف پایا جائیگا جتنا ڈپٹی صاحب مولانا عبدالقادر اور اس زمانہ کے اردو میں فرق پاتے ہیں۔

ڈپٹی صاحب خود اپنی رو بائے صادقہ میں لکھتے ہیں: "اردو سارے ہندوستان کی زبان ہے کہ اردو اردو میں فرق ہے۔ اردو دلی لکھنؤ کی، اردو بہار کی، اردو مارواڑ کی، اردو پورب کی اردو پنجاب کی اردو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دکن کی بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک دلی میں قلعہ کی اُردو اور شہر کی اُردو' اور اب بھی ہندوؤں اور مسلمانوں کی اردو میں فرق ہے۔ مسلمانوں میں پنجابیوں کا محاورہ جدا ہمارا جدا لیکن باایں ہمہ یہاں کی اردو سے وہاں والوں کی اور وہاں کی اردو سے یہاں والوں کو' اور اس سے اونکو اور اوس سے ان کو نفس مطلب سے ضرور واقفیت ہو جاتی ہے"۔

پس ایسے ہی اگر اتنے زمانہ گذرنے کے سبب سے مولانا شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمہ میں کچھ الفاظ مقدم موخر یا کھرے پڑے ہو گئے ہیں، تو ممکن ہے لیکن باایں ہمہ ایسا تو ہرگز نہیں ہوا ہے کہ اس سے کوئی نفس مطلب ہی نہ سمجھتا ہو' جیسا کہ ڈپٹی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ: "اکثر (ص ۱۱) جگہ سے تو سمجھتے نہیں"۔ سبحانك هذا بهتان عظيم۔

میں کہتا ہوں کہ اسی ترجمے نے ہندوستان میں عوام الناس کو قرآن کا مطلب سمجھایا اور عموماً ہندستانیوں کو قرآن خواں نہیں بلکہ قرآن داں بنایا۔ مزید برآں مسلمانوں کے سوا غیر مذہب والوں نے بھی جب قرآن کا مطلب دریافت کرنا چاہا تو اسی کو پڑھا پڑھایا چنانچہ الہ آباد و لودیانہ کے عیسائیوں نے اس ترجمہ کو اپنے اہتمام سے چھپوایا اور لوگوں میں تقسیم کیا۔ پس ان تمام باتوں سے بخوبی ثابت ہے کہ یہ ترجمہ زمانہ حال کے محاورہ کے مطابق بھی قرآن کا مطلب سمجھانے کے لیے کافی ہی نہیں ہے بلکہ بے مثل ہے۔

اور ڈپٹی صاحب کو جو اپنے ترجمہ پر اس بات کا بڑا ہی فخر و ناز ہے کہ میرا ترجمہ بامحاورہ ہے، تو معلوم نہیں کہ ڈپٹی صاحب محاورہ کے معنی کیا سمجھ بیٹھے ہیں۔ ان کے ترجمہ کے ملاحظہ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت محاورہ اسی کو کہتے ہیں کہ ایک آیت کے مطلب کو ایک ہندوستانی مثل میں ادا کر دی یا کسی تمثیل کو کسی مثال سے بھڑا دیں گو قرآن کا مفہوم لفظی اس سے ادا ہو اور متن کی تمامی قوت و حسن ادا میں آئیں یا نہ آئیں۔ مثلاً ولو نشاء لطمسنا على اعينهم کا ترجمہ آپ لکھتے ہیں اور ہم چاہیں تو انکی آنکھوں پر جھاڑو پھیر دیں"

اور كلا ان كتاب الفجار لفى سجين (ص ۱۲) کا ترجمہ آپ تحریر فرماتے ہیں: "سنو جی بدکار لوگوں کے نامہ اعمال قیدیوں کے رجسٹر میں درج ہوتے رہتے ہیں"۔ پس اسی پر ڈپٹی صاحب کو فخر ہے اور اسی پر ان کے حواری لوگ فریفتہ و نازاں ہیں۔ حالانکہ محاورہ کے معنی مطلق گفتگو کے ہے جس سے ایک دوسرے کے ما فی الضمیر یعنی دلی خیالات پر مطلع ہو جائے اور اس کے غرض و مطلب کو سمجھ جائے۔ چنانچہ قرآن ہی میں لکھا ہے وهو يحاوره (وہ اس سے باتیں کرنے لگا) اور والله يسمع تحاوركما (اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سنی) پس مطلب فہمی جو بالاتفاق محاورہ کے اصلی معنی و مفہوم ہے اور ترجمہ سے یہی غرض ہوا کرتی ہے چنانچہ ڈپٹی صاحب بھی اپنے ترجمہ کی شان میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لکھتے ہیں اصل غرض یہ تھی ہے کہ ترجمہ کا پڑھنے والا قرآن کا نفس مطلب بخوبی سمجھ لے جناب مولانا عبد القادر صاحب کے ترجمے سے حاصل ہے۔

پس تاہم اس پر یہ الزام لگانا کہ آئندہ اسکو نہیں سمجھتے اور اس کی زبان اکھڑی اکھڑی معلوم ہوتی ہے اور اس کے مقابلہ میں اپنے ترجمہ کی شان میں یہ لکھنا کہ "ترجمہ ہونا چاہیے تھا سلیس شگفتہ مطلب خیز با محاورہ کہ ایک بار نظر ڈالو تو چھوڑنے کو جی نہ چاہے صفحے کے صفحے اور ورق کے ورق پڑھتے چلے جاؤ اور طبیعت نہ گھبرائے محض خودستائی ہے کیونکہ سچ پوچھیے تو یہ اوصاف ہو بہو ترجمہ قادریہ ہی میں پائے جاتے ہیں۔" (رفع الغواشی (دیباچہ) ص: ۹-۱۲)

مؤلف نے ڈپٹی صاحب کے ترجمہ و حواشی پر جو اعتراضات سلسلہ وار درج کیے ہیں اصولی طور پر ان کی دو قسمیں ہیں یعنی لفظی و معنوی جن میں سے ہر ایک کی جہتیں متعدد ہیں۔ مثلاً ترجمہ کا کوئی لفظ یا محاورہ بجائے خود فصیح ہے لیکن قرآنی لفظ سے ہم آہنگ نہیں۔ یا پھر اصل عربی سے ہم آہنگ تو ہے لیکن ترجمہ کا لفظ ہی ثقیل یا غیر مانوس یا کریہہ ہے جس کے بالمقابل سہل عام فہم اور فصیح لفظ یا محاورہ موجود ہے لیکن اسے نظر انداز کیا گیا۔ اسی طرح جا بجا عربی یا فارسی کے مشکل و ادق الفاظ جو عوام نہیں سمجھتے استعمال کیے گئے ہیں یا مثلاً خطوط ہلالی میں کوئی توضیحی لفظ یا فقرہ ایسا درج کیا گیا ہے جو جمہور اہل سنت کے خلاف ہے اسی طرح بعض مقامات پر تشریح و تحشیہ کی ضرورت تھی وہاں تحشیہ سے گریز کیا گیا اور غیر ضروری مقامات پر حواشی چڑھائے گئے۔

مؤلف نے جملہ اسباب نقص کی شرح آٹھ دفعات میں کی ہے ان میں سے تین بلحاظ اصول ترجمہ نگاری و ضوابط تحقیق و قرآن فہمی کے بنیادی نکات پر مشتمل ہیں لہٰذا خود مؤلف کے الفاظ میں نقل کی جاتی ہیں (بقیہ دفعات کے لیے اصل کتاب سے رجوع کیا جائے)

(۱) اولاً اس ترجمہ میں اکثر ایسے کریہہ و غیر مانوس الفاظ و محاورے اختیار کیے گئے ہیں کہ گو وہ دہلی کی گلیوں میں کسی کسی کی زبان پر جاری ہوں لیکن فصیح اور عام فہم ہرگز نہیں۔

پس باوجود موجود رہنے الفاظ فصیحہ و محاورات مانوسہ عام فہم کے ایسی مقدس کتاب کے ترجمہ میں جو عموماً ماہر قطر و اطراف کے اردو دانوں کے سمجھانے کی غرض سے لکھا گیا ہو۔ اس کا اختیار کرنا مناسب نہیں۔ (رفع الغواشی (ص ۲۰)

(۲) ثانیاً اس ترجمہ میں بعض مقام پہ دیدہ و دانستہ ایسے انداز سے ترجمہ ہی نہیں کیا گیا بلکہ خطوط ہلالی کے درمیان بھی ایسے مضامین حاشیہ جو تمامی علماء المسلمین من الصحابۃ والتابعین وائمہ مجتہدین و جمہور مفسرین اہل سنت کے خلاف ہیں۔ لکھ کر اس پر زور بھی دیا گیا۔ (رفع الغواشی ص ۲۱)

(۳) ثالثاً دیدہ و دانستہ ترجمہ ایسے انداز سے کیا گیا ہے کہ متن کے مقابل اسکے لکھنے سے کبھی اس پر ترجمہ کا اطلاق ہی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ترجمہ کا الفاظ متن سے بہت دور پڑ جانا حقیقت میں ترجمہ کا ایک بہت بڑا نقص ہے۔ الخ (ص ۲۱-۲۲)

باقی ماندہ دفعات میں سے چوتھی دفعہ کا خلاصہ ڈپٹی صاحب کا سرسید سے فکر میں تاثرات قبول کرنے کا مسئلہ ہے۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پانچویں دفعہ غیر ضروری تحشیہ سے متعلق ہے جس کا بیان سطور بالا میں پیش کیا گیا ۔ چھٹی دفعہ مضامین قرآن کی فہرست سے متعلق ہے کہ اس کی تدوین میں متداول مآخذ و مراجع سے فائدہ نہیں اٹھایا گیا ۔ ساتویں دفعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اس ترجمہ کی بابت حضرت میاں صاحب دہلوی مولانا عبدالحق حقانی جیسے مستند اصحاب نظر سے رجوع نہیں کیا گیا ورنہ اس کی شان دوسری ہوتی آٹھویں دفعہ خاص طور پر حافظ عبدالوہاب صاحب نابینا سے محض جزوی نظر ثانی کے حصہ سے متعلق ہے کہ ان سے بحث و تبادلہ خیال میں وقت بہت صرف ہوتا تھا اور کام میں ان کی معذوری کے سبب پیش رفت مایوس کن تھی جس کا ذکر خود ڈپٹی صاحب نے مقدمہ میں کیا ہے ۔ ظاہر ہے کہ ان دفعات کی حیثیت فروعی و ثانوی ہے پس مذکورہ بالا دفعات سہ گانہ ہی میں ڈپٹی صاحب کے ترجمہ کے نقص کی تمام بنیادی وجوہات سمٹ آئی ہیں اور واقعہ بھی ہے کہ قرآن پاک کے کسی ترجمہ و متعلقہ حواشی کی قدر و قیمت کی دریافت کے سلسلہ میں دفعات سہ گانہ کے نکات مشمولہ اپنی وہ کیمیائی عناصر و اجزا ہیں جن کی ترکیب سے ترجمہ کے اپنی تفسیری پہلوؤں اور لسانی و ادبی اداؤں کی جانچ پڑتال کی میزان بنتی ہے ۔

ذیل میں ملاحظہ فرمائیے کہ ان تمام پہلوؤں سے مؤلف کتاب نے ڈپٹی صاحب کے ترجمہ و حواشی کی جانچ کرنے میں کہاں تک ژرف نگاہی و اصابت فکر و نظر سے کام لیا ہے وہ اپنے ایک ایک دعوی کے اثبات میں حق بجانب ہیں تو کس حد تک ! اور اگر کہیں ان سے چوک ہوگئی ہے تو اس کی نوعیت کیا ہے !

ایک مختصر مقالے میں بجز اس کے چارہ کار نہیں کہ مذکورہ دفعات سہ گانہ سے ماخوذ ذیلی عنوانات کے تحت دقت کی گنجائش کے لحاظ سے الگ الگ مثالوں پر اکتفا کیا جائے کہ علوم قرآنیہ میں فاضل مؤلف کی دراکی اور اردو الفاظ و محاورات کے موقع و محل اور صحت استعمال و طریق استناد و استدلال کے بارے میں ان کی گہری واقفیت و ذوق سلیم کا ایک حد تک اندازہ کیا جاسکے !

الفاظ کا بے محل استعمال

(۱) چاندنی (بجلی کی چمک کے لیے)

قولہ : مشوا فیہ (تو اس (کی چاندنی) میں کچھ) چلے ۔ سورہ بقرہ رکوع ۲ (آیت ۲)

اقول : اس کی روشنی یا چمک چاہیے کیونکہ چاندنی چاند کے سایہ کو کہتے ہیں نہ بجلی کی چمک کو ۔ مولوی اوحد الدین بلگرامی نفائس اللغات میں لکھتے ہیں : چاندنی بکسر نون و سکون تحتانی معروف بمعنی روشنی ماہ انتہی اور ناسخ شاعر کہتا ہے ؎

تو چاند ہے سایہ چاندنی ہے   کوسوں تلک بلکہ روشنی ہے

اس لیے مولانا شاہ ولی اللہ صاحب نے ترجمہ کیا ہے "راہ روند در آں روشنی" (رفع الغواشی ص ۳۸)

مؤلف نے گرفت ایسی کی ہے کہ جواب بن نہیں پڑتا ۔ بہر حال سہ گرتے ہیں شہسوار ہی میدان جنگ میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۲) جھکنا (سجود کے ترجمہ میں)

قولہ: قلنا للملئکۃ اسجدوا لآدم۔ ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کے آگے جھکو (البقرہ رکوع ۴ آیت ۳۴)

اقول: ڈپٹی صاحب یہاں اور اس کے سوا اور مقاموں پر بھی سجدہ کے معنی مطلق جھکنا اور آیت واركعوا مع الراكعين وغیرہ میں رکوع کے معنی بھی مطلق جھکنا ہی لکھتے ہیں۔ پس ان کو لازم تھا کہ رکوع اور سجدہ دونوں کا ترجمہ علیحدہ علیحدہ لکھتے اور دونوں جھکنے میں ما بہ الامتیاز کو ظاہر کرتے۔ اور اگر یہ نہ کرتے تو انھیں دونوں لفظوں ہی کو بلا ترجمہ رہنے دیتے۔ کیونکہ یہ دونوں لفظیں عموماً اس قدر مشہور ہیں کہ ان کی ترجمہ کی ضرورت ہی نہیں۔ چنانچہ آپ کے سرسید نے اسی خیال سے ان دونوں کا ترجمہ نہیں لکھا (رفع ص: ۳۹۔۴۰) اس موقع پر فیضی کی یاد تازہ ہوجاتی ہے کہ سورۃ الحجرات کی آیت (فقعوا له ساجدين) کی تفسیر میں لکھا ہے (السابقة لآدم اکراما وسلاما له۔ سواطع الالہام ص ۳۲۹ ـ ۳۳۰) لیکن سورۃ البقرہ کی اس آیت میں ما بہ الامتیاز کو فراموش نہیں کرتا بلکہ یوں تفسیر اس کی کرتا ہے (مسواس وسکہ سطح العرا وھو الاصل۔ سواطع ص ۳۰) اس آیت کے ترجمہ میں ڈپٹی صاحب کا گہرا اثر تفہیم القرآن پر پڑا اس کے الفاظ یہ ہیں (ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے جھک جاؤ تو سب جھک گئے۔ ج ا ص ۴۶) جبکہ وارکعوا مع الراکعین کا ترجمہ ان ہی لفظوں میں ہو سکتا تھا کہ (اور جو لوگ میرے آگے جھک رہے ہیں ان کے ساتھ تم بھی جھک جاؤ) (تفہیم ج ا ص ۷۴)

(۳) سپاٹ (چٹان کی صفت کے طور پر جس کی ہموار سطح پر غبار تک باقی نہ رہا ہو)

قولہ: فترکہ صلدا۔ اس کو سپاٹ کر کے سورہ بقرہ رکوع ۳۶ آیت ۲۶۴)

اقول: سپاٹ کا لفظ اکثر سیدھے کی تاکید و صفت کے لیے مستعمل ہوتا ہے اور یہاں پر سیدھے کا موقع نہیں بلکہ غرض یہ ہے کہ جس چٹان پر تھوڑی سی مٹی جم گئی تھی جب اس پر زور کا پانی آیا تو مٹی بہ گئی اور وہ پتھر صاف سخت رہ گیا جو قابل زراعت نہیں۔ چنانچہ ترجمہ رفیعہ میں ہے پس چھوڑ دے اس کو صاف۔ اور ترجمہ قادریہ میں ہے "تو اس کو کر رکھا سخت" اس لیے صلدا کا ترجمہ سپاٹ ہرگز مناسب نہیں ... پس باعتبار لغت کے اس کا ترجمہ سخت و شفاف یا صاف چاہیے۔ اور آپ کے سرسید کے محاورہ میں "صفا چٹ" چنانچہ تفسیر نیچری میں یہی لکھا ہے ... الی صل اس کا ترجمہ سپاٹ کسی طرح درست نہیں لیکن ہوتا ہے آپ کا انداز سے مطلب معلوم ورنہ کہنے میں کرامات تو کچھ ہے ہی نہیں (رفع الغواشی ص ۱۰۷۔۱۰۸)

(لیکن "سپاٹ" کی تحقیق جو فرہنگ آصفیہ میں درج ہے (ج ۳ ص ۲۷) اس کے پیش نظر سادہ، سلیپٹ، چورس وغیرہ کے معنی بھی ادا کرتا ہے اس لیے ڈپٹی صاحب کے ترجمہ کو بالکل مسترد کرنا دشوار ہے۔) اس موقع پر ترجمہ رضویہ میں (اسے نرا پتھر کر چھوڑا کے الفاظ ہیں (ص ۶۷ بقرہ آیت ۲۶۴) اور ترجمان القرآن آزاد میں (صاف اور سخت چٹان کے سوا کچھ باقی نہ رہا۔ (ترجمان القرآن ص ۲۷۳ رقم ۲۶۵) اور تفہیم مودودی میں (صاف چٹان کی چٹان رہ گئی) کے الفاظ ہیں (تفہیم القرآن ج ا ص ۲۰۴)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۴) <u>پچھڑنے کی جگہ</u> (یعنی ڈھیر ہوجانے کی جگہ)

قولہ: إلى مضاجعهم "اپنے پچھڑنے کی جگہ"، سورہ آل عمران رکوع ۱۶ (آیت نمبر ۱۵۴)

اقول: "پچھڑنے کی جگہ" مصرع و مصارع کا ترجمہ ہے، نہ مضاجع کا کیونکہ اس کے لفظی معنی ہے خوابگاہ ہونے کی جگہ اور بامحاورہ مطلب خیز وہ ترجمہ ہے جو ہمارے مولانا عبد القادر نے لکھا ہے: "اپنے پڑاؤ پر" اور واضح وہ ترجمہ ہے جو آپ کے سرسید نے لکھا ہے: "اپنے قتل ہونے کی جگہ" بہر صورت ڈپٹی صاحب کا ترجمہ نہ تو لفظاً ہی صحیح ہے اور نہ محاورۃً فصیح کما لا یخفی (رفع الغواشی ص ۱۲۰) گرفت بظاہر درست ہے۔ لیکن مطلب خیزی میں سرسید کا ترجمہ بھی بعد کے لوگوں کا رہنما بنا چنانچہ رضویہ کے الفاظ ہیں "اپنی قتل گاہوں تک" (ص ۱۰۳) جبکہ ترجمان آزاد کے الفاظ (اپنے مارے جانے کی جگہ۔ ص ۲۱۵) فیضی نے اس لفظ کی تفسیر (مصارعهم سے کی ہے (سواطع ص ۱۰۵) نیز اہل نظر جانتے ہیں کہ قتیل کو صریع بھی کہتے ہیں (المصباح المنیر ج ۱ ص ۵۱۷) اس طرح بڑی گنجائش نکل آتی ہے۔

(۵) <u>اکھاڑا</u> (ظرف مکان "هنالك" کی توضیح کے لیے)

قولہ: فغلبوا هنالك وانقلبوا صاغرين۔ پس فرعون اور اوس کے لوگ اوس اکھاڑے میں ہارے اور ذلیل و خوار ہو گئے۔ سورۂ اعراف رکوع ۱۴ (آیت نمبر ۱۱۹)

اقول: متن میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جس کا ترجمہ اکھاڑا لکھا جائے۔ پس یہ لفظ اپنی طرف سے زیادہ کیا گیا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ یہ لفظ تفسیراً لکھا گیا ہے تو کہا جائے گا ڈپٹی صاحب اپنے ترجمہ کو تفسیر ہونے سے انکار ہی نہیں کرتے بلکہ اس سے متحاشی ہوتے ہیں اور پھر اگر تفسیری جملہ ہوتا تو بحسب قرار داد و معمول ڈپٹی صاحب کے یہ دو خط ہلالی کے درمیان میں لکھا جاتا و اذ لیس فلیس۔ اور پھر یہ جملہ خود ایسا صاف واضح کہ اس کے لیے کسی تفسیری لفظ و جملہ کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ شیخ الہند نے اسے خاصہ ترقی دی ہے (پس ہار گئے اس جگہ اور لوٹ گئے ذلیل ہو کر ص ۲۱۲) چنانچہ مولانا عبد القادر صاحب نے اس اکھاڑے کے کیا صاف ترجمہ لکھے ہیں: تب ہارے اس جگہ اور پھرے ذلیل ہو کر (رفع الغواشی ص ۱۵۷-۱۵۸)

یہاں پر ڈپٹی صاحب نے فضائے معنوی کی تصویر پیش کرنے کی کوشش کی ہے لیکن ترجمہ کی شان باقی نہیں رہ سکی۔ ترجمہ رضویہ یوں ہے "یہاں وہ مغلوب پڑے اور ذلیل ہو کر پلٹے۔ ۲۳۸ مولانا مودودی کا ترجمہ یوں ہے (فرعون اور اس کے ساتھی میدان مقابلہ میں مغلوب ہوئے (تفہیم القرآن ۲/ ۶۹) یعنی بجائے اکھاڑا (میدان مقابلہ) لکھا جس کو (هنالك) کا ترجمہ قرار دینا مشکل ہے گرچہ ان پر ترجمان آزاد کا پرتو پڑا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں (فرعون اور اسکے درباریوں کو اس مقابلہ میں مغلوب ہونا پڑا ——

(ترجمان القرآن ج ۲ ص ۲۷

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۶۔ مچھلیاں سینہ سپر ... آجمع ہوئیں (مچھلیاں جو پانی سے سر ابھار کر تیرتی تھیں)

قولہ: اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا: جب اون کے سبت کا دن ہوتا تو مچھلیاں سینہ سپر ان کے سامنے آجمع ہوتیں۔ سورۂ اعراف رکوع ۲۱ (آیت ۱۶۳)

اقول: شرعاً کے معنی ہے پانی کے اوپر آجانا۔ چنانچہ مولانا عبدالقادر صاحب لکھتے ہیں۔ جب آنے لگیں اون پاس مچھلیاں ہفتے کے دن پانی کے اوپر۔ پس مچھلیوں کا سینہ سپر آنا" خاص ڈپٹی صاحب کا محاورہ ہے لیکن ؎

بنائیں بات ہزار آکے حضرت ناصح   پر ان کی بات نہیں اعتماد کی باتیں (رفع الغواشی ص ۱۵۹)

(راقم کے خیال میں ڈپٹی صاحب نے بطور خود جس مفہوم کو ادا کرنے کی کوشش کی ہے اس کا ماخذ مجدالدین فیروز آبادی کا یہ خاص فقرہ ہوسکتا ہے جو القاموس المحیط میں ملتا ہے کہ حیتان شرع کسکع رافعة رؤسها یعنی حیتان شرع بروزن رکع سر ابھار کر تیرتی مچھلیاں کو کہتے ہیں۔ بہرحال بعد کے ترجمہ نگاروں میں مولانا مودودی نے آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے۔ مچھلیاں سبت ہی کے دن ابھر ابھر کر سطح پر ان کے سامنے آتی تھیں (تفہیم القرآن ج ۲ ص ۸۹)

(۷) گدگدی (وسوسہ یا خلش)

واما ینزغنك من الشیطان نزغ "اور اگر شیطان کے گدگدانے سے انتقام وغیرہ کی گدگدی تمہارے دل میں پیدا ہو" (سورہ اعراف رکوع ۲۴ (آیت ۲۰۰)

اقول: اس کا واضح و مطلب خیز یہ ترجمہ ہے: "اگر شیطان کی طرف سے تم کو کوئی وسوسہ ہو" ورنہ نزغ کے معنی گدگدانے یا گدگدی کے نہیں ہے بلکہ اس کے معنی کونچنے اور کونچ مارنے کے ہے اور گدگدانے کی عربی دغدغ ہے جیسا کہ مولوی اوحدالدین بلگرامی نفائس اللغات میں لکھتے ہیں۔ (رفع الغواشی ص ۱۶۰-۱۶۱)

(مؤلف نے بحوالہ بلگرامی جو تحقیق لکھی ہے اس کی تائید قاموس فیروز آبادی وغیرہ سے ہوتی ہے الا یہ کہ قاموس میں دغدغہ بکلمة طعن علیه کا ایک فقرہ ملتا ہے کہ کسی پر لفظی طعن کرنے کے معنی میں بھی (دغدغہ بکلمة) کہتے ہیں شاید یہیں سے ڈپٹی صاحب نے گدگدانے کے محاورہ کو وسوسہ اندازی کا مرادف قرار دے دیا۔ بہرحال عربی (دغدغہ) اپنے اصل معنی کے لحاظ سے "نزغ" کا ہم معنی نہیں۔ شاہ عبدالقادر کا ترجمہ شیخ الہند کی تنقیح کے بعد یہ ملتا ہے: اور اگر ابھارے تجھ کو شیطان کی چھیڑ (اعراف ۲۰۰ حمائل ۲۲۴) مکرر یہ آیت سورۃ حم السجدہ میں ملتی ہے اور اس کا ترجمہ اس طرح ہے: اور جو کبھی چوک لگے تجھ کو شیطان کے چوک لگانے سے (حمائل مترجم از شیخ الہند ص ۶۲۳) ترجمہ رضویہ میں سورہ اعراف کے اندر یہ ترجمہ ہے (اگر شیطان تجھے کونچا دے ص ۲۵۵) اور حم السجدہ میں یہ الفاظ ہیں (اور اگر تجھے شیطان کا کوئی کونچا پہنچے،

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترجمان القرآن کے الفاظ اعراف میں یہ ہیں۔ "اور اگر ایسا ہو کہ شیطان کی طرف سے وسوسہ کی کوئی خلش محسوس ہو (ص ۵۰ ج ۲) اور تفہیم القرآن کا ترجمہ یوں ہے "اگر کبھی شیطان تمہیں اکسائے۔ ج ۲ ص ۱۱۰)

(۸) بدکرداریاں (بُرے کام)

قولہ: سوء اعمالھم (ان کی بدکرداریاں۔ سورۃ توبہ رکوع ۵ (آیت ۳۷)

اقول: معلوم نہیں بدکرداری کی جگہ بدکرداری کہاں کا محاورہ ہے اس کا صاف ترجمہ ہے "ان کے برے کام" (رفع الغواشی ص ۶۹) ڈپٹی صاحب کی تائید فرہنگ آصفیہ وغیرہ سے کبھی نہیں ہوتی۔ ترجمہ شیخ الہند ترجمہ رضویہ ترجمان آزاد تینوں ہمارے مؤلف سے ہم آہنگ ہیں صاحب تفہیم نے کام کی جگہ اعمال کا لفظ رہنے دیا ہے۔

(۹) احدی بنا دینا۔ (نہایت سست بنا دینا)

قولہ: ولکن کرہ اللہ انبعاثھم فثبطھم "مگر اللہ کو ان کا جگہ سے ہلنا ہی ناپسند ہوا تو اس نے انکو احدی بنا دیا" سورہ توبہ رکوع ۷ (آیت ۴۶)

(ڈپٹی صاحب نے لفظ (احدی) پر حاشیہ چڑھایا ہے جس میں لفظ (احدی) کی مختصر تاریخ اور معنی و محل استعمال کی تشریح کی ہے (ہمارے مؤلف کو اس حاشیہ میں خلاف واقع و تحقیق کی باتیں نظر آتی ہیں چنانچہ انھوں نے اس لفظ کی تاریخ و معنی اصطلاحی وغیرہ کی توضیح ڈنگن فاربس کی کتاب، نیز غیاث اللغات، بہار عجم وغیرہ کے حوالوں سے بہت خوب کی ہے۔ یہ بحث دو صفحوں پر پھیلی ہوئی ہے پھر انھوں نے ترجمہ قرآن اس لفظ کے استعمال پر بالفاظ ذیل تبصرہ کیا ہے) : (رفع الغواشی ص: ۱۷۰-۱۷۱) "قرآن شریف ایسے متبرک و ضروری کتاب کا ترجمہ ایسے واہیات قصہ طلب لفظ میں کرنا جس کو عموماً لوگ بے اس کا قصہ سنے ہوئے نہ جانتے ہوں کیا ضرور ہے خصوصاً جبکہ اس کے لیے اور بہت سے دوسرے صاف الفاظ موجود ہوں مثلاً: خدا نے اس کو بوجھل کر دیا، یا سست و کاہل بنا دیا وغیرہ وغیرہ" (اس عبارت میں مؤلف بار دیگر بحث سابق کے دوسرے نکات کے درپے ہو گئے جو اصل کتاب میں لائق دید ہیں) (اس آیت کے ترجمہ میں دیگر حضرات نے ڈپٹی صاحب کے اس پسندیدہ لفظ کی جگہ کیا لکھا ہے وہ بھی دیکھ لینا چاہیے تاکہ ہمارے مؤلف کی تجویزوں کی قدر و قیمت واضح ہو۔ ترجمہ شیخ الہند (پسند نہ کیا اللہ نے ان کا اٹھنا سو روک دیا ان کو۔ ص ۲۵۱) ترجمہ رضویہ (مگر خدا کو ہی ان کا اٹھنا ناپسند ہوا تو ان میں کاہلی بھر دی۔ ص ۲۸۱) ۔ ترجمان القرآن آزاد (اللہ نے اٹھنا پسند ہی نہیں کیا پس انھیں بوجھل کر دیا۔ ص ۸۸ - ج ۲) تفہیم القرآن (لیکن اللہ کو ان کا اٹھنا پسند ہی نہ تھا اس لیے اس نے انھیں سست کر دیا۔ ص ۱۹۸ ج ۲)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نوٹ: لفظ (احدی) کی بابت فرہنگ آصفیہ کی تحقیق بھی اختصار کے باوجود بنیادی باتوں میں ہمارے مؤلف سے متفق اور ڈپٹی صاحب کے مختصر بیان سے متصادم ہے دیکھیے فرہنگ آصفیہ (ج ا ص ۱۴۴) نیز

(۱۰) **من مانتے** (چہیتے)

قولہ: ولھم ما یشتہون اور ان کے لیے من مانتے بیٹے سورۂ نحل رکوع ۷ (آیت ۵۷)

اقول اگر "چہیتے بیٹے" لکھتے تو بہت اچھا ہوتا۔ (رفع الغواشی ص ۱۹۰)

ترجمہ کے ان اقتباسات میں الفاظ کے بے محل کھپت کی متعدد نوعیتیں ہیں ویسے زیادہ تر الفاظ بجائے خود اس قسم کے ہیں کہ موقع محل پر ان کا استعمال ہوتا تو کسی کو حرف گیری کی مجال نہ ہوتی۔

(۱۱) **ڈھکوسلا** (پرانی داستان)

قولہ: اساطیر الاولین اگلے لوگوں کے ڈھکوسلے سورۂ فرقان رکوع (آیت ۵)

اقول: اس کا لفظ سے ملا ہوا مطلب خیز ترجمہ تھا "پہلوں کی کہانیاں" ..... اور مولانا شاہ عبدالقادر صاحب بھی "اگلوں کی نقلیں" لکھتے ہیں اور شاہ رفیع الدین صاحب "پہلوں کی کہانیاں" اور شاہ ولی اللہ صاحب "افسانہا پیشینیان" تحریر فرماتے ہیں پس ان مقولات صحیحہ بامحاورہ کے سامنے ڈپٹی صاحب کا ڈھکوسلا ڈھکوسلہ ہی ڈھکوسلہ ہے ؎

کب ہو زمیں پہ ابرو دلبر سے ہمسری اپنے کو کھینچتا ہے فلک پر اگر ہلال (رفع الغواشی ص ۲۴۳)

(شیخ الہند کا ترجمہ نقلیں ہیں پہلوں کی (ص ۴۷۶) ترجمہ رضویہ (اگلوں کی کہانیاں ہیں ص ۵۱۱) تفہیم القرآن (پرانے لوگوں کی لکھی ہوئی چیزیں ہیں ج ۳ ص ۴۳۵)

ذیل میں کچھ ایسے مقامات کی نشاندہی کی جارہی ہے جہاں ڈپٹی صاحب کے استعمال کردہ الفاظ یا محاورات کو ہمارے مؤلف نے نامانوس غیر فصیح قرار دیا ہے۔

نامانوس و دشوار فہم الفاظ

۱۔ **چٹی بھرنا** (بدلہ دینا)

قولہ: وان یاتوکم اساری تفادوھم سورۂ بقرہ رکوع ۱۰ (آیت ۸۵) "تم تو چٹی بھر کر ان کو چھڑا لیتے ہو"

اقول: ڈپٹی صاحب نے یہاں (فدیہ) کی جگہ "چٹی" لکھا ہے۔ اور سورۂ (توبہ) و (طور) میں (مغرم) اور سورۂ یونس میں تاوان (اجر) کا اور سورۂ ہود میں (مال) کا ترجمہ بھی آپ (چٹی) ہی تحریر فرماتے ہیں۔ غرض متعدد مقاموں میں مختلف لفظوں کا آپ نے (چٹی) ہی ترجمہ لکھا ہے۔ حالانکہ یہ (چٹی) کا لفظ پنجابیوں ہی میں بکثرت مستعمل ہے اور ادھر پورب بہار وغیرہ میں مسافروں کے ٹھہرنے کی جگہ یعنی اسٹیشن کو (چٹی) کہتے ہیں اور کلکتہ میں (چٹی) ایک قسم کی جوتی کو بھی کہتے ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پس ڈپٹی صاحب جو قرآن ایسے عام ضرورت کی کتاب کا ترجمہ کرنے بیٹھے تھے، تو پہلے ہندستان کے ہر اطراف کا محاورہ جان لیتے تب اس کار اہم کو اپنے ذمہ لیتے ورنہ وہی مثل صادق آتی ہے کہ بچھو کا منتر نہ جانے سانپ کے بل میں ہاتھ ڈالے (رفع الغواشی ص: ۴۴ - ۴۳)

(اس آیت کا ترجمہ دیگر تراجم میں بتفصیل ذیل ہے: شیخ الہند (ص ۱۶) اور اگر وہی آویں تمہارے پاس کسی کے قیدی ہو کر تو ان کا بدلہ دے کر چھڑاتے ہو۔ ترجمہ رضویہ (ص ۲۰ آیت ۸۵) "اور اگر وہ قیدی ہو کر تمہارے پاس آئیں تو بدلہ دے کر چھڑا لیتے ہو۔ ترجمان القرآن (ج ا ص ۱۹۷) ... تو تم فدیہ دے کر چھڑا لیتے ہو۔ تفہیم القرآن (ص ۹۱/۱ ... تو ان کی رہائی کے لیے فدیہ کا لین دین کرتے ہو)

(۲) پورا دہا۔ (پورے دس)

قولہ: تلک عشرۃ کاملۃ سورہ بقرہ رکوع ۲۴ (آیت ۱۹۶) "یہ پورا دہا ہوا"

اقول: اس سے ظاہر اور فصیح وہ ترجمہ ہے جو سید احمد خاں نے اپنی تفسیر میں اختیار کیا ہے "یہ پورے دس ہوئے" (رفع الغواشی ص ۱۰۴-۱۰۵) (شیخ الہند (ص ۳۸) یہ دس روزے ہوئے پورے۔ ترجمہ رضویہ (ص ۴۶): یہ پورے دس ہوئے" (آیت ۱۹۶) ترجمان آزاد (ص ۲۴)... یہ دس کی پوری گنتی ہو گئی۔ تفہیم القرآن (ا/ ۱۵۴) اس طرح پورے دس روزے رکھ لے۔

(۳) پکھال۔

قولہ: افرغ علینا صبرا سورہ بقرہ رکوع ۳۳ (آیت ۲۵۰) "ہم پر صبر کی پکھالیں انڈیل دے"

اقول: پکھال کو ہر جگہ کے لوگ نہیں جانتے۔ اس لیے اس سے زیادہ با محاورہ اور عام فہم وہ ترجمہ ہے جو آپ کے سرسید نے اپنی تفسیر میں اختیار کیا ہے "ہمارے دلوں میں صبر ڈال" (رفع الغواشی ص ۱۰۷)

(دیگر مترجمین: شیخ الہند (ص ۵۳) ... ڈال دے ہمارے دلوں میں صبر۔ ترجمہ رضویہ (ص ۶۱): ہم پر صبر انڈیل۔ ترجمان آزاد (ص ۲۶۵) ... ہم تشنگان عزیمت پر صبر (کے جام) انڈیل دے۔ تفہیم القرآن (ص ۱۹۰-۱۹۱) ہم پر صبر کا فیضان کر)

(۴) پھوار (پھوہار)

قولہ: فطل سورہ بقرہ رکوع ۳۶ (آیت ۲۶۵) "ہلکی پھوار"

اقول: اولا یہ لفظ (پھوار) نہیں بلکہ (پھوہار) ہے انشا کہتا ہے:

پھوہار مینہ کی خوش آیند ہے بہت اسوقت ۔۔۔ شراب پینے کا موقع اسی پھوہار میں ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ثانیاً: پھوہار کے معنی خود چھوٹی چھوٹی بوندیوں کے ہے۔ خواجہ اشرف علی "مصطلحات اردو" میں لکھتے ہیں: پھوہار: ننھی ننھی بوندیاں" تب اس کے لیے "ہلکی" چہ معنی دارد۔

ثالثاً: طل کا ترجمہ (پھوہار) نہیں ہے بلکہ اس کا ترجمہ شبنم یا اوس چاہیے۔ چنانچہ ترجمہ رفیعیہ اور قادریہ میں بھی لکھا ہے اور تفسیر نیچریہ میں "شبنم" لکھا ہے۔ (رفیع الغواشی ص ۱۰۹)

(اگرچہ مؤلف نے تحقیق میں بڑی بات پیدا کی ہے تاہم اختلاف کی گنجائش نکل آتی ہے کہ فرہنگ آصفیہ (۱/۳۴۳) میں "پھوار" بلکہ "پھوآر" کا اندراج ڈپٹی صاحب کے حق میں ہے۔ گرچہ لفظ کی اصلی شکل پھوہار ہی ہے۔ البتہ اس کے ساتھ (ہلکی) کا لفظ بے جوڑ یا تحصیل حاصل ہے۔

علی ہذا القیاس لفظ (طل) کے معانی جو فیروز آبادی کی القاموس اور فیومی کی المصباح المنیر میں منقول ہیں ان میں ایک معنی ہلکی یا رم جھم بارش کے بھی ہیں۔ لہٰذا ڈپٹی صاحب کی تعبیر میں "پھوار" کا لفظ کھپ جاتا ہے جس کی ہیئت غالباً انشا اور خواجہ اشرف علی کے بعد کی مروجہ تراش وخراش کے نتیجہ میں نمایاں ہوئی اور زبانوں پر چل پڑی مزید برآں (طل) کا ترجمہ (پھوہار) کو قرار دینے کی گنجائش بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ الہند کے ترجمہ میں "پھوار" ملتا ہے اور تفہیم القرآن میں (ایک ہلکی پھوار) (شیخ الہند ص ۷۵۰ تفہیم القرآن ص ۱۰۵) جب کہ ترجمہ رضویہ میں (اوس) کا لفظ ہے (ص ۶۶) اور ترجمان القرآن آزاد میں (ہلکی بوندیں) (ترجمان ج ۱ ص ۳۰۷) مؤلف کے دعویٰ کے پیش نظر اس لفظ سے متعلق بحث کو (بے محل استعمال) کے ضمن میں پیش کرنا ضروری تھا لیکن مجھ سے فروگذاشت ہوگئی جو عنوان گذشتہ کے تحت اس پوری بحث کا اندراج نہ ہوسکا۔ ورنہ یہ لفظ (نامانوس) یا غیر عام فہم نہیں ہے۔

(۵) تئیں۔ (حرف ربط "کو" کا مرادف)

قولہ: الا انفسہم۔ سورۂ آل عمران (رکوع ۷، آیت ۹۹) مگر اپنے ہی تئیں"

اقول: تئیں کا لفظ آج کل غیر فصیح ہے۔ انشاء اللہ خان "دریائے لطافت" میں لکھتے ہیں: "بجائے میرے تئیں، تیرے تئیں، وہمارے تئیں، وتمہارے تئیں، واوس کے تئیں، واون کے تئیں، وآپ کے تئیں، کہ زبان اردو است و فصحا بجائے آں مجھے تجھے، وہمیں وتمہیں، واسے، واوسے، وانہیں، واونہیں، وآپ کے گویند۔ انتہیٰ (رفیع الغواشی ص ۱۱۲)

(مؤلف آصفیہ (۱/۶۲۶) کی تحقیق ہے کہ یہ لفظ اپنے کے ساتھ متعلق ہے جیسے اپنے تئیں کچھ غرض نہیں۔ پہلے غیر کے ساتھ بھی بولتے تھے جیسے تیرے تئیں اس کے تئیں وغیرہ) ڈپٹی صاحب کے ترجمہ میں غالباً اپنے کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے۔

(۶) تس برابر (رتی یا ذرہ برابر) "آصفیہ میں ۔۔۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قولہ: ولا یظلمون فتیلا سورۂ نساء رکوع ۷ (آیت ۴۹) "اور ظلم تو کسی پر ایک تس برابر بھی نہ ہوگا"

اقول: تس کا لفظ عام فہم نہیں، اس لیے اس کے حاشیہ میں جو ریشہ کا لفظ لکھا گیا ہے اگر وہی نفس ترجمہ میں لکھا گیا ہوتا تو حاشیہ نویسی کی زحمت نہ اٹھانی پڑتی اور ترجمہ عام فہم ہو جاتا اور اگر مولانا عبدالقادر نے جو لکھا ہے "اور ان پر ظلم نہ ہوگا تاگے برابر" لکھا جاتا تو بیشک عموماً عام فہم ہوتا کما لا یخفی۔ (رفع الغواشی ص: ۱۲۹-۱۳۰)

(آصفیہ ج ۱ ص ۴۸۲) میں تائے مثناۃ فوقانیہ پر ضمہ کی حرکت دی گئی ہے تحقیق ان کی یہ ہے کہ (مذکر) ریشہ جو اناج وغیرہ کے اوپر سے اترے، اناج کا چھلکا انتہی شاہ عبدالقادر کا ترجمہ اصل عربی کی رعایت پر استوار ہے اس مفہوم کی وضاحت میں رائی برابر، ذرہ برابر کے الفاظ بھی بہت عمدہ عام فہم محاورے کے الفاظ ہیں۔ ترجمہ رضویہ میں اہل لغت کی تشریح پر زور دیا گیا ہے چنانچہ اس میں یہ الفاظ ملتے ہیں (دانہ خرما کے ڈورے برابر۔ ص ۱۲۶) فیومی کی یہ صراحت ہے الفتیل ما یکون فی شق النواۃ یعنی کھجور کی گٹھلی کے شگاف میں جو دھاگا سا ہوتا ہے اس کو فتیل کہتے ہیں۔ ڈپٹی صاحب نے جو لفظ لکھا ہے وہ بس یہی کہ عام فہم نہیں ورنہ اپنی جگہ خوب ہے، لیکن اس کی جگہ ریشہ اگر لکھا جاتا تو واقعی طور پر عام فہم ہوتا۔

۷۔ کن سوئیاں لینا (جاسوسی کرنا)

قولہ: سمعون للکذب سمعون لقوم آخرین لم یأتوک۔ سورۂ مائدہ رکوع ۶ (آیت ۴۱)

کن سوئیاں لیتے پھرتے ہیں (اور) کن سوئیاں (بھی) لیتے پھرتے ہیں (تو) دوسرے (دوسرے) لوگوں کے واسطے جو (ہنوز) تمہارے پاس تک نہیں آئے (کسی بات کی ٹوہ لگانا اور اس کے درپے ہونا کہ فلاں جگہ کیا تذکرہ تھا اسی کو اردو میں کن سوئیاں لینا کہتے ہیں۔)

اقول: اولاً (ٹوہ) اور دوسرے (کن سوئیاں) یہ دونوں لفظ عام اردو نہیں ہیں۔ اس لیے اس کا صاف اور عام فہم وہی ترجمہ ہے جو مولانا عبدالقادر نے لکھا ہے۔ جاسوسی کرتے ہیں جھوٹ بولنے کو اور جاسوس ہیں دوسری جماعت کے۔ (رفع الغواشی ص ۱۴۲)

(راقم کو یہاں مؤلف سے بادب اختلاف ہے کہ یہ دونوں لفظ یعنی (ٹوہ) لگانا ٹوہ میں رہنا اور (کن سوئیاں لینا) ایسے نہیں ہیں کہ ان کو عام اردو کے دائرہ سے خارج کہا جائے یہ الفاظ عورتوں کی زبان کے ہوں تو ہوں لیکن ان کا استعمال پٹنہ کے قرب جوار قصبۂ بہار تک عام ہے۔ یہاں ان کا دائرہ ڈپٹی صاحب کے مولد و منشا ہی تک محدود نہیں رہا)۔

۸۔ ٹینٹ۔ (کان کی کھیل، بہرا پن، گرانی)

قولہ: وفی آذانہم وقر سورہ انعام رکوع ۳ (آیت ۲۵) "اور کے کانوں میں ٹینٹ"

اقول: الہ آباد سے پورب کے لوگ ٹینٹ دھوتی کے پیچ کو کہتے ہیں۔ چنانچہ کل ایک شخص ساکن اعظم گڑھ کے سامنے جو یہ لفظ تلفظ کیا گیا تو فوراً اس نے کمر پر ہاتھ رکھا۔ الغرض یہ لفظ بھی عموماً عام فہم نہیں ہے اس لیے ڈپٹی صاحب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو لازم تھا کہ اگر (وقر) کا لفظی ترجمہ لکھتے تو بوجھا لکھتے۔ جیسا کہ ترجمہ رفیعیہ اور قادریہ میں لکھا گیا ہے اور اگر حال کے موافق مرادی معنی لکھتے تو یوں لکھتے کہ ان کے کانوں میں بہرا پن ہے۔ (رفع الغواشی ص: ۱۴۳-۱۴۴)

(شیخ الہند: اور رکھ دیا ان کے کانوں میں بوجھ (ص ۱۶۸)) لیکن ترجمہ رضویہ نے ڈپٹی صاحب کی پیروی کی اور ان کے کان کا ٹینٹ (ص ۱۸۹) ترجمان آزاد (ص ۳۱۹) اور تفہیم القرآن (۱/۵۳۱) میں "گرانی" کا لفظ ملتا ہے۔)

۹۔ کوپا (دانے سے جو چیز سب سے پہلے پھوٹتی ہے)

قولہ: فاخرجنا بہ نبات کل شئ فاخرجنا منہ خضرا نخرج منہ حبا متراکبا سورہ انعام رکوع ۱۲ آیت ۹۹) "ہم ہی نے اس سے ہر قسم کی روئیدگی کے کوپے نکالے ہیں دانے سے جو چیز سب سے پہلے پھوٹتی ہے اسی کو کوپا کہتے ہیں۔ پھر کوپوں سے ہم ہی نے ہری ہری ٹہنیاں نکال کھڑی کیں ان سے ہم گتھے ہوئے دانے نکالتے ہیں۔

اقول: جس کو ڈپٹی صاحب نے یہاں کوپا لکھا ہے اوسی مفہوم کو سورۃ فتح میں اخرج شطئہ کے ترجمے میں سوئی سے ادا کیا ہے۔ پس گو دہلی اور اطراف دہلی میں کوپا اور سوئی مستعمل ہو لیکن الہ آباد سے پورب یہ دونوں لفظیں اس معنی میں کہیں مستعمل نہیں، ادھر اس کو (انکھوا) اور صوبہ بہار میں (ڈیبھی) کہتے ہیں۔ پس ایسے محدود لفظ میں قرآن ایسے عام حاجت کی کتاب کا ترجمہ کرنا مناسب نہیں۔

مولانا عبدالقادر وغیرہ نے جیسے عام فہم لفظ میں صریح واضح مطلب خیز یہ ترجمہ کیا ہے، اسی پیرایہ میں اگر کیا جاتا تو کیا نقصان تھا؟ "پھر نکالے ہم نے اس سے اوگنے والی ہر چیز پھر اس میں سے نکالا سبزہ جس سے نکالتے ہیں الخ (رفع الغواشی ص ۱۴۶-۱۴۷) (راقم کو (کوپا) کا لفظ آصفیہ میں نہیں ملا۔ فارسی میں ریشم کے کیڑے کا خول (کویہ) کہلاتا ہے۔ دہلی اور مضافات کی زرعی اصطلاح میں بھی اسی لفظ نے جگہ بنائی ہو تو بعید نہیں۔ ویسے (کوپا) کا لفظ تاڑ کے پھل کیلیے بہار میں بھی مستعمل ہے (انکھوا) اور (ڈیبھی) کے الفاظ بھی آصفیہ میں نہیں مل سکے۔ بہر حال یہ الفاظ جیسا کہ مؤلف کا دعوی ہے عام فہم نہیں ہیں)

۱۰۔ سین چلانا (آصفیہ ۳/۱۰۶ سین مارنا یعنی آنکھ مارنا" اشارہ کرنا غالباً حرف سین پر زبر کی حرکت ہے)

قولہ: واذا مروا بہم یتغامزون۔ سورۃ ویل للمطففین (آیت ۳۰) "اور جب ان کے پاس ہو کر گذرتے ہیں ان پر سینیں چلاتے ہیں لے سین آنکھ مارنے کو کہتے ہیں، عربی میں اس کا مقابل غمزہ ہے۔

اقول: سین چلانے پر جو آپ نے حاشیہ چڑھایا ہے اسی سے ثابت ہے کہ گو یہ لفظ دہلی میں مستعمل ہے لیکن عام فہم ہرگز نہیں بلکہ اس کے مقابل کا عربی لفظ غمزہ اس سے کہیں زیادہ مشہور و عام فہم ہے ــــ میر:

مت آنکھ ہمیں دیکھ کے یوں مار دیا کر غمزے ہیں بلا ان کو نہ سنکار دیا کر

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پس سین چلانے کی جگہ اگر آپ غمزہ یا آنکھ مارنا، یا سنکارنا، یا مٹکی مارنا وغیرہ لکھے ہوتے تو ضرور عموماً عام فہم ہوتا چنانچہ مولانا رفیع الدین صاحب نے آنکھ مارنا ہی لکھا ہے، ورنہ الہ آباد کے پورب اور صوبہ بہار وغیرہ کے لوگ سین کو صرف سن کے سوا اور کچھ نہیں سمجھتے اور کلکتہ کے لوگ اس کے سوا اگر کچھ سمجھتے ہیں تو تماشا سمجھتے ہیں۔ پس ع

اے تماشا گاہ عالم روئے تو   تو کجا بہر تماشا میروی (رفع الحواشی ص ۳۴۲، ۳۴۳)

۱۱۔ ہونسنا (حسد کرنا)

قولہ: ومن شر حاسد اذا حسد سورۃ الناس "اور ہونسنے والے کے شر سے جب وہ ہونسنے لگے"

اقول: ہونسنے سے حسد ہی کا لفظ زیادہ واضح اور عام فہم ہے۔ (رفع الحواشی۔ ص ۳۴۹)

کریہہ دبے ڈھب الفاظ

ترجمہ زیر بحث اور متعلقہ حواشی میں بقول مؤلف ایسے الفاظ کی بھی کمی نہیں جو نامانوس ہونے کے ساتھ بھونڈے اور کریہہ بھی، بخوف طوالت عبارتوں کی نقل پیش نہیں کی جاسکتی۔ حوالہ جات کے ساتھ ایک مختصر فہرست درج کی جاتی ہے:

۱۔ بھٹکی بھر میں حساب لینا (یعنی لمحہ بھر میں) (رفع الحواشی ص ۱۴۰) یہ لفظ آصفیہ یا فیروز اللغات میں نہیں ملا)

۲۔ بھنڈا سار رتقا کا ترجمہ رفع ص ۲۱۶ ، گول مول ڈھیر جیسا کہ خود ڈپٹی صاحب نے حاشیہ میں لکھا ہے۔ آصفیہ ۱/۳۴۴ میں "بھنڈ" ملتا ہے۔

۳۔ پاکھنڈ (رفع ص ۱۵۸ لفظ مکر کا ترجمہ؟ آصفیہ ۱/۳۱۶ فریب، دغا)

۴۔ تنتو تہور (حاشیہ، رفع ص ۳۶ بمعنی روک تھام عورتوں کی زبان)

۵۔ تھل بیڑا "مرساھا" کا ترجمہ۔ رفع ص ۲۶ بمعنی ٹھہراؤ، لنگرگاہ آصفیہ ج ۱ ص ۵۱۷)

۶۔ ٹامک ٹوئے مارا کریں (فی طغیانہم یعمہون کا ترجمہ۔ رفع ص ۳۷ عام فہم ترجمہ ہے: ٹکراتے پھرتے ہیں یا بھٹکتے پھرتے ہیں

۷۔ دھکڑ پکڑ (حاشیہ۔ بمعنی شک یا تردد یا تأمل (رفع ص ۴۳)

۸۔ ڈھیم برساؤ (فاسقط علینا کسفا من السماء کا ترجمہ، ڈھیم بڑا ڈھیلا (رفع ص ۱۴۰) آصفیہ نے اس کو گنواروں کی زبان قرار دیا ہے (ج ۱ ص ۳۲۳)

۹۔ سانوٹا ہوجانا (چوکس، ہوشیار۔ ڈپٹی صاحب نے اس لفظ کو آل عمران، سورہ طٰہٰ اور سورۃ الفتح میں بھی استعمال کیا ہے بقول ہمارے مؤلف کے شاید خاص پنجابی ہے۔ رفع ص ۱۲۱) آصفیہ میں یہ لفظ ملتا ہے (ج ۳ ص ۸)

۱۰۔ اکگار کے کنارے (علی شفا جرف ھار کا ترجمہ۔ آصفیہ میں گگر بغیر الف لکھا ہے مکان کی کنگنی کیلئے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

البتہ فیروز اللغات میں الف کے ساتھ ہے۔

۱۱۔ کھُڑ پیچ (شکست کی کھُڑ پیچ) ان یمسسکم قرح کا ترجمہ۔ رفع ص ۲۴۴ ڈپٹی صاحب نے اس کو کبھی بمعنی اعتراض اور اس آیت کے ترجمہ میں شاید بمعنی زخم استعمال کیا ہے، مؤلف آصفیہ نے اس کے دو معنی دیے ہیں (۱) زخم خفیف (۲)) عیب گیری، نکتہ چینی (ج ۳ ص ۳۳۳)

۱۲۔ کھوج، اکھود یا (بمعنی اکھاڑ پھینکنا) مؤلف نے خواجہ اشرف علی کے حوالہ سے تحقیق کی ہے یہ عورتوں کی زبان ہے۔ (رفع ۲۴)

۱۳۔ گنور دل (یعنی گنواروں کا دل) یہ توضیح خود ڈپٹی صاحب نے کی ہے۔ رفع ص ۲۵۱)

۱۴۔ گیلڑ لڑکیاں (ربائبکم کا ترجمہ: بقول خود مترجم پہلے شوہر کی اولاد جو عورت ساتھ لاتی ہے اس تشریح کی رو سے گیلڑ میں لڑکے بھی شامل ہوئے ہمارے مؤلف کا ایک اعتراض یہ بھی ہے علاوہ غیر عام فہم ہونے کے۔ (رفع الغواشی ص ۱۴۴ - ۱۲۵)

۱۵۔ لتاڑ (بمعنی زجر و توبیخ۔ رفع ص ۳۶)

۱۶۔ ہچڑ مچڑ (حاشیہ۔ سورہ احزاب۔ تردد و تامل کے معنی ہیں۔ رفع الغواشی ص ۱۵۱-۲۵۔ آصفیہ میں ہجر مجر یہ حرف راء درج ہے (ج ۴ ص ۶۱۷) نیز قران السعدین راجہ راجیشور راؤ اصغر (ص ۸۹) و رسالہ تذکیر و تانیث از شہید الدین احمد (مطبوعہ بنارس ۱۹۰۶ء ص ۲۴)۔

۱۷۔ بُراھدڑا (براحال معنی ہیں۔ رفع الغواشی ص ۲۸۹ فرہنگ آصفیہ میں یہ عورتوں کی زبان ہے اور اس کی ایک شکل ھیڈرا بھی ہے (آصفیہ ج ۴ ص ۷۰۶، ص ۶۵۷)

عربی و فارسی کے مشکل الفاظ

مولانا عبداللہ چھپروی صرف ہندی اور بھاکھا کے مشکل الفاظ ہی پر معترض نہیں ہیں وہ فائدہ عامہ کے پیش نظر عربی و فارسی کے دشوار اور بھاری بھرکم لفظوں کے استعمال پر بھی بڑی بے باکی سے گرفت کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے نمونہ کی چند مثالیں۔

۱۔ یوم الزینة (سورہ طہٰ رکوع ۳)، حاشیہ میں یہ الفاظ ہیں۔ اپنے مکانات اور دکاکین کو آراستہ کرتے ہونگے، مؤلف: بیچارے اردو پڑھنے والوں کو یہ (دکاکین) کا لفظ نہایت ہی گراں و دشوار فہم ہے۔ اس لیے اس کی جگہ پر "دکان دکان" ہی لکھا جاتا تو بہتر تھا۔ (رفع الغواشی ص ۲۱۶)

۲۔ ولہم مقامع من حدید (سورة الحج): اور ان کے مارنے کے لیے لوہے کے گرزہوں کے جن سے ان کی کوبہ کاری کی جائے گی۔

مؤلف: یہ (کوبہ کاری) نہ قرآن میں ہے اور نہ یہ فارسی لفظ اردو پڑھنے والوں کے لیے عام فہم ہے پس اگر آپ کو بطور تفسیر کے یہ مضمون لکھنا ہی تھا تو اس کو صاف طور پر یوں لکھتے کہ: اسی سے وہ کوٹے جائیں گے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اگر محاورہ کے مطابق لکھتے تو یوں تحریر فرماتے کہ: "اسی سے ان کی کَدّی ہوگی"۔ ورنہ قرآن کے لفظوں کا تو یہ صاف ترجمہ ہے کہ "ان کے لیے لوہے کے ہتھوڑے یا گرز ہوں گے" (رفع الغواشی ص ۲۱۹)

۳۔ ایھا المرسلون (سورہ والذاریات): "اے فرستادگان بارگاہ خداوندی"

مؤلف: باوجودیکہ ڈپٹی صاحب اپنے محاورات کے ایسے عاشق ہیں کہ کہیں کسی طرح اس کو فروگذاشت نہیں کرتے لیکن یہاں معمولی محاورہ چھوڑ کر ایسی فارسی چھانٹ دی کہ بیچارے عوام اردو خوان گھبرا کر یہ کہہ اٹھے ؏

ایں چہ شوریست کہ در دور قمر می بینم (رفع الغواشی ص ۲۸)

۴۔ ما کان ابراھیم یھودیا ولا نصرانیا ولکن کان حنیفا (آل عمران) "ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ ہماری ایک سرکار کے بندۂ فرماں بردار تھے۔"

مؤلف: کہیں تو ڈپٹی صاحب محاورہ کے ایسے شیفتہ ہوتے ہیں کہ اس کے لیے مفہوم قرآنی کو متغیر ہو جانے کی بھی کچھ پرواہ نہیں کرتے اور کہیں لفظی معانی کے ایسے پیچھے پڑتے ہیں کہ عام فہم عمدہ محاورہ کے الفاظ بھی چھوڑ دیتے ہیں مثلاً "حنیف" کے ترجمہ میں "پکا" یا "چھٹا" "مسلمان" جیسا سید احمد خاں نے لکھا ہے، لکھتے تو کیا اچھا ہوتا اور عام فہم بھی ہو جاتا لیکن ہاں ڈپٹی صاحب کی نئی اپج اور قابلیت کا اظہار نہ ہوتا۔

ہوتے ہیں پائمال گل اے تازہ نو بہار ؛ کس سے اڑائی تو نے یہ رفتار کی طرح (رفع الغواشی ص ۱۱۱-۱۱۲)

۵۔ فینقلبوا خائبین (آل عمران) "بے نیل مرام واپس چلے جائیں"

مؤلف: "نیل مرام" عربی لفظ عام فہم نہیں ہے اس سے اچھا اور واضح ترجمہ آپ کے سر سید نے لکھا ہے "نامراد ہو کر الٹے پھر جاویں" (رفع الغواشی ص ۱۱۹)

۶۔ ولیبتلی اللہ ما فی صدورکم ولیمحص ما فی قلوبکم (آل عمران آیت): "خدا کو منظور تھا کہ تمہارے مافی الضمیر کو آزمائے اور تمہارے دلی خیالات کو وسوسوں کے میل کچیل سے صاف کرے۔"

مؤلف: (مافی الضمیر) مافی القلوب کا ترجمہ نہ ہوا۔ اگر حواریان ڈپٹی صاحب فرمادیں کہ اردو میں یہ مستعمل و مفہوم ہے تو کہا جائے گا کہ پھر ترجمہ کی ضرورت ہی کیا تھی اسی کو رہنے دیتے اور پھر اگر مستعمل ہے تو انھیں لوگوں میں ہے جو کم سے کم ایامی و محصنات کے گردانے اور مرآۃ العروس و بنات النعش کے دیکھے بھالے کی لیاقت رکھتے ہیں اور جو بیچارے تنبیہ الغافلین و راہ نجات والے ہیں ان کے دلوں کو تو ضرور اس سے بے چینی ہوگی۔

پس قرآن ایسی متبرک و ضروری کتاب کے ترجمہ میں ایسا خاص محاورہ اختیار کرنا تسہیل و تیسیر جس کے ڈپٹی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صاحب مدعی ہیں) کے ضرور خلاف ہے۔

ہاں یہ ترجمہ البتہ بامحاورہ ہے جس کو آپ کے سید نے اختیار کیا ہے: "تاکہ امتحان کرے اللہ جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے اور کسوٹی پر کس لے جو کچھ کہ تمہارے دلوں میں ہے" اور اوضح وہ ترجمہ ہے جو مولانا عبدالقادر نے لکھا ہے:

اور اللہ کو آزمانا تھا جو کچھ تمہارے جی میں ہے اور نکھارنا جو کچھ تمہارے دل میں ہے (رفع الغواشی ص ۱۴۰-۱۴۱)

۷۔ وھو القاھر فوق عبادہ (الانعام) "اور وہ اپنے بندوں پر ضابطہ ہے" (ف) ضابطہ سے مراد یہ ہے کہ سب بندے اس کے قبضہ قدرت میں ہیں اور اس کے آگے عاجز ہیں۔

مؤلف: کیا ضرور تھا کہ ترجمہ میں ایسا لفظ لکھا جائے جس کی شرح و تفسیر کرنے کی ضرورت پڑے۔ اسی ڈھنگ میں کیوں نہ ترجمہ کیا گیا جس کو مولانا شاہ عبدالقادر صاحب نے اختیار کیا ہے: "اسی کا زور پہنچتا ہے اپنے بندوں پر" (رفع الغواشی ص ۱۴۲)

سرسید کے ترجمہ کی تعریف

مؤلف کو سرسید احمد خاں سے اصولی طور پر شدید اختلاف ہے۔ اور ڈپٹی نذیر احمد پر ایک سخت اعتراض معترضین کا جن میں مؤلف بھی شامل ہیں یہ ہے کہ وہ بہت ساری باتوں میں سرسید سے متاثر اور ان کے ہم رنگ ہیں اس کے باوجود سرسید کے ترجمہ کی مؤلف نے جابجا تعریف بھی کی ہے بلکہ ان کے ترجمہ کو ڈپٹی صاحب کے ترجمہ پر ترجیح دی ہے سطور بالا میں اس کی متعدد مثالیں گزر چکی ہیں مگر یہاں کچھ مثالیں ملاحظہ کو پیش ہیں کہ دونوں کے تقابل کا یہ پہلو بھی نمایاں ہو جائے۔

آیت مع ترجمہ ڈپٹی نذیر احمد	ترجمہ سرسید مع تبصرہ مؤلف
۱۔ أو كصيب من السماء (بقرہ) "جیسے آسمانی بارش"	۱۔ اس سے عمدہ و بامحاورہ وہ ترجمہ ہے جو آپ کے سرسید نے لکھا ہے "یہ موسلا دھار پانی" (رفع ص ۳۷)
۲۔ نحن نسبح (بقرہ) (حاشیہ) تسبیح اور تقدیس کے معنی یہ ہیں کہ "خدا تمام عیوب سے بری اور نقصانات سے پاک" ترجمہ میں یہ معنی اچھی طرح نہیں کھلتے تھے اسلئے اصل لفظ رہنے دیئے ہیں"	۲۔ مولانا شاہ عبدالقادر صاحب نے جو اپنے ترجمہ میں لکھا ہے: "ہم پڑھتے ہیں تیری خوبیاں اور یاد کرتے ہیں تیری پاک ذات کو" اس سے بخوبی تسبیح و تقدیس کا مطلب کھل جاتا ہے۔ اور آپ کے سرسید کے اس ترجمہ سے بھی مطلب سمجھ میں آجاتا ہے: "اور ہم تو تیری تعریف جپتے ہیں اور تجھ پاک کو یاد کرتے ہیں" پس سہ ترا کہ دست بلرزد گہر چہ دانی سفت (رفع ص ۳۹)
۳۔ من أسلم وجهه لله (آل عمران)	۳۔ اسی مضمون کو آپ کے سرسید نے کس عمدگی و خوبصورتی سے ادا کیا ہے:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"جس نے خدا کے آگے سر تسلیم خم کر دیا"

(اس ترجمہ پر ڈپٹی صاحب کا نوٹ ملتا ہے تاکہ منہ کی جگہ سر لکھنے پر اعتراض نہ کیا جائے۔)

"جس کسی نے تابعداری سے اپنا منہ خدا کے سامنے کیا"

(مؤلف نے حاشیہ کی عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ تبصرہ بہت برا ہے بلکہ قرآن سے تمسخر واستہزا کرنا ہے) (رفع الغواشی: ص ۴۳)

۴۔ یسئلونک ماذا ینفقون قل ما انفقتم من خیر فللوالدین ... (بقرہ ۲۱۵)

"اے پیغمبر تم سے لوگ پوچھتے ہیں کہ خدا کی راہ میں کیا خرچ کریں تو انکو سمجھا دو کہ خیر خیرات کے طور پر جو کچھ بھی خرچ کرو تو وہ تمہارے ماں باپ کا حق ہے ...."

۴۔ مطابق تفاسیر خصوصاً تفسیر کبیر کے مطابق یہاں پر ماذا کا مطلب خیر ترجمہ کس پر چاہیے۔ ڈپٹی صاحب کے سر سید اس کے قریب قریب اس کا یہ ترجمہ کیا ہے کس طرح اپنا مال خرچ کریں اور ڈپٹی صاحب نے خیر کا ترجمہ اپنے محاورہ کے جھونک میں خیر خیرات لکھا ہے اور تفسیر کبیر وغیرہ میں بھی یہی لکھا ہے اور خود قرآن میں بھی خیر بمعنی مال وارد ہوا ہے بقولہ تعالیٰ (ان ترک خیرا) ای مالا کما فی عامۃ التفاسیر (رفع الغواشی ص ۱۰۵-۱۰۶)

۵۔ فلن یقبل من احدھم ملأ الارض ذھبا

" "ان میں سے کوئی شخص کرۂ زمین کے گول بھر بھی سونا معاوضے میں دینا چاہے تو ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا"

حاشیہ: بڑے مٹکے کو اردو میں گول کہتے ہیں۔

۵۔ "معلوم نہیں کہ کہاں کی اردو میں بڑے مٹکے کو گول کہتے ہیں .... اور پھر یہاں گول مٹکے کی ضرورت ہی کیا ہے کیوں کہ ملأ الارض کے معنی مطلق "زمین بھر" ہے چنانچہ مولانا شاہ عبدالقادر نے یہی لکھا ہے اور آپ کے سر سید نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے پس ناحق آپ کو اس گول مٹکے میں گرنا کیا ضرور تھا۔ (رفع الغواشی ص ۱۱۸ - ۱۱۹)

(ترجمہ میں "گول" کا لفظ گرچہ کرۂ زمین کہنے کے بعد بیکار ہو جاتا ہے تاہم (گول) یعنی بڑا مٹکا فرہنگ آصفیہ کی تحقیق میں ثابت ہے اور ظفر کا درج ذیل شعر بطور شاہد لکھا گیا ہے ؎

جام و مینا و سبوت کلی بجھی اپنی پیاس ہم نے ساقی منہ سے اب بھر کر لگا دی گول ہے

فرہنگ آصفیہ ۴/۹۹۔ لہٰذا مؤلف سے اختلاف کی گنجائش ہے لیکن اس لفظ کے اضافہ سے ترجمہ کچھ خوبصورت نہیں ہوا۔

۶۔ لعلکم تفلحون (آل عمران ۔۔۔)

"عجب نہیں (آخرت میں) فلاح پاؤ"

۶۔ لعل کو ترجمہ (عجب) اور پھر (آخرت) کی قید یہ دونوں بے موقع ہیں۔ اس سے کہیں بہتر وہ ترجمہ ہے جو آپکے سرسید نے مطلق اختیار کیا ہے (تاکہ تم فلاح پاؤ) (رفع الغواشی ص ۱۱۹-۱۲۰)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۷۔ انی تبت الآن (النساء)
"اے رب میری توبہ"

۷۔ مولانا عبدالقادر بہ پابندی الفاظ یہ ترجمہ کرتے ہیں یعنی توبہ کی اب اور آپ کے سرسید دہلی کے عام محاورہ میں لکھتے ہیں (میں اب توبہ کی) (رفع الغواشی ص ۱۴۴)

۸۔ ومنھم من صد عنہ (النساء)
"اور کوئی اس سے ٹھٹک رہا"

۸۔ ٹھٹک ایک نہایت ہی کریہہ لفظ ہے اس کے بدلہ البتہ واضح و فصیح ہے (باز رہا) جیساکہ ترجمہ رفیعیہ میں ہے اور آپکے سرسید نے لکھا ہے (رک گئے) (رفع الغواشی ص ۱۴۴)

۹۔ آیتک الا تکلم الناس الا رمزا (آل عمران)
"فرمایا نشان جو تم مانگتے ہو یہ ہے کہ تین دن تک لوگوں سے بات نہ کرو گے مگر اشارۃً یعنی روزے رکھنا"

۹۔ اشارہ کے معنی (روزے رکھنا) لکھنا قرآن کی تفسیر برائے کرنا ہے کیونکہ کسی نے یہ معنی اختیار نہیں کیا ہے۔ حتیٰ کہ آپکے سرسید کو بھی یہ معنی نہ سوجھے وہ بھی یہ لکھتے ہیں۔ خدا نے کہا کہ تیرے لیے نشانی یعنی حکم یہ ہے کہ تین دن تک کسی آدمی سے بجز اشاروں کے بات نہ کر۔" (رفع الغواشی ص ۱۱)

ڈپٹی صاحب کا اثر کہیے یا انکی تحقیق کہ مولانا آزاد اس بات نہ کرنے کا مفہوم روزہ رکھنا ہی لکھتے ہیں فرماتے ہیں (نشانی یہ ہے کہ تین دن تک بات چیت نہ کرو مگر صرف اشارہ سے (یعنی روزہ رکھو جیساکہ اس زمانہ میں دستور تھا) (ترجمان القرآن ج ۱ ص ۳۴۹)

چند الفاظ کا املا

ڈپٹی صاحب نے ترجمہ و حواشی میں چند الفاظ کا املا یا تو اپنے خاص اختیار سے کیا یا پھر کاتب کے املائی تصرف کو بے اصلاح چھوڑ کر اپنی پسند ظاہر کردی۔ مولانا عبداللہ نے ان لفظوں کے صحیح املا سے بھی بحث کی ہے اور ممکنہ تحقیق کی روشنی میں اپنا اختلاف مدلل طور پر ظاہر کردیا ہے۔

مثلاً (رشتہ ناطہ) میں (تا) کی (طا) کا اختیار کرنا (رفع الغواشی ص ۱۶۶ - ۱۶۷) (طوقہ) بمعنی قوت و طاقت کا بجائے الف کے۔ ہائے مختفی سے لکھنا (رفع الغواشی ص ۱۲۱) اور کسی نے (رامی) نہ بھری کے جملہ میں (رامی) کا بجائے (حاجطی) کے ہمزہ سے لکھنا (رفع الغواشی ص ۲۷) وغیرہ۔ غرض اردو کے الفاظ و محاورات ہوں یا املائی مسائل بیشتر گوشوں کو سامنے رکھ کر مؤلف نے اپنی کتاب رفع الغواشی کو ڈپٹی صاحب نے ترجمہ و حواشی قرآن کا ایک جامع منظرنامہ بنادیا ہے جس کے مختلف کونوں سے زیر تبصرہ ترجمہ و حواشی کے خدوخال کی جھلکیاں دکھائی گئی ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہم نے بطور "مشتے نمونہ از خروارے" یہاں تک کی پیش کردہ تفصیلات کے ذریعہ پیرایۂ بیان کے لسانی نشیب و فراز کے بارے میں "مؤلف" کے دعاوی و دلائل کو زیادہ سے زیادہ اجاگر کرنے کی سعی کی ہے کہ سردست ہمارا مقصد یہی تھا کہ بہر نظر کی توجہ بسلسلۂ زبان ترجمۂ مؤلف اور اس کی تالیف کی نا قدانہ کاوشوں کی طرف منعطف کی جائے۔

لیکن مؤلف کے سنجیدہ مطالعہ کا تعارف ادھورا رہے گا تا وقتیکہ نص قرآن کی بنیادی تعلیم کی لائق اعتماد ترجمانی کے لحاظ سے بھی زیر تبصرہ ترجمہ و حواشی کی قدر و قیمت کے بارے میں فاضل مؤلف کی مدلل آراء اور استوار موقف پر روشنی نہیں ڈالی جاتی۔ اصل معنی و مغز کے لحاظ سے ترجمۂ زیر بحث کی حیثیت مؤلف کے بیان کی روشنی میں جو کچھ قرار پاتی ہے اس کا اندازہ لگانے کیلیے ذیل کے دو عنوانات بھی کافی ہوں گے جن کے تحت درج کردہ مثالوں سے اصولی طور پر مدد مل سکتی ہے۔

قرآن کے مطلق بیان کو تنگ و مقید کرنا

(۱) اھدنا الصراط المستقیم (الفاتحہ ۵): ہم کو (دین کا) سیدھا رستہ دکھا"

تبصرۂ مؤلف: ترجمہ رفیعہ قادریہ میں مطلق "سیدھی راہ" لکھی ہے۔ یہ "دین" کا قید زائد ہے۔ اگر ڈپٹی صاحب فرمائیں کہ یہ بطور تفسیر ہے تو اولاً یہ کہا جائے گا کہ آپ ایسے مضامین کو تفسیر نہیں کہتے۔ چنانچہ مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"ہم نے اپنی طرف سے جا بجا عبارتیں زیادہ کی ہیں اور امتیاز کے لیے ان کو خطوط ہلالی میں محصور کر دیا ہے۔ مگر ہم نے جو عبارت اپنی طرف سے زیادہ کی ہے اس سے یہ نہ سمجھ لینا کہ ہم نے ترجمہ کو تفسیر بنا دیا ہے نہیں ترجمہ ترجمہ ہی ہے" ؎

مکرتے کیوں ہو صاحب نامہ یہ حاضر ہے دیکھو تو کہ خط ملتا ہے کس کا اور عبارت کس کی ملتی ہے

ثانیاً اگر خواہ مخواہ تفسیر ہی ہو، تو دین کے ساتھ دنیا کی قید بھی چاہیے" ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ (اے خدا مجھ کو دنیا میں نیکی دے اور آخرت میں نیکی دے)۔ اور خود ڈپٹی صاحب مقدمہ میں لکھتے ہیں۔

"ہم مسلمانوں کے لیے دین کو دنیا سے جدا کرنا ایسا ہے جیسا کوئی شخص چاہے کہ عرض کو جوہر سے، لازم کو ملزوم سے روح کو جاندار سے، بو کو گل سے، نور کو آفتاب سے اور ناخن سے گوشت کو جدا کرے" انتہی پس ثابت ہو گیا کہ (اھدنا الصراط المستقیم) کا وہی مطلق ترجمہ: چلا۔ یا۔ دکھا ہم کو سیدھی راہ یا سیدھا راستہ جیسا کہ ترجمہ رفیعیہ و قادریہ وغیرہ میں کیا گیا ہے ٹھیک ہے اور ڈپٹی صاحب کی قید محض بے قید ہے ؎

بلبل سمجھ سمجھ کے ذرا کیجو آشیاں صیاد لگ رہا ہے تری گھات لے طرح (دفع الغواشی ص ۲۹-۳۰)

لیکن ڈپٹی صاحب اس قید سے باز نہیں آتے۔ مثلاً سورہ یٰس کی آیت شریفہ ملاحظہ ہو:

(۲) انک لمن المرسلین علی صراط المستقیم" ــــــ ... کچھ شک نہیں کہ منجملہ اور پیغمبروں کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تم بھی پیغمبر ہو اور دین کے) سیدھے راستے پر ہو۔

مؤلف: دین کی قید محض بے موقع بلکہ خلاف ادب ہے کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم دین و دنیا دونوں کے سیدھے راستے پر تھے (کر دین و دنیا) کہیں ڈپٹی صاحب نے (دنیا) کی قید لگائی ہے۔ مثلاً اس آیت کا ترجمہ

(۳) لعلکم تعقلون (الانعام آیت ۱۵۱) تاکہ تم دنیا میں رہنے کا طریقہ سیکھو۔

مؤلف: ڈپٹی صاحب کا یہ تفسیری جملہ [illegible] تفسیر القرآن بالرائے ہے کیونکہ الفاظ متن کے مطابق اگر آپ ترجمہ کرتے تو فقط "تاکہ تم سمجھو" ترجمہ کرنا تھا [illegible] اور اگر [illegible] کے خلاف اپنی قرارداد کے تفسیری جملہ لکھنا شروع کر دیا تھا تو دنیا کے ساتھ دین کا بھی [illegible] دنیا میں دین بھی شامل ہو جاتا ورنہ یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن شریف فقط دنیا میں رہنے کے طریقے سکھانے کے لیے نازل ہوا اور دین و آخرت سے اس کو کچھ تعلق نہیں! معاذ اللہ و حاشا للہ ہم مسلمانوں کا تو یہ عقیدہ ہے کہ ہمارے تمام امورات دینی و مہمات دنیاوی کے لیے بھی قرآن ہی کافی ہے۔ حسبنا کتاب اللہ۔

مزید ایک مثال [illegible] جو بہت [illegible] تعلق رکھتی ہے۔

(۴) واذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح (النساء آیت ۱۰۱) مسلمانو جب تم جہاد کیلیے کہیں کو جاؤ الخ

مؤلف: ضربتم فی الارض کا ترجمہ "جب تم جہاد کے لیے کہیں جاؤ" مقید بقید زائد ہے کیونکہ اس کا ترجمہ یہی ہے کہ جب تم زمین پر چلو یا کہیں کو جاؤ یا جب تم سفر کرو۔ افسوس ہے کہ ڈپٹی صاحب نے اپنی تحقیق و من مانی معنی کے جھونک میں [illegible] مطلق لکھا ہے۔ الضرب رفتن بر روے زمین (رفع الغواشی ص ۱۳۸) مولانا آزاد ڈپٹی صاحب کے ہم خیال معلوم ہوتے ہیں چنانچہ ترجمہ ان کا یوں ہے۔ اور اگر (جنگ کیلیے) تم سفر میں نکلو۔ (ترجمان القرآن ۱/ ۲۹۲)

راجح کو چھوڑ کر مرجوح کا اختیار کرنا

(۱) وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی (الانفال رکوع ۲ آیت ۱۷) اور اے پیغمبر جب تم نے تیر چلائے تو تم نے تیر نہیں چلائے بلکہ اللہ نے تیر چلائے۔

اس ترجمہ پر خود ڈپٹی صاحب کا افادہ ہے جس کو مؤلف نے نقل کیا ہے: "رمی عربی کا ایک مشترک لفظ ہے تیر چلانے کو بھی کہتے ہیں اور کنکر پھینکنے کو بھی کہتے ہیں چونکہ پیغمبر صاحب سے تیر کا چلانا اور کنکروں کی طرف مٹھی بھر پھینکنا دونوں باتیں ثابت ہیں، ہم نے تیر کا چلانا ترجمہ کیا ہے کہ معمولی کو چھوڑ کر [illegible]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے مٹھی کنکر کا پھینکنا بے شک وہ بھی ایک معجزہ تھا کہ سارے کافروں کی آنکھوں میں خاک پڑ گئی۔ اور ہمارے ترجمہ کا ماخذ بھی بعض تفسیروں میں موجود ہے اگرچہ مرجوح طور پر"!

مؤلف: "اگر کوئی ڈپٹی صاحب سے پوچھے کہ آپ نے باوجود اقرار خود، قول راجح کے رہتے ہوئے مرجوح کو جو فقط بعض ہی تفسیروں میں مذکور ہے کیوں اختیار کیا تو آپ کے پاس بجز اس کے اور کیا جواب ہوگا۔

ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہوں ورنہ کیا بات کر نہیں آتی (رفیع الغواشی ص ۱۶۴-۱۶۵)

(ظاہر ہے کہ دیدہ و دانستہ ایسے لفظ کا اختیار کرنا جو رجحان عام کے خلاف ہو بدلائل قویہ ہو تو خیر ورنہ اس کا شمار خود رائی ہی کے ذیل میں کیا جائے گا۔ اس آیت کی تشریح میں ترجمہ شیخ الہند، ترجمہ رضویہ کے علاوہ ترجمان القرآن و تفہیم القرآن وغیرہ بھی ڈپٹی صاحب کے برخلاف متفق ہیں)

(۲) اسی قبیل سے 'وفار التنور' کا ترجمہ ہے کہ سورۂ ہود میں فرماتے ہیں "اور غضب الٰہی کے تنور نے جوش مارا (رفیع ص ۱۷۷-۱۷۹) اور سورۃ المومنین میں فرماتے ہیں "اور تنور (زمین سے پانی) ابلنے لگے (رفیع ص ۲۲۳) یعنی ایک جگہ تنور سے غضب الٰہی مراد لیا تو دوسری جگہ تنور زمین یعنی روئے زمین ترجمہ کیا ہے غرض دونوں جگہ تنور کے حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی معنی کو ترجیح دی جبکہ اصل کلام میں بھی ہے کہ لفظ حقیقی ہی معنی میں مستعمل ہو جیسا کہ رازی وغیرہ کی تصریحات ہمارے مؤلف نے نقل کی ہیں۔

◆◆

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جناب ضیاء الدین اصلاحی

دار المصنفین اعظم گڈھ

مولانا حمید الدین فراہی کی تفسیر سورہ شمس کا جائزہ

مولانا حمید الدین فراہیؒ قرآنیات کے متبحر عالم تھے ۔ وہ مدۃ العمر قرآن مجید میں غور و فکر فرماتے رہے، اور یہی ان کی اکثر تصنیفات کا موضوع ہے، جن میں قرآن کے اسرار و حقائق بے نقاب کیے گئے ہیں۔ نظام القرآن و تاویل الفرقان بالفرقان" کے نام سے عربی میں ایک مہتم بالشان تفسیر لکھ رہے تھے۔ مگر افسوس کہ یہ مکمل نہیں ہو سکی البتہ قرآن کے بعض اہم پہلوؤں اور چند متفرق سورتوں کی انھوں نے جو تفسیر لکھی ہے، ان سے تفسیر و علوم قرآنی میں ان کی مہارت تامہ اور دستگاہ کامل کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

مولانا کی کتاب "اصول التاویل" اور تفسیر کا دیباچہ "فاتحہ نظام القرآن" کے نام سے شائع ہو چکا ہے، ان دونوں میں ان کے "اصول تفسیر" اور "نظریہ تاویل" کی توضیح و تفصیل موجود ہے۔ وہ نظم قرآن اور قرآن کی تفسیر خود قرآن ہی سے کرنے اور اس کے لئے عربی زبان و ادب کو اصل بنیاد بنانے پر مکمل زور دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک قرآن مجید ایک منظم و مربوط کتاب ہے جس کا مفہوم سیاق و سباق، نظائر قرآن اور کلام عرب سے متعین کرنا چاہئے۔ ان کے جو تفسیری رسائل شائع ہوئے ہیں، وہ ان قصص و حکایات اور رطب و یابس تفسیری روایات و اقوال سے خالی ہیں، جن سے عام کتب تفسیر بھری ہوئی ہیں۔ مولانا پہلے سورہ کا عمود متعین کر کے بتاتے ہیں کہ پوری سورہ کس طرح اسی مرکزی مضمون کو نمایاں کرتی ہے۔ پھر ماقبل و مابعد کی سورتوں سے زیر تفسیر سورہ کا تعلق بیان کر کے مشکل لفظوں کی تحقیق فرماتے ہیں اور زبان کے اسلوب و استعمال کی وضاحت کے لئے عرب کے جاہلی شعرا و خطبا کے کلام سے مدد لیتے ہیں۔ طویل سورتوں کے مختلف اجزا کی علاحدہ علاحدہ تشریح کر کے ان کے باہمی ربط و تعلق کو نہایت خوبی سے واضح کرتے ہیں۔ آیتوں کا باہم دگر بھی تعلق دکھاتے ہیں، پوری سورہ میں جو اہم حقائق و نکات بیان کیے گئے ہیں یا جن کی جانب اشارات کیے گئے ہیں، ان کو شرح و بسط کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ سورہ کے دلائل اور طرز استدلال کی خوبی و دلنشینی کی جانب متوجہ کرتے ہیں۔ کسی آیت کے غلط مفہوم یا سورہ کی غیر صحیح تاویل کی مدلل طور پر تردید کرتے ہیں اور اپنی اختیار کردہ اور مرجح

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تاویل کے محاسن بیان کرتے ہیں۔ سورتوں کے زمانہ نزول کی تعیین، ان کے اسباب نزول وغیرہ پر اپنے مخصوص عالمانہ انداز میں گفتگو کرتے ہیں۔ غرض مولانا کی قرآنی تصنیفات اور تفسیری رسائل میں ان کی تلاش و تحقیق، فکر و مطالعہ، وسعت علم، دقت نظر اور استنباط و استخراج نے نکتہ آفرینیوں اور دقیقہ سنجیوں کے انبار لگا دیے ہیں۔

ذیل میں مولانا کی تفسیری خصوصیات کو نمایاں کرنے کے لیے ان کی ایک مطبوعہ تفسیر سورۂ والشمس کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ اس سے اہل نظر کو معلوم ہو جائے گا کہ ان میں اور دوسرے مفسرین میں کیا فرق ہے۔

اوروں کا ہے پیام اور میرا پیام اور ہے
عشق کے دردمند کا طرز کلام اور ہے

سورہ کا عمود: مولانا فراہیؒ کے نزدیک "سورہ والشمس" میں قریش اور ان کے بدبخت سرداروں کو ان کے برے انجام سے ڈرایا گیا ہے۔ اس لیے کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی جو سراسر توحید اور کمزوروں کی ہمدردی اور جزا و سزا کی تعلیم پر مشتمل تھی، تکذیب کی تھی۔ ان کے نزدیک یہ سورہ ایک مثال ہے جو قریش کو متنبہ کرنے کے لیے ان کے سامنے رکھی گئی ہے اور جو کچھ وہ اپنے رسولؐ کے ساتھ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اس کے انجام کو ان کے سامنے پہلے سے رکھ دیا گیا ہے، تاکہ وہ آگاہ ہو جائیں۔

سورہ کا اسلوب: اسلوب بیان اجمالی ہے، یعنی ان کی سرکشی اور ڈھٹائی کا ذکر کیا گیا ہے اور اس کی تفصیل اس لیے نہیں کی گئی ہے کہ اگلی اور پچھلی سورتوں، خود اس سورہ کی شہادتوں اور پورے قرآن مجید میں ان امور کی بار بار تصریح کی جا چکی ہے۔ اس سورہ کا اصل زور انذار پر ہے، اسی وجہ سے یہی پہلو زیادہ نمایاں ہے۔ دوسرے مطالب اس کے تحت آ گئے ہیں۔ یہ اسلوب اس لیے اختیار کیا گیا ہے کہ مخاطب کی توجہ منتشر نہ ہو بلکہ ایک ہی نشانہ پر مرکوز رہے، یعنی یہ کہ ان کو متنبہ کر دیا جائے کہ اگر انھوں نے سرکشی کی اور اونٹنی کو کوئی گزند پہنچایا تو ان پر فوراً عذاب آ دھمکے گا۔

ماقبل و مابعد کی سورتوں سے سورہ والشمس کا تعلق: ماقبل و مابعد سورتوں سے اس سورہ کا ربط یہ بتایا ہے کہ سابق سورہ، سورۂ بلد میں اصحاب المیمنہ و اصحاب المشأمہ کا ذکر ہے [illegible] وہ لوگ مراد ہیں جنھوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناقدری کی [illegible] اللہ کے [illegible] بدعملیاں کر کے بدبختی میں پڑے۔ اس سورہ میں ان اشقیاء کے انجام کی تفصیل ہے اور قوم ثمود کے [illegible] بدبخت ترین لیڈر کو بطور مثال پیش کیا ہے جس نے اپنی سرکشی سے پوری قوم کو تباہی کے گڑھے میں گرا دیا تھا۔ قریش نے بھی [illegible] بدبخت انسان کی روش اختیار کر رکھی ہے۔ بیت اللہ کے [illegible] اور رسول [illegible] جو ان کی بربادی کا موجب ہوگا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس تنبیہ وانذار کے بعد سلسلۂ سخن تعلق خدا کے ساتھ محبت و ہمدردی کے مضمون کی طرف متوجہ ہو گیا ہے اور اختصار کے ساتھ خدا کی راہ میں خرچ کرنے والے نیکوکاروں اور مال کو سمیٹ کر رکھنے والے بخیلوں کے انجام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ انہیں کے انجام کار کی تفصیل "سورۂ واللیل" میں آئی ہے۔ گویا یہ پوری سورۂ "قد خاب من دساھا" کے اجمال کی تشریح ہے اور "قد افلح من زکاھا" میں جس فلاح کی طرف اشارہ ہے اس کا ذکر مجمل چھوڑ کر سورۂ لیل میں اس کی توضیح کی ہے۔

سابق و لاحق کے تعلق سے قطع نظر یہ سورہ اپنے اندر ایک مستقل تعلیم حکمت رکھتی ہے۔ یعنی اس میں سرکشی اور تکذیب کے نتائج پوری وضاحت کے ساتھ بیان کر دئے گئے ہیں اگر اس کو سابق و لاحق سے ملا کر دیکھا جائے تو اس بیماری (سرکشی و تکذیب اور بدبختی) کی جڑ کا سراغ لگ جائے گا" اور یہ معلوم ہو جائے گا کہ ان تمام مفاسد کی بنیاد اور برائیوں کا سرچشمہ قساوت قلب ہے۔

سورہ کے اجزا کا باہمی تعلق :۔ سورہ کے نظم اور اس کے اجزا کا باہمی تعلق بیان کرتے ہوئے مولانا فراہیؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس کی پندرہ آیتوں میں خدا کے قانون جزا و سزا کی شہادت کا ذکر ہے۔ ابتدائی دس آیتوں میں عام دلائل فطرت بیان کئے گئے ہیں اور بقیہ پانچ آیتوں میں مسلّم تاریخی شہادتیں مذکور ہیں۔ مولانا قرآن مجید سے اس اسلوب اور طریقہ کی مثالیں پیش کرتے ہیں کہ وہ تاریخی دلائل کے پہلو بہ پہلو فطری دلائل بیان کرتا ہے جس کا انداز کبھی قسم کا ہوتا ہے، جیسے یہاں اور سورہ فجر میں ہے اور کبھی غیر قسم کا جس کی مثال "اولم یھد لھم کم اھلکنا من قبلھم من القرون" (سجدہ ۳۲: ۲۶-۲۸) اور " اقتربت الساعۃ وانشق القمر و ان یروا آیۃ" (قمر ۱-۵) سے پیش کی ہے، پھر وہ آفتاب و ماہتاب، رات اور دن اور زمین و آسمان کی شہادتوں کا عمومی پہلو واضح کر کے بتاتے ہیں کہ ان چیزوں کی گواہی کس بات پر پیش کی گئی ہے۔ یہ بڑی دقیق بحث ہے۔ لکھتے ہیں کہ "کائنات کی ہر چیز میں اللہ کی کسی صفت کا جلوہ ہے، جو اس کی صفات حسنہ کی گواہی دے رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کبھی کبھی دقیق اور چھوٹی چھوٹی چیزوں کی طرف اشارہ کرتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ اس کی نشانیاں بے شمار ہیں اور ان کو کوئی گن نہیں سکتا۔ لیکن اس کا عام دستور یہ ہے کہ وہ صرف بڑی بڑی نعمتوں کو یاد دلاتا ہے جن کا وہی انکار کر سکتا ہے جو بالکل بہرا ہو۔ نیز وہ اپنی قدرت و حکمت کی بالکل کھلی ہوئی نشانیوں کا حوالہ دیتا ہے جن کو ہر احساس رکھنے والا انسان بغیر کسی کاوش کے دیکھ لے۔ مثلاً سورج، چاند، رات، دن، آسمان وغیرہ" اس کے ثبوت میں "سورۂ آل عمران" کے آخری رکوع کی ابتدائی اور سورۂ بقرہ کی "والفلک [illegible]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آیات نقل کی ہیں۔

تقابل کا اسلوب :- اس تمہید سے وہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ آفتاب و ماہتاب کی گردش، روز و شب کی آمد و شد، زمین و آسمان کی خلقت اور ان کے عجائب کے اندر توحید، رحمت الٰہی، عدل، قانون جزا و سزا اور انبیاء علیہم السلام کی بعثت کی بے شمار نشانیاں ہیں۔ اس عمومی شہادت کی توضیح کے بعد مولانا فراہیؒ ان آیات سے معاد کے ظاہری و باطنی دلائل پیش کرتے ہیں کہ اس سورہ میں مقابلہ کا اسلوب ہے۔ یعنی جن چیزوں کو شہادت میں پیش کیا ہے، اس کے مقابل اور جوڑے کا ذکر کیا ہے۔ یعنی سورج کے ساتھ چاند، دن کے ساتھ رات اور آسمان کے ساتھ زمین کا ذکر ہے۔ اور قرآن سے ثابت کیا ہے کہ اشیاء کے جوڑے جوڑے ہونے میں ہمارے لیے بہت سی دلیلیں ہیں، یہ سیاق کلام ہم کو اس تقابل کی طرف متوجہ کرتا ہے جو اس نظام کائنات کے ہر گوشہ میں موجود ہے، اور اس حق و عمل کے تمام ہنگامہ کا اصلی محرک ہے اور جو خود ہمارے نفس کے تربیت کے لئے بھی ضروری ہے کیونکہ نفس انسانی کا تمام شرف و کمال اس ریاضت پر مبنی ہے جو اس کو دو بالکل متضاد میلانات کی کشاکش کے اندر کرنی پڑتی ہے۔

کائنات کا تضاد :- کائنات کی ہر چیز ایک پہلو سے بالکل کامل اور مستقل نظر آئے گی، دوسرے پہلو سے ناقص اور محتاج، اس میں حسن و حکمت کا اصلی جمال اس وقت نمایاں ہوتا ہے، جب وہ اپنے جوڑے سے مل کر اپنے نقص اور احتیاج کے خلا کو پر کر لیتی ہے۔

یہ دنیا متضاد عوامل اور مختلف متقابل قوتوں کی ایک رزمگاہ ہے۔ یہاں زندگی اور موت، تخریب اور تعمیر کی ایک باہمی آویزش ہر گوشہ میں پائی جاتی ہے۔ جن کی نگاہیں تہہ تک پہنچنے کی عادی نہیں ہیں، وہ اس حالت سے دھوکہ کھا جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ دنیا مختلف الاغراض اور جنگجو دیوتاؤں کا ایک اکھاڑا ہے۔ مجوس اسی ثنویت کے چکر میں پھنس گئے اور بت پرست قوموں کے عقائد و نظریات کی گمراہی ثنویت سے بھی بڑھ کر ہے۔ حالانکہ یہ محض فکر و نظر کی کوتاہی ہے۔ جن کی نظر ان حکمتوں اور مصلحتوں تک پہونچ گئی جو اس تصادم اور کشاکش کے اندر پوشیدہ ہیں، ان کو صاف دکھائی دیتا ہے کہ اس دنیا کا خالق صرف ایک ہی قادر و قیوم ذات ہے۔ بس نگاہ کو ان مصالح تک پہنچنا چاہیئے جو اس تصادم سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس وقت نظر آئے گا کہ ہر چیز جوڑوں کے اتصال اور ان کے باہمی تعلق سے وجود میں آتی ہے۔ یہ پوری دنیا مختلف اجزاء و عناصر اور متضاد قویٰ اور عوامل کی ایک نہایت دلفریب اور حسین وحدت ہے اور یہ تمام متضاد حالتیں یعنی و یسار، رات و دن، آسمان و زمین، سردی و گرمی، خوشی و غمی، نیکی و بدی سب اسی وحدت کے احوال و عوارض ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"سُبْحَانَ الَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ وَمِنْ أَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُونَ" (یٰس ۳۶)

"باعظمت ہے وہ ذات جس نے پیدا کیے تمام جوڑے نباتات زمین کی قسم میں سے اور خود ان کے اندر سے اور ان چیزوں کے اندر سے جن کو وہ نہیں جانتے۔"

اس آیت سے اس قانون کی ہمہ گیری واضح ہے اس پر جس قدر غور کرو اسی قدر اللہ کی عظمت اور اس کی رحمت بے نقاب ہوتی ہے اور ہم کو اس کی تسبیح اور حمد کی دعوت دیتی ہے۔

جن لوگوں نے دنیا کی ہر چیز کو اکہری حالت میں دیکھا ان پر کائنات کا اصلی حسن و جمال بے نقاب نہیں ہو سکا اور وہ طرح طرح کی غلطیوں میں پڑ گئے۔ جو شخص صرف دنیا کو دیکھے گا اور آخرت کو نہیں دیکھے گا اسے یہ دنیا مکروہ بد منظر اور ہولناک دکھائی دے گی اور وہ باور نہیں کرے گا کہ اس کی خالق کوئی رحیم و حکیم ہستی ہے۔ کیونکہ دنیا میں ظلم و معصیت کے وحشتناک مناظر اسے اس بات پر جمنے نہ دیں گے کہ اس کا خالق حکیم و رحیم ہے۔

نظام جسمانی و نظام روحانی کے دو پہلو: اس حقیقت کو ذہن نشیں کرانے کے بعد مولانا "والشمس" سے "دسّٰها" تک کی آیتوں سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ جو نظام اس عالم جسمانی میں ہے بعینہٖ اسی طرح کا نظام عالم روحانی کے اندر بھی ہے۔ مثلاً نظام جسمانی کے دو پہلو ہیں۔ روشنی اور تاریکی، بلندی اور پستی ان دونوں پہلوؤں کے اجتماع ہی سے انسان کی پرورش اور فلاح و بہبود کے گوناگوں پہلو ظہور میں آتے ہیں۔

نظام کائنات کے اس اصول پر ہونے کا مقصد نفوس انسانی کی اصلاح و تربیت ہے۔ اسی مناسبت سے کائنات کی حالت کے بالمقابل نفس کی حالت بیان کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مادی دنیا کو اللہ نے تاریک و روشن اور پست و بلند اسی لیے بنایا ہے کہ انسان کے لیے یہ آئینہ کا کام دے۔ اور اس کو ظاہری و باطنی دونوں قسم کی نشانیاں مل جائیں۔ پس پہلے دلائل آفاق بیان کئے پھر بالکل ٹھیک اسی کے مطابق دلائل انفس بیان فرمائے تاکہ اللہ کے خالق و حکیم اور مدبر و متصرف ہونے کا یقین ہمارے اندر پختہ ہو، اور پھر یہیں سے توحید اور جزا و سزا کا قطعی ہونا سمجھ میں آجائے۔ پھر اس کے بعد نفس کی حالت اور اس کے اندر نیکی و بدی کے الہام کا ذکر فرمایا جو زندگی بعد موت اور جزا و سزا کی ایک نہایت واضح دلیل ہے، ورنہ فجور و تقویٰ کے کیا معنی؟ فجور وہ چیز ہے جو مخالف فطرت ہو اور جس کا ارتکاب خدا کی نافرمانی کا باعث ہو اور تقویٰ نفس کی طہارت اور خدا پرستی کو کہتے ہیں۔ الہام سے مراد بندگی اور ذمہ داری کا وہ احساس ہے جو ہر انسان

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

[illegible] محسوس کرتا ہے۔ الہام اس امر کی نہایت واضح دلیل ہے کہ ہمارا خالق ہمارے اعمال کے مطابق ہم [illegible] قیامت پر ایک فطری شہادت ہے۔ نفس کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی اور شہادت [illegible] نہیں کیونکہ یہ شہادت خود ہمارے اندر سے بول رہی ہے لیکن جن کے کان اس عالم محسوسات کے [illegible] ہو چکے ہیں وہ اس شہادت سے بالکل بے خبر رہتے ہیں، اس وجہ سے قرآن نے ان کو [illegible] کے لئے پہلے عالم آفاق (آفتاب، ماہتاب وغیرہ) کی شہادتیں پیش کیں۔ اس کے بعد ایک تاریخ کے [illegible] عالم انفس کی بعض نشانیاں پیش کیں اور سب سے آخر میں ایک تاریخی شہادت پیش کی جو مخاطب کے نزدیک [illegible] مسلم و معروف تھی۔ تاریخی شہادت کی قوت کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا فراہی بتاتے ہیں کہ:

"اہل عرب ثمود سے اچھی طرح واقف تھے اُن کے حالات کو اللہ نے گواہی میں پیش کیا ہے، یہ خیال غلط ہوگا کہ [illegible] ثمود [illegible] جیسا دھندلا تصور ہمارے ذہن میں قائم ہوتا ہے، ویسا ہی اہل عرب کے ذہن میں رہا ہوگا۔ ثمود کے متعلق جو اشارات کئے گئے ہیں وہ اہل عرب کے سامنے ثمود کی پوری تاریخ [illegible] کر دینے کے لئے بالکل کافی تھے" مولانا قرآن مجید اور کلام عرب سے مثالیں دے کر ثابت کرتے ہیں کہ ثمود کے چرچے اہل عرب میں [illegible] پائے جاتے تھے اور ان کے متعلق ان کی روزمرہ گفتگوؤں میں مختلف قسم کی مثالیں [illegible] ہوئی تھیں۔ مولانا فراہی اس حقیقت کی جانب بھی رہنمائی کرتے ہیں کہ واقعات کی شہادت ہر شخص محسوس کرتا ہے اور طبیعتیں اس سے زیادہ متاثر ہوتی ہیں، نفس پر خواہشوں کے پردے پڑے ہوتے ہیں۔ اسی وجہ [illegible] کو اپنے اعمال کی برائی نظر نہیں آتی لیکن برائی سے نفرت ایک فطری بات ہے۔ اس وجہ سے [illegible] کے حالات سے وہ عبرت حاصل کرتا ہے۔ تاریخی شہادتیں آفاقی و انفسی دونوں طرح کے دلائل کی جامع ہوتی ہیں۔

قریش اور ثمود اور ان کے سرداروں کی مماثلت: پہلے واضح ہو چکا ہے کہ اس سورہ میں [illegible] ایک عام انذار و تخویف ہے اور [illegible] خصوصیت سے قریش کے سردار ابولہب کی [illegible] ہے۔ قریش اور ثمود کی مناسبت بہت واضح ہے۔ قریش تمام عرب کے سردار تھے۔ ان کے منصب کی عظمت اور [illegible] کی عام ذہنی بلندی نے پورے ملک میں ان کو ایک نمایاں تفوق و برتری کی جگہ دے دی تھی [illegible] یہی حیثیت ثمود کو حاصل تھی۔ ان کی تمدنی و معاشی زندگی کا [illegible] تاریخ میں بھی ہے۔ مزید ان کے تعلق [illegible] مثالیں دیا کرتے تھے۔ دونوں قوموں کے سرداروں میں سب سے زیادہ گہری مناسبت تھی۔ قریش کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابولہب اور ثمود کے قدار کا ایک ہی قسم کا کردار ہے، جو دو شخصیتوں میں دو جگہ نمودار ہو گیا ہے۔ یہ دونوں بدبخت ترین خلائق تھے، دونوں اپنی اپنی قوموں کے سردار تھے اور بالآخر دونوں ہی نے اپنی قوموں کو ہلاکت کے گڑھے میں گرا دیا۔ غرض ان گوناگوں مناسبتوں کی وجہ سے قرآن مجید نے ثمود اور ان کے سردار قدار کو قریش اور ان کے سردار ابولہب کے سامنے بطور مثال اور نمونہ عبرت کے پیش کیا اور یہ بھی بتا دیا کہ وہ اب خدا کے عذاب کے پوری طرح مستحق ہو چکے ہیں۔ لیکن نبی اور مومنین کے ایمان کی برکت کی وجہ سے ابھی وہ اس کی زد سے محفوظ ہیں۔ جس روز یہ امان اٹھ جائے گی اور پیغمبر اپنی جماعت کے ساتھ ان کو چھوڑ کر ان سے الگ ہو جائے گا، عذاب الٰہی آ دھمکے گا:۔

"وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ" (انفال: ۳۳)

"اور ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا تھا کہ اللہ ان کو عذاب دیتا درآنحالیکہ تم ان کے اندر موجود تھے اور نہیں تھا اللہ ان کو عذاب دینے والا درآنحالیکہ وہ اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہوں۔"

قریش کی ہلاکت کی طرف لطیف اشارہ :۔ اس سورہ میں مولانا قریش کی ہلاکت کا ایک نہایت لطیف اشارہ یہ بتاتے ہیں کہ ثمود کی سرکشی کا یہ عالم تھا کہ پیغمبر کو جھٹلانے ہی پر بس نہیں کیا، بلکہ ناقہ کو ہلاک کر دینے کے بعد اپنے پیغمبر کو قتل کر دینے کا بھی ارادہ کیا۔ سورۂ نمل میں "قَالُوا تَقَاسَمُوا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهُ وَأَهْلَهُ" میں اس کا ذکر ہے۔ قریش کے اپنے پیغمبر کے ساتھ معاملہ کا ذکر بھی سورۂ انفال میں "وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ" کہہ کر کیا گیا۔ دونوں واقعات میں کس قدر مشابہت ہے۔ قریش کے معاملہ کی اٹھان ثمود ہی کے انداز پر تھی، اس وجہ سے پہلے سے معلوم تھا کہ ان کی سرکشی بالآخر کس نتیجہ تک پہنچے گی۔ ثمود کا واقعہ اسی لئے سنایا گیا کہ قریش نے اپنے آغاز و انجام کی حکایت پہلے سے سن رکھی تھی اور اگر ان سے عبرت حاصل کرنا چاہیں تو عبرت حاصل کرلیں۔ قرآن نے واقعہ کی تفصیل کے بجائے اہم پہلوؤں کی طرف اشارہ کر دیئے یہ اس کا عام انداز ہے:

"هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْجُنُودِ فِرْعَوْنَ وَثَمُودَ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي تَكْذِيبٍ وَاللّٰهُ مِنْ وَرَائِهِمْ مُحِيطٌ" (البروج)

"کیا تم نے لشکروں کی سرگزشت نہیں سنی، فرعون اور ثمود کی؟ بلکہ کافر لوگ تکذیب میں پڑے ہیں اور اللہ ان کے آگے پیچھے سے گھیرے ہوئے ہے"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گویا اس اختصار کے باوجود اس سورہ میں قریش کے عزائم و اعمال اور ان کے انجام کی طرف نہایت لطیف انداز میں اشارات کیے گئے ہیں۔ کسی واقعہ کے متعلق اس کے ظہور سے پہلے یہ اجمالی اشارات اس لیے کیے جاتے ہیں کہ جب واقعہ ظہور میں آئے تو یہ پیشین گوئیاں مومنین و منکرین دونوں کے اندر اس امر کا یقین پیدا کریں کہ اللہ کے وعدے بالکل سچے ہوتے ہیں اور وہ ضرور پورے ہو کر رہیں گے۔

امت مرحومہ کے باب میں ایک اشارہ:۔ مولانا کے نزدیک اس سورہ میں ایک اشارہ امت مرحومہ کے باب میں بھی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ:

> "انبیاء کے صحیفوں اور قرآن مجید میں یہود کی سب سے بڑی شرارت یہ بیان ہوئی ہے کہ انھوں نے سرکشی اور تعدی کی وجہ سے انبیا اور صالحین کو قتل کیا۔ سورہ آل عمران میں انبیا کے ساتھ صالحین اور عدل و انصاف کی دعوت دینے والوں کے قتل کا ذکر کر کے بتایا ہے کہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی بات ہے کیوں کہ اس کا محرک بھی وہی نافرمانی اور تعدی ہے۔"

اس تمہید کے بعد مولانا فرماتے ہیں کہ: "اللہ کا قانون یہ ہے کہ چند افراد و اشخاص کے کسی جرم کی پاداش میں پوری قوم پر اپنا غضب نازل نہیں کرتا۔ مگر جب ان کے ہاتھوں سے قسط و عدل کا کوئی بنیادی قانون ڈھ رہا ہو اور دوسرے خاموشی سے ان کے مجرمانہ اعمال کا تماشا دیکھتے رہیں، اور مجرموں کے ہاتھ نہ پکڑیں تو اس وقت پوری قوم خدا کے غضب میں مبتلا ہو جاتی ہے، کیونکہ عدل و قسط کا قیام اس پورے نظام کائنات کے بقا کے لیے ناگزیر ہے۔ اس وجہ سے یہ ضروری ہے کہ جب اس پورے نظام کو کوئی صدمہ پہنچے تو سب اس کی لیے دردمند ہوں اور بے چین ہوں۔ اللہ تعالی کے قانون کی حفاظت کے لیے ان کے اندر حمیت پیدا ہو۔ جو ایسا نہ کریں وہ در حقیقت مجرموں کے شریک حال اور ان کے معاون ہیں۔ اسی بنیاد پر قرآن نے ان لوگوں کو سخت الفاظ میں ملامت کی ہے، جو جنگ و جہاد کے موقع پر گھروں میں بیٹھے رہے اور حمایت حق و عدل کے جوش سے وہ بے چین نہیں ہوئے۔ قرآن نے جہاں امت کو اللہ و رسول کی کامل اطاعت کی دعوت دی، وہاں اس حقیقت کی بھی نہایت واضح لفظوں میں تصریح کر دی ہے۔" سورۂ انفال آیات ۲۴ تا ۲۷ میں صاف فرمایا کہ اگر کسی قوم کے چند افراد کسی جماعتی [illegible] معصیت کا ارتکاب کریں اور باقی سب خاموش رہے اور ان کے ہاتھ نہ پکڑے تو ان کے جرم کی پاداش میں پوری قوم ماخوذ ہوگی۔ کیونکہ انھوں نے عدل و حق کو جو سب کی متاع مشترک تھی، تنہا چھوڑ دیا۔ ثمود کے واقعہ کی بالکل یہی نوبت تھی اور یہی سبب ہے کہ ان کے اندر سے ایک بدبخت نے جو کچھ کیا اس کے وبال میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پوری قوم پکڑی گئی۔ قرآن نے ایک شخص کے لیے "عقروھا" جمع کا صیغہ استعمال کر کے جرم کو پوری قوم کی طرف منسوب کیا، کیونکہ اس نے خاموشی اختیار کر کے جرم پر اپنی پسندیدگی کا اظہار کر دیا تھا۔ قرآن نے جابجا بہت سے اعمال یہود کی جانب بھی ایسے ہی منسوب کیے ہیں۔

قوموں کے مواخذہ کا قانون:۔ مولانا قوموں کے مواخذہ کا قانون الہٰی یہ بتاتے ہیں کہ اللہ کی نافرمانی کی وجہ سے وہ ان کو فوراً ہلاک نہیں کرتا، بلکہ ان کے بہت سے گناہوں سے درگذر فرماتا اور مہلت دیتا ہے تاکہ جو توبہ کرنا چاہے وہ توبہ کرے، اور جو ہلاک ہونا چاہے وہ پورے طور پر عذاب کا مستحق ہو جائے۔ اس کی مثال میں یہود کو پیش کرتے ہیں کہ ان کی نافرمانیوں پر انھیں بار بار سزا دی گئی لیکن جب تک حضرت زکریا و یحییٰ کے بعد حضرت عیسیٰ کو اپنے زعم کے مطابق قتل کر کے اپنا پیمانہ لبریز نہیں کر لیا، اس وقت تک اللہ نے ان سے نہ شریعت چھینی اور نہ اپنا رشتہ کاٹا۔

ان مقدمات کو پوری طرح ذہن نشین کرانے کے بعد مولانا فراہی امت مرحومہ کی تاریخ کے بعض ورق الٹتے ہیں اور ان کی روشنی میں ایسے نتائج و احوال کا ذکر کرتے ہیں جو ماضی میں ہو چکے ہیں اور ضروری ہے کہ آئندہ بھی واقع ہوں، کیونکہ یہ چیز منجملہ سنت الہٰیہ کے ہے جس کی نسبت قرآن نے کہا ہے کہ اس میں تبدیلی نہ پاؤ گے۔ یعنی سرکشوں اور مفسدوں کی گرفت کا وہ قانون جو اٹل ہے، اور جو ہمیشہ بے لاگ ظہور میں آتا ہے۔

یہود میں ناقۃ اللہ کی مثال:۔ مولانا ارشاد فرماتے ہیں کہ ثمود نے اونٹنی کا قتل کر کے سرکشی کی جو مثال قائم کی، یہود نے حضرت عیسیٰؑ کا ارادہ قتل کر کے بعینہ اسی مثال کی تقلید کی گویا یہود کے اندر حضرت عیسیٰؑ کا وجود گرامی ناقۃ اللہ کی مثال تھا۔ یہ مثال محض طبع زاد نہیں ہے، بلکہ قرآن کے اشارات سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ ناقہ آیت اللہ کی مثال تھی، بعینہ یہی بات حضرت عیسیٰ کے متعلق بھی قرآن نے کہی ہے: "وجعلناھا وابنھا آیۃ للعالمین" اسی بنا پر یہود بھی اس جرم میں ثمود کی طرح پامال کر دیے گئے، اور ان سے نبوت ہمیشہ کے لیے چھین لی گئی۔

مسلمانوں میں ناقۂ الہٰی کی مثال:۔ مولانا فرماتے ہیں کہ اسی کے مشابہ واقعہ امت مرحومہ میں بھی پیش آیا۔ اس امت کے اندر ناقہ کی مثال حضرت علیؓ تھے۔ چنانچہ ان کے قتل کے بعد اس امت سے خلافت چھین لی گئی اور خلفا کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ ان کے بعد ملوک و سلاطین ہوئے۔ الا ماشاء اللہ آنحضرتؐ نے اس انقلاب کی پیشین گوئی پہلے سے فرما دی تھی اور اس دور کو ملک عضوض کے لفظ سے تعبیر فرمایا تھا۔ ایک مرتبہ آپؐ نے حضرت علی سے فرمایا کہ "کیا میں تمہیں بدبخت ترین خلائق احمر ثمود کی خبر نہ دوں جس نے ناقہ کو قتل کیا اور جو تم کو سر پر مارے گا اور اس سے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ داڑھی تر ہو جائے گی۔

ممکن ہے یہ کہا جائے کہ حضرت عثمانؓ نہایت مظلومیت سے قتل کیے گئے جن کے بعد فتنوں کا دروازہ کھل گیا۔ حضرت فاروق اعظمؓ کی شہادت تاریخ اسلام کا سب سے بڑا حادثہ ہے اور سب سے آخر میں حضرت حسینؓ قتل ہوئے پھر حضرت عیسیٰؑ سے حضرت علیؓ ہی کے واقعہ کو کیوں تشبیہ دی گئی ہے۔ مولانا اس کے جواب میں فرماتے ہیں "حضرت عمرؓ کے قتل کی ذمہ داری امت پر نہیں ہے۔ انھیں ایک عیسائی نے قتل کیا اور اس جرم پر صرف تھوڑے سے شریر لوگ راضی تھے اور چونکہ یہ پہلا خون تھا اس لیے قانون الٰہی نے ڈھیل دی۔ حضرت عمرؓ حضرت زکریا علیہ السلام سے زیادہ مشابہ تھے۔ جس طرح وہ قربان گاہ اور مسجد کے اندر شہید کیے گئے اسی طرح حضرت عمرؓ بھی نماز کے اندر شہید ہوئے۔ حضرت عثمانؓ کی حالت حضرت یحییٰ کی حالت سے زیادہ مشابہ ہے۔ جس طرح حضرت یحییٰ قید کی حالت میں قتل کیے گئے۔ اسی طرح حضرت عثمانؓ مکان کے اندر بند کر کے شہید کیے گئے۔ ان وجوہ سے حضرت عیسیٰؑ کے معاملہ سے جو مشابہت حضرت علیؓ کے واقعہ کو ہے وہ کسی دوسرے واقعہ کو نہیں ہے۔ نتائج کے اعتبار سے بھی دونوں بالکل یکساں درجہ کی اہمیت رکھتے ہیں۔ یہود حضرت عیسیٰؑ کے قتل کا ارادہ کر کے خدا کی امانت سے محروم ہو گئے اور مسلمان حضرت علیؓ کے قتل کی ذمہ داری لے کر خلافت مقدسہ سے محروم ہو گئے۔ رہا حضرت حسینؓ کا واقعہ تو در حقیقت یہ اسی بدبختی کا ایک مظہر ہے جو حضرت علیؓ کے قتل کی صورت میں نمودار ہوئی تھی۔ ایک برائی دس برائیوں کا دروازہ کھولتی ہے۔ حضرت علیؓ کے قتل کی صورت میں جو بدبختی نظر آئی وہی امام حسینؓ کی مظلومانہ شہادت کا باعث ہوئی اور پھر اس واقعہ کی جڑ سے ہزاروں فتنوں کی شاخیں پھوٹیں اور پھیلیں۔ مسلمانوں کی جان و مال کی بربادی کے جو ہولناک اور شرمناک واقعات بار بار پیش آئے یہ سب اسی شجرہ فساد کے برگ و بار تھے۔ انہی فتنوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں باخبر کیا تھا" یا ایها الناس انما المؤمنون اخوة ولا یحل لامرئ مال اخیه الا عن طیب نفس منه الا هل بلغت اللّٰهم اشهد فلا ترجعن بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض"

قرآن مجید نے بھی سورۃ الانعام میں باہمی جنگ و جدال کو عذاب الٰہی سے تعبیر فرمایا ہے۔ چنانچہ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد یہ عذاب نمودار ہو گیا۔ امت مختلف گروہوں میں بٹ گئی اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی جماعتوں میں ایسی خون ریز جنگیں ہوئیں کہ مسلمان بالکل بے دم ہو کے رہ گئے اور قرآن مجید کے بموجب اللہ نے ایک جماعت کا عذاب دوسری جماعت کو چکھا دیا اور یہ آگ برابر مشتعل رہی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے بعد مسلمانوں پر جتنی آفتیں نازل ہوئیں وہ تمام تر اسی قسم کی حماقتوں کے باعث ہوئیں اور گروہ بندی اور تفریق کے نتیجہ میں آئیں۔

وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا کا مفہوم:- آخر میں وہ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا کی تفسیر کرتے ہوئے پہلے یہ حقیقت واضح کرتے ہیں کہ قرآن مجید جس طرح اگلے صحیفوں کا مصدّق اور ان کی تکمیل کرنے والا ہے اسی طرح ان کے اختلافات میں فیصلہ کی کسوٹی ہے۔ اس نے جا بجا اپنی یہ حیثیت نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کی ہے۔ پس جس طرح وہ ان کی بہت سی باتوں کی تصدیق کرتا ہے۔ اسی طرح ان کی بہت سی باتوں کی پُرزور تردید بھی کرتا ہے جو یہود نے ان میں ملا دی تھیں اور جن کو حقیقت سے کوئی علاقہ نہیں۔ مثلاً:

”وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ“ — ”اور ہم نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دنوں میں“

یہاں تک تو بعینہٖ تورات کے بیان کی تصدیق تھی پھر فرمایا:

”وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ“ (ق: ۳۸) — ”اور ہم کو ذرا بھی تکان محسوس نہیں ہوئی“

یہ ٹکڑا قرآن مجید کے حکیم اور محکم ہونے کو نمایاں کرتا ہے۔ اس میں تورات کے باب پیدائش کے اس بیان کی تردید ہے جو یہود نے اس میں ملا دیا ہے کہ ”خداوند نے چھ دن کام کیا اور ساتویں دن آرام کیا“

اس اسلوب کی مثالیں قرآن مجید میں بہت ہیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی باتیں کہتا چلا جاتا ہے اور انھی کے لپیٹ میں کوئی ایسی بات کہہ دیتا ہے جس سے کسی خاص خیال کی تردید یا مخصوص غلط فہمی کی اصلاح مقصود ہوتی ہے۔ اس تمہید کے بعد فرماتے ہیں کہ اللہ کے متعلق جہاں بہت سی غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں وہاں ایک غلط فہمی یہ بھی ہے کہ وہ اپنے بہت سے کاموں پر جو رحمت و عذاب کے اس سے صادر ہوتے رہتے ہیں کبھی کبھی پچھتایا بھی کرتا ہے۔ چنانچہ اس کی ایک دلچسپ مثال تورات کے کتاب پیدائش کے باب ۶ میں بھی ہے:

”خداوند نے دیکھا کہ زمین پر انسان کی بدی بہت بڑھ گئی ہے اور اس کے دل کے تصور اور خیال سدا برے ہی ہوتے ہیں، تب خداوند زمین پر انسان کو پیدا کرنے سے ملول ہوا اور رنج کیا۔“

اسی طرح طوفان نوحؑ کے ذکر کے بعد ہے:

”اور خداوند نے اپنے دل میں کہا کہ انسان کے سبب سے میں پھر کبھی زمین پر لعنت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں بھیجوں گا، کیونکہ انسان کے دل کا خیال لڑکپن سے برا ہے اور نہ پھر سب جانداروں کو جیسا کہ اب کیا ہے ماروں گا۔"

مولانا قرآن کی تعلیم کو اس سے بالکل مختلف بتاتے ہیں۔ قرآن یہ کہتا ہے کہ "اللہ جو کچھ کرتا ہے، حکمت و رحمت کے ساتھ کرتا ہے، کسی قوم کی ہلاکت یا رفعت بغیر کسی اصول و ضابطہ کے نہیں ہوتی۔ اس کے کسی کام میں نہ خوف و طمع کا شائبہ ہے اور نہ کسی کمی بیشی کا اندیشہ اس وجہ سے وہ ندامت و شرمندگی اور رنج و پچھتاوے کے تمام احوال و عوارض سے بالکل ارفع و اعلیٰ ہے اور یہی حقیقت ہے جو یہاں:

" وَلَا يَخَافُ عُقْبَاهَا (الشمس: ۱۵) " اور وہ نہیں ڈرتا کہ پیچھے کیا ہوگا۔"

سے واضح کی گئی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جناب سلطان احمد اصلاحی
علی گڈھ

مولانا حمید الدین فراہی رحؒ کے غیر مطبوعہ قرآنی حواشی

ترجمان القرآن مولانا حمید الدین فراہیؒ متوفی ۱۹۳۰ء مطابق ۱۳۴۹ھ جن کا نام اور کام ہندستان سے آگے عالم اسلام میں بھی غیر متعارف نہیں رہ گیا ہے۔ قرآن اور علوم قرآن سے انھیں جو شغف اور لگاؤ تھا اور اپنے عنفوان شباب ہی سے انھوں نے قرآن پر غور و فکر اور اس کے لیے مجاہدہ اور ریاض کے لیے انھوں نے اپنے کو جس طرح یکسو کر لیا تھا سلف میں بھی اس کی نظیریں خال خال ہی مل سکیں گی۔ قرآنیات پر مولانا کا تقریبًا تمام کام عربی زبان میں ہے جس کا ایک حصہ مولانا کی زندگی میں شائع ہوا۔ مولانا کی وفات کے بعد دار المصنفین اور دائرہ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڈھ سے مولانا کی باقی ماندہ چیزیں شائع ہوئیں۔ اسی زمانہ میں مولانا کے لائق شاگرد مولانا امین احسن اصلاحی صاحب تدبر قرآن نے ان کا اردو میں ترجمہ بھی کیا۔ یہ تمام ترجمے دائرۂ حمیدیہ سے شائع ہوئے جن کا سلسلہ اس وقت تک جاری ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی کے حلقہ تعارف کے ذریعہ پاکستان میں بھی یہ تراجم عرصہ سے شائع ہونے لگے ہیں۔ قرآنیات پر مولانا کی اہم کتابیں جو زیادہ تر ناتمام تھیں، ہنوز تشنۂ اشاعت تھیں، دائرۂ حمیدیہ کے موجودہ ناظم مولانا بدر الدین اصلاحی صاحب کی کوششوں سے اس کا بڑا حصہ بھی منظرِ عام پر آگیا۔ جس کے لیے وہ مولانا فراہی کے معتقدین و منتسبین ہی نہیں، قرآن سے شغف رکھنے والوں اور تمام شائقین کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں۔ مولانا کے غیر مطبوعہ مسودات میں خاص طور پر دو چیزیں اہم رہ گئی ہیں جن کی اشاعت دائرہ حمیدیہ کے پیش نظر ہے۔ (۱) حکمت القرآن اور (۲) حجج القرآن۔

لیکن مولانا فراہی کا عظیم الشان کام جو ہنوز غیر مطبوعہ پڑا ہے، اور جس کی اشاعت کی کوئی سُن گُن اور بھنک اور دور دور تک اس کے شاید آثار بھی نہیں ہیں اور دائرہ حمیدیہ کے موجودہ محترم ناظم صاحب کی عمر و صحت اور دائرہ کے نظام کار کے پیش نظر مستقبل قریب میں غالبًا اس کی کوئی توقع بھی نہیں ہے۔ یہ ہیں مولانا کے از اول تا آخر قرآنی حواشی جو کتاب اللہ پر ان کے چالیس سال سے زائد کے فکری مراقبہ اور مجاہدہ و ریاض کا حاصل ہیں۔ خوش قسمتی سے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا کے یہ حواشی میرے پاس ہیں۔ قرآنیات پر بحث و مذاکرہ کی اس بابرکت مجلس میں انہی غیر مطبوعہ قرآنی حواشی کا تعارف مقصود ہے۔

اپنے اساتذہ اور بزرگوں کی روایت کے مطابق مولانا کے یہ حواشی قرآن حکیم کے دو الگ الگ نسخوں پر تھے۔ مدرسۃ الاصلاح میں ان دونوں کے الگ الگ اور یکجائی صورت میں مختلف انداز میں ان کے مبیضے تیار کر لیے گئے تھے۔ ماضی قریب تک وہاں طلبا کے اندر ان حواشی کو اپنے طور پر نقل کر لینے کا رواج تھا۔ اس طرح مدرسۃ الاصلاح کے اساتذہ اور بہت سے اصلاحی فضلاء کے پاس مولانا کے یہ حواشی موجود ہیں۔ ۱۹۹۰ء کے آس پاس مدرسۃ الاصلاح کے سینئر اساتذہ چھوڑ کر جامعۃ الفلاح بریا گنج اعظم گڑھ منتقل ہوئے تو اس کی برکت سے جامعہ میں بھی ان حواشی سے استفادہ اور ان کی نقلیں تیار کرنے کی راہ پیدا ہوئی۔ میرے پاس ان حواشی کا جو مخطوطہ ہے وہ مقدمہ کے ساتھ سورۂ فاتحہ سے لے کر سورۂ قصص تک مولانا فراہی کے حقیقی پوتے ڈاکٹر عبید اللہ فراہی حال ریڈر شعبۂ عربی لکھنؤ یونیورسٹی کے ہاتھ کا غالباً مدرسۃ الاصلاح میں ان کے دور طالب علمی کا لکھا ہوا ہے۔ نصف قرآن سے زائد سورۂ اعراف تا سورۂ رعد اور سورۂ مریم تا آخر قرآن میرے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ جو مدرسۃ الاصلاح میں میرے دور طالب علمی کی یادگار ہے۔ تکرارات کو حذف کر کے یہ تمام حواشی معروف کاپی سائز کے ۵۴۲ صفحات پر آ سکے ہیں۔ نقل کے مختلف انداز جن کی طرف اشارہ کیا گیا، میرے پاس موجود دو کاپیوں میں موجود ہیں۔ ڈاکٹر فراہی کے نقل کردہ حصہ میں ایک ہی سورت پر حواشی مکرر ہیں۔ سورہ مکمل ہو جانے کے بعد اسی سورہ پر "علیٰ ہامش القرآن" کے عنوان سے نسبتاً مختصر طور پر حواشی ہیں جبکہ میری نقل کردہ کاپی میں ایک پوری سورہ پر حواشی ایک ہی تسلسل میں ہیں۔ علیٰ ہامش القرآن کے حواشی متعلقہ آیات کے ساتھ ایک سے دو نمبروں میں جمع کر دیا گیا ہے۔

ہندوستان میں مولانا فراہی کی غیر مطبوعہ تحریروں کے تنہا امین دائرہ حمیدیہ ہے اور مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ کے موجودہ ناظم مولانا بدر الدین صاحب اصلاحی حفظہ اللہ کے بیان کے مطابق ان حواشی کا اصل مسودہ مولانا امین احسن صاحب اصلاحی کے پاس پاکستان میں ہے۔ ان کے پاس ان حواشی کا مبیضہ ہے۔ مولانا بدر الدین صاحب ہی کے مطابق اس مبیضہ میں آخری پارہ کی سورتوں اور غالباً آخر کے کچھ دوسرے حصوں میں بھی بعض سورتیں سادہ اور بلا حاشیہ ہی رہ گئی ہیں جبکہ میرے پاس موجود حواشی میں آخری پارہ کی ہر سورہ پر حواشی ہیں۔ بعض سورتوں پر حواشی مختصر ضرور ہیں، لیکن کوئی سورہ سادہ نہیں ہے۔ افسوس کہ مولانا بدر الدین صاحب کی بیماری اور کچھ دوسری رکاوٹوں کے سبب سال گزشتہ اس مبیضہ سے میرے پاس موجود حواشی کی مراجعت کی خواہش پوری نہ ہو سکی۔ گزشتہ مئی میں لاہور کے اپنے مختصر قیام میں مولانا امین احسن اصلاحی حفظہ اللہ سے ملاقات کے وقت ان کی عمر اور ان کی معذوریوں کے پیش نظر حواشی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے اصل مسودہ کی بابت ان سے معلومات حاصل نہ کرسکا۔ مولانا کے حلقہ کے دوسرے احباب سے ملاقات نہ ہوسکی جس سے اس سلسلے میں صحیح صورت حال معلوم ہوسکتی۔ کاش کہ ہندستان ہی میں کوئی ٹیم یہاں موجود مختلف دفاتر کے مقابلہ سے ان حواشی کی کوئی متفقہ مسودہ تیار کرسکتی تو ایک بڑے فرض کی تلافی ہوتی جو خاص طور پر مولانا فراہی کے متعلقین و منتسبین کے اوپر عائد ہوتا ہے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا مولانا کے یہ حواشی ان کی چالیس سالہ عرق ریزی کا حاصل ہیں۔ مولانا نے ان حواشی کا آغاز کب اور کہاں سے کیا اس کے متعلق اس تفسیر کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

"وقد لاح لنا النظام في سورة البقرة سنة ١٣١٠ھ أو قريباً منها ثم كتبت نظام سورة القصص ثم تركت الأمر لبعض الأحايين حتى وفقني ربي سنة ١٣٢٠ھ أن بدأت من أول القرآن وعلى الله توكلت وهو حسبي وأبوء لنقلة علمي ما إن أخطأت فأنا جدير وإن أصبت فبتوفيق ربي أستغفره وبه أستعين۔"

ترجمہ: سورہ بقرہ کا نظام ہمارے لیے ۱۳۱۰ھ یا اس کے آس پاس کے زمانہ میں واضح ہوا۔ پھر میں نے سورہ قصص کا نظام لکھا۔ پھر کبھی کبھار کے علاوہ میں نے اس سلسلہ کو چھوڑے رکھا۔ یہاں تک کہ میرے رب نے مجھ کو ۱۳۲۰ھ میں اس کی توفیق دی کہ میں ابتدائے قرآن سے اس کا آغاز کرسکوں۔ اللہ ہی پر میرا بھروسہ ہے۔ وہی میرا مرجع اور کل سہارا ہے۔ اپنی علمی بے بضاعتی کی بنا پر اگر مجھ سے غلطیاں ہوتی ہیں تو یہ عین قرین قیاس ہے۔ اور جو بات میں صحیح کہتا ہوں تو یہ اپنے رب کی توفیق کا نتیجہ ہے۔ اسی سے میں اپنی خطاؤں کی معافی مانگتا ہوں اور اسی کی مدد کا طلبگار ہوں۔"

مولانا حمید الدین فراہی کی قرآنی فکر کا مرکزی نقطہ نظم قرآن ہے۔ ان کے نزدیک قرآن کی ہر سورہ اپنا الگ موضوع اور مستقل نظام رکھتی ہے۔ اس طرح کتاب از اول تا آخر ایک مربوط و منظم کلام ہے۔ کتاب اللہ سے متعلق اپنے اس نقطہ نظر کا اظہار انھوں نے ان حواشی کے شروع ہی میں کر دیا ہے۔ مقدمہ کتاب کے آغاز ہی میں فرماتے ہیں!

---

(۱) حواشی الفراہی علی القرآن المجید: ۱/۱ مقدمۃ الکتاب۔ آگے حواشی سے مولانا امین احسن اصلاحی تدبر قرآن کے مقدمہ میں اپنی تفسیر کے متعلق لکھتے ہیں: "میری چالیس سالہ محنتوں کے نتائج کے ساتھ اس میں میرے استاد مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کی ۳۰-۳۵ سال کی کوششوں کے ثمرات بھی ہیں"۔ —— تدبر قرآن جلد اول، مقدمہ، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، طبع سوم اگست ۱۹۷۶ء۔ مولانا فراہی کے سلسلے میں مولانا کا یہ بیان محل نظر ہے۔ مولانا فراہی نے حواشی میں صراحت کر دی ہے کہ سورۃ البقرہ کا نظم انہیں ۱۳۱۰ھ میں کھلا۔ مولانا کا انتقال ۱۳۴۹ھ میں ہوا ہے۔ اگر اسی مدت کو مولانا کی قرآنی فکر کا آغاز مان لیا جائے تو بھی ۱۳۴۹ھ سے ۱۳۱۰ھ کم کرکے یہ ۳۹ سال کا زمانہ بنتا ہے۔ حالانکہ سورۃ البقرہ کے نظم کے کھلنے کا مطلب ہے کہ قرآن کریم پر غور و فکر کا آغاز اس سے بہت پہلے سے شروع ہو چکا ہوگا۔ مولانا فراہی کو اپنے شاگرد مذکور کے مقابلے میں عمر ملی: ۱۲۸۰ھ —— ۱۳۴۹ھ کل ۶۹ سال کی۔ اس طرح اس کے باوجود کتاب متذکرہ کے دیباچہ و رباعی کی مدت ۳۰-۳۵ سال سے کم نہیں بنتی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"ونفسر القرآن بآياته وجعلت نظام القرآن نورا به اهتدى الى حكمه وغوره فمن نظر في سطوره يرى ان شاء الله أن آيات القرآن منظمة غير مقتضيات ولا ادري كيف يؤمنون بإعجاز القرآن بعد ان جعلوا القرآن عضين وهل شيء[1] من كونه مختل النظام[2]۔"

"ترجمہ: ہم قرآن کی تفسیر اس کی دوسری آیتوں کی مدد سے کرتے ہیں۔ اور میں نے نظم قرآن کو روشنی کا مینار ٹھہرایا ہے جس کے ذریعہ میں اس کی حکمتوں اور اس کی گہرائیوں تک پہنچنے کی کوشش کروں گا۔ پس جو شخص ان سطور پر نظر ڈالے گا وہ ان شاء اللہ دیکھے گا کہ قرآن کی تمام آیات باہم مربوط و منظم ہیں اور ان کے اندر کسی قسم کی پراگندگی کا شائبہ نہیں ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ لوگ کس طرح قرآن کو معجز کلام مانتے ہیں جبکہ انہوں نے قرآن کو مختلف ٹکڑیوں میں بانٹ رکھا ہے کیا اس کے حق میں اس سے بڑھ کر کوئی چیز (قادح) ہو سکتی ہے کہ وہ اللئیب ہوا اور اس کا کوئی نظام نہ ہو۔"

مولانا فراہی سورتوں کے مرکزی مضمون کے لیے "عمود" کی خاص اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ مولانا کی قرآن حکیم کے آخری پاروں کی مختلف سورتوں کی مکمل تفسیریں عربی اور اردو دونوں میں شائع ہو چکی ہیں۔ ان تفسیروں میں مولانا نے سورتوں کے مرکزی مضمون "عمود" اور سابق و لاحق سورتوں سے ان کے ربط و تعلق کو بڑی تفصیل اور پورے شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان تفسیروں کے علاوہ مولانا نے اپنی ایک دوسری کتاب "دلائل النظام" میں تمام قرآنی سورتوں کے مرکزی مضمون کی نشاندہی کی ہے[3]۔ ان غیر مطبوعہ قرآنی حواشی میں بھی سورتوں کے عمود کی تعیین کی قابل قدر کوشش کی گئی ہے۔ اندرون سورہ جا بجا نظام کلام کو واضح کرنے کے ساتھ اور آیتوں کے مختلف ٹکڑوں کے آگے پیچھے سے ربط و تعلق کو نمایاں کرنے کے ساتھ ہر سورہ کے شروع میں اس کے مرکزی مضمون اور عمود کو کھولنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اس کوشش کے کچھ نمونے بھی قارئین کیلیے دلچسپی سے خالی نہ ہوں گے۔ سورہ مائدہ کا عمود واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اعلم أن عمود السورة العهد والميثاق وجماعه طاعة الرسول وكتابه وانما بدا بامور ثنية من العقود لنعلم ان الدقيق يهيج الجليل[4]۔"

"ترجمہ: جاننا چاہیے کہ اس سورہ کا عمود (مرکزی مضمون) عہد و پیمان کی پاسداری ہے، اور اس کی شیرازہ بندی کرنیوالی چیز اللہ کے رسول اور اس کی کتاب کی پیروی ہے۔ عہد و پیمان کی بعض نمایاں شاخوں سے اسکا آغاز محض اس لیے کیا تاکہ معلوم ہو کہ چھوٹی چیز، آگے بڑی چیز کا پیش خیمہ بنتی ہے۔"

---

(۱) اس مخطوطہ میں کہیں کہیں ایک آدھ لفظ کی جگہ سادہ ہے۔ یہاں بھی "شیٔ" اور "من کونہ" کے بعد بیاض ہے۔ غالباً "اقبح" یا "اقدح" جیسا کوئی لفظ یہاں لکھنے سے رہ گیا ہے۔ بعض دوسرے حواشی میں بھی اس مقام پر بیاض ہے۔ جس سے لگتا ہے کہ یہ غالباً اصل سے ہی نقل ہونے سے رہ گیا ہے۔ (۲) حواشی محولہ بالا

(۳) دلائل النظام صفحات ۳ تا ۹۸، مکتبۃ الدائرۃ الحمیدیۃ سرائے میر اعظم گڑھ ۱۳۸۸ھ طبع اول (۴) حواشی: ۱/۱۱۳

www.KitaboSunnat.com

سورہ اعراف کے مرکزی مضمون اور اس کے دوسرے مضامین کی تفصیل یں فرماتے ہیں:

"هذه السورة مثل المذلك الكتاب في بعض الامور ولكن تلك داعية وهذه منذرة العذاب القيامة وتنهى عن الشرك كما قال لى (۲-۳) وخاطب النبي والامة كذالك يسألهما (٦) والانذار بعذاب الدنيا۔"[1]

"ترجمہ: یہ سورہ بعض معاملات میں سورہ بقرہ کی طرح ہے۔ لیکن اس میں دعوت (ایمان) ہے اور یہ عذاب اور قیامت سے ڈرانے والی ہے۔ اور اس میں شرک کی ممانعت کی گئی ہے جیساکہ آیات (۲-۳) میں فرمایا۔ نیز اس میں نبی اور امت دونوں سے خطاب ہے۔ اس طرح ان دونوں ہی سے جواب طلبی بھی ہوگی (٦) اس کے علاوہ اس سورہ میں دنیا کے عذاب کا بھی ڈراوا ہے۔"

سورہ انفال کا مرکزی مضمون ان کے نزدیک فتح ونصرت ہے ساتھ ہی وہ سورہ کے اہم مضامین کو بھی کھول دیتے ہیں:

هذه سورة الفتح (۱۹) والتحريض (٦٥) والهجرة (۷۲-۷٤) والبراءة (۷۲-۷۵)[2]

ترجمہ: یہ فتح ونصرت کی سورہ ہے (۱۹) اور جہاد کی ترغیب کی (٦٥) اور ہجرت کی (۷۲-۷٤) اور کافروں اور مشرکوں سے برأت اور بیزاری کی (۷۲-۷۵)"

بسا اوقات وہ سورہ کے عمود ومرکزی مضمون کی وضاحت کے ساتھ پوری سورہ کے مضامین کا خلاصہ کردیتے ہیں جس سے اس پوری سورہ کے نظام کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ سورہ آل عمران کا عمود وہ سورۃ بقرہ کے مرکزی مضمون کے تقابل کے ساتھ بتاتے ہیں۔

"واعلم ان هذه السورة تكمل نقطة العمل وسورة البقرة نقطة العلم فنسبتها نسبة الايمان والاسلام واول الاسلام وجماعه طاعة الرسول فان عصيانه تكذيب باياته فيحل على المكذب عذابه في الدنيا والآخرة وضرب مثل فرعون۔"[3]

"ترجمہ: معلوم ہونا چاہیے کہ یہ سورہ عمل کے نقطہ کی تکمیل کرتی ہے جبکہ سورہ بقرہ کا موضوع علم کے نقطہ کی تکمیل ہے۔ پس ان دونوں کی نسبت ایمان اور اسلام کی نسبت ہے۔ اسلام کا اولین تقاضا اور اس کی شیرازہ بندی کرنے والی چیز رسول کی اطاعت ہے۔ اس لیے کہ اس کی نافرمانی اللہ کی آیتوں کی تکذیب کے ہم معنی ہے اور ایسا تکذیب کرنے والا دنیا و آخرت ہر جگہ اللہ کے عذاب کا مستحق ہوتا ہے۔ اس کے لیے (اس سورہ میں) فرعون کی مثال بیان کی۔"

اس کے پہلے وہ پوری سورہ کے مضامین وخلاصہ پیش کرتے ہیں:

"سورة نزلت حين اختلطت اليهود ومعهم بعض الاميين بالمسلمين مع زيغ قلوبهم فالقوا الشبهات وطعنوا في هذه البعثة جبالد ينهم الآبائي وحسداً على ظهور الاسلام وحبا لملم

(۱) حواشی: ۱/۱۹۱ (۲) حواشی: ۱/۱۸۱ (۳) حواشی: ۱/٦۴

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ونفوسهم حين القتال انظر فى (۶۹-۷۳) و(۱۸۰-۱۸۵) وفى هذه السورة فصل ما اجمل فى البقرة واجمل ما فصل هناك فاجمل فى ذكر بناء الكعبة وقتال الربيين وفصل مصائب المسلمين وكيد المنافقين وليس فيها الاحكام فاتبعها بالنساء ونصف هذه السورة فى الاحتجاج باهل الكتاب والنصف الاخير فى جمع شمل المسلمين وتثبيتهم وحثهم على القتال وبشارتهم وتثبيتهم على ما القوا من الشبهات لكى يفرقوا حين اصابهم القرح ويخالفوا النبى فى تدبيره وحكمه كما فعلت امة موسى فتاهوا اربعين سنة"[1]

"ترجمہ: یہ سورہ اس وقت نازل ہوئی جبکہ یہود کا اختلاط مسلمانوں کے ساتھ ہو اور اس حالیکہ ان کے ساتھ (ان کی جماعت کے) بہت سے نادان بھی شامل تھے جن کے دلوں میں کجی کے اثرات موجود تھے۔ تو انھوں نے طرح طرح کے شکوک وشبہات پھیلائے اور اس لیے کہ انھیں اصل دلچسپی اپنے آبائی دین سے تھی اور اسلام کے ظہور پر وہ حسد کرتے تھے اور جنگ کے وقت انھیں اپنا مال اور اپنی جان زیادہ عزیز تھی۔ انھوں نے نئے نبی کی بعثت پر اعتراضات کی بوچھار کی (ملاحظہ ہوں۔ (۶۹-۷۳) نیز (۱۸۰-۱۸۵)۔ اس کے علاوہ اس سورہ میں ان چیزوں کی تفصیل ہے جو بقرہ میں مجملاً بیان ہوئی ہیں اور جو چیزیں وہاں تفصیل سے بیان کی گئی ہیں انھیں یہاں مجمل رکھا گیا ہے۔ چنانچہ اس میں خانہ کعبہ کی تعمیر ربیوں کے جنگ کرنے، مسلمانوں پر نازل ہونے والے مصائب اور منافقوں کی خفیہ تدبیروں اور چالوں کے بیان کو مجمل رکھا گیا ہے۔ اسی طرح اس میں احکام کی تفصیل بھی نہیں ہے جس کی وجہ سے اس کے فوراً بعد سورہ نساء کو رکھا گیا ہے۔ اس سورہ کا آدھا حصہ اہل کتاب کی خبر لینے کے لیے ہے بعد کے آدھے حصہ کا موضوع مسلمانوں کی شیرازہ بندی ان کے قدموں کو جمانا، انھیں جنگ کے لیے آمادہ کرنا، انھیں خوشخبری سنانا اور اہل کتاب کی طرف سے جو شکوک وشبہات پھیلائے جارہے تھے اس کے مقابلہ میں انھیں ثابت قدم رکھنا ہے۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ جب انھیں جنگ کا زخم لگے تو وہ مختلف ٹکڑیوں میں بٹ جائیں اور نبی کی طرف سے اختیار کی جانے والی تدبیر اور اس کے فیصلہ کے سلسلے میں اس کی مخالفت کرنے لگیں۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ کی قوم نے کیا تھا جس کے نتیجے میں وہ چالیس برس تک مارے مارے پھرے۔"

سورہ نساء[2]، انعام، یونس وغیرہ کے حواشی میں بھی ان کے مرکزی مضمون کے ساتھ اسی طرح ان پر پوری سورتوں کے مضامین کی تلخیص کردی گئی ہے۔[3]

تفسیر قرآن کا اہم اصول ہے کہ قرآن کی تفسیر اس کے نظائر سے کی جائے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے۔[4]

القرآن یفسر بعضہ بعضاً (قرآن کا ایک حصہ اس کے دوسرے حصہ کی تفسیر کرتا ہے)

مولانا فراہی اس اصول تفسیر کے بہت بڑے علمبردار ہیں۔ اصول تفسیر سے متعلق اپنی کتاب میں وہ اسے تمام

---

(۱) حواشی: ۱/۶۲ (۲) حواشی ۱/۹۵، ۱۲۲، ۱۹۹۔ (۳) تفسیر کے مطبوعہ ذخیرہ میں اس اصول کا سب سے پہلا حوالہ ہمیں صاحب کشاف کے یہاں ملتا ہے۔ الکشاف عن حقائق التنزیل: ۱/۶۳۲ مطبع لیسی کلکتہ ۱۸۵۷ھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علماء کا متفق علیہ اصول قرار دیتے ہیں۔[1] اسی کتاب میں دوسرے موقع پر وہ تاویل کے اصول بیان کرتے ہوئے وہ اسے تفسیر کا تیسرا اہم اصول بتاتے ہیں۔

"(الاصل الثالث) فهم الكلام بعضه من بعض بالمقابلة وحمل النظير على النظير"

"ترجمہ: (تیسری اصل) کلام کے ایک حصہ کو دوسرے حصہ کی مدد سے سمجھنا اور ایک نظیر کو دوسری نظیر پر محمول کرنا ہے۔"

آگے اسی مضمون کو وہ اس عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

النظائر تفسر بعضها بعضا (نظیریں ایک دوسرے کی تفسیر کرتی ہیں)

مولانا فراہی نے قرآنیات کے پچھے مطبوعہ و غیر مطبوعہ میں اس اصول کو جس طرح برتا ہے احکام کے حصے سے ہٹ کر سلف میں بھی شاید ہی کسی نے اس اصول کو اس دیدہ ریزی اور وسعت کے ساتھ برتا ہو۔ زیر نظر غیر مطبوعہ قرآنی حواشی کا بھی دوسرا بڑا امتیاز یہ ہے کہ ان میں آیات اور نظائر بڑی گہرائی اور جامعیت کے ساتھ سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان حواشی کا صرف یہی ایک پہلو اس کا تقاضا کرتا ہے کہ انہیں جلد سے جلد منظر عام پر آنا چاہیے۔ مولانا نظائر کے بیان میں پوری آیت نقل کرنے کے بجائے عام طور پر آیت نمبر کے ذکر پر اکتفا کیا ہے۔ ان نمبروں کو اگر کھول دیا جائے تو حواشی کی ضخامت دوگنی ہو جائے گی۔ ساتھ ہی اس سے اس کی افادیت بھی دوبالا ہو جائے گی۔ ان حواشی کا تعارف نامکمل رہے گا اگر اس میں بیان ہے تفسیر کے لحاظ سے کچھ تفسیر کے نمونے پیش کیے جائیں۔ سورۂ نساء کی آیت کریمہ:

"أفلا يتدبرون القرآن ولو كان من عند غير الله لوجدوا فيه اختلافا كثيرا (النساء: ۸۲)"

ترجمہ: کیا لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے حالانکہ اگر وہ اللہ کے سوا کسی اور کے پاس سے ہوتا تو وہ اس میں بہت سارا اختلاف پاتے۔

یہ قرآن حکیم کی ایک آیت ہے جس میں اس کے من جانب اللہ ہونے کی ایک بہت بڑی دلیل یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ اختلاف سے پاک ہے۔ اس اختلاف کی تفسیر عام طور پر یہ کی جاتی ہے کہ اس کے عقائد و احکام کا پورا نظام کامل توافق اور ہم آہنگی کا شاہکار ہے۔ جس کے اندر کسی قسم کے تناقض اور اختلاف و تعارض کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔ کتاب اللہ کے علاوہ دنیا کی کسی ہستی اور کسی بھی بڑے سے بڑے شخص کا کلام کسی نہ کسی درجہ میں اختلاف و تناقض سے پاک نہیں ہے۔ یہ صرف قرآن ہے جو اس تناقض و اختلاف سے مبرا ہے جو اس کے منزل من اللہ ہونے کی دلیل ہے۔ مولانا نے اپنے حواشی میں آیت کی اس تفسیر کو بھی پوری تفصیل سے بیان کیا ہے۔ لیکن انہی حواشی میں دوسرے موقع پر وہ آیت کی ایسی تاویل پیش کرتے ہیں جو بالکل نئی ہے لوگ جانے والی ہے۔ اور جو آیت کے سیاق و سباق سے بہت زیادہ ہم آہنگ ہے۔ اور وہ یہ کہ یہاں اختلاف سے مراد قرآن کا سابق کتب سماویہ تورات و انجیل سے

(۱) التکمیل فی اصول التاویل [illegible] حواشی [illegible]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اختلاف ہے۔ قرآن اس اختلاف سے پاک ہے۔ اس لیے کہ اس کی تعلیمات کا بڑا حصہ تورات و انجیل سے ہم آہنگ ہے۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ ان سب کا سرچشمہ ایک ہے۔ خداوند عالم کی ایک ہی ذات ان سب کا منبع ہے۔

(۸۲) "اختلافاً کثیراً عما انزل من قبل ولکن القرآن موافق بالتورات والانجیل فی جل معانیہ فھو موافق لما عندھم۔"

"ترجمہ: بہت زیادہ اختلاف ان چیزوں کے مقابلے میں جو اس سے پہلے نازل کی گئی ہیں۔ لیکن قرآن کا معاملہ یہ ہے کہ اس کے مضامین کا بہت بڑا حصہ تورات و انجیل کے مطابق ہے۔ اس طرح وہ اہل کتاب کے پاس موجود کتابوں کے موافق ہے۔"

آیت کریمہ کی یہ تاویل دل کو چھونے والی ہے۔ اس لیے کہ اس سے آگے اور پیچھے لمبا سلسلہ منافقین کے ذکر کا ہے جو اہل کتاب یہود و نصاریٰ کی جماعت سے آئے ہوئے تھے یا انھیں در پردہ ان کی شہ اور سرپرستی حاصل تھی۔ اس پس منظر میں انھیں اپنی منافقت سے باز آجانے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی صدق دل سے اطاعت کا حکم دیا گیا:

"من یطع الرسول فقد اطاع اللہ ومن تولی فما ارسلنٰک علیھم حفیظا ○ ویقولون طاعۃ فاذا برزوا من عندک بیت طائفۃ منھم غیر الذی تقول واللہ یکتب ما یبیتون فاعرض عنھم وتوکل علی اللہ وکفیٰ باللہ وکیلا ○ (نساء: ۸۰-۸۱)"

"ترجمہ: جو رسول کی پیروی کرے تو یقیناً اس نے اللہ کی پیروی کی۔ اور جو کوئی روگردانی کرے تو ہم نے آپ کو ایسے لوگوں پر نگراں بنا کر نہیں بھیجا ہے۔ اور وہ موقع پر تو یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اطاعت کی۔ لیکن جب وہ آپ کے پاس سے نکل کر جاتے ہیں تو ان کی ایک جماعت اس کی برعکس کھچڑی پکاتی ہے جو وہ اپنے منہ سے کہتی ہے۔ اور اللہ کے ریکارڈ میں ہے جو یہ پکاتے ہیں تو تم ان سے منہ پھیر لو اور اللہ پر بھروسہ کرو اور اللہ جو کارساز ہے تو بس ہے۔"

آگے کا سلسلۂ آیات بھی انہی منافقین سے متعلق ہے۔

"واذا جاءھم امر من الامن او الخوف اذاعوا بہ ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم ولولا فضل اللہ علیکم ورحمتہ لاتبعتم الشیطان الا قلیلا ○ (نساء: ۸۳)"

"ترجمہ: اور جب ان کے پاس کوئی معاملہ آتا ہے امن کا یا حالت جنگ کا تو اس کی تشہیر شروع کر دیتے ہیں۔ حالانکہ اگر یہ اسے لوٹاتے رسول کی طرف اور اپنے سے واصحاب امر کی طرف تو ضرور اس کا پتہ لگائیں وہ لوگ جو ان میں سے اس کی گہرائی تک پہنچنے والے ہوں۔ اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی تم پر نہ ہوتی تو چند ایک کو چھوڑ کر تم سب ضرور شیطان کی پیروی میں لگ جاتے۔"

---

(۱) حواشی: ۱/۱۰۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

• منافقین کا یہ تذکرہ کافی طویل ہے جس کا آغاز اس سورہ کی آیت نمبر ۴۴ سے ہی ہو جاتا ہے۔ اس موقعہ پر منافقین کے سرپرست اور ان کے پس پردہ ہاتھ اہل کتاب یہود و نصاریٰ کی نشاندہی کر دی گئی!

" الم تر الی الذین اوتوا نصیبا من الکتاب یشترون الضلالۃ ویریدون أن تضلوا السبیل ٥ اعلم باعدائکم وکفی باللہ ولیا وکفی باللہ نصیراً ٥ من الذین ھادوا یحرفون الکلم عن مواضعہ ویقولون سمعنا وعصینا واسمع غیر مسمع وراعنا لیاً بالسنتہم وطعنا فی الدین ولو انہم قالوا سمعنا واطعنا واسمع وانظرنا لکان خیراً لہم واقوم ولکن لعنہم اللہ بکفرھم فلا یؤمنون الا قلیلا ٥ (نساء: ۴۴ - ۴۶)۔"

"ترجمہ: کیا تم نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جنھیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا تھا۔ یہ لوگ گمراہی خریدتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم راستہ بھٹک جاؤ۔ اور اللہ تمہارے دشمنوں کو اچھی طرح جانتا ہے اور جو اللہ دوست ہے تو بس ہے اور اللہ مددگار ہے تو بس ہے۔ جن لوگوں نے یہودیت کا راستہ اختیار کیا ان میں سے کچھ ہیں جو بات کو اس کی جگہوں سے پھیرتے ہیں اور وہ (رسول کی مجلس میں) کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور نافرمانی کی اور سنو اور یہ بات کبھی نہ کی جائے اور ہماری طرف توجہ کریں۔ (وہ یہ کہتے ہیں) اپنی زبانوں کو پیٹ کر اور (اللہ کے) دین میں برائی کی چلنے کی غرض سے۔ حالانکہ (اس کے بجائے) اگر وہ یہ کہتے کہ ہم نے سنا اور پیروی کی اور سنو اور ہمارا خیال فرمائیں تو یہ بات ان کے لیے زیادہ بہتر اور درست ہوتی۔ لیکن بات یہ ہے کہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت کردی تو سوائے چند ایک کے اب یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔"

اس پس منظر میں آیت زیر بحث کی مذکورہ تفسیر کا حسن نکھر کر سامنے آجاتا ہے۔

قرآنی اصطلاحات میں نبی اور رسول کے فرق کی بحث ایک دلچسپ بحث ہے جس کے سلسلے میں بہت سی باتیں کہی گئی ہیں۔ مولانا فراہی اپنے حواشی میں سورہ نساء کی آیات (۱۶۳-۱۶۵) کے تحت اس بحث کا فیصلہ جس انداز سے کرتے ہیں، اس سے تمام شکوک و شبہات رفع ہو جاتے ہیں۔ اور حقیقت نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔

"(الرسول والنبی) فرقوا بین الرسول والنبی بان الرسول صاحب الشریعۃ والنبی یتبع شریعۃ من کان قبلہ ولکن القرآن یبطل ھذا الرأی۔ واظن ان الرسول من ارسل الی قوم وان لم یکن نبیاً کرسل عیسیٰ المذکورین فی سورۃ یٰس وفی الرسل درجات منھم الانبیاء واصحاب الشریعۃ کما قال" تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض منھم من کلم اللہ ورفع بعضھم درجات" وادخل فی الرسل موسیٰ وادخل فیھم داؤد کما قال بعد ذکر داؤد وطالوت "وتلک الرسل" ولم یسم سموئیل الانبیاء فی آیات قبل ھذا وما علمنا فی القرآن أن اللہ سمی داؤد نبیا وکذالک فی التوراۃ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نجد داؤد سمی بالرسول لا بالنبی بل کان لہ نبی یوحیہ باحکام اللہ وھو یستشیرہ ویطیعہ ثم نجد فی القرآن وفی التوراۃ أن الوحی لا یختص بالرسول ولا بالنبی فقد اوحی الی ام موسیٰ والی ھاجرۃ فاذا علمت ھذہ المقدمۃ علمت ان النبی صاحب منصب الٰہی کما کان نوح وکثیر من الرسل وسموئیل وحادین داؤد ـ الرسول ربما ھو نبی ایضاً وربما غیر نبی ـ"

"ترجمہ: (رسول اور نبی) لوگوں نے رسول اور نبی کے درمیان فرق کیا ہے۔ اس طرح کہ رسول صاحب شریعت ہوتا ہے اور نبی اپنے پیش رو کی شریعت کی پیروی کرتا ہے۔ لیکن قرآن اس رائے کو باطل قرار دیتا ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ رسول وہ ہے کہ جو کسی قوم کی طرف بھیجا جائے اگرچہ وہ نبی ہو جیسے حضرت عیسٰیؑ کے فرستادوں کا معاملہ ہے جن کا تذکرہ سورہ یٰسین میں ہے۔ رسولوں کے مختلف درجے ہیں۔ ان میں کچھ انبیاء اور صاحب شریعت ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "تلک الرسل فضلنا بعضھم علیٰ بعض منھم من کلم اللہ ورفع بعضھم درجات" رسولوں کے بیان میں حضرت موسیٰؑ کو داخل کیا اسی طرح ان میں حضرت داؤدؑ کو داخل کیا۔ اس لیے کہ حضرت داؤدؑ اور طالوت کے ذکر کے بعد فرمایا: "وتلک الرسل" اور اس سے پیشتر آیات میں حضرت سموئیلؑ کو صرف نبی کا نام دیا۔ نیز ہم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حضرت داؤدؑ کو نبی کا نام دیا ہو' اسی طرح ہم تورات میں دیکھتے ہیں کہ حضرت داؤدؑ کو رسول کا نام دیا گیا ہے' نبی کا نام نہیں دیا گیا ہے۔ بلکہ ان کے نبی کوئی دوسرے تھے جو اللہ کے احکام سے انھیں باخبر کرتے تھے۔ وہ ان سے مشورہ کرتے تھے اور ان کے کہے پر چلتے تھے۔ پھر ہم قرآن اور تورات دونوں میں دیکھتے ہیں کہ وحی کا معاملہ رسول اور نبی ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کی ماں اور حضرت ہاجرہ کو قطعی طور پر وحی کی ہے۔ اب جب تمہیں یہ بات معلوم ہو گئی تو تمہارے لیے یہ بات کھل گئی کہ نبی ایک الٰہی منصب کا حامل ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت نوحؑ اور دوسرے بہت سے رسولوں کا معاملہ ہے۔ ایسا ہی معاملہ حضرت سموئیلؑ اور حادین داؤد کا ہے۔ خلاصہ یہ کہ رسول بسا اوقات نبی بھی ہوتا ہے اور بسا اوقات وہ نبی نہیں ہوتا ہے۔"

یہ حواشی ایسے جواہر پاروں سے بھرے پڑے ہیں۔ طوالت کا خوف مانع ہے، ورنہ ہم اس کے اور نمونے پیش کرتے۔ لیکن ایک مثال ایسی ہے جسے چھوڑ کر آگے بڑھنا کسی طرح اچھا نہیں لگتا۔ مولانا فراہی حکمت قرآن کو نظم قرآن میں مضمر مانتے ہیں۔ سورۂ جمعہ کے حواشی میں وہ اس کا عجیب و غریب نمونہ پیش کرتے ہیں۔ معلوم ہے کہ اس سورہ کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرض منصبی کی تفصیل کی گئی ہے کہ آپ اپنے ماننے والوں کو اللہ کی آیتیں سناتے' ان کا تزکیہ کرتے اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔ آگے یہود

---

(۱) حواشی : ۱/۱۰۹

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے کردار پر تنقید ہے جنھوں نے اللہ کے احکام کا ہمیشہ سے مذاق اڑایا۔ اس سب کے بعد آخر سورہ میں اس امت کو جمعہ کے احکام کی تعلیم ہے۔ مولانا کلام کی اس ترتیب میں حکمت کے دوسرے وتیوں کے پردہ اٹھانے کے ساتھ ایک وہ بات کہتے ہیں جو شاید تفسیر کے پورے ذخیرے میں کہیں ہاتھ نہ لگ سکے فرماتے ہیں جمعہ کے خطبے میں مسلمانوں کے خطیب کو ان کے تئیں اسی فرض منصبی کی تجدید کرنی چاہیے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ میں امت کی نسبت سے انجام دیے لیے ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ آج کے زمانہ میں امامت وخطابت کی حالت زار کا بھی نقشہ کھینچتے ہیں۔

(۹) قد عظم بيان الجمعة عندي اذ علمت كيف مهد الله تعالى من ذكر تسبيح ما في السموات والارض وصفاته الحسنى وفضله على هذه الامة وخسران اليهود على استخفاف حكم الله فقد رغب ثم رغب ثم رهب ثم ذكر احكام الجمعة۔ وكانت الجمعة هكذا حين كان شمل المسلمين مجتمعا برسوله فيامرهم وينهاهم ويذكرهم ويتلو آياته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة" وبدا انه موضعه في ايام الخلفاء الراشدين ثم هبط يوما فيوما حتى انها صارت في يومنا مجمع الناعسين وما اشبه الخطيب الجاهل بحامل الاسفار المذكور في القرآن ولا تسئل عن قوم امامهم بهذا الحال۔ فالى الله المفزع (۱)

"ترجمہ: (۹) میرے نزدیک جمعہ کے اس طرح بیان میں [illegible] ہے۔ اس لیے کہ معلوم ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے تمہید کس طرح باندھی ہے، آسمانوں اور زمین کی تمام چیزوں کا اللہ کی تسبیح کرنا، اللہ کی بہترین صفات کا ذکر، اس امت پر اللہ کا احسان، اللہ کے احکام کو بے وزن سمجھنے پر یہود کا نقصان میں پڑنا۔ اس طرح مختلف انداز سے ترغیب کا سامان کیا، پھر ترغیب کا سامان کیا، پھر ڈرایا، پھر جمعہ کے احکام کا ذکر کیا۔ رسول کی زندگی میں جب مسلمانوں کا شیرازہ بندھا ہوا تھا [جمعہ] کو عظمت کا وہی مقام حاصل تھا۔ (جمعہ کے خطبہ میں) رسولؐ انھیں حکم دیتا تھا، انھیں منع کرتا تھا اور ان کی یاد دہانی کا سامان کیا کرتا تھا۔ اس طرح وہ ان کے تئیں گویا آیت کریمہ کے تقاضے پورے کرتا تھا "یتلو علیہم آیتہ الخ" "وہ ان پر اللہ کی آیتیں پڑھتا، ان کا تزکیہ کرتا اور انھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا" ہے۔ حضرات خلفاء راشدین کے زمانہ میں بھی تقریب قریب جمعہ کو عظمت کا یہی مقام حاصل تھا۔ پھر اس کا معاملہ دن بدن گرتا گیا۔ یہاں تک کہ آج ہمارا زمانہ ہے کہ جمعہ اونگھنے والوں کا مجمع بن کر رہ گیا ہے۔ جاہل خطیب کی کتابوں کا بوجھ اٹھانے والے گدھے سے جس کا ذکر قرآن میں ہے کتنی قریبی مشابہت ہے۔ اس قوم کی بات کچھ نہ پوچھو جس کے امام کا یہ حال ہو۔ اس پر تو اللہ ہی کی پناہ ہے۔"

ان حواشی کی اہمیت اور عظمت کے لیے یہ بات بھی کم نہیں ہے کہ مولانا امین احسن اصلاحی نے اپنی شاہکار تفسیر

(۱) حواشی: ص ۱۱۹۔ آخر میں فالی المفزع کے [illegible] ہوگا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

'تدبر قرآن' میں ان حواشی سے جابجا استفادہ کیا ہے۔ مولانا اصلاحی سورہ فاتحہ کا موضوع شکر[۱] اور سورہ بقرہ کا ایمان[۲] قرار دیتے ہیں۔ ان دونوں سورتوں کے موضوع کے سلسلے میں یہ بات جامع انداز میں ان حواشی میں لکھ دی گئی ہے[۳]۔ سورہ بقرہ کی آیت کریمہ: وعلم آدم الاسماء کلھا' میں اسماء کی تفسیر میں مولانا اصلاحی نے تین آراء کا ذکر کیا ہے[۴]۔ آخر میں جس رائے کو ترجیح[۴ الف] دی ہے وہ وہی ہے جو ان حواشی میں بیان کی گئی ہے[۵]۔ سورہ اعراف کی آیت (۲۷) کی جس نظیر سے صاحب تدبر نے استدلال کیا ہے اس نظیر کا حوالہ بھی حواشی میں موجود ہے[۵ الف]۔ اسی سورہ میں آیت کریمہ: وتزودوا فان خیر الزاد التقوی (بقرہ ۱۹۷) کی مولانا اصلاحی نے اچھوتی تفسیر پیش کی ہے[۶]۔ حواشی میں اس تفسیر کی طرف اشارہ ہے[۶ الف]۔ سورہ نساء کی آیت کریمہ (۴۳) جس میں نشہ اور جنابت کی حالت میں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے۔ ان دونوں کے ساتھ ذکر میں مولانا اصلاحی یہ نکتہ پیش کرتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں ہی حالتیں نجاست کی ہیں فرق صرف یہ ہے کہ نشہ عقل کی نجاست ہے اور جنابت جسم کی[۷]۔ یہ نکتہ بھی مولانا فراہی کا ان حواشی میں بیان کردہ ہے[۸]۔ اسی آیت میں تیمم کے موافق مواقع کے تحت مولانا اصلاحی سفر کو مطلق بنائے تیمم قرار دیتے ہیں۔ سفر کے مخصوص حالات میں پانی موجود ہوتے ہوئے بھی آدمی چھوٹے بڑے دونوں ہی حدثوں سے وضو و غسل کے بجائے تیمم سے کام چلا سکتا ہے[۹]۔ مولانا فراہی کا یہ خاص نکتہ ہے جس کی ان حواشی میں تفصیل[۱۰] ہے۔ جہاں تک آیتوں کے نظائر سے استفادہ کا سوال ہے، اس سے تدبر کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔ مولانا اصلاحی نے تدبر قرآن کے مقدمہ میں بڑی فراخ دلی سے اپنے استاد امام کو خراج تحسین پیش کیا ہے اور اپنی تفسیر کو تمام تر ان کا فیض بتایا ہے[۱۱]۔ دوسرے موقع پر بھی انھوں نے اپنی کتاب کو اپنے استاد کا صدقہ قرار دیا ہے[۱۲]۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس عمومی خراج تحسین سے مولانا فراہی کے دوسرے غیر مطبوعہ مسودات کے علاوہ ان غیر مطبوعہ حواشی سے استفادہ کی بھی صحیح حیثیت واضح نہیں ہوتی۔ یہ صورت حال خود اس کی داعی و محرک ہے کہ مولانا کی دوسری غیر مطبوعہ چیزوں کے ساتھ ان غیر مطبوعہ حواشی کو بھی جلد سے جلد منظر عام پر لایا جائے۔

کاش کہ ہندستان کا کوئی ادارہ اور کوئی انجمن اس کام کا بیڑا اٹھائے تو یہ قرآن حکیم کی خدمت ہوگی جس سے بڑی کوئی دوسری سعادت نہیں ہو سکتی۔ اس سے عالم عرب اور عالم اسلام میں ہندستان کا نام بھی روشن ہوگا اور بیرون ہند اس کے عزت و وقار میں اضافہ ہوگا۔

●●

---

(۱) تدبر قرآن: ۱/۲۱ (۲) تدبر: ۱/۲۱ (۳) حواشی: ۱/۴۲ (۴) تدبر قرآن: ۱/۱۶ (۴ الف) تدبر: ۱/۱۱۷ (۵) حواشی: ۱/۱۴ (۵ الف) تدبر: ۱/۱۱۷ (۵ ب) حواشی: ۱/۱۴ (۶) تدبر قرآن: ۱/۱۴۱، ۱۴۲ (۶ الف) حواشی: ۱/۴۳ (۷) تدبر قرآن: ۲/۷۴ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور ستمبر ۱۹۷۶ء - بار دوم (۸) حواشی: ۱/۹۸ (۹) تدبر قرآن: ۲/۷۵ (۱۰) حواشی: ۱/۹۸، ۹۹ (۱۱) تدبر قرآن: جلد اول مقدمہ ص ۱۲ (۱۲) تدبر قرآن ۱/۲۴

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جناب عبدالمبین ندوی
دارالمصنفین، اعظم گڑھ

مولانا ثناء اللہ امرتسری کی تفسیری خدمات

دورِ حاضر میں جن کتبِ تفسیر کو خصوصی اہمیت حاصل ہے، ان میں مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ[1] (المتوفی: ۱۹۴۸ء) کی تفاسیر بھی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ موصوف کا شمار برِ صغیر کے نہ صرف جید علما میں ہوتا ہے، بلکہ ان مایۂ ناز ہستیو میں ہے جو صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ مولانا نے مختلف میدانوں میں جو گوناگوں اور بیش بہا علمی، دینی، تصنیفی، صحافتی خدمات انجام دیں، وہ اہلِ علم سے مخفی نہیں۔ خطابت، سیاست، صحافت، مناظرہ وغیرہ میں مشغول رہنے کے ساتھ ساتھ مختلف موضوعات سے متعلق کم و بیش سوا سو اردو و عربی دونوں زبانوں میں تالیفات یادگار چھوڑیں۔ اس کے علاوہ مختلف مذہبی و قومی تنظیموں اور تحریکی اداروں کے سربراہ و نمائندہ رہے۔ ندوۃ العلماء کے بنیادی اور دائمی ممبر رہے۔ جمعیۃ العلماء ہند کے ابتدائی بانیوں میں سے تھے، جماعت اہلِ حدیث کے سرخیل تھے اور پوری ملت اسلامیہ کے نمائندہ تھے۔ زیرِ نظر مقالہ میں موصوف کی صرف تفسیری خدمات، انکی تفسیری خوبیوں اور تفسیر سے متعلق ان کے نقطۂ نظر پر روشنی ڈالوں گا۔

مولانا امرتسری کی تفسیر نویسی :- مختلف میدانوں میں بیک وقت کام کرنے کے ساتھ ساتھ اور مختلف فرقوں سے چومکھی لڑائی لڑنے کے ساتھ ساتھ مولانا تفسیر نویسی جیسی عظیم و جلیل دینی خدمت سے غافل نہ رہے۔ بلکہ قرآن کی مختلف انداز سے باقاعدہ ۴ تفسیریں اردو و عربی میں لکھیں۔ اس کے علاوہ علوم القرآن پر متعدد کتابیں تصنیف کیں، جو چار تفسیریں لکھی ہیں ان میں دو عربی میں اور دو اردو زبان میں ہیں۔ دو پایۂ تکمیل کو پہنچ کر بہت مقبول ہوئیں اور دو ناقص ہی رہ گئیں، انکی تکمیل کا موقع مولانا کو نہ ملا۔

اہلِ علم سے یہ بات مخفی نہیں کہ تفسیر نویسی کا کام ہر کہ و مہ کا نہیں کہ اس پر طبع آزمائی کرے، بقول علامہ اقبال؛

"آج تک ہم حضرت حسینؓ کو سب سے بڑا مظلوم مانتے آئے ہیں لیکن اب یہ رائے تبدیل کرنا پڑے گی، آج قرآن سب سے

---

[1] مولانا امرتسری جون ۱۸۶۸ء میں امرتسر میں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان اصلاً کشمیر تھا، ان کے والد مرحوم کا ذریعہ معاش ادنی کپڑوں کی تجارت تھی۔ ڈوگرا راجہ کی ظلم زیادتیوں سے تنگ آکر انکے والد مرحوم نے امرتسر آکر سکونت کرلی تھی۔ مولانا یہیں ۱۸۶۸ء میں پیدا ہوئے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بڑا مظلوم ہے کہ ہر کہ ومہ اس کی تفسیر لکھنے لگا ہے۔[1]

ایک مفسر کے لیے ضروری ہے کہ عربی کے جملہ علوم وفنون میں مہارت رکھتا ہو چنانچہ مولانا امرتسری تفسیر و حدیث اور عربی زبان وادب، لغت اور معقول ومنقول علوم پر وسیع نظر رکھتے تھے۔ اپنے زمانہ کے ماہر اساتذہ اور مختلف مکاتب فکر کے علما سے تعلیم حاصل کر کے مختلف علمی مواد اکٹھا کر لیا تھا۔

مولانا نے جس زمانہ وماحول میں تفسیر نویسی کا کام کیا ہے، اس کی قدر وقیمت سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس پر بھی ایک نظر ڈال لیں۔ وہ بہت نازک اور ذہنی انتشار کا دور تھا۔ اس کا اندازہ اس دور کے علمی و مذہبی حالات سے لگایا جا سکتا ہے جس کا سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ مختلف مکاتب فکر کے لوگ اپنے اپنے زاویۂ نگاہ سے قرآن حکیم کی تفسیروں میں من مانی کر کے تاویلات سے کام لینے لگے اور اپنے افکار و نظریات کی تائید میں قرآن ہی سے جو دلیلیں تلاش کیں انھیں عقل سلیم اور نقل صحیح دونوں تسلیم کرنے سے قاصر تھے۔ مثلاً بعض لوگوں نے قرآن ہی کو اساس سمجھ کر حدیث، اجماع، قیاس وغیرہ سے انکار کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ غیر مسلموں میں آریہ وعیسائی قرآن مجید پر طرح طرح کے اعتراضات وارد کر رہے تھے اور اپنے مقصد کے حصول کے لیے صحیح تعبیر کا استہزا کر کے اپنی مقدس مذہبی کتب کے الہامی ہونے کی دلیلیں پیش کر کے قرآنی احکام، تصور توحید، نظریۂ عبادت وغیرہ تک کو غیر فطری قرار دینے کی انتھک کوششوں میں مصروف تھے۔ غرض جس کے جی میں جو آیا کہ گیا اور سمجھ بیٹھا کہ وہی قرآن کی عظیم الشان خدمت انجام دے رہا ہے۔[2]

ان تمام حالات کا مولانا امرتسری نے نہایت سنجیدگی سے جائزہ لیا اور مناظرانہ طرز سے ہٹ کر خالص علمی اسلوب اور دعوتی وتجزیاتی انداز میں اسلام کے دفاع اور قرآن کریم کی تائید میں خصوصی دلچسپی لی اور قرآن ہی کی آیتوں سے معترضین کے مسکت جوابات دیے ہیں اور انھیں مختلف تقاضوں کو سامنے رکھ کر مختلف تفسیریں لکھیں چنانچہ مولانا خود اپنی تفسیر نویسی کے متعلق لکھتے ہیں:

> "چونکہ میرا شغل میری تصنیفات کی تفسیر نویسی ہے۔ یوں تو میری سب تصنیفات قرآن ہی کی خدمت میں ہیں، مگر خاص تفسیر نویسی سے بھی غافل نہیں رہا۔ روزانہ درس قرآن کے علاوہ پہلے میں نے "تفسیر ثنائی" غیر مسبوق طرز پر اردو میں لکھی جو آٹھ جلدوں میں ختم ہو کر ملک میں

۱۔ تذکرۂ معاصرین از مالک رام، ص ۹ ۲۔ حیات ثنائی، از داؤد راز دہلوی، ص ۵۷۵، مقالہ تفسیری خدمات مولانا امرتسری از جناب عزیز احمد ایم ۔ ۔ ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شائع ہو چکی ہے۔ اس کے تھوڑے عرصہ بعد بلکہ ساتھ ساتھ "تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن"، خاص طرز پر عربی میں لکھی جس کی ملک میں خاص شہرت ہے۔[1]

ہندستان میں لکھی گئیں چند وقیع تفاسیر مثلاً ملا جیون (متوفی ۱۱۳۰ھ) کی التفسیرات الاحمدیہ، شاہ ولی اللہ دہلوی کی "فتح الرحمٰن فی ترجمۃ القرآن" شاہ عبدالعزیز کی تفسیر عزیزی، قاضی ثناء اللہ پانی پتی (المتوفی ۱۲۲۵ھ) کی فقہی و لغوی تفسیر، نواب صدیق حسن خاں صاحب (المتوفی ۱۳۰۷ھ) کی فتح البیان ونیل المرام، مولانا عبدالحق حقانی کی تفسیر حقانی، شاہ عبدالقادر کا ترجمۂ قرآن بلاشبہ وقیع اور عظیم کارنامے ہیں قدماء کی ان تفاسیر سے نیز ان کے علاوہ متاخرین کی متعدد تفاسیر مثلاً تفسیر ماجدی، تفہیم القرآن، تدبر قرآن، ترجمان القرآن وغیرہ سے ہندستانی مسلمانوں نے استفادہ کیا اور ان کو قرآن کے سمجھنے میں بہت حد تک آسانی پیدا ہوئی لیکن ان تمام خوبیوں کے باوجود ایک خلا تھا جسے پُر کرنے کی سعادت بقول مولانا فضل الرحمٰن بن میاں محمد مولانا ثناء اللہ کو حاصل ہوئی۔[2]

ہندستان پر انگریزی تسلط و اقتدار کے بعد ہر مذہب کو ایک دوسرے پر طنز و استہزا کی جو کھلی چھوٹ ملی اس کا زیادہ تر ہدف مسلمان ہی بنے۔ انگریزوں کی دلی خواہش تھی کہ ہندستان کی مختلف قوميتوں کو آپس میں لڑا کر ان پر حکومت کریں۔ بالخصوص مسلمانوں کے دین و مذہب پر تیر چلانے کی سازش کے تحت آریہ، عیسائی، قادیانی، بریلوی مختلف تحریکوں کو جنم دیا جو آپس ہی میں دست بگریباں ہوئے۔

ہندستان میں لکھی گئی تفاسیر مسلمانوں کو قرآن سمجھنے میں مدد تو ضرور دیتی تھیں لیکن یہ نہ سمجھاتی تھیں کہ ان کے دین وعقیدہ پر کرنے والے مذکورہ فرقوں کے اعتراضات کا جواب کس طرح دیا جائے۔ آریہ، عیسائی، قادیانی کو لاجواب کس طرح کیا جائے۔

مولانا ثناء اللہ چونکہ مناظر اسلام تھے۔ ان کا مختلف فرقوں سے ہر وقت واسطہ رہتا تھا۔ اسلام کے دفاع میں ان سے جو کھلی لڑائی لڑتے۔ لہٰذا انھوں نے جو تفسیریں اردو و عربی میں لکھیں ان میں اپنے قاری کے لیے قرآن فہمی کے ساتھ ساتھ اس بات کا بھی پورا پورا جواب فراہم کر دیا ہے کہ وہ مخالفین اسلام کا (آریہ و عیسائی وغیرہ) مسکت مدلل جواب دے سکے اور ان کی بھرپور گرفت کر سکے۔

مولانا نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود اپنی زندگی عزیز میں چار تفسیروں کے علاوہ ایک پانچویں تفسیر

---

1 محترم خودنوشت موسوم بہ نور توحید، ماخوذ از فتنۂ قادیانیت اور مولانا امرتسری از مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری، ص ۲۴ ناشر جامعہ سلفیہ بنارس۔

2 مولانا ثناء اللہ امرتسری از فضل الرحمٰن بن میاں محمد، شیش محل روڈ، لاہور، ص ۱۳۳، جون ۱۹۸۰ء طبع ثانی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی لکھی ہے جو "برہان التفاسیر" کے نام سے موسوم ہے۔ یہ اصلاً مجلہ اہلحدیث امرتسر[1] میں مضمون کی شکل میں قسط وار شائع ہوتا رہا۔ ان مذکورہ تفاسیر پر آیئے ایک نظر ڈالتے ہیں۔

۱۔ تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن ۔ (عربی) مولانا کی جو دو تفسیریں پایۂ تکمیل کو پہنچیں، اور انھیں شہرت و بقائے دوام حاصل ہے، ان میں سے ایک عربی تفسیر "تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن" ہے۔ انھوں نے اپنی اس تفسیر میں یہ اہتمام فرمایا ہے کہ قرآن کی تفسیر قرآن کی آیات سے کی ہے۔ یہ انداز تفسیر یعنی تفسیر القرآن بعضہ بعضاً سب سے اعلیٰ اور پسندیدہ ہے۔ چونکہ یہ کام کافی مشکل ہے اس لیے اس انداز کی تفاسیر بہت ہی کم لکھی گئی ہیں۔ خاص طور سے ہندستان میں لکھی جانے والی تفاسیر میں اپنی نوعیت کی یہ پہلی تفسیر ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ تفسیر نہ صرف ملک میں بلکہ بیرون ملک میں بھی بہت مشہور ہے۔ ۱۱×۸ کے ۴۰۲ صفحات پر مشتمل اس عربی تفسیر کو مولانا نے ۱۳۲۱ھ میں مکمل کیا اور ان کی زندگی میں اس کے دو ایڈیشن شائع ہوئے۔ پہلا ایڈیشن ۱۹۰۳ء میں امرتسر سے جو ۵۰۸ صفحات پر مشتمل ہے دوسرا ۱۹۲۹ء میں آفتاب برقی پریس امرتسر ۴۰۲ صفحات پر مشتمل نکلا۔ عرصہ کے بعد اس کا اب تیسرا ایڈیشن لاہور سے شائع ہوا۔ اس تفسیر کا تعارف کراتے ہوئے مولانا رقمطراز ہیں :

أما بعد فيا إخواني المسلمين أنا صنفت بحول الله وقوته كتبا كثيرا في تائيد الاسلام وترديد الكفر والبدعة والطغيان وسائر اركان سُنة النبي عليه السلام متوكلا على الله الرحمٰن منها تفسير القرآن بكلام الرحمٰن التزمت فيه أن فسرت القرآن بالفرقان كما هو اصل مقرر عند أهل العلم والبيان وبذلت فيه سعي والله يعفو عن زلتي۔

اما بعد اے مسلمان بھائیو میں نے اسلام کی تائید اور کفر و بدعت اور سرکشی کے خلاف بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ میں نے سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارکان کو اللہ الرحمٰن پر توکل کرتے ہوئے مضبوط کیا ہے ان کتابوں میں سے ایک تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن ہے۔ میں نے اس میں یہ التزام کیا ہے کہ قرآن کی تفسیر فرقان حکیم سے کروں۔ کیونکہ اہل علم و بیان کے نزدیک یہی اصل طریقہ ہے۔ میں نے اس کام میں اپنی وسعت کے مطابق کوشش کی ہے۔ اگر کوتاہی رہ گئی ہے تو اللہ میری لغزش کو معاف فرمائے۔

---

[1] یہ ہفتہ وار مجلہ ۴۴ سال تک امرتسر سے مولانا ثناء اللہ صاحب کی ادارت میں برابر نکلتا رہا جس میں ملی، ملکی، مسلکی، مذہبی وقومی وقیع مضامین و مقالات شائع ہوتے تھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس مایۂ ناز تفسیر کے ذریعہ مولانا کو عالمی شہرت ملی۔ اس کی اشاعت پر عالم اسلام کے نامور علما اور مختلف اسلامی رسائل و جرائد بیحد سراہا اور قدر افزائی فرمائی۔ ان میں مصر کے اہم رسائل "الاہرام" "المؤید" "المنار" وغیرہ نے جامع تبصرہ اپنے اپنے کالموں میں لکھا ہے۔ "المؤید مصر" نے ۱۳۲۱ھ کی ایک اشاعت میں لکھا کہ:

"یہ ایسی تفسیر ہے جو بلند آسمان میں اس کے ستاروں کی طرح چمک رہی ہے، اس کا مطالعہ بصیرت سے کم سمجھی اور جہالت کے بادلوں کو منتشر کر رہا ہے۔"

ہندستان کے معروف علما اور مشہور علمی و ادبی رسائل مثلاً ماہنامہ معارف وغیرہ نے بھی کافی تحسین کی اور مولانا کی اس انوکھی تفسیر کو بہت سراہا۔ مولانا کے استاذ مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ نے اپنے قابل فخر شاگرد کی تفسیر دیکھ کر یوں فرمایا:

"اما بعد فان طرق التفسير مختلفة من احسنها ما سلكها العالم الفاضل المتبع للسنة والهدى المولوى ابوالوفا ثناء الله امرتسرى، أعنى تفسير القرآن بكلام الرحمن كانه تفسير في الحقيقة۔"

ترجمہ: عالم فاضل سنت کے متبع مولوی ابو الوفا ثناء اللہ امرتسری نے خوبصورت تفسیر کا جو طریقہ اپنایا ہے وہ عام تفسیری طریقوں سے مختلف ہے۔ وہ یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر کلام الرحمن سے کی جائے، حقیقت میں یہی تفسیر ہے۔

شمس العلما مولانا شبلی نعمانی اس کی خوبیوں کا اعتراف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

انى وقفت على تفسير القرآن للفاضل المولوى ثناء الله واعترفت انه نافع للمحصلين...

فاضل مولوی ثناء اللہ کی تفسیر القرآن میں نے دیکھی اور میں اعتراف کرتا ہوں کہ یہ علم حاصل کرنے والوں کے لیے نفع بخش ہے... وہ قرآن کی تفسیر قرآن سے کرتے ہیں۔ یہ ایسی خوبی ہے کہ ان کے سوا کسی دوسرے میں میرے علم کے مطابق موجود نہیں۔ اللہ ان کو بہترین جزائے خیر سے نوازے۔

اسی طرح جہاں دیگر علمائے جہان نے اس تفسیر کی تعریف کی وہیں علمائے غزنویہ (جو اپنے ہی تھے) جن کو

۱۔ ہندستان کے علما کی علمی خدمات ص ۲۴۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری ص ۱۲۵۔ لاہور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا سے کافی رقابت و پرخاش تھی، نے اس پر سخت اعتراض و تنقید کرتے ہوئے جھٹ چالیس غلطیاں ڈھونڈ نکالیں اور ان کی خوب تشہیر کی۔ کیونکہ یہ تفسیر عام سلف کی طرز سے ہٹ کر لکھی گئی تھی۔ مولانا نے اس میں تاویل کا طریقہ اختیار کیا تھا اور قرآن کی تفسیر قرآن ہی کی آیتوں سے کی تھی۔ اس لیے مولانا عبدالجبار غزنوی (المتوفی ۱۳۳۱ھ) نے اس نئے انداز میں لکھی جانے والی تفسیر پر چالیس مقامات پر تعاقب کرتے ہوئے ایک رسالہ بنام "الاربعین فی أن ثناء اللہ لیس علی مذھب المحدثین" لکھا اور اس میں یہ ظاہر کیا کہ مولوی ثناء اللہ ۴۰ جگہوں پر محدثین کے راستہ سے ہٹے ہوئے ہیں۔ مولانا غزنوی نے اس رسالہ پر برصغیر کے ممتاز علمائے کرام کے دستخط حاصل کر کے اس کو شائع کیا۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری نے ان اعتراضات کا سنجیدگی سے جائزہ لیا اور اربعین کا علمی جواب "الکلام المبین فی جواب الاربعین" کے نام سے دیا جس میں ان اعتراضات کی تردید کی۔ لیکن یہ معاملہ بجائے ختم ہونے کے اور طول اختیار کر گیا۔ علما کا ایک طبقہ مولانا امرتسری کا حامی تھا تو دوسرا مخالف۔

۱۹۰۴ء میں آرہ (بہار) میں جماعت کے اکابرین کا ایک بہت بڑا اجلاس منعقد ہوا۔ وہاں بھی یہ مسئلہ پیش ہوا، فریقین نے تین ممتاز علمائے حدیث کو اپنا حکم مانا۔ وہ تھے مولانا شمس الحق ڈیانوی عظیم آبادی (المتوفی ۱۳۲۹ھ) مولانا حافظ عبداللہ محدث غازی پوری (المتوفی ۱۳۳۷ھ) مولانا شاہ عین الحق پھلواروی (المتوفی ۱۳۳۳ھ)۔ ان بزرگوں نے کافی بحث و غور کے بعد یہ فیصلہ صادر کیا کہ "اربعین کی ۴۰ اغلاط میں سے صرف ۱۴ ہی صحیح ہیں اور ۱۴ اغلاط کی وجہ سے مولانا ثناء اللہ جماعت اہلحدیث سے خارج نہیں ہو سکتے [1]۔

اس کے بعد مئی ۱۹۱۸ء میں مدراس کے آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس میں طرفین کے اندر مصالحت کر دی گئی۔ مگر ۱۹۲۲ء میں جب مولوی عبداللہ روپڑی تحصیل علم سے فارغ ہوئے تو اس مردہ مسئلہ کو پھر سے زندہ کیا اور مولانا کی تفسیر کے خلاف زہرافشانی شروع کی۔

۱۹۲۶ء میں جب مولانا امرتسری آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کا نمائندہ ہو کر ملک عبدالعزیز بن سعود کی دعوت پر حج کرنے گئے تو مولانا عبدالواحد غزنوی نے اربعین کو عربی میں منتقل کر کے وہاں تقسیم کیا اور شدہ شدہ معاملہ سلطان المعظم امام عبدالعزیز کی خدمت میں پہنچا۔ اس وقت عالم اسلام کی نامور اور چوٹی کی شخصیتیں وہاں جمع تھیں سلطان کے علاوہ علامہ رشید رضا مصری، علامہ قاضی بن بلیہد، علامہ شیخ عبداللطیف آل الشیخ، علامہ سید سلیمان ندوی جیسی بلند پایہ شخصیتیں بھی شریک تھیں، خود مولانا امرتسری شاہی مہمان تھے۔ فریقین سلطان کی خدمت

---

[1] روپڑی نزاع کی ابتدا و انتہا، ص ۱۰، و تذکرہ ابوالوفا از عراقی، ص ۴۷، طبع پاکستان۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں حاضر کیے گئے اور کافی بحث وتمحیص کے بعد سلطان معظم عبدالعزیز کے حکم سے مذکورہ مجلس کی موجودگی میں قاضی نے یہ فیصلہ لکھا:

"مولانا امرتسری نے استوی علی العرش کی تاویل اور دیگر آیات صفات میں متکلمین کے طرز تفسیر سے رجوع کرکے سلف کی پیروی کرلی ہے۔ مخالف بھی طعن وتشنیع سے باز رہنے، اخوت کی تجدید کرنے اور اربعین کو جلانے کا اقرار کرتے ہوئے سلطان المعظم اور علمائے کرام کے دستہائے مبارک پر بیعت کر رہے ہیں[1]"

کاش فریقین میں یہ مخالفت ختم ہو جاتی مگر اس پر بھی بس نہیں ہوا۔ فریق مخالف نے "فیصلۂ مکہ" شایع کیا تو مولانا نے "القضیة النجدیة" شایع کیا، جس میں برصغیر کے ۷۶ جید علمانے تصدیق کی کہ مولانا کی یہ تفسیر ایک بہترین تفسیر ہے' ان علمانے یہ متفقہ فتویٰ دیا کہ:

"تفسیر کا فن اعلیٰ درجہ کا ہے۔ تمام عربی علوم وفنون اس کے خادم ہیں۔ اس لیے تمام سلف صالحین اپنی اپنی استعداد اور لیاقت کے مطابق قرآن مجید کی تفسیر کرنے پر متوجہ ہوئے ہیں۔ انھیں مفسرین میں مولانا ثناء اللہ صاحب ہیں جنھوں نے قرآن کی تفسیر قرآن وحدیث سے کی ہے' جو کچھ انھوں نے لکھا ہے بہت اچھا لکھا ہے[2]"

ان ۷۶ علما میں چند مشاہیر کے نام یہ ہیں:

● مولانا شبلی نعمانی (م ۱۳۳۲ھ)۔ ● شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی (م ۱۳۳۹ھ) ● مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری (م ۱۳۳۷ھ) ● مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی (م ۱۳۳۶ھ) ● مولانا محمد سعید محدث بنارسی ● مولانا عبدالحق حقانی (م ۱۳۳۵ھ) ● مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری ● مولانا عبدالتواب ملتانی ● مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی ● مولانا سید سلیمان ندوی ● مولانا ابراہیم سیالکوٹی۔

خصوصیات:۔ الغرض "تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن" مولانا کی پہلی تفسیر ہے جس میں "القرآن تفسیر بعضہ بعضا" کی پوری رعایت کی گئی ہے۔ اس کے ذریعہ طلبا و علما دونوں میں تدبر قرآن کی فکر پیدا کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔ عالم اسلام کی یہ پہلی تفسیر ہے جو اس اصول پر لکھی گئی ہے کہ قرآن کی تفسیر خود قرآن سے کی جائے، اسکے متعلق سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں:

---

[1] مجلہ اہلحدیث امرتسر، ۷ جنوری ۱۹۳۴ء، فتنۂ قادیانیت، ص ۵۶۔ [2] غزنوی کا فیصلہ ص ۲۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"مولانا امرتسری کے ہمیشہ یادگار کاموں میں سب سے بڑا کام یہ ان کی عربی تفسیر "تفسیر القرآن بکلام الرحمن" ہے۔ یہ غالباً اسلام میں پہلی تفسیر ہے جو اس اصول پر لکھی گئی ہے کہ قرآن کی تفسیر قرآن سے کرے۔ حالانکہ یہ اصول کہ "القرآن تفسیر بعضہ بعضا" نظری حیثیت سے علما میں مدتوں سے مسلّم ہے۔ مگر عملی حیثیت سے لے کر کے اب تک کسی نے دکھایا بھی ہو تو اس وقت موجود نہیں اس بنا پر اس تفسیر کی خصوصیت بہت کچھ تعریف و توصیف کی مستحق ہے[1]"

اس تفسیر کی اہم و نمایاں خوبی کی طرف سید صاحب ندوی مزید اشارہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس تفسیر کی اہم اور نمایاں خوبی یہ ہے کہ اس میں جلالین[2] کی طرح اختصار ملحوظ رکھا گیا ہے، عربی مدارس میں اگر جلالین کی جگہ اس تفسیر کو رواج دیا جائے تو آج کل کی ضرورتوں کے لحاظ سے بہت بہتر ہے"[3]

چنانچہ جماعت اہلحدیث کی عظیم شخصیت اور مولانا امرتسری کے محب صادق مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی (متوفی ۱۹۴۹ء) نے اسے دارالحدیث (بنارس) کے مدرسہ سعیدیہ میں داخل درس کر لیا تھا، جیسا کہ جناب محمد عزیر صاحب جو آج کل مکہ کے ام القریٰ یونیورسٹی میں ریسرچ اسکالر ہیں۔ لکھتے ہیں کہ اس وقت میرے پیش نظر جو نسخہ ہے اس پر جگہ جگہ مولانا سیف بنارسی کے قلم سے حواشی ہیں۔ ان کے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے اور ایسا لگتا ہے کہ ہر دن درس کا سلسلہ جاری رہتا تھا[4]۔ کاش آج بھی مدارس کے ذمہ دار حضرات اس طرف توجہ فرماتے تو یہ مفید سلسلہ جاری رہتا۔

اس کی دوسری بڑی خصوصیت اختصار کے ساتھ یہ ہے کہ یکساں مفہوم والی آیتوں سے مطلب بیان کرنے میں مولانا نے بڑی دیدہ ریزی سے کام لیا ہے۔ مشہور مفسر اور اردو کے صاحب طرز ادیب مولانا عبدالماجد دریاآبادی جو مولانا امرتسری کے برسوں عقیدتمند رہے، انکی تفسیری خدمات کے متعلق لکھتے ہیں:

"مولانا امرتسری کی اردو تفسیر بھی مختصر تفسیروں میں اچھی ہے۔ لیکن عربی تفسیر کا نمبر اس سے بڑھا ہوا ہے، قرآن کی تفسیر خود قرآن ہی سے کی جائے۔ ہم معنی آیتیں خوب یکجا ل جاتی ہیں[5]"

وجہ تالیف:۔ اس تفسیر کی وجہ تالیف کے متعلق خود مصنف کی رائے کا ترجمہ پیش خدمت ہے:

---

[1] معارف اکتوبر ۱۹۲۹ء جلد ۲۴، ص ۳۱۵ [2] یہ دو جلال یعنی علامہ جلال الدین سیوطی اور جلال الدین محلی کی بہت مشہور تفسیر ہے جو دسویں صدی میں لکھی گئی ہے اور آج تک بیشتر عربی مدارس کے نصاب درس میں شامل ہے۔ [3] معارف اکتوبر ۱۹۲۹ء جلد ۲۴ ص ۳۱۵ [4] حیات ثنائی ص ۵۵۱۔۵۵۷ [5] معاصرین از مولانا عبدالماجد دریاآبادی مرتبہ حکیم عبدالقوی دریاآبادی ص ۱۲۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"علمائے قرآن مجید کی مختلف انداز پر تفسیریں لکھی ہیں۔ بعضوں نے احادیث و آثار سے استفادہ کیا ہے اور کچھ حضرات نے اپنی عقل کا سہارا لیا ہے۔ حالانکہ سبھی حضرات اسی پر متفق ہیں کہ بہتر طریقہ کلام اللہ کی تفسیر خود آیات ربانی سے کرنا ہے چنانچہ میں نے اسی طرز کو اپنانے کی کوشش کی ہے[1]"

اصل تفسیر شروع کرنے سے پہلے مولانا نے طبع اول میں مختصر اور طبع دوم میں قدرے مفصل مقدمہ لکھا ہے۔ جس میں امام رازیؒ (م ۶۰۶ھ) امام ابن تیمیہؒ (م ۷۳۸ھ) امام سیوطی (م ۹۱۱ھ) اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) وغیرہم کی تحریروں سے استفادہ کرتے ہوئے تفسیر بالرائے، تفسیر کی صحت کے معیار اور شان نزول پر اظہار خیال کیا ہے اور اپنے طریقہ تفسیر کی وضاحت کی ہے۔ آیت کی وضاحت ہم معنی آیتوں سے کی ہے۔ بعض مسائل کی تشریح احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے حاشیے میں کی ہے اور بعض مقامات پر دوسری کتب تفاسیر اور دینی کتب سے توضیح کی ہے جس کا حوالہ حاشیہ میں درج کیا ہے اور جگہ جگہ اختلافی مسائل کی بھی حاشیہ ہی میں نشاندہی کر دی ہے[2] اور یہ بھی وضاحت فرمائی ہے کہ یہ تفسیر فقہاء اور ارباب کلام میں سے کسی ایک مخصوص مذہب پر نہیں لکھی گئی بلکہ جہاں سے بھی حق پایا گیا وہیں سے اپنایا گیا۔

نمونہ تفسیر:۔ ص ۱۳ سے قرآن کی تفسیر کو شروع کیا جس کا نمونہ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم، الحمد للہ: ای قولوا ایھا العباد نقرأ بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ لقولہ تعالیٰ اقرا باسم ربک الذی خلق (سورۃ علق آیۃ ۱) وقولہ قل الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی (سورۃ النمل آیۃ ۹۵) رب العالمین، الذی خلقھم وخلق اسباب رزقھم"۔

طبع دوم میں مولانا نے بعض تبدیلیاں بھی کی ہیں۔ کہیں کہیں تو پوری عبارت بدل ڈالی ہے[3]۔ جو طبع اول میں نظر نہیں آتی، چونکہ مولانا امرتسری حروف مقطعات کی تفسیر کے قائل ہیں، اس لیے ہر جگہ ان سے بھی مطلب اخذ کیے ہیں دوسری قرآنی آیات پیش کرتے وقت پارہ اور رکوع کی بھی نشاندہی کر دی ہے۔ تاکہ مراجعت میں آسانی ہو اور آیتوں کے امتیاز کے لیے اوپر خط کشیدہ ہے۔ طوالت کے باعث تفصیل قلم انداز کرتے ہیں تاہم مشتے نمونہ از خروارے سورۃ الم سے یہ اقتباس ملاحظہ ہو۔

---

[1] تفسیر القرآن بکلام الرحمن ص ۲، طبع اول و طبع دوم ص ۸ [2] حیات ثنائی ص ۵۵۲ [3] تفسیر القرآن بکلام الرحمن ص ۵۳ طبع اول و ص ۵۰، ۴۹ طبع دوم ص ۸

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الٓر ، انا اللّٰہ اری ...کتٰبٌ انزلنٰہ الیک لتخرج الناس من الظلمٰت الی النور ہ ای یریھم طریق الحق باذن ربھم . ففیہ ایضا تربیۃ تعالیٰ للناس لقولہ تعالیٰ لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم (الجزء ۴ - ع ۷) ۱ ؎

اس طرز کی تفسیر پر زور دیتے ہوئے تحریر فرمایا :

" قرآن کی اس طرز کی تفسیر کی ضرورت عوام اور ان سے زیادہ خواص کو روز بروز زیادہ محسوس ہوتی جاتی ہے اور ہوتی جائے گی اور آج جبکہ ہر مترجم نسخۂ قرآن پاک کا مالک اور مفسر اور ہر کس فہرست القرآن کا ناظر ماہر قرآن بننے کا مدعی ہے اور کبھی قرآن پاک کی صرف ایک آیت کو لے کر اپنے مجتہدانہ دعویٰ کے اصول وضع کرنے لگا ہے، یہ کتاب ان کی ہدایت کے لیے بے حد مفید اور کار آمد ہو سکتی ہے ۔ ضرورت ہے کہ اہل علم حضرات اس کو اپنے مطالعہ میں رکھیں اور خدائے تعالیٰ ان میں سے کسی کو توفیق دے تو اس اصول کو اور ترقی دے اور اس طرز قرآن کی اس سے بہتر خدمت کرے ۔

صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لیے ۲ ؎

مولانا امرتسری نے اپنی اس تفسیر کے ذریعہ مفسرین قرآن کو ایک نیا راستہ دکھایا تھا اور مولانا سید سلیمان ندوی نے اپیل کی تھی کہ اس اصول تفسیر کو مزید ترقی دی جائے مگر آج تک ان کی اپیل پر لبیک کہنے والا کوئی نظر نہیں آیا ۔ ہاں اس پر چالیس اعتراضات ضرور نکل آئے اور سب سے زیادہ جس چیز پر اعتراض کیا گیا اور جس پر مولانا کو خارج از اسلام بھی قرار دیا گیا وہ مسئلہ استوا علی العرش ہے ۔ اس کے متعلق اتنا عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ مولانا کا ذاتی طور پر یہ ایمان تھا کہ جو کچھ سلف صالحین نے فرمایا وہ سچ اور حق ہے ، چنانچہ استوا کی بحث کے خاتمہ پر جو دعا فرمائی ہے وہ ملاحظہ ہو ۔

اللھم احینی علی مذھب السلف و امتنی علیہ و احشرنی فی زمرۃ الصالحین آمین ۳ ؎

اے اللہ مجھے سلف کے مذہب پر زندہ رکھنا اور اسی پر موت دینا ۔ اور صالحین کے زمرہ میں دوبارہ اٹھانا ۔

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مولانا کو سلف صالحین سے کس قدر محبت اور عقیدت تھی ، قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس تفسیر میں مولانا نے اپنی طرف سے کوئی بات شامل نہ کی اور نہ ہی اپنی رائے کو متقدمین کی آراء پر راجح کیا بلکہ جو کچھ پہلے اہل مفسرین سے منقول تھا ۔ اس کو اپنایا ۔

البتہ بعض آیات کی تفسیر اسلاف کی متعارف راہوں سے قدرے مختلف ضرور ہے ۔ بتقاضائے ضرورت

---

۱ ؎ تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن ص ۲۲۲ / ۱۳ [illegible] معارف اکتوبر [illegible] جلد ۲۴ ص ۳۱۶ ۳ ؎ تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن ص ۱۲۸ ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زمانہ۔ تاہم اس فنی نقطۂ نظر کے اختلاف کے باوجود مولانا امرتسری کا یہ عظیم الشان کارنامہ ہے، جسے اولیت حاصل ہے اور جس پر علمائے وقت نے مبارک باد دی ہے اور بجا طور پر سراہا ہے اور اب تک اسکی مثال پیش نہیں کی ہے۔

۲۔ تفسیر ثنائی (اردو) ان کی جو تفسیریں مکمل ہیں ان میں دوسری تفسیر تفسیر ثنائی ہے جو نہایت ہی جامع ہے۔ یہ تفسیر آٹھ جلدوں میں متعدد بار شائع ہو کر کافی شہرت و مقبولیت حاصل کر چکی ہے۔ اس کے مجموعی صفحات ۱۵۰۰ سے زائد ہیں اس کا پہلا ایڈیشن، حسب ہدایت مولانا امرتسری ۱۳۱۳ھ میں امرتسر سے شائع ہوا۔ جلدوں کی تقسیم و سنہ اشاعت حسب ترتیب اس طرح ہے:

جلد اول: طبع اول ۱۳۱۳ھ مطبع چشمۂ نور، امرتسر، سورۃ فاتحہ تا سورۃ بقرۃ صفحات ۲۲۰

جلد دوم: طبع ۱۳۱۷ھ / ۱۸۹۹ء مطبع چشمۂ نور، امرتسر، سورۃ آل عمران تا سورۃ نساء۔ صفحات ۲۲۴

جلد سوم: طبع ۱۳۴۶ھ مطبع روز بازار امرتسر سورۃ مائدہ، انعام و اعراف، صفحات ۱۸۴

جلد چہارم: طبع اول نامعلوم طبع ثانی ۱۹۳۱ء تازہ ایڈیشن نومبر ۱۹۸۲ء میں مطبع لکشمی پرنٹنگ ورکس دہلی سے نکلا، اس میں سورۃ الانفال، توبہ، یونس، ہود، رعد، ابراہیم، حجر، نحل شامل ہیں صفحات ۱۲۸۔

جلد پنجم: طبع ۱۳۲۵ھ مطبع اہل حدیث امرتسر، اس میں بنی اسرائیل، کہف، مریم، طٰہٰ، انبیاء، حج، مومنون، نور اور فرقان شامل ہیں۔ صفحات ۲۱۸۔

جلد ششم: طبع ۱۳۲۹ھ مطبع اہلحدیث امرتسر، یہ جزء سورۃ الشعراء نمل تا سورۃ یٰسین پر مشتمل ہے صفحات ۲۰۰۔

جلد ہفتم: طبع ۱۳۴۴ھ مطبع روز بازار امرتسر، یہ حصہ سورۃ الصّٰفّٰت سے لے کر سورۃ طور اور نجم پر مشتمل ہے۔ صفحات ۲۰۲۔

جلد ہشتم: یہ آخری حصہ سورۃ القمر سے لے کر سورۃ ناس تک کی تفسیر پر مشتمل ہے۔ صفحات ۱۸۴

اس طرح ۱۳۱۳ھ / ۱۸۹۵ء میں تفسیر ثنائی کی پہلی جلد منظر عام پر آئی اور ۲۹ رمضان ۱۳۴۹ھ / ۸ فروری ۱۹۳۱ء کو اس تفسیر کی آخری جلد شائع ہو کر پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ اس تفسیر کو عوام و خواص دونوں میں بے حد قبول عام حاصل ہوا، اسکی خصوصیات آگے کی سطور میں آ رہی ہیں، اس کی پسندیدگی کی وجہ سے تفسیر سے علیحدہ کر کے مولانا کے ایک معتقد خاص مولانا داؤد راز دہلوی مرحوم مولانا کی وفات کے تھوڑے عرصہ بعد صرف ترجمہ یکجا شکل میں کئی بار شائع کرا چکے ہیں۔ حال ہی میں ثنائی اکیڈمی دہلی نے بھی شائع کیا ہے۔

سبب تالیف: اس سلسلہ میں چند باتیں خاص قابل ذکر ہیں:

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

● اول :۔ اس تفسیر کے لکھنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے مولانا نے شروع میں "التماس مصنف" کے عنوان کے تحت فرمایا ہے :۔

"میں نے دیکھا کہ مسلمان عموماً فہم قرآن سے ناواقف بلکہ شناخت حروف سے بھی ناآشنا ہیں۔ ایسے وقت میں عربی تصانیف سے ان کا فائدہ اٹھانا قریب محال ہے۔ اردو تفاسیر سے بھی کسی قدر طوالت کے عام لوگ مستفید نہیں ہوسکتے، نیز ان کا طرز بیان خاص طریقے پر ہے۔"

● دوم :۔ میں نے مخالفین کے حال پر غور کیا تو باوجود بے علمی اور بیچمدانی کے مدعی ہمہ دانی پایا۔ خدا کی پاک کتاب پر منہ کھول کھول کر معترض ہو رہے ہیں، حالانکہ کل سرمایہ ان کا سوائے تراجم اردو کے کچھ بھی نہیں، جس میں سے بعض تو تحت لفظی ہیں اور ان کے محاورات بھی انقلاب زمانہ سے منقلب ہوگئے ہیں اس لیے وہ بھی مطلب بتانے سے عاری ہیں نیز میں نے قرآن کریم کو جامع علوم عقلیہ اور نقلیہ بالخصوص علم مناظرہ میں امام پایا۔ دعویٰ پر دلیل ایسے ڈھب کی ادا ہوتی ہے کہ ہر ایک درجہ کا آدمی اس سے فائدہ لے سکے۔ گو اس کی فاضلانہ تقریر کے لیے بہت بڑے علم اور خوض کامل کی ضرورت ہے۔ گو تراجم بامحاورہ بھی ہوں مگر جب تک حسب موقع شرح نہ کی جائے عام متوسط درجے کے خاص بھی فہم مطالب کما حقہ سے بہرہ ور نہیں ہوسکتے۔ بالخصوص ایک مسلسل بیان کی صورت میں لایا جائے (جیسا کہ عاجز نے کیا) تو عجیب لطف پیدا کرتا ہے۔ آج تک ہمارے مفسرین نے اس کی طرف توجہ نہیں کی۔ صرف تفسیر رحمانی کے مؤلف مرحوم ومغفور نے کسی قدر التفات کیا ہے۔ ناظرین اس میں اور ان اوراق میں فرق نہیں پاویں گے۔[1]

سوم :۔ یہ دور ذہنی وفکری انتشار کا رہا ہے۔ دینی مسائل پر طرح طرح کی باتیں کی جارہی تھیں۔ جن کا مثبت جواب دینے کی شدید ضرورت تھی۔

چہارم :۔ ربط آیات اور نظم کلام کی طرف مفسرین عموماً توجہ نہیں کرتے تھے۔ حالانکہ اس سے بہت سی آیتوں کا معنی و مفہوم متعین کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ مولانا نے ان مختلف وجوہ کے پیش نظر ایک سہل اور مختصر تفسیر لکھنے کا ارادہ کیا، جس میں تمام ضروری امور کا بدرجہ اتم لحاظ رکھا گیا ہو اور جامع ہو۔ چنانچہ خود اس کی وجہ تالیف پر روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں :۔

"میں نے یہ اس لیے لکھی ہے کہ اردو تفاسیر اس سے پہلے کسی قدر طویل ہیں ان سے لوگ مستفید نہیں ہوسکتے، اس لیے ایک مختصر تفسیر لکھ دی جائے تاکہ لوگ اس سے مستفید ہوسکیں۔"[2]

---

[1] دیکھیے مقدمہ تفسیر ثنائی اردو [2] تفسیر ثنائی جلد ۱ ص ۳ طبع ثالث ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اصل تفسیر شروع کرنے سے پہلے مقدمہ میں سیدالانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کو عقلی و نقلی دلائل سے ثابت کیا ہے، جس سے تفسیر کی قدر و قیمت بڑھ جاتی ہے۔

خصائص تفسیر ھذا:۔ اس تفسیر سے پہلے بہت سی تفسیریں اردو میں لکھی جا چکی تھیں لیکن تفسیر ثنائی کو چند خصوصیتوں کی وجہ سے امتیاز و شرف قبول حاصل ہے۔

الف:۔ جو طرز مولانا امرتسری نے تفسیر ثنائی میں اپنایا، اردو میں لکھی جانے والی تفاسیر میں نہیں پایا جاتا۔ بقول مولانا:

"میرا یہ طرز بیان پہلے اردو تفاسیر میں نہیں آیا۔ جس نے اختیار کیا وہ میرے بعد غالباً دیکھ کر کیا ہے"۔[1]

جناب محمد عزیز صاحب ایم۔ اے لکھتے ہیں:

"عربی میں ہندستان کے اندر مولانا حمید الدین فراہیؒ (المتوفی ۱۹۳۰ء) نے اس طرف موصوف نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ ایک کالم میں قرآن مجید کا متن نقل کیا ہے۔ دوسرے کالم میں اس کا بامحاورہ ترجمہ اور ساتھ ہی اسی کے درمیان مختصر و مناسب تشریح بھی کر دی ہے"۔[2]

ب:۔ مولانا کے ترجمہ کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ربط آیات کا لحاظ رکھا گیا ہے جو ساتھ ہی ساتھ نہایت سلیس، شگفتہ، رواں، مطلب خیز اور عام فہم بھی ہے مولانا فرماتے ہیں:

"چونکہ میری غرض اصلی اس تحریر سے صرف یہ ہے کہ عوام، اہل اسلام۔ قرآن کریم کے مطالب سے واقف اور آگاہ ہوں۔ اس لیے میں نے ترجمہ کرتے ہوئے الفاظ عربیہ کی پابندی نہیں کی ہے۔ یعنی یہ کہیں کہ جو لفظ پیچھے ہو اس کا ترجمہ بھی پیچھے کروں۔ بلکہ عربی محاورہ کو ہندی محاورہ میں لایا ہوں۔ اس امر کی پابندی بھی نہیں کی کہ جملہ اسمیہ ہی میں ادا کروں، بلکہ مطلب اس کا جس جملہ میں باعتبار محاورہ اردو کے پایا، ادا کر دیا ہے۔ بعض جگہ "و" کو سر کلام سمجھ کر اس کا ترجمہ نہیں کیا۔ غرض جو کچھ کیا وہ اسی غرض سے کیا کہ اردو میں بامحاورہ کلام ہو"۔[3]

ج:۔ اس کی خصوصیت ہی کے ضمن میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حصہ تفسیر میں ترجمہ و تفسیر کو مسلسل عبارت میں ڈھال دیا گیا ہے لیکن الفاظ ترجمہ پر خطوط کھینچ کر ان کے مطالب کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ مسلسل ترجمہ کی ایک مثال سورۂ فاتحہ کے ترجمہ و تفسیر سے ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں:

1۔ تفسیر ثنائی ص ۱۶ 2۔ حیات ثنائی مولانا امرتسری کی تفسیری خدمات از عزیز احمد صاحب ص ۵۴۹ 3۔ تفسیر ثنائی جلد ۱ ص ۱۶

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"چونکہ یہ سورت بندوں کی زبان پر گویا ایک عرضی کا مسودہ نازل ہوا ہے اس لیے اس کے ترجمہ سے پہلے کہو محذوف سمجھنا چاہیے۔ یعنی میرے بندو! تم یوں کہو کہ ہم شروع کرتے ہیں سب کام اللہ کے نام سے جو باوجود گناہ بندوں کے بڑا ہی مہربان نہایت ہی رحم کرنے والا ہے۔ عرض مطلب سے پہلے ہم اس امر کا اعتراف کرتے ہیں کہ سب تعریفیں اللہ پاک کے لیے ہیں۔

ح :۔ مخالفین اسلام مثلاً آریہ وعیسائیوں کے اعتراضات کا عقلی ونقلی جواب مع دلائل پیش کیے ہیں اور انکے اعتراضات کا اطمینان بخش جواب فراہم کیا ہے۔

ط :۔ ترجمہ وتفسیر کے نیچے بہت سے قیمتی حواشی نوٹ بھی مولانا نے درج کر دیئے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ آیات کی شان نزول کا بھی ذکر کر دیا گیا ہے۔

ی :۔ ایک اور بڑی خصوصیت اس تفسیر کی یہ ہے کہ طویل حاشیوں میں جگہ جگہ "سرسید" کی "تفسیر القرآن" پر منظم انداز میں تنقید کی ہے۔ حاشیہ نمبر اول میں سرسید مرحوم نے اپنی تفسیر القرآن وھو الھدیٰ والفرقان کے ص ۲۱ پر دعا کے سلسلہ میں قرآن وسنت سے ہٹ کر جو کچھ بیان کیا ہے مولانا نے اس کا محاسبہ کرتے ہوئے دلائل قرآن و سنت سے سلف صالحین نے جو کچھ اخذ کیا اس کو صحیح ثابت کیا ہے اسی طرح ملائک جنت ودوزخ وآدم وابلیس کی کہانی رویت باری، معراج جسمانی، جہاد، سود وغیرہ کے متعلق جمہور کی رائے سے جو انھوں نے اختلاف کیا ہے اس کا مولانا نے بھرپور انداز میں اپنی تفسیر ثنائی میں جائزہ لیا ہے۔ الغرض مولانا کی یہ مہتم بالشان تفسیر ہے اور عوام وخواص کے لیے یکساں مفید ہے [1]

۳۔ بیان الفرقان علی علم البیان :۔ (عربی)

یہ مولانا امرتسری کی تیسری تفسیر عربی میں ہے، جو افسوس ہے کہ نامکمل رہ گئی صرف پہلی جلد ۱۹۳۴ء میں ثنائی پریس امرتسر میں طبع ہوئی۔ مولانا نے اسے دو جلدوں میں لکھنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے مگر دوسری جلد تک بوجوہ نہ پہنچ سکے۔ پہلی جلد سورۂ بقرہ کی آخر تک کی تفسیر پر مشتمل ہے اور ۲۰۰ صفحات میں لمبی تقطیع پر محیط ہے۔ تفسیر کے آخر میں لکھا والمجلد الثانی یأتی انشاء اللہ یعنی دوسری جلد بھی عنقریب شائع ہوگی۔

مولانا نے اسے عربی ادب ولغت، صرف ونحو، معانی وبیان کے اصول پر لکھی ہے ضرورت کے وقت احادیث وآثار حتی کہ توریت سے بھی استفادہ کیا ہے۔ اس میں معاصرین کی تفسیروں پر کہیں کہیں تنقیدی نظر ڈالی ہے۔ مثلاً مشہور عالم

---

[1] تفسیر ثنائی اور تفسیر احمدی کا جائزہ "ایک مستشرق ڈبلیو ٹرول نے عالمی قرآن کانفرنس" ہمدرد نگر دہلی ۔۔ منعقدہ ۱۹۸۳ء میں بھرپور انداز میں لیا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حافظ عنایت اللہ وزیر آبادی صاحب آیات للسائلین کی تفسیر پر تنقید کی ہے وزیر آبادی صاحب نے قرآنی الفاظ اماتہ اللہ کی تفسیر "وجدہ مجنوناً" کی ہے، اس پر مولانا اپنی مذکورہ تفسیر کے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"یا للعجب من أین اخذ هذا المعنی الذی لا یساعدہ لغۃ ولا سیاق وأمثالہ منہ کثیرۃ. عفا اللہ عنہ ۲

۴۔ تفسیر بالرائے: (اردو) تفسیر کے متعلق انکی چوتھی کتاب تفسیر بالرائے ہے جس میں اپنے عہد کے مروجہ تفاسیر وتراجم قرآن کی اغلاط پیش کرکے انکی اصلاح کی ہے۔ اس کا بھی ایک ہی حصہ چھپ سکا اور افسوس کہ باقی تشنۂ تکمیل ہی رہا۔ اس کی پہلی اشاعت ۱۹۳۹ء میں امرتسر سے ہوئی اور ۱۹۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں جن تفاسیر کا جائزہ لیا ہے وہ یہ ہیں۔

● تفسیر القرآن از سر سید ● تفسیر بیان للناس از مولوی احمد الدین امرتسری ● ترجمہ وحواشی قرآن مجید از مولوی عبداللہ چکڑالوی ● ترجمہ وتفسیر از ڈپٹی عبداللہ خاں لاہوری ● تفسیر خزینۃ العرفان از مرزا غلام احمد قادیانی ● متفرق تفسیری نوٹ از مرزا بشیر الدین ولد مرزا غلام احمد ● تفسیر بیان القرآن از مولوی محمد علی لاہوری ● تفسیر ایقان از بہاء اللہ ایرانی ● ترجمہ وحواشی قرآن مجید از مولوی مقبول احمد شیعی ● تذکرہ از علامہ عنایت اللہ مشرقی ● عام فہم تفسیر قرآن از خواجہ حسن نظامی ● تفسیر کنز الایمان از مولوی احمد رضا خاں بریلوی ● خزائن العرفان فی تفسیر القرآن از مولوی مقیم الدین مراد آبادی ● تفسیر آیات از مفتی محی الدین گجراتی وغیرہ۔

چونکہ یہ کتابیں اس زمانہ میں متداول تھیں اس کے ذریعہ غلط نظریات لوگوں میں راہ پا رہے تھے، اس لیے ضرورت تھی کہ ان کا بے لاگ تنقیدی جائزہ لے کر حق وباطل کو واضح کیا جائے۔ اس کے لیے بہترین صلاحیت، وسیع مطالعہ اسرار شریعت کی مکمل واقفیت کی ضرورت تھی۔ اس لیے چند ہی لوگ میدان میں آئے اگر ہمہ گیر انداز میں تنقید کے لیے کسی نے قلم اٹھایا تو وہ مولانا ثناء اللہ امرتسری جو تمام شرائط سے بحمد اللہ بہرہ ور تھے) کی شخصیت تھی۔

مذکورہ بالا باقاعدہ تفسیروں کے علاوہ درجن بھر کتب علوم القرآن یا قرآنی مباحث سے متعلق لکھے اور جب کسی نے قرآن (اللہ) پر زبان کھولی یا قلم اٹھایا تو اس کے رد وابطال کیلئے سب سے پہلے جو سپاہی آگے بڑھتا وہ مولانا ثناء اللہ تھے۔ آریہ کے ۹ اعتراض کا جواب مولانا نے ہی دیا۔ برہان التفاسیر کے نام سے سلطان سیہ پال پادری کا جواب مولانا ہی نے دیا جو بنام التفاسیر کے نام سے اس نے شائع کیا۔ مولانا کی اس تفسیری خدمات پر یہ تھا ایک طائرانہ وسرسری جائزہ اس پر مزید کام کرنے کی ضرورت ہے۔ افسوس کہ اس کی طرف بہت کم توجہ واعتناء کی گئی ہے جو شایان اعتناء کا متقاضی ہے۔ ●●

۱۔ آیات للسائلین ص ۱۲۷ مطبوعہ کریمی پریس لاہور ۱۹۲۹ء ۲۔ آیات الفرقان علی علم البیان جلد ۱ ص ۵۴ حاشیہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر سید محمد طلحہ رضوی برق
پٹنہ

مولانا عبدالخبیر صادقپوری کی "تشریح سورہ فاتحہ" کا جائزہ

میرے پیش نظر مولانا حکیم عبدالخبیر جعفری صادقپوری مرحوم کی "تشریح سورہ فاتحہ" ہے۔ مصنف کی شخصیت و علمی بصیرت محتاج تعارف نہیں۔ رواں اور سلیس اردو میں سورہ فاتحہ کی یہ مطبوعہ تشریح ۶۵ صفحات پر حاوی ہے۔

فاضل مصنف نے اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت کی بڑی دلچسپ وضاحت فرمائی ہے اور صفات ربانی میں کسی کو بھی کسی نہج سے شریک کرنے کو شرک بتایا ہے۔ رحمٰن اور رحیم اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام ہیں اور جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اللہ نے رؤف الرحیم کی صفت بیان کی ہے۔ آپ لکھتے ہیں "اسی طرح پر درجہ بدرجہ دوسرے انسانوں یا جانوروں میں رحم کی صفت پائی جاتی ہے، اس لیے وہ سب رحیم کہلا سکتے ہیں۔"

ایاک نعبد و ایاک نستعین کی تشریح کے تحت بھی عبودیت و استعانت لغیر اللہ سے خبردار کیا ہے۔ صراط مستقیم، انعمت علیھم اور ضالین کی تشریح بڑے دلنشین و مؤثر پیرائے میں کی ہے۔ عامۃ الناس کے لیے اس کی افادیت بلا شبہ مسلم ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں میں صحیح قرآن فہمی کی جتنی ضرورت آج ہے شاید قبل نہ رہی ہو۔ قرآن ہمیں اتحاد و اتفاق کی تعلیم دیتا ہے لیکن اکثر قرآن کی نظریاتی تفسیر و تشریح سے اجماع امت کو نقصان بھی پہنچا ہے اور مسائل کھڑے ہوئے ہیں۔ پیش نظر تشریح سورہ فاتحہ ماضی قریب کی ایک اہم کتاب ہے اور اس کا ایک وسیع حلقۂ اثر ہے۔

مصنف نے آخر کتاب میں آخری کلام کے عنوان سے سورہ فاتحہ کو بطور ایصال ثواب پڑھنے پر اظہار خیال فرمایا ہے۔ مشہور ہے "انت بھلا تو سب بھلا" اسلام نے بھی خاتمہ بالخیر پر زور دیا ہے۔ مجھے عرض یہ کرنا تھا کہ اتنی اچھی تشریح کا خاتمہ جس انداز سے ہوا، اس نے تفسیر و تشریح قرآن کے مقصد و منشا کو جراحت پہنچا دی۔ چند سطریں ملاحظہ ہوں: "مردوں کے نام پر فاتحہ پڑھنے کی اصطلاح جاری ہو چکی ہے اور اس میں بہت سے مسلمان مبتلا ہیں۔۔۔ غور کرنے کی بات ہے کہ بخشنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے نہ کہ بندوں کا۔۔۔ اگر یہ کہا جائے کہ جو قرآن ہم نے پڑھا اس کا جو کچھ ثواب ہم کو ہوا اللہ تعالیٰ سے التجا ہے کہ اس کا ثواب فلاں کو دیدے تو گویا اللہ تعالیٰ بینک کا اکاؤنٹنٹ ہوا کہ فلاں رقم

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھیجی جاتی ہے "اس کو فلاں کے اکاؤنٹ میں داخل کردو" علمائے کرام غور فرمائیں کیا تفسیر و تشریح قرآن کا مقصد گردہی و مسلکی معتقدات کی بیجا آمیزش سے فوت نہیں ہوتا؟

ہم جانتے ہیں کہ لفظ 'آمین' قرآن حکیم میں نہیں ہے مگر حدیثوں میں مذکور ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر دعا کے بعد آمین فرماتے تھے اور نمازوں میں سورہ فاتحہ کے بعد۔ ہم اسی لیے آج بھی آمین کہتے ہیں کہ اللہ کا حکم ہے ما اٰتکم الرسول فخذوہ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابراہیمؓ کے انتقال پر ملال پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین یا گیارہ بار سورہ اخلاص اور ایک بار سورہ فاتحہ پڑھ کر ایصال ثواب فرمایا تھا۔

مولانا عبدالجبیر صاحب کی تشریح سورہ فاتحہ کا آخری کلام ما اٰتکم الرسول فخذوہ کے خلاف جاتی ہے۔ ایسی اہم دینی کتابیں معتقداتی جھول سے پاک و صاف ہونی چاہییں۔ وما توفیقی الا باللہ ●●

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جناب عبدالسلام خاں
رامپور

اردو تفسیر "تقریب القرآن" کا تعارف

"تقریب القرآن" کے مصنف مولانا عبدالوہاب خانصاحب

"تقریب القرآن" جس کا تعارف یہاں مقصود ہے، استاذی حضرت مولانا عبدالوہاب خانصاحب بن حافظ عبدالغفار خاں صاحب رامپوری رحمۃ اللہ علیہما کی تصنیف ہے۔ مولانا مرحوم اپنے علم و فضل روشن خیالی و آزاد فکری، زہد و قناعت، ایثار و ہمدردی، تقدس و تقویٰ، جرأت و بیباکی، فہم و فراست، عزتِ نفس و تواضع، استقامت و مستقل مزاجی، شفقت و مروت، وضع داری و قدامت پسندی، اور دیانت و عمل کے لحاظ سے رامپور کی واحد نمایاں شخصیت تھے۔

ان کا اصل مشغلہ درس و تدریس تھا، پہلے قدیم منطق و فلسفہ ان کے تدریسی مضمون تھے لیکن جوں جوں عمر بڑھتی گئی معقولات سے ان کی دلچسپی گھٹتی گئی، قرآن و حدیث سے شغف بڑھتا گیا اور یہی ان کے واحد تدریسی مضمون رہ گئے جن کا درس رحلت سے دس پندرہ دن پہلے تک جاری رہا۔

احادیث کی تطبیق، ترجیح و تضعیف، بیانِ مذاہب فقہا، خلافیات کی دلائل کے ساتھ تشریح اور ترک و اختیار کی توجیہ تقریر میں حتی الامکان اختصار ان کے درس حدیث کی خصوصیات تھیں۔ مسلکاً وہ حنفی تھے لیکن کٹر پن نہ تھا۔ کثرت و قوتِ احادیث کے لحاظ سے کسی دوسرے امام کا قول انھیں ارجح نظر آتا تو اس کو اختیار کر لیتے، ائمہ مذاہب کے اختلاف کو وہ اختیار کے اختلاف پر محمول کرتے۔ آخر عمر میں ذہول و نسیان بہت غالب آگئے تھے۔ فقہی جزئیات پر غیر معمولی نظر ہونے کے باوجود وضو اور نماز کے مسائل تک میں شکوک و شبہات پیدا ہو جاتے اور شاگردوں سے دریافت کرتے، لیکن درس حدیث میں اس ذہول و نسیان کا کوئی اثر نہیں معلوم ہوتا تھا۔ حسب موقع ائمہ و فقہا کے اختلاف بہت اعتماد سے بغیر شک و شبہ بیان کرتے چلے جاتے تھے۔ اور ہم لوگوں کو ان کی قوتِ حافظہ پر تعجب ہوتا تھا۔

مولویانہ تاریک خیالی، اسلاف پرستی اور جمود و عصبیت کو ان کی فکر میں کوئی دخل نہ تھا۔ وہ ذرائع تحقیق کی وسعت اور عام عقل ارتقار کے قائل تھے۔ رواداری، حسن ظن، تسامح اور مصالحت ان کی طبیعت ثانیہ تھی۔ غلط کاری، ظلم بدمعاملگی، بے انصافی، تشنیع، تحقیر، بے حیائی اور منکرات و فواحش سے نفرت تھی، ان سے چشم پوشی اور مداہنت کو کسی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عنوان برداشت نہ کرتے اور شدت و جرأت سے گرفت کرتے۔ حتیٰ کہ تعلق منقطع کر دیتے۔ جس سے ناراض ہوتے اس پر ان کی ناراضی چھپی نہ رہتی، ان کے چہرے اور انداز سے فوراً نمایاں ہو جاتی۔

بریلوی مدرسۂ فکر سے وہ بہت دور تھے، دیوبندی حلقۂ فکر سے انھیں قرب تھا لیکن وہ دیوبندی حلقے سے نہ تھے۔ شبلی اسکول سے اگرچہ وہ منسوب نہ تھے لیکن اس کی فکر کے حامی، اس کی علمی تحقیقات کے قائل اور اس کی اسلامی خدمات کے معترف تھے۔ کسی کی تکفیر اور تفسیق نہ کرتے۔ مذہبی معاملات میں وہ اپنی حد تک بہت متشدد تھے لیکن دوسروں کے متعلق وہ تسامح اور درگذر سے کام لیتے۔ جماعت اسلامی کی فکر کو صحیح جانتے تھے اور اس کے اکابر کا احترام اور ارکان کی عزت کرتے تھے۔

لالچ، طمع، خوف و خطر ان کے لیے پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ ریاست کی استبدادی حکومت سے ذمہ دار آئینی حکومت کے مطالبے کو منوانے کے لیے انھوں نے مقابلہ کیا تھا، قید و بند کی صعوبتیں جھیلی تھیں۔ بڑے بڑے لالچ دیئے گئے، ان کے قتل کی تدبیریں کی گئیں کہ وہ جد و جہد کو ترک کر دیں۔ لیکن انھوں نے ہر لالچ کو ٹھکرا دیا اور ہر خطرے کا سامنا کیا۔ اور ریاست کے مطلق العنان حکومت کو بنیادی حقوق دینے، لوکل سیلف گورنمنٹ قائم کرنے اور منتخب پبلک لیجسلیٹو کونسل مقرر کرنے پر مجبور کر دیا۔ رامپور کی عام بیکاری دور کرانے کے لیے ریاست سے کارخانے کھلوائے۔ اہل رامپور کو ریاستی ملازمتوں میں ان کا واجبی حصہ دلوایا لیکن خود کبھی کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ حتیٰ کہ اپنے قائم کئے ہوئے مدرسے "جامعۃ المعارف" کے لیے باوجود شدید مالی دشواریوں کے کوئی امداد قبول کی نہ اس کے لیے دوسروں کے سامنے دست سوال پھیلایا۔

رامپور میں عوامی وزارت وجود میں آچکنے کے بعد ڈگری کالج کا قیام پوری کابینہ کی مخالفت کے باوجود تنہا انھیں کا کارنامہ تھا۔ ادغامِ ریاست کے بعد جبکہ وہ ضلع کانگریس کمیٹی کے صدر تھے یو۔ پی۔ کی حکومت صوبے کے واحد گورنمنٹ مصارف پر چلنے والے ڈگری کالج ہونے کی بنا پر اسکو ختم کر دینا چاہتی تھی، یہ ان کی دلیرانہ مداخلت تھی کہ وہ باقی رہ گیا۔ پھر اس کی نظیر پر یو۔ پی حکومت نے نینی تال وغیرہ میں دوسرے کالج کھولے۔ اس زمانے میں ڈاکٹر سمپورنانند وزیر تعلیم تھے۔ وہ ان سے ملے اور بڑی جرأت سے کالج کو قائم رکھنے کی وکالت کی گفتگو میں غیر معمولی شدت آگئی اور وفد کی نمائندگی کرتے ہوئے وزیر تعلیم کی اس بات پر کہ وہ ٹوٹے گا، یہ کہہ کر اٹھ آئے کہ توڑ کر دیکھنا اور وزیر اعلیٰ پنت جی کے کمرے میں چلے گئے اور ان سے بات چیت کی، غصے میں بھرے ہوئے تھے۔ وزیر اعلیٰ وزارتِ تعلیم کے فیصلے کو بدلنے پر تیار نہ ہوئے تو یہ کہکر اٹھے کہ پنت جی آپ ہم سے واقف نہیں ہیں۔ ہم نے رامپور کی شخصی اور استبدادی حکومت سے منھ پھیر دیئے تھے۔ آپ کی تو جمہوری حکومت ہے۔ کالج کو توڑتے وقت یہ خیال رکھیے کہ رامپور کا بچہ بچہ سڑکوں پر ہوگا، اور آپ کے فیصلے کا اپنے خون سے مقابلہ کرے گا۔ ان غیر معمولی جرأت آمیز ملاقاتوں کا یہ اثر ہوا کہ گورنمنٹ کو کالج قائم رکھنا پڑا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انتقال سے تقریباً سال بھر پہلے کا واقعہ ہے۔ ضعف کی یہ حالت تھی کہ مسجد کو لرزتے اور ڈگمگاتے قدموں کے ساتھ جاتے۔ ان کے مورث کی تعمیر کی ہوئی مسجد کے اصل اندرونی حصّے کو ایک محلّہ دار منہدم کرکے چندے سے ازسرِنو تعمیر کرانا چاہتا تھا، انھیں اپنے مورث کی تعمیری یادگار کا بے ضرورت انہدام سخت ناپسند تھا۔ مسجد کی تولیت وراثۃً انھیں سے متعلق تھی انھوں نے سختی سے منع کیا، لیکن باوجود محلّہ داروں کی فہمایش کے وہ شخص اڑ گیا اور بات بڑھ گئی۔ اس شخص نے کہا کہ میں اپنے ہاتھ سے اس کی ڈھوائی شروع کروں گا، مولانا نے اس سے کہلوا دیا کہ فجر اور ظہر کی نماز میں یہیں پڑھتا ہوں۔ اگر میرے پیچھے پھاوڑا چلایا تو جیل کرا دوں گا، میری موجودگی میں ڈھانا، کمزوری کے باوجود میرے ہاتھوں میں اتنی طاقت ہے کہ تیرا جوکے سے سر کچل کے تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔

ریاست کے مقابلے میں ان کی سیاسی جدوجہد پورے اخلاص اور للّٰہیت پر مبنی تھی اور ہر دنیوی معاوضہ سے پاک تھی۔ سیاسی پنشنوں کا وقت آیا تو باوجود یو۔پی کے بعض وزرا کے اصرار کے انھوں نے اپنی سیاسی خدمات کا معاوضہ لینے سے انکار کر دیا۔ ان کی زندگی نہایت تنگ و ترش تھی اور ہم لوگ چاہتے تھے کہ وہ پنشن قبول کرلیں اپنے لیے نہ سہی متعلقین کے لیے ہی سہی۔ مجھے تو جراءت نہ تھی کہ ان کی رائے کو بدلنے کی کوشش کرتا، میں نے مرحوم عرشی صاحب سے کہا کہ وہ بھائی صاحب مرحوم کو آمادہ کریں۔ بھائی صاحب مرحوم ان کا لحاظ بھی کرتے تھے اور صائب الرائے بھی سمجھتے تھے۔ چنانچہ مرحوم نے اکر بوجہِ معقول ان کو آمادہ کرنے کی کوشش کی تو انھوں نے آب دیدہ ہو کر کہا "عرشی صاحب! میں نے جو کچھ کیا تھا وہ اللہ کا کام سمجھ کر کیا تھا اور اب مجھے شک ہے کہ کہیں میری جدوجہد میری بھول اور اللہ کے نزدیک قابلِ گرفت نہ ہو، چنانچہ میں برابر دعا کرتا ہوں کہ اگر یہ جدوجہد خطا ہو تو معاف فرمائے، اور اگر یہ عمل صحیح تھا تو اس کا اجر تو دے، میں نے تیرے لیے کیا تھا، اس کا معاوضہ بھی تجھ سے چاہتا ہوں۔" ان کے جواب کا انداز اتنا پُرتاثیر تھا کہ عرشی صاحب کی بھی آنکھیں بھر گئیں، اور وہ خاموش ہو گئے۔ یہ ان کی بےغرضی اور خلوص پسندی تھی کہ باوجودیکہ وہ رامپور کی سیاست کے باوا آدم تھے، اور ۴۳-۱۹۴۲ء سے قائدانہ حیثیت میں شامل تھے۔ دوستوں اور ساتھیوں کے اصرار پر بھی سیاست سے کنارہ کش ہو گئے اور خانہ نشین اختیار کرلی، جب انھوں نے محسوس کرلیا کہ اب سیاست کاری مفاد پسندی بن چکی ہے خلوص اور خدمت کا جذبہ اس سے نکل چکا ہے۔

ان کی قناعت پسندی کے اظہار کے لیے یہ کہنا کافی ہے کہ "جامعۃ المعارف" جس کے وہ بانی تھے اور تدریسی خدمات کے علاوہ اس کا اہتمام، انتظام اور حساب کتاب تنہا ان سے متعلق تھا، تدریسی خدمات وہ بلامعاوضہ انجام دیتے تھے، لیکن اہتمام کا معاوضہ مبلغ پچیس روپیہ ماہانہ لیتے تھے اور بیسویں صدی کے آٹھویں دہے تک جبکہ ضروریاتِ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زندگی کی گرانیاں آسمان سے باتیں کرنے لگی تھیں، وہ برابر ان پچیس روپے میں ہی اپنے اہل وعیال کا خرچ چلاتے تھے۔ اور خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کس طرح؟ اور نہایت خوش وخرم رہتے تھے اور طرفہ یہ کہ حتی الامکان دوسروں کی مالی مدد بھی کرتے تھے۔ کبھی کسی نے ان سے انکی اپنی تنگ دستی کا گلہ نہیں سنا۔ ہمیشہ یہی کہا کہ بڑے مزے میں گذر رہی ہے، اللہ کا شکر ہے جبکہ نہ ان کا کوئی صندوق تھا، نہ بستر نہ پلنگ۔ جاڑوں کا لحاف اور خود گرمیوں میں ایک چادر میں لپیٹ کر گاؤ تکیہ بن جاتا۔ کپڑے میری ایک میز پر رکھے رہتے۔ ایک کہنہ اور شکستہ مکان ورثے میں ملا تھا جس میں سکونت تھی، اسی میں باوجود بشدت منع کرنے کے میں نے ان کے لیے جبکہ اصل مکان ناقابل سکونت ہو گیا تھا، ایک کمرہ تعمیر کرا دیا تھا اور وہی ان کا اور ان کی بیگم کا مسکن تھا۔ رحلت پر اس موروثی مکان اور بستر و پوشش کے علاوہ ان کا کچھ نہ تھا۔ بیگم کی خورد ونوش اور گذارہ خدا کے سپرد تھا۔ چنانچہ مدرسے کی انتظامیہ نے مولانا کے حقوق کا لحاظ کر کے بیگم کیلئے پچاس روپیکا وظیفہ مقرر کر دیا اور کچھ دوسرے ذرائع پیدا ہو گئے جن سے گذر اوقات ہو رہی ہے۔

مولانا مذہبی فرائض، سنن ونوافل کی سختی سے اور آخر عمر میں بمشقت پابندی کرتے تھے، مرنے سے دس پندرہ دن پہلے تک پنج وقتہ مسجد میں ڈگمگاتے قدموں سے دیوار سے لگے ہوئے کھڑے ہو کر باجماعت نماز پڑھی۔ تہجد، اشراق اور اوابین کا التزام تھا، آخری رمضان تک کھڑے ہو کر ہی تراویح میں قرآن سنا۔ فرماتے تھے کہ ان پر نماز کی قضا ہے نہ روزے کی۔ شاید عالم بیہوشی میں رحلت کے دن فجر کی نماز رہ گئی۔ جیل خانے میں ایک سال اعتکاف نہیں ہوا تھا جس کو انھوں نے بعد کو قضا کر لیا۔ زکوٰۃ ان پر کبھی واجب نہیں ہوئی۔ تحصیل بلاس پور کے موضع اہرو میں ایک صاحب نے کچھ اراضی ان کے نام کر دی تھی جس کو انھوں نے باصرار قبول کیا تھا، اسی کو فروخت کر کے چپ چپانے حج کیا۔ جو روپیہ بچا اسے اپنوں اور ریغروں میں تقسیم کر دیا۔ غالباً ۴۶-۱۹۴۵ء میں شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، اور ان کے خلیفہ مجاز تھے، لیکن کسی کو غالباً مرید نہیں کیا۔ سلسلے کے معمولات، وظائف، اوراد، اوراذکار وغیرہ معمول تھے۔ "حصن حصین" کی تلخیص کہف میں کے منازل عام معمولات کے علاوہ تھے جس کی اجازت انھیں پہلے سے حاصل تھی۔

مولانا کے اسلاف رُدہ یا باغستانی یوسف زئیوں کے مخصوص علاقے کے رہنے والے تھے، امان زئی قبیلہ تھا۔ اٹھارہویں صدی ہندستان کی پرآشوب صدی تھی۔ مرکزی مغل حکومت کمزور ہو چکی تھی، طوائف الملوکی کا غلبہ تھا۔ ہر باہمت حوصلہ مند جو اپنے گرد جمعیت فراہم کر سکتا تھا، اپنی حکومت قائم کرنے کے لئے طالع آزمائی کرتا تھا، ان طالع آزماؤں میں سردار داؤد خان بھی تھے جو ہر دوار کے میلے سے گھوڑے خریدتے آئے اور ہندستان کے حالات کا جائزہ لے کر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہیں کے ہو رہے اور افغانستان سے برابر آتے رہنے والے پٹھانوں کی جمعیت اکٹھی کرکے لوٹ مار سے ہندستانی زندگی کی ابتدا کی۔ تاآنکہ ان کے متبنّیٰ نواب علی محمد خاں نے پرانے اور نئے نو وارد پٹھان سرداروں کی جمعیت کی مدد سے اپنی ریاست قائم کر ڈالی۔ علی محمد خاں کے شریک کار ساتھیوں میں (محمد) یوسف خاں امان زئی بھی تھے۔ اس نو قائم روہیلہ ریاست کی پہلی راجدھانی آنسولہ بنا۔ علی محمد خاں کے بعد جب افغان سرداروں میں ملک تقسیم ہوا تو نواب فیض اللہ بن نواب علی محمد خاں کے حصّے میں رامپور کا علاقہ آیا۔ کچھ دنوں شاہ آباد میں رہے اور پھر اس وجہ سے کہ برسات میں یہ علاقہ باقی ریاست سے کٹ جاتا ہے اور گنگا قابل عبور نہیں رہتی۔ مزید براں سب سے بڑی وجہ یہ کہ جنگ کی صورت میں پسپائی کے لئے کوئی محفوظ نہیں ہوتا، گنگا عبور کر کے مصطفیٰ آباد کے نام سے شہر بسایا اور اس کو راجدھانی بنا کر قیام کیا۔ سرداروں نے اپنے اپنے گھیر مسجدیں تعمیر کرا کے آباد کیے۔ وسط شہر میں یوسف خاں نے مسجد تعمیر کرا کر اپنا گھیر آباد کیا جس کے جانب شمال گھیر مردان خاں (جس کا مشرقی حصہ گھیر غلام جیلانی خان بنا) جانب مشرق گھیر بجو خاں اور جنوب و مغرب میں نصر اللہ خاں کا بازار اور ان کے محل اور حرم سرائیں بنیں۔ ان ہی یوسف خاں کی مسجد کی پشت میں مولانا مرحوم تھے۔

حافظ عبد الغفار خاں صاحب مرحوم مولانا کے والد تھے جن کا پیشہ تجارت تھا۔ رامپور کے مشہور محدث مولانا عالم علی صاحب نگینوی کے مرید اور مفتی سعد اللہ صاحب مراد آبادی کے پاس بیٹھنے والوں میں تھے۔ اپنے وقت کے جید حافظ ہونے کے ساتھ علماء کی صحبت کی بنا پر فقہی جزئیات پر اچھی خاصی نظر تھی۔ خطاطی میں رامپور کے مشہور خطاط مولوی الٰہی بخش کے شاگرد تھے۔ شاعری میں جلال سے تلمذ تھا۔ اپنی جوانی میں بہت اچھے پیراک تھے۔ فارسی نصاب کی اعلیٰ کتابوں "پنج رقعہ، مینا بازار، سہ نثر ظہوری" وغیرہ تک تعلیم تھی۔ عربی صرف کی مشہور کتاب "میزان الصرف" مفتی سعد اللہ صاحب مرحوم کے مشہور شاگرد سے شروع کی تھی لیکن چھوٹ گئی اور عربی کی تعلیم آگے نہیں بڑھی، پھر بھی قرآن پر اس کے مطالب کے ساتھ پورا عبور تھا اور صرف علمائے وقت کی صحبت اور ان کے مواعظ میں شرکت سے۔

مولانا عبد الوہاب خاں صاحب اپنے والد کی غالباً تیسری اولاد تھے۔ حافظ عبد الستار خاں صاحب ان کے بعد بنّن بیگم ان سے بڑے بھائی بہن تھے۔ ۹۲-۱۸۹۱ء میں محلہ مسجد چرخ میں پیدا ہوئے اور بچپن وہیں گذرا۔ حافظ عبد اللطیف صاحب سے جو ان کے والد کے بھی استاذ تھے اور شیخ چیر گنبد کی مسجد پر رہتے تھے، ناظرہ قرآن پڑھا۔ اردو فارسی، حساب وغیرہ کی مکتبی تعلیم کس سے پائی یہ نہیں معلوم ہو سکا۔ رامپور میں مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کے مرید مولوی گلاب خاں صاحب کا محلّے میں ہی قیام تھا، والد نے عربی پڑھنے کے لیے انھیں کے حوالے کیا چنانچہ ان سے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہی عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ رامپور میں مولانا فضل حق رامپوری جو مولانا لطف اللہ علی گڑھی تلمیذ مفتی عنایت احمد استاذ مدرسہ عالیہ رام پور اور شمس العلماء مولانا ہدایت علی بریلوی پرنسپل مدرسہ عالیہ رامپور شاگرد مولانا فضل الحق خیرآبادی پرنسپل مدرسہ عالیہ رامپور کے نہایت نامور شاگرد تھے۔ مولانا فضل حق رامپوری کے تلمیذ خاص مولانا غلام محمد ملتانی پرنسپل جامعہ عباسیہ بھاولپور کا اس زمانے میں رامپور میں قیام تھا، اور مدرسہ انوار العلوم رام پور میں صدر مدرس تھے اور اپنے خصوصی تلامذہ کو نہ صرف محنت سے پڑھاتے بلکہ ان کے مطالعہ کی نگرانی کرتے اور بالالتزام ان سے عبارت کی تصحیح کراتے پھر پہلے ان سے درس کی تقریر کرا کر خود تقریر کرتے اور ترجمہ کراتے میں تقریر کو ترجمے کے ساتھ حسب ضرورت مربوط کرتے جاتے۔ یہ طریقۂ درس ان کے استاذ علامہ فضل حق رامپوری کا خصوصی طریق درس تھا جو استاذ الہند مولانا لطف اللہ علیگڑھی کے طریقِ درس کا جو ترجمے اور درمیان درمیان میں اس کی تشریح تک محدود تھا اور خیرآبادی درسی طریق کا جو تقریر سے آگے نہیں بڑھتا تھا، جامع تھا اور طلبا کے لیے دونوں طریقوں کی نسبت زیادہ مفید تھا۔ مولانا نے درس نظامی کی متوسطات کے لیے انہی کا دامن پکڑا۔ قطب الدین رازی کی شرح "شمسیہ" کا درس تھا۔ حکیم جانی میاں جو حکیم احمد رضا خان لکھنوی جھوائی ٹولے والے کے صاحبزادے تھے، مولانا کے شریک درس تھے، علم کی تصور اور تصدیق کی تقسیم میں قسم سے قسیم وقسیم سے قسم کے لزوم کی تشریح مولانا اپنے مطالعے سے نہیں نکال سکے اور جانی میاں نے تقریر کر دی، مولانا نے اس میں اپنی سبکی محسوس کی اور درس چھوڑ کر گھر سے فرار ہو گئے۔ جون پور میں مولانا ہدایت اللہ خاں رامپوری ثم جونپوری تلمیذ مولانا فضل الحق خیرآبادی کے درس کی بڑی شہرت تھی، مولانا جونپور مولانا ہدایت اللہ خاں کی خدمت میں پہنچے۔ مولانا موصوف نے بڑی شفقت کے ساتھ انھیں مولانا سید سلیمان اشرف صاحب، سابق ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے حوالے کر دیا۔ ہفتے عشرے ہی رہے تھے، گھر پر والد، والدہ اور متعلقین سخت پریشان تھے اور جا بجا تلاش میں آدمی بھیج رہے تھے۔ تلاش کرتے کرتے ان کے بہنوئی محمد حسین خاں صاحب جون پور مولانا ہدایت اللہ خاں صاحب کے پاس پہنچے اور آخر ان کو واپس لانے میں کامیاب ہو گئے، اور رامپور میں مولانا پھر مولانا غلام محمد صاحب کی خدمت میں آ گئے اور درسیات کی تکمیل میں مصروف ہو گئے۔ ابھی درسیات کی تکمیل نہیں ہوئی تھی کہ مولانا غلام محمد صاحب اپنے وطن ملتان کو تشریف لے گئے اور وہیں تدریسی خدمات انجام دینے لگے۔ کچھ دنوں بعد مولانا بھی ملتان پہنچ گئے اور درسیات کی تکمیل شروع کر دی۔ ابھی متوسطات کی اعلیٰ کتابوں کا درس تھا کہ ۱۱-۱۹۱۰ء میں رامپور میں طاعون پھیلا اور اس وبائے عام میں ان کے نہایت شفیق اور محبوب بھائی حافظ عبدالستار خاں صاحب کا انتقال ہو گیا۔ چنانچہ وہ بھائی کے سیوم کو رامپور پہنچے لیکن پھر والد نے انھیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رامپور رہنے پر مجبور کر دیا اور مولانا ۱۹۱۲ء میں مدرسہ عالیہ کے درجہ سوم میں داخل ہو گئے۔ مولانا معز اللہ خاں صاحب مرحوم اس وقت درجہ سوم کے مدرس تھے۔ درجہ سوم کے بعد درجہ دوم میں پہنچے، مولانا احمد امین صاحب اس زمانے میں درجہ دوم کے استاذ تھے اور مولانا فضل حق رامپوری کے ممتاز شاگردوں میں نہایت جامع شخصیت تھے، مولانا کو ان سے زیادہ مناسبت رہی اور بہت جلد ان کے خصوصی حلقہ تلامذہ میں شامل ہو گئے اور مولانا احمد امین صاحب نے گھر پر تہجد کے بعد سے فجر تک کا وقت ان کے لیے مخصوص کر دیا۔ درجہ اول کو مولانا فضل حق رامپوری پرنسپل مدرسہ عالیہ صدر مدرس کی حیثیت سے درس دیتے تھے۔ چنانچہ مولانا ۱۹۱۴ء میں ان کے درس میں شامل ہو گئے اور انھیں کے زیر درس مدرسہ عالیہ سے سند فراغ حاصل کی۔

مدرسہ عالیہ میں حافظ وزیر احمد صاحب جو سید محمد شاہ صاحب محدث رامپوری کے خصوصی شاگرد تھے۔ ادب کا درس دیتے تھے۔ مولانا نے بھی عربی ادب کی کتابیں انھیں سے پڑھیں۔ شمس العلماء مولانا منور العلی صاحب، سید محمد شاہ صاحب محدث کے خصوصی اور نامور شاگرد تھے اور ان کی سفارش پر ہی ان کی جگہ پر بحیثیت محدث ان کا تقرر ہوا تھا۔ درجہ اول کے بعد مولانا نے ان کی خدمت میں صحاح ستہ کی روایت کی قرأت و سماعت کے بعد اجازت حاصل کی۔ صحاح کے علاوہ مسند احمد بن حنبل وغیرہ دوسری کتابوں کی روایت کی بھی مولانا کو ان سے ہی اجازت حاصل ہوئی۔ خصوصی مسلسلات، مسلسل بالمصافحہ، مسلسل بالاسودین، مسلسل بخطبۃ العید وغیرہ کی روایتیں بھی مولانا نے ان سے حاصل کیں۔ مولانا کا ان سے بہت خصوصی تعلق تھا اور ان کے محبوب شاگردوں میں ان کا شمار تھا۔ چنانچہ مولانا نے خصوصی طور پر محلے کی مردان خان کی مسجد میں جلسۂ عام منعقد کر کے ان کی دستار بندی کی تقریب کی تھی۔

مولانا طبابت کو آزاد پیشے کے طور پر اختیار کرنا چاہتے تھے، چنانچہ مدرسہ عالیہ میں تعلیم کے دوران ہی مولانا نے مولانا فضل حق صاحب رامپوری کے بھائی حکیم محمد نبی صاحب سے جو سرکاری کتب خانے میں عربی و فارسی کتابوں کے فہرست نگار اور اپنے وقت کے مشہور عالم تھے اور گھر پر مطب کے علاوہ طب کا خصوصی درس بھی دیتے تھے، شاگردی اختیار کی اور طب کی بعض کتابیں ان سے اور اپنے شفیق استاذ مولانا منور علی صاحب سے پڑھیں۔ الہ آباد میں وہاں کے مشہور طبیب حکیم احمد صاحب کے مطب میں نسخہ نویسی کی مشق بھی کی لیکن غالباً اپنی سخت مزاجی کو دیکھتے ہوئے طبابت کو پیشے کے طور پر اختیار نہیں کیا۔

مولانا خلیل اللہ پشاوری رامپور کے مدرسہ انوار العلوم میں جس کو مولوی لطف اللہ صاحب بن مفتی سعد اللہ صاحب نے قائم کیا تھا، مدرس تھے۔ مدرسے کے مہتمم سے اختلاف ہوا، مولانا بعض دوسرے سرحدی استاذوں اور متعلق طلبہ کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساتھ انوار العلوم چھوڑ کر برابر کی مسجد چرخ میں آ بیٹھے اور "مدرسہ مطلع العلوم" کی بنیاد ڈال دی۔ کچھ دنوں یہ مدرسہ چرخ والی مسجد میں رہا، چونکہ اس میں سایہ دار جگہ کی کمی تھی اور مسجد مردان خان میں جنوباً و شمالاً مسجد سے خارج اور اس سے متعلق دو نیم دالان بھی تھے، چنانچہ شہاب الدین خان مردان خیلی کی اجازت سے یہ مدرسہ مردان خان کی مسجد میں آ گیا۔ مولانا خلیل اللہ صاحب کی کوششوں سے مدرسہ نے طلبہ اور اہل رامپور کی نظروں میں اعتبار پیدا کر لیا۔ محلے کی قریشی برادری کے ایک بااثر اور دولتمند تاجر منشی عبداللہ صاحب نے جن کی دلی میں کھالوں کی تجارت تھی، اپنے دلی میں اسی کاروبار سے تعلق رکھنے والے برادران کے تعاون سے مسجد سے ملحق افتادہ ایک وسیع ٹیلے کو خرید کر مدرسے کے لیے مستقل عمارت تعمیر کرادی۔ رامپور کے مذبحہ سے فی راس کچھ پیسے مقرر کرادیے، جو مجموعی طور پر کافی رقم ہو جاتی۔ ساتھ ساتھ دلی کے کاروباری برادران سے زیادہ اور دوسرے اہل خیر سے بھی ماہانہ اور سالانہ امدادیں مقرر کرا لیں۔ اہل شہر کی طرف سے امدادیں پہلے سے ہی تھیں۔ مدرسے کی نئی تعمیر سے ان میں مزید اضافہ ہو گیا اور مدرسہ کثرت طلبا کے لحاظ سے رامپور کے قدیم اور مشہور مدرسے مدرسہ عالیہ سے بھی بڑھ گیا۔ مدرسے کے ایسے طلبہ کے لیے جن کو شہر کی مساجد میں جگہ نہیں ملتی تھی، ان کے قیام کے لیے دارالاقامہ کی ضرورت پڑی تو ضیاء الدین خان صاحب نے اپنی افتادہ اراضی دیدی، اور اس میں سڑک کی جانب دکانیں اور اندر کی جانب طلبہ کیلئے حجرے تعمیر ہو کر ۴۰، ۵۰ طلبہ کے لیے دارالاقامہ بن گیا۔ اساتذہ کی تعداد بھی بڑھ گئی۔ درجہ حفظ و ناظرہ تو پہلے سے تھا، ابتدائی اردو فارسی اور حساب کے درجوں کا مزید اضافہ ہو گیا۔

مولانا عبدالوہاب خان صاحب کا پہلا تقرر اسی مدرسے میں درجہ چہارم کے استاذ کی حیثیت سے ہوا، اور درس نظامی کی متوسطات کی تعلیم ان سے متعلق ہو گئی۔ ظہر کے وقت سے مولانا گھر پر اعلیٰ کتابوں کا درس دیتے تھے خصوصی طلبہ مزید تھے جو ظہر سے شام تک رہتے تھے۔ مولانا نے ۱۹۲۵ء تک اسی مدرسے میں کام کیا۔ ۱۹۲۵ء میں الٰہ آباد چلے گئے اور مدرسہ محمدیہ امدادیہ میں استاذ ہو گئے لیکن وہاں دل نہیں لگا، اور ۲۸-۱۹۲۷ء میں واپس آ گئے۔ انجمن اصلاح قوم پنجابیان کے مکتب میں برادری کے ایک بزرگ حاجی غلام حضرت نے اپنے خصوصی وقف سے عربی کی اعلیٰ کتابوں کے درس کے دو درجے کھولے اور مولانا وہاں چلے گئے۔

تفسیر "تقریب القرآن"

تفسیر "تقریب القرآن" پورے قرآن کی تفسیر ہے، لیکن افسوس کہ پوری طبع نہیں ہو سکی، صرف سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی طباعت ہو سکی، باقی مصنف کے اپنے مخطوطے کی شکل میں محفوظ ہے۔ ۱۹۶۴ء کے اواخر میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ اس کی تبییض سے فارغ ہو چکے تھے، ارادہ یہ تھا کہ تدریجاً اس کو طبع کرائیں لیکن اس ارادے کی تکمیل نہ ہو سکی اور سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ سے آگے کے حصے غیر مطبوعہ رہ گئے۔ مولانا کے پاس خود تو اتنا روپیہ نہ تھا کہ پوری

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تفسیر کی طباعت کے مصارف برداشت کرتے، جتنا حصہ طبع ہوا، اس میں بھی ان کے مخلص احباب کی امداد دین شامل تھیں مولانا کا نہ اپنا کوئی خاص حلقہ تھا، نہ وہ کسی خاص حلقے سے انتساب رکھتے تھے۔ نشر و اشاعت کے فن سے وہ نا آشنا تھے۔ ساتھ ساتھ درس حدیث میں تا دم رحلت مسلسل انہماک پھر مذہبی و تطائف کی ادائی سے غیر معمولی شغف اور آخر عمر میں چیزوں سے بے تعلقی وغیرہ اسباب تھے کہ جتنا حصہ طبع ہوا تھا، اس کے نسخے بھی سو سوا سو سے زائد نہیں نکل سکے۔ اور ملک میں تعارف نہ ہو سکا۔ چنانچہ بقیہ حصص کی طباعت ملتوی کرنی پڑی۔ مطبوعہ حصہ ۲۹ سطری $\frac{22 \times 29}{8}$ سائز پر متوسط قلم سے ۲۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ بالائی صفحے پر ایک کالم میں متن قرآن، دوسرے میں ترجمہ اور ذیل میں تشریح ہے۔

قرآن کا اصل مقصد قرآن کا اصل مقصد نزول لوگوں کو ہمہ جہت خیر و صلاح کی دعوت اور ان بنیادی سچائیوں کی طرف راہ نمائی ہے جن کو ملحوظ رکھنے سے انسانی زندگی، ہم آہنگ اور متوافق فلاح، ہر جہتی اور مثالی سعادات اور حقیقی مطالبات حیات کی تکمیل کی طرف گام زن ہو سکتی ہے۔ قرآن کے اس مقصد تنزیل کا جہاں تک تعلق ہے قرآن کا بیان واضح اور محکم ہے، اس کو نہ تفسیر کی حاجت ہے نہ تاویل کی۔ غرایب کی تشریح اور معانی کی ترجمانی کا تعلق لغت اور زبان کے صحیح علم اور ذوق سے ہے اور زیادہ تر تفسیریں اس کے غرائب کی تشریح اور معانی کی ترجمانی ہے۔

قرآن نے انسانی زندگی کو سدھارنے اور سنوارنے کے لیے جو غیر مبہم ہدایتیں کی ہیں انکی واقعیت کو واضح کرنے کے لیے تاریخ کے مسلّمہ واقعات اور فطرت کے معلومہ مظاہر کو شواہد و دلائل یا عواقب و نتائج کی صورت میں پیش کیا ہے۔ حوادث و واقعات یا ان کی خصوصی توجیہہ میں کہیں کہیں ذاتی علم پر اکتفا کیا ہے اور اس علم کو عربوں کے مروّج طریقے، قسم یا شہادت سے موکد کر کے بیان کیا ہے۔ زبان کی حد تک ان میں کوئی ابہام اور الجھاؤ نہ کبھی تھا اور نہ اب ہے لیکن عہد بہ عہد کے تاریخی معلومات اور دور بہ دور کے طبعی نظریات پھر برابر بڑھتی ہوئی عقل کے معارضات نے بہت سی آیات کو خارجی حقائق باور کرنے میں دشواریاں پیدا کر دی ہیں اور یہی حقیقۃً مشکلات قرآن ہیں جن کو حل کیے بغیر قرآنی صداقت کھل کر سامنے نہیں آتی۔ قرآن کے یہ اشکال برابر گھٹتے بڑھتے رہے ہیں اور ہماری عقلی تفسیروں نے ان مشکلات کو دور کرنے کی پے بہ پے کوششیں کی ہیں۔ اردو میں سرسیدؒ مرحوم کی تفسیر اسی کوشش کا ابتدائی نمونہ ہے جس سے بعد کی اردو تفسیروں نے فائدہ اٹھایا ہے۔ "تقریب القرآن" بھی اسی قسم کی کوششوں کے سلسلے کی ایک کڑی ہے، جس میں قرآن کو موجودہ عقلیت سے قریب کرنے کی کدوکاوش کی گئی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مشکلاتِ قرآنی کے حل کی بنیاد یہ قرآن کا معجزانہ لوچ ہے جس نے اپنے الفاظ اور ترکیبوں کے لغوی مدلولات سے ہر عہد کی عقلیت کا مقابلہ کیا ہے اور اس سے ہم آہنگ ہو کر ابھی تک اپنے اوپر غیر واقعیت کا الزام نہ لگنے دیا ہے۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ آئندہ کے انکشافات اور اکتشافات کے مقابلے میں وہ اپنی یہ واقعیت گنوا بیٹھے گا۔ "تقریب القرآن" نے ان مشکلاتِ قرآنی کو حل کرنے میں اس کے اس لوچ سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے، اور کہیں بھی محاورۂ عرب اور الفاظ و تراکیب کے لغوی مدلولات سے تجاوز نہیں کیا ہے۔ جہاں تک گذشتہ مفسرین کی فہم سے الگ ہونے کا تعلق ہے، حلّ مشکلات کی حد تک ناگزیر تھا ورنہ بالعموم ابن کثیر کی تفسیر ابن کثیرؒ مصنف کے سامنے رہی ہے۔ اردو تفاسیر میں مولانا آزاد مرحوم کے "ترجمان القرآن" کا مطبوعہ حصّہ برابر مطالعے میں رہا اور وہ ان کی نظر کی وسعت اور دقّت کے ہمیشہ قائل رہے۔ مولانا محمد علی لاہوری کا ترجمۂ قرآن "بیان القرآن" بھی ان کے پیش نظر تھا۔ لیکن اس سے زیادہ فائدہ نہیں اٹھایا۔ مولانا اشرف علی تھانوی کا ترجمۂ قرآن آخر تک ان کے سامنے موجود رہا جس سے وہ قرآن کی تلاوت کرتے تھے۔

"تقریب القرآن" کی تفسیری وضاحتوں کے اوپر قرآنی آیات ہیں جو حصص میں تقسیم ہیں اور ان کے مقابل ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ زیادہ سے زیادہ لفظی ہے اور ممکن حد تک یہ کوشش کی گئی ہے کہ قرآنی الفاظ و تراکیب کے احتمالات بر ترجمہ بھی شامل رہے۔ اس کوشش میں ترجمہ کہیں کہیں محاورۂ زبان سے تجاوز بھی کر گیا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ قرآنی الفاظ و تراکیب کا وہ لوچ اور ان کی وسعت جو قرآن کا اپنا خصوصی وصف ہے کسی ترجمے میں ممکن نہیں۔ وہ بہرحال اس کے کسی خاص احتمال کی ہی ترجمانی ہوگی اور بس۔

اب میں تعارف کی حد تک ان کوششوں کے کچھ نمونے پیش کرتا ہوں جو مشکلاتِ قرآن کے حل میں "تقریب القرآن" کے مطبوعہ حصے، سورۂ فاتحہ و سورۂ بقرہ میں کی گئی ہیں۔

قرآن میں بنی اسرائیل کو ذبح بقرہ کا حکم قرآن نے بنی اسرائیل کی عام سیرت سے متعلق جو واقعات بیان کئے ہیں ان میں ذبح بقر کا حکم اور اس حکم کی تعمیل سے بچنے کے لیے سوال پس از سوال اور غیر ضروری تفصیلات کے مطالبوں میں وقت گذار دینے کی عادت کو بیان کیا گیا ہے۔ اس واقعے سے متصل ہی ایک دوسرے پر الزام تراشیوں کے ذریعے اپنے جرائم پر پردہ ڈالنے کی کوشش کا ذکر ہے کہ انھوں نے قتل جیسے سنگین جرم کی سزا سے جانے بوجھے قاتل کو بچانے کے لیے اس کو مشتبہ کرنا چاہا۔ قرآنی اندازِ بیان کے سیاق سے یہ دو الگ الگ اور ایک دوسرے سے غیر متعلق واقعے معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن ہمارے عام مفسرین نے پہلے واقعے، ذبح بقر کو دوسرے واقعے، قتلِ نفس کا جز قرار دے کر ایک واقعہ مانا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قاتل کی خود مقتول سے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نشان دہی کرانے کے لیے ذبح بقرہ کا حکم دیا گیا تھا، تاکہ اس کے کسی پارۂ گوشت سے مقتول پر ضرب لگانے سے مقتول معجزانہ طور پر زندہ ہو کر قاتل کا تعین خود کردے۔ چونکہ بنی اسرائیل کا تعمیلِ حکم میں ٹال مٹول کر کے اس سے بچنا بھی ان کی بدکرداریوں کا بجائے خود مستقل واقعہ ہے، اس لیے اس کو الگ بیان کر دیا گیا ہے اور بعد کے واقعۂ قتل میں پہلے واقعے میں مذکور بقرہ کے لیے ضمیر لا کر اس کو اس واقعے سے جوڑا گیا ہے۔ گویا پہلے واقعے کا دوسرے واقعے سے متعلق ہونے کا عبارت میں واحد قرینہ "بعضہا" کی ضمیر مؤنث رہا ہے۔ رہی معجزانہ صورتِ حال کی دلیل تو وہ "کذالک یحی اللّٰہ الموتیٰ ویریکم آیاتہ" ہے۔

"تقریب القرآن" کا بیان ہے کہ مستقل دو واقعوں کی یاد دہانیوں میں پہلی کو معنوی طور پر دوسری کے جزوں کے درمیان کی کڑی بنا کر ایک تذکیر بنانا، مذاقِ زبان اور خود آیت کے سیاق و سباق کے خلاف ہے۔ پھر ضمیر مؤنث "ہا" سے پہلی مستقل اور منفصل تذکیر کے لفظ "بقرہ" کو مراد لینا خصوصاً جبکہ اسی تذکیر میں درمیان کے جملۂ معترضہ سے پہلے "فیہا" کی ضمیر سے نفس مراد ہے۔ اس طرح معترضہ جملے واللّٰہ مخرج ما کنتم تکتمون کے بعد فاضربوہ' میں (کا) ضمیر مؤنث سے نفس کو مراد لینا سیاق و سباق کے خلاف بے قرینہ انتشارِ ضمائر ہے۔ چنانچہ یہ دو مستقل اور منفصل تذکیریں ہیں۔ "فیہا" اور "بعضہا" کی دونوں مجرور ضمیروں کا مرجع "نفس" ہے۔ "اضربوہ" کی مفعولی مذکر ضمیر سے قاتل (قتل میں مشتبہ بقرینہ فادّارءتم) مراد ہیں۔ کذالک یحی اللّٰہ الموتیٰ میں احیاءِ موتیٰ سے "فی القصاص حیٰوۃ" کی بنا پر مقتول کے خون کا ضائع نہ ہونا مراد ہے۔ "آیات" کے دکھانے سے ما فوق الفطرت نشانیاں دکھانا مقصود نہیں بلکہ مشتبہ قاتلوں میں سے ایک نفسیاتی جھٹکے کے ذریعے حقیقی قاتل کی شناخت میں جو فطری قانون مضمر ہے، اس کا ظہور ہے۔ میں کہتا ہوں کہ لعلکم تعقلون، حقیقت کے تعقل اور عقلی سوجھ بوجھ کی قدرتی توقع، واقعے کے فطری ہونے پر قرینہ ہے۔ ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے:

> "اور وہ جو تم نے (یعنی تمہاری قوم نے) ایک آدمی کو قتل کر ڈالا تھا، پھر تم اس (قتل کے بارے) میں باہم جھگڑنے لگے (اور اس جرم کو ایک دوسرے پر ڈالنا شروع کر دیا) اور اللّٰہ (تعالیٰ) تو وہ (راز) آشکارا کرنے والا ہی تھا جسکو تم چھپانا چاہتے تھے۔ چنانچہ ہم نے حکم دیا تھا کہ اس کو اس کے بعض سے مارو ایسے ہی (تو) اللّٰہ (تعالیٰ) مُردوں کو زندگی بخشتے ہیں اور تمہیں اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھاتے ہیں کہ تم عقل سے کام لو۔" (تقریب القرآن۔ ص ۵۹)

مولانا آزاد مرحوم نے بھی دونوں تذکیروں کو دو مستقل واقعے قرار دیئے ہیں اور "اضربوہ" کی مفعولی ضمیر کو قاتل کی طرف راجع کیا ہے لیکن قاتل سے حقیقی قاتل مراد لیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں "کہ ہم نے حکم دیا اُس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(شخص) پر (جو فی الحقیقت قاتل تھا)۔" لیکن قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ مجرم کو سزا سے بچانے کے لیے ایک دوسرے پر الزام رکھ کر انھوں نے قاتل کو مشتبہ کر دیا تھا اور اس طرح حقیقی قاتل کو عام نظروں سے اوجھل کر دیا تھا۔ اگر حقیقی قاتل پر مقتول کے کسی حصّے سے ضرب لگانے کا حکم دیا گیا تھا تو قاتل یا تو لوگوں کو معلوم تھا اور ان کی نظروں میں متعین تھا تو پھر ان کے جرم یا جرم کو چھپانے کا کیا سوال؟ اور اس کے تعین کے لیے ایک نفسیاتی طریقے کو اختیار کرنے کے کوئی معنی یا پھر اس کی نامزدگی بھی الہامی طور پر ہو چکی تھی اور نفسیاتی طریقہ برت کر الہامی تعین کی خارجی توثیق مقصود تھی، لیکن الہامی تعین کی طرف آیت میں کوئی بعید اشارہ بھی نہیں۔ "تقریب القرآن" نے اس دشواری کی بنا پر مشتبہ قاتل مراد لیا ہے چنانچہ "تقریب القرآن" کا بیان ہے کہ "جس آدمی پر قتل کا گمان ہے (ایک ہو یا چند ہوں)" یعنی جس پر یا جن پر قتل میں ملوث ہونے کا شبہ ہو اور آیت میں "فَادّٰرَءْتُمْ" اور "تَكْتُمُوْنَ" اس کو مشتبہ بنانے کا قرینہ ہے۔

تعلیم سحر اور ہاروت ماروت کا افسانہ

قرآن نے اہل کتاب یا یہودیوں کے عام طور پر رسولوں سے عناد حتیٰ کہ خود اپنی کتاب کے حقیقی نوشتوں کو پس پشت ڈال دینے کو اور ان کے بجائے خرافات پسندیوں کو واضح کرنے کے لیے بیان کیا ہے کہ "ان کے پاس جب بھی خدا کی طرف سے کوئی رسول (خود ان نوشتوں کی) جو ان کے پاس ہیں تصدیق کرتا ہوا آیا ہے تو جن کو اللہ کی کتاب دی گئی تھی ان میں سے ایک حصّے نے اللہ کی کتاب (تک) کو اپنے پس پشت ڈال دیا گویا وہ (اس کی ہدایتوں کو بھی) نہیں جانتے" اس کے بعد ان کی کج فہمی اور کج روی کا تذکرہ کر دیا ہے کہ "وہ (ان باتوں اور عملوں) کے پیچھے پڑ گئے، جن کو (حضرت) سلیمانؑ کی فرمانروائی پر شیاطین گڑھتے ہیں" اور اپنی شیطنیت سے آنحضرت پر سحر اور اعمال سحر حتیٰ کہ تعلیم سحر تک کا اتہام لگاتے ہیں جو درحقیقت کفریہ اعمال ہیں" حالانکہ سلیمانؑ نے کفر (کا ارتکاب) نہیں کیا تھا بلکہ ان ہی شیطانوں نے (ارتکاب) کفر کیا تھا کہ لوگوں کو سحر کی تعلیم دیتے تھے۔"

"وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا" سے "فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا" تک کا عام مفسرین کے قول کے مطابق ترجمہ یہ ہے "بلکہ شیاطین نے کفر کیا کہ لوگوں کو جادو اور وہ (چیزیں) جو بابل میں ہاروت ماروت (نام کے) دو فرشتوں پر نازل کی گئی تھیں، سکھایا کرتے تھے اور (ان کا واقعہ یہ تھا کہ) وہ کسی کو نہیں سکھاتے تھے۔ یہاں تک کہ (یہ) بتا دیں (کہ دیکھو!) ہم تو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی ہوئی) آزمائش ہیں (ہم سے ان باتوں کو سیکھنے کی کوشش کر کے) کفر نہ (اختیار) کرو۔ چنانچہ وہ ان (دونوں فرشتوں) سے سیکھتے تھے الخ" اس تشریح و ترجمہ میں چند دشواریاں ہیں۔ بظاہر ان فرشتوں پر سحر ہی کا نزول ہوا تھا، پھر سحر اور فرشتوں پر نازل شدہ کو دو چیزوں کی حیثیت میں بیان کرنے کی وجہ؟ اگر نازل شدہ اصلاً سحر کی کوئی خاص قسم تھی جس کی تاثیر زوجین میں تفریق تک محدود تھی تو سحر کے اس چھوٹے سے معمولی حصّے کے لیے فرشتوں کو بھیجنا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور ان پر اس کو نازل کرتا، جبکہ سحر کا بڑا اور کثیر التاثیر حصہ شیاطین کو فرشتوں کے واسطے کے بغیر ہی معلوم تھا، تعجب سے خالی نہیں۔ دوسری قابل توجہ بات فرشتوں کو تعلیم کفر کے لیے جو خود بھی کفر ہے بھیجنا اور ان کا اس کفر کو سکھانا چاہے فتنہ کہہ کر اور اس سے باز رہنے کی تلقین کر کے ہی کیوں نہ ہو۔ تیسرے تعلّم کا تعدیہ "من" سے ہے جبکہ اس کا تعدیہ عام طور سے "علی" سے ہے۔ چوتھے ہاروت و ماروت کا اسرائیلی تاریخ سے غیر متعلق ہونا۔ یہ چند سامنے کی دشواریاں ہیں، ان دشواریوں سے بچنے کے لیے "تقریب القرآن" نے جیسا کہ اکابر مفسرین نے اختیار کیا ہے۔ "ما اُنزلَ" کی "ما" کو نافیہ قرار دیا ہے، اور ہاروت ماروت کے ملک اور فرشتہ ہونے کا انکار کر کے ان کو شیاطین میں شامل کیا ہے اور ان کو معلّم سحر قرار دیا ہے اور "لاتکفر" کے کفر سے ان کا یا ان کی تعلیم کا انکار مراد لیا ہے۔ اور "فتنۃ" یا آزمائش قرار دیا ہے کہ یہ لوگوں کی عقل و خرد کی آزمائش ہے کہ وہ ہمیں اور ہماری تعلیم کو قبول کر کے اپنی فلاح و بہبود کی راہ اختیار کرتے ہیں یا رد کر کے ناکامی اور نامرادی کا رستہ لیتے ہیں، چنانچہ متعلقہ آیت کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے :

> "اور انھوں نے تو ان (باتوں) کا اتباع کیا ہے جن کو شیاطین مملکتِ سلیمانؑ سے متعلق بیان کرتے تھے۔ اور سلیمانؑ نے (تو کبھی) کفر نہیں (اختیار) کیا بلکہ کفر تو شیاطین نے کیا؛ وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔ اور بابل میں دونوں فرشتوں پر تو (کچھ) نازل نہیں کیا گیا، (وہ تو) ہاروت ماروت تھے (جو جادو سکھایا کرتے) اور (اپنی تعلیم پر زور دینے کے لئے) کسی کو تعلیم نہیں دیتے تھے یہاں تک کہ (یہ) کہہ دیں کہ ہم آزمائش ہیں (دیکھو!) کفر نہ کرو، چنانچہ (لوگ) ان سے وہ (اعمال سیکھ لیا کرتے تھے جن سے مرد اور بیوی میں جدائی ڈالوا دیں۔ الخ"

یہ ترجمہ اور تشریح اگرچہ اہل تحقیق مفسرین کے مطابق ہے لیکن آیت کی مشکلات اس سے حل نہیں ہوتیں چنانچہ حاشیے میں دوسری طرح بشواہد و وجوہ تشریح کی گئی ہے اور چونکہ اس میں کچھ تفرّدات ہیں اس لیے اصل ترجمے اور تفسیر میں اس کو بیان نہیں کیا۔ اس تشریح کا حاصل یہ ہے کہ اصل مضمون "واتبعوا" سے "الا باذن اللہ" تک ہے، مقصد یہود کی خرافات پسندی اور ان کی بدعقیدتی اور بدعملی کا بیان ہے۔ ان خرافات کا انتساب چونکہ وہ حضرت سلیمانؑ سے کرتے تھے۔ اس لیے حضرت سلیمانؑ کی ان خرافات سے برأت کا اظہار کر دیا۔ "وما انزل علی الملکین" جملہ اعتراضیہ ہے اور ایک پیغمبر حضرت سلیمانؑ کی اظہار برأت کے مناسبت سے درمیان میں فرشتوں کی برأت کا اظہار مطلوب ہے۔

ایران کے مجوسیوں کے واسطے سے ہرتات، مرتات اور ناہیت کا افسانہ عرب میں بھی مشہور ہو گیا تھا اور ہرتات و مرتات فرشتوں کی صورت میں علم سحر اور اس کی تعلیم کے بانی سمجھے جاتے تھے۔ چنانچہ اس روایت نے فرشتوں کے کردار

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر جادو اور جادو کی تعلیم کا داغ لگا دیا تھا۔ قرآن نے فرشتوں کے کردار سے اس دھبے کو دھویا کہ بابل میں ہاروت ماروت نام کے دو فرشتوں پر کوئی جادو ٹلسمی خرافات کبھی نہیں نازل ہوئیں اور نہ وہ کسی کو یہ خرافات سکھاتے کہ انھیں یہ کہنا پڑتا کہ ہم تو آزمائش کے لئے آئے ہیں تم ہم سے یہ سیکھ کر کفر کا ارتکاب نہ کرو۔ حتیٰ کا یہ استعمال عربی میں اجنبی نہیں۔ "ما سرت حتیٰ ادخل البلد" ہماری نحو عربی کی کتابوں میں مثال کے طور پر مذکور ہے۔ اور غالباً حماسی کے اس شعر:

ان امرأ مکرہ نفسی ومنته … من ان افاذ عنها حتیٰ اجاز بها

میں بھی یہی استعمال ہے "فیتعلمون منھما" سے اصل مضمون کی طرف رجوع ہے۔ "منھما" کی من تعدیہ کی نہیں بلکہ تبعیض کی ہے اور "ھما" کا مرجع ملکین نہیں ہے بلکہ "ما تتلوا الشیاطین" ہیں۔ تخت کے نیچے گڑے ہوئے طلاسم و نقوش اور "سحر" یعنی سحری الفاظ ہیں۔ "ما" بہرحال نافیہ اور "لا تکفر" کا کفر، اصطلاحی کفر باللہ ہے۔ تشریح یہ ہوگی:

"(اور یہاں) بابل میں ہاروت و ماروت (نام کے) دو فرشتوں (قدیم ایرانی معتقدات کے مطابق دیوتاؤں) پر کچھ نازل نہیں کیا گیا اور نہ وہ فرشتے کسی کو کچھ سکھایا کرتے تھے کہ کہتے تھے ہم تو آزمائش ہیں اس لیے (ہمارا علم سیکھ کر) کفر کا ارتکاب نہ کرو (ہاں تو) لوگ (ان) دونوں (میں) سے (یعنی ان کی من گھڑت خرافات اور ان کی ساحرانہ تعلیم سے) وہ (طلسم و سحری کلمات) سیکھ لیا کرتے تھے جن سے مرد اور بیوی میں جدائی کرا دیں۔" ص ۲۰

مولانا آزاد مرحوم نے بھی آیت کی مشکلات کو محسوس کر کے "ما" کو نافیہ ہی مراد لیا ہے لیکن "تتلو" کو پڑھنے کے معنی میں لیا ہے۔ اس لیے ان کو فقرا کا تشریحی صورت میں اضافہ کرنا پڑا۔ "وما انزل علی الملکین" بظاہر ان کے نزدیک بھی جملہ معترضہ ہے لیکن اصل مضمون سے اس کی مناسبت واضح نہیں کی ہے بلکہ اس کو اسی طرح چھوڑ کر "وما یعلمان من احد" کو بظاہر سابقہ مضمون کا تتمہ قرار دیا ہے چنانچہ مولانا کا تشریحی جملہ ہے ("... واقعہ یہ ہے کہ بعد فرماتے ہیں۔) وہ جو کچھ بھی کسی کو سکھلاتے تھے تو یہ کہے بغیر نہیں سکھاتے تھے کہ دیکھو! ہمارا وجود تو ایک فتنہ ہے، پھر تم کیوں کفر میں مبتلا ہوتے ہو؟ (یعنی جادوگری کی باتوں کا برا ہونا ایک ایسی مانی ہوئی بات ہے کہ جو لوگ اس کے سکھلانے والے تھے وہ بھی تسلیم کرتے تھے کہ یہ بات خدا پرستی کے خلاف ہے) لیکن اس پر بھی لوگ ان سے ایسے ایسے عمل سیکھتے جن کے ذریعہ شوہر اور بیوی میں جدائی ڈالنا چاہتے۔" ص ۲۰۲

مولانا کے بیان سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ "وہ جو کچھ بھی کسی کو الخ" میں "وہ" سے ہاروت و ماروت مراد ہیں یا مذکورۂ سابق شیاطین جو تعلیم سحر دیا کرتے تھے۔ ہاروت ماروت مراد لینے سے "ما یعلمان من احد"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بصیغۂ تثنیہ صحیح ہے لیکن ترجمے کے ظاہر سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ہاروت و ماروت مراد ہیں نہ ان کے سکھلانے کی بات عبارت میں کہی گئی ہے اور اگر شیاطین بصیغۂ جمع مراد ہیں تو "وما یعلمان" بصیغۂ تثنیہ صحیح نہیں۔

آیت کی مذکورہ ترجمانی سے اس تعبیری دشواری کے باوجود پہلا اور دوسرا اشکال تو حل ہو جاتا ہے لیکن بقیہ دو باقی رہ جاتے ہیں۔ نیز جملۂ معترضہ کی سیاق و سباق سے مناسبت واضح نہیں ہوتی۔ برخلاف ازیں تقریب کے حاشیے میں مذکور تشریح سے یہ سب مشکلات دور ہو جاتی ہیں۔ رہے اس تشریح کے تفردات تو ان کی اس لیے اہمیت نہیں کہ یہ عربی لغت و قواعد کے خلاف نہیں بلکہ ان کو عربیت اور تاریخ کی تائید حاصل ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کا بادشاہ سے مکالمہ اور بادشاہ کا مبہوت رہ جانا ایک باجبروت بادشاہ سے حضرت ابراہیمؑ کا نہایت بے جگری اور نڈری سے تبلیغی مکالمہ جس کو قرآن نے یہ کہکر کہ کیا تمہاری نظر کے سامنے وہ بادشاہ نہیں، اس مکالمے کا منظر پیش کیا ہے۔ اور حق کی دعوت و تبلیغ میں جرأت اور بیباکی کی تاریخی مثال سے اہل دعوت کو جرأت اور بیباکی کی تعلیم دی ہے۔ اس مکالمے کا ایک اشکال بہت قدیم ہے اور اس کے حل کی مختلف تاویلوں سے ہمارے عقلی مذاق رکھنے والے مفسرین نے کوشش کی ہے حتی کہ "الہلال" کے آخری دور میں مولانا آزاد مرحوم نے بھی اسکو حل کیا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ نے اپنے رب اور پروردگار کو اس کے احیاء اور اماتت کی صفت سے ثابت کیا ہے بادشاہ نے معارضے کے طور پر خود اپنے آپ میں احیاء اور اماتت کا وصف ظاہر کر کے حضرت ابراہیم کے دعوے کو مسترد کر دیا حضرت ابراہیم نے اس کے معارضے کی تردید کیے بغیر اللہ کی خصوصیت اور اس کی الوہیت کا ثبوت سورج پر اس کے اقتدار سے پیش کیا کہ خدا تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے اگر تو خدا ہے تو اس کو مغرب سے نکال کے دکھا۔ حضرت ابراہیمؑ کے اس ثبوت نے بادشاہ کو مبہوت اور ہکا بکا کر دیا اور وہ خدا کے اس واضح استدلال کی کسی معارضے وغیرہ سے تردید نہ کر سکا۔ اس پر پُرانا اشکال یہ ہے کہ کسی دلیل سے مقابل کے اعتراض کو رفع کئے بغیر دوسری دلیل سے دعوے کو ثابت کرنے کے معنی اپنی سابقہ دلیل کی خامی اور مقابل کے اعتراض کی صحت تسلیم کر لینا ہے گویا احیاء اور اماتت ربِ ابراہیمؑ کی صفتِ مختصہ نہیں ہے بلکہ بادشاہ بھی اس وصف کا حامل ہے اور اس لیے وہ بھی رب ہے۔ کچھ لوگوں نے اس اشکال کے حل کی یہ تاویل کی ہے کہ یہ ایک دلیل سے اس کی تصحیح کئے بغیر دوسری دلیل کی طرف انتقال نہیں ہے بلکہ شاہی معارضے پر جرح و قدح اور اس کی تردید کر کے اپنے استدلال کو اپنی جگہ قائم اور برقرار ثابت کرنا ہے۔ یعنی حیاۃ و موت پر اقتدار رکھنے کے معنی کون و وجود پر اقتدار رکھنا ہے اور اس اقتدار کا لازمی تقاضا کائنات کے تمام ذرات اور موجودات کے تمام جزئیات پر متصرف ہونا ہے اور چونکہ تجھ کو سورج کے مطلع تک کو بدلنے کی طاقت نہیں لہٰذا حیات و موت پر اقتدار

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رکھنے کا تیرا دعویٰ غلط ہے۔ اماتت واحیا میرے رب کی ہی خصوصیت ہے۔ چنانچہ یہ اس کے معارضے کا ابطال ہے نہ کہ دوسری دلیل سے مدعا کا اثبات۔ اس سے ملتی جلتی اور بھی تاویلیں ہیں جن کو بخوف تطویل میں نظر انداز کرتا ہوں اور صرف مولانا آزاد مرحوم کے حل کی تلخیص پر اکتفا کرتا ہوں جو مولانا مرحوم نے دورِ آخر کے "الہلال" کے کئی شماروں میں بالاقساط پیش کیا ہے۔ وہ شمارے اگرچہ میرے سامنے نہیں ہیں، صرف حافظے کے اعتماد پر اس کو لکھ رہا ہوں۔ مولانا آزاد مرحوم کے عام مفسرین کے حلّوں پر تبصرے اور ان کی اپنی تشریح کا بعض وضاحتوں کے ساتھ حاصل یہ ہے:۔

ایک زمانے میں مسلم عقلیت پر یونانی منطق و فلسفہ اور اصولِ جدل و بحث چھائے ہوئے تھے۔ وہی قضایا اور دلائل معقول سمجھے جاتے تھے جو یونانی اصولِ منطق و جدل پر پورے اترتے۔ قرآن وحیٔ الٰہی تھا اور یونانی اصولِ جدل و بحث گویا خدا کی طرف سے اتاری ہوئی کسوٹی، اس لیے اس کے دعووں اور دلیلوں کا اس کسوٹی پر پورا اترنا ضروری تھا۔ مکالمۂ ابراہیمی ایک طرح کی بحث تھی، ایک دعویٰ تھا، اس پر ایک دلیل تھی جس کی حقیقی صورت کچھ اس طرح تھی: "میرا رب اور پروردگار جس کی الوہیت کی طرف میں دعوت دے رہا ہوں، وہی ہے جو زندگی بخشتا ہے اور زندہ سے زندگی سلب کرتا ہے اور جس کی یہ شان ہو وہی مستحق الوہیت ہے اس لیے میرا رب ہی مستحق الوہیت ہے۔" اس دعوے کی تردید کے لیے دلیل کے کسی مقدّمے کو اگر وہ ثابت شدہ یا مسلّمہ فریق یا بدیہی اور واضح نہیں، تو فریق ثانی، سے اُسے ثابت کرانا یا اس کی وضاحت سے خبردار کرانا ضروری ہے۔ اگر مدعی اس سے عاجز رہ جائے تو اس کی دلیل خام اور دعویٰ بے ثبوت ہونے کی وجہ سے ناقابلِ تسلیم ہے۔ مقابل کے دعوے کو باطل قرار دینے کی دوسری منطقی صورت یہ ہے کہ فریق دوم یہ بتائے کہ دلیل اس لیے غلط ہے کہ دلیل دعوے سے چسپاں نہیں۔ کیونکہ کچھ صورتوں میں دلیل قائم ہے لیکن دعویٰ ان کو شامل نہیں یا دلیل کو تسلیم کرنا ایک ناممکن بات کو ماننا ہے۔ اگر مدعی دلیل کی اس خامی کو دور نہ کرسکے، تو اپنے دعوے کو بھی ثابت نہ کر پائے گا۔ دعوے کو باطل قرار دینے کی تیسری مناظرانہ صورت یہ ہے کہ فریق دوم دعوے کے خلاف قضیے کو با دلیل ثابت کردے۔ ان سب صورتوں میں مدعی کا فریق ثانی کے اعتراضوں کی جوابدہی نہ کرسکنا، اپنی دلیل کی ان خامیوں کو تسلیم کرلینا ہے تاہم اگر وہ دعوے کو صحیح جانتا ہے تو کوئی دوسری دلیل لاسکتا ہے۔ اس اصولِ جدل کے لحاظ سے بادشاہ نے حضرت ابراہیمؑ کے برخلاف اپنی الوہیت دلیل سے ثابت کردی، اب حضرت ابراہیمؑ کے لیے یا اس کی دلیل کی خامیوں کو ظاہر کرکے اپنی دلیل و دعویٰ پر جما رہنا تھا یا اگر وہ اپنے دعوے کو صحیح جانتے تھے تو اپنی اس دلیل کی خامی کو قبول کرکے دوسری دلیل پیش کرتا۔ لیکن اس مکالمے میں حضرت ابراہیمؑ نے دوسری صورت اختیار کی اور پہلے استدلال کو چھوڑ کر سورج پر استدلال سے الوہیت کو ثابت کیا اور بادشاہ ان کی اس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دلیل کی جواب ہی نہیں کر سکا اور شکست کھا گیا۔

ہمارے مفسرین کے لیے یہ بڑا دشوار مرحلہ تھا کہ حضرت ابراہیمؑ باری تعالیٰ کی اس خصوصیت مختصہ سے دست بردار ہو جائیں اور اس میں بادشاہ کو بھی شریک قرار دیدیں چنانچہ انھوں نے مختلف تاویلوں سے اس مشکل مرحلے کو سر کرنے کی کوشش کی۔

مولانا کے نزدیک اس اشکال اور اس کے حل کی ضرورت میں مفسرین کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ انھوں نے اس مکالمے کو جس کا مقصد دعوت و تبلیغ تھی مناظرہ اور مباحثہ سمجھا اور حضرت ابراہیم کو فریق و متخاصم حالانکہ انبیاء کا منصب اس سے کہیں برتر ہے۔ وہ تو قلبی فساد کے معالج اور طبیب ہیں اور لوگ مریض۔ طبیب کی حیثیت میں جب انھوں نے محسوس کیا کہ اس کا ابنی الوہیت کا فاسد عقیدہ ایک بدیہی اور سامنے کی حقیقت پر متنبہ کر دینے سے بھی دور نہیں ہوا اور اس نے نہایت احمقانہ طریقے سے اپنے آپ کو بھی " حیاۃ وموت " پر اقتدار کا حامل سمجھا تو بغیر بحث کے فوراً ایک دوسرا نسخہ حوالے کیا جو کارگر ثابت ہوا۔ طبیب کے نسخے کی تبدیلی کے معنی پہلے نسخے کے غلط ہونے کے نہیں ہوتے بلکہ مریض کا سوءِ مزاج یا شدتِ مرض نسخے کے بدلنے کا باعث ہوتا ہے۔ اب نہ مکالمے میں کوئی اشکال ہے نہ کسی حل کی احتیاج۔

مولانا مرحوم نے مکالمۂ ابراہیمی کے متعلق اپنے اس موقف کو مجملاً " ترجمان القرآن " کے اس عنوان میں بھی دہرایا ہے جو اس مکالمے پر قائم کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

" (۴) ضمناً اس اصل عظیم کی طرف اشارہ کہ دعوت کی راہ تلقین و ہدایت کی راہ ہے، جدل و خصومت کی راہ نہیں ہے۔ داعیِ حق کا یہ طریقہ نہیں ہوتا کہ مخاطب کو الجھا دے، یا کسی خاص دلیل پر اڑ کر اس کا ناطقہ بند کر دے۔ بلکہ وہ چاہتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح اس کے دل میں سچائی اتار دے۔ حضرت ابراہیمؑ کی پہلی بات جب مخاطب کا دماغ ہضم نہ کر سکا تو انھوں نے فوراً دوسری بات پیش کر دی جو اس کی دماغی استعداد کے ٹھیک ٹھیک مطابق تھی، نتیجہ یہ نکلا کہ تیر نشانے پر لگ گیا اور انکار و سرکشی کا دم خم باقی نہ رہا۔" ترجمان القرآن ۲۶۹ ج ۲

بے شبہ اس تشریح سے مکالمے کی مناظرانہ دشواریاں تو ختم ہو گئیں، لیکن مکالمے کی ایک بڑی دشواری اب بھی قائم رہی اور وہ زیادہ گہری ہے۔ ایک ایسا شخص جس کا دماغی ہضم اتنا فاسد ہو چکا ہو کہ وہ فطری اور خلقی حیاۃ وموت کے مقابلے میں مستحق قتل یا مامور بالقتل کے زندہ رکھنے کو اور ناکشتنی کے مار ڈالنے کو الوہی اقتدار ثابت کرنے کے لیے پیش کر سکتا ہے کیا اس سے یہ بعید تھا کہ وہ مشرق سے سورج نکالنے کو اپنا فعل بتاتا اور حضرت ابراہیمؑ سے مطالبہ کرتا کہ وہ اپنے رب سے سورج کو مغرب سے نکلوائے اور اگر وہ ایسا مطالبہ کر دیتا تو حضرت ابراہیمؑ کتنی سخت دشواری میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مبتلا ہو جاتے اور اس مطالبے کے پورا کرانے میں نظام شمسی کو کس شکست وریخت کا سامنا ہوتا۔ چنانچہ اس منزل پر جبکہ بازی اس کے ہاتھ میں تھی "ہکا بکا رہ جانا" اعجاز کا کرشمہ ہو سکتا ہے نہ کہ واقعات کی عام اور معمولی رَو۔ یہ بات بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں کہ پورے قرآن میں یہ لفظ اپنے استقبالی صیغے میں صرف ایک جگہ اور آیا ہے یعنی "لو یعلم الذین کفروا حین لا یکفّون عن وجوھھم النار ولا عن ظھورھم ولا ینصرون ● بل تاتیھم بغتۃً فتبھتھم فلا یستطیعون ردّھا ولا ھُم ینظرون" یہاں حادثے کی عام رَوان کی بہوتیت کو واضح کرنے کے لیے کافی ہے۔ لیکن زیر بحث آیت میں اس کے مبہوت رہ جانے کی کوئی وجہ نہ مولانا نے بتائی ہے اور نہ میرے علم کی حد تک دوسرے مفسرین نے الا یہ کہ بھت کو سادے مغلوب ہونے کے معنیٰ میں لیا جائے اگرچہ یہ قرآن کے دوسرے استعمال کے خلاف ہے۔ پھر لفظ غُلِب کے بجائے اس کے اختیار کی کوئی وجہ نہیں۔ نیز حضرت ابراہیمؑ کا ابتدائے کلام میں بجائے اللہ کے ربّی اور صفاتِ الٰہیہ میں سے احیا اور اماتت کے اختیار کی توجیہ نہیں ہوتی۔

واقعہ یہ ہے کہ بظاہر یہ مکالمہ دعوت وتبلیغ کا تتمہ ہے۔ مقصد چونکہ تبلیغ ودعوت میں جرأت وبیباکی کی تعلیم ہے، اس لیے محض اس حد پر اکتفا کیا گیا اور دعوت وتبلیغ سے متعلق اصل مکالمہ چھوڑ دیا گیا جس پر اتنے ہی واقع سے روشنی پڑ جاتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اس کو لاشریک اور مستحیل الحلول الٰہ کی دعوت دی، ان کی دعوت کا اثر خود اس کی حکومت پر بھی پڑتا تھا۔ اس نے ان کو اس دعوت سے روکنے کی کوشش کی اور ان کو قتل کروا دینے کی دھمکی دی۔ حضرت ابراہیمؑ نے اس کی دھمکی پر توجہ نہ دی بلکہ اس کے جواب میں کہہ دیا کہ میں اپنے ایسے پرورش کرنے والے کو مانتا ہوں کہ زندہ رکھنا اور موت دینا جس کا خصوصی اختیار ہے اور ان پر اسی کا اقتدار ہے۔ اس کی دھمکی سے بے اعتنائی برتنا اور اس کے الوہی مظہر ہونے کا انکار کر کے اپنا تحفظ الٰہ واحد لاشریک کے حوالے سمجھنا ایسے بادشاہ کے لیے جو اپنے آپ کو الوہی مظہر سمجھتا تھا اور اس غیر واقعی عقیدے کی رو سے عالم کا کرتا دھرتا اپنے آپکو جانتا تھا، کتنا سخت گراں اور اشتعال انگیز تھا چنانچہ اس نے حضرت ابراہیمؑ کے جواب کی جو خود بھی دعوت وتبلیغ کا ایک حصہ تھا، "میں زندہ کرتا ہوں اور میں ہی مارتا ہوں" سے تردید کی جو ان کی جان لینے کی براہِ راست دھمکی اور اگر وہ اپنی حرکتوں سے باز آجائیں تو درگذر اور معافی کا وعدہ تھا۔ اس وعید اور وعدے سے اس کی یہ توقع بیجا نہ تھی کہ حضرت ابراہیمؑ اس دعوت وتبلیغ سے باز آجائیں گے۔ لیکن انھوں نے اسے ان سنا کر کے جس جرأت کا مظاہرہ کیا وہ اس کے وہم وگمان سے بھی باہر تھا۔ انھوں نے اس کے مظہر ہونے کا ہی انکار نہیں کیا بلکہ براہ راست اس کے الٰہ پہ بھی ——— حملہ کر دیا کہ یہ میرا خدا ہے جو تیرے دیوتا سورج کو مشرق سے لاتا ہے۔ اگر تجھ میں سکت ہے تو اس کا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ رستہ جو میرے خدا نے مقرر کیا ہے بدل دے اور اسے مغرب سے لا۔ حضرت ابراہیمؑ کا اس کی دھمکی پر اُسے چھوڑ اس کے خدا پر براہ راست حملہ جس کا اس کو وہم وگمان بھی نہ تھا، اس کو حیرت زدہ کرنے کے لیے کافی تھا۔ ساتھ ہی ساتھ انھوں نے وہ رخ اختیار کیا کہ اس حملے سے بچاؤ اس کے لیے ممکن نہ رہا۔ نہ وہ اپنے خدا کے متعلق یہ گستاخی کر سکتا تھا کہ کہہ دے کہ اپنے خدا سے کہو کہ وہ اس کو مغرب سے لائے اور نہ اپنے دیوتا کے بارے میں یہ دعویٰ کر سکتا تھا کہ وہ اس کو مشرق کی طرف سے لاتا ہے چنانچہ وہ مبہوت، ہکا بکا اور منہ تکتا رہ گیا۔ یہ حضرت ابراہیمؑ کی ایمانی جرأت اور بیباکی موعظت کا مثالی واقعہ ہے جس کو اہل دعوت وتبلیغ کی تعلیم کے لیے قرآن نے پیش کیا ہے۔

مکالمۂ ابراہیمی کو مناظرہ قرار نہ دینے میں "تقریب القرآن" نے مولانا آزاد کی ہی پیروی کی ہے لیکن اس طرح کہ "تُربّی" کے اختیار کی طرف اشارہ کر دیا ہے اور بادشاہ کی مبہوتیت اور حیرت زدگی کے ساتھ چپ رہ جانے کی وجہ بھی وضاحت سے ذکر کر دی ہے۔ متعلقہ آیت کا ترجمہ ہے:

> "کیا تم نے اس کو نہیں دیکھا (اور اس کی حالت پر غور نہیں کیا) جس نے ابراہیمؑ سے اس کے پروردگار (کے بارے) میں (محض) اس لیے کہ اللہ (تعالیٰ) نے اس کو بادشاہی دے دی تھی، حجت بازی کی تھی۔ ابراہیمؑ نے جو کہا تھا میرا پروردگار (تو) وہ ہے جو جلایا کرتا ہے اور مارا کرتا ہے (اس نے کہا میں (بھی) زندگی دے دیتا ہوں اور مار ڈالا کرتا ہوں۔ ابراہیمؑ نے کہا اللہ (تعالیٰ) تو سورج کو مشرق (کی طرف) سے لایا کرتا ہے۔ اب (تو) اس کو مغرب (کی طرف) سے لے آ۔ اب تو جو کفر کر رہا تھا، ہکا بکا رہ گیا۔" ص ۱۷۵-۱۷۶

بادشاہ کی حیرت زدگی کے ساتھ خاموش رہ جانے کی تشریح اس طرح کی ہے:

> "اب حضرت ابراہیمؑ کیلئے وہ موقع آگیا تھا کہ اس کی دھمکی کی پرواہ کئے بغیر اپنا رب کی حیات بخشی اور جان ستانی پر اپنے غیر متزلزل ایمان وایقان کا بھرپور مظاہرہ کر دیں، چنانچہ آپ نے فوراً پلٹ کر بادشاہ کی بالادستی اور برتر اقتدار پر آخری ضرب لگا دی اور اس کو شہ سے لگائی جو اس خود سر کے وہم وگمان سے بھی باہر تھا۔ نہایت بے خوفی اور پوری جرأت سے اس نے اور اس کی قوم کے سب سے بڑے دیوتا سورج کو ہی اپنے رب کی بالادستی اور برتر اقتدار کا نشانہ بنا دیا اور کہہ دیا کہ میرے پروردگار کا اقتدار تو یہ ہے وہ تیرے سب سے بڑے دیوتا سورج کو جس کا تو خود بھی مظہر ہے، مشرق سے لایا کرتا ہے، اب ذرا تو اُسے مغرب سے تو لے آ۔ حضرت ابراہیمؑ کی یہ کاری اور حقیقی ضرب اور رب العالمین کے اقتدار کا یہ مخصوص اظہار

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس نامراد خود سر کے لئے خصوصاً موت کی دھمکی کے بعد اچانک اور سراسر ان ہونا اور اچھوتا تھا، وہ بالکل ہکا بکا رہ گیا۔ اس پر حیرانی اور سراسیمگی طاری ہو گئی اور لاجواب ہو گیا۔ وہ نہ اپنے دیوتا سورج کے طلوع و غروب کو اپنے اقتدار کا کرشمہ کہہ سکتا تھا نہ اس سے پیچ پیچ رستہ بدلوانے کی مقدرت رکھتا تھا، اور اس کے بغیر الٰہی اقتدار اور رب ابراہیمؑ کی خدائی کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ نہ وہ اپنے دیوتا کے متعلق یگستاخانہ بات منہ سے نکال سکتا تھا کہ تم اپنے رب سے اس کو مغرب سے طلوع کرادو۔ بس وہ دیکھتا رہ گیا کہ اس کی دھمکی اور بالادستی کے کس طرح پرزے اڑ گئے اور کس طاقت و جرأت سے اس کے احمقانہ جواب کی دھجیاں اڑ گئیں اور غرور و سرکشی کا یہ نشہ کافور ہو گیا اور اپنی دھمکی سے بھرپور بھرے ہوئے جواب کے باوجود وہ حضرت ابراہیمؑ کو اپنے دیوتا پر اتنے بڑے حملے سے نہ روک سکا۔ اللہ تعالیٰ نے طاغوتی غرور کا سر نیچا کر دیا اور اپنے اولوالعزم پیغمبر اور اسی پر بھروسا رکھنے والے نیک بندے کا بول بالا کر دیا۔" ص ۱۷۶-۱۷۷

مشکلات قرآن کے حل سے متعلق "تقریب القرآن" کی کوششوں کا یہ مشتے نمونہ از خروارے ہے، ورنہ اسی سورۂ بقرہ میں دسیوں اشکالوں کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ ہر واقعے اور قضیے کی جو تشریح، توجیہ یا تفصیل کا متقاضی تھا اس کی تشریح، توجیہ اور تفصیل کر دی گئی ہے، مثلاً وجوہ اعجاز قرآن ص ۳۸-۳۹، نسخ شرائع اور تجدید احکام کی حکمت، نسخ کا مفہوم، آیات قرآنی کی منسوخیت اور نامنسوخیت (ص ۷۸-۷۹)، تحویل قبلہ اور اس کی غرض و غایت اس ضمن میں مسلمانوں کے شہداء علی الناس ہونے کے معنی (ص ۹۸-۱۰۶) بنی اسرائیل کے بادشاہی کے لئے طالوت کا انتخاب اور اس انتخاب کی قرآنی توجیہ کی تفصیل (ص ۱۶۵-۱۶۶) "انما البیع مثل الربٰو" کی تردید " واحل اللہ البیع وحرم الربٰو" سے دونوں تفریق کی توضیح غرض یہ کہ آیات کی عام دعوتی اور تبلیغی تشریح کے ساتھ ہر کھٹکتے ہوئے موقع کی توضیح و توجیہ کر دی ہے۔ اور قرآن کو موجودہ عقلیت سے قریب تر کر دیا ہے۔ دیگر مفسرین سے اس میں تفرد بھی ہے اور اشتراک بھی۔ حواشی میں باری تعالیٰ کے وجود پر قرآنی دلائل سے روشنی (ص ۸) نبوت کی توضیح اور نبی کے ذریعۂ علم کی تفصیل، عرب کا اسرائیلی ادب اور قرآن میں مذکور بائبل کے حوالوں کی مطابقت (ص ۱۶۳) وغیرہ مستزاد ہیں۔

●●

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جناب انیس الرحمٰن قاسمی

امارت شرعیہ بہار واڑیسہ

علامہ مفتی محمد شفیع کی تفسیر معارف القرآن کا جائزہ

اس صدی میں جن ہندستانی علمانے قرآن کریم کی تفسیری خدمات انجام دیں ان میں ایک عبقری شخصیت حضرت علامہ مفتی محمد شفیع عثمانی دیوبندی رحمۃ اللہ کی ہے۔ یہ ۱۸۹۷ء میں دیوبند میں پیدا ہوئے تھے۔ اکابر وشیوخ عصر سے دارالعلوم دیوبند میں تعلیم پائی پھر وہیں دارالافتاء میں صدر مفتی کے منصب پر فائز ہوئے اور رفتہ رفتہ کو اپنی تحقیقات سے مالا مال کیا۔ تفسیر ایام شباب سے مطمح نظر تھی۔ اسی زمانہ میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی ہدایت ونگرانی میں قرآن سے مستنبط ہونے والے مسائل واحکام پر ایک جلیل القدر تالیف "احکام القرآن" کا آغاز فرمایا تھا، جو ان کے پاکستان منتقل ہونے کے بعد مکمل ہوئی۔ احکام القرآن پر مکمل تالیف کا کام حضرت تھانوی نے جن تین علما کی ایک مجلس کو سپرد کیا تھا وہ علامہ ظفر احمد عثمانی، مولانا محمد ادریس کاندھلوی اور مفتی محمد شفیع دیوبندی تھے۔ ان کی محنتوں سے احکام القرآن پر یہ عظیم الشان تالیف پانچ ضخیم جلدوں میں مکمل ہوئی۔ جو احکام القرآن جصاص رازی کی طرح بے نظیر ہے۔ مفتی محمد شفیع صاحب نے سورہ شعراء سے والناس تک کی آیات کی تفسیر دو جلدوں میں لکھی ہے جو احکام القرآن کی پانچویں و چھٹی جلد ہے۔ یہ تصنیف عربی زبان میں ہے اور مطبوعہ ہے ساتھ ہی مفتی صاحب کے تفقہ، وسعت نظر اور استنباطات واجتہادات کی آئینہ دار ہے۔ انھوں نے انتہائی تحقیق وتدقیق اور دیدہ ریزی ومحنت سے نقد وعقائد اور تصوف واخلاق نیز معاشرت وتمدن کے مسائل پر قرآنی دلالت واقتضا اور ارشادات سے بحث کی ہے۔ انھوں نے کیسے کیسے مسائل کو لیا ہے اس کا ہلکا نقشہ سورہ نمل کی آیت ۲۹، ۳۰ کے تحت حضرت سلیمان علیہ السلام کے مکتوب بنام بلقیس کے ذیل میں بیان کردہ مسائل کے عنوانات ذکر کر دینے سے سامنے آجائے گا۔ ان دو آیتوں کے ذیل میں انھوں نے آٹھ عنوانات قائم کیے ہیں وہ یہ کہ حضرت سلیمان کا خط کس زبان میں تھا؟ خطوط نویسی کے آداب کیا ہیں؟ خط لکھنے والا اپنا نام پہلے لکھے پھر مکتوب الیہ کا نام لکھے۔ خط کا جواب دینا واجب ہے یا سنت؟ خطوط میں بسم اللہ لکھنا۔ ایسی تحریر جس میں قرآنی آیت لکھی ہوئی ہو کافر ومشرک کے حوالہ کرنا۔ خط مختصر وجامع لکھنا۔ اور اس پر مہر لگانا یا لفافہ میں رکھنا۔ اس طرح کے عنوانات کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذیل میں مراسلت کے تمام مسائل اس آیت سے مستنبط کر کے انھوں نے تحریر فرمائے ہیں۔

احکام القرآن کے علاوہ انھوں نے "آیت خاتم النبیین" پر عربی میں ایک مبسوط کتاب "ہدیۃ المہدیین فی آیت خاتم النبیین" کے نام سے لکھی ہے۔ اس تفسیری کتاب کی جلالت شان کا اندازہ علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے دیباچہ سے ہوتا ہے جسے انھوں نے اس پر لکھا ہے۔ اس کا ایک ٹکڑا یہ ہے۔

وھاکی رسالۃ تفسیریۃ حدیثیۃ کلامیۃ فقھیۃ وبعد ذلک کلہ ادبیۃ یسری الفاظھا سریان الروح فی البدن ویقع فی قلب المومن کحلاوۃ الایمان ویجری فی العروق کمجری اللبن (ص ۱۱۶)

یعنی یہ رسالہ تفسیری حدیثی کلامی اور فقہی ہے مزید برآں یہ ادبی ہے۔ اس کے الفاظ دل و دماغ میں ایسے سرایت کرتے ہیں جیسے بدن میں روح اور قلب مومن میں اس کا مزہ حلاوت ایمانی کی طرح محسوس ہوتا ہے۔ اور اس کے اثرات رگوں میں خالص دودھ کی طرح دوڑنے لگتے ہیں۔

مفتی صاحب نے کئی اور رسالے عربی زبان میں مختلف قرآنی آیات پر مستقلاً تحریر فرمائے جو احکام القرآن کا جزبن کر شائع ہوئے ہیں۔ اردو میں انھوں نے دو رسالے "تحذیر الامام عن تغیر رسم الخط من مصحف الامام" اور "صیانۃ القرآن عن تغیر الرسم واللسان" تحریر کیا ہے۔ جو جواہر الفقہ جلد دوم میں شامل ہے۔ پہلے رسالہ میں مصحف عثمانی کے رسم الخط اور اس کی اتباع اور کسی دوسرے رسم الخط میں قرآن لکھنے سے متعلق جواز و عدم جواز پر بحث کی ہے۔ اور دوسرے رسالہ میں ترجمہ قرآن اور عربی متن کے بغیر اس کی اشاعت کے موضوع پر ایک اور رسالہ حرف ضاد کے مخرج سے متعلق ہے۔

احکام القرآن اور دیگر عربی اور قرآنی رسائل و کتب کے علاوہ اردو میں جو عظیم خدمت تفسیر قرآن کی انھوں نے کی ہے اور جو ان کے آخری دور کی تالیف ہے، اور جس میں گذشتہ ان تمام کتابوں اور ان کے علوم و معارف کا جوہر و نچوڑ سمٹ کر آگیا ہے۔ وہ "معارف القرآن" ہے جو آٹھ ضخیم جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ یہ تفسیر کئی مرحلوں سے گذری ہے پہلا مرحلہ اس کا ریڈیو پاکستان کا نشری دور تھا۔ جو ۱۹۵۴ء سے شروع ہوا تھا اور ۶۴ء میں ختم ہوا تھا۔ تقریباً دس برسوں تک "معارف القرآن" کے نام سے مفتی صاحب کی یہ تفسیر ہر جمعہ کو خاص خاص آیات سے متعلق نشر ہوتی رہی۔ یہ نشری تفسیر اس قدر مقبول ہوئی کہ لوگوں نے اس کے کیسٹ رکھے اور ۶۴ء میں جب بند ہوئی تو اسے کتابی صورت میں مکمل کرنے کا تقاضا کیا۔ اس نشری سلسلہ میں صرف سورہ ابراہیم تک کی آیات کی تفسیر ہو سکی تھی۔ وہ بھی کل آیات کی نہیں تھی۔ ۶۴ء کے بعد مفتی صاحب نے اس پر نظر ثانی و تکمیل کا کام شروع کیا جو آئندہ نو برسوں کی مدت میں مکمل ہو کر ان کی حیات میں ہی شائع ہوئی۔ ۱۹۷۶ء میں مفتی صاحب کی وفات ہوئی تھی۔

"معارف القرآن" میں مفتی صاحب نے خود سے کوئی ترجمہ نہیں کیا ہے۔ بلکہ حضرت مولانا محمود الحسن

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شیخ الہند کا ترجمہ دیا ہے۔ دیباچہ میں انھوں نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ قرآن مجید کا ترجمہ تفسیر سے زیادہ اہم اور احتیاط کی چیز ہے، اور چونکہ سلف کا ترجمۂ قرآن موجود ہے اس لیے اس کی ضرورت نہیں سمجھی کہ کوئی نیا ترجمہ کیا جائے۔ بلکہ ترجمہ کی عظمت کے پیش نظر اس کی ہمت بھی نہیں کی۔ ترجمہ کے بعض مسائل پر انھوں نے معارف القرآن کی جلد اوّل میں سورہ بقرہ کی آیت ۱۲۹ کے ذیل میں اور اپنے فقہی رسالہ 'صیانۃ القرآن عن تغیر الرسم واللسان' میں بحث کی ہے۔

جہاں تک بات اردو میں قرآن کے ترجمہ کی دشواری کی ہے تو یہ علماء کرام کو معلوم ہے کہ عربی اور اردو میں عرفی نحوی اور انشائی و اسلوبی اعتبار سے، نیز زبان کے ارتقاء اور وسعت کے لحاظ سے مشرق و مغرب کا فرق ہے۔ ترجمۂ کلام کی حکایت ہوتا ہے اور عربی زبان کا حال یہ ہے کہ اس کے الفاظ جہاں متجانس ہوتے ہیں وہیں بہت سے الفاظ متضاد معانی میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔ پھر عربی زبان میں انتشار ضمائر اتنے ہوتے ہیں کہ ترجمہ میں اصل مراد کی رعایت کے ساتھ فصاحت و بلاغت کو باقی رکھنا انتہائی دشوار ہوتا ہے۔ پھر ان سب لغوی امور کے ساتھ صورت حال یہ ہے کہ قرآن ایک لاثانی و منزل من اللہ کلام ہے۔ ترجمہ میں اس کی خطابت و روانی، اور اثر انگیزی کو باقی رکھنا ممکن نہیں۔ اردو زبان کی تنگ دامنی اور عربی کی وسعت مترجم کو قدم قدم پر اپنی بے بسی کا احساس دلاتی ہے۔ ترجمہ کی انہی دشواریوں نے اکثر اردو مفسرین کے تراجم کو مقبولیت عطا کرنے سے باز رکھا، اور ہر مفسر نے اپنے پیش رو کے ترجمہ کی خامیوں کا احساس کر کے نئے ترجمہ سے اس کو دور کرنے کی کوشش کی۔ 'معارف القرآن' میں مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے جو ترجمہ اختیار کیا وہ اردو تراجم کا سرتاج کہلانے کا مستحق ہے۔ اس ترجمہ پر اپنے وقت کے دو جلیل القدر مفسرین کی محنت صرف ہوئی ہے۔ سب سے پہلے اس ترجمہ کو حضرت شاہ ولی اللہ کے فرزند جلیل مفسر قرآن حضرت مولانا شاہ عبدالقادر دہلوی نے ۱۷۹۰ء میں مکمل کیا تھا۔ پھر اس پر سو اسو سال گذرنے کے بعد حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمہ اللہ نے اس بیسویں صدی کے دوسرے عشرہ میں نظر ثانی کیا۔ اور اردو زبان کی اس صد سالہ ارتقاء نے جن الفاظ کو متروک کر دیا تھا نظر ثانی میں انھوں نے نئے الفاظ کو ان کی جگہ رکھا۔ اور زبان میں بھی معمولی تغیر کیا۔ اس ترجمہ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے آسان انداز و اختصار الفاظ کے ساتھ الفاظ قرآنی کی ترتیب کے مطابق ہے اور معنی مرادی کو پورے طور پر واضح کرتا ہے۔ اس میں رعایت لفظی کے ساتھ محاورہ کا بھی استعمال ہوا ہے اور وہ غلطیوں سے پاک ہے۔

ترجمہ کے بعد انھوں نے تفسیر میں سب سے پہلے حل لغات کو اہمیت دی ہے لیکن لغات کی تحقیق میں انھوں نے اختصار اور خاص لغات کے معانی کو ملحوظ رکھا ہے۔ تحقیق کا وہ تفصیلی طریقہ اختیار نہیں کیا ہے جس میں پڑ کر عام قاری گرانی محسوس کرے اور تفسیر کو مشکل فن سمجھ کر مطالب قرآن سے دور ہو جائے۔ اسی طرح انھوں نے نحوی ترکیب، فن بلاغت کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نکات ۔ اور اختلافِ قرآت کی بحثوں سے بھی صرفِ نظر کیا ہے اگرچہ یہ امور اہلِ علم کیلیے فہمِ قرآن میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں ۔

متن قرآن اور ترجمہ کے بعد حل لغات کے ساتھ خلاصہ تفسیر انھوں نے آسان لفظوں میں اس طرح لکھا ہے کہ ترجمہ کے ساتھ تفسیر چند جملوں کے اضافہ کے ساتھ آگئی ہے ۔ یہ طریقہ اور تفسیر انھوں نے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ کی تفسیر بیان القرآن سے لیا ہے ۔ بلکہ بیان القرآن کو آسان کر کے پیش کر دیا ہے ۔ حضرت تھانوی نے بیان القرآن اس انداز سے لکھا ہے کہ متن قرآن کے بعد ترجمہ میں قوسین کے درمیان چند الفاظ اور جملوں کے اضافہ سے تفسیر ہو گئی ہے ۔ مفتی شفیع صاحب نے بیان القرآن کو خلاصہ تفسیر میں اس طرح اختیار کیا ہے کہ کہیں سے عام قاری کو اندازہ نہیں ہوتا ہے کہ انھوں نے کسی دوسری جگہ سے اخذ کیا ہے ۔ اردو تفاسیر میں بیان القرآن اپنے اختصار کے باوجود اہل علم کے درمیان اشرف التفاسیر کہلاتا ہے ۔ لیکن اپنے مشکل الفاظ اور علمی اصطلاحات کی وجہ سے خاص قارئین تک محدود ہو گیا ہے ۔ ۱۹۵۲ء میں حضرت علامہ سید سلیمان ندوی نے اس کی تسہیل کا ارادہ فرمایا تھا مگر وہ عملی جامہ نہ پہنا سکے ۔ بالآخر مفتی محمد شفیع صاحب نے معارف القرآن میں تسہیل کر کے اس کو دوام عطا فرمایا ۔ ان کے اس طریقہ کی وجہ سے معارف القرآن میں ایک اور ترجمہ شامل ہو گیا یعنی متن کے ساتھ تو ترجمہ شیخ الہند تھا ۔ اور خلاصہ تفسیر میں ترجمہ تھانوی آگیا ۔ اس خلاصہ تفسیر کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ قرآن پڑھنے والا جب ترجمہ کے ساتھ الفاظ قرآن پڑھ لیتا ہے تو اس کے بعد خلاصہ تفسیر میں آیات کا سیدھا مطلب اس کے ذہن میں آجاتا ہے ۔ اور وہ اردو کے عام مفسرین کی طویل بحثوں میں الجھے بغیر آیات کے معانی تک رسائی حاصل کر لیتا ہے ۔ اس طریقہ تفہیم میں انھوں نے صحابہ و تابعین کے اس تفسیری منہج کو اختیار کیا ہے ۔ جس میں وہ آیات کی تشریح ایک دو جملوں کے اضافے سے کر دیتے تھے ۔ اور قاری دقیق مباحث میں الجھے بغیر آیت کی روح تک رسائی حاصل کر کے ربانی کلام سے ایمان کو تازہ کرتا تھا اور عمل کو اہمیت دیتا تھا ۔

اس طریقہ تفسیر کے بعد انھوں نے معارف و مسائل کے عنوان کے تحت ان بحثوں کو آسان جملوں میں لکھا ہے جو اس آیت کے ذیل میں آتی ہیں ، اور عصر حاضر میں ان کی ضرورت ہے ۔ لیکن وہ ہر آیت کے ذیل میں یہ عنوان نہیں قائم کرتے ہیں ۔ بلکہ چند آیات کے مسائل و معارف کو ایک ساتھ لیتے ہیں ۔ مثال کے طور پر سورہ فاتحہ کا ترجمہ و خلاصہ تفسیر دینے کے بعد پوری سورہ کے لیے معارف و مسائل کا عنوان قائم کرتے ہیں اور یکے بعد دیگرے ذیلی عناوین کے تحت حمد ، رب ، مالک ، روز جزا کی حقیقت ، نقلی و عقلی استدلال ، عبادت ، استعانت ، ہدایت ، صراط مستقیم ، کتاب اللہ ، رجال اللہ وغیرہ مسائل پر گفتگو کی ہے اور اس ذیل میں آنے والے بعض عصری مسائل

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جیسے فرقہ وارانہ اختلافات وغیرہ کو بیان کیا ہے۔

انھوں نے معارف و مسائل کے عنوان کے تحت چند خاص امور کا التزام کیا ہے۔ پہلی جلد میں تو انھوں نے ربط آیات کو لیا ہے۔ چونکہ اپنے معانی کے اعتبار سے قرآن ایک منظم و مربوط کتاب ہے اس لیے انھوں نے ربط آیات کو ہر جگہ ظاہر کیا ہے۔ اسی طرح انھوں نے آیات کے معانی کے ذیل میں آنے والی احادیث کو بھی ہر جگہ ذکر کیا ہے۔ تفسیر قرآن کے بارے میں ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ قرآن کا صحیح علم تعلیم رسول ہی کے ذریعہ ہو سکتا ہے۔ وہ سورہ بقرہ کی آیت ۱۲۹ کے تحت "معارف و مسائل" عنوان کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ:

"تلاوت آیات کا سن لینا فہم قرآن کے لیے عربی زبان جاننے والوں کے واسطے بھی کافی نہیں بلکہ تعلیم رسول ہی کے ذریعہ قرآنی تعلیم کا صحیح علم حاصل ہو سکتا ہے۔ قرآن کو تعلیمات رسول ؐ سے جدا کر کے خود سمجھنے کی فکر خود فریبی کے سوا کچھ نہیں۔۔ آگے چند سطور کے بعد لکھتے ہیں۔ قرآن کریم میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجنے کا مقصد یہ قرار دیا کہ وہ قرآن کریم کے معانی و احکام کی شرح کر کے بیان فرمائیں ارشاد ہے۔

لتبین للناس ما نزّل الیھم (القرآن) (معارف القرآن جلد اول ص ۵-۳)

قرآن کی تفسیر میں ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کسی فرد بشر کے دائرہ اختیار میں ہے کہ وہ ہر آیت و لفظ کا مرادی معنی و مطلب سمجھ سکے؟ یا کسی مفسر نے کسی بھی آیت کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس نے خدا کے منشا کو من وعن اسی طرح سمجھ لیا ہے جس طرح خدا اسے سمجھانا چاہتا ہے۔ ہندوستان کے بعض اہل علم نے اس قسم کی تشکیک پیدا کرنی چاہی ہے کہ کوئی شخص منشا خداوندی کو من وعن سمجھنے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ مفتی محمد شفیع صاحب نے سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۷ کے تحت "آیات محکم و متشابہ" کی تفسیر میں اس مسئلہ پر مختصراً بحث کی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کی کچھ آیات تو ایسی ہیں جن کی مراد سمجھنے میں کوئی اشتباہ و التباس ایسے شخص کو پیش نہیں آتا ہے جو قواعد عربیہ کو اچھی طرح جانتا ہو۔ اور اصول شرع سے واقف ہو۔ ایسی آیات کے مرادی معنی و منشا خداوندی سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی ہے۔ اور نہ ہی اس تفہیم میں کوئی ریب و شک ہوتا ہے بلکہ ایسی ہی آیات ساری تعلیمات شرع اسلامی کی اساس و اصل الاصول ہوتی ہیں۔ اور انہی آیات کو اللہ نے "آیات محکمات اور ام الکتاب" قرار دیا ہے۔ باقی وہ آیات جو متشابہات کہلاتی ہیں۔ ان میں بعض الفاظ تو ایسے ہیں جن کے معنی کسی کو معلوم نہیں جیسے مقطّعات قرآنیہ اور بعض آیات کو آیات محکمات کی طرف رجوع کرنے سے متکلم کی مراد سمجھ میں آجاتی ہے۔ جیسے قرآن نے حضرت مسیح کو "کلمۃ اللہ" اور "روح منہ" کہا ہے۔ اگر ان آیات سے حضرت مسیح کی ابنیت یا الوہیت کو (نصاریٰ) ثابت کرنا چاہیں تو درست نہیں ہوگا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس لیے کہ ان آیات کو جب آیات محکمات جیسے آیت "إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ" اور "إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ" کی طرف راجع کیا جاتا ہے تو ان کا مطلب صاف ہو کر سامنے آجاتا ہے کہ حضرت مسیح اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے اور اس کی مخلوق ہیں۔ مفتی صاحب تحریر کرتے ہیں کہ متشابہات کی صحیح مراد صرف اللہ ہی کو معلوم ہے وہی اپنے کرم و احسان سے جس کو جس قدر حصہ پر آگاہ کرنا چاہتا ہے کر دیتا ہے۔ لہٰذا ایسے متشابہات سے اپنی رائے کے مطابق کھینچ تان کر کوئی معنی نکالنا صحیح نہیں ہے۔ وہ آگے تفسیر مظہری کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ محکمات کے معانی ہمارے لیے معلوم کرنے مفید اور ضروری تھے تو اللہ تعالیٰ نے وہ پوشیدہ نہیں رکھے اور دوسری قسم یعنی متشابہات کے معانی اللہ تعالیٰ نے اپنی مصلحت سے بیان نہیں فرمائے۔ لہٰذا ان کا معلوم کرنا بھی ہمارے لیے ضروری نہیں، ایسی آیات پر اجمالاً ایمان لے آنا ہی کافی ہے۔ (معارف القرآن جلد دوم ص ۲۱-۲۲)

قرآن کریم کی تفسیر کے دو طریقے اختیار کیے گئے ہیں ایک تو جن لوگوں نے آیات کی تفسیر اپنے ذاتی خیالات و مزعومات کے ذریعے کرنی چاہی۔ اور اپنے کسی غلط عقیدے و نظریے کو قرآنی آیات سے ثابت کرنے کی ناروا کوشش کی انھوں نے آیات کی تفسیر خالصتاً اپنی عقل و فہم سے آثار و روایات اور اصول شرع کو پس پشت ڈال کر کی۔ ماضی میں ایسی کوششیں مختلف فرقوں نے کی۔ جیسے قرامطہ، باطنیہ، معتزلہ، یا زمانۂ قریب میں سرسید احمد خاں، ڈپٹی نذیر احمد، عبداللہ چکڑالوی و پرویز وغیرہ نے۔ اہل سنت کے بعض ایسے مفسرین نے بھی خاص خاص آیات کی اصول شرع اور آثار و روایات کو چھوڑ کر اپنی عقل و رائے سے ایسی تفسیر بیان کی جو قرآن کی دیگر آیات کے مفاہیم اور حدیث رسول و شرع اسلامی کے مسلم اجماعی اصولوں کے خلاف ہے۔ مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے تاویل و تحریف کا طریقہ اختیار نہیں کیا ہے اور نہ تفسیر بالرائے کے نہج کو اپنایا ہے انھوں نے آیات کی تفسیر میں احادیث رسول، آثار تابعین اور اقوال ائمہ مفسرین ہی کو دلیل راہ بنایا ہے اور اس طرح تفسیر بالماثور کو اختیار کیا ہے۔ لیکن تفسیر کے اس ماثور طریقہ میں انھوں نے متقدمین کے اس نہج کی پیروی نہیں کی ہے جس میں آیات کے ذیل میں آثار نقل کر دیئے جاتے ہیں، اور کبھی کبھی متعارض روایات ضعیف اسناد کے ساتھ پیش ہوتے ہیں۔ بلکہ تفسیر تو انھوں نے راجح روایت کی اساس پر اپنے آسان لفظوں میں کی ہے۔ اور معارف و مسائل کے ذیل میں موقع و محل کی رعایت کے ساتھ آثار و روایات نقل کر دیے ہیں۔ روایات کا عموماً عام اردو قارئین کی رعایت سے ترجمہ دیتے ہیں۔ کہیں اصل عربی الفاظ بھی دیدیتے ہیں۔ اور ہر جگہ مستند کتب حدیث و تفسیر سے حوالہ درج کر دیتے ہیں۔ وہ عام طور پر کتب صحاح کے علاوہ تفسیر ابن کثیر، تفسیر قرطبی، تفسیر بحر محیط، اور تفسیر مظہری سے حوالے نقل کرتے ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اردو میں جو تفسیریں لکھی گئی ہیں ان میں بعض تو حواشی کے طور پر ہیں۔ جیسے شاہ عبدالقادر کی موضح القرآن، علامہ شبیر احمد عثمانی کا حاشیہ، مولانا احمد سعید دہلوی کا حاشیہ اور جو مستقل تفسیری کتاب کے طور پر لکھی گئی ہیں اور کسی درجہ میں متداول ہیں ان میں تفسیر ماجدی، تفسیر مولانا ابوالاعلیٰ مودودی۔ تفسیر مولانا امین احسن اصلاحی وغیرہ ہیں جو حواشی کے طور پر مختصر تفسیریں ہیں وہ بلاشبہ بڑی قابل قدر ہیں۔ لیکن مختصر ہیں۔ ہر دور کے کچھ خاص مسائل ہوتے ہیں جن کو مفسر آیات سے استنباط کر کے بیان کرتا ہے اور وہ ان مختصر تفسیری حواشی میں بیان نہیں ہو سکتے ہیں۔ ان کے علاوہ جو متداول تفسیریں ہیں ان میں بعض کا رنگ تاریخی، جغرافیائی اور سیاسی ہے۔ اور بعض کا نہج جغرافیائی، مذاہب قدیم سے تقابلی، یا موجودہ سائنسی تحقیقات و معاشی انقلابات کی تردید یا تطبیق کا ہے، مفتی محمد شفیع کی تفسیر معارف القرآن کا امتیاز یہ ہے کہ وہ تاریخی، جغرافیائی، سیاسی، سائنسی یا تقابلی مسائل سے بحث نہیں کرتے ہیں۔ بلکہ جس طرح قرآن نے اقوام گذشتہ کی تاریخ، ملکوں کی حالت اور گذشتہ ملتوں کی معاشرت و عقائد کے بیان میں اختصار و تذکیر کے پہلو کو مدنظر رکھا ہے، مفتی صاحب نے بھی ابواب پر اتنا ہی لکھا ہے جس سے مجمل علم کے ساتھ تذکیر و موعظت حاصل ہو سکے۔

اردو مفسرین میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے سوا مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کو تنہا یہ شرف حاصل ہے کہ وہ ایک فقیہ تھے۔ اور دارالعلوم دیوبند جیسے ادارہ کے دار الافتا میں صدر مفتی کے منصب پر فائز ہو کر امت کے مسائل و مشکلات اور ضروریات کو دیکھنے اور ان کا حل پیش کرنے کا موقع ملا تھا۔ بلکہ زندگی بھر ان کا یہ مشغلہ رہا کہ وہ عوام و خواص کے روزمرہ کے مسائل کو ان کی اپنی تحریروں میں پڑھتے اور ان کا جواب لکھتے تھے، اس لیے اخیر عمر میں جب انھوں نے تفسیر لکھی تو اس میں وقت کو پیش آنے والے مسائل کو خصوصیت کے ساتھ مدنظر رکھا، اور آیات کے ذیل میں ان سے بحث کی۔ اسی سے وہ ہر جگہ آیات کی تفسیر میں اس کے نکات و حقائق کے لیے معارف و مسائل کا عنوان لگاتے ہیں بلکہ مختصر لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ توحید، رسالت، انبیاء کے منصب و مقام، معاشرتی مسائل، معاشی و کاروباری معاملات، اخلاقیات، عبادات خمسہ، اسلامی حکومت کے بنیادی امور، امت کے تقوی و اتحاد کے مسائل اور اسلامی حدود جیسے مسائل پر زیادہ بحث کرتے ہیں اردو مفسرین کی صف میں وہ تنہا مفسر ہیں جو جدید فقہی مسائل پر چاہے عبادات سے متعلق ہوں یا معاشرت و معاملات سے یا حکومت و سیاست سے متعلق ہوں۔ وہ ایک مفتی و فقیہ کی طرح دو ٹوک، سادہ و پرمغز استدلالی بحث کرتے ہیں اور اس انداز سے دلائل بوقت ضرورت دیتے ہیں کہ ایک عالم و غیر عالم کسی اکتاہٹ و گرانی کے بغیر مطمئن ہو جائے اسی طرح

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

توحید ورسالت، وحی یا دوسرے عقیدہ وایمان سے متعلق مسائل ہیں یا جدید ملحدین یا مشککین کے اعتراضات کے جواب میں نہ تو انھوں نے معذرت کا لہجہ اختیار کیا ہے اور نہ ان کے پرفریب نظریات سے متاثر ومرعوب ہو کر اسلامی مسائل میں تاویل وترمیم کی روش اختیار کی ہے۔ اس طرح ہم یہ بات معارف القرآن کی خصوصیت میں کہہ سکتے ہیں کہ وہ آسان زبان میں صحیح قرآنی تفسیر ہے۔ اور تفسیری زوائد سے پاک ہے۔ اور عصری مسائل میں کلام اللہ سے بہترین رہنمائی کے باب میں تمام اردو تفسیروں میں بہترین تفسیر ہے۔ محدث العصر مولانا محمد یوسف بنوری اپنی کتاب "یتیمۃ البیان فی شیٔ من علوم القرآن" میں لکھتے ہیں۔

معارف القرآن للاستاذ الکبیر المفتی الاکبر مولانا الشیخ مفتی محمد شفیع الدیوبندی طالت حیاته المبارکة فی مافیة فی ثمانی مجلدات ماخذه بیان القرآن لحکیم الامة الشیخ التھانوی فلخصه فی عبارات واضحة وزاد علیھا مسائل وابحاثا یحتاج الیھا العصر الحاضر ولسنا نحتاج الثناء علی الکتاب فاصبح خیر تفسیر یستفید منه عالم وغیر عالم (یتیمۃ البیان ص ۲۹)

استاذ کبیر مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی (طالت حیاتہ) کی تفسیر معارف القرآن آٹھ جلدوں میں ہے جس کا ماخذ حکیم الامت مولانا تھانوی کی تفسیر بیان القرآن ہے۔ جسے مفتی صاحب نے آسان وواضح عبارت میں تلخیص کی ہے اور ایسے مسائل ومباحث کا اضافہ کر دیا ہے جس کی عصر حاضر کو ضرورت ہے۔ یہ کتاب ہماری تعریف کی محتاج نہیں ہے۔ یہ بہترین تفسیر ہے جس سے عالم وغیر عالم استفادہ کرتے ہیں

●●

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جناب محمد عمیر الصدیق دریابادی ندوی
دار المصنفین اعظم گڑھ

تفسیر ماجدی : ایک جائزہ

تمہید :- مولانا عبدالماجد دریابادی مرحوم (۱۸۹۲ء - ۱۹۷۷ء) کی ذات گوناگوں اور مختلف اوصاف و عناصر سے مرکب تھی۔ فلسفہ، شاعری، تصوف اور صحافت سے ان کی علمی زندگی کے مختلف ادوار کی شناخت ہوتی ہے۔ اصلاً وہ ادیب و انشا پرداز تھے اور اس حد تک کامل تھے کہ نقادوں کی نظر میں وہ ایک صاحب طرز ادیب کہلائے۔ لیکن ان کی علمی زندگی کا سب سے اہم باب قرآنی علوم کی خدمت کا ہے۔

قرآنیات کی خدمت :- قرآنیات میں مولانا کی چند کتابیں بہت اہم ہیں مثلاً :

۱۔ الحیوانات فی القرآن یا حیوانات قرآنی۔ یعنی قرآن مجید میں جن جانوروں کا ذکر آیا ہے، ان کے اسماء و افعال و صفات کا یہ ایک جامع قاموس ہے۔ حروف تہجی کے حساب سے یہ تمام اسماء مذکور ہیں۔

۲۔ "ارض قرآن یا جغرافیہ قرآنی"۔ اس کتاب میں قرآن مجید کے تمام جغرافیائی اسماء، ملک، شہر، پہاڑ اور ان کے متعلقات کا جامع لغت تیار کیا گیا ہے۔

۳۔ "اعلام القرآن یا قرآنی شخصیات"۔ اس میں جن و انس اور فرشتے، ہر قسم کی قرآنی شخصیات کا احاطہ کیا گیا ہے۔

ان کتابوں کے علاوہ مولانا "اعداد قرآنی، نباتات قرآنی اور جمادات قرآنی" پر بھی کتابیں لکھنا چاہتے تھے۔ وقت اور حالات کی وجہ سے یہ مکمل نہ ہو سکیں۔ ان کے علاوہ قرآنیات میں مولانا کی دو اور اہم کتابیں "سیرت نبوی قرآنی" اور "بشریت انبیاء" بھی لائق ذکر ہیں۔

یہ تمام کتابیں دراصل تفسیر ماجدی کی تیاری اور ترتیب کا ثمرہ ہیں۔

ترجمہ و تفسیر کا خیال :- قرآن مجید کے ترجمہ و تفسیر کا خیال سب سے پہلے ۱۹۳۲ء میں ان کے ذہن میں آیا۔ انھوں نے دیکھا کہ انگریزی زبان میں اہل سنت و جمہور امت کی طرف سے قرآن مجید کا ترجمہ ایک بھی نہیں ("آپ بیتی" ص ۲۹۲) بعض احباب کی جانب سے بھی اس ضرورت کا احساس دلایا گیا۔ چنانچہ انھوں نے یہ ذمہ داری قبول کی، انگریزی ترجمہ مع حواشی، جولائی ۱۹۳۹ء میں حوالہ طباعت ہوا۔ اور مختلف مشکلات و مراحل

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے گذرنے کے بعد ۱۹۷۱ء تک مکمل شائع ہوا۔ انگریزی ترجمہ سے ان کو یہ حوصلہ ملا کہ زیادہ تفصیل و وسعت کے ساتھ اردو ترجمہ وتفسیر کا کام بھی ہو جائے ("آپ بیتی" ص ۲۹۶)۔ ۱۹۴۰ء میں انھوں نے اس پر توجہ دی اور تقریباً چار برس میں اسے پایۂ تکمیل کو پہنچا دیا ("آپ بیتی" ص ۲۹۷) ۱۹۴۴ء سے اس اردو تفسیر کی طباعت کا آغاز ہوا۔ ایک عرصہ کے بعد تفسیر چھپ کر سامنے آئی تو اس میں کچھ خامیاں اور کوتاہیاں نظر آئیں، مثلاً ۱۹۴۸ء تک بنی اسرائیل دنیا کی ایک مغضوب ترین قوم تھی۔ قدیم تفسیروں کی طرح مولانا نے بھی اپنی اس تفسیر کی آیات متعلقہ میں ان کی اسی حالت کا اظہار کیا تھا۔ ۱۹۴۰ء کے بعد صورتحال بدلنا شروع ہو گئی۔ ۱۹۴۸ء میں یہودیوں کی ایک مستقل حکومت قائم ہو گئی۔ اس کے خلائی پرواز وغیرہ سائنس کی دنیا میں جو حیرت انگیز ترقیاں ہوئیں، ان کی وجہ سے طبعیات اور تکوینیات والی آیتوں میں ان کا لحاظ بھی ضروری ہو گیا۔ اس لیے مولانا نے نظر ثانی کا کام شروع کیا۔ اس مقالہ میں اسی نا مکمل تفسیر جدید کا ایک جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

ترجمہ کی مشکلات:- ترجمہ کا کام جس قدر مشکل اور صبر آزما ہے، مولانا اس سے واقف تھے۔ تفسیر کی پہلی جلد کی افتتاحیہ میں انھوں نے لکھا کہ غالب اور اقبال اور "گلستان سعدی" و "مثنوی مولانا روم" کے ترجمے بڑی قابلیت اور اہتمام و کاوش سے ہوئے لیکن ان سب میں اصل اور ترجمہ میں ادبی و ذوقی حیثیت سے کوئی مناسبت نہیں ہے تو جب انسانوں کی لکھی ہوئی کتابوں کا یہ حال ہے تو دنیا کی ہر عظیم کتاب سے عظیم تر کتاب اور ہر بلند نوشتہ سے بلند تر نوشتہ کے باب میں یہی تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ کسی کے بس کی بات نہیں کہ اس "الکتاب" کو کما حقہ اپنی زبان میں منتقل کر دے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنے استاد معنوی مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تفسیر "بیان القرآن" کے ترجمہ کے بڑے حصہ کو یعنی تقریباً ۷۵ فیصدی حصہ سے استفادہ کیا۔ مولانا تھانوی کی تفسیر کو وہ اردو کی ساری تفسیروں کا سرتاج سمجھتے تھے۔

تفسیر کے وسائل:- ان کے سامنے یہ حقیقت بھی تھی کہ ترجمہ سے زیادہ دشوار کام شرح و تفسیر کا ہے قرآن مجید بیک وقت زندہ جاوید اور ہمہ وقت تازہ اور عالمی یا آفاقی صحیفہ ہدایت بھی ہے اور بے قید زمان و مکان، ایک متعین ملک اور متعین ماحول کے لیے مخصوص بھی ہے۔ اس حقیقت کو سامنے رکھ کر انھوں نے جو نتائج اخذ کیے ہیں وہ تفسیری خدمات انجام دینے والوں کے لیے مشعل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں کہ:

"قرآن کا خطاب ایک طرف تو دنیا کے ہر ملک و اقلیم کے لیے ہے اور جس طرح وہ پہلی صدی ہجری کے لیے تھا، اسی طرح وہ چودھویں صدی ہجری کے لیے بھی ہے، ٹھیک اسی طرح یہ حقیقت بھی قابل لحاظ ہے کہ اس کی اولین مخاطب عرب کی قوم تھی جو تاریخ کے ایک متعین زمانہ یعنی ساتویں صدی عیسوی کے ثلث اول

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں موجود و آباد تھی ... قرآن مجید کی یہ دوگانہ حیثیت یعنی ایک طرف عالمی و آفاقی اور دوسری طرف قومی و وطنی، موجود ہی نہیں بلکہ برابر ساتھ ساتھ چل رہی ہے۔"

مولانا کے خیال میں اگر یہ حقیقت ملحوظ رہے تو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجائے گی کہ قرآن مجید کی معنویت گو عالمگیر و آفاقی ہے لیکن صورت و قالب کے لحاظ سے وہ بہر حال عربی کلام ہے ... اس میں زبان کی سلاست و لطافت اور بیان کی فصاحت و بلاغت جو کچھ بھی ملے گی، سب عربی ہی کے معیار کے مطابق ملے گی اس لئے زبان کے اس صریح و واضح معیار کو چھوڑ کر اسے کسی بھی غیر عرب پیمانے سے ناپنے کا مطالبہ کرنا خود اپنے جہل اور نامعقولیت کا مظاہرہ کرنا ہے۔

جدید مفسرین و شارحین کے متعلق مولانا کا خیال تھا کہ ان کے لیے ضروری ہے کہ تاریخ اقوام عالم، علم جغرافیہ علم مذاہب و ادیان کے ساتھ ساتھ جدید سائنس کے مختلف شعبوں خصوصاً فلکیات سے بھی مطلقاً بے بہرہ نہ ہوں۔ ورنہ باوجود تدین و تقویٰ اور صالحیت و مقبولیت کے وہ سخت علمی غلطیوں کا شکار ہو سکتے ہیں۔ ان کا قلم کہیں فرعون اور لشکر فرعون کی غرقابی کو بجائے بحر قلزم کے دریائے نیل میں دکھائے گا۔ کہیں حضرت مسیحؑ کا تلوار سے قریب القتل ہونا بیان کرے گا اور کہیں فرعون کو کسی تاجدار کا شخصی نام سمجھ کر دعویٰ الوہیت اسی کی شخصیت کی جانب منسوب کرے گا۔

دنیوی علوم و فنون کی یافت اور تحقیق بدلتی جاتی ہے، نظریات و ظنیات بلکہ مقبول و معروف مسلمات و قطعیات تک تھوڑی مدت بعد کچھ سے کچھ ہو جاتے ہیں۔ اس اجمال کی تفصیل جس طرح کی ہے وہ اپنی جگہ پڑھنے کے لائق ہے ہم یہاں ان کی بحث کا ایک جامع اور اہم خلاصہ پیش کرتے ہیں کہ :

"قرآن مجید نے ساری فرعی، ضمنی اور ثانوی بحثوں سے متعلق کوئی ایسی صراحت نہیں کی جو عرب کے مذاق کے خلاف ہو۔ اس نے اہل عرب کے علمی، عقلی اور فکری مزعومات کو ان کے حال ہی پر چھوڑے رکھا لیکن ایسے اشارے ضرور رکھ دیئے اور کلام میں اتنی لچک پیدا کر دی کہ آئندہ نسلیں اپنے اپنے دور کے ماحول فکری کے مطابق اس کتاب الٰہی کی تعبیر و تشریح میں آزاد رہیں۔"

تفسیر کے مراجع و مصادر :- مولانا نے جس محنت اور تحقیق سے مستند مراجع و مصادر سے استفادہ کیا ہے، اس سے جہاں ان کی دیدہ ریزی اور سعی و کاوش کا اندازہ ہوتا ہے وہیں ان کی یہ احتیاط بھی سامنے آتی ہے کہ وہ کلام اللہ کی ترجمانی میں جمہور اہل سنت کی روش سے کہیں بھی گریزاں نہیں ہیں۔ فن لغت، لغات القرآن، اعراب القرآن اور علوم قرآن کی امہات کتب مثلاً الجمہرۃ فی اللغۃ، کتاب الاضداد، کتاب الاجناس، لسان العرب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

المفردات فی غریب القرآن، مشکلات القرآن، مفردات القرآن، النہایہ فی غریب الحدیث والتنزیل، اعراب القرآن، مجاز القرآن، معانی، الاتقان فی علوم القرآن، البرہان فی علوم القرآن وغیرہ مآخذ سے براہ راست استفادہ کرتے ہیں۔ عربی تفسیروں کا تقریباً سارا سرمایہ ان کے سامنے رہا۔ فقہی تفسیروں میں ابوبکر جصاص رازی حنفی اور قاضی ابوبکر محمد بن العربی مالکی کی احکام القرآن اور ملا جیون امیٹھوی کی تفسیر احمدی ان کا خاص مرجع ہیں، ان کے علاوہ وہ اردو کی اہم تفسیروں سے استفادہ کرتے رہے، جن میں سے وہ مولانا تھانوی کی بیان القرآن سے سب سے زیادہ متاثر ہیں۔

خصوصیات :۔ ہم یہاں تفسیر ماجدی کا موازنہ دوسری تفسیروں سے نہیں کر رہے ہیں لیکن اپنے مباحث کی جامعیت، ہمہ گیری، مسائل و مرویات میں جمہور مفسرین سے مطابقت اور جدید علوم و معارف سے مولانا کے براہ راست تعلق اور عصری رجحانات پر گہری نگاہ ہونے کی وجہ سے یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اس تفسیر کو امتیازی اور انفرادی حیثیت حاصل ہے، اردو کے کامل الفن ادیب و زبان داں ہونے کی وجہ سے مولانا کی تحریر کی دلکشی ادبیت بھی اس تفسیر کا نمایاں عنصر ہے، خطیبانہ اطناب سے اجتناب اور حواشی کے اختصار و ایجاز کی وجہ سے بھی تفسیر ماجدی کی شان الگ ہے۔ کتاب اللہ کے مراد و منشا کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ اپنے عہد کے افراط و تفریط کے شکار مسلکوں اور فرقوں اور غلط و باطل افکار و رجحانات کا رد وانکار بھی تفسیر کا نمایاں وصف ہے۔ مختلف عصری فلسفوں پر مفسر کی عالمانہ نگاہ کی وجہ سے جس خوبی سے ان کا رد و ابطال اس تفسیر میں ہے وہ دوسری عصری تفسیروں میں اس درجہ توازن و اعتدال اور متانت و اصابت رائے کے ساتھ کم ملتا ہے۔ ہمارے اس دعویٰ کی دلیل کیلئے تو براہ راست خود تفسیر کا مطالعہ ضروری ہے، تاہم یہاں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ (مسیحیوں اور مغرب زدہ مسلمانوں کے حوالے سے) عام طور سے سورتوں کی تقسیم میں یہ کیا جاتا ہے کہ جو سورتیں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ قیام مکہ میں نازل ہوئیں ان کو مکی کہا جاتا ہے اور جو سورتیں ہجرت کے بعد نازل ہوئیں وہ مدنی کہلاتی ہیں مولانا اس موقعہ پر لکھتے ہیں کہ :

"یہ تقسیم صرف عمومی حیثیت سے ہے ورنہ بارہا ایسا ہوا ہے کہ رسول اللہ نے مدنی سورۃ کے اندر مکی آیتیں رکھ دی ہیں یا اس کے برعکس ۔ ربط مضمون و مناسبت مقام کا صحیح تر، لطیف تر احساس رسول اللہ سے بڑھ کر اور کس کو ہو سکتا تھا، اس لیے کسی متعین آیت کے باب میں اس کے مکی یا مدنی ہونے کا فیصلہ جزم کے ساتھ کرنا دشوار ہے۔ روایتیں جو اس باب میں وارد ہوئیں کوئی درجۂ تواتر کو پہنچی ہوئی نہیں ہیں، محض مفید ظن ہیں، مفید یقین نہیں... اور محض روایات و نظریات کے ماتحت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کسی آیت پر جزم و وثوق کے ساتھ کوئی حکم لگا دینا اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ قرآن مجید کی کسی جدید ترتیب پر ایسے ترتیب نزولی کا نام دے کر آمادہ ہو جانا بڑی جسارت کا کام ہے... اس میں پہلا مسیحیوں کے یہاں سے آئی ہے کہ انھوں نے اپنے یہاں کے قدیم و جدید دونوں صحیفوں کو جو نہ سند متصل کے ساتھ پہنچے ہیں، نہ جن کے راویوں کو کسی کا علم ہے اور جو نہ اپنی اصل زبانوں میں موجود ہیں بلکہ محض ترجمے میں، اس قسم کی سرتاسر ظنی بلکہ وہمی "تحقیقات" کا تختۂ مشق بنا رکھا ہے اور مغرب زدہ مسلمانوں نے نادانی سے یہ خیال کر لیا کہ جیسے یہ بھی کوئی بڑی دلیل علم و فضل و تحقیق کی ہو۔"

تفسیر ماجدی کے صفحہ ۷ کے اس اقتباس سے پوری تفسیر کی ایک جھلک سامنے آجاتی ہے جس میں انھوں نے مسیحیوں کے طرز تحقیق کی ناپختگی ظاہر کرتے ہوئے مغرب زدہ مسلمانوں کی بے جا مرعوبیت کی نشان دہی بھی کر دی۔ اسی طرح "غیر المغضوب علیہم" کی تفسیر میں جہاں عربی قواعد، متقدمین مفسرین کے اقوال اور توریت و انجیل کے حوالے دیئے ہیں، وہیں یہ بھی لکھتے ہیں کہ:

"حیرت ہے کہ بعض جدید اہل قلم نے مسیحی پادریوں کے طعن و طنز سے متاثر بلکہ مرعوب ہو کر اسلام میں غضب الٰہی کے وجود ہی سے انکار کر دینا چاہا ہے گویا حق سبحانہ و تعالیٰ ان کم فہموں کے خیال میں ایک بڑے پیمانہ پر کوئی سادھو سنیاسی جیسا تھا ہیں، جو بد بخت چاہے ان کے بنائے اور اتارے ہوئے قوانین کو، جو سرتاسر بندوں ہی کے نفع و مصلحت، فلاح و بہبود کے لیے ہیں، آزادی و بے تکلفی سے توڑتا پھوڑتا، چیرتا پھاڑتا رہے اور وہ الہام پر عمل کر کے شانتی کے ساتھ جمود و تعطل کے ساتھ سارا تماشا دیکھتا رہے... پادریوں کے اعتراض کی اصل و بنیاد ہی غلط ہے۔ انھوں نے غضب الٰہی کو بھی قیاس کیا انسانی غصہ اور طیش پر، جو نتیجہ ہوتا ہے نفس کی ایک انفعالی کیفیت کا۔ حق تعالیٰ پاک ہے ہر قسم کے انفعال اور تاثر سے، وہ صرف فاعل اور تمامتر موثر ہے... اس کا غیظ و غضب درحقیقت تتمہ اور ضمیمہ ہے اس کی رحمت بے حساب کا اور لازمی نتیجہ ہے اس کی شفقت بیکراں کا۔" (ص ۱۲)

ازواج مطہرۃ کی تفسیر میں ان کا اقتباس بھی ان کے اسی مسلک کی ترجمانی کرتا ہے۔ لکھتے ہیں:

"بعض روشن خیالوں کو پاکیزہ بیویوں کے نام سے خدا معلوم کیوں اتنی شرم آئی کہ انھوں نے اس معنی سے ہی انکار کر دیا اور ازواج مطہرہ کی تفسیریں عجیب توڑ مروڑ کر کی ہے۔ گویا بہشت میں رضائے الٰہی کے مقام میں ہر قسم کی نہائی لذت، مسرت و راحت کے موقع پر بیویوں اور پھر پاکیزہ بیویوں کا ملنا بڑے ہی شرم کی بات ہے... جنت کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ وہ مادی اور روحانی ہر قسم کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لذتوں، مسرتوں، راحتوں کا گھر ہوگا۔ یا پھر یہ ہے کہ بیوی کے نعمت اور اعلیٰ نعمت ہونے ہی سے انکار ہے؟ اگر ایسا ہے تو اس عقیدہ کا رشتہ اسلام سے کہیں زیادہ رہبانیت اور مسیح کی لائی ہوئی نہیں، پولوس کی پھیلائی ہوئی مسیحیت سے وابستہ ہے۔۔۔ جسمانی مادی، حسی خصوصاً ازدواجی نعمتوں کو حقیر سمجھنا یا ان سے شرمانا تمام تر جاہلی مذاہبوں خصوصاً پولوسی مسیحیت سے دماغی مرعوبیت کا نتیجہ ہے۔" (ص ۵۵)

اسلامیات کے جدید اہل قلم کی بے اعتدالیاں اور ناہمواریاں، مولانا کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں تھیں " روشن خیالی" کے نام سے اسلامیات کے میدان میں ان حضرات سے دانستہ یا نادانستہ جو بے احتیاطیاں سرزد ہوئیں، مولانا ان سے خوب واقف تھے۔ تفسیر میں بیسیوں مقامات ایسے ہیں، جہاں مولانا نے ان روشن خیالوں کے عقیدہ و فکر کا سخت محاسبہ کیا۔ مثلاً:۔

قالوا انؤمن کما آمن السفهاء کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ:

" یہی سنت آج تک چلی آرہی ہے، " ترقی پسندوں" " روشن خیالوں" اور" اہل تجدد" کے دربار سے آج بھی " جمود پسند، رجعت پسند، تاریک خیال" وغیرہ کیسے کیسے خطابات خالص و مخلص اہل ایمان کو عطا ہوتے رہتے ہیں۔"

"منافقین مدینہ" کے ذکر میں یہ نوٹ دیتے ہیں:

" دوسرا طبقہ ان منافقین کا تھا جو یکسر منکر نہ تھے بلکہ آج کے بعض انتہائی روشن خیالوں کی طرح متشککین و مذبذبین میں تھے۔ اسلام کی ظاہری قوت و شوکت اور مادی اقتدار و فتحمندی کو دیکھ کر کبھی چند قدم اس کی طرف بڑھتے اور جب مسلسل کامیابی نہ پاتے تو پھر پیچھے ہٹ جاتے۔"

الله یستهزئ بهم و یمدهم فی طغیانهم یعمهون کی تفسیر میں عمہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ اس کیفیت کو کہتے ہیں کہ انسان کو راستہ سجھائی نہ دے اور وہ اِدھر اُدھر اندھوں کی طرح ٹٹولتا اور ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔ اس تشریح کے بعد مولانا حاشیہ میں لکھتے ہیں:

" وحی الٰہی کی روشنی سے محرومی کے بعد بڑے سے بڑے روشن خیال انسان کی بھی واقعی یہی حالت ہوتی ہے اپنی محدود و ناقص عقل کے سہارے وہ چاروں طرف ہاتھ پاؤں مارتا ہے، طرح طرح کے " نظریے" " اصول" و " کلیات" بناتا ہے، ہر طرف ظن و تخمین کے گھوڑے دوڑاتا ہے، کھلا ہوا راستہ جس سے قلب کو سکون کامل حاصل ہو جائے کوئی نہیں سجھائی دیتا۔ تنگ ہوتا ہے بے اطمینانی کے دلدل میں اور زیادہ پھنستا جاتا ہے۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابراہیم کے تذکرہ میں وہ تاریخی اور جغرافیائی تحقیق کے بعد "روشن خیال محققوں" کا ذکر اس طرح کرتے ہیں :

"موجودہ محرف بائبل میں تاریخی غلطیوں کی کثرت سے اکتا کر بعض "روشن خیال محقق" نے انیسویں صدی کے ربع آخر میں کہنا شروع کر دیا تھا کہ ابراہیم نامی کوئی تاریخی شخصیت گزری ہی نہیں بلکہ یہ تو محض ایک نوعی نام تھا یا ہر شیخ قبیلہ کا لقب لیکن اب پھر تحقیق کا رخ بدلا اور بیسویں صدی کے ربع اوّل کے ختم ہوتے ہوتے پھر آپ کی تاریخی شخصیت کا پوری طرح قائل ہو جانا پڑا"۔

"نمرود" کے قصہ میں قدیم تفسیروں، توریت اور انسائیکلوپیڈیا اور انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجین اینڈ ایتھکس کے حوالوں کے بعد وہ یہ نوٹ دیتے ہیں :

"انیسویں صدی کے ثلث آخر میں فرنگی مادیت و عقل پرستی اور اس کی تقلید میں ہندستانی "روشن خیالی" اور نیچریت کا شدید تقاضا یہ تھا کہ ان قصوں سے سرے سے انکار کر دیا جائے لیکن جوں جوں خود فرنگی مورخین کے قدم آگے بڑھتے گئے یہ تشکیک و بے اعتقادی بھی ضعیف ہوتی چلی گئی۔" (ص ۴۴۳)

"انما البیع مثل الربوا" کے تحت انھوں نے پھر مغربی عقل و دانش سے متاثر لوگوں کے متعلق لکھا کہ :

"آجکل کے روشن خیالوں" کی طرح عہد جاہلیت قدیم کے بھی سفیہوں کا کہنا یہ تھا کہ مالی نفع آخر تجارت میں بھی تو ہوتا ہے، پھر جب تجارت حرام نہیں تو سود کیوں حرام ہے؟" (ص ۵۱۶)

تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر کی تشریح میں وہ اپنے خاص انداز میں لکھتے ہیں کہ :

"کیا تماشا ہے کہ انگریز، ہندستان میں ستی کی رسم کو جرم قرار دیں تو ملک کے محسن، ہندوؤں میں بچپن کی شادی کے دستور کو روک دیں تو اس کا شکریہ واجب، لیکن جب اللہ کے سپاہی یہ حق حاصل کرنا چاہیں کہ قانون الٰہی سے بغاوت کرنے والوں اور امن عالم کو غارت کرنے والوں کی دار و گیر کریں تو روشن خیالی کے جبین تحمل پر شکن آجائے اور تہذیب کے پروپگنڈسٹ اسے رواداری کے خلاف قرار دینے لگیں۔" (ص ۶۲۸)

نصیباً مفروضاً' کے حاشیہ میں یہ لکھتے ہیں کہ :

"یہ مورث کی رائے اور اختیار پر موقوف نہیں، حصوں کی ہر تقسیم اور ترکہ کا ہر استحقاق شریعت الٰہی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا مقرر کیا ہوا قانون ہے، یہ نہیں کہ جو "روشن خیال" جب چاہیں اٹھیں اور جدید حالات کا عذر کرکے اس قانون میں قطع و برید کرکے رکھ دیں۔" (ص ۲/ ۱۵)

"ولکن شبہ لہم" کی تفسیر میں تاریخی، روایتی اور تحقیقی بحث کے بعد وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ:

"... یہود وفات عیسیٰؑ کو موقع تحقیر و اہانت میں بیان کرتے ہیں اور مسیحی بعینہ اس واقعہ سے آپ کی عظمت پر دلیل لاتے ہیں، لیکن نفس عقیدہ بہر حال دونوں میں مشترک ہے اور تاسف اور قلق کا مقام ہے کہ آج بیسویں صدی عیسوی میں بعض کلمہ گو فرقے بھی اسی گمراہی کی طرف واپس جارہے ہیں اور طرفہ یہ ہے کہ وفات مسیحؑ کے اس خلاف تحقیق عقیدہ کو "روشن خیالی" کا تمغہ اور تحقیق کا پروانہ سمجھ رہے ہیں۔" (ص ۲/ ۱۵۸)

"ینفوا من الارض" کے تشریحی نوٹ میں وہ اسلامی سزاؤں کے بیان میں لکھتے ہیں کہ:

"... روشن خیالی اور تجدد نوازی جو دوسرا نام ہے، جاہلیت فرنگ سے مرعوبیت کا، ممکن ہے اسلامی سزاؤں کی ان سختیوں پر چیں بجبیں ہو، لیکن ساری قیاسی اور عقلی بحثوں سے قطع نظر صرف عملی اور تجربی حیثیت سے نہ دیکھ لیا جائے کہ جن ملکوں نے اپنے یہاں قانون کو نرم کرکے سزائیں ہلکی سے ہلکی کردی ہیں، ان کے یہاں جرائم اور بدامنی کا کیا حال ہے۔" (ص ۲/ ۲۴۰)

تفسیر ماجدی کے مطالعہ میں یہ احساس بار بار ہوتا ہے کہ مولانا اپنے زمانے کی مذہبی، سیاسی، معاشی اور فکری و تہذیبی تبدیلیوں اور ان کے اسباب اور ان کے عواقب سے مکمل طور پر باخبر ہیں۔ قوموں کی نفسیات پر ان کی نگاہ بڑی گہری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کے اولین مخاطبوں اور موجودہ مخاطبوں میں وقت کے فاصلوں کے باوجود جو نفسیاتی یا نفسانی قدر مشترک موجود ہے، مولانا کی نگاہ ٹھیک اسی نقطہ پر ٹھہرتی ہے اور اس طرح قرآن مجید کی ترجمانی میں وہ افراط التفریط اور غلو بے اعتدالی سے دور رہیں۔ مولانا کے عہد میں اسلام اور قرآن پر سب سے زیادہ سخت حملے یورپ کے علم جدید کی جانب سے ہوئے۔ دانش فرنگ کے اثرات، ——— غیر یورپی اقوام میں روشن خیالی اور تجدد نوازی کی صورت میں عام ہوئے۔ مولانا نے ان پر حملے لگاتے ہوئے براہ راست مغربی ذہنیت اور مستشرقین کی سیہ کاریوں پر ضرب لگائی۔

"واذا خلا بعضہم الی بعض قالوا اتحدثونہم بما فتح اللہ علیکم الآیۃ" کی تفسیر میں وہ لکھتے ہیں:

"یعنی وہ اسرار و تعلیمات جو تمہاری مقدس کتابوں اور آسمانی صحیفوں میں محفوظ ہیں،... یہود جب آپس میں ملتے تو ایک دوسرے کو قائل کرتے کہ تم اپنے یہاں کی پیش گوئیاں معہ خاص تعلیمات مسلمانوں پر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیوں ظاہر کر کے خواہ مخواہ ان کے ہاتھ میں ہتھیار اپنے خلاف دیتے ہو گویا یہ سمجھ رہے تھے، کہ رسول اسلام اور پیروان اسلام کو جو کچھ بھی علم ہو گا محض ان کے بتانے ہی سے ہو گا ... یہ جہل مرکب بالکل اسی طرح کا تھا جس میں آج سارا فرنگستان مبتلا ہے۔ یہ لوگ قرآن مجید پر جب تبصرہ کرنے بیٹھتے ہیں تو اس مفروضہ کو بنیاد کار بنا لیتے ہیں کہ اس میں جو کچھ بھی مذکور ہے وہ یہود کی توریت مروجہ، مسیحیوں کی انجیل مروجہ اور اسی طرح کے دوسرے انسانی ہی ذرائع سے ماخوذ و منقول ہے۔" (ص ۱/ ۱۴۲)

"ھن لباس لکم وانتم لباس لھن" کی آیت میں مرد و عورت کی اخلاقی تکمیل کا جو مؤثر ترین نسخہ اسلام نے پیش کیا اس کے متعلق چند سطروں میں لکھتے ہیں کہ:

" یہ اس مذہب کی تعلیم ہے جو فرنگی محققین کی نظر میں پست اس لیے ہے کہ اس میں عورت کی تحقیر کی گئی ہے۔ ع "کتنا غلط یہ حرف بھی مشہور ہو گیا" کون جھوٹ اس سے بڑھ کر سخت، کون سا الزام اس سے بڑھ کر صریح ہو گا؟ منوسمرتی والے ہندو مذہب کا ذکر نہیں، عہد عتیق و جدید والے یہودی و نصرانی مذہبوں سے سوال ہے کہ ان کے سارے دفتر کتب و اسفار میں کون سی تعلیم زن و شوہر کے باہمی تعلق محبت و اعتماد کے باب میں اس درجہ کی ہے؟" (ص ۱/ ۲۲۵)

" وقالت طائفة من اھل الکتاب" کے تفسیری حاشیہ میں یہود کی منافقت کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

" ... اور آج یہ بڑے بڑے فرنگی محققین یہود و مسیحی مستشرقین نے فرنگی زبانوں میں سیرت نبوی لکھنے کا یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ اپنے علم و تحقیق، وسعت مشرب اور بے تعصبی کی دھاک بیٹھا کر تمہید بڑے زور کی اٹھاتے ہیں اور معلوم یہی ہونے لگتا ہے کہ پیغمبر عرب اور مصلح عالم کی لغت اور مقنن اعظم اور مثیل موسیٰ کی منقبت میں دریا کے دریا بہا دیں گے۔ لیکن آگے چل کر نتیجہ یہ نکال لیتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) انھیں کچھ خلل دماغ سا تھا یا یہود و نصاریٰ کی کتابوں کے مضامین کہیں سے سن سنا کر انھیں چرا لیتے تھے۔ وقس علی ہذا۔ تو یہ بھی ٹھیک قدیم یہودیانہ دجل و تلبیس کا ایک جدید فرنگی نمونہ ہے اور بس!"

" وکذلک نصرف الآیات ولیقولوا درست" کی تفسیر میں وہ لکھتے ہیں کہ:

" ایک امی کی زبان سے بلند پایہ علوم، معارف و حقائق کو صحیح و شستہ پیرایہ بیان میں سن کر ظالموں نے کہنا یہ شروع کیا کہ یقیناً یہ مضامین عالی، انھوں نے کسی نصرانی یا یہودی سے خوب پڑھ کر یاد کر لیے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔ اور جاہلیت کے انھیں لال بجھکڑوں کی نقل آج بڑے بڑے مستشرقین اور فضلائے یورپ کر کے قرآن کی اس پیش خبری کی توثیق کر رہے ہیں۔" (ص ۲/۳۳۴)

"قال الکفرون ان ھذا لسحر مبین" کے تشریحی نوٹ میں وہ پھر لکھتے ہیں :

"مشرکین عرب اپنے سے قدیم تر جاہلی قوموں کی طرح اپنے پیمبر کے پیام کی اعجازی سی کیفیت و تاثر کو بس سحر ہی پر محمول کر سکتے اور یہی کرتے ۔ اور جاہلیت جدید کے علمبردار بڑے بڑے دانایان فرنگ بھی اس کے سوا کیا کر رہے ہیں، حیرت انگیز محیر العقول مادی کامیابیوں اور فتحمندیوں سے توانکار کر ہی نہیں کر سکتے، بس یہ تعبیر کرنے لگے کہ نعوذ باللہ ساری اسکیمیں اور کارگذاریاں کسی بڑے "زیرک دماغ" کا نتیجہ تھیں۔" (ص ۲/۸۲)

"والذین ھم عن آیاتنا غفلون" کی تشریح میں وہ لکھتے ہیں کہ :

"شامت زدہ انسان کی ضلالت کا یہ چوتھا اور بالکل آخری مرتبہ ہے اور افسوس ہے کہ ذکر و فکر آخرت کی طرف سے یہی بے اعتنائی اور دنیوی ساز و سامان اور مادی علوم و فنون و صنائع کی طرف یہی انہماک اور شدت التفات، تہذیب فرنگی و ثقافت جاہلی کا جزو اعظم ہیں۔ مہذب اور اعلیٰ سوسائٹی میں دوزخ و جنت، برزخ اور سکرات موت کا کسی کی زبان پر نام تک نہ آئے۔ اور علوم جدیدہ کے بڑے بڑے ماہروں اور فاضلوں کو خوب غور سے دیکھ لیجیے، کیا ان میں ایک ذرہ برابر بھی طلب، معرفت حق کی اور ظواہر مادی سے گذر کر حقائق معنوی تک پہنچنے کی پائی جاتی ہے؟" (ص ۲/۴۸)

اسی طرح "ائت بقرآن غیر ہذا" کے حاشیہ میں وہ پھر جاہلیت فرنگ کی نشاندہی کرتے ہیں کہ :

"دوسرے قرآن کی فرمائش کے مخاطب ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ تھے، آپ ہی کو جاہلیت عرب کے بڑے بڑے روشن خیال، جاہلیت فرنگ کے روشن خیالوں کی طرح قرآن کا مصنف خیال کرتے تھے۔" (ص ۲/۵۱)

"ومنھم من یستمعون الیک" کی تفسیر میں مولانا نے پھر مستشرقین کی ذہنیت پر ضرب لگائی، لکھا کہ :

"کفار بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی بات سنیں گے اور سوچ سمجھ کر مان بھی لیں گے۔ آج یہ تصویر بہت سے مستشرقین یورپ پر، سیرت نبوی، شریعت اسلامی اور کلام الٰہی پر قلم اٹھانے والوں پر صادق آتی ہے۔ ان کی کتاب کی تمہیدوں، مقدموں، دیباچوں کو پڑھیے تو اپنے کو ظاہر کریں گے کہ یہ کیسے بے تعصب، انصاف پسند، تحقیق دوست ہیں اور جوں جوں آگے بڑھتے جائیے زہر ہلاہل کا انبار

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذرا انبار انہی اوراق میں ملتے جائیں گے۔مفروضات واحتمالات کے ڈھیر لگاتے جائیں گے اور قرآن کا کلام الٰہی ہونا اور محمدؐ عربی کا رسول برحق ہونا بطور احتمال بھی اپنے سامنے نہ لائیں گے۔" (ص ۲/۲،۳)

روشن خیالوں، مستشرقوں اور جاہلیت جدید پر اس قسم کے بلیغ، تبصرے، تفسیر ماجدی کی بڑی خصوصیات میں سے ہیں۔ ان کے علاوہ مولانا قدیم وجدید فلسفوں، مثلاً نظریہ ارتقاء فلسفہ مادیت، عقلیت، لاادریت، لامذہبیت اور فلسفہ اشتمالیت کی تردید بھی برابر کرتے جاتے ہیں۔ بعض موقعوں پر وہ آریہ سماجی لٹریچر، سوراج اور قومیت کا بھی خاص پیرایہ میں رد کرتے ہیں۔

مسلمانوں میں معتزلہ، اہل بدعت و خوارج کی غلطیوں کی بھی جگہ جگہ نشاندہی کی ہے۔ مزار پرستی پیر پرستی، غیر اسلامی رسوم و رواج اور متصوفین پر بھی ان کے قلم سے سخت تنقیدیں نکلی ہیں۔ مثلاً:-

"لا تعلمھم نحن نعلمھم" کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ:

"اس آیت میں رسول اللہؐ کے علم غیب کی صریح نفی موجود ہے جس کا دعویٰ ہمارے زمانہ کے بعض عالم نما جاہلوں نے کیا ہے ۔۔۔ یہ اور اس قسم کی متعدد آیات قرآنی اس شخص کے خیال کی تردید میں ہیں جو صفائے قلب واشراقیت وغیرہ کی بناء پر کشف صدور واطلاع غیوب کا دعویٰ کرنے لگتا ہے۔ ۔۔۔ علامہ ابن حیان غرناطی لکھتے ہیں کہ بہت سے مدعیان تصوف کی زبان ایسے دعوں پر کھل گئی ہے۔ یہ لوگ نہ کتاب اللہ پر توجہ کرتے ہیں اور نہ سنت رسولؐ کی طرف، اور غیب دانی کے خرافات پر اتنے دلیر ہیں۔"

اس کے بعد مولانا لکھتے ہیں کہ:

"یہ حال جب آٹھویں صدی کا تھا تو چودھویں صدی ہجری کا رہنے والا غریب اپنے وقت کا حال بیان کرنے کے لیے الفاظ کہاں سے لائے!" (ص ۲/۱۰)

مسلمانوں میں بعض فرقوں نے دین و حکومت کی جس تعبیر پر زور دیا، مولانا اس سے متفق نہیں تھے۔ چنانچہ ان الحکم الا للہ" کے حاشیہ میں اشارتاً انھوں نے اس تعبیر کی تردید کی، لکھتے ہیں:

"آیت کے اس جزو کو فرقہ خوارج نے بار بار پیش کیا ہے اور اس سے اپنا بڑا کام نکالنا چاہا ہے۔ یہاں تک کہ خلیفہ راشد و برحق حضرت علیؓ کے خلاف بغاوت اسی آیت کو پیش کرکے پھیلائی تھی اور آج بھی ایک گروہ ہر انسانی مادی حکومت کو اسی آیت کے ماتحت، غیر اسلامی، حکومت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرار دے کر اس سے کسی قسم کا تعاون بھی نا جائز بلکہ حرام ٹھہراتا ہے۔ سیاق قرآنی پر ادنیٰ غور و تامل سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ آیت کو اس بحث سے ذرا بھی تعلق نہیں۔ سیاق تمام تر حکومت تکوینی وارسال آیات و معجزات کا ہے۔" (ص ۲/۲۸۹)

ہماری اب تک کی اس گفتگو سے یہ تاثر پیدا ہو چلا ہے کہ تفسیر ماجدی، کلام الٰہی کی جدید کلامی تفسیر ہے۔ جس میں قرآن اور اسلام کی جانب سے دفاع پر زیادہ زور دیا گیا ہے لیکن تفسیر ماجدی کی جامعیت اور ہمہ گیری کیلئے صرف اتنا ہی کہنا کافی نہیں۔

مفسرین کے اقوال و آراء جن کی تلاش و انتخاب میں پوری پوری علمی جماعتوں کی محنت و ذوق کا امتحان ہوتا ہے، تفسیر ماجدی میں ان کا پورا سرمایہ موجود ہے۔ مختلف فیہ مسائل میں فقہاء کے اقوال کو [۱/۷، ۱/۲۱۷، ۱/۲۷۹، ۱/۴۰۴ (مسلک حنفیہ کو ترجیح) ۲/۲، ۲/۳، ۲/۲۰، (حنفیہ کی حیرت انگیز فقاہت) وغیرہ] جس حزم واحتیاط کے ساتھ جمع کر کے قول فیصل کی حقانیت کو واضح کیا ہے۔ عارفانہ اور صوفیانہ اقوال و نکات کو جس خوبی اور موقع کی مناسبت سے حواشی میں نقل کیا ہے اس سے ان کی بصیرت و معرفت کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ تنوع کا یہ عالم ہے کہ مثنوی مولانا روم، خسرو، اقبال اور اکبر الہ آبادی کے اشعار بھی جا بجا، اس گلستاں کی بہار میں اضافہ کرتے ہیں اور ان سب پر مستزاد مولانا کا خاص عربی اسلوب ہے۔ زبان کی نزاکتوں اور باریکیوں پر عبور کی وجہ سے ان کے ترجمہ و تفسیر کی ادبی دلکشی، دامن نگاہ کو اپنی جانب کھینچ لیتی ہے۔ چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

"فقد افتری اثما عظیما" کا ترجمہ کیا کہ "اس نے یقیناً ایک بڑا گناہ سمیٹا" حاشیہ میں وہ لکھتے ہیں کہ:

"گناہ سمیٹنا، کا محاورہ خاص اس مفہوم کے ادا کرنے کے لیے ہے۔" (۲/۶۶ ص)

"وانہم لکاذبون" کا ترجمہ اس طرح کیا کہ:

"اور یقیناً یہ بالکل جھوٹے (لپاڑیے) ہیں۔"

حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ:

"لکاذبون' میں "ل" تاکید کا ہے۔ ترجمہ میں اسی اشدیت کے اظہار کے لیے لپاڑیئے بھی بڑھا دیا گیا۔" (ص ۲/۲۶۷)

"لعب ولھو" کی تشریح میں وہ یہ نکتہ آفرینی کرتے ہیں کہ:

"اردو میں لہو و لعب ساتھ آتے ہیں، لیکن عربی میں دونوں کے مفہوم میں فرق ہے لعب میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہلو کسی عمل کی لاحاصلی، بے مقصدی کا زائد ہے، جیسے بچوں کے اکثر عمل ہوتے ہیں۔ یہ شعوری طور پر حصول منفعت یا رفع مضرت سے خالی رہتے ہیں۔ اور لہو وہ عمل ہے جو انسان کے سنجیدہ مقصدوں کے منافی ہو اور مقصود اس سے محض عیش و طرب ہو۔" (ص ۲/۲۷۰)

زبان کے لطف کے لیے انھوں نے ڈپٹی نذیر احمد کے ترجمہ کی بعض عبارتیں بھی نقل کر دی ہیں، مثلاً "فی طغیانهم یعمهون" کا ترجمہ "ان کی سرکشی میں بھٹکتے ہوئے چھوڑے رکھتے ہیں" کرتے کے بعد وہ حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ:

"نذیر احمدی زبان میں "ٹاک ٹوئیے" مارتے ہوئے۔" (ص ۳/۵۰)

"ربنا اطمس علی اموالهم" کا ترجمہ کرتے ہیں:

"اے ہمارے پروردگار ان کے مال پر جھاڑو پھیر دے۔"

تشریح میں لکھتے ہیں کہ: "ان کے مال پر جھاڑو پھیر دے، ٹھیٹھ اردو میں نذیر احمدی ترجمہ ہے" (ص ۲/۹۸)

"هذه القریة" کے حاشیہ میں وہ شہر اریحا کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"اس کے لفظی معنی سٹی آف دی مون کے بیان کیے گئے ہیں جس کا اردو میں ترجمہ "چندر نگر" ہوگا۔"

تفسیر ماجدی کی خصوصیات میں سب سے نمایاں مقام یہودی و مسیحی مآخذ کے گہرے تنقیدی مطالعہ کا ہے۔ عہد نامہ عتیق و جدید کے علاوہ یورپ کے ممتاز اہل قلم کا مولانا نے استیعاب سے مطالعہ کیا ہے اور خود ان کے اقوال کے ذریعہ قرآن مجید کی حقانیت کو ظاہر کیا ہے۔

بنی اسرائیل اور امامت موسوی ۱/۹۴، یہود یا بنی اسرائیل ۱/۱۱۹، ۱۲۳، کفر سلیمانؑ ۱/۱۷۵، حضرت ابراہیمؑ ۱/۲۱۵، ابن مریمؑ ۱/۴۰۰، نحن ابناء اللہ واحباءہ ۲/۲۵، ۲۱۶/۲۱۷، انجیل ۲/۲۶۳، مسیحی نصرانی کا فرق ۲/۳۰۰، آزر ۲/۴۰۴، کشتی نوحؑ ۲/۵۴۱، قوم شعیبؑ ۲/۵۵۹، غرقابی فرعون ۲/۹۹، ۶۰۰ وغیرہ ایسی بحثیں ہیں جو تاریخی اور جغرافیائی تحقیق کا بہترین نمونہ ہیں۔ ان کے تحقیقی ذوق کی ایک جھلک افتتاحیہ میں ان کی اس عبارت سے ظاہر ہے۔ افتتاحیہ جلد دوم میں وہ لکھتے ہیں کہ:

"قرآن مجید میں حشو مطلق نہیں۔ جو عبارتیں سرسری اور پہلی نگاہ میں غیر ضروری بلکہ بے تعلق سی نظر آتی ہیں، ان کی بھی جب اہمیت کھل کر رہتی ہے تو ان کی معنویت کا بالآخر اعتراف کرنا پڑتا ہے... مثلاً سورۃ القصص میں فرعون، ہامان کو حضرت موسیٰؑ کے مقابلہ کے لیے حکم دیتا ہے:۔ "فاوقد لی یا ہامان علی الطین فاجعل لی صرحاً (اے ہامان تو میرے لیے مٹی کی اینٹوں کو آگ دے تاکہ پکا محل کھڑا کریں)۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اب اس آیت۔ "من طین" (مٹی کی اینٹوں) حشو ہی معلوم ہوتا ہے، لیکن اس حقیقت کو ذہن نشین کر لیجیے کہ دنیا کی بڑی اور مہذب سلطنتوں میں شاہی محل پتھر ہی کے بنے ہوئے ہیں اور قدرۃً قصر فرعون بھی سنگی سمجھا جاتا، سنگ مرمر کا سنگ رخام کا یا کسی اور ایسے ہی قیمتی پتھر کا۔ لیکن مصر کی شاہی عمارتوں کی تعمیر پتھر سے نہیں، مٹی سے ہوتی ہے اور فن تعمیرات کی تاریخیں جو لکھی گئی ہیں ان میں یہ صراحت سے درج ہے کہ مصر کا تعمیری تمدن سنگی نہیں گلی رہا ہے۔ قرآن مجید نے اس فنی باریکی کو پیش نظر رکھ کر اور رفع اشتباہ کے خیال سے "من طین" کی صراحت کر دی اور اس پر حشو کا اطلاق ذرا بھی نہ ہونے دیا۔" (افتتاحیہ جلد دوم ص ۲)

ایک اور مثال "وما کفر سلیمان" ہے، مولانا نے اس آیت کے ضمن میں کئی نکتے پیش کئے ہیں:

"وما کفر سلیمان" [اور سلیمانؑ نے (تو کبھی) کفر نہیں کیا۔]

(جب کہ ناسپاسوں، کافروں اور افترا پردازوں نے مشہور کر رکھا ہے)

آیت کے اس مقام پر پہنچ کر مومن کے قلب میں ذرا کھٹک پیدا ہوتی ہے کہ یہ کہنے والی کون سی بات تھی جو قرآن نے فرما دی۔ جب حضرت سلیمانؑ پیغمبر برحق تھے تو یہ کھلی ہوئی اور موٹی سی بات ہے کہ آپ شائبہ کفر و شبہ کفر سے بمراحل دور تھے۔ پیغمبر کے حق میں یہ نازل ہونا کہ وہ کفر سے بری تھے، یہ تو کچھ ایسی ہی بات ہوئی جیسے کسی ملک کا بادشاہ یہ فرمان جاری کر کے رعایا کو بتائے کہ ہمارا نائب السلطنت باغی و غدار نہیں۔ کھٹک بجا ہے قرآن مجید کبھی کوئی چھوٹا سا بیان بھی بے ضرورت نہیں دیتا۔ مگر یہاں قرآن کو اس اعلان و اعلام کی ضرورت تھی۔ اس ضرورت کا علم سادہ دل مسلمان کو کیا ہو سکتا ہے، اس کا علم تو اس کے ہمہ بیں و ہمہ داں پروردگار ہی کو ہو سکتا تھا۔ سلیمانؑ کو پیغمبر ماننے والی دو قومیں مسلمانوں سے پہلے بھی ہو چکی ہیں، یعنی یہود و نصاریٰ۔ ان دونوں کے اکابر نے ستم ظریفی کا کمال یہ دکھایا ہے کہ ایک طرف تو ان کی عظمت و پیمبری کے قائل ہیں اور دوسری طرف ان کے نامۂ اعمال میں گندے گندے جرائم بھی ڈال دیئے ہیں۔ یہاں تک کفر و شرک بھی، کہ اللہ کی عدالت میں کوئی جرم اس سے بڑھ کر یا اس کے برابر بھی سنگین تصور میں نہیں آ سکتا۔ یہودی قصص و حکایات اور مسیحی آثار و روایات کی کتابوں کو چھوڑ دیئے، خاص الخاص بائبل یعنی عہد عتیق کے صحائف جن پر یہود و نصاریٰ دونوں کا ایمان ہے، انھیں ملاحظہ فرما لیجیے کہ اس مجموعہ میں آج تک کیا تصریحات لکھی چلی آ رہی ہیں:۔

۱۔ جب سلیمانؑ بوڑھا ہوا تو اس کی جورووں نے اس کے دل کو غیر معبودوں کی طرف مائل کیا، اور اس کا دل اپنے خدا کی طرف کامل نہ تھا۔ (سلاطین۔ ۱۱: ۴، ۱۰)

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یعنی محض غفلت یا عدم اعتنا کی بنا پر عملی کوتاہی یا عصیان نہیں، صریح بدعقیدگی، توحید کی طرف سے بے یقینی، آگے اور ملاحظہ ہو:۔

"سو از بس کہ اس کا دل خداوند اسرائیل کے خدا سے برگشتہ ہوا، اس لیے خداوند سلیمانؑ پر غضبناک ہوا کہ اس نے حکم دیا تھا کہ وہ اجنبی معبودوں کی پیروی نہ کرے پر اس نے خداوند کے حکم کو یاد نہ کیا۔" (سلاطین ۱۱: ۹، ۱۰)

معاذ اللہ! خدا کا پیغمبر اور کفر و شرک میں مبتلا۔ دنیا سینکڑوں سال تک ہزار ڈیڑھ ہزار سال تک انھیں یہودیانہ تحریکات واختراعات کا شکار ہو کر اس موحد اعظم کو نعوذ باللہ کافر و مشرک سمجھتی رہی۔ یہاں تک قرآن آیا جو ہر قوم، ہر زمانہ کے سچے پیمبروں کی عزت و ناموس کا محافظ ہے . . . اب قدرت حق کا اعجاز دیکھیے کہ اب جو محققانہ فاضلانہ کتب، بائبل کے پرستاروں کے قلم سے نکل رہی اور شائع ہو رہی ہیں، وہ تائیداً اور تصدیق، بائبل کی الزام دہی کی نہیں، قرآن کے جواب صفائی کی کر رہی ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے سب سے آخری ایڈیشن میں جو مقام نکلا ہے اس میں صاف یہ مضمون ملے گا: "سلیمان خدائے واحد کے مخلص پرستار تھے" (جلد دوم طبع چہاردہم) انسائیکلوپیڈیا ببلیکا نے تو اب صاف لکھ دیا ہے کہ یہ عبارتیں بعد کو بڑھائی گئی ہیں اور الحاقی ہیں اور پھر لکھا ہے:

"یہ تو غالباً صحیح ہے کہ سلیمان کی بیویاں متعدد تھیں، اسرائیلی بھی اور غیر اسرائیلی بھی، لیکن انھوں نے نہ تو سب کے لیے قربان گاہیں تیار کرائیں اور نہ خود خدائے واحد کی پرستش کے ساتھ اپنی بیویوں کے کہنے دیوتاؤں کی پرستش کا تجربہ ہوتے دیا۔" (ج ۱/ ۷۷-۷۶، کالم ۴۶۹۹)

اسی طرح ایک "لیس البران تولوا وجوھکم" الخ کی لغوی اور تفسیری تحقیق کے بعد لکھتے ہیں:

"ظہور اسلام سے قبل دنیا کی بے شمار گمراہیوں میں سے ایک گمراہی سمت پرستی تھی، یعنی بے جان دیوتاؤں، دیویوں، مورتیوں، پتھروں، درختوں، پہاڑوں، دریاؤں کے علاوہ خود سمتوں یا جہتوں کی بھی پرستش جاری ہو گئی اور مختلف جاہل قوموں نے یہ اعتقاد جما لیا تھا کہ فلاں مخصوص سمت مثلاً مشرق مقدس ہے اور فلاں متعین جہت مثلاً مغرب قابل پرستش ہے۔ قرآن مجید یہاں شرک کی اس صورت خاص کی تردید کر رہا ہے اور ارشاد کر رہا ہے کہ کسی جہت میں کیا تقدس رکھا ہے اور کوئی سمت بہ حیثیت سمت، ہرگز قابل تقدیس نہیں۔ طاعت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ ہمارے حضرات مفسرین کو اس آیت میں جو اشکال نظر آیا، وہ محض اس لیے کہ ان کی نگاہ مذاہب غیر کی اس گمراہی پر نہ تھی، اسلام نے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ظاہر ہے کہ نماز کے لیے کوئی سمت بہ حیثیت سمت ہرگز مطلوب نہیں کی ہے، اس نے صرف ایک متعین مکان یعنی خانہ کعبہ کو ایک مرکزی حیثیت دی ہے اور اسے قبلہ توجہ ٹھہرایا ہے خواہ وہ کسی سمت میں پڑ جائے . . . بہت سے مقامات سے ان مختلف سمتوں کے مختلف گوشوں میں یہ حقیقت سامنے رہے تو اشکال از خود رفع ہو جاتا ہے اور مختلف تاویلوں کی ضرورت نہیں رہتی" (ص ۱/ ۳۰۲)

اس کے بعد مشرق و مغرب کے حاشیے مولانا کی تحقیق کے خوبصورت نمونے ہیں۔ مشرق و مغرب کی تشریح میں اور باتوں کے ساتھ وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ:

" . . . پولوسی مسیحیوں نے جہاں اور بہت سے مشرکانہ مراسم رومیوں سے اخذ کیے وہیں اس مشرق پرستی کو بھی ان سے لے لیا، اور عبادت مشرق کی طرف رخ کر کے کرنے لگے چنانچہ مسیحیوں کے گرجے آج تک مشرق رو بر چلے آتے ہیں۔"

" . . . آفتاب کے طلوع و غروب پر قیاس کر کے مشرک ذہنیت نے یہ نتیجہ نکالا کہ جس طرح مصدر حیات سمت مشرق ہے اسی طرح مستقر موت و اجل سمت مغرب ہے اور اسی لیے یہ بھی مستحق تعظیم و تقدیس ہے۔" (ص ۱/ ۳۰۲، ۳۰۳)

"متشابہات" کی لغوی تشریح اور تفسیر کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ:

"اس پر کہنا چاہیے کہ سب کا اجماع ہے کہ قرآن مجید میں متشابہات صرف وہی آیات ہیں جن میں اخبار غیب یعنی صفات آخرت وغیرہ کا بیان ہے۔" (ص ۱/ ۵۳۹)

اس کے بعد وہ "ابتغاء الفتنۃ" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"جن کے دلوں میں حق طلبی، حق جوئی و تلاش صداقت نہیں ہوتی وہ اسی ادھیڑ بن میں لگے رہتے ہیں کہ دین میں کوئی نہ کوئی فتنہ برپا کریں اور بجائے اس کے کہ خود دین کی راہ پر چلیں، دین کو اپنی راہ پر چلانا چاہتے ہیں اور یہ لوگ معنوی کلام الہٰی کو توڑنے مروڑنے میں کوئی باک نہیں رکھتے۔ جیسا کہ آجکل بھی ہر فرقہ باطل کی تاویلات میں مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔" (ص ۱/ ۵۴۰)

اوپر جو کچھ عرض کیا گیا، اس سے واضح ہے کہ فن تفسیر کے معیار پر "تفسیر ماجدی" فنی اعتبار سے کامل و بلند پایہ ہے۔ یہاں اس تفسیر کی ایک اور خصوصیت بلکہ اس تفسیر کی اصل روح کی طرف اشارہ ضروری ہے اور وہ ہے کلام الہٰی کے مراد و منشا کی حقیقی اور پرزور ترجمانی ہے کیونکہ وہ اس حقیقت سے باخبر تھے اور معترف بھی تھے کہ قرآن

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اصطلاحی مفہوم میں کوئی علمی یا ادبی یا تحقیقی مقالہ نہیں۔ اصلاً وہ محض کتابِ ہدایت ہے یا انسانی زندگی کا انفرادی واجتماعی دستور العمل۔ اس کی دنیا سرتاسر حکمت واخلاق، روحانیت، عبدیت وانابت کی دنیا ہے۔ اس کی فضا سکینت قلب کی فضا اور اس کا ماحول تقویٰ وطہارت کا ماحول ہے، اس کے مغز تک پہنچنے کے لیے تقویٰ وطہارت کسی درجہ میں بہرحال ناگزیر ہے۔ طہارت جسم کی طرح طہارت قلب کا ذرا سا بھی اہتمام کئے بغیر محض زبان ولغت کے بل پر قرآن فہمی کی سعی یکسر لاحاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تفسیر ماجدی کے ہر ہر صفحہ پر منشائے الٰہی کی تعبیر مولانا کے ایمان، عقیدہ، جذبہ اور خلوص نیت کے سبب نہایت طاقتور اسلوب میں ادا ہوتی جاتی ہے۔

رحمٰن ورحیم ۱/۵، مکافاتِ عمل کا قانون ۱/۸، قرآن خود ایک عالم ہے ۱/۱۸، آخرت تسلسلِ حیات ہے۔ ۱/۲۸، قانون شریعت ۱/۴۳، عمل اور حسن عمل ۱/۵۲، اللہ خالق شر؟ ۱/۷۰، حقیقت نسخ ۱/۱۹۱، توحید ۱/۲۸۴، ۲۸۵، نظام معیشت ۱/۳۰۶، قصاص ۱/۳۱۰، ضبط تولید ۱/۳۳۷، قتال فی سبیل اللہ ۱/۳۵۲، حج ۱/۳۷۵، طلاق ۱/۴۴۲، حقوق نسواں ۱/۴۲۸، ۴۴۲، ۴۵۰؛ سود ۱/۵۱۲، وحدت انسانی ۲/۱، ارحام ۲/۳، تعدد ازدواج ۲/۵، مرد کی قوامیت ۲/۵۰، ۵۱، اسلام کا نظام معاشرت ۲/۵۶، ۵۷، جہاد فی سبیل اللہ ۲/۸۶، ۸۵، نکاح ۲/۱۹۱، ۱۹۲، جبر واختیار ۲/۲۶۷، تقلید جامد ۲/۲۷-۲۲۶، حجاب ولباس ۲/۵۰۶، فلسفہ وطنیت ۲/۵۷۰، اسلام کی آفاقیت ۲/۶۰۳، پیمبر کی بشریت وعبدیت ۲/۶۲۶، اصحاب نبی ۳/۸، نظام حکومت الٰہی کا ڈسپلن ۳/۲۱، جاہل دماغ کی اصل کمزوری ۳/۴۳، سیاسیات ومعاشیات کے زندہ ورنگین مشغلے ۳/۴۸، متاع دنیا ۳/۸۷، اہل ضلال کی خاص ذہنیت ۲/۹۱، وغیرہ ایسے مضامین ہیں جن پر مولانا کے حاشیے اپنی قوت تاثیر استدلال اور استخراج کے لحاظ سے بڑے بڑے مقالوں پر بھاری ہیں۔

اس کے باوجود مولانا اپنی علمی فروتنی کا ذکر بار بار کرتے ہیں کہ ایک سرتاسر بے بضاعت اور سراپائے بے علمی ونااہلی کی ہمت اسی شان رب العٰلمین نے بڑھائی اور جو پیکر ضعف وجہل تھا اس میں عزم وحوصلہ کی روح اسی کرشمہ بندہ نوازی نے دوڑائی ؎

ہے آرزو کہ ابروئے پرخم کو دیکھئے   اس حوصلہ کو دیکھئے اور ہم کو دیکھئے

●●

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر سید فرمان حسین
شعبہ دینیات شیعہ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

قرآن اور فرقہ شیعہ

اور مولانا علی نقی صاحب کے ترجمہ و تفسیر قرآن پر ایک نظر

اس مقالہ کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا جائے گا۔ ان ابواب میں جن مقامات پر روشنی ڈالی جائے گی اس کا اجمالی خاکہ مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ مولانا علی نقی صاحب کا خاندانی پس منظر: اس باب میں بتایا گیا ہے کہ مولانا علی نقی صاحب جس خانوادے سے تعلق رکھتے تھے بین الاقوامی پیمانے پر وہ خاندان اجتہاد کے عنوان سے شہرت رکھتا ہے۔ سید العلماء جناب غفراں مآب مولانا سید دلدار علی صاحب کی نسل کے ایک مایۂ ناز فرد تھے۔ جناب غفراں مآب وہ پہلے ہندوستانی تھے جنھوں نے سلسلۂ اجتہاد کی بنا ہندوستان میں ڈالی اور ان کی نسل میں ان کے وقت سے اس وقت تک برابر ہر دور میں علماء و فقہا کا سلسلہ جاری ہے اور شیعی دنیا کی قیادت اس سلسلے کے افراد کرتے رہے ہیں۔ مولانا سید علی نقی صاحب کا سلسلۂ نسب صرف پانچ واسطوں سے جناب غفراں مآب تک پہنچ جاتا ہے۔

جناب غفراں مآب کے دو عظیم صاحب زادے یعنی جناب سلطان العلماء مولانا سید محمد صاحب اعلی اللہ مقامہ اور علیین مکان جناب سید العلماء مولانا سید حسین صاحب علی اللہ مقامہ تھے۔ ان دونوں کی اولاد میں اگرچہ ہمیشہ بلند پایہ کے نامور علماء پیدا ہوتے رہے ہیں لیکن ان دونوں کی ذریت امتیازی خصوصیات کی مالک رہی ہے۔ سلطان العلماء کی نسل کے بعض علماء معقولات اور علم کلام میں امتیازی حیثیت رکھتے رہے ہیں۔ یہ دونوں سلسلے مولانا سید علی نقی صاحب کی ذات میں متصل ہوئے اس لیے ان کی ذات متفرق علوم کا آئینہ بن گئی۔

۲۔ اردو میں شیعہ تراجم: یوں تو قرآن مجید کے تراجم اور تفاسیر ہر دور اور ہر زبان کے علماء نے اپنی اپنی صلاحیتیں صرف کی ہیں، لیکن اردو زبان میں یہ سلسلہ بہت بعد میں شروع ہوا اور اس کی وجہ بھی ظاہر ہے اس لیے کہ اردو زبان خود بہت بعد میں صفحۂ وجود پر آئی ہے۔ شیعہ علماء نے بھی اس سلسلہ میں اپنے نمایاں کارناموں سے دنیا کو منور کیا ہے اور جہاں تک معلوم ہو سکا ہے وہ یہ کہ اس سلسلہ میں بھی خاندان اجتہاد کو اولیت حاصل ہے۔ جناب غفراں مآب کے منجھلے صاحب زادے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا سید علی صاحب مرحوم نے "تفسیر توضیح مجید" اردو زبان میں تحریر فرمائی جس میں ادبی و ذوقی نکات درج کیے ہیں۔ دقیق معانی سے صرف نظر کیا گیا ہے تاکہ عوام کے لیے مفید ثابت ہو سکے۔

مفتی محمد علی صاحب میشاپوری کنتوری جو کہ جناب غفران مآب کے شاگرد تھے، انھوں نے کتاب "تقریب الافہام" تحریر کی۔ جناب علیین مکان سید العلماء مولانا سید حسین صاحب علی اللہ مقامہ نے تفسیر سورۂ فاتحہ، تفسیر سورۂ قل ھو اللہ، تفسیر سورۂ دھر وغیرہ تحریر فرمائیں۔

تاج العلماء مولانا سید علی محمد صاحب مرحوم نے "الفرقان" کے نام سے ایک کتاب ٹھیٹھ ہندستانی زبان میں لکھی۔ اس باب میں ان کے علاوہ دیگر شیعہ علماء کے قرآن مجید کے جو ترجمے کیے ہیں ان پر بھی روشنی ڈالی جائے گی۔

۳۔ سید العلماء کے ترجمہ کا اسلوب: اس سلسلے میں جناب سید العلماء نے مقدمۂ تفسیر قرآن کے گیارہویں تبصرہ میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے۔ وہ بہت معنی خیز ہے اور اس کی روشنی میں سید العلماء کے ترجمہ کا اسلوب پہچاننے میں بہت مدد ملتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ:

"سب سے پہلے خود قرآن مجید کے الفاظ پر نظر ڈالی جائے۔ اس کے مفردات کو لغت و محاورے کے مطابق حل کیا جائے جس کی بنیاد زیادہ تر ذاتی حیثیت سے عربی علم ادب کے ساتھ مزاولت اور موارد استعمال کے تتبع پر قائم ہو سکتی ہے۔ صرف کتب لغت میں دیکھ لینے سے صحیح لفظ حقیقت تک پہنچنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔"

اس عنوان کے تحت جناب سید العلماء کے ترجمہ کے اسلوب پر روشنی ڈالی جائے گی۔

۴۔ سید العلماء کے ترجمہ کے امتیازی خصوصیات: اس عنوان کے ذیل میں پچاس منتخب آیات کے جو ترجمے مختلف شیعہ علماء نے اردو میں کیے ہیں ان کو پیش کرتے ہوئے سید العلماء نے ان آیات کا جو ترجمہ اپنی انفرادی شان کے ساتھ کیا ہے، اسے پیش کیا جائے گا اور تقابلی نظر ڈالی جائے گی۔

۵۔ خاتمۂ کلام: میں شیعہ مترجمین کی زبان و ان کی ادبی حیثیت پر روشنی ڈالتے ہوئے سید العلماء کے ترجمہ کی زبان اور اس کی ادبی حیثیت کی وضاحت کی جائے گی اور سید العلماء کے ترجمہ کی انفرادیت پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ مقالہ ختم کیا جائے گا۔

مولانا علی نقی صاحب جناب غفران مآب کی نسل کے اس زریں سلسلے سے تعلق رکھتے ہیں جو بین الاقوامی طور پر خاندان اجتہاد کے نام سے مشہور ہیں۔ غفران مآب وہ پہلے ہندستانی تھے جنہوں نے دیارِ مدینہ میں سلسلۂ اجتہاد کی بنیاد رکھی اور اس وقت سے اب تک اس خاندان کے افراد برابر دینی علوم و فنون کی خدمت کرتے آ رہے ہیں اور ان پر شیعی دنیا کی مذہبی قیادت کی ذمہ داری رہی ہے مولانا علی نقی صاحب کا سلسلۂ نسب پانچ واسطوں سے غفران مآب تک پہنچ جاتا ہے۔

شیعہ اور قرآن: عام طور سے کہا جاتا ہے کہ شیعہ موجودہ قرآن مجید کو مکمل نہیں سمجھتے بلکہ ان کا عقیدہ ہے کہ بعض اجزا جمع ہونے سے رہ گئے، اور حضرت علی نے جو قرآن جمع کیا تھا وہ مکمل صورت میں تھا۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ شیعوں کے نزدیک قرآن مجید کے چالیس پارے تھے جن میں سے دس پارے حذف کر دیئے گئے۔ اور چونکہ شیعوں کے نزدیک یہ قرآن مکمل نہیں اسلیے قرآن پر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شیعوں کا عقیدہ بھی نہیں ہے۔ اس پروپگنڈہ کا اثر اتنا شدید ہے کہ بعض سنجیدہ اور تعلیم یافتہ افراد بھی اس کی گرفت سے نہ بچ سکے۔ ماضی قریب میں اس بات پر زور دیتے ہوئے باقاعدہ کتابوں میں لکھ کر بھی شیعوں کو مطعون کیا جا رہا ہے۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ بہت سے شیعہ اداروں سے بہت سے شیعہ علما کے ترجمے اور تفسیریں شائع ہو رہی ہیں مگر کبھی یہ دیکھنے کی توفیق بھی نہیں ہوئی کہ اس کو خرید کر قرآنی آیات و سور کے مطابق کر کے دیکھ لیا جاتا تاکہ ایک مسلمان جماعت پر اتہام کے ارتکاب سے محفوظ رہ سکتے۔

بہرحال اس سلسلہ میں یہ وضاحت کرنا ضروری ہے کہ شیعہ قرآن کی اس آیت پر مکمل یقین رکھتے ہیں جس میں خداوند عالم نے قرآن مجید کے حفاظت کی ذمہ داری اس طرح لی ہے۔

انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون[۱] ہم نے ہی اس ذکر کو نازل کیا اور ہم ہی اسکی حفاظت کرنیوالے ہیں

شیعہ ائمہ اثنا عشر کو اپنا پیشوا مانتے ہیں۔ ایسا کہ جن کا قول، فعل اور تقریر حجت ہے ان کا اتباع واجب ہے اور ان کی اطاعت فرض ہے۔ ان کا مذہب، عقیدہ، مسائل و احکام آن حضرت اور ان حضرات کے اقوال و احکام اور ان کے احوال کی عکاسی پر مبنی ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ یہ حضرات تو قرآن مجید کو مکمل کتاب اور واجب العمل سمجھتے ہوں اور وہ جماعت جو ان کی پیروی کا دم بھرنے میں کسی قسم کا تامل روا نہ جانتی ہو وہ اس میں کسی کمی یا زیادتی کی قائل ہو۔[۲]

حضرت علی علیہ السلام کے خطبات و مکتوبات و اقوال کا مجموعہ کتابی شکل میں نہج البلاغۃ کے نام سے ہر جگہ دستیاب ہے اس میں امیر المومنین فرماتے ہیں۔

الله الله ایها الناس فیما استحفظکم من کتابه واستودعکم من حقوقه فان الله سبحانه لم یخلقکم عبثا ولم یترککم سدی ولم یدعکم فی جهالة ولا عمی قد سمی آثارکم وعلم اعمالکم وکتب آجالکم وانزل علیکم الکتاب تبیانا لکل شیء وعمر فیکم نبیه ازمانا حتی اکمل له ولکم فیما انزل من کتابه دینه الذی رضی لنفسه[۳]

لوگو! خدا کا خوف کرو کتاب خدا کے بارے میں جس کی نگہداری کا وہ تم سے طالب ہوا ہے اور اس کے حقوق کا تم کو امانت دار بنایا ہے۔ خدا نے تم کو عبث پیدا نہیں کیا اور نہ مہمل و بیکار چھوڑا۔ اور نہ جہالت و کور چشمی میں تم کو چھوڑ رکھا ہے۔ اس نے تمہارے حالات کو نامزد کیا ہے اور تمہارے اعمال پر نشان کھینچ دیے۔ اور تمہاری عمر کو لکھ لیا۔ اور تم پر کتاب نازل کی جو ہر شے کے بیان پر مشتمل ہے۔ اور اس نے تمہارے درمیان اپنے نبی کو ایک زمانہ تک زندہ رکھا۔ یہاں تک کہ اس نے ان کے لیے اور تمہارے لیے جو اس کتاب میں نازل ہوئی ہے اپنے اس دین کو مکمل کر دیا ہے جسے اپنے لیے پسند فرما لیا ہے۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں (تحکیم کے بارے میں)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انا لم نحکم الرجال وانما حکمنا القرآن انما ھو خط مسطور بین الدفتین لا ینطق بلسان ولا بد لہ من ترجمان وانما ینطق عنہ الرجال ولما دعانا القوم الی ان نحکم بیننا القرآن لم نکن الفریق المتولی علی کتاب اللہ[4]

ہم نے انسانوں کو حکم نہیں بنایا تھا بلکہ قرآن کو حکم بنانے پر راضی ہوئے تھے اور یہی وہ قرآن ہے جو دونوں دفتیوں کے درمیان لکھا ہوا ہے۔ وہ زبان سے تو بولتا نہیں اس کے لیے ترجمان کی ضرورت ہے۔ انسان وہ ہوتے ہیں جو اس کی ترجمانی کرتے ہیں اور جب ان لوگوں نے ہم کو دعوت دی کہ ہم قرآن کو حکم قرار دیں تو ہم ایسی جماعت نہیں بنے کہ جو قرآن سے روگردانی کرنے والی ہو۔

شیخ المحدثین، مرجع شیعت جناب شیخ صدوق فرماتے ہیں۔

اعتقادنا ان القرآن الذی انزل اللہ علی نبیہ ھو ما بین الدفتین ولیس باکثر من ذالک ومن نسب الینا انا نقول انہ اکثر من ذالک فھو کاذب[5]

ہمارا اعتقاد ہے کہ قرآن جسے خداوند عالم نے اپنے نبی پر نازل فرمایا وہ یہی ہے کہ جو دونوں دفتیوں کے درمیان موجود ہے اور اس سے زیادہ نہیں ہے اور جو شخص ہماری طرف نسبت دے کہ ہم اصلی قرآن کو اس سے زیادہ مانتے ہیں وہ جھوٹا ہے۔

جناب سید مرتضیٰ علم الہدیٰ اور نہج البلاغہ کے مرتب جناب سید رضی کے استاد جناب شیخ مفید جن کی کتاب الارشاد فرقہ شیعہ کے مذہبی لٹریچر کی بنیادی کتاب ہے اس طرح تحریر کرتے ہیں۔

قال جماعۃ من اھل الامامۃ انہ (ای القرآن) لم ینقص من کلمۃ ولا من آیۃ ولا من سورۃ ولکن حذف ما کان مثبتاً فی مصحف امیر المومنین من تاویلہ وتفسیر معانیہ علی حقیقۃ تنزیلہ[6]

فرقہ امامیہ میں زیادہ تر لوگ اسی بات کے قائل ہیں کہ قرآن مجید میں ایک کلمہ، ایک آیت اور ایک حرف کی بھی کمی نہیں ہوئی ہے۔ بے شک جناب امیر المومنین حضرت علی کے جمع کردہ قرآن میں جو تاویل اور تفسیر اس کے معانی کی اس کی اصل شان نزول کے مطابق ہوئی تھی وہ کم کر دی گئی ہے۔

سید مرتضیٰ علم الہدیٰ بھی عدم تنقیص کے ہی قائل تھے۔

عن السید المرتضیٰ قدس سرہ۔ قولہ بعدم النقیصۃ وان من خالف ذالک من الامامیۃ والحشویۃ لا یعتد بخلافھم فان الخلاف فی ذالک مضاف الی قوم من اصحاب الحدیث نقلوا اخبارا ضعیفۃ ظنوا صحتہا[7]

جناب سید مرتضیٰ کا قول ہے قرآن میں کوئی کمی نہیں ہوئی اور امامیہ حشویہ میں سے جو لوگ اس کمی کے قائل ہو گئے وہ قابل التفات نہیں ہیں اسلیے کہ یہ اختلاف اس قوم نے پیدا کیا ہے جس نے کم زور حدیثیں نقل کر لیں اور انھیں صحیح گمان کر لیا۔

شیخ طوسی کی کتاب تبیان میں ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام الکلام فی زیادتہ ونقصہ فھما لا یلیق بہ[۶]

قرآن مجید کے متعلق کمی یا زیادتی کا سوال اٹھانا بالکل نامناسب ہے۔

مجمع البیان میں اس مسئلہ پر اس طرح روشنی ڈالی گئی ہے۔

لاریب انہ محفوظ من النقصان بحفظ الملک الدیان کما دل علیہ صریح القرآن واجماع العلماء فی کل زمان ولا عبرۃ بالنادر[۹]

بے شک قرآن مجید نقص سے محفوظ ہے خدا کی غیبی حفاظت کے ساتھ جس پر قرآن کی آیت صریحی طور پر دلالت کر رہی ہے۔ اور اس پر ہر زمانے کے علماء کا اجماع بھی رہا ہے اور شاذ و نادر بعض لوگوں کا اس کے خلاف قول قابل توجہ نہیں۔

شیخ بہائی کہتے ہیں

والصحیح ان القرآن العظیم محفوظ عن ذالک زیادۃ کان او نقصانا ویدل علیہ قولہ تعالیٰ انا لہ لحافظون[۱۰]

حق یہ ہے کہ قرآن ہر طرح کی کمی و زیادتی سے محفوظ ہے اور اس کی دلیل خدا کا یہ قول ہے کہ ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

بے شک بعض شیعی کتابوں میں اس طرح کے مندرجات ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن اصل صورت پر باقی نہیں بلکہ اس میں کچھ تغیر و تبدل واقع ہوا ہے جیسے احتجاج طبرسی میں ابوذر غفاری سے منسوب یہ روایت مانی جاتی ہے کہ جناب رسالت مآبؐ کی وفات کے بعد حضرت علی نے قرآن جمع کیا اور مہاجرین و انصار کے مجمع میں آکر پیش کیا حضرت ابوبکر نے جو اس کو کھولا تو سب سے پہلے وہ مقام کھلا جہاں قوم کے فضائح درج تھے۔ حضرت عمر نے بڑھ کر کہا کہ یا علی اس کو آپ واپس لے جائیے ہم کو اس کی ضرورت نہیں۔ یہ سن کر حضرت علی نے اس کو لے لیا اور واپس گئے۔ پھر حضرت ابوبکر نے زید بن ثابت کو بلوایا اور حضرت عمر نے ان سے کہا کہ علی ہمارے پاس قرآن لائے تھے جس میں بہت سے مہاجرین اور انصار کے بارے میں رسواکن باتیں ہیں۔ اب ہماری رائے یہ قائم ہوئی ہے کہ ہم خود قرآن جمع کریں اور اس میں جو کچھ مہاجرین و انصار کے مصائب ہوں ان کو حذف کر دیں۔ زید نے اس حکم کو منظور کر لیا۔[۱۱]

ایسی ہی یہ روایت بھی ہے جسے نعمانی نے حضرت علی سے منسوب کیا ہے کہ گویا میں عجموں کے خیمے مسجد کوفہ میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ لوگوں کو قرآن کی تعلیم اس صورت میں دے رہے ہیں جس طرح وہ نازل ہوا تھا۔ راوی نے پوچھا کہ کیا وہ صورت نزول پر نہیں ہے۔ فرمایا نہیں۔ اس میں سے قریش کے ستر آدمیوں کے نام نکال دیئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ ہشام بن سالم نے امام جعفر صادق سے یہ قول نقل کیا ہے کہ سورۂ احزاب سورۂ بقرہ جتنا طویل تھا یا یہ کہ سورۂ احزاب میں سات سو آیتیں تھیں۔ لیکن ایسی روایات کا ماخذ احمد بن محمد سیاری کی کتاب ہے۔ اور اس کے بارے میں شیخ الطائفہ جناب شیخ طوسی فرماتے ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ضعیف الحدیث، فاسد المذہب، مجفو الروایۃ، کثیر المراسیل

ایسے ہی ایک عالم محدث نوری اس سلسلہ میں اتنے آگے بڑھے کہ انھوں نے ایک کتاب "فصل الخطاب فی تحریف کتاب رب الارباب" لکھ دی مگر شیعہ علماء نے ان کی اس حرکت کو قبول نہیں کیا اور آقای محمد مہدی موسوی نے اپنی کتاب "احسن الودیعہ فی تراجم علماء الشیعہ" میں ان کے بارے میں یہ لکھا کہ کاش انھوں (محدث نوری) نے یہ کتاب نہ لکھی ہوتی اور اس دور میں بعض علماء نے محدث نوری کی کتاب کے رد میں رسالہ لکھا جس میں قول حق کو واضح کیا گیا تھا اور محدث نوری پر طعن و تشنیع بھی کی گئی۔

حقیقت صرف یہ ہے کہ حضرت علی کے جمع کردہ قرآن کے بارے میں شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اس میں متن قرآن کے ساتھ آیات کی تشریح بھی کی گئی ہے۔ اس تشریح کو نہ حضرت علیؓ اصل قرآن سمجھتے تھے نہ دیگر ائمہ نے سمجھا اور نہ ہی شیعہ سمجھتے ہیں ورنہ موجودہ قرآن مجید کے بارے میں حضرت علی کا یہ قول کیوں ہوتا۔

کتاب اللہ بین اظہرکم ناطق لا یعیی لسانہ وبیت لا تھدم ارکانہ وعز لا تھزم اعوانہ[۱]

لوگو تمہارے درمیان اللہ کی کتاب فیصلہ کن ہے جس کی زبان تھکتی نہیں جو ایسا گھر ہے کہ منہدم نہیں ہوتا جس کی ایسی عزت ہے کہ اس کے مددگاروں کو شکست نہیں دی جا سکتی۔

اور امام جعفر صادق یہ کیوں فرماتے کہ جو شخص کتاب الٰہی اور سنت رسولؐ کی مخالفت کرے وہ کافر ہے ——————

—————— اور شیعہ علماء ہر دور میں اس سے کیوں استشہاد کرتے کیوں اپنی فقہ کا ماخذ اسے قرار دیتے احکام و معاملات و حدود و تعزیرات اور مشکلات میں اس کی طرف رجوع کرتے اور کیوں اس کا ترجمہ اور تفسیر مختلف زبانوں میں کرتے۔ مولانا علی نقی صاحب تحریر فرماتے ہیں" ہم نے بارہا اعلان کیا ہے اور اعلان کرتے ہیں کہ ہم قرآن مجید (اس دو نوں دفتیوں والے قرآن) میں کسی قسم کا شبہ نہیں کرتے ہم اس کو کلام الٰہی رسول کا اعجاز، اسلام کی سچائی کا نشان اور تمام مسلمانوں کیلئے لازم العمل و واجب الاتباع سمجھتے ہیں۔

قرآن مجید کے اردو زبان میں شیعہ مسلک کے ترجمے:

یوں تو اردو زبان میں شیعوں نے قرآن مجید کے بہت سے ترجمے کئے ہیں جیسے خالص ہندستانی زبان میں تاج العلماء مولانا سید علی محمد صاحب نے ترجمہ کیا جس میں قرآن کی عربی عبارتیں نہیں ہیں یہ اسلئے کیا گیا تاکہ غیر مسلم افراد کے ہاتھوں میں بلا تکلف دیا جا سکے۔ ساتھ میں مبسوط حواشی بھی ہیں جن میں زیادہ تر سر سید احمد خاں کے خیالات کی رد کی گئی ہے۔

مولانا عمار علی صاحب نے عمدۃ البیان کے نام سے تین جلدوں میں مفصل ترجمہ و تفسیر لکھی جس کی خصوصیت یہ ہے کہ منقولات پر زیادہ زور دیا گیا ہے مولانا سید اعجاز حسین صاحب امروہوی نے بھی ایک کتاب تفسیر آیات میں تحریر کی ہے۔

مولانا امداد حسین صاحب کی تفسیر انوار القرآن اگر چہ فنی تقاضوں کو پورا کرتی ہے تاہم زبان کی حد تک اس سے اختلاف

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیاجاسکتا ہے۔

مولانا محمد ہارون صاحب زنگی پوری نے علوم القرآن جیسی کتاب تحریر کی جو قرآن فہمی کے سلسلہ میں ایک اہم باب ہے ـــــ

مولانا فرمان علی صاحب مرحوم کے ترجمہ کی زبان انتہائی سلیس اور بامحاورہ ہے۔ تفسیری اشاروں میں نقلی اور عقلی دونوں طرح کی دلیلوں کا سہارا ہے یہ اپنی نوعیت کا منفرد کارنامہ ہے۔ کاش مولانا مرحوم نے اختصار سے کام نہ لیا ہوتا۔[۱۲]

مولانا مقبول احمد صاحب کی "مقبول ترجمہ" تفسیری کاوشوں میں سنگ میل قرار دیے جانے کا مستحق ہے۔ منقول پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ جو ان کے عہد کے خصوصیات میں سے تھا۔

سرکار نجم العلما کے اخلاف میں مولانا محمد صادق صاحب کا ترجمہ قرآن تفہیم القرآن کے ساتھ ساتھ جناب مترجم کے عربی ادب اور اردو زبان دونوں پر مہارت کا ثبوت ہے۔

ان کے ہی بھائی مولانا محمد محسن صاحب نے قرآن مجید کا منظوم ترجمہ کیا ہے۔ اگرچہ مقالہ نگار کے نظر سے ابھی تک نہیں گزرا لیکن معتبر حضرات کی زبان سے تعریف سنی ہے۔

پاکستان سے تفسیر نمونہ کی پندرہ جلدیں شائع ہوئی ہیں اور پورے قرآن کا ترجمہ و تفسیر ۲۴ جلدوں میں مکمل ہونے کی امید ہے۔ یہ درحقیقت ایران کے دس علمار کا کارنامہ ہے جسے اردو کا جامہ مولانا صفدر حسین صاحب نجفی نے پہنایا۔ ادبی کتاب فنی خصوصیات، عصری رجحانات اس تفسیر کی اہم خصوصیات ہیں۔ یہ تفسیر ایک ہمہ گیر اور جدید تقاضوں سے ہم آہنگ ہے۔ عالمی افکار و نظریات اور علوم و کمالات کے سامنے اسلامی عظمت اور قرآن کی سربلندی و بالاتری کا مظہر ہے۔ قرآنی مفاہیم سے آشنائی اور اس الہامی کتاب (قرآن) سے عشق پیدا ہوتا ہے۔ عام طور سے لفظی ترجمہ کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے اور عبارت کی روانگی کیلیے آزاد ترجمہ کا طریقہ بھی اختیار کر لیا گیا ہے۔

مولانا علی نقی صاحب کا ترجمہ اور تفسیر کا اسلوب ہلان کی تفسیر سات جلدوں پر مشتمل ہے اور اس کے علاوہ ایک مقدمہ تفسیر قرآن بھی ہے (جو قرآنی مفاہیم کے افہام و تفہیم میں انتہائی مفید ہے) مقدمہ تفسیر قرآن اور تفسیر قرآن کی چھ جلدیں طبع ہو کر شائع ہو چکی ہیں ساتویں جلد تاہنوز طبع نہیں ہوئی۔[۱۳]

مقدمہ تفسیر قرآن اور بعض پاروں کی تفسیر پاکستان اور ہندستان سے بھی شائع ہو چکی ہیں۔ اور چھ جلدیں کشمیر سے شائع ہوئی ہیں ساتویں جلد بھی وہیں سے شائع ہونے والی ہے۔ تفسیر قرآن کے سلسلہ میں ان کا اسلوب مندرجہ ذیل پہلوؤں پر مشتمل ہے۔

۱۔ وہ اس نقطہ نظر کے حامی نہیں کہ عقل انسانی قرآن کے معانی سمجھنے سے قاصر ہے۔ اور اس کے سمجھنے والے خاص اشخاص تھے جو اب ہمارے سامنے نہیں ہیں اور ہم صرف ان کے اقوال و ارشادات پر ہی عمل پیرا ہو سکتے ہیں۔ ہم قرآن سے براہ راست کسی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکم شرعی کا یا اعتقادی مسئلہ کا نتیجہ حاصل نہیں کرسکتے۔ اور نہ ہی اس جماعت سے متفق ہیں جس نے ہر درد کا مداوا قرآن مجید کو قرار دیکر احادیث واخبار سے بالکل ہی کنارہ کشی کرلی وہ قرآن مجید کے تفہیم میں خود قرآن سے بھی استفادہ کو ضروری سمجھتے ہیں اور حسب ضرورت احادیث سے مدد لینے کو بھی یہ حقیقت ان کے پیش نظر رہی ہے کہ قرآن مسلمانوں کی مذہبی کتاب، رسول کا معجزہ، معارف کا خزانہ اور حقائق کا گنجینہ ہے اور اس کے معانی کو سمجھنا، غور کرنا، سبق حاصل کرنا اور دوسروں کو بھی اس سے مستفید ہونے کا موقع فراہم کرنا مسلمانوں کا فریضہ ہے۔

۲۔ وہ جدید تحقیقات سے مرعوب مفسرین کی اس کاوش سے متفق نہیں ہیں کہ مذہبی آیات وروایات کو جدید تحقیقات پر منطبق ضرور کرنا چاہیئے خواہ یہ جدید تحقیقات کوئی ثابت اور یقینی حیثیت نہ بھی رکھتی ہوں اور اس منطبق کرنے میں توڑ مروڑ اور ساخت وساز ایک امر قبیح ہے۔ مرعوب ذہن کی یہ سعی اسلیئے بھی لاحاصل ہے کہ انسانی فلسفہ اور علوم متغیر چیزیں ہیں اور مذہب ایک ثابت ولازوال حقیقت ہے اور ثابت ولازوال شئے متغیر اشیاء کا ساتھ کیسے دے سکتی ہے مگر وہ جدید علوم کے یکسر منکر بھی نہیں کیونکہ واقعی حقائق جن کا اب انکشاف ہو رہا ہے ان میں سے بہت سے امور تو بے جا اور دور از کار تاویلات کے بغیر نہایت صاف اور واضح انداز میں قرآن مجید میں موجود ہیں۔ جیسے المشارق والمغارب میں مشرقوں کا تذکرہ جو ان جدید تحقیقات سے بالکل ہم آہنگ ہے کہ مشرق بھی متعدد ہیں اور مغرب بھی اور ایسے قرآن مجید کے اعجاز کے طور پر پیش کرنے کی ضرورت ہے کہ جو چیزیں ہزاروں برس تک انسانی فکر سے پوشیدہ رہیں اور جدید آلات کے ذریعہ ہی جن تک رسائی ممکن ہوسکی وہ نبی امی کے لائے ہوئے قرآن میں چودہ سو برس پہلے سے مذکور رہیں۔

۳۔ وہ دینی تفسیر میں قرآن مجید پر کیئے جانے والے قدیم وجدید دونوں طرح کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے مسلمانوں کی قدیم تفسیروں کے منہج سے الگ ہٹ کر نقد وتبصرہ سے بھی کام لیتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی تفسیر میں ان اسرائیلی خرافات کا تذکرہ نہیں ہے جن کا تعلق نہ قرآنی آیات سے ہے نہ احادیث سے اور اگر کہیں ذکر کیا بھی ہے تو تنقید وتبصرہ کے التزام کے ساتھ بطور مثال انھوں نے قرآنی آیات کے ان پہلوؤں پر زور دیا ہے جو انبیاء کے تذکروں میں اسرائیلی روایات کے خلاف ان معصوم ہستیوں کے پیغمبرانہ اور معصومانہ کردار کو اجاگر کرتے ہیں۔

۴۔ وہ تفسیر کے حدود میں الفاظ کے معانی، مطالب، مقاصد اور اس کلام سے بطور اشارہ پیدا ہونے والے معانی کو قرار دیتے ہیں۔ ان معانی کے مصداق کی تلاش کو شرح الفاظ کلام سے متعلق نہیں قرار دیتے ہیں۔

۵۔ مفردات الفاظ کو لغت ومحاورہ کے مطابق حل کرتے ہیں اور اس کی بنیاد ذاتی حیثیت سے عربی علم وادب کے ساتھ مزاولت پر ہے لغوی معنی سے واقفیت پر نہیں بلکہ موارد استعمال کے تتبع پر ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۶۔۔۔۔۔ تفسیر قرآن میں وہ متوجہ رہتے ہیں کہ کون سے الفاظ اور جملوں کا تحت اللفظی ترجمہ ضروری ہے۔ اور کون سے ایسے الفاظ ہیں جو بطور کنایہ محاورہ کے طور پر وارد ہوئے ہیں ایسے مواقع پر عرب کے محاورات سے بھی استشہاد کرتے ہیں۔ ایسے قرائن پر بھی نظر ڈالنا ضروری سمجھتے ہیں جو الفاظ کو اصل معنی سے ہٹا سکتے ہیں خواہ یہ قرینہ عقلی ہو یا نقلی۔ جو آیتیں قصص و واقعات سے تعلق رکھتی ہیں ان کے سلسلہ میں قرآن میں مذکورہ واقعات کے علاوہ مزید تشریح و تفصیل کے لیے معتبر احادیث سے تمسک کرتے ہیں۔

۷۔۔۔۔۔ اسرائیلی روایات سے حتی الامکان احتراز کرتے ہیں اور اگر ان کا ذکر کرتے بھی ہیں تو اس التزام کے ساتھ کہ ان کی رد بھی ساتھ ساتھ ہو جائے۔

۸۔۔۔۔۔ جن آیات کے معانی میں مختلف جماعتوں کی طرف سے شکوک پیدا ہوتے ہیں اور اسلام کے مخالفوں کی طرف سے اعتراضات کیے جاتے ہیں ان کا دفعیہ کر کے توہمات کے گرد و غبار کو ہٹا کر صاف کرنا ایک مفسر کا فریضہ سمجھتے ہوئے اس پر عمل بھی کرتے ہیں حسب ضرورت فصاحت و بلاغت کے نکات اور محاسن کلام پر بھی روشنی ڈالتے ہیں۔

۹ معانی و مطالب کے اخذ میں آیت کے الفاظ کو ہی پیش نظر رکھتے ہیں۔ نظم الفاظ اور ترتیب کلمات کو بھی مد نظر رکھنا ضروری سمجھتے ہیں۔ خاص عام، مطلق، مقید، مجمل و مبین اور ناسخ و منسوخ کا خیال رکھنا بے حد ضروری سمجھتے ہیں۔

۱۰ مقدمہ تفسیر قرآن میں ان کی یہ عبارت ان کے اسلوب کو متعین کرنے میں کافی حد تک معاون ہے۔

"قرآن کے مضامین پر غور کرنے سے جو رموز و اسرار پیدا ہوں علمی نکات برآمد ہوں، فلسفیانہ انکشافات کا پتہ چلے ادبی محاسن کا اندازہ ہو انہیں سیکھنے کی کوشش کرنا اور پھر دنیا کے سامنے پیش کرنا مستحسن خدمت ہے۔ اس کے ساتھ ذوق سلیم قوت نظر و فراست اور ایک حد تک ذہانت و ذکاوت کی بھی ضرورت ہے بشرطیکہ علمی نکتہ رمز یا انکشاف کے ثابت کرنے کے لیے صحیح معنی و مضمون قرآن میں کوئی تغیر کرنے کی ضرورت نہ پڑے بلکہ انہی معانی سے وہ نکات و رموز پیدا ہوتے ہیں۔

قرآن مجید کے اصلی معانی و مطالب کو محفوظ رکھنے کے ساتھ ان کے مصداق صحیح کا پتہ لگانے میں اگر تاریخی جغرافیائی یا فلسفیانہ معلومات اور جدید انکشافات سے مدد مل رہی ہو تو ان معلومات سے مدد لینا اور قرآنی آیات کے صحیح مصداق کا پتہ چلانا قابل اعتراض بات نہیں ہے۔ متشابہات یعنی ایسی آیتیں جن کے ظاہری معنی کچھ متعین نہیں ہیں بلکہ ان رموز و اشارات کے طور پر ان کے معانی کا تعین ہو سکتا ہے۔ ان کے معانی کے تعین میں عقل سے کام لے کر ان اشارات و رموز کا قطعی طور پر انکشاف کرنا درست نہیں بلکہ اس میں راسخون فی العلم سے تمسک کی ضرورت ہے۔ بے شک اگر عقل پر زور دے کر کچھ اشارات بطور احتمال پیدا کیے جائیں اور انہیں صرف امکانی حدود کے اندر رکھا جائے اور یقین کے ساتھ کہنے کی جرأت نہ کی جائے کہ ان الفاظ سے صرف یہی مراد ہیں تو کوئی مضائقہ نہیں اس کیلیے اس وقت بھی دروازہ بند نہیں ہوگا کہ جب کسی حدیث نے اس رمز و

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اشارے کی کوئی خاص جہت بتادی ہو اس لیے کہ قرآنی آیات کے یا اشارات صرف دو ایک جہتوں میں منحصر نہیں ہیں بلکہ کثیر التعداد وجوہ رکھتے ہیں۔ وہ آیات جن کے اصلی و حقیقی معنی قرینہ اصلی کی بنا پر مراد لیا جانا ممکن نہیں جیسے الرحمٰن علی العرش استوی یا ید اللہ فوق ایدیھم وغیرہ ان میں حقیقی معنی سے علٰحدہ ہونے کے بعد پھر اگر اصول محاورہ و تکلم کی ہی بنا پر عام روزمرہ کے قریبی معنی پائے جاتے ہوں تو یہ متشابہات نہ سمجھے جائیں گے۔ جیسے ید کے معنی ہاتھ نہ ہونے کی صورت میں قدرت و طاقت۔ یہ بالکل اصول محاورہ کے مطابق ہیں ان معانی کا تعین بھی صرف عقل سلیم اور محاورہ دانی سے متعلق ہے۔ لیکن اگر اصلی معنی مراد لیے جانا ممکن نہ ہوں اور ان کے علاوہ عام روزمرہ کے مطابق کوئی قریبی معنی بھی نہ ہو تو پھر یہ آیات متشابہات قرار پائیں گی اور ان کے لیے یقینی طور پر راسخون فی العلم کے بتائے بغیر کچھ نہیں کہنا چاہیے۔ ہاں امکانی اور احتمالی وجوہ کا بیان کرنا بے شک ایسی صورت میں بھی ممنوع نہیں ہے۔

وہ الفاظ جن کے ظاہری معنی موجود ہیں ان کے بھی بطور رمز و اشارہ کچھ معانی پائے جا سکتے ہیں انھیں بھی 'اہل الذکر' اور 'راسخون فی العلم' سے ماخوذ نہ ہونے کے باوجود اگر بطور احتمال بیان کر دیا جائے تو درست نہیں۔ آئمہ معصومین سے اس قسم کے باطنی معانی بہت مذکور ہیں۔ ان کا نام ہی تاویل ہے۔ اور یہ ان ہی حضرات کا مخصوص حصہ ہے۔

اہل الذکر اور راسخون فی العلم سے ان کی مراد آنحضرت اور آئمہ معصومین علیہم السلام ہیں۔

۱۱ وہ قرآن کی تفسیر کو اپنے ذوق اور طرز فکر میں ڈھالنے کے قائل نہیں۔ بلکہ انسانی فکر کو قرآن کے تقاضوں میں ڈھالنے کیلیے اسے ایک موثر وسیلہ سمجھتے ہیں اسی لیے وہ حسب موقع ایسے لوگوں کی رد بھی کرتے ہیں جو قرآنی آیات کی تفسیر اپنے نظریات کے مطابق کرتے ہیں یا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

۱۲ ان کی تفسیر میں ان کا یہ نظریہ جابجا نمایاں ہو جاتا ہے کہ تفسیر صرف قرآن کی تشریح پر مبنی ہونی چاہیے نہ یہ کہ مختلف مباحث چھیڑ کر قرآن کی آیتوں کو ان کے مطابق کرنا۔

۱۳ تفسیر میں وہ نکتہ آفرینی سے بھی کام لیتے ہیں اور باریک بینی اور باریک اندیشی سے بھی۔ آیات کی ادبی و عربی، عرفانی مادی و معنوی تفسیر کے ساتھ اصلاحی، معاشرتی اور سماجی پہلوؤں کی طرف بھی رہنمائی کرتے ہیں اور قرآنی آیات میں مذکور مسائل پر بحث کر کے ذہن قاری میں ایک اجمالی خاکہ قائم کرنے کی بھی کوشش کرتے ہیں۔

۱۴ ترجمہ میں حتی الامکان سلاست و روانی کا خیال رکھتے ہیں تاکہ کشش قائم رہے اور سمجھنے میں آسانی ہو۔ آیات کے الفاظ کے لغوی معنی بھی بتاتے ہیں اور ان کی شان نزول کی طرف اشارہ کر کے پس منظر بھی واضح کرتے ہیں۔

۱۵ اسلام کے احکام اور دینی عقائد پر ہونے والے اعتراضات کا بھی جواب دیتے ہیں تاکہ قرآن فہمی میں کوئی شبہ نہ رہ جائے۔

۱۶ دوسروں کی رائے کا بھی احترام کرتے ہیں اور دیگر مفسرین کی کاوشوں کو سراہتے ہوئے ان کا حوالہ بھی دیتے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں اور حسب ضرورت ان کی عبارتوں کو بھی پیش کرتے ہیں چاہے یہ مفسرین متقدمین میں سے ہوں یا متاخرین میں سے یا ان کے معاصرین میں سے ہوں اور جن جن مقامات پر انھیں کسی دوسرے مفسر سے اختلاف ہوتا ہے تو اس اختلاف کی وجہ بھی لکھتے ہیں اور اپنے نظریہ کو منقول و معقول دونوں طرح کے دلیلوں سے ثابت کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ان کا جذبہ فکر کسی حدبندی کا قائل نہیں۔ اس میں شیعہ سنی سب طرح کے مکتب فکر کے ساتھ ان کا یکساں سلوک ہے۔

۱۷ حسب ضرورت سوروں اور آیتوں کی شان نزول پر بھی روشنی ڈالتے ہیں اور قرآنی سوتوں کے اسما کی بھی وضاحت کرتے ہیں۔

۱۸ ترجمہ اور تفسیر میں ان کے بعض الفاظ سے اختلاف کیا جا سکتا ہے جیسے وہ خصوصیت۔ صفت وغیرہ الفاظ جو بطور مؤنث استعمال ہوتے ہیں ان کی جمع خصوصیات، صفات وغیرہ کو بطور مذکر استعمال کرتے ہیں۔

۱۹ تفسیر کو جن معنی میں استعمال کیا ہے وہ اردو زبان میں رائج عام معنی سے مطابقت نہیں رکھتے۔

۲۰ جو اسلوب ابتدائی جلدوں میں اپنایا گیا ہے وہ آخر تک قائم نہ رہ سکا۔ غالباً اس کی وجہ ان کی بیماری تھی جس کا اختتام ان کے انتقال پر ہوا۔

نمونہ

طول کے خوف سے صرف بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا ترجمہ اور تفسیر پیش کی جا رہی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمہ: سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے۔

تفسیر: یہ قرآن مجید کی پہلی آیت ہے اور جیوں کہ مثل دوسرے سوتوں کے وہ سورۂ اقرا کا بھی جز ہے۔ اسلیے ماننا پڑتا ہے کہ قرآن کی سب سے پہلی آیت جو اتری ہے وہ بسم اللہ ہی ہے۔ جس کی صراحت بعض کتب اہل سنت میں مذکور ہے۔

آیت کے لغوی معنی نشانی کے ہیں اس کے علاوہ ایک مستقل پیغام یا خبر کو بھی آیت کہا جاتا ہے۔ غالباً اسی دوسرے معنی کی مناسبت سے ہر سورہ کی تقسیم آیتوں میں ہوئی یعنی کلام کا ایسا فقرہ جہاں سلسلۂ کلام رکنے کی علامت میں ایک لفظ اس طرح آ گیا ہے جیسے شعر میں قافیہ ہوتا ہے مگر اس میں قافیہ کے قیود و شرائط کی پابندی نہیں ہے اسلیے اسے سجع کے لفظ سے یاد نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ سجع نثر کلام وہی ہوتا ہے جو شعر کے قافیہ والی پابندی کے ساتھ ہو یہ اختتامی الفاظ اپنی نوعیت کے ساتھ قرآن سے مخصوص ہیں اور ان کا اصطلاحی نام فواصل ہے۔

اس آیت (بسم اللہ) کی خصوصیت و اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ وہ ہر سورہ کی ابتدا میں اتاری گئی۔ اس طرح جتنی قرآن میں سورتیں ہیں اتنی تعداد میں یہ آیت ہے صرف سورۂ برأت کا آغاز بسم اللہ سے نہیں کیا گیا اسلیے کہ یہ آیت رحمت ہے اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ سورہ، سورۂ عذاب۔ یہ کمی پوری ہوگئی اس طرح کہ سورۂ نمل میں حضرت سلیمان کے مکتوب میں جو ملکۂ سبا کے نام تھا۔ یہ آیت یوں آگئی کہ " انہ من سلیمان وانہ بسم اللہ الرحمن الرحیم" اور اس طرح بسم اللہ کی تعداد سورتوں کی گنتی کے بالکل برابر ہوگئی۔

رسول اللہ کے متواتر احادیث سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ بسم اللہ سورہ کا جزء ہے اور اس پر آئمۂ اہل بیت علیہم السلام کا اجماع رہا ہے جو صحیح السند روایات سے ثابت ہیں۔ قاریان مکہ اور قاریان وفقہائے کوفہ سب اس سے متفق رہے ہیں اور ائمۂ اہل سنت کے ائمۂ اربعہ میں سے شافعیؒ اور ان کے متبعین کا مسلک بھی یہی رہا ہے۔

قرآن کریم کی آیت کے بارے میں جس کا حوالہ پہلے دیا گیا ہے یہ بتایا گیا ہے کہ جو سورۂ حمد میں ہے وہ بسم اللہ میں ہے۔ اس کی تشریح یہ سمجھ میں آتی ہے کہ ان شعبوں پر غور کیجیئے جن کا بیان سورۂ حمد کے متعلق آچکا ہے تو ان سب کا خلاصہ ہے عبد و معبود کا باہمی تعلق کہ خالق بے نیاز اور مرکز فیض ہے اور مخلوق محتاج اور اس کے فیض کا طالب ہے۔ خالق و مخلوق کا یہ تعلق بسم اللہ سے ظاہر ہوتا ہے جس میں بندہ اپنے خالق کے فیض و رحمت کا پتہ دیتا ہوا اس سے امداد کا طالب ہوتا ہے اس طرح یہ آیت خود ایک معنی سے قرآن مجید کا لب لباب قرار پاتی ہے اور اسلیے باوجود جزء ہونے کے اس کا انداز سوا سورۂ حمد کے تمام دوسرے سورتوں کے عنوان بیان سے مختلف ہے اور وہ ہر سورۂ کا جزء ہے۔ اسی طرح جیسے سورۂ حمد قرآن کا جزء ہے مگر جیسے سورۂ حمد تمام قرآن کا فاتحہ قرار دیا گیا ہے اور کلام کی ساخت کے لحاظ سے اس سے الگ ہے۔ اسی طرح بسم اللہ ہر سورہ کا جزء ہے مگر ساخت کلام کے لحاظ سے اس سے الگ ہے۔

اس سے ہر سورہ کی ابتدا کر کے یہ رسم قائم کی گئی ہے کہ مسلمان بھی اپنی ہر تقریر، ہر تحریر اور ہر کلام کا اس سے آغاز کریں تاکہ ان کی زندگی کے ہر قدم میں اللہ سے سہارا لینے کا احساس قائم رہے اور اس کا برابر مظاہرہ ہوتا رہے۔ اس سے سر غرور جھکتا بھی ہے اور ہمت دل بلند بھی ہوتی ہے اور یہ بہت بڑا مقصد ہے جو عاجز و قادر بندہ کے قادر مطلق پر اعتماد ہی سے حاصل ہو سکتا ہے اور جسے زندہ رکھنے سے اسلام نے مسلمانوں میں "خودی" اور "بے خودی" دونوں کو سمو کر انسانی وقعت کی شاہ راہ قائم کی ہے۔

پہلا لفظ بسم اللہ مرکب ہے دو جزؤں سے ایک (ب) جو عربی میں استعانت یعنی مدد حاصل کرنے کے لیے آتی ہے یہی اس نیازمندی کے اظہار کا ذریعہ ہے جو بندہ کو اپنے مالک سے مرتبط بناتی ہے۔ دوسرے (اسم) اس کے معنی ہیں نام مگر تحقیق یہ ہے کہ بسم اللہ کا مطلب صرف یہ ہے کہ بندہ اللہ سے مدد حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اسم کا لفظ مقام تعبیر میں اس محاورے کے مطابق لایا گیا ہے کہ کسی بلند ذات کے متعلق جب کوئی کلام کیا جائے تو یہ کچھ ادب کے خلاف محسوس ہوتا ہے کہ بے دھڑک کسی امر کو خود ان کی طرف

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

منسوب کیا جائے بلکہ اس سے تعلق رکھنے والی کسی چیز کو واسطہ بنایا جاتا ہے "جناب" اور "حضرت" اور "سرداد" اس قسم کے الفاظ کی اضافت کسی بڑے نام کے ساتھ اسی لیے ہوتی ہے۔ نیز "خدام والاشان" اور "ملازمان بارگاہ" اور جدید عربی میں فخامہ اور جلالہ اور عظمت وسمو وغیرہ کے الفاظ اسی لیے آتے ہیں بس اسی طرح قرآن کریم میں اللہ کی طرف تسبیح اور تمہید اور استعانت کی نسبت میں "اسم" کے لفظ کا واسطہ آیا ہے۔ اور اسی لیے بسم اللہ کے معنی حضرت علیؓ ابن ابی طالب نے یہی فرمائے ہیں کہ باستعین علی اموری کلھا باللہ" میں اپنے تمام معاملات میں خدا سے مدد طلب کرتا ہوں (کتاب التوحید-صدوق)

اللہ خدا نے حق کا اسم ذات ہے جس کا اطلاق کسی دوسری ذات پر نہیں ہو سکتا۔ اسم اللہ کے علاوہ جتنے الفاظ اس کی نسبت سے استعمال ہوئے ہیں وہ اسما صفات یعنی توصیفی القاب ہیں یعنی اس کے کسی نہ کسی کمال کے پہلو کو پیش نظر رکھ کر استعمال کیے جاتے ہیں ان میں اگر اختصاص ذات خالق کے ساتھ ہو گا تو باعتبار مفہوم ہو گا۔ اس لیے کہ اس لفظ کے معنی ذات الٰہی میں منحصر ہیں جیسے رحمٰن جس کی تشریح ابھی بعد کو ہو گی لیکن اگر وہ معنی ناقص درجہ پر سہی دوسرے الفاظ میں پائے جاتے ہیں تو اس کا اطلاق دوسرے پر بھی درست ہو گا۔ جیسے رحیم، عالم، قادر وغیرہ لیکن اللہ کا لفظ اس ذات کے لیے قرار دیا گیا ہے جو ان تمام صفات پر جامع وحاوی ہے۔

نام ہونے کے اعتبار سے اس کے اشتقاق کی جتنی بحثیں ہیں وہ میرے نزدیک دوراز کار ہیں اور اس لفظ کا ترجمہ بھی کسی دوسری زبان میں ممکن نہیں ہے۔ خدایا گوڈ اس طرح کے تمام الفاظ جو دوسری زبانوں میں استعمال ہو سکتے ہیں وہ اسما صفات کی جگہ پر تو لائے جا سکتے ہیں مگر لفظ اللہ کا قائم مقام ہرگز نہیں ہو سکتے۔

رحمٰن اور رحیم دونوں صفتیں رحم سے مشتق ہیں اور مبالغہ یعنی وصف کی شدت وقوت کو بتاتی ہیں مگر ان دونوں میں فرق ہے۔ رحمان کا اطلاق صرف ذات باری پر ہوتا ہے اور رحیم کا اطلاق غیر پر بھی ہو سکتا ہے جن کی نظیر بن قرآن مجید میں بھی ہیں جیسے رسول کیلیے بالمومنین رؤف الرحیم اور مومنین کے لیے رحماء بینھم۔

زیادہ تر احادیث سے ان دونوں لفظوں کا فرق یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رحمٰن اس رحمت کو بتاتا ہے جو خالق کی طرف سے بتقاضائے ربوبیت تمام کائنات سے متعلق ہے اور جس میں مومن اور کافر کی تفریق نہیں ہے۔ اس کے جلوے دنیا میں آنکھوں کے سامنے نمایاں ہیں اور رحیم اس رحمت کے اظہار کے لیے ہے جو توجہ وعنایات خاص کے طور پر اپنے محبوب اشخاص سے متعلق ہوتی ہے اور یہ مومنین سے ہوتی ہے جس کا نمایاں ظہور آخرت میں ہو گا اس کو امام جعفر صادق نے ان الفاظ میں بتایا ہے کہ "الرحمٰن اسم خاص بصفۃ عامۃ والرحیم اسم عام بصفۃ خاصۃ" رحمان کے عموم کو ترجمہ میں سب کو فیض کے لفظ سے ظاہر کیا گیا ہے اور ہمہ گیر ہونے کی بنا پر وہ صفت اللہ میں منحصر ہو گئی ہے (مجمع البیان)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اے کریمی کہ از خزانہ غیب گبر و ترسا وظیفہ خود داری

رہ گئی اپنے موافق طبع اور دل پسند یا متحد الخیال یا اطاعت شعار افراد پر مہربانی یا اپنے مقلد و رہبر بندے بھی کرلیتے ہیں چوں کہ مقام توصیف میں قاعدہ یہی ہے کہ موصوف نام کو قرار دیا جاتا ہے جو ذات پر دلالت کرتا ہے اور اس کی توصیف وصف کے ساتھ ہوتی ہے اسلیے ان الفاظ کی ترتیب میں پہلے اللہ کا لفظ لایا گیا جو نفس ذات کو بتلاتا ہے۔ پھر الرحمٰن کو لایا گیا جو اس کی صفت خاص ہے مثل نام کے اور اس لیے تقریباً اسے لقب کا درجہ حاصل ہے۔ اور پھر الرحیم کہا گیا جس میں صرف توصیف ہے پھر یہ کہ رحمٰن ہونے کے مظاہر چوں کہ عموم رکھتے ہیں چوں کہ مومن کافر سب کے لیے ہیں۔ اسلیے بھی انھیں مقدم ہونا چاہیے اور رحیم ہونے کے مظاہر خصوصیت رکھتے ہیں اور ان کا ظہور بھی بطور نمایاں ہو گو یعنی آخرت میں ہے لہذا اسے بعد کو ذکر کیا گیا ہے

مولوی عبدالماجد صاحب دریابادی نے خوب لکھا ہے کہ "یہ بات اتفاقی نہیں بہت پرمعنی ہے کہ قرآن مجید میں اسم ذات کے بعد جو سب سے پہلا اسم صفاتی ارشاد ہوا ہے وہ صفت رحمانیت کا مظہر ہے لین پول (LANE POOL) انگریز اسی لیے اپنی قوموں کو سنا کر کہتا ہے۔ لوگ یہ بات برابر بھول جاتے ہیں کہ قرآن کے اندر صفت رحمانیت پر کتنا زور دیا گیا ہے۔ ان کے ساتھ قرآنی آغاز کلام کی رفعت اس وقت زیادہ نمایاں ہوتی ہے جب اس کے سامنے مسیحیت کا افتتاحی فقرہ لایا جاتا ہے کہ شروع باپ" بیٹے اور روح القدس کے نام سے" یہاں آغاز ہی سے تثلیث کا گورکھ دھندا سامنے آجاتا ہے۔ جس کا سمجھنا اور سمجھانا عقل کو خیرباد کہے بغیر ممکن نہیں"[15]

حوالجات

ا۔ الحجرات ۹ ۲۔ نہج البلاغہ ص۲۹۳ (احباب پبلیشرز لکھنو) ۳۔ نہج البلاغہ ص۳۰۴ (احباب پبلیشرس لکھنو) ۴۔ عقائد صدوق (بحوالہ آلاء الرحمٰن فی تفسیر قرآن مطبع حیدا ص۲۵ ، ۵۔ مقالات شیخ مفید بحوالہ آلاء الرحمٰن فی تفسیر القرآن ۶۔ بحوالہ مقدمہ تفسیر قرآن ص۵ ، ۷۔ تبیان شیخ طوسی ، ۸۔ تفسیر مجمع البیان ، ۹۔ فصل الخطاب شیخ بہائی ، ۱۰۔ احسن ذریعہ فی تراجم علماء الشیعہ ، ۱۱۔ احتجاج طبرسی ، ۱۲۔ تاریخ الخلفاء ، ۱۳۔ ترجمہ مولانا حافظ فرمان علی صاحب ، ۱۴۔ مقدمہ تفسیر قرآن مولانا علی نقی صاحب گیارہواں نمبر ، ۱۵۔ تفسیر قرآن ، تفسیر سورہ حمد۔

●●

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جناب فخر الاسلام اعظمی
شبلی نیشنل کالج ۔ اعظم گڈھ

تدبر قرآن (جلد اوّل) کا جائزہ

شاہ عبد القادر دہلوی کے ترجمہ قرآن سے لے کر موجودہ زمانے تک کے تراجم و تفاسیر کے تقابلی مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مترجمین و مفسرین کے مخصوص ذوق و رجحان اور انداز غور و فکر کی وجہ سے موضوعات کی یکسانیت کے باوجود ان میں تازگی پیدا ہوگئی ہے اور بعض تفاسیر میں اجتہادی شان بھی نمایاں ہے۔ ان تفاسیر میں فکر فراہی کے شارح و ترجمان مولانا امین احسن اصلاحی کی "تدبر قرآن" کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ مکمل تفسیر نو جلدوں میں ہے۔ یہ تفسیر پاکستان میں فاران فاونڈیشن لاہور سے شائع ہوئی ہے۔ ہندستان میں بھی ورلڈ اسلامک پبلیکیشن دہلی اور تاج کمپنی دہلی کی طرف سے شائع ہوکر مقبول ہوچکی ہے۔

مولانا اصلاحی کی مفسرانہ شخصیت کی تعمیر و تشکیل مولانا حمید الدین فراہیؒ کے ہاتھوں ہوئی جو ماہر علوم قرآن اور ایک مجددانہ شان کے مالک تھے۔ قدماء کی تفسیری روایات کی تقلید کے بجائے اپنے مجتہدانہ ذوق و نظر سے اپنے لیے صف عام سے الگ جگہ بنائی اور قرآن کے اسرار و رموز کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی۔ قرآن و علوم قرآن سے متعلق مولانا کی تصانیف سے ان کی قرآن فہمی، تبحر علمی، وسعت مطالعہ اور مجتہدانہ شان کا اندازہ ہوتا ہے۔

لیکن "تدبر قرآن" کو مولانا فراہی کے خیالات کا اعادہ قرار دے کر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ مولانا نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ قرآن پر غور و فکر کرنے میں گذارا ہے۔ انھوں نے "قرآن حکیم" کی ایک ایک سورہ پر ڈیرے ڈالے ہیں۔ ایک ایک آیت پر فکری مراقبہ کیا ہے اور ایک ایک لفظ اور ایک ایک ادبی یا نحوی اشکال کے حل کے لیے ہر اس پتھر کے الٹنے کی کوشش کی ہے جس کے نیچے کسی سراغ کے ملنے کی توقع ہوئی ہے[1]۔ مولانا کے اسی طویل غور و فکر کا نتیجہ ہے کہ ان کی تفسیر قدماء کے تفسیری اقوال کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک انفرادی شان کی مظہر ہے، جس میں مولانا نے بہت سی آیات کی تاویل و تشریح میں بعض نئے گوشوں پر روشنی ڈالی ہے۔ اور بہت سے ایسے نکات پیش کیے ہیں جن تک کسی اور مفسر کی نگاہ نہیں پہنچ سکی۔ یہ مولانا نے جس سنجیدہ علمی انداز میں قرآن

---

[1] مقدمہ تدبر قرآن، جلد اوّل ص ۵۔ مطبوعہ ورلڈ اسلامک پبلیکیشنز دہلی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی ترجمانی کی ہے اور ہر طرح کے معہودات ذہنی اور فقہی و جماعتی عصبیت و گروہ بندی سے بلند ہو کر قرآن کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ اس سے مولانا کی مفسرانہ شخصیت اور فکر بلند کے جوہر کھل کر سامنے آتے ہیں۔

مولانا نے قرآنی آیات کی توجیہ و تاویل میں "القرآن یفسر بعضہ بعضاً" کے اصول پر رطب و یابس تفسیری روایات کے بجائے —— قرآن کے نظائر و شواہد کو اصل ماخذ و مرجع بنایا۔ قرآن مجید اپنی باتیں مختلف اسلوب اور پیرائے میں بیان کرتا ہے کہیں کسی بات کا ذکر اجمالی طور پر ہوا تو کہیں اسی کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے کہیں ابہام سے کام لیا گیا ہے تو کہیں وہی بات تفصیل و صراحت سے بیان کی گئی ہے کسی جگہ صرف دعویٰ مذکور ہے تو دوسری جگہ دعویٰ کے ساتھ دلائل بھی مذکور ہیں۔ مولانا نے "تدبر قرآن" میں اس اصول کی شدت کے ساتھ پابندی کی ہے اور قرآن فہمی کا اصل ماخذ قرآن ہی کو بنایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس تفسیر میں مفسرین کے اقوال و روایات بہت کم نظر آتے ہیں۔ مولانا دیباچہ تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں۔

"آیات کی تاویل و توجیہ میں بھی قرآن کی زبان، کلام کے نظام اور قرآن کے نظائر و شواہد کو پوری اہمیت دی گئی ہے۔ کسی قول کو مجرد اس دلیل پر اختیار نہیں کیا گیا کہ وہ اگلے اصحاب تاویل سے منسوب ہے۔ چنانچہ اس میں اقوال کی کثرت کے بجائے دلائل کی روشنی میں ہر آیت کی معین تاویل سامنے رکھی گئی ہے"[1]

قرآن فہمی کے لیے عربی زبان سے گہری واقفیت ضروری ہے۔ قرآن مجید فصیح عربی زبان میں اترا ہے۔ لہذا جاہلی زبان و ادب کی باریکیوں اور اس کے بلیغ اشارات و کنایات سے پوری واقفیت کے بغیر قرآنی آیات کی توجیہ و تاویل معتبر نہیں ہو سکتی۔ مولانا اس حقیقت سے آگاہ ہیں۔ لہذا لفظوں کی لغوی تحقیق اور اس کے صحیح معنی کی تعیین میں بڑی دیدہ ریزی سے کام لیتے ہیں۔ لفظ کے مختلف پہلوؤں کو اچھی طرح واضح کرنے اور مختلف معنوں میں سے کسی ایک معنی کی تعیین کے لیے وہ کلام عرب سے استشہاد کرتے ہیں۔ تدبر قرآن کا مطالعہ کرتے ہوئے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ بعض آیات کی توجیہ و تاویل میں لغوی تحقیق کو ہی کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ قرآن کی آیت " واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ ط وانہا لکبیرۃ الا علی الخاشعین (بقرہ ۴۵) میں مستعمل لفظ "صبر" کا معنی ہر خاص و عام جانتا ہے۔ لیکن جب مولانا اس لفظ کے تحقیقی معنی بتاتے ہیں تو اس لفظ کی صحیح معنویت ایک وسیع پس منظر میں کھل کر سامنے آجاتی ہے "صبر" کا معنی عام طور سے "عجز و مسکنت" سمجھا جاتا ہے لیکن مولانا حاتم طائی، اصنع اور زہیر بن سلمیٰ مزنی کے اشعار کی روشنی میں "صبر" کا جو مفہوم بتاتے ہیں اس سے آیت کی معنویت میں اضافہ ہو جاتا

---

[1] دیباچہ تدبر قرآن۔ جلد ہشتم

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ مولانا کے نزدیک صبر کا مفہوم یہ ہے کہ "بندہ پوری طمانیت قلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے عہد پر جمتا ہے اور اس کے وعدوں پر یقین رکھے اور اس راہ میں اس کو جن مشکلات سے دوچار ہونا پڑے ان کو پرکاہ کے برابر نہ سمجھے"[1] اس طرح صبر عجز و مسکنت کے بجائے عزم و قوت کے سرچشمے اور بنیاد کی شکل میں ابھر کر سامنے آتا ہے۔ اسی طرح "الذین یظنون انہم ملٰقوا ربہم وانہم الیہ راجعون (بقرہ ۴۶) میں لفظ "ظن"[2] کا صحیح معنی متعین کرنے کے لیے طرفہ، اوس بن حجر اور درید بن صمہ کے اشعار سے استشہاد کرتے ہیں اور یہ لفظ جس وسیع معنی پر محیط ہے اس کی روشنی میں آیت کی تشریح کرتے ہیں۔

سورۂ بقرہ آیت ۴۹ میں مستعمل لفظ "آل" کی لغوی تحقیق کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ "آل" سے مراد صرف کسی شخص کی اولاد نہیں ہوا کرتی بلکہ یہ لفظ آل و اولاد، قوم و قبیلہ اور اتباع و انصار سب پر حاوی ہے۔[3] اس ضمن میں وہ نابغہ ذبیانی کا یہ شعر ثبوت کے طور پر پیش کرتے ہیں:

من آل میہ رائح او مغتدی   عجلان ذا زاد و غیر مزود

میہ کے قبیلہ کے لوگوں میں کوئی صبح روانہ ہوا کوئی شام کوئی زاد راہ کے ساتھ کوئی بغیر زاد راہ کے۔ بقرہ آیت ۵۸ میں لفظ "سجدا" کی تحقیق کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ "سجدہ کے اصل معنی سر جھکانے کے ہیں۔ اس سر جھکانے کے مختلف درجے ہو سکتے ہیں۔ اس کی کامل شکل زمین پر پیشانی رکھ دینے کی ہے جو ہم نماز میں اختیار کرتے ہیں"[4]۔ اس معنی کی تائید میں وہ عمرو بن کلثوم کا یہ شعر پیش کرتے ہیں۔

اذا بلغ الفطام لنا صبی   تخر لہ الجبابر ساجدینا

بسا اوقات لفظ کے صحیح معنی کی تعیین نہ ہو سکنے کی وجہ سے آیت کی تاویل و توجیہ میں ایسا مفہوم لے لیا جاتا ہے جو سراسر قرآن کی روح کے منافی ہوتا ہے۔ جیسا کہ آل عمران ۱۶۱ میں لفظ "غل" کی صحیح تحقیق نہ ہونے کی وجہ سے عام مفسرین آیت کا جو مفہوم لیا ہے وہ کسی طرح صحیح نہیں۔ عام طور سے مفسر "غل" کو مالی خیانت کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں جبکہ یہ لفظ اپنے وسیع معنی میں بدعہدی و بد دیانتی کے لیے بھی مستعمل ہوتا ہے۔ اس وسیع معنی سے عدم واقفیت کی وجہ سے مفسر یہ سمجھ بیٹھے کہ آیت میں منافقین کے اس الزام کی صفائی دی جا رہی ہے جو انھوں نے ایک روایت کے مطابق مال غنیمت سے ایک چادر کی گمشدگی پر رسول اکرم پر لگایا تھا کہ آپؐ نے نعوذ باللہ مال غنیمت میں خیانت کی ہے۔ مفسرین کی تشریح اس وجہ سے بھی صحیح نہیں کہ آپؐ کو آپؐ کے

۱۔ تدبر قرآن جلد اول ص ۴۴ ۲۔ ایضاً ص ۹۴ ۳۔ ایضاً ص ۱۲۶ ۴۔ ایضاً ص

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کٹر دشمن بھی امین سمجھتے تھے۔ لہٰذا آپ پر خیانت کا الزام لگائے جانے کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔ دراصل یہاں منافقین کے اس الزام کا جواب دینا مقصود ہے جو جنگ اُحد کی شکست کے بعد نبی اکرمؐ پر لگا رہے تھے کہ نبیؐ نے ہمارے مشورے کے مطابق شہر کے اندر رہ کر دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے بجائے ایک نامناسب مقام میں مسلمانوں کو لے جا کر تہ تیغ کرا دیا یہ صریحاً قوم کی بدخواہی اور اس کے ساتھ غداری و بے وفائی ہے۔ اس الزام کے جواب میں قرآن کہتا ہے کہ قوم کے ساتھ بدخواہی و بدعہدی نبی کی شان کے خلاف ہے[1]۔

کبھی آیت میں کسی لفظ کی نحوی ترکیب نہ سمجھ سکنے کی وجہ سے آیت کے صحیح مفہوم تک رسائی نہیں ہو پاتی۔

آل عمران آیت ۲۸ "لا یتخذ المومنون الکافرین اولیاء من دون المومنین ومن یفعل ذالک فلیس من الله فی شئ الا ان تتقوا منهم تقاۃ ط ویحذرکم الله نفسه ط والی الله المصیر" میں لفظ "تقاۃ" کی نحوی حیثیت سمجھ نہ سکنے کی وجہ سے مفسرین نے "تقیۃ" کی بحث چھیڑ دی ہے۔ مولانا عبدالماجد دریابادی اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"رفع ضرر کے لیے بقدر ضرورت ظاہری تعلقات دوستانہ کی ضرورت ہے۔ آیت میں ایک طرف رد ہے فرقہ امامیہ کا جس نے تقیۃ کے حدود بہت وسیع کر کے اسے اپنے مذہب کا ایک جزو بنا لیا ہے اور دوسری طرف فرقہ خوارج کا جس نے جواز تقیہ سے سرے سے انکار کر دیا ہے[2]"

حالانکہ یہاں "تقیہ" کی قباحت یا جواز کا ذکر ہی نہیں "تقاۃ" مفعول مطلق ہے اور حق "تقاۃ" کے معنی میں مستعمل ہے۔ مولانا اصلاحی اس نحوی تحقیق کی روشنی میں آیت کا مفہوم بیان کرنے کے بعد تحریر کرتے ہیں۔

"اس آیت سے جن لوگوں نے "تقیہ" کا جواز نکالا ہے۔ انھوں نے لغت "نظائر قرآن" اور سیاق وسباق ہر چیز کو نظر انداز کر دیا ہے[3]"

"تدبر قرآن" کو دوسری تفاسیر سے ممتاز کرنے والی چیز قرآن کی مختلف سورتوں اور آیتوں کے درمیان نظم و ترتیب ثابت کرنے کی کوشش ہے۔ زیادہ تر مفسرین کے نزدیک نہ تو ایک سورہ کا دوسری سورہ سے کوئی ربط ہے نہ ایک سورہ کی مختلف آیات میں باہم کوئی ربط و مناسبت ہے۔ متقدمین میں علامہ سیوطی، امام رازی اور علامہ مخدوم مہائمی نے قرآن میں نظم و ربط کی اہمیت کو محسوس کیا ہے اور حکمت قرآن کا خزانہ اس نظم و ترتیب ہی کو قرار دیتے ہیں علامہ سیوطی اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ترتیب اور نظم کا علم ایک نہایت اعلیٰ علم ہے لیکن اس کے مشکل ہونے کے سبب سے مفسرین نے

---

[1] تدبر قرآن ص ۸۱۳ [2] تفسیر ماجدی۔ جلد اوّل ص ۵۲۰ [3] تدبر قرآن۔ جلد اوّل ص ۶۰

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کی طرف بہت کم توجہ کی ہے۔ امام فخرالدین کو اس چیز کا سب سے زیادہ اہتمام رہا ہے۔ ان کا قول ہے کہ حکمت قرآن کا اصلی خزانہ اس کے نظم و ترتیب میں چھپا ہوا ہے[1]"

امام رازی نے قرآن کی مختلف سورتوں اور آیتوں کے درمیان پائے جانے والے ربط کی توضیح بڑے شد و مد کے ساتھ کی ہے۔ ان کے نزدیک ربط کا انکار کرنا قرآن کے اعجاز کا انکار کرنا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ قرآنی حکمت کا بڑا حصہ ترتیب و نظم کے اندر پوشیدہ ہے[2]

علامہ مخدوم مہائمی نے بھی اپنی تفسیر "تبصیر الرحمان و تیسیر المنان" میں قرآن میں ربط و نظم تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن اس مسئلے کو مدلل اور مفصل انداز میں پیش کرنے کا سہرا علامہ فراہی کے سر ہے جنھوں نے نظری و علمی دونوں ہی طرح نظم قرآن کی مستور حقیقت بے نقاب کی ہے۔ اپنے رسالہ "دلائل النظام" میں اپنے خیالات فن نظم سے متعلق بڑے مدلل اور جامع انداز میں پیش کیے ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

"اللہ کی توفیق و عنایت سے میں نے اپنی تفسیر "نظام القرآن" میں اس بات کی کوشش کی ہے کہ آیات قرآنی کے باہمی تعلق کو واضح کروں اور قرآن مجید کی ایک ایسی سادہ و صاف تفسیر لکھوں جو ان تمام اختلافات سے پاک ہو جو ہمارے اندر عہد نبوت کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔ میں نے ہر سورہ کے نظام کو اس کی تہ میں اتر کر اور اس کے سیاق کو سمجھ کر معلوم کرنے کی کوشش کی ہے، پھر اس جدوجہد سے جو کچھ سمجھ میں آیا ہے اس کو عقل سے پوری طرح مدلل کیا ہے[3]"

مولانا اصلاحی نے اپنے استاد کی اس روایت کو زندہ ہی نہیں رکھا بلکہ نظم کلام کو اپنی تفسیر کی بنیاد بنا کر عملی طور پر ثابت کر دیا کہ مولانا کا نظریہ صرف ذہنی مفروضہ نہیں بلکہ قرآن فہمی کی اصل بنیاد ہے۔ اس کو نظر انداز کر دینے سے قرآن کے معارف و حکم کا ایک بڑا خزانہ پردۂ خفا میں رہ جاتا ہے۔

"تدبر قرآن" کا مطالعہ کرتے ہوئے ہمیں اس بات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا ہر سورہ کا ایک عمود قائم کرتے ہیں اور اس عمود کے تحت آیات کا باہمی ربط و اتصال واضح کرتے ہیں اور تمام آیات کو باہم اس طرح جڑا ہوا دکھاتے ہیں کہ ایک آیت کو بھی بیچ سے ہٹا دیا جائے تو پوری سورہ کا نظم درہم برہم ہو جائے۔ وہ قرآن کی مختلف سورتوں کے درمیان باہمی ربط کی بھی توضیح کرتے ہیں کہ ہر سورہ اپنی سابق و لاحق سورہ سے جڑی ہوئی ہے کسی طرح کی تقدیم و تاخیر سے سورہ کی معنویت متاثر ہو جاتی ہے۔

---

[1] تدبر قرآن۔ جلد اوّل (دیباچہ) ص ۲۶، ۲۷ [2] ایضاً [3] امام حمید الدین فراہی: مقدمہ تفسیر نظام القرآن۔ مطبوعہ دائرہ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر ص ۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا سورۂ فاتحہ کا سورہ بقرہ سے یہ ربط بتاتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ میں جس ہدایت و رہنمائی کی دعا مانگی گئی تھی، سورہ بقرہ میں وہ ہدایت سامنے آگئی۔ سورہ بقرہ اسی کتاب ہدایت کے ذکر سے شروع ہوئی ہے۔ اسی طرح سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران کے درمیان ربط ثابت کرتے ہوئے دونوں کے درمیان زوجین کی نسبت بتاتے ہیں کہ ایک میں جو بات مجمل ہے وہ دوسری میں تفصیل سے بیان کی گئی ہے اور دونوں کا موضوع رسول اکرمؐ کی رسالت کا اثبات ہے۔ اس ضمن میں اہل کتاب کے اعراض و استکبار پر ان کی سرزنش کی گئی ہے۔

جہاں تک آیات کے باہمی نظم کا سوال ہے تو تدبر قرآن میں آیات کی تاویل و توجیہ کرتے ہوئے نظم کلام کو خاص طور سے پیش نظر رکھا گیا ہے۔ اسی کی بنیاد پر بعض آیات کی تاویل میں مولانا کی نگاہ جن نکات تک پہنچ گئی ہے وہاں تک ان مفسرین کے ذہن کی رسائی نہ ہو سکی جو نظم کلام کے قائل نہیں۔ نظم کلام کو نہ ماننے کی وجہ سے مفسرین نے بعض اوقات آیات کے ایسے مفہوم بتائے ہیں جو روح قرآن سے کسی طرح مناسبت نہیں رکھتے۔

آل عمران کی آیات ۱۳۰-۱۳۴ میں پہلے سود کی حرمت کا ذکر ہے اس کے بعد انفاق کا ذکر ہوا۔ مولانا بظاہر متضاد مفاہیم پر مشتمل آیات کے درمیان ربط کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "یہاں نظم کلام کی وضاحت کے لیے بس اتنی بات یاد رکھیے کہ انفاق کے حکم سے پہلے سود سے روکنے کی بات بالکل ایسی ہی ہے جس طرح سچ بولنے کی ہدایت سے پہلے جھوٹ سے باز رہنے کی تاکید کی جائے۔"[1]

سورہ بقرہ آیت ۲۸۴ "للہ ما فی السماوات وما فی الارض ط وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ ط فیغفر لمن یشاء ویعذب من یشاء واللہ علی کل شیء قدیر" سے پہلے کتمان شہادت کا ذکر ہے کہ "شہادت کو نہ چھپاؤ، جو شہادت کو چھپاتا ہے اس کا دل آلودۂ معصیت ہو جاتا ہے۔ اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے باخبر ہے۔" بظاہر ان دونوں آیتوں میں کوئی ربط نظر نہیں آتا لیکن مولانا ان دونوں آیتوں میں گہرا ربط ثابت کرتے ہیں جس سے ایک طرف آیتوں کی معنویت واضح ہو جاتی ہے تو دوسری طرف بات بھی مدلل ہو جاتی ہے۔[2]

اسی طرح سورہ بقرہ آیت (۲۳۸) "حافظوا علی الصلوات والصلوۃ الوسطی وقوموا للہ قانتین" سے پہلے طلاق کے احکام کا ذکر ہے اور اس آیت کے بعد بھی طلاق کا ذکر ہے۔ بظاہر ان آیات میں بے ربطی کا احساس ہوتا ہے لیکن مولانا ان آیات میں گہرا ربط ثابت کرتے ہیں کہ نماز دین کی محافظ ہے۔ جس نے نماز کی حفاظت کی اس نے سارے دین کی حفاظت کی اور جس نے اس کو ضائع کیا اس نے سارے دین کو ضائع کیا۔ ساری شریعت کا قیام و بقا

---

[1] تدبر قرآن۔ جلد اول ص ۷۷۳ [2] ایضاً ص ۶۰۳

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی کے قیام و بقا پر منحصر ہے۔ اس کی حیثیت ایک حصار کی ہے جو سارے دین اور شریعت کی حفاظت کرتی ہے[1]۔

تدبر قرآن میں ایسی بے شمار آیات میں باہمی ربط کی نشاندہی کی گئی ہے جن میں بظاہر کوئی ربط نظر نہیں آتا۔ ہو سکتا ہے بعض مقامات پر ہم مولانا کی رائے سے اتفاق نہ کر سکیں لیکن اس حقیقت سے شاید ہی انکار کر سکیں کہ بیشتر مقامات پر مولانا نے مختلف آیات میں جس باہمی ربط کی وضاحت کی ہے وہ اپنی جگہ درست ہے۔ اس سے آیات کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے اور انھیں نظر انداز کر دینے سے حکمت قرآن کی روح مجروح ہو جاتی ہے۔

قرآن قوانین کی کوئی خشک کتاب نہیں، نہ ہی وہ اصطلاحی مفہوم میں کوئی علمی و ادبی مقالہ ہے۔ وہ ایک صحیفۂ ہدایت ہے۔ سرتاسر حکمت، اخلاق اور روحانیت کا مظہر ہے "تدبر قرآن" میں قرآن کے اسرار و حکم کو بڑے بلیغ انداز میں ابھارنے کی کوشش کی گئی ہے لیکن ایسی فلسفیانہ موشگافیوں اور دقیقہ سنجیوں سے احتراز کیا گیا ہے جن کا قرآن کے بنیادی مقاصد سے دور کا علاقہ بھی نہیں، جو ذہنوں کو الجھا دیتی ہیں اور جن کی وجہ سے بسا اوقات قرآنی تعلیمات پس منظر میں چلی جاتی ہیں۔

مولانا نے "تدبر قرآن"، میں جو نکتے بیان فرمائے ہیں ان سے ایک طرف تو قرآن کی فصاحت و بلاغت اور اس کے دل کو اپیل کرنے والے طرز استدلال کے بے شمار گوشے سامنے آتے ہیں تو دوسری طرف ان سے تزکیۂ نفس اور ذہن و روح کی تطہیر کا سامان فراہم ہوتا ہے۔ مولانا نے آیات کی تاویل و توجیہ کے ضمن میں دشمنان اسلام کی خباثت، بے ضمیری اور مجرمانہ ذہنیت کو بے نقاب کرنے اور بے خدا تہذیب اور ملحدانہ نظریات پر ضرب کاری لگانے کے کسی موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے۔ اسلام اور قرآنی تعلیمات سے متعلق ذہنوں میں ابھرنے والے شکوک و شبہات کو بڑے دلنشیں انداز میں دور کیا ہے۔ عبادات کی مصلحت، اخلاق و حسن کردار کی اہمیت نیز دیگر تعلیمات اسلامی کی حکمتوں کو بڑے مدلل اور دلنشیں انداز میں بیان کیا ہے۔ مغربی فکر کے زیر اثر سامنے آنے والے بہت سے مسائل جو سادہ لوح لوگوں کے لیے ذہنی انتشار و بے اطمینانی کا باعث ہیں۔ ان کے تار و پود بڑی کامیابی سے بکھیرے ہیں۔ سود، شراب، بے حیائی، خاندانی منصوبہ بندی اور دوسرے مسائل پر بے لاگ تبصرہ کیا ہے۔ مختلف آیات کی تشریح کے ضمن میں مذکور اسرار و حکم، موجودہ ذہن کے شکوک و شبہات کا ازالہ کرنے والی توجیہات اور عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل سے متعلق تشریحات کو اگر یکجا کر دیا جائے تو ایک جامع ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔

---

1. تدبر قرآن جلد اول۔ ص ۵۰۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سورہ بقرہ آیت (۶۲) "ان الذین آمنوا والذین ھادوا والنصاریٰ والصّٰبئین من آمن باللّٰہ والیوم الآخر وعمل صالحاً فلھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون" کی تشریح کرتے ہوئے ان مسلمانوں کی ذہنیت کو ہدف تنقید بناتے ہیں جو یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ ملت محمدیہ سے تعلق رکھنے کی وجہ سے خدا ان سے کوئی بازپرس نہیں کرے گا خواہ ان کے اعمال کچھ بھی ہوں ... اسی طرح مسلمان بھی امت مرحومہ میں ہونے کا یہ مطلب سمجھنے لگے ہیں کہ ان کے لیے تو بہرحال معافی ہے خواہ ان کے اعمال کچھ ہوں۔ یہ آیت اس قسم کے توہمات کی جڑ کاٹتی ہے اور مسلمانوں کو تنبیہ کرتی ہے کہ خدا کے ہاں ایمان اور عمل صالح کی کسوٹی پر سب سے پہلے جو پرکھے جائیں گے ان میں مسلمان سرفہرست ہیں"[1]

سورہ بقرہ آیت (۱۰۲) کی تشریح کرتے ہوئے گنڈے، تعویذ اور دوسرے عملیات میں دلچسپی رکھنے والوں کو متنبہ کرتے ہیں "جس طرح سحر، شعبدہ، حاضرات، فال اور کہانت وغیرہ کے قسم کی چیزیں خدا اور اس کی شریعت سے انسان کو برگشتہ کرنے والی ہیں اسی طرح اشیاء اور کلمات کے روحانی خواص یعنی گنڈے تعویذ اور جھاڑ پھونک کا علم بھی انسان کے لیے ایک فتنہ اور کتاب و شریعت سے منحرف کرنے والا ہے"[2]

سورہ بقرہ آیت (۱۷۷) کا مفہوم واضح کرتے ہوئے اخلاقی دیوالیہ پن کی طرف بڑی دل سوزی کے ساتھ ان الفاظ میں اشارہ کرتے ہیں:

"کردار جو مغز دین اور روح دین ہے اس کا اہتمام بڑے بڑوں کے اندر بھی نہیں پایا جاتا ہے اہل مذاہب میں یہ کمزوری بہت نمایاں رہی ہے کہ انھوں نے عقائد و عبادات کے ظواہر پر تو بڑے بڑے سر کے اٹھائے ہیں لیکن کردار کی تعمیر پر انھوں نے بہت کم توجہ کی ہے"[3]

سورہ بقرہ آیت (۲۱۹) کی تشریح کے ضمن میں ان سطحی ذہنیت والوں پر تنقید کرتے ہیں جو محدود وقتی فائدے کے لیے دین کے مسلمہ اصولوں کی خلاف ورزی کرنے سے نہیں ہچکچاتے۔ پہلے ذہنوں میں اٹھنے والے اس سوال کے جواب میں کہ جوئے اور شراب کے کچھ فائدوں کے باوجود انھیں حرام کیوں قرار دیا گیا؟ لکھتے ہیں "اس میں شبہ نہیں کہ ان چیزوں سے سوسائٹی کو بعض اعتبارات سے کچھ فائدے تو ضرور پہنچ جاتے ہیں لیکن ان سے فرد اور سماج دونوں کو جو مادی و اخلاقی نقصانات پہنچتے ہیں وہ ان کے فوائد کی نسبت سے بہت زیادہ ہیں۔ اس وجہ سے اسلام نے ان کو حرام قرار دیا" اسی ضمن میں آگے لکھتے ہیں "یہ سوال بالکل اسی طرح کا سوال ہے

---

[1] تدبر قرآن۔ جلد اول۔ ص ۹۳، [2] ایضاً ص ۲۳۵، [3] ایضاً ص ۳۸۴

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس طرح کا سوال وہ لوگ اٹھاتے ہیں جو آج قحط' زلزلہ اور سیلاب وغیرہ کے مصیبت زدوں کی امداد کے لیے فنڈ جمع کرنے کی خاطر رقص وسرود کی مجلسیں منعقد کرتے ہیں یا سینما کے شو دکھاتے ہیں یا فلم اسٹاروں کے مظاہرے اور میچ کراتے ہیں...ان لوگوں کو بھی اگر ان کے برے راستوں کے اختیار کرنے پر ملامت کی جاتی تو وہ کہتے ہیں کہ جب ہم یہ کام انسانیت کی خدمت کے لیے کر رہے ہیں تو اس میں کیا خرابی ہے؟ درحقیقت یہ لوگ بھی عرب جاہلیت کی طرح اپنی ان حماقتوں کے صرف انھیں پہلوؤں کو دیکھتے ہیں جو ان کی نگاہوں میں بظاہر نفع عوام کے ہیں۔ان کی نظر ان ہولناک نقصانات کی طرف نہیں جاتی جو پورے معاشرے کو پہنچتے ہیں[1]۔

سورۂ آل عمران آیت (۱۵۹) کے ضمن میں اربابِ اقتدار وسیاست کو نرمی وچشم پوشی کی راہ اختیار کرنے کا مشورہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں "عام افراد کی طرح اربابِ اقتدار وسیاست کے لیے بھی پسندیدہ روش نرمی وچشم پوشی ہی کی ہے۔اسی سے افراد میں حسنِ ظن اور اعتماد پیدا ہوتا ہے جس سے اجتماعی نظام میں وحدت' قوت اور استحکام کی برکتیں ظہور میں آتی ہیں۔سختی اور سخت گیری اس کی فطرت میں نہیں بلکہ اس کے عوارض میں سے ہے جس طرح صحت کے لیے اصل غذا ہے لیکن کبھی کبھی کسی مرض کے علاج کے لیے دوا کی بھی ضرورت پیش آتی ہے اسی طرح اجتماعی نظام میں اصل چیز نرمی ہے سختی کبھی کبھی ضرورت کے تحت کرنی پڑتی ہے"[2]۔

اس طرح مولانا نے "تدبر قرآن" میں کثرت سے قرآن کی ان حکمتوں کو پیش کیا ہے جن سے قلب وذہن کو جِلا ملتا ہے اور انسان کی شخصیت میں انقلاب رونما ہوتا ہے۔قرآن کا یہی کیمیائی اثر تھا جس سے بچنے کے لیے کفار کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ قرآن کے الفاظ لوگوں کے کانوں میں نہ پڑنے پائیں کیوں کہ انھیں یہ معلوم تھا کہ قرآن میں وہ اثر موجود ہے جو ذہنوں کو فتح اور دلوں کو مسخر کر سکتا ہے۔

آخر میں مولانا کے ترجمہ قرآن کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ترجمہ کا کام ایک نہایت مشکل کام ہے۔ہر زبان کا ایک مخصوص مزاج اور انداز ہوتا ہے۔اس کے اشارات وکنایات اور تشبیہات واستعارات کا ایک خاص پس منظر ہوتا ہے۔ لہٰذا کسی زبان میں ادا کیے گئے خیالات کو دوسری زبان میں اس طرح منتقل کرنا کہ وہ اپنے پورے پس منظر اور تاثر کے ساتھ سامنے آجائیں' ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔پھر قرآن کی ترجمانی جس کی بلاغت وفصاحت کے سامنے عرب کے ان جاہلی شاعروں اور ادیبوں نے گھٹنے ٹیک دیے جنھیں اپنی فصاحت وبلاغت پر اتنا ناز تھا کہ وہ دوسری زبان والوں کو اپنے مقابلے میں عجمی یعنی گونگا سمجھتے تھے۔قرآن کا ترجمہ اس وجہ سے اور بھی مشکل

---

[1] تدبر قرآن۔جلد اول۔ص ۴۹۲ [2] ایضاً ص ۸۱۴

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کام ہے کہ اگر بالکل لفظی ترجمہ کیا جائے تو وہ بالکل بے اثر اور سپاٹ ہو جاتا ہے۔ اور قرآن کی اس اثر آفرینی سے محروم ہوتا ہے جو قرآنی آیات میں برقی رَو کی طرح موجود ہے۔ اگر آزاد ترجمانی ہو تو اس میں ایسی باتوں کے شامل ہو جانے کا اندیشہ ہے جو قرآن کی عبارت میں موجود نہیں۔ عربی عبارت میں پائے جانے والے زیر و بم اور بلیغ اشارات و کنایات کی عام فہم سلیس اردو زبان میں ادائیگی خاصا مشکل کام ہے۔ اس کام کو بخوبی ایسا ہی شخص انجام دے سکتا ہے جو قدیم عربی زبان کے لب و لہجے، اس کے فصیح و بلیغ اسلوب اور مخفی اشارات و کنایات سے آگاہ ہو، ساتھ ہی جس زبان میں ترجمہ کرنا ہو اس میں بھی پوری مہارت رکھتا ہو۔ "تدبر قرآن" میں ترجمہ قرآن کا مطالعہ کرتے ہوئے اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ مولانا نے اس اہم ذمہ داری کو بخیر و خوبی انجام دیا ہے۔ اس ترجمے میں نہ تو قدیم ترجموں کی بے کیفی اور سپاٹ پن ہے اور نہ ایسی آزاد ترجمانی کہ ترجمے میں اپنی طرف سے کچھ ملا دینے کا گمان گذرے۔ اس ترجمے کی کامیابی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ایک بہترین خطیب ہونے کی وجہ سے مولانا قرآن کے خطیبانہ انداز اور اس کے اتار چڑھاؤ کو اپنی زبان میں منتقل کرنے میں بڑی حد تک کامیاب ہو گئے ہیں۔ ترجمہ کی زبان روکھی پھیکی اور بے مزہ نہیں ہے بلکہ دلکش، شگفتہ اور دل میں اتر جانے والی ہے۔ "تدبر قرآن" کو دوسری تفاسیر کے مقابلے میں اس وجہ سے بھی اہمیت حاصل ہے کہ وہ بہترین عصری اسلوب میں پیش کی گئی ہے۔ ذیل میں "تدبر قرآن" سے ترجمۂ قرآن کے کچھ نمونے پیش کیے جا رہے ہیں جس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مولانا نے اس مشکل کام کو کس خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا ہے:

"اور یاد کرو جب کہ ہم نے تم سے اقرار کر لیا کہ اپنوں کا خون نہ بہاؤ گے اور اپنوں کو اپنی بستیوں سے نہ نکالو گے، پھر تم نے ان باتوں کا اقرار کیا اور تم اس کے گواہ ہو۔ پھر تم ہی لوگ ہو کہ اپنوں کو قتل کرتے ہو اور اپنے ہی ایک گروہ کو ان کی بستیوں سے نکالتے ہو، پہلے ان کے خلاف حق تلفی اور زیادتی کر کے ان کے دشمنوں کی مدد کرتے ہو۔ پھر اگر وہ تمہارے پاس قیدی ہو کر آتے ہیں تو ان کا فدیہ دے کر چھڑاتے ہو حالانکہ سرے سے ان کا نکالنا ہی تمہارے لیے حرام تھا۔ کیا تم کتاب الٰہی کے ایک حصہ پر ایمان رکھتے ہو اور اس کے دوسرے حصے کا انکار کرتے ہو؟ جو لوگ تم میں سے ایسا کرتے ہیں ان کی سزا دنیا کی زندگی میں رسوائی کے سوا اور کچھ نہیں اور آخرت میں یہ شدید ترین عذاب کی طرف بھیجے جائیں گے۔ اللہ اس چیز سے بے خبر نہیں ہے جو تم کر رہے ہو۔ یہی لوگ ہیں جنھوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی تو نہ ان کا عذاب ہی ہلکا کیا جائے گا اور نہ کوئی مدد ہی پہنچے گی۔" (البقرہ ۸۴-۸۶)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"اے ایمان والو! اپنے کمائے ہوئے پاکیزہ مال میں سے خرچ کرو اور ان چیزوں میں سے خرچ کرو جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کی ہیں اور اس میں سے وہ مال تو خرچ کرنے کا خیال بھی نہ کرو جس کو خدا کی راہ میں تم خرچ کرنے پر آمادہ ہو جاؤ لیکن اگر وہی مال تمہیں لینا پڑ جائے تو بغیر آنکھیں میچے اس کو نہ لے سکو اور اس بات کو خوب یاد رکھو کہ اللہ بے نیاز اور ستودہ صفات ہے" (بقرہ ۲۶۷)

"بے شک جن لوگوں نے کفر کیا ان کے مال اور ان کی اولاد خدا کے مقابل میں کام آنے والے نہیں۔ یہ لوگ دوزخی ہوں گے اور اس دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ جو کچھ اس دنیا میں خرچ کرتے ہیں اس کی تمثیل ایسی ہے کہ کسی ایسی قوم کی کھیتی پر جس نے اپنے اوپر ظلم کیا ہو، پالے والی ہوا چل جائے اور وہ اس کو تباہ کر کے رکھ دے۔ اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ یہ خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھاتے رہے ہیں۔" (آل عمران ۱۱۶-۱۱۷) "کسی بشر کی شان نہیں کہ اللہ اس کو کتاب، قوت فیصلہ اور منصب نبوت عطا فرمائے پھر وہ لوگوں کو یہ دعوت دے کہ لوگو! اللہ والے بنو، بوجہ اس کے کہ تم کتاب الٰہی کی دوسروں کو تعلیم دیتے ہو اور خود بھی اس کو پڑھتے ہو۔ اور نہ یہ ممکن ہے کہ وہ تمہیں یہ حکم دے کہ فرشتوں اور نبیوں کو رب بناؤ۔ کیا وہ تمہیں کفر کا حکم دے گا بعد اس کے تم خدا کے فرماں بردار ہو؟" (آل عمران ۷۹-۸۰)

آیات کی تشریح میں ادبی شانِ جمال و جلال اور بھی نمایاں ہے: "سید کے معنی سردار کے ہیں۔ نبی اپنی فطرت، اپنی دعوت اور اپنے مشن کے لحاظ سے سردار ہوتا ہے۔ وہ داعی بن کر لوگوں کو پکارتا، منذر بن کر لوگوں کو جگاتا اور ہادی و مرشد بن کر لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے۔ اس کام کے لیے وہ قدرت کی طرف سے تمام لوازم و اسلحہ سے مسلح ہوتا ہے۔ اس کا سینہ خلق کے لیے شفقت و رافت سے لبریز ہوتا ہے۔ اس کے کلام میں بے پناہ سطوت و جلالت ہوتی ہے، اس کی آواز اور اس کے انداز میں ہیبت ہوتی ہے۔ اس کی تابناک پیشانی اس کی عظمت و صداقت کی گواہی دیتی ہے۔ اگرچہ وہ کمل کی پوشاک پہنتا ہو اور جنگلی شہد اور ٹڈیوں پر گذارہ کرتا ہو لیکن اس کے رعب و دبدبے سے بادشاہوں پر لرزہ طاری ہوتا ہے"[1] (آل عمران ۳۹)

اس طرح مولانا اصلاحی نے اپنے ترجمہ قرآن اور تفسیر کے ذریعہ بڑی حد تک اس کمی کی تلافی کر دی جس کی طرف مولانا مودودی نے اردو تراجم کے سلسلے میں اشارہ کیا ہے: "پہلی چیز جو ایک لفظی ترجمے کو پڑھتے وقت محسوس ہوتی ہے وہ روایتی عبارت، بلاغت زبان اور تاثیر کلام کا فقدان ہے۔ قرآن کی سطروں کے نیچے آدمی کو ایک ایسی بے جان عبارت ملتی ہے جسے پڑھ کر نہ اس کی روح وجد میں آتی ہے، نہ اس کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں، نہ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں، نہ اس کے جذبات میں کوئی طوفان برپا ہوتا ہے، نہ اسے یہ محسوس ہوتا ہے کہ کوئی چیز عقل و فکر کو تسخیر کرتی ہوئی قلب و جگر تک اترتی چلی جا رہی ہے۔"[2]

●●

---

[1] تدبر قرآن - جلد اوّل ص ۶۸۳، [2] دیباچہ تفہیم القرآن - جلد اوّل ص ۷

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جناب عطاء اللہ پالوی
بالی گنج، جہان آباد

مقدمہ مطالب القرآن

تراجم :- کسی ایک زبان کی اصل تحریر کو، دوسری کسی زبان میں منتقل کرنے کو "ترجمہ" کہا جاتا ہے۔ مگر کسی ایک زبان کی عبارت کو، اس کی اپنی لسانی خوبیوں اور معنوی جامعیّت کے ساتھ، کسی دوسری زبان میں، اس کی لسانی خوبیوں اور معنوی جامعیّت کا لحاظ رکھتے ہوئے منتقل کرنا انسانی دسترس سے باہر ہے، لہٰذا وہ "ترجمہ" نہیں ہے، ہم جس کو "ترجمہ" کہتے ہیں۔ اس کا مطلب ہوتا ہے، اپنی سمجھ کے مطابق اُس عبارت یا تحریر کے مفہوم و مطالب کی "ترجمانی" کرنا۔ یعنی کسی کتاب یا تحریر کا مفہوم اور مطلب، دوسری زبان میں ادا کرکے اصل تحریر کے مفاہیم و مطالب کو قابلِ فہم بنادینا۔ اس لیے دنیا کی کسی کتاب یا تحریر کا، جو دوسری زبان میں "ترجمہ" کرنا کہا گیا ہے یا کہا جاتا ہے اس کا مطلب ہوتا ہے، اس کتاب کی عبارت کے مفہوم و مطلب کو اپنی بصیرت و علمیت کے مطابق دوسری زبان میں ادا کرنا۔ اس لئے دنیا کی جتنی تحریریں بھی، کسی ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کی گئی ہیں، وہ "ترجمہ" نہیں ہیں، بلکہ ان میں اصل کتاب یا تحریر کے مفہوم و مطلب کی "ترجمانی" کی گئی ہے۔ جس میں وہ اصل کتاب یا تحریر کی زبان کی لسانی خوبیاں اور معنوی "جامعیّت" منتقل نہیں ہوسکی ہیں، اور نہ کبھی ہوسکتی ہیں۔

نامور رومی جنرل جولیس سیزر، نہایت صاحب علم اور فاضل آدمی تھا اور بحیثیت مقرر وہ سسرو کا مثیل سمجھا جاتا ہے۔ اس کو جب مصر کے معاملات سے فرصت ہوئی، اور وہ کلیوپیٹرا کو ملکہ مصر بنا کے شام کی طرف لوٹ رہا تھا تو اس کو معلوم ہوا کہ متھرے ڈیٹس کے بیٹے فرناکس نے ڈومی لس کو شکست فاش دے کر بھگا دیا ہے، اور فتح مندی کے جوش و ہوس میں، آرمینہ تک بڑھا چلا جاتا ہے جو رومی اقتدار کے ماتحت تھا۔ یہ سن کر سیزر اپنی فوج کے ساتھ طوفانی یلغار کرتا ہوا، بڑی تیزی سے آرمینہ پہنچ گیا۔ ذیلا کے مقام پر فرناکس سے سخت مقابلہ ہوا۔ سیزر نے اس کو شکست فاش دی، اور فرناکس بھاگ کھڑا ہوا۔ سیزر نے رومہ میں اپنے دولت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اماں ٹیس کو جو خط لکھا' اس میں اور باتوں کے ساتھ ساتھ اس نے اس واقعہ کا بھی ذکر کیا، جس میں اپنی زود روی مستعدی اور فتح مندی کے اظہار میں' لاطینی زبان کا صرف ایک یادگار فقرہ لکھا تھا، جس کے محض تین جامع، بلیغ اور مقفیٰ الفاظ میں پوری روداد بیان کر دی تھی۔ وہ فقرہ یہ تھا:

"وینی، ویڈی، ویسی"

اس کا انگریزی میں بقول لوگوں کے ترجمہ کیا گیا کہ:

I came, I saw, I conquered

اردو میں ترجمہ کیا گیا:

"میں آیا۔ میں نے دیکھا۔ میں فتح یاب ہوا۔"

کیا اس ترجمہ میں، اصل لاطینی زبان کے تین ہم آہنگ صوتی حسن رکھنے والے تین مقفیٰ الفاظ کے متذکرہ بالا لطیف فقرے کی خوبصورتی' انگریزی یا اردو ترجمہ میں منتقل کی جا سکتی ہے؟ البتہ اس جملے کے مفہوم اور مطلب کی ترجمانی کی گئی ہے۔ کسی بھی انسان کے لئے یہ ناممکن ہے کہ وہ کسی اصل زبان کی کتاب یا تحریر کے اس زبان کے اپنے لسانی حسن اور معنوی جامعیت کو دوسری زبان میں منتقل کر سکے۔ البتہ اس کے مفہوم و مطلب کی ترجمانی کر سکتا ہے۔

افراسیاب کے فوجی افسروں نے جنگ کے سلسلے میں' ایک ہنگامی میٹنگ کر کے ایک پلان طے کیا اور مجلس برخاست ہو گئی۔ اس لمبی کارروائی کو' فردوسی نے ایک مصرع کے تین مقفیٰ لفظوں میں ادا کر دیا:

"نشستند و گفتند و برخاستند۔"

کیا ان تین لفظوں کے مقفیٰ جامع اور خوبصورت بلیغ مصرع کا' ترجمہ اس طرح کبھی کوئی کر سکتا ہے۔ کہ اصل زبان کا حسن اور اُس کی جامعیت، ترجمہ میں منتقل ہو جائے؟ آپ صرف یہ کر سکتے ہیں کہ اس مصرع میں جو کچھ بیان ہوا ہے' اُس کے مفہوم اور مطلب کی ترجمانی کر دیں۔

پنڈت دیا شنکر نسیم نے "گلزار نسیم" میں بکاؤلی کی ایک خاص موقع کی تصویر، تین مقفیٰ لفظوں میں کھینچی ہے: ع "شرمائی، لجائی، مسکرائی" یہ تین کیفیتیں ہیں، جنھیں بڑی جامعیت و لطافت کے ساتھ' تین لفظوں میں مقید کر دیا گیا ہے۔ آپ کسی دوسری زبان میں اس کا ترجمہ اس حسن کے ساتھ کبھی کر ہی نہیں سکتے اور ان کیفیتوں کو جو اس حسین مصرع میں کارفرما ہیں' خوبصورتی سے دوسری

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زبان میں مقید کر ہی نہیں سکتے۔ البتہ اس کے مفہوم اور مطلب کی ترجمانی کر سکتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ مترجمین نے اپنی بے بسی اور لاچاری کا اکثر اعتراف کیا اور اپنی ناقدری کا اظہار کر کے معذرت کی ہے۔ پروفیسر اجمل خاں نے گیتا کا ترجمہ اردو میں کیا ہے، اور مقدمہ میں کہا ہے:

"گو ترجمہ میں، اصل زبان کا حسن اور حقیقی لطف باقی نہیں رہتا، لیکن ان کے لیے جو سوائے ترجمہ کے، اصل کتاب کا سنسکرت میں مطالعہ نہیں کر سکتے، ترجمہ کے علاوہ چارہ نہیں۔"

اجمل خاں نے اس کو "ترجمہ" قرار دیا۔ حالانکہ انھوں نے محض "ترجمانی" کی ہے۔ "ترجمہ" تو ممکن ہی نہیں ہے۔

مسٹر قمر بحری آبادی نے بقول خود کالیداس کے منظوم ادبی شاہکار، میگھ دوت کا منظوم ترجمہ پیش کیا ہے۔ مگر کیا وہ ترجمہ ہے؟ ان کا بیان ہے کہ:

ہے کالیداس اک شاعر براگی — کہ ہے مشہور جس کا نام نامی
لکھی ہے "میگھ دوت" اک نظم مشہور — اُسی کا ترجمہ تھا دل کو منظور
دل ناداں کو لیکن یہ خلش تھی — کہ کب ہو ترجمے میں لطف اصلی؟
مگر پھر یک بیک یہ دل میں آیا — عبث ہی اس لیے میں ہچکچایا
نہ ہوں گو آشنا رنگ بیاں سے — مگر واقف تو ہوں اس داستاں سے

مقدمہ میں بھی انھوں نے کہا ہے:

"الفاظ میں کالیداس کی سی حلاوت و خوشنمائی نہیں، نہ سہی، لطفِ زبان و کلام نہ ملے نہ سہی، مگر مفہوم کلام تو ضرور معلوم ہو جائے گا۔"

حقیقت یہ ہے کہ اصل کتاب یا تحریر میں، اصل زبان کا جو اپنا خاص حسن اور مزہ ہوتا ہے، اس کو دوسری زبان میں منتقل کیا ہی نہیں جا سکتا۔ یہ انسانی دسترس سے باہر ہے۔ اس لیے اس کو "ترجمہ" نہیں کہا جا سکتا، بلکہ وہ اس کتاب یا تحریر کے مفہوم و مطلب کی صرف "ترجمانی" ہوتی ہے۔

یہ انسانی تصانیف و تحاریر کا حال ہے کہ ان کا "ترجمہ" کسی دوسری زبان میں کیا ہی نہیں جا سکتا۔ اور قرآن عظیم کا معاملہ تو اتنا گمبھیر اور سنگین ہے کہ خدا کی پناہ۔ پروفیسر ڈبلو۔ سی۔ اسمتھ نے بالکل صحیح فرمایا ہے کہ:

"ہماری بے بسی و بیچارگی کا حال یہ ہے کہ جب ہم، انسانی زبانوں میں سے کسی ایک زبان کا، دوسری زبان میں دل آویز ترجمہ نہیں کر سکتے، تو خدائی زبان کا ترجمہ کس طرح ہم سے ممکن

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوسکتا ہے؟ ہم زیادہ سے زیادہ جو کچھ کر سکتے ہیں وہ یہی کہ اس کا جو مفہوم ہماری سمجھ میں آتا ہو، اس کو ہم اپنی زبان میں بیان کر دیں۔ بس۔"

قرآن حکیم کا تین حصّہ "ترجمہ" ہے۔ ازل سے تخلیق آدم تک کی، اللہ اور ملائکہ کے درمیان ہوئی جتنی گفتگوئیں، قرآن حکیم میں مذکور ہیں۔ تخلیق آدم سے اختتام حیات پیغمبر آخرالزماں تک لوگوں کی گفتگو جو قرآن میں نقل ہوئی ہے، اور روز قیامت سے ابد تک میں جس جس سے جو جو باتیں ہوں گی، وہ سب کی سب مختلف زبانوں سے سروکار رکھتی ہیں، جن کا کسی انسان کو علم نہیں، اور نہ انسان ان زبانوں کو جان یا سمجھ سکتے ہیں۔ وہ ساری باتیں، جس طرح اس وقت عربی زبان میں قرآن مجید کے اندر درج ہیں، وہ عربی زبان میں نہیں ہوئی تھیں۔ بلکہ ان ساری گفتگوؤں، کلاموں، دعاوی اور باتوں کو عربی زبان میں "ترجمہ" کر کے اللہ تعالیٰ نے پیش کی ہے۔ جس میں نہ تو اصل زبان کی لسانی خوبیاں اور معنوی جامعیتیں نظرانداز ہوئی ہیں اور نہ عربی زبان کی لسانی خوبیاں اور معنوی جامعیتیں متروک ہوئی ہیں۔ اس حسن و جمال و فضل و کمال کے ساتھ کسی انسان کا کوئی "ترجمہ" کرنا ممکن ہی نہیں ہے، کیونکہ یہ انسان کے بس سے باہر کی بات ہے۔ یہ صفت اللہ اور صرف اللہ جلّ شانہ کی ہے کہ وہ ایک زبان کی باتیں اس زبان کی لسانی خوبیوں اور معنوی جامعیتوں کے ساتھ، دوسری زبان کی لسانی خوبیوں اور معنوی جامعیتوں کا اہتمام رکھتے ہوئے بہ آسانی "ترجمہ" کر دیتا ہے۔

اہل زبان عربوں کو، جو آنحضرت صلعم کے بارے میں کہتے تھے کہ وہ اس قرآن کو خود گڑھتا ہے، اور وحی الٰہی بتا کے پیش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چیلنج کیا تھا کہ:

"فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ (پ ۱)"

"اِس قرآن کی سی کوئی ایک سورہ ہی، تم لوگ انفراداً، یا خدا کو چھوڑ کر ایک کمیٹی کی کوششوں کے ذریعہ، بنا کے لے تو آؤ؟"

قرآن حکیم کے الفاظ عربی زبان کے تھے اور اسی عربی زبان کے تھے، جو عرب کے سارے لوگ بولتے تھے۔ چاہے وہ شہری ہوں یا دیہاتی، جاہل ہوں یا عالم، پھر کیا وجہ ہے کہ مشرکین فصحائے عرب، قرآن حکیم کی سی ایک سورہ تو کیا، ایک آیت بھی، نہ بنا کے لائے نہ دکھا سکے؟ وجہ یہ ہے کہ قرآن حکیم ہو یا کوئی اصل آسمانی کتاب وحی الٰہی کی زبان کا اسلوب اور انداز بیان نرالا ہوتا ہے، اور وحی الٰہی کے الفاظ میں جامعیت و معنویت ایسی ہوتی ہے کہ اس کے الفاظ کی جگہ دوسرے الفاظ لے ہی نہیں سکتے،

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چاہے وہ کسی بڑی سے بڑی اعلیٰ درجہ کی وسیع زبان ہی کیوں نہ ہو۔ دوسرے زبانوں کو چھوڑیے، عربی زبان تو اتنی وسیع اور جامع ہے کہ ہر ہر چیز کے لیے لاتعداد الفاظ موجود ہیں، مگر وحیٔ الٰہی کے کسی لفظ کو ہٹا کر عربی زبان کا ہی دوسرا لفظ رکھ دیجیے، تو نہ صرف عبارت کا آہنگ ہی بگڑ جائے گا، بلکہ اس کا جامع و مانع مفہوم و مطلب بھی خبط ہو جائے گا۔ پھر کسی دوسری زبان میں اگر وحیٔ الٰہی کے کسی جملہ، فقرہ اور آیت کا "ترجمہ" کرنا چاہے گا تو یہ ناممکن ہے کہ آپ اس آیت کے لسانی حسن اور معنوی جامعیت کو، دوسری زبان میں منتقل کر سکیں اور اس طرح منتقل کر سکیں کہ جس زبان سے "ترجمہ" کیا جا رہا ہے، اس کا اپنا لسانی حسن اور اس کی اپنی معنوی جامعیت بھی برقرار رہے۔ اسی لیے امام ابن قتیبہ نے اپنی تصنیف "کتاب القرطین" میں اہلِ عرب کے مختلف اسالیب بیان کی خصوصیات بیان کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ:

"قرآن کریم کا نزول، اُن تمام اسالیب کلام کے مطابق ہوا ہے، یہی وجہ ہے کہ کوئی ترجمہ کرنے والا قرآن کا ترجمہ کسی زبان میں کر ہی نہیں سکتا۔"

انھوں نے مثال میں متعدد آیتیں پیش کی ہیں، مثلاً سورہ کہف کی ایک آیت یہ پیش کی ہے:-

"فَضَرَبْنَا عَلَىٰٓ ءَاذَانِهِمْ فِى ٱلْكَهْفِ سِنِينَ عَدَدًا" (۱۸/۱۱)

اور فرمایا ہے:

"اگر آپ چاہیں کہ اس مضمون کو کسی دوسری زبان کے الفاظ میں منتقل کر دیں تو اس سے وہ مضمون قطعاً نہیں سمجھا جا سکے گا جو ان الفاظ سے سمجھا جاتا ہے۔"

یا مثلاً انھوں نے سورہ انفال کی ایک آیت یہ پیش کی ہے:

"وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِن قَوْمٍ خِيَانَةً فَٱنۢبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَآءٍ" (۸/۵۸)

اور فرمایا ہے:

"آپ قیامت تک ایسے الفاظ مہیا کر ہی نہیں سکتے جو ان معنوں کو ادا کر دیں، جو اس آیت میں ودیعت کی گئی ہیں، بجز اس کے کہ آپ اس نظم و ترتیب کو توڑ کر الگ الگ چیزوں کو ملا ئیں۔"

ایچ۔ اے۔ آر۔ گب نے اپنی کتاب "موڈرن ٹرنڈس ان اسلام" میں لکھا ہے:

"حقیقت یہ ہے کہ قرآن کا ترجمہ ہو ہی نہیں سکتا . . . قرآن کا انگریزی زبان میں ترجمہ کرو تو اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ اس کے عربی زبان کے تراشے ہوئے نگینوں کے گوشوں کو جامع طور پر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سامنے لانے کی بجائے، مترجم اپنے وضع کردہ ایسے الفاظ استعمال کرے گا جو اصلی الفاظ کی وسعت اور جامعیت کو "مقید" کر دیں گے۔"

مصنف نے متعدد مثالیں دی ہیں، مثلاً سورۂ قٓ کی ایک آیت یہ پیش کی ہے:

" اِنَّا نَحْنُ نُحْیٖ وَنُمِیْتُ وَاِلَیْنَا الْمَصِیْرُ۔" (۵۰/۴۳)

اور پوچھا ہے کہ:-

" انگریزی ہی نہیں، دنیا کی کسی زبان میں، اس کا ترجمہ کر کے دکھائیے اِس کے چھ الفاظ میں، جو پانچ مرتبہ "ہم" کی تکرار ہے، اُس کو، کون سی زبان ادا کر سکے گی؟"

علامہ شبلی نے دو آیتیں پیش کی ہیں:

" ۱۔ فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی (۵۳/۱۰)۔ ۲۔ فَغَشِیَھُمْ مِّنَ الْیَمِّ مَا غَشِیَھُمْ (۲۰/۷۸)"

اور فرمایا ہے:

" ان میں جو بات ہے، وہ سیکڑوں جملے سے ادا نہیں ہو سکتی۔"

سید ابوالحسن علی ندوی نے کہا ہے:

" قرآن مجید کے ترجمے تو بہت ہوئے مگر کیا آج تک هَیْتَ لَکَ (۱۲/۲۳) کا ترجمہ ہو سکا؟"

غرض کہنے کی یہ ہے کہ قرآن حکیم کا جو بھی ترجمہ کسی زبان میں ہوتا کہا یا بیان کیا گیا ہے۔ وہ "ترجمہ" نہیں ہوا اور نہیں ہوتا کیونکہ یہ کسی انسان کی سکت ہی نہیں کہ وہ یا ہزاروں علم و فضل، وحیٔ الٰہی کی لسانی خوبیوں اور معنوی جامعیتوں کو قائم رکھتے ہوئے دوسری زبان میں منتقل کر سکے۔ زیادہ سے زیادہ اس کی "ترجمانی" ہو سکتی ہے۔ اور اگر صرف الفاظ کو، ان کی اصلی ترتیب کے ساتھ دوسری زبان میں منتقل کیا جائے گا، تو اس میں اپنی زبان کا بھی نہ تو حسن و کیف باقی رہے گا، اور نہ عبارت میں دلکشی و دلپذیری پیدا ہو سکے گی، بلکہ وہ مفہوم بھی سمجھ میں نہیں آ سکے گا، جو استفادہ کے لیے از بس ضروری ہے۔

مثلاً سورہ انبیاء کی ایک آیت ہے:

" وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَھُمْ بَیْنَھُمْ۔" (۲۱/۹۳)

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب نے فرمایا ہے:

" اور کاٹ دیا انھوں نے کام اپنا درمیان اپنے۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ ہوا ترجمہ"۔ مگر اس ترجمہ سے اس آیت میں جو بات کہی گئی ہے۔ اس تک آپ کی رسائی ہو ہی نہیں سکتی۔ علامہ اشرف علی تھانوی نے کہا ہے:

"اور ان لوگوں نے، اپنے دین میں، اختلاف پیدا کر لیا۔"

یہ ہوا "ترجمانی"۔ اس سے آپ اندازہ فرما سکتے ہیں کہ اگر قرآنی الفاظ کا "ترجمہ" اس کے ہر لفظ کے ساتھ لکھ دیں تو شاید وہ "ترجمہ" تو کہلائے گا۔ مگر اس سے آپ کے پلے کچھ نہ پڑے گا۔ البتہ اس کا مفہوم و مطلب اپنی یا کسی دوسری زبان میں بیان کریں تو وہ "ترجمہ" نہیں "ترجمانی" ہے۔ اور اب تک قرآن کے مفاہیم و مطالب کو جس دوسری زبان میں منتقل کیا گیا ہے، وہ "ترجمہ" نہیں ہے جب کہ عام طور سے کہا جاتا ہے۔ بلکہ وہ اپنی اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق اس آیت کے مطلب و مفہوم کی "ترجمانی" ہے۔ اور وہ "ترجمانی" بھی وہ ہے جو مترجم نے سمجھا ہے۔

قرآن حکیم کے سارے ہندستانی اردو مترجمین میں، حضرت علامہ ابو الکلام آزاد ہیں، جنھوں نے اس امر کو محسوس کیا تھا کہ قرآن کا "ترجمہ" نہیں ہو سکتا۔ صرف اس کے مفہوم کی "ترجمانی" ہی کی جا سکتی ہے۔ چنانچہ انھوں نے اپنی کتاب یا ترجمہ کا نام "ترجمان القرآن" رکھا ہے۔ یعنی قرآنی مفاہیم و مطالب کی ترجمانی کرنے والی کتاب، اور فرمایا ہے کہ:

"کوشش کی ہے کہ قرآن کا ترجمہ اردو میں اس طرح مرتب ہو جائے کہ اپنی وضاحت میں، دوسری چیز کا محتاج نہ رہے۔ اپنی تشریحات خود اپنے ساتھ رکھتا ہو۔"

پاکستانی اردو مترجمین قرآن میں صرف علامہ غلام احمد پرویز ہیں، جنھوں نے اپنے ترجمہ کا نام "مفہوم القرآن" رکھا ہے اور اپنے ترجمہ کے بارے میں فرمایا ہے:

"اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ یہ قرآن کریم کی آیات کا مفہوم ہے، ان کا ترجمہ نہیں۔"

۱۹۳۰ء میں، حضرت علامہ ابو الکلام آزاد نے "ترجمان القرآن" کے مقدمہ میں لکھا تھا کہ:

"مختلف اسباب سے، جن کی تشریح کا یہ محل نہیں، صدیوں سے اس طرح کے اسباب و مؤثرات نشو و نما پاتے رہے، جن کی وجہ سے بتدریج، قرآن کی حقیقت، نگاہوں سے مستور ہوتی چلی گئی اور رفتہ رفتہ اس کے مطالعہ و فہم کا ایک نہایت پست معیار قائم ہو گیا۔ یہ صورت حال فی الحقیقت مسلمانوں کے عام دماغی تنزل کا قدرتی نتیجہ تھی۔ انھوں نے جب دیکھا کہ وہ قرآن

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی بلندیوں کا ساتھ نہیں دے سکتے تو کوشش کی کہ قرآن کو، اس کی بلندیوں سے اس قدر نیچے اتار لیں کہ اُن کی پستیوں کا ساتھ دے سکے۔"

۵۲، ۵۵ برس بعد، ۱۹۸۲ء میں دلّی میں "بین الاقوامی قرآن کانفرنس" منعقد ہوئی، جس میں برطانیہ، کناڈا، مصر اور سعودی عرب کے بڑے بڑے مفکرین قرآن نے شرکت کی۔ ان میں امریکہ کے پروفیسر بی۔ ٹی اروِنگ بھی تھے۔ انھوں نے اپنے مقالہ میں یہ بھی فرمایا تھا کہ :

"یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ قرآن کے تاکیدی احکام کے مکرر سہ کرر نزول کے بعد بھی، قرآن میں غور و فکر مطلقاً نہیں کیا گیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ قرآن جس مرتبے پر فائز ہے اس کو اب تک جانا ہی نہ جا سکا ہے۔ میں نے بہت سے ترجمے دیکھے ہیں اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اب تک جتنے بھی ترجمے کیے گئے ہیں، ان میں قرآن عظیم کی روح نہیں جھلکتی۔"

بات یہ ہے کہ جن لوگوں نے بھی ترجمے کیے، انہوں نے اس سلسلے میں، ایک سائنس داں کا رول ادا نہیں کیا۔ بلسٹر اسٹفنسن ایک سائنسداں تھے۔ انھوں نے خطِ منجمد شمالی میں گیارہ برس گذارے تھے۔ جب وہ واپس تشریف لائے تو لوگوں نے پوچھا کہ "آپ نے کیا ثابت کیا؟" انھوں نے فرمایا :

"سائنس داں، کبھی بھی، کچھ ثابت کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔ وہ صرف حقیقت کو تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔"

جہاں تک کہ اردو مترجمین قرآن کا تعلق ہے۔ انھوں نے حقیقت کو جاننے اور قرآن کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش نہیں کی۔ ان کا مطمحِ نظر، اپنے تصورات و معتقدات کو درست اور برحق ثابت کرنے اور دوسروں سے منوانے کے لیے دیکھنا اور تلاش کرنا یہ تھا کہ اس کی کہاں کہاں پر گنجائش نکل سکتی ہے، چاہے قرآن کو جس حد تک بھی توڑنا مروڑنا پڑے؟ فرقہ پرستی نے بھی اس سلسلے میں اپنے خاص جلوے دکھائے۔ تقلید نے بھی اس کی جان نہیں چھوڑی۔ نتیجتاً ان کے ترجمے، قرآن فہمی میں معاون ہونے کی بجائے ایک عجیب چیز ہو کے رہ گئے۔ اس سلسلے میں نمونتاً چند گوشے سامنے لائے جا رہے ہیں۔

حضرت علامہ ابوالکلام آزاد نے تفاسیر قرآن کے سلسلے میں لکھا ہے کہ :

"متداول تفاسیر کو اٹھا کر دیکھو۔ جس مقام کی تفسیر میں متعدد اقوال موجود ہوں گے وہاں اکثر، اس قول کو ترجیح دیں گے، جو سب سے زیادہ کمزور اور بے محل ہوگا۔ جو اقوال نقل کریں گے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان میں بہترین قول موجود ہو گا' لیکن اسے نظر انداز کر دیں گے۔"

صرف مفسرین قرآن ہی کا نہیں، مترجمین قرآن کا بھی یہی انداز دکھائی دیتا ہے کہ جس لفظ کا ترجمہ متعدد ہے' اس میں سے عقل و محل کے مطابق اُس لفظ کا ترجمہ درج نہیں کیا جاتا' بلکہ جو غیر موزوں ہو گا اُسی کا انتخاب کیا جائے گا۔ دو تین مثالیں ملاحظہ ہوں۔ سورۂ اعراف کی دو آیتیں یہ ہیں :

" اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ۔" (اعراف ۱۹ ع/۱۵۷)

حضرت علامہ عبدالقادر دہلوی نے اس کا ترجمہ یہ فرمایا :

" وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں' رسول کی جو نبی ہے ان پڑھا' وہ جو پاتے ہیں اس کو لکھا ہوا نزدیک بیچ اپنے تورات کے اور انجیل کے۔"

دوسری آیت یہ ہے :

" فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۔" (ع/۱۵۸)

حضرت موصوف نے اس کا ترجمہ یہ فرمایا :

" پس ایمان لاؤ ساتھ اللہ کے اور رسول کے اس کے جو نبی ہے اَن پڑھا وہ جو ایمان لاتا ہے' ساتھ اللہ کے اور باتوں اس کی کے۔"

" اُمّی " کے معنی جاہل اور اَن پڑھ کے بھی ہیں' اور " مرکز والا " اور " سنٹر والا" کے بھی۔ مگر ترجمہ میں موقع و محل کے لحاظ سے " مرکز والا " نہیں لیا گیا جو حقیقت مآب تھا' بلکہ " اَن پڑھ " لیا گیا۔ " ان پڑھ " بھی اس لیے ترجمہ کیا گیا کہ ذاتِ رسالت کا ادب و لحاظ متصور تھا' ورنہ " اُمّی " کے سیدھے سادھے معنی تو " جاہل " کے ہیں۔ یہی ترجمہ نقل در نقل ہوتا چلا آ رہا ہے اور کوئی بھی اس پر غور کرنا پسند نہیں کرتا کہ آیا یہ ترجمہ یہاں پر صحیح اور برمحل ہے بھی یا نہیں ؟ اور مسلمانوں کا یہ عام عقیدہ ہو گیا کہ نبی کریم ان پڑھ تھے۔ " نبیِّ امّی " کا ترجمہ " ان پڑھ نبی " کرنا سراسر قرآن کے خلاف تھا۔ " اُمّی " کا لفظ صرف ان ہی دو آیات میں آیا ہے' اور دونوں میں کسی جگہ بھی " اُمّی " کا لفظ " ان پڑھ " کے معنی میں ہرگز نہیں آیا ہے۔ یہ ترجمہ کئی وجہ سے صحیح نہیں ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱) جہالت اور ناخواندگی، کوئی خوبی اور اعزاز نہیں ہے جسے پیغمبر صاحب کا وقار بڑھانے کے لیے اللہ اس لفظ کو ان سے منسوب کرتا۔ بلکہ یہ سخت عیب اور نہایت بڑا نقص ہے۔ اس لیے جہالت و ناخواندگی کو بطور صفت و خصوصیت، اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے کس طرح منسوب کر سکتا تھا جو کائنات کا معلم بن کے آیا تھا؟۔

(۲) دونوں آیتوں میں "محمد" کو "ان پڑھ" نہیں کہا گیا ہے، بلکہ "نبی" کو "ان پڑھ" کہا گیا ہے، جو حقیقت کے سراسر خلاف ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ خلاف حقیقت، ان آیتوں میں ان کو "ان پڑھ نبی" کیسے کہہ سکتا تھا، جبکہ خود اس کا قول تھا کہ:

"مَاكُنْتَ تَتْلُوا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ (عنکبوت ۲۹/۴۸)	"نبوت سے پہلے، نہ تو تم کوئی کتاب پڑھ سکتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھ سکتے تھے"

جب خود اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ اس سے پہلے "یعنی نبوت سے پہلے تم ان پڑھ تھے" تو منصبِ نبوّت پر فائز ہونے کے بعد وہ حضور کو "ان پڑھ نبی" کیسے کہہ سکتا ہے؟

(۳) یہودیوں سے کہا جا رہا ہے کہ "نبی امیؐ" کا ذکر ان کی کتابوں تورٰۃ و انجیل میں مذکور ہے۔ پھر وہ اُس کی صداقت کو تسلیم کیوں نہیں کرتے؟ سوال یہ ہے کہ کیا یہودی، آنحضرت صلعم کو "ان پڑھ ہونے" کی وجہ سے برحق پیغمبر تسلیم نہیں کرتے تھے کہ ان سے کہا گیا کہ "ان پڑھ نبی" کو تسلیم کرو؟ اگر حضور پڑھے لکھے ہوتے تو کیا وہ انھیں سچا پیغمبر مان لیتے؟ اور ان کی پیروی کرتے؟ یہودیوں کے یہاں جاہل اور قابل یا ان پڑھ اور پڑھے لکھے ہونے کا کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا۔ جب تک نسل اسحاق میں "پیغمبری" رہی، سارے پیغمبر فلسطین سے مبعوث ہوتے رہے تھے۔ اس لیے اپنی کتابوں کے اندراج کے مطابق یہودی یہ تو جانتے اور مانتے تھے کہ ایک نبی مبعوث ہوگا، مگر ان کا عقیدہ تھا کہ آنے والا نبی جو بھی مبعوث ہوگا، وہ حسب دستور "فلسطین" ہی سے مبعوث ہوگا نہ کہ دوسری جگہ سے۔ اب جو نسلِ اسمٰعیل میں پیغمبری منتقل ہو گئی، اور حضور "مکہ" سے مبعوث ہوئے تو یہودیوں کو یہ اچنبھے کی بات معلوم ہوئی، اور انھوں نے ان کا انکار کر دیا۔ لہٰذا ان سے کہا گیا کہ "نبی اُمیّ"، یعنی "مکہ" والا نبی جو مبعوث ہوا ہے، وہ سچّا ہے، لہٰذا یہودیوں کو ان پر ایمان لانا چاہیئے ___ "اُمیّ" کا لفظ اسی دو مقام پر آنحضرت کے لیے استعمال ہوا ہے جو "ام" سے نکلا ہے۔ جس کے معنی "مرکز" کے ہیں۔ چونکہ عرب کا مرکز "مکہ" تھا، اس لیے ان کو "نبی اُمیّ" یعنی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"مکہ والا نبی" کہا گیا۔ مگر ترجمہ میں صحیح اور برمحل لفظ "مکہ والا" نہ لے کر "اُمّی" کے معنی "ان پڑھ" لیا گیا جو قطعاً بے محل بلکہ غلط تھا۔

عرب کا "اُم" یعنی مرکز اور سنٹر "مکہ" تھا، اللہ تعالیٰ کی سنّت یہ تھی کہ:

"وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْ أُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا۔" (قصص ۶۔ ۲۸/۵۹)

تمہارا پروردگار اس وقت تک کسی علاقہ کو تباہ و برباد نہیں کرتا، جبتک کہ اُسکے مرکز اور صدر مقام میں کسی پیغمبر کو مبعوث نہ کرے جو لوگوں کو ہماری آئتیں پڑھ پڑھ کر سنا نہ دے۔"

چنانچہ آنحضرتؐ کی بعثت کا مقصد یہ قرار پایا کہ:

"وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا" (شوریٰ ۱۔ ۲۵/۷)

"اسی طرح ہم نے تم پر، اس قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا ہے، تاکہ تم مکہ والوں اور اس کے آس پاس کے رہنے والوں کو ڈراؤ۔"

اس لئے کہ وہاں پہلے کوئی نبی نہیں بھیجا گیا تھا:

"لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ۔" (قصص ۵۔ ۲۸/۴۶)

"تاکہ تم اس قوم کو ڈراؤ، جس کے پاس تم سے پہلے، کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا گیا تھا، ہوسکتا ہے کہ وہ نصیحت حاصل کرلیں۔"

لہٰذا یہودیوں سے کہا گیا کہ تم صحیح راستے پر اُس وقت تک نہیں ہوسکتے جب تک کہ تم "مکے والے نبی" کی صداقت تسلیم کرکے اُس پر ایمان نہ لاؤ۔ یہودیوں کو آنحضرت کی جہالت ولاعلمی اور قابلیت و علم دانی سے مطلق بحث نہ تھی کہ ان سے کہا جاتا کہ جب تک "ان پڑھ" نبی پر ایمان نہ لاؤ گے، اس وقت تک ہدایت یافتہ نہیں کہلاؤ گے۔ مگر بات وہی ہے جو حضرت آزاد نے فرمایا ہے کہ ہم معنی الفاظ میں سے لوگ کس لفظ کو منتخب اور منظور کرتے ہیں، جو غلط اور بے محل ہو۔ ایسے غلط انتخاب نے یہ آفت ڈھائی کہ بقول "مدینہ" (بجنور) مورخہ ۱۳ مئی ۱۹۵۲ء، مسلمانوں کی اکثریت والے ضلع پورنیہ میں علما مسلمانوں کو سمجھاتے ہیں کہ:

"پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم "اُمّی" تھے۔ یعنی پڑھے لکھے نہ تھے، اس لئے سالکان راہ طریقت و جاں نثاران رسول کے لئے افضل ترین عبادت اور بہترین ریاضت "ان پڑھ" رہنا ہے۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن حکیم میں کسی جگہ بھی "اُمّی" کا لفظ "ان پڑھ" کے معنی میں نہیں آیا ہے۔ سورۂ بقرہ میں "اُمّی" کی جمع "اُمّیون" آئی ہے۔ وہاں بھی "ان پڑھ" ہی ترجمہ کیا گیا ہے، حالانکہ مراد مکّہ والے ہیں:

"وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ۔" (بقرہ ۹ - ۷۸/۲)

"اور ان ہی میں مکّہ والے ہیں، جو کتاب الٰہی کا کوئی علم نہیں رکھتے، صرف دل خوش کن باتیں کرتے ہیں اور خیالی پلاؤ پکایا کرتے ہیں۔"

تین مقامات پر "اُمّیون" آیا ہے۔ "سورۂ آل عمران" میں دو جگہ یہ لفظ آیا ہے:

"وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ط۔" (آل عمران ۲ - ۳/۱۹)

"یہودیوں، عیسائیوں اور مکّہ والوں سے پوچھو کہ کیا تم اسلام قبول کرتے ہو۔"

مکّہ میں صرف مشرکین تھے، مگر آس پاس میں یہود و نصاریٰ بھی بستے تھے، لہٰذا کہا گیا کہ اہل کتاب اور مشرکین سب سے پوچھو کہ اسلام قبول کرتے ہو، اور مجھے تسلیم کرتے ہو یا نہیں؟ اگر "اُمّیین" سے مراد "ان پڑھ" ہوتا تو "اہل کتاب" کے ساتھ یہ لفظ استعمال نہیں ہوتا، کیونکہ اہل کتاب کے معنی "پڑھے لکھے" نہیں، بلکہ "صاحب دین" ہیں، چاہے وہ جاہل ہوں یا قابل۔ اسی طرح مکّہ والوں میں، پڑھے لکھے بھی تھے اور جاہل بھی۔ اسی سورہ میں دوسری جگہ یہودیوں کا ذکر ہے کہ وہ بڑے خائن ہیں، اور جب تک ان کے سر پر سوار نہ ہو، وہ امانتیں واپس نہیں کرتے، کیونکہ ان کا قول ہے کہ:

"لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ۔" (آل عمران ۸ - ۳/۷۵)

"مشرکین مکّہ کی امانت میں خیانت کوئی گناہ کی بات نہیں۔"

جاہل اور قابل کا سوال ہی نہیں، کیا وہ پڑھے لکھوں کی امانتیں واپس کرتے تھے اور ان پڑھوں کی امانت میں خیانت کرتے تھے؟ چونکہ وہ دیندار تھے اور اہل مکّہ بے دین، اس لیے وہ کہتے تھے کہ بے دینوں کی امانت نہ لوٹانا کوئی گناہ کی بات نہیں تیسری مرتبہ "سورہ جمعہ" میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے:

"هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ" (جمعہ ۱ - ۶۲/۲)

"وہ اللہ ایسا ہے، جس نے مکّہ والوں میں، اُن ہی میں کا ایک رسول مبعوث کیا جو انھیں اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتا ہے، اور ان کا تزکیہ کرتا ہے، اور انھیں علم و حکمت کی باتیں سکھاتا ہے"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کعبہ کے وقت "مکہ" میں دعا کی تھی کہ:

"رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ" (بقرہ ۱۵ - ۱۲۹)	"اے ہمارے پروردگار! ان میں ان ہی میں سے ایک رسول مبعوث فرما جو انھیں تیری آیات کی تلاوت کرکے سنائے اور انھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے۔"

اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ میں، جیسے نبی کے مبعوث کیے جانے کی دعا کی تھی، ان ہی خصوصیات کے ساتھ یہ نبی مبعوث ہوئے تھے۔ البتہ صرف اتنی سی ترمیم کر دی گئی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعا میں "کتب کی تعلیم کے بعد" "تزکیہ" کا ذکر کیا تھا، جو صحیح نہ تھا کیونکہ "تزکیہ" کے بغیر کتاب وحکمت کی تعلیم کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں، کتاب وحکمت کی تعلیم سے پہلے، تزکیہ کی ضرورت ظاہر کی۔ کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی تھی کہ اہل مکہ کو تو "ان پڑھ" رکھے، اور ان ہی "ان پڑھوں" میں سے ایک "ان پڑھ" رسول مبعوث کیجیے۔ بہرکیف! آنحضرت صلعم جب صرف "محمد بن عبداللہ" تھے تو یقیناً "ان پڑھ" تھے، ان کو "نبی" ہونا تھا، اس لیے وہ کسی انسان کے شاگرد نہیں بنائے جا سکتے، مگر جب وہ "محمد رسول اللہ" بن کر نبوت کے اعلیٰ عہدہ پر فائز ہوئے تو وہ "ان پڑھ" نہیں تھے۔ اگر وہ نبوت کے بعد بھی "ان پڑھ" تھے تو وحی کے نزول کے بعد جو اس کی کتابت ہوتی تھی اس کو کیسے جانچتے تھے لوگوں کو جو خطوط لکھواتے تھے، ان کو کیسے دیکھتے تھے کہ وہ صحیح لکھے گئے ہیں یا نہیں؟ صلح حدیبیہ میں صلح نامہ کی عبارت میں "محمد رسول اللہ" کو قلم زد کرکے "محمد بن عبداللہ" کیسے لکھ دیا تھا؟ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ کی شہادت موجود ہے کہ نبوت سے پہلے تو البتہ آنحضرت "ان پڑھ" تھے، مگر نبوت کے بعد نہیں لہٰذا "اُمّی" کا ترجمہ ہرگز "ان پڑھ" درست نہیں، بلکہ "مکہ والا" ہے۔

اہل مکہ کو بھی "ان پڑھ" کہنا، بتانا اور "اُمّیون" اور "اُمّیین" کا ترجمہ "ان پڑھوں" کرنا باطل ہے۔ اہل مکہ پڑھے لکھے نہ تھے تو انھوں نے "سبعہ معلقہ کہہ" اور رلکھ کر خانہ کعبہ میں کیسے آویزاں کر دیا تھا؟ اہل مکہ کے پڑھے لکھے ہونے کا اس سے زیادہ اور کیا ثبوت چاہیے کہ خود اللہ تعالیٰ نے ان کو چیلنج دیا تھا کہ اگر تم کو قرآن کی صداقت میں شک ہے اور تمہارا خیال ہے کہ یہ پیغمبر اپنے سے آیات تصنیف کر لیتا ہے تو وہ بھی آدمی ہے اور تم بھی آدمی ہو، تو اس جیسا قرآن یا کچھ سورہ ہی بنا کے لاؤ؟ جاہلوں اور ان پڑھوں سے ایسا سوال کیا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جا سکتا تھا؟ ایسا سوال تو پڑھے لکھوں ہی سے کیا جا سکتا تھا۔ اہل مکّہ کے لکھے پڑھے ہونے کا اس سے بڑا ثبوت کیا پیش کیا جا سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بیسوں کاتبین وحی، اہل مکّہ میں سے تھے؟ اہل مکّہ کے پڑھے لکھے ہونے کا ثبوت یہ کیا کم ہے کہ غزوۂ بدر کے اُن قیدیوں سے، جو زرِ نقد ادا نہیں کر سکے تھے، کہا گیا تھا کہ وہ اہل مدینہ کے بچّوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔ ان واقعات سے ظاہر ہوا کہ اہل مکّہ "ان پڑھ" نہ تھے۔

"ترجموں میں غلط انتخاب سے قرآن حکیم کا آہنگ ہی بگڑ گیا، مطلب اور مفہوم ہی خبط ہو گیا۔ اور سب سے بڑی خرابی یہ ہوئی کہ آنحضرت ﷺ کی ذات مبارک میں، خلاف حقیقت، ایک عیب لگ گیا اور یہ اتنا مشہور ہو گیا کہ سادہ لوحوں کو احمق بنا کے جاہل بنائے رکھنے کا ایک نامبارک ہتھکنڈا ہاتھ آ گیا اور کہا جانے لگا کہ علم حجاب اکبر ہے۔ رسولؐ کی سنّت یہ ہے کہ لوگ "ان پڑھ" رہیں، اور سنّت پیغمبری پر عمل کریں۔ تاکہ دین و دنیا دونوں میں فلاح پا دیں۔ کس قدر حیرت ناک بات ہے کہ ہر شخص کے لیے جہالت و لاعلمی اور ان پڑھ ہونا، عیب و نقص سمجھا جائے، مگر اس عظیم المرتبت ذات گرامی کے لیے جو پوری کائنات کیلئے "معلّم انسانیت" بن کے آیا تھا۔ "ان پڑھ" ہونا صفت گردانا جائے اور معاذ اللہ، اس چیز کو اللہ تعالیٰ سے منسوب کیا جائے۔

منکرین قرآن اور متکبران مکّہ کے ذکر میں کہا گیا ہے کہ ان لوگوں کا جنّت میں داخل ہونا ممکن نہیں ہے:

"إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ۔" (اعراف ۵۔ پ۸)

سب سے پہلے ترجمۂ اردو میں، حضرت شاہ عبدالقادر صاحب نے اس کا ترجمہ یہ پیش کیا:

"تحقیق جن لوگوں نے جھٹلایا نشانیوں ہماری کو اور تکبر کیا۔ ان سے نہ کھولے جائیں گے واسطے ان کے دروازے آسمان کے اور نہ داخل ہوں گے، بہشت میں، یہاں تک کہ داخل ہو جائے اونٹ بیچ ناکے سوئی کے۔"

"جمل" اونٹ کو بھی کہتے ہیں، اور جہاز کے موٹے رسّے کو بھی۔ سوئی کی رعایت سے جہاز کا موٹا رسہ مراد لینا تھا، کیونکہ سوئی سے دھاگا، ڈوری اور رسّی ہی مناسبت رکھتی ہے، نہ کہ اونٹ، گائے اور بیل وغیرہ۔ بھلا اونٹ کا سوئی سے کیا تعلق؟ مگر "جمل" کے معنی وہی قبول کیے گئے جو مہمل اور بے محل تھے، اور اب جو یہ ترجمہ ہو گیا، تو ہو گیا۔ تقلیداً سارے لوگ یہی ترجمہ اب تک کرتے چلے آتے ہیں۔ درمیانی ترجموں میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت علامہ اشرف علی تھانوی صاحب کا ترجمہ ہے:

"جو لوگ ہماری آیتوں کو جھوٹا بتلاتے ہیں اور اُن سے تکبر کرتے ہیں، اُن کے لئے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے، اور وہ لوگ کبھی جنت میں نہ جائیں گے، جب تک کہ اونٹ سُوئی کے ناکے کے اندر سے نہ چلا جائے۔"

حالیہ مشہور ترین ترجمہ حضرت علامہ ابوالاعلیٰ مودودی کا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے:

"یقین جانو، جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا ہے اور ان کے مقابلہ میں سرکشی کی ہے ان کے لیے آسمان کے دروازے ہرگز نہ کھولے جائیں گے۔ ان کا جنت میں جانا، اتنا ہی ناممکن ہے، جتنا سُوئی کے ناکے سے اونٹ کا گزرنا۔"

زمانۂ جدید کے مقبول ترین ترجموں میں، حضرت علامہ عبدالماجد دریا بادی کا ترجمہ سرِفہرست ہے۔ اس میں ہے:

"بے شک جن لوگوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور ان سے تکبر کیا، ان کے لیے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے، اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے۔ جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں نہ سما جائے۔"

اسی طرح "سورۂ غاشیہ" میں کائنات میں غور و فکر کے سلسلے میں آیا ہے:

"اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ○ وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ○ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ○ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ○" (۸۸/۱۷-۱۹)

اس کا ترجمہ حضرت شاہ عبدالقادر نے یوں کیا تھا:

"کیا پس نہیں دیکھتے طرف اونٹوں کی، کیونکر پیدا کیے گئے ہیں اور طرف آسمان کی کیوں کر بلند کیے گئے، اور طرف پہاڑوں کی کیوں کر کاڑے گئے اور طرف زمین کی کیوں کر بچھائی گئی۔"

"اِبِل" کے معنی "اونٹ" کے بھی ہیں، اور "بادل" کے بھی۔ اونٹ زمینی جانور ہے، اس کا آسمان سے کیا تعلق؟ زمین کی بات ہوتی تو البتہ "اِبِل" کے معنی "اونٹ" لیا بھی جا سکتا تھا۔ کہا گیا تھا کہ جس طرح آسمان پر بادل نظر آتے ہیں، اسی طرح زمین پر پہاڑ دکھائی دیتے ہیں۔ کیسی سچی مشابہت ہے؟ مگر "اِبِل" کے معنی "بادل" نہیں لئے گئے جو نہایت سائنٹفک عنوان تھا۔ بلکہ "اونٹ" کے لیے گئے، جو بالکل بے محل ہے۔ اونٹ زمینی جانور ہے اور بات آسمان کی ہو رہی تھی اور دعوت دی جا رہی تھی کہ:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"آسمان پر غور کرو کہ یہ کیسے بلند ہوا ہے؟ اور اس پر بادل جو آتے ہیں وہ کیا اور کیوں ہیں؟ زمین پر غور کرو کہ یہ کیسے قائم کی گئی ہے؟ اور اس پر پہاڑ کیسے جمائے گئے ہیں؟"

آسمان پر بادل، زمین پر پہاڑ کیسی لطیف تشبیہ ہے۔ کتنا سچا منظر ہے اور تدبر و تحقیقات کا بہترین موضوع۔ بہر کیف! کسی نے بھی اس کی ضرورت ہی محسوس نہ کی کہ سوچے کہ جب دیکھنے کا ذکر ہے تو آسمان پر اونٹ تو ہیں نہیں، بادل البتہ نظر آتے ہیں جو دیکھے جاتے ہیں۔ پھر "ابل" کے معنی جب "بادل" کے بھی ہیں تو یہی معنی کیوں نہ قبول کیا جائے؟ تقلید کا برا ہو کہ جو ترجمہ حضرت عبدالقادر نے کر دیا، اب اس میں مزید غور و فکر اور تبدیل و تغیر کی ضرورت نہیں۔ حضرت علامہ اشرف علی تھانوی صاحب نے بھی اس ترجمہ کو قائم رکھا:

"تو کیا وہ لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح (عجیب طور پر) پیدا کیا گیا ہے اور آسمان کو (نہیں دیکھتے) کہ کس طرح بلند کیا گیا ہے۔ اور پہاڑوں کو (نہیں دیکھتے) کہ کس طرح کھڑے کیے گئے ہیں، اور زمین کو (نہیں دیکھتے) کہ کس طرح بچھائی گئی ہے۔"

جدید ترجموں میں حضرت علامہ ابوالاعلیٰ مودودی اور حضرت عبدالماجد دریا بادی دونوں ہی نے تقلیدی راہ نہیں چھوڑی، اور علی الترتیب یہی ترجمہ کیا:

۱۔ "(یہ لوگ نہیں مانتے) تو کیا یہ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بنائے گئے؟ آسمان کو نہیں دیکھتے کہ کیسے اٹھایا گیا؟ پہاڑوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے جمائے گئے؟ اور زمین کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بچھائے گئے؟" (مودودی)

۲۔ "یہ لوگ کیا اونٹ پر نظر نہیں کرتے کہ وہ کیسی (عجیب) طرح پیدا کیا گیا ہے، اور آسمان پر کہ کیسی (عجیب) طرح بلند کیا گیا ہے۔ اور پہاڑوں پر کہ کیسی (عجیب) طرح کھڑے کیے گئے ہیں اور زمین پر کہ کیسی (عجیب) طرح بچھائی گئی ہے۔" (عبدالماجد)

ہمارے مترجمین کو یہ بے ڈول، اونگھڑ جانور، شاید سرزمین عرب کا ہونے کی وجہ سے، اس قدر محبوب ہے کہ اسے ہر جگہ ساتھ لیے رہنا ضروری خیال کرتے ہیں، یہاں تک کہ اس کو آسمان پر پہنچا کے رہے۔ حالاں کہ انھوں نے ضرور دیکھا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ جب زمین پر پہاڑ کا ذکر کرتا ہے تو آسمان پر بادل کا بھی ذکر کرتا ہے، جس سے پانی برستا ہے۔ سورہ لقمٰن میں ہے:

"اَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِکُمْ ... وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً (۱۰؍۳۱)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"اُس نے سطح زمین پر بڑے بڑے پہاڑ جما دیئے ہیں کہ وہ ڈانواڈول نہ ہونے پائے اور . . . آسمان سے پانی برسایا"

حضرت ابوالکلام آزاد نے اپنے خود نوشت سوانح حیات "تذکرہ" میں اس امر پر بڑا زور دیا ہے کہ حضور اکرم کی ذات سے متعلق کوئی اہم واقعہ ایسا نہیں ہے، جس کا قرآن نے ذکر نہ کیا ہو۔ انھوں نے فرمایا ہے:

۱۔ "لوگوں نے حیات و سیرِ طیبہ حضرت ختم المرسلین پر اس حیثیت سے بہت کم نظر ڈالی ہے کہ اگر روایات و دفاتر تاریخی سے قطع نظر کر لیا جائے اور صرف قرآن حکیم ہی کو سامنے رکھا جائے تو آپ کی سیرت و حیات پر کیسی روشنی پڑتی ہے؟ اور جس طرح قرآن اپنی کسی بات میں اپنے غیر کا محتاج نہیں، اسی طرح اپنے حامل و مبلّغ کے وجود و حیات کے بیان میں بھی خارج کا محتاج ہے یا نہیں؟ اصحاب سیر و محدثین کرام نے فضائل و مدائح منصوصۂ قرآنیہ کے تو باب باندھے ہیں، مثلاً قاضی عیاض نے "شفاء" کے متعدد ابواب میں، قرآن حکیم کی آیات متعلق فضائل و مدائح جمع کی ہیں، لیکن جہاں تک مجھے معلوم ہے، آج تک کبھی اس کی کوشش نہیں کی گئی ہے کہ صرف قرآن حکیم میں دائرۂ استناد و اخذ محدود رکھ کر ایک کتاب سیرت میں مرتب کی جائے۔"

۲۔ "میں نے کچھ وقت اس پر صرف کیا اور ایک مستقل سیرت نبویہ مجرد قرآن حکیم سے ماخوذ و مستنبط شروع کر دی۔ جوں جوں قدم آگے بڑھتا چلا گیا، نئے نئے دروازے کھلتے گئے اور امید و توقع سے کہیں زیادہ کامیابی ہوئی۔"

۳۔ "کتاب کے مرتب ہو جانے کے بعد جو دیکھا تو ایک عجیب عالم نظر آیا۔ حیات و سیرت کا کوئی ضروری ٹکڑا ایسا نہیں ہے جس کے لئے قرآن میں ایک یا ایک سے زیادہ آیات نہ ہوں۔"

۴۔ "مجھ کو آخری مرتبہ یقین اس بارے میں داخل ہو گیا کہ اگر دنیا سے تاریخ اسلام کی ساری کتابیں معدوم ہو جائیں اور دنیا نے جو کچھ چھٹی صدی عیسوی کے ایک ظہور دعوت کی نسبت سنا ہے، وہ سب کچھ بھلا دے اور صرف قرآن ہی دنیا میں باقی رہے، جب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت قدسیہ اور آپ کی سیرت و حیات کے براہین و شواہد مٹ نہیں سکتے۔"

قرآن کو اپنے تصورات پر ڈھالنے اور اپنے معتقدات سے ہم آہنگ بنانے کی کوشش کے سلسلے میں دو ایک مسئلہ ایسا ہے جو اس کی نمائندگی کے لئے کافی ہے۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آنحضرت صلعم کے معراجِ جسمانی کی روایت ایسی ہے جس میں صحابۂ کرام اور ازدواج مطہرات تک میں اختلاف تھا، چہ جائیکہ عام مسلمان۔ اور یہ مسئلہ دینی حیثیت بھی نہیں رکھتا تھا۔ مگر اس کو اہم ترین دینی مسئلہ بنا کے اس امر کی کوشش بلیغ کی گئی کہ اس کو قرآن سے ثابت کر کے دکھائیں۔ برخلاف اس کے واقعۂ ہجرت، ایسا واقعہ ہے کہ آج تک دنیا میں کوئی ایک آدمی بھی ایسا نہیں ہوا ہے، جس نے ہجرت نبوی کا انکار کیا ہو۔ معراج سے دین اسلام کا کوئی سروکار نہیں۔ مگر ہجرت وہ واقعہ عظیم ہے جس کا ذاتِ رسالت سے اہم ترین تعلق ہے۔ اور جس پر اسلام کی بنیاد استوار ہوئی۔ مترجمین قرآن کو، ہجرت کے متفق علیہ مسئلہ سے کوئی دلچسپی نہ تھی، جس کا قرآن میں مذکور ہونا تلاش کریں۔ البتہ معراج کے مختلف فیہ واقعہ کو قرآن میں تلاش کرنا ضروری تھا تاکہ اپنے عقیدہ کو، آسمانی سپورٹ اور قرآنی استمداد مل سکے، اور بدقسمتی یہ ہے کہ وہ اُس کی بھی آج تک پول نہ چھپا سکے۔ سورۂ بنی اسرائیل کی سب سے پہلی آیت ہے:

"سُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ۝"

"وہ پاک ذات ہے جو اپنے بندہ کو، شب کے وقت، مسجد حرام سے مسجد اقصا تک، جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں کر رکھی ہیں، لے گیا، تاکہ ہم ان کو اپنے کچھ عجائباتِ صورت دکھلا دیں۔ بیشک اللہ تعالےٰ بڑے سننے والے، بڑے دیکھنے والے ہیں۔" (ترجمۂ تھانوی)

اس ترجمہ پر "معراج کا بیان" کے عنوان سے تفسیر ابن کثیر سے ماخوذ، ایک لمبا نوٹ درج ہے۔ ہجرت راتوں رات ہوئی تھی۔ حضورؐ رات کو خانہ کعبہ سے نماز پڑھ کے روانہ ہوئے تھے، اور راتوں رات سفر کر کے مدینہ پہنچکر وہاں اس جگہ اونٹنی سے اُترے تھے جہاں اب مسجد نبوی ہے۔ ہجرت کا یہ پورا واقعہ متذکرہ بالا آیت میں موجود ہے، کیونکہ حضرت کی ذات اور اسلام کی تاریخ سے اس کا خاص الخاص تعلق ہے، اور اس کا اندراج قرآن میں ضروری تھا۔

معراج کا واقعہ، دین سے کوئی تعلق نہیں رکھتا، اس لیے قرآن میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ مگر مسلمانوں کے لیے یہ ضروری تھا کہ اپنے معتقدات کو قرآنی مدد پہنچا کے صحیح ثابت کریں، لہٰذا "ہجرتِ نبوی" کے ذکر کی آیت کو "معراج" سے متعلق کر دیا گیا، حالانکہ بدیہی طور پر ظاہر ہے کہ یہ آیت ہجرت سے تعلق رکھتی ہے۔ اگر اس بات کو مان لیا جائے کہ اس آیت میں معراج کا ذکر ہے تو زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ حضورؐ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مکہ سے فلسطین تک تشریف لے گئے تھے۔ آج تک کوئی نہ بتا سکا کہ جب معراج، آسمان پر جانا ہے، تو مسجد اقصیٰ سے آسمان پر جانے کا قرآن میں کہاں پر ذکر ہے؟ کوئی یہ نہیں بتاتا کہ خانہ کعبہ کو، حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام نے اپنے دست مبارک سے "خدا کا گھر" کہہ کر بنایا تھا، تو اس مقدس و مبارک خدا کے گھر سے، خدا کے پاس جانے کا راستہ کیوں نہ ملا؟ اور ہیکل سلیمانی، جس کو جنات نے، عہد سلیمانی میں بنایا تھا۔ ایسا محترم و مکرم مقام کیونکر ہو گیا کہ وہاں سے آنحضرت کو آسمان پر جانے کی سیڑھی ملی؟ آج تک کوئی نہ بتا سکا کہ جب قرآن، عربوں کی مروجہ زبان میں نازل ہوا تھا، اور اہل عرب، اپنے خانہ کعبہ کے سوا کسی بھی گھر کو "مسجد" کا رتبہ نہیں دیتے اور مقدس و محترم تسلیم نہیں کرتے تھے، اور ہیکل سلیمانی کبھی "مسجد" کا لقب نہ پا سکا تھا تو اس آیت میں ہیکل کو "مسجد اقصیٰ" کیسے کہا گیا؟ ہیکل کو بعد میں "بیت المقدس" البتہ کہا جانے لگا تھا۔

ہجرت کا واقعہ ایسا ہے جس کا مشرکوں اور خدا کو نہ ماننے والوں کو بھی اعتراف تھا اور ہے۔ کسی فرد بشر کو کبھی اس واقعہ کے انکار کی جرأت نہ ہوئی، اور اسی اہم ترین واقعہ پر اسلام کی بنیاد استوار ہوئی۔ اس لیے ایسا ہونا ممکن ہی نہ تھا کہ اس واقعہ کا قرآن میں ذکر نہ کیا جائے۔ لہٰذا سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں ہجرت کا ذکر ہوا۔ مگر مسلمانوں کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ قرآن میں "ہجرت" کا ذکر ملے یا نہ ملے، مگر "معراج" کے واقعہ کا مذکور ہونا ضرور تلاش کیا جائے تاکہ وہ ان معتقدات سے ہم آہنگ ہو جائے۔

اسی قسم کا مسئلہ "تحویل قبلہ" کا ہے۔ مسلمانوں کا یہ عقیدہ تھا اور ہے کہ آنحضرت صلعم، مدینہ تشریف لے جانے کے بعد، فلسطین کے ہیکل سلیمانی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے لگے تھے۔ (کیوں؟ یہ انھیں نہیں معلوم) مگر کچھ دنوں کے بعد چاہتے تھے کہ خانہ کعبہ کو قبلۂ نماز بنائیں اور خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھیں۔ (کیوں؟ یہ انھیں نہیں معلوم) اس لئے وہ بار بار آسمان کی طرف دیکھتے تھے۔ لہٰذا انھیں قبلۂ نماز کی تبدیلی کا حکم دیا گیا، اور خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کی اجازت دی گئی۔ اب ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو اس کی تلاش ہوئی کہ قرآن سے اس عقیدہ کو استحکام بخشا جائے، لہٰذا جب انھیں دوسرے پارہ سیقول "کے پہلے رکوع میں " قبلہ " کا لفظ ملا تو انھوں نے پورے رکوع کو توڑ مروڑ کر "تحویل قبلہ" کے مسئلے پر منطبق کر دیا۔

نقشہ کو دیکھنے سے ظاہر ہوگا کہ مدینہ، فلسطین اور مکہ کے درمیان میں واقع ہے۔ اگر ایک شخص مدینہ میں فلسطین کی رخ کرے گا اور ہیکل سلیمانی کی طرف منہ کر کے کھڑا ہوگا تو مکہ اور خانہ کعبہ اس کی پشت پر پڑیگا۔ اور اگر خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے کھڑا ہوگا تو ہیکل سلیمانی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی طرف بیٹھ ہو گی۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ کسی ایک کو چھوڑے بغیر دوسرے کو اختیار کیا جا سکے۔

آنحضرت کو قرار واقعی علم تھا کہ خانہ کعبہ، دنیا بھر میں خدا کا واحد گھر ہے، جس کو ان کے دادا، دو عظیم الشان جلیل القدر نبیوں، حضرت ابراہیم و اسمعیل علیہما السلام نے، اپنے دست مبارک سے بنایا تھا اور اولادِ اسحٰق کے سارے انبیا، خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے تھے۔ اور فلسطین کے ہیکل کو، تعمیر کعبہ کے سینکڑوں برس بعد، حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنات کے ہاتھوں بنوایا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اللہ کے حکم کے بغیر ہی حضور دوران قیام مکہ، بارہ تیرہ برس تک خانہ کعبہ میں جا کر یا اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے اور اپنے پیرووں کو پڑھاتے رہے تھے۔ اب سوال یہ ہے کہ آنحضرت نے مدینہ جانے کے بعد، کس کے حکم سے؟ کس تقدس و عظمت کی بنا پر؟ کس ضرورت سے؟ کس جذبہ کے ماتحت؟ کس مصلحت کے پیش نظر؟ خانہ کعبہ کو پسِ پشت ڈال کر، اپنی نماز کا قبلہ ہیکل کو بنا لیا تھا؟ اگر اس کا حکم خدا نے دیا تھا تو پھر آسمان کی طرف دیکھ دیکھ کر قبلہ بدلوانے کی حضور نے کیسے جرأت کی؟ جب کہ آپ کا فرض منصبی بلاچون وچرا، اللہ کے احکام کی پیروی کرنا تھا نہ کہ اُس کا فیصلہ بدلوانا؟ اور اگر خدا نے ہیکل کو قبلہ نماز بنانے کا حکم نہیں دیا تھا، بلکہ حضور نے اپنی مرضی سے ایسا کیا تھا، تو اب اس کو بدلوانے کے لئے، آسمان کی طرف دیکھ دیکھ کر، تبدیل قبلہ کی اجازت حاصل کرنے کی کیا مجبوری تھی؟ یہ تو عجیب بات ہے کہ حضور نے، اپنی بارہ سالہ عادت کے خلاف اور اللہ کے حکم کے بغیر، مدینہ جاتے ہی ہیکل کو اپنا قبلہ نماز بنا لیا اور خدا سے پوچھنے کی کچھ ضرورت نہ سمجھی، مگر پھر اس کو بدلنے کے لئے اللہ سے اجازت کے خواہاں ہوئے؟ اور اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز یہ بات ہے کہ حضور بار بار قبلہ بدلتے رہتے تھے؟ آج مکہ۔ کل ہیکل۔ پرسوں پھر مکہ۔ کیا وہ ذات جو اپنے فیصلہ پر اس طرح اٹل رہتی تھی کہ محسن چچا کی درخواست کو بھی اپنے فیصلہ پر ٹھکرا دینے والی تھی، وہ ایسی ڈھل مل ہو گئی تھی کہ قبلہ نماز کے فیصلہ کو آئے دن بدلتی رہتی تھی؟ جو لوگ ایسا کہتے ہیں وہ رسول کے کردار کو نہایت ناروا داغ لگاتے ہیں۔ جب حضور جانتے تھے کہ ہیکل سلیمانی، یہودیوں کا قبلہ تھا، تو حضور نے مدینہ پہنچنے کے بعد، کیا خانہ کعبہ کو پسِ پشت ڈال کر، ہیکل کو اپنا قبلہ، نماز اس لئے بنا لیا تھا کہ مدینہ کے یہودی، ان سے خوش ہو جائیں گے؟ اور کیا وہ خوش ہو گئے تھے؟ اور انھوں نے رسول اللہ کا ساتھ دیا تھا؟ یہودیوں کی تو سب سے بڑی خواہش یہی تھی کہ دین میں، آنحضرت سے کوئی سمجھوتا ہو جائے اور اب اس سے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بڑا مجبوتہ کیا۔ ہو سکتا تھا کہ حضور نے اپنے خانہ کعبہ کو چھوڑ کر ان کے ہیکل کو اپنا قبلہ تسلیم کر لیا تھا؟ اور جب اللہ تعالیٰ کی بار بار تاکید تھی کہ وہ اہل کتاب ہوتے ہوئے بھی تمہارے دشمن ہیں اور ان سے دبنے یا ان سے مفاہمت کرنے کی ہرگز کوشش نہ کرنا، تو پھر انھوں نے ایسی مفاہمت کیوں کی کہ دشمن کے قبلہ کو اپنا قبلہ تسلیم کر لیا؟ اور خدا کے حکم کے خلاف (نعوذ باللہ) ان کو ایسا کرنے کی جرأت کیسے ہوئی؟ مسلمان اس امر کو فخریہ بیان کرتے اور اپنے بیان کے ثبوت میں قرآنی شہادت پیش کرتے ہیں کہ حضور نے ہیکل کو مدینہ پہنچنے کے بعد اپنا قبلہ بنا لیا تھا، مگر سیقول کے پہلے رکوع میں ہی جس کو تحویل قبلہ کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے، اللہ کی گواہی اور تنبیہ دونوں درج ہے کہ :

"وَلَئِنْ أَتَيْتَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ آيَةٍ مَّا تَبِعُوا قِبْلَتَكَ وَمَا أَنتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ وَمَا بَعْضُهُم بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُم مِّن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ إِنَّكَ إِذًا لَّمِنَ الظَّالِمِينَ ۝"

"اور اگر آپ، اہل کتاب کے سامنے تمام دلیلیں پیش کر دیں، جب بھی یہ آپ کے قبلہ کو قبول نہ کریں اور آپ بھی ان کے قبلہ کو قبول نہیں کر سکتے اور ان کا کوئی فریق بھی دوسرے کے قبلہ کو قبول نہیں کرتا، اور اگر آپ ان کے نفسانی خیالات کو اختیار کر لیں، آپ کے پاس علم آئے پیچھے تو یقیناً آپ ظالموں میں شمار ہونے لگیں۔" (ترجمہ اشرف علی صاحب)

ذرا غور فرمائیے کہ اس رکوع کو، مسلمان، اس ثبوت میں پیش کرتے ہیں کہ حضور نے ہیکل کو مدینہ میں اپنا قبلہ قرار دے لیا تھا، اور اس قبلہ کو بدلنے کے لیے ہدایتیں نازل ہوئی تھیں، مگر اسی میں یہ بھی ذکر ہے کہ تمہارے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ تم ان کے قبلہ کو تسلیم کرو اور یہ بھی تہدید ہے کہ اگر تم نے ان کی خواہش کی پیروی کی تو تمہارا شمار ظالموں میں ہوگا۔ واہ رے خدا! کہ رسول اللہ کے اپنائے ہوئے قبلۂ یہود کو، بدلنے کا حکم بھی دے رہا ہے اور اسی حکم میں یہ بھی کہہ رہا ہے کہ تم ایسے نہیں ہو کہ یہود کے قبلہ کو قبول کرو گے۔ اور اگر تم نے ایسا کیا تو تمہارا شمار ظالموں میں ہوگا۔" فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ ۝

حضور اکرم مکہ کے رہنے والے تھے۔ مکہ ہی میں اسلام آیا تھا۔ مکہ میں نبیوں کے ہاتھ کا بنایا ہوا "خدا کا گھر" تھا اور اس کی وجہ سے مکہ کو پوری سرزمین عرب میں مرکزیت حاصل تھی۔ اسلام بین الکائناتی دین اور نظام خداوندی کا حامل بن کر مکہ میں آیا تھا۔ لہٰذا اسلام کا مرکز بجا طور پر خانہ کعبہ اور مکہ کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سوا کہیں اور ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ رسول اللہ اس بات کو بخوبی سمجھتے تھے اس لیے جب تک حضور مکہ میں تشریف فرما رہے، "مرکز" کا مسئلہ کبھی حضور کے سامنے زیرِ غور نہیں آیا، اور انہیں یہ سوچنے کی کبھی ضرورت ہی پیش نہیں آئی کہ اسلام کا مرکز کون قرار پائے گا؟ آپ مطمئن تھے کہ خانہ کعبہ کے حامل مکہ کے سوا اسلام کا کوئی دوسرا مرکز ہو ہی نہیں سکتا۔ مگر حالات نے عجیب طرح سے کروٹ لی۔ ۱۲-۱۳ برس کے بعد حضور، اس عہد کے ساتھ، مکہ سے مدینہ ہجرت فرما گئے کہ اب ان کا جینا مرنا وہیں ہوگا۔ حضور کا تعلق مکہ و خانہ کعبہ سے ختم ہوگیا۔ لہٰذا مدینہ میں، وقتاً فوقتاً اسلام کی مرکزیت کا مسئلہ حضور کے زیرِ غور آنے لگا۔ جس وقت حضور اس موضوع پر سوچنے لگتے تھے تو فطرتِ انسانی کے مطابق، تمام مفکرینِ عالم کی طرح، آسمان کی طرف آپ کی نگاہیں اٹھ جاتی تھیں کہ اب کیا ہوگا؟ اسلام کا مرکز "کہاں قرار پائے گا؟ خانہ کعبہ کی وجہ سے مرکزیت مکہ کو حاصل تھی اور حضور مدینہ چلے آئے تھے۔ جو کوئی ایسی اہمیت و خصوصیت نہ رکھتا تھا کہ وہ بین الاقوامی اسلام کا سنٹر بنے۔ "سیقول" کے پہلے رکوع میں ایسی تدبر و تفکرِ نبوی کا ذکر ہے اور کہا گیا کہ تم چاہے جہاں رہو، حکومت کا صدر مقام کہیں رہے، اسلام کا مرکز "مکہ" ہی ہوگا جہاں خانہ کعبہ ہے۔ اس لیے تم لوگ جہاں کہیں بھی رہو، اپنی توجہ "خانہ کعبہ" پر مرکوز رکھو۔ چنانچہ آج تک دیکھا جاتا ہے کہ متولی حکومت کا صدر مقام جہاں بھی رہے، اسلام کا مرکز اور سنٹر خانہ کعبہ والا "مکہ" ہے۔ جہاں ساری دنیا کے مسلمان، اس مرکز پر سال میں ایک بار ضرور جمع ہوا کرتے ہیں۔ سیقول کے اس زیرِ بحث پہلے رکوع میں "قبلہ" کا لفظ "سنٹر" اور "مرکز" کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ نماز کا قبلہ شروع سے بلا کسی کی تحریک و حکم کے، حضور اپنی بصیرت سے خانہ کعبہ کو قرار دے چکے تھے۔ اور ابتدائی بعثت سے حضور اور آپ کے متبعین اسی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے چلے آتے تھے اور ہجرت کے بعد مدینہ میں مسجد نبوی بھی اسی رخ بنی ہوئی تھی۔ جس میں سارے مسلمان کا قبلہ خانہ کعبہ تھا۔ اور لوگ بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ لہٰذا نماز کے قبلہ کا کبھی سوال ہی پیدا نہیں ہوا۔ چونکہ تیسری صدی کے بعد، مسلمان عجمی سازش اور یہودی ریشہ دوانی کی وجہ سے تحویل قبلہ کے بے بنیاد مسئلہ کے قائل ہو گئے تھے۔ اور اس عقیدہ کی صحت کے لئے قرآن میں گنجائش نکالنا ضروری تھا اس لئے سیقول کے پہلے رکوع میں لفظ "قبلہ" دیکھا تو اپنے مفروضہ عقیدہ کے جواز اور خدائی سند کیلئے اس کو "نماز کا قبلہ" قرار دے لیا۔ بصیرت کا تو سوال ہی نہیں، بصارت کی بھی داد دینی چاہیئے کہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لوگوں کو یہ کبھی نظر ہی نہ آیا کہ اگرچہ اس رکوع میں چند مرتبہ "قبلہ" کا لفظ وارد ہوا ہے۔ مگر پورے رکوع میں ایک جگہ بھی "صلوٰۃ" کا لفظ استعمال نہیں ہوا۔ پھر یہ "قبلۂ صلوٰۃ" کیسے ہوگیا؟

فرقہ بندی اور تعصّب کی نظر سے بھی، قرآن حکیم کا جس شدّت کے ساتھ مطالعہ کیا گیا، اس کا اندازہ صرف ایک امر سے بخوبی کیا جا سکتا ہے۔ حضرت علاّمہ اشرف علی تھانوی سُنّی عالم اور حضرت علاّمہ سید فرمان علی صاحب لکھنوی شیعہ عالم ہیں۔ دونوں محترم حضرات نے قرآن عظیم کے ترجمے کئے ہیں۔ اِن دونوں ترجموں کے شروع میں، قرآنی مضامین کا بہت طویل انڈکس لگا ہوا ہے۔

اس انڈکس میں سُنّی عالم تھانوی صاحب نے آیتوں کے حوالوں کے ساتھ، اُن مقامات کی نشاندہی فرمائی ہے۔ جہاں جہاں پر حضرات ابو بکرؓ، عمرؓ اور عثمان رضی اللہ عنہم کی "تعریف" وارد ہوئی ہے۔ اسی طرح شیعہ عالم لکھنوی صاحب نے، اپنے انڈکس میں، آیتوں کی نشاندہی کے ساتھ، اُن مقامات کو بیان کیا ہے، جہاں متذکرہ تینوں خلفاء یا صحابہ کی "مذمت" کی گئی ہے۔ مگر جب آپ اُن مقامات کو، حوالوں کی نشاندہی کے مطابق، قرآن میں نکال کے دیکھیں گے، تو اُس میں نہ اُن کا نام ملے گا، اور نہ تعریف اور نہ مذمت۔ ہاں جب ان کے حاشیوں کو ملاحظہ فرمائیں گے، تو وہاں "روایات" ملینگی جنھیں ان آیات پر چپکایا گیا ہے۔ کہ فلاں موقع پر ایسا ہوا تھا اور یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

سوچیئے کہ جب اس انداز سے قرآن حکیم کا مطالعہ کیا گیا ہے یا کیا جا رہا ہے کہ میرے عقیدہ و تصوّر کو، قرآن مجید کی کس آیت سے تقویت ملتی یا مل سکتی ہے؟ اور کس آیت سے ہم اپنے مخالف کو زک یا جراحت پہنچا سکتے ہیں؟ تو امریکی مدبّر ۔ وفلیرایڈ ونگ کو، قرآن کے ترجموں یا تفاسیر میں قرآن عظیم کی روح کیسے جھلکتی نظر آسکتی ہے؟ اور حضرت علاّمہ ابو الکلام آزاد نے کیا غلط فرمایا ہے کہ مسلمانوں نے:

"جب دیکھا کہ وہ قرآن کی بلندیوں کا ساتھ نہیں دے سکتے، تو کوشش کی کہ قرآن کو اُس کی بلندیوں سے، اس قدر نیچے اُتار لیں کہ اُن کی پستیوں کا ساتھ دے سکے۔"

تفاسیر:۔ جس عہد میں، پیغمبر آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم، حجاز میں مبعوث و جلوہ فرما ہوئے، براعظم ایشیا میں دو حکومتیں آسمانِ عروج پر تھیں۔ ایک حکومت رومیوں کی تھی، جنھوں نے روم سے آگے بڑھ کر، عرب آبادی کے ملک شام کو بھی زیر اقتدار کر لیا تھا۔ دوسری حکومت ایرانیوں کی تھی، جنھوں نے ایران سے نکل کر، عرب آبادی کے ملک عراق کو بھی، اپنے قبضہ میں کر رکھا تھا، اور عرب غلامانہ زندگی گذار رہے تھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حجاز میں جب اسلام کا سورج طلوع ہوا تو قرآن حکیم کی تعلیم اور رسول کریم کی تربیت نے عربوں میں وہ زور و قوت، وہ جوش و ولولہ اور وہ ہمت و حوصلہ پیدا کر دیا کہ انھوں نے بیک وقت دونوں قہار و جبار رومی و ایرانی حکومتوں سے ٹکر لے لیا۔ تا آنکہ عربوں نے، تھوڑے ہی دنوں میں، قیصر کو ایشیا سے اٹھا کر یورپ میں پھینک دیا اور کسریٰ کے عرش کے سارے کنگرے گرا کے دنیا سے اس کا نام و نشان مٹا دیا۔

ایرانیوں کے لیے یہ حادثہ عظیم، ناقابل برداشت تھا۔ ایک تو وہ مہذب و شائستہ تھے۔ اس لیے بجا طور پر عربوں کو جاہل و گنوار سمجھ کے اُن سے نفرت کرتے تھے اب جو ان جاہلوں اور گنواروں نے، ان کی ہزاروں سال کی ساسانی و کیانی حکومت کو ملیا میٹ کر کے اس کا صفحۂ ہستی سے نام و نشان مٹا دیا، اور ہزاروں ہزار برس سے روشن آتشکدہ کو ٹھنڈا کر دیا تو عربوں سے ان کی نفرت و عداوت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اہل ایران نے دو سو برس تک مسلسل کوشش کی کہ عربوں کی غلامی کا جولا اپنی گردن سے عسکری بل بوتے پر اتار پھینکیں، مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ عربوں کے خلاف جتنی بھی تحریکیں چلیں اور طاقتیں ابھریں وہ ستر فیصدی ایران سے اٹھیں اور تیس[۳۰] فیصدی باہر کی بغاوتوں نے ایران میں پرورش پائی اور پروان چڑھیں۔ مگر اللہ کو منظور نہ تھا، اس لیے وہ بدستور غلام رہے اور اس وجہ سے عربوں کے خلاف ان کا جذبۂ نفرت و حقارت اور تعصب و عداوت دن بدن بڑھتا ہی چلا گیا جو آج تک کم نہ ہوا۔

جب دو سو برس تک عسکری تحریکوں سے وہ عربوں کے مضبوط چنگل سے نجات نہ پا سکے تو انھوں نے فیصلہ کیا کہ عربوں میں یہ طاقت و جوش قرآن اور صرف قرآن کی تعلیمات نے پیدا کیا ہے۔ لہٰذا ان کے قرآن اور اس کی تعلیمات ہی کو منحرف کر دیا جائے، تاکہ وہ کوئی دوسری راہ پکڑ لیں اور ان کا جوش ختم ہو جائے۔ چنانچہ اس کے لیے لوگ عرصۂ جنگ کو چھوڑ کر علمی میدان میں اتر پڑے۔

کتب سماوی ہمیشہ محرف ہوا کی تھیں، جس کے نتیجہ میں اس قوم کا جوش جاتا رہا تھا، اس لیے یہ ترکیب معقول تھی۔ مگر یہاں صورت حال دوسری تھی۔ قرآن حکیم سے پہلے جو بھی اور جہاں بھی صحف سماوی نازل ہوتے گئے تھے، ان کی حفاظت اُس قوم اور اس کے علماء اور مشائخ کے ذمہ رہی تھی۔

" وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ " (رحیم)

" اور ان کے علماء و مشائخ کو کتاب اللہ کا محافظ ٹھہرایا گیا تھا "

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انسانی حفاظت، بہرحال ناقص ہوتی ہے، اس لئے لوگ وقتاً فوقتاً اپنی خواہش کے مطابق ان صحائف میں ردوبدل کر کے انہیں محرف کر دیتے تھے۔ برخلاف اس کے قرآن کی حفاظت، خود اللہ تعالےٰ نے اپنے ذمہ کر لیا تھا تاکہ وہ انسانی دسترس سے محفوظ رہے:

(۱) ۔ "اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔" (۱۵/۹)

"ہم نے ہی اس نصیحت نامہ کو نازل کیا ہے اور ہم اس کی حفاظت کریں گے۔"

(۲) ۔ "اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ" (۷۵/۱۷)

"اس کو لکھوا کے اکٹھا کرا دینا اور پھر تم کو پڑھوانا، میرے ذمہ ہے۔"

حفاظت خداوندی کی صورت، اُس کے پیغمبر نے یہ نکالی کہ جیسے جیسے قرآن نازل ہوتا گیا، ویسے ویسے معزز و معتمد کاتبوں سے، لکھوا لکھوا کے، آپ اس کو کتابی صورت میں قلم بند کراتے گئے:

(۱) "فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۝ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ۝ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ۝" (۸۰/۱۳-۱۶)

"یہ قرآن ایک مکرم، مرفوع اور مطہر کتاب میں لکھا ہوا ہے، اور ایسے لوگوں کے ہاتھوں لکھا گیا ہے جو بزرگ اور پرہیزگار ہیں۔"

(۲) "رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝" (۹۸/۲-۳)

"اللہ کی طرف سے رسول وہی قرآن تلاوت کرتا ہے، جو ایک صاف ستھری کتاب میں لکھا ہوا ہے اور جس میں اٹل قوانین درج ہیں۔"

دوسری جانب مزید استحفاظ کے لئے، حضور اکرم نے، صحابۂ کرام کو حکم دیا کہ زبانی بھی یاد کرلیں۔ حفاظت قرآن کی یہ بہترین صورت عمل میں لائی گئی کہ اسے زبانی بھی یاد کر لیا جائے۔ کتاب گم ہو جائے تو حفاظ لفظ بہ لفظ دوبارہ لکھوا دیں، حفاظ بھول لیں تو کتاب دیکھ لیں:

(۱) "بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ۝ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۝" (۸۵/۲۱-۲۲)

"اس سے بھی بڑھ کر، یہ قرآن مجید لوح میں محفوظ ہے۔"

(۲) "بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ۝" (۲۹/۴۹)

"اس سے بھی بڑھ کر اس کی روشن آیتیں ان کے سینوں میں محفوظ ہیں، جو صاحب علم ہیں"

اس طور پر یہ قرآن ایسا محفوظ ہو گیا کہ اس میں کسی طرح ردوبدل کیا ہی نہیں جا سکتا تھا۔ تحریف کی کوئی گنجائش ہی نہ تھی۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱) "وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ" (۶/۱۱۶) "اے نبی! تمہارے پروردگار کا کلام صدق و اعتدال کے اعتبار سے اس قدر مکمل ہے کہ کوئی چاہے تو بھی اس میں ردوبدل نہیں کر سکتا۔"

"اِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۝ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝" (۴۱/۴۱-۴۲) "بلاشبہ یہ بڑی باوقعت کتاب ہے۔ اور ایسی کتاب ہے جس میں باطل نہ آگے کی طرف سے داخل ہو سکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے کی جانب سے یہ کوئی معمولی کتاب نہیں ہے، خدائے حکیم و حمید کی نازل کی ہوئی ہے"

قرآن مجید میں، تحریف کی کوئی صورت ہی نہ تھی، کیونکہ وہ کتابوں میں مسطور اور حافظوں کے سینوں میں محفوظ ہو گیا تھا۔ قرآن حکیم کے بعد، صرف ذاتِ رسالت ہی ایسی تھی جس کے ساتھ عربوں کی محبت و عقیدت وابستہ تھی لہٰذا ایرانیوں نے پیغمبر صاحب سے منسوب کر کے ایسی روایتیں گڑھنی اور پھیلانی شروع کیں، جن سے قرآن کے پیدا کیے ہوئے عقائد پر ضرب پڑتی تھی۔ حضرت اکبر الہ آبادی نے غلط نہیں کہا تھا کہ سہ

قرآن کے اثر کو روک دینے کیلئے ہم لوگوں پہ راویوں کا لشکر ٹوٹا

ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے "شعوبیت" کے عنوان سے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "ادب الجاہلی" میں بہت کچھ لکھا ہے "شعوبی" اُس شخص کو کہتے ہیں جو عجم کو عرب پر فضیلت دیتا ہے، اور عرب کی عزت و شان کو حقیر سمجھتا ہے۔ ڈاکٹر طٰہٰ فرماتے ہیں:

۱۔ "شعوبیت کے بارے میں اور اُس طاقتور اثر کے بارے میں، جو عجمی تعصب رکھنے والوں کا ہوگا، آپ کی کیا رائے ہے؟ . . . میرا تو ایمان ہے کہ . . . اس گروہ کی اصل وہی کینہ اور عداوت ہے جو مفتوح ایران، فاتح عرب کی طرف سے اپنے دل کے اندر رکھتا تھا۔ اور یہ بھی آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ اس عداوت نے فتوحاتِ عرب کی تکمیل کے بعد ہی، مختلف شکلیں اختیار کرنا اور مسلمانوں کو دینی، سیاسی اور ادبی زندگی میں متنوع اور دوررس اثرات پیدا کرنا شروع کر دیا تھا۔"

۲۔ "یہ لوگ عرب کے قطعی مخلص نہیں تھے۔ وہ ان سیاسی پارٹیوں کے سیاسی اختلاف میں محض اس لئے دلچسپی لیتے تھے تاکہ ایک طرف تو وہ زندہ رہ سکیں، دوسری طرف غلامی اور اسیری کی زندگی سے نکل کر ایسی زندگی میں داخل ہو جائیں جو آزادوں اور سرداروں کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زندگی کی سی ہو۔"

۲۔ " یہ سب باتیں ہم اس لئے بیان کر رہے ہیں تاکہ آپ کے سامنے ایک تصویر پیش کر دیا
اُس عداوت و نفرت کی جو ایرانیوں کو، عربوں کے ساتھ تھی۔"

۱۹۴۷ء میں، ایک یورپین سیاح موریس ہنڈس نے ایران، مصر، عراق اور فلسطین کی سیاحت کی تھی اور اپنے تاثرات ایک کتاب "مستقبل کی تلاش میں" پیش کیا ہے۔ ایران کے سلسلے میں وہ لکھتا ہے:

" میری ملاقات ایران کے سب سے پڑھے لکھے افراد اور یونیورسٹی کے پروفیسروں سے ہوئی اور مجھے یہ محسوس ہوا کہ یہ سب زرتشتی ضابطۂ اخلاق کو زندہ کرنے کے کتنے متمنّی ہیں۔ ایک اہل قلم نے کہا کہ: "ہماری قوم جب ہی عظمت پا سکتی ہے جب ایک بار پھر زرتشت ہمارے دل و دماغ پر حکمرانی کرنے لگے۔" میں نے کہا "لیکن امتدادِ وقت کے ساتھ، زرتشتی اصول میں بھی تو فرق آگیا تھا" اس نے کہا۔ "صحیح ہے کہ ایسا ہوا۔ لیکن گرا ہوا مکان پھر سے تعمیر کیا جا سکتا ہے، زرتشتی ضابطۂ اخلاق، ہمارا ایرانی مکان تھا، ہماری اچھائیوں کا مندر تھا، جسے ہم نے اپنے ہی ہاتھوں سے بنایا تھا اور اُس روحانی مسالے سے بنایا تھا جو ہمارے ہی ملک کا تھا۔ عربوں کی طرح ہم صحرائی انسان نہ کبھی تھے اور نہ آج ہیں۔ . . اسلام بدویوں کا مذہب ہے۔ ہمارے وہ شعراء بھی جو مسلمان تھے، جیسے نظامی و لعدی سعدی وغیرہ زندگی کے بڑے شیدائی اور رومان کے متوالے تھے۔ وہ اسلامی تقشّف کو قبول نہیں کر سکے تھے۔ ان کی روح ایرانی روح تھی۔"

جب ہی تو جامی نے کہا تھا کہ: ؎

از مراحی دو بار قلقل مئے   بیشِ جامی، بہ از چہار قل است

جواہر لال نہرو نے بھی اپنی کتاب "میری کہانی" میں لکھا تھا کہ:

" ایران کی نظریں، اپنے تمدنی احیاء کے لیے تاریخ قبل از اسلام پر پڑتی ہیں۔"

فردوسی نے بھی تاریخ کے اس عظیم حادثہ کو یاد کر کے غصہ میں آسمان پر تھوک دیا تھا: ؎

زشیرِ شتر خوردن و سوسمار   عرب کا بجائے رسید ست کار
کہ تاجِ کیاں را کند آرزو   تفو بر تو اے چرخِ گرداں تفو

۱۹۵۸ء میں، امیر حسن عابدی نے ایران سے واپس آکر اپنے تاثرات رسالہ "آجکل" (دہلی) کے جنوری نمبر میں شائع کرائے تھے اور لکھا تھا کہ:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"ایرانیوں کی نمایاں خصوصیت، ان کا احساسِ قومیت اور پُرانے تمدن پر فخر ہے۔ رستم و سہراب کے قصے اور کیکاؤس کی داستانیں، وہاں کے بچے بچے کے لیے تاریخی واقعات سے بھی زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔ مسلمانوں کا سب سے بڑا تیوہار عید ہے، جس کو تمام دنیا کے مسلمان بڑے جوش و خروش سے مناتے ہیں۔ لیکن تعجب ہوتا ہے کہ تہران میں، جہاں تقریباً بیس لاکھ آبادی ہے، اس تیوہار کا نام و نشان نہیں۔ . . ایرانیوں کا سب سے بڑا تیوہار "نوروز" ہوتا ہے جو ۲۱، مارچ کو پڑتا ہے۔ ہر گھر میں سال بھر نوروز کے لیے اہتمام کیا جاتا ہے اور اس آمد پر تیرہ دن تک گھروں میں خوشیاں منائی جاتی ہیں"

غرض یہ ہے ایرانیوں کا مزاج۔ انھوں نے مغلوبیت کے بعد قرآن کے اثر کو روکنے کے لیے خوب خوب روایتیں گڑھیں اور پھیلائیں۔ اس میں دیکھا دیکھی دوسرے اسلام دشمنوں نے بھی ان کا ہاتھ بٹایا۔ مگر یہ سب زبانی تھیں، جن کو بقائے دوام حاصل نہیں ہو سکتا تھا، اور ان کے اثرات کو مستقل اور دیرپا بنانا تھا۔ چنانچہ چند ایرانیوں نے ان روایتوں کو کتابی شکل میں مرتب و مدون کر دیا تاکہ وہ مستقل مآخذِ اسلام بن جائیں اور دستبردِ زمانہ سے محفوظ ہو جائیں۔ "صحاح ستہ" کے نام سے ہمارے یہاں روایات کے مجموعے جو مستند درجہ رکھتے ہیں، ان کے مصنف ایرانی ہیں :-

(۱) "صحیح بخاری" مصنفہ محمد اسمٰعیل ساکن بخارا۔ پیدائش ۱۹۴ھ/ ۸۱۰ء، وفات ۲۵۶ھ/ ۸۷۰ء

(۲) "صحیح مسلم" مصنفہ ابوالحسن، ساکن نیشاپور۔ پیدائش ۲۰۴ھ/ ۸۱۹ء، وفات ۲۶۱ھ/ ۸۷۵ء۔

(۳) "سنن ابی داؤد" مصنفہ ابوداؤد سلیمان ساکن سیستان۔ پیدائش ۲۰۲ھ/ ۸۱۷ء، وفات ۲۷۵ھ/ ۸۸۸ء

(۴) "جامع ترمذی" مصنفہ ابوعیسیٰ محمد ساکن ترمذ (بلخ)۔ پیدائش ۲۰۹ھ/ ۸۲۴ء، وفات ۲۷۹ھ/ ۸۹۲ء۔

(۵) "سنن ابن ماجہ" مصنفہ ابوعبداللہ ساکن قزوین۔ پیدائش ۲۰۹ھ/ ۸۲۴ء، وفات ۲۷۳ھ/ ۸۸۶ء۔

(۶) "سنن نسائی" مصنفہ ابوعبدالرحمٰن احمد ساکن نسا (خراسان) پیدائش ۲۱۴ھ/ ۸۲۹ء، وفات ۳۰۳ھ/ ۹۱۵ء۔

ان مجموعوں میں وہ روایتیں بھی ہیں جنھوں نے قرآن کی صحت کی طرف سے آدمی کو مشکوک بنا دینے کے لیے عربوں اور مسلمانوں کے ذہنوں میں اس تصور کو بھی ڈالا کہ قرآن، چاہے آخری صحیفہ آسمانی کیوں نہ ہو، اُس کی حفاظت و جامعیت کے بارے میں خود قرآن کے جو بھی دعوے ہوں، مگر واقعہ یہ ہے کہ قرآن نے نہ تو عہدِ رسالت میں مدوّن و مرتب ہو کر کتابی صورت اختیار کیا تھا اور نہ رسول اللہ نے اس کو جمع کیا تھا، بلکہ آنحضرت صلعم اس کو یوں ہی بے ترتیب پتوں، چمڑوں، چھلکوں پر لکھا ہوا چھوڑ گئے تھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو بعد میں مرتب و مدوّن کیا گیا۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض آیتیں قرآن میں داخل اور جمع ہونے سے رہ گئیں، اور اس میں شامل نہ ہو سکیں، مثلاً رضاعت والی آیت۔

"صحاح ستہ" کے اثرات سے اسلامی شعائر اور عقائد پر جو بھی ضربیں پڑتی ہوں اور اسلام میں جس قدر بھی غیر اسلامی باتیں شامل ہو جاتی ہوں، اور قرآن سے متعلق جو بھی شکوک و شبہات پیدا ہو سکتے ہوں، مگر قرآن پر ڈائرکٹ زد، ذرا کم پڑتی تھی، اور قرآن کی صحت و سلامتی کی طرف سے شک و شبہ پیدا کرا دینے کا سرتا خاطر خواہ کافی نہیں تھا۔ اس لیے متذکرہ بالا مصنفین و محدثین میں سے ایک بزرگ ابو داؤد سلیمان کے ذہین بیٹے عبداللہ نے کوشش بلیغ کر کے وہ روایتیں اکٹھا کیں، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ فلاں آیت جب نازل ہوئی تھی تو یوں تھی، مگر موجودہ قرآن میں وہ یوں درج ہوئی ہے۔ فلاں آیت میں فلاں لفظ یوں نازل ہوا تھا اور اب قرآن میں یوں پایا جاتا ہے۔ راویوں نے قسم کھا کھا کر یہ روایتیں بیان کی ہیں تا کہ لوگ اس پر یقین کریں۔ سارے جھوٹے، ایسا ہی کیا کرتے ہیں کہ وہ قسم کھا کھا کے اپنی بات کا لوگوں کو یقین دلاتے ہیں۔ جھوٹ، ایرانی فطرت میں داخل ہے۔ ایک امریکی سیاح مورس ہنڈس نے ۱۹۴۷ء میں ایران کی سیاحت کے بعد، جو اپنے تاثرات اپنی کتاب "ان سرچ آف۔ لے فیوچر" میں درج کئے ہیں، اس میں وہ کہتا ہے:

"میرے تہران پہنچنے کے چند ہی دنوں کے بعد، ایک انگریزی تعلیم پائے ہوئے ایرانی نے مجھ سے کہا کہ "ایران کے متعلق تمہیں یہ معلوم رہنا چاہیئے کہ وہ بڑے جھوٹے ہیں" میں نے مذاقاً کہا "تم تو جھوٹے نہیں" اُس کا بلیغ جواب تھا، "میں ایک ایرانی ہوں"۔ یعنی؟ میں نے وضاحت چاہی، اس نے کہا۔ "اگر تم اس کو سمجھنا ہی چاہتے ہو تو تمہیں ہماری قومی تاریخ پڑھنا چاہیئے۔ زمانہ تاریخ میں ایرانی قوم نے سخت ٹھوکریں کھائی ہیں۔ بڑے بڑے فاتحوں، غیر ملکی مدبروں اور خود ایرانی حکمرانوں نے قوم کو اتنا رگیدا ہے کہ تحفظ ذات کے لیے جھوٹ سے کام لینا، ایک فطری اور مؤثر حیلہ بن گیا ہے۔ تم شاید مجھ سے اتفاق نہ کرو گے، لیکن اگر ایرانی شہنشاہوں کے مفتوح ہو جانے اور ایران پر عربوں کے قابض ہو جانے کی تاریخ کا مطالعہ کرو گے تو میرے ہم خیال بن جاؤ گے۔"

عبداللہ نے، ان تمام روایتوں کو جن میں صحابہ کرام کی زبانی تحریف قرآن سے حلفیہ بیانات تھے، اکٹھا کر کے "کتاب المصاحف" کے نام سے مرتب کر دیا۔ تا کہ وہ سرمایہ تہس نہس ہونے سے محفوظ ہو جائے، اور وہ مواد ایک جگہ جمع ہو جائے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلمان، عیسائیوں پر طنز کرتے تھے کہ ان کی آسمانی کتاب اپنی اصلی شکل میں موجود نہیں ہے۔ اور اس میں اس قدر تحریفیں ہوئی ہیں کہ ان کی صحت ناقابلِ اعتبار ہے۔ ایک عیسائی انگریز جیک بلڈن نے، اس اعتراض کے جواب میں، تلاش کر کر کے وہ روایتیں اکٹھا کیں، جن میں کہا گیا تھا کہ قرآن کے کن کن مقامات پر تحریف ہوئی ہے اور جو الفاظ وحی کے ذریعہ نازل ہوئے تھے، ان کی جگہ پر اب موجودہ قرآن میں دوسرے الفاظ پائے جاتے ہیں۔ پھر اس خیال سے کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ یہ عیسائیوں کی گڑھی ہوئی روایتیں ہیں، اس نے اپنی کتاب کے ساتھ ساتھ عبداللہ کی کتاب المصاحف" کو بھی ایڈٹ کر کے شائع کر دیا کہ خود ان کے ایک مسلم الثبوت محدث کے بیٹے نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے اور وہ روایتیں جمع کر دی ہیں، جن سے قرآن میں تحریف ثابت ہے۔ اور مسلمان یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کا قرآن، غیر محرّف ہے۔ اب اس کتاب کو پڑھنے کے بعد، شاید ہی پختہ ایمان والا کوئی ظے جو قرآن کو محرّف نہ مانے۔ اور اگر ان روایتوں پر اعتبار کرے تو قرآن کی صحت وسلامتی کی طرف سے اس کا مشکوک ہو جانا قطعی ہے۔

"صحاح ستہ" ہوں یا "کتاب المصاحف" یہ ایسی کتابیں تھیں، جو قرآن سے الگ حیثیت رکھتی تھیں، جو قرآن سے وابستہ نہ تھیں۔ اُن کے اثرات قرآن پر جو بھی پڑیں، مگر وہ قرآن سے ادراپرانیوں کا اصل مقصد، قرآن کے اثرات کو عربوں سے ختم کرنا تھا لہٰذا اُس عہد کے ایک ذہین وفطین ایرانی ابن جریر طبری نے جن کا انتقال ۳۱۰ھ میں ہوا، عربوں کو قرآن سمجھانے کے لئے تفسیر کی بنیاد ڈالی۔ اس تفسیر کا مقصد، بھلے مسلمانوں کو نہ سوجھے، مگر غیرمسلموں کو صاف دکھائی دیا ہے۔ امریکہ کے نامور مصنّف لوتھروپ اسٹوڈرڈ نے اپنی کتاب "اسلام کی نئی دنیا" میں لکھا ہے :

> "حضرت محمدؐ نے، عربوں کو صحیح معنی میں مسلمان بنا دیا تھا، اور انھوں نے اُن کے دماغ میں صرف وہی باتیں راسخ کی تھیں جو اُن کے دماغ میں پوشیدہ طریقے سے (بذریعہ وحی) آتی تھیں جو عربی خون کو متحرّک کرنے کے لیے مناسب تھیں۔ مگر جب اسلام، غیر عربوں کے درمیان پھیلا تو انھوں نے حضرت محمدؐ کی تعلیمات کے معنی، اپنے دماغی رجحان اور ملکی ذہنیت و رواج کے موافق لگانا شروع کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اصل اسلام سے بہت دور جا پڑے۔ چنانچہ اس کی مثال، زیادہ سے زیادہ ملک ایران میں پائی جاتی ہے۔"

آگے بڑھ کر وہ لکھتا ہے :

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"یہ نادر چیز، تھوڑے ہی عرصہ کے بعد، مسلمانوں سے غائب ہو گئی، اور قدیم ایرانی، سیاست و فلسفہ و ذہنیت، ایرانیوں کے میل جول سے مسلمانوں میں داخل ہو گئی۔"

علامہ اقبال نے بھی سراج الدین پال کے نام خط مورخہ ۱۹۱۵ء میں لکھا تھا:

"ہندوستان کے مسلمان کئی صدیوں سے ایرانی تاثرات کے اثر میں ہیں۔ ان کو عربی اسلام سے اور اس کے نصب العین اور غرض و غایت سے آشنائی نہیں۔ ان کے "لٹریری آئیڈیل" بھی ایرانی ہیں اور سوشل نصب العین بھی ایرانی۔"

تفسیر ابن جریر طبری، کا مرتبہ بھی قرآن سے بڑھا ہوا ہے۔ علامہ اسلم جیراجپوری نے "معارف القرآن" جلد ۱ کے دیباچہ میں لکھا ہے:

"آج روئے زمین پر، پورے قرآن کی سب سے پہلی تفسیر یہی ہے۔ یہ "امام التفسیر" بولی جاتی ہے، کیونکہ زمانۂ مابعد میں، جتنی تفسیریں لکھی گئیں، سب کی سب اسی سے ماخوذ ہیں۔ اس میں رطب و یابس ہر قسم کی "روایات" درج کر دی گئی تھیں۔"

"تاریخ التفسیر" کے مصنف قاضی عبدالصمد صارم دیوبندی نے فرمایا ہے کہ:

"یہ عظیم الشان اور معتبر تفسیر ہے۔"

بھلا جب قرآن عظیم عربی زبان میں تھا، جس کو سارے عرب شہری و بدوی اور تمام مومن و مشرک بہ آسانی و بخوبی سمجھ سکتے اور سمجھ رہے تھے، تو پھر تفسیروں کی ضرورت ہی کیا تھی؟ علامہ قاضی عبدالصمد صارم فاضل دیوبند نے ۱۹۳۶ء/۱۳۵۵ھ میں "تاریخ التفسیر لکھی ہے، جو تقریباً ڈیڑھ سو صفحات کی حامل ہے۔ اس میں خود ان کا اعتراف ہے کہ:

"قرآن کا طرز استدلال مطالب پر ایسا سہل الاخذ ہے کہ جس کو ایک بڑے سے بڑا حکیم اور ایک جاہل، دونوں سمجھ سکتے ہیں، اور ہر ایک اپنے اپنے فہم و مذاق کے بموجب اس دلیل سے مستفید ہو سکتا ہے۔ بیانِ احکام میں ایسا سہل اور موثر طریق اختیار کیا ہے کہ جس سے ہندوؤں کے دلوں پر اثر ہو اور وہ تعمیل کے لئے آمادہ ہو جائیں۔"

پھر قرآن حکیم، جب معجزانہ طور پر اس قدر آسانی سے سمجھا جا رہا تھا، اب بھی سمجھا جاتا، اور آئندہ بھی سمجھا جاتا تو تفسیروں کی ضرورت ہی کیا تھی؟ اگر تفسیریں بھی دوسری زبانوں میں لکھی جاتیں تاکہ غیر عرب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یا غیر عربی داں اُس کو سمجھ سکیں اور قرآن فہمی میں ان کو مدد ملے، تو ایک بات بھی تھی، مگر ساری تفسیریں عربی زبان میں لکھی گئیں، جبکہ عربوں اور عربی دانوں کے لیے خود قرآن کافی اور بس تھا؟ اور پھر وہ لکھی بھی گئیں تو ایسی ایسی ضخیم اور اس قدر تعداد میں کہ ان کو پڑھنا ممکن ہی نہیں۔ صارم صاحب نے خود فرمایا ہے کہ:

"امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے تفسیر تیس ہزار ورق پر لکھی تھی۔ اس کا خلاصہ تین ہزار ورق پر کیا۔"

سوچیئے تو کہ اتنی ضخیم کتاب کو پڑھنے کے لیے کس کے پاس وقت تھا؟ یا اُس وقت اس کا کس کو موقع اور فرصت ہے؟ اگر تفسیر اس لیے لکھنے کا خیال ہوا کہ وہ قرآن کو سمجھنے میں مدد دے، تو اس کے لیے ایک تفسیر کافی تھی، مگر وہ ہزاروں نہیں، بلکہ ہزاروں ہزار کی تعداد میں لکھی گئیں۔ علامہ حافظ اسلم جیراجپوری نے "تاریخ القرآن" میں لکھا ہے:

"طبری کے بعد علمائے اسلام نے اس قدر تفسیریں لکھیں، جن کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔ جس طرح محدثین اور فقہا کی کثرت تھی، اسی طرح مفسرین کی بھی ایک جماعت کثیر ہر زمانہ میں رہی۔ بعض بعض تفسیریں اس قسم کی لکھی گئی ہیں، جو دو دو سو اور تین تین سو جلدوں میں ختم ہوئی ہیں۔ "تفسیر حدائق" پانچسو جلدوں میں ہے۔"

خود صارم صاحب کا بھی اعتراف ہے کہ:

"ابتدا سے لے کر آج تک کس قدر تفسیریں لکھی گئیں، ان کا شمار مشکل ہے۔ میں نے سعی کی کہ صرف ہندوستان ہی کی تمام تفاسیر کو معلوم کر لوں، تو کامیاب نہ ہوسکا۔"

غور فرمایئے کہ ایک شخص نے محض ہندوستان میں لکھی جانے والی تفاسیر کی صرف تعداد معلوم کرنا چاہا تو ناکامی ہوئی۔ چہ جائیکہ ساری تفاسیر کی تعداد معلوم کرنا۔ اگر ایک شخص، قرآن کو سمجھنے کے لیے، جس کے لیے وہ تفاسیر لکھی گئی تھیں، تفاسیر کو دیکھنا چاہے تو وہ عمر بھر ان کی تعداد بھی معلوم نہیں کرسکتا، چہ جائیکہ ان کا دستیاب ہونا۔ اور اگر معجزانہ طور پر وہ دستیاب بھی ہو جائیں، تو دنیا کا سارا کام اور کھانا پینا تک چھوڑ کر بھی ان کو پڑھنا چاہیئے تو اس کی پوری عمر کافی نہ ہوا۔ قرآن کو وہ دیکھ ہی نہ سکے گا۔ کسی نے خوب کہا تھا کہ:

وہ پشتارہ، دفتر ہے، انبار ہے   کہ صدیوں میں سیر اُس کی دشوار ہے

حضرت اسلم جیراجپوری نے "تاریخ القرآن" میں جو لکھا تھا وہ تو لکھا ہی تھا، "معارف القرآن" کے دیباچہ میں فرمایا ہے:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"امام ابن جریر طبری کے بعد، جس قدر تفسیریں لکھی گئیں، ان کو کون شمار کر سکتا ہے؟ صرف "کشف الظنون" میں، جو ایک کتب خانہ کی فہرست ہے، نو سو تفسیریں نام بنام درج ہیں۔ نواب صدیق حسین خاں نے اپنی کتاب "اکسیر" میں اس سے بھی کہیں زیادہ تفسیریں گنائی ہیں۔ اگر دنیا کے تمام کتب خانوں کی فہرست دیکھ کر ان کی تعداد لکھی جائے تو وہ یقیناً کئی ہزار تک پہنچے گی۔"

غور فرمایئے کہ جب لوگوں کو تفاسیر کا شمار تک معلوم نہیں ہے، تو وہ دستیاب کہاں سے ہوں گی؟ اور ہوں بھی تو ان کا مطالعہ عربوں اور عربی دانوں تک محدود رہے گا۔ جن کے پاس ان کا منبع خود قرآن موجود ہے۔ دوسروں کو کیا فائدہ ہوگا؟ پھر ان تفاسیر کا جو حال ہے، وہ ماہرین سے سنیے۔ ۱۹۲۲ء میں علامہ حافظ اسلم جیراجپوری نے "تاریخ القرآن" لکھی تھی۔ اس میں انھوں نے فرمایا ہے:

"تفاسیر میں ایک خرابی یہ واقع ہوئی کہ مفسرین نے "روایات" کے سلسلۂ اسناد کو حذف کر دیا، جس کی وجہ سے بنی اسرائیل کے خرافات قصے اور مجوسیوں کے لغو افسانے جو تفسیروں میں درج ہو گئے تھے، مسلّمہ اقوال مان لئے گئے اور وہی ان تفاسیر میں سلسلہ بہ سلسلہ نقل ہونے لگے۔ دوسری خرابی یہ پڑ گئی کہ لوگوں نے زیادہ تر اپنے خاص خاص عقاید کے مطابق تفسیر لکھنی شروع کیں، اور اپنے اپنے خیالات کے مطابق ان کی تاویلیں کی۔ اس وجہ سے جس قدر تفاسیر کی کثرت ہوتی گئی، اُسی قدر قرآن کی اصلی اور صحیح تعلیم سے بُعد ہوتا گیا۔"

۱۹۳۰ء میں حضرت علامہ ابوالکلام آزاد نے "ترجمان القرآن" لکھی تھی، جس میں فرمایا ہے:

عـ۱ "ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کی ابتدائی صدیوں سے لے کر قرون اخیرہ تک، جس قدر مفسرین پیدا ہوئے، اُن کا طریق تفسیر، ایک رُو بہ منزل معیارِ فکر کی مسلسل زنجیر ہے، جس کی ہر کچھلی کڑی پہلی سے پست تر، اور ہر سابق، لاحق سے بلند تر، واقع ہوئی ہے۔ . . . یہ صورتحال فی الحقیقت مسلمانوں کے عام دماغی تنزّل کا قدرتی نتیجہ تھی۔ انھوں نے جب دیکھا کہ قرآن کی بلندیوں کا ساتھ نہیں دے سکتے تو کوشش کی کہ قرآن کو، اُس کی بلندیوں سے اس قدر نیچے اتار لیں کہ وہ ان کی پستیوں کا ساتھ دے سکے۔"

عـ۲ "چوتھی صدی ہجری کے بعد، علومِ اسلامیہ کی تاریخ کا مجتہدانہ دور ختم ہو گیا اور شواذ و نوادر کے علاوہ، عام شاہراہ تقلید کی شاہراہ ہو گئی۔ اس دارِ عُضال نے جسمِ تفسیر میں پوری طرح سرایت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی۔ ہر شخص جو تفسیر کے لیے قدم اٹھاتا تھا، کسی پیش رو کو اپنے سامنے رکھ لیتا تھا اور پھر آنکھیں بند کر کے، اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہتا۔ اگر تیسری صدی ہجری میں کسی مفسّر سے کوئی غلطی ہوگئی ہے تو ضروری ہے کہ نویں صدی کی تفسیروں تک وہ برابر نقل در نقل ہوتی چلی آئے۔ کسی نے اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی کہ چند لمحوں کے لیے تقلید سے الگ ہو کر تحقیق تو کرے کہ معاملہ کی اصلیت کیا ہے؟ رفتہ رفتہ تفسیر نویسی کی ہمتیں اس قدر پست ہوگئیں کہ کسی متداول تفسیر پر حاشیہ چڑھا دینے سے آگے نہ بڑھ سکیں۔ بیضاوی اور جلالین کے حاشیوں کو دیکھو کہ ایک بنے ہوئے مکان کی لیپ پوت کرنے میں کس طرح قوتِ تصنیف رائیگاں گئی ہے۔"

۳۔ "مذاہب فقہیہ کے مقلدین میں جب تحزّب و تشیّع کے جذبات تیز ہوئے تو اپنے اپنے مسائل کی ترجیح میں، آیات قرآنیہ کو کھینچ تاننے لگے۔ اس کی کچھ فکر نہ تھی کہ لغت عربی کے صاف صاف معنی، اسلوب بیان کا قدرتی مقتضیٰ، عقل و بصیرت کا واضح فیصلہ، کیا کہتا ہے؟ تمام تر کوشش یہ تھی کہ کسی نہ کسی طرح قرآن کو اپنے مذہب کے مطابق کر دکھائے۔"

۴۔ "ایک گروہ متصوّفین کا پیدا ہوا، اور اپنے موضوعہ عقائد و اصول پر قرآن کو ڈھالنے لگا۔ قرآن کا کوئی حکم، کوئی عقیدہ، کوئی بیان تحریف معنوی سے نہ بچا۔"

علامہ صاحبؒ نے خود بھی اپنی کتاب "تاریخ التفاسیر" میں اعتراف کیا ہے کہ:

"مختلف ممالک میں، مختلف زمانوں میں، تفسیریں لکھی گئیں اور بہت سے فنون پر تصانیف ہوئیں۔ دیگر علوم و فنون، اسرائیلیات کے انبار، تاریخی واقعات سے تفسیریں بھری گئیں بعض ایسے مفسّر ہوئے کہ انھوں نے استاد کو حذف کر کے روائتیں لکھیں۔ اس طرح کیّاد اور جعل ساز لوگوں کو موقع مل گیا، اور انھوں نے بہت سے بے اصل قصے اور اقوال و واقعات صحابہ، تابعین، اور سلف صالحین کی طرف منسوب کر دیئے اور ان کے بعد والے مفسّر ان کے اعتماد پر ان کو نقل کرتے چلے گئے۔ بعض ایسے مفسّر ہوئے کہ انھوں نے اپنے اپنے مذاق پر تفسیریں لکھیں۔ صرفی، نحوی علماء نے صرف و نحو کے نکات پیدا کئے۔ نحویوں، صرفیوں، ادیبوں نے اپنی طرف کھینچ تان کی۔ فلسفیوں نے فلسفہ بھر دیا۔ صوفیوں نے اپنے رنگ میں رنگنے کی سعی کی۔ غرض، مفسّر کے فرائض اور تفسیر کی شان کو بہتوں نے بھلا دیا۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان بیانات سے ظاہر ہے کہ جتنی تفاسیر، قرآن کو سمجھانے کے لیے لکھی گئیں، اتنا ہی قرآن کی حقیقتیں پردوں میں چھپتی چلی گئیں۔ جس قدر آیاتِ الٰہی کے فہم و تدبر کے لیے کوششیں کی گئیں اتنا ہی اصل قرآن حجاب در حجاب میں مستور ہو گیا۔ اسی وجہ سے حضرت علامہ ابوالکلام آزاد نے مقدمہ "ترجمان القرآن" میں فرمایا تھا کہ:

"اگر ہم چاہتے ہیں کہ قرآن کو اس کی حقیقی شکل و نوعیت میں دیکھیں تو ضروری ہے کہ پہلے وہ تمام پردے ہٹائیں جو مختلف عہدوں اور مختلف گوشوں کے خارجی موثرات نے اس کے چہرے پر ڈال دیے ہیں۔ پھر آگے بڑھیں اور قرآن کی حقیقت خود قرآن ہی کے صفحوں میں تلاش کریں۔"

علامہ آزاد نے اس امر پر بھی زور دیا ہے کہ قرآن کو سمجھنے کے لیے کسی تفسیر و وضاحت کی ضرورت نہیں۔ انھوں نے سورۂ حجر کے نوٹ میں پہلا نوٹ یہی لکھا ہے۔ اس کو پھر پڑھیے۔ بار بار پڑھیے:

"قرآن نے جا بجا اپنے اس وصف پر زور دیا ہے کہ وہ "مبین" ہے۔ یعنی ظاہر ہے، نمایاں ہے، روشن ہے ـــ لیکن کس بات میں؟ اپنی دعوت میں، اپنے دلائل و آیات میں۔ یعنی اس کی کوئی بات نہیں جو الجھی ہوئی ہو، مشکل ہو، ناقابل فہم ہو۔ ہر ذہن اسے بوجھ لے سکتا ہے۔ ہر دل اسے قبول کر لے سکتا ہے۔ ہر روح اس پر مطمئن ہو جا سکتی ہے۔ وہ زیادہ سے زیادہ سیدھی سادی بات ہے جو انسان کے دل و دماغ کے لیے ہو سکتی ہے۔ کیونکہ وہ سچائی ہے۔ اور سچائی کی کوئی بات مشکل اور الجھی ہوئی نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اپنے کو "النور" بھی کہا ہے، یعنی روشنی۔ روشنی کا خاصہ ہے کہ ہر بات کو نمایاں کر دیتی ہے۔ کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی۔ اگر وضاحت و نمود نہیں ہے تو پھر اجالا بھی نہیں ہے۔ اجالا جب کبھی ہو گا، نمود و وضاحت اپنے ساتھ لائے گا۔"

تفسیروں کا کیا حال ہے۔ اس کا مجھے خود چہرہ میں ایک دلچسپ انکشاف ہوا تھا۔ حضرت علامہ حکیم سید محمد شفیع شمسی سے میں نے ایک آیت کا مطلب پوچھا۔ موصوف نے تفسیر جلالین نکال کر اس آیت کے بارے میں جو کچھ اس میں تھا، وہ انھوں نے سنایا۔ پھر خود ہنس کر فرمانے لگے کہ "اس سے زیادہ صاف اور واضح تو خود قرآنی آیت ہے۔"

بہرکیف! قرآن کو سمجھانے کے لیے تفسیریں لکھی گئیں، مگر انھوں نے سمجھانے کی بجائے لوگوں کو الجھاوے میں ڈال دیا۔ اور اس میں اس قدر ہجوم ہوا کہ: ؏

"شد پریشاں خوابِ من، از کثرتِ تعبیر ہا"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امریکی مفکرِ قرآن مسٹر ارونگ نے افسوس کیا ہے کہ باوجود تاکید کے قرآن میں غور و فکر مطلقاً نہیں کیا گیا ہے۔ ایسا انھوں نے اس حالت میں کہا ہے، جبکہ ہمارے پاس تفاسیر کا ایک عظیم انبار جمع ہے۔

بہرکیف! تفسیر کی بُنیاد ایک ایرانی نے رکھی تھی اور اس لیے رکھی تھی کہ قرآن میں اندر رہے یا باہر سے، باطل داخل نہیں ہو سکتا تھا اور "روایتوں" کے مجموعے جو مرتب و مدّون ہوئے تھے، وہ علحدہ صورت میں تھے۔ لہٰذا یہ ضروری ہوا کہ اُن روایتوں کو قرآن کا جُز بنا دیا جائے اور اس کی بہترین صورت یہی تھی کہ قرآن کی تفسیر لکھی جائے تاکہ وہ اس میں شامل کیا جا سکے۔ چنانچہ یہ کوشش کامیاب ہوئی، اور اس حد تک کامیاب ہوئی کہ "عربی مدارس میں کہیں بھی "قرآن" نہیں پڑھایا جاتا بلکہ کسی تفسیر کا کچھ حصّہ پڑھا دیا جاتا ہے۔ اور جو شخص بھی قرآن کو پڑھنا اور سمجھنا چاہتا ہے، وہ اپنے کو تفسیر کا محتاج سمجھتا ہے۔

ظاہر ہے کہ ان حالات میں، عقل و فکر کا تقاضا یہی ہے کہ ساری تفسیروں سے قطع نظر کر کے قرآنِ عظیم کا تنہا مطالعہ کیا جائے اور جس راہ پر وہ لگاتا ہے، اسی پہ چلا جائے۔ سو دو سو برس تک قرآن حکیم تنہا رہنما تھا۔ اُس نے عربوں کو آدھی دنیا کا مالک بنا دیا تھا۔ اور اب اتنی تفسیروں سے استفادہ کے بعد وہ دنیا میں کہیں با آبرو نہیں۔

میں نے جو کچھ اوپر کہا ہے اُس کا مطلب اور لبِّ لباب یہ ہے کہ قرآن حکیم، اپنی دعوت و تبلیغ میں کسی اور کتاب کا محتاج نہیں ہے، اور اُس کی تفسیریں جو لکھی گئی ہیں، وہ سب کی سب بیکار محض ہیں۔ کیونکہ وہ اُسی لائن پر لکھی گئی ہیں، جس لائن پر "روایات" نے مفسّروں کو لگایا اور رجو قابلِ اعتبار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فکر و بصیرت کے آگے تفسیری مواد مفید نہیں ٹھہرتا اور تفسیریں قرآن حکیم کو سمجھانے کی بجائے قاری کو غلط راستے پر ڈال دیتی ہیں۔ اس امر کا اندازہ کرنے کے لیے، قرآن مجید کی سب سے پہلی سورت، سورہ فاتحہ کی تفسیر کو لیجیے اور دیکھیے کہ اس کی تفسیر انسان کو کس گورکھ دھندے میں پھنسا دیتی ہے۔

امام بخاریؒ اور اصحابِ سنن نے ابو سعید بن المعلی سے روایت کی ہے کہ:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ھِیَ السَّبْعُ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْآنُ الْعَظِیْمُ الَّذِیْ اُوْتِیْتُہٗ"

اور امام مالک، ترمذی اور حاکم نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلعم نے ابی بن کعب کو سورہ فاتحہ کی تلقین کی اور یہی الفاظ فرمائے۔ اسی طرح طبری (قرآن حکیم کے سب سے پہلے ایرانی مفسّر) نے حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ وغیرہم سے روایت کی ہے کہ السَّبْعُ الْمَثَانِیْ فاتحۃ الکتاب ہے۔ چنانچہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس وقت سے ابتک سارے مفسّرین (اور مترجمین قرآن بھی) یہی کہتے، لکھتے اور سمجھاتے چلے آئے ہیں۔
سورہ الحجر کی ایک آیت ہے:

"وَلَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ" — "اے پیغمبر! یہ واقعہ ہے کہ ہم نے تمہیں مثانی میں سے سات عطا کئے ہیں اور قرآن عظیم"

سارے لوگ یہی سمجھاتے چلے آتے ہیں کہ "سورہ الحجر" میں جو "سبع مثانی" آنحضرت کو دینے کا ذکر کیا گیا ہے، اس سے مراد "سورہ فاتحہ" ہے۔ حضرت علامہ ابوالکلام آزاد نے بھی "ترجمان القرآن" جلد ا کے دیباچہ میں فرمایا ہے:

"احادیث و آثار سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اس آیت میں "سات دہرائی جانے والی چیز" سے مقصود یہی سورت ہے۔ کیونکہ یہ سات آیتوں کا مجموعہ ہے اور ہمیشہ نماز میں دہرائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس سورت کو "سبع المثانی" بھی کہتے ہیں۔"

سب سے آخری تفسیر (یا ترجمہ) مولوی محمد صاحب کی ہے جو مارچ ۸۴ء میں شائع ہوئی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"اس سورت کی تعریف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "لقد اٰتینٰک سبعًا مّن المثانی والقراٰن العظیم" یہ حقیقت ہے کہ ہم نے تمہیں سات آیتیں (جو نماز میں) دہرائی جاتی ہیں (یعنی سورہ فاتحہ) عطا فرمائی ہیں اور عظمت والا قرآن۔ مذکورہ بالا آیت سے معلوم ہوا کہ سورہ فاتحہ، اسی لئے نازل ہوئی تھی کہ لے مسلمان، نماز کی ہر رکعت میں پڑھیں۔"

اب ذرا غور فرمائیے کہ از روے "روایات" "سورہ فاتحہ کی جو تفسیر پیش ہوئی ہے، وہ کس قدر صبر آزما ہے۔

سب سے پہلی بات تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ "سورہ فاتحہ، قرآن عظیم نہیں ہے، بلکہ وہ قرآن عظیم سے الگ کوئی چیز ہے، کیونکہ قرآن عظیم سے اس کو الگ کر دیا گیا ہے۔

دوسری چیز جو ناقابلِ یقین ہے، وہ یہ کہ "سورہ فاتحہ" کو سات آیتوں کی سورت فرمایا گیا ہے۔ حالانکہ اس میں صرف چھ آیت ہیں۔

تیسرا امر جو پریشان کرنے والا ہے وہ تحریف ہے۔ "سورت الحجر" میں جو آیت وارد ہوئی ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ:

"سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ" — "مثانی میں سے سات۔"

اور "روایات" کی سند پر لکھی ہوئی ساری تفاسیر اور تمام ترجموں میں اس کو "سبع المثانی" کر دیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گیا ہے، جو بالکل غلط ہے۔ اگر سورۂ فاتحہ سات آیتوں سے زیادہ والی سورت ہوتی، جس میں سے سات آیتیں نماز میں دہرائی جاتیں تو ایک بات بھی تھی، مگر صورت حال یہ ہے کہ وہ سات آیتوں کی سورہ بھی نہیں ہے، مگر اُس کو "سبع مثانی" بنا دیا گیا۔ حالانکہ قرآن حکیم کے الفاظ "سبعاً مِّنَ المثانی" ہیں۔ "مثانی میں سے سات"۔ لہٰذا یہ تفسیر کسی طرح قابل اعتماد نہیں ہے۔ حضرت علامہ عبدالباری ندوی نے اپنی کتاب "میری محسن کتابیں" میں کس قدر صحیح تجربہ پیش کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"جہاں اور جس مقدار میں، اس کلام اللہ کے ساتھ تفسیر وغیرہ کی صورت میں کلام الناس کو شریک کیا، اُسی قدر . . . ایسا لگتا ہے کہ جو روشنی ملی تھی، اُس کی جگہ پھر تاریکی چھانے لگی۔"

میں، اپنا ایک واقعہ اُوپر کہیں لکھ چکا ہوں کہ علامہ حکیم سید محمد شفیع فاضل شمسی سے ایک آیت کا مطلب پوچھا تو انھوں نے تفسیر جلالین نکال کر پڑھ کے سنایا، اور قبل اس کے کہ میں کچھ عرض کرتا، انھوں نے خود ہنس کے فرمایا تھا کہ:

"اس سے زیادہ صاف اور واضح تو خود قرآنی آیت ہے۔"

علامہ عبدالباری ندوی کا تجرباتی بیان نہایت سبق آموز ہے۔ حکیم الامّت حضرت علامہ اقبال نے مسلمانوں کو بجا طور پر متنبہ کیا تھا کہ: ؎

ترے ضمیر پہ، جب تک نہ ہو نزول کتاب گرہ کُشا ہے نہ "رازی" نہ صاحب کشّاف

قرآن عظیم کے ترجمے، دنیا کی ساری بڑی زبانوں میں ہو چکے ہیں، اور ہر زبان میں، ایک، دو نہیں متعدد ترجمے ہوئے ہیں۔ اردو زبان میں بھی لاتعداد ترجمے ہوئے ہیں۔ اگر ترجمہ (یا تفسیر) کا مطلب یہ ہوتا کہ اس سے قرآن حکیم کو اپنی زبان میں، سمجھیں، تو ہر زبان میں، صرف ایک ترجمہ کافی اور بس تھا۔ مگر ایسا کیوں ہے کہ ہر زبان میں متعدد ترجمے پائے جاتے ہیں؟ صاف ظاہر ہے کہ جس نے بھی پہلے ترجمہ کے بعد ایک دوسرا ترجمہ پیش کیا ہے، وہ اگلے ترجمہ یا ترجموں سے مطمئن نہیں۔ وہ اپنی فکر و بصیرت سے جو کچھ سمجھتا ہے، اُسے پیش کرنے کا خواہش مند ہے۔

بات یہ ہے کہ اللہ تعالٰے نے اپنی وحدانیت و انفرادیت کی بنا پر، جتنے بھی انسان پیدا کئے ہیں وہ اپنی اپنی جگہ پر منفرد اور یکتا ہیں۔ ہر انسان، دوسرے انسان سے دل و دماغ، مزاج و مذاق، علم و مذاق اور فکر و بصیرت سب میں جدا ہے۔ اس لیے اگر وہ قرآن کے اگلے ترجمہ یا ترجموں کو دیکھتا ہے، تو اس کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لاتعداد مقامات کو وہ اپنی فکر و بصیرت کے مطابق نہیں پاتا، لہٰذا وہ اپنی فکر و بصیرت کے مطابق ایک، نیا ترجمہ پیش کرتا یا نئی تفسیر لکھتا ہے۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے، بہت سے ترجمے اردو زبان میں موجود ہیں، مگر چونکہ بہت سے مقامات ہیں، مجھے اگلے ترجموں سے اتفاق نہیں ہے، لہٰذا میں نے ایک الگ ترجمہ پیش کیا ہے، جو آپ کے پیش نظر ہے۔

میں نے جو ترجمہ کیا ہے، وہ اگلے ترجموں سے متضاد ہے۔ ان میں سب سے پہلا اردو ترجمہ علامہ غلام احمد پرویز کا، دوسرا علامہ اشرف علی تھانوی کا، تیسرا علامہ ابو الاعلیٰ مودودی کا اور علامہ عبداللہ یوسف کا انگریزی ترجمہ سامنے رہا ہے۔ مگر میں نے اپنی فکر و بصیرت کو ان یا ان میں سے کسی ترجمہ کے تابع نہیں کیا ہے، کیونکہ میں، حضرتِ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر کو قول فیصل سمجھتا ہوں :

زرازی، معنی قرآن چہ پرسی؟ ضمیر ما، بہ آیاتش، دلیل است

میں نے عام دستور کے مطابق، اپنی تفسیری یادداشتوں کو "ترجمہ" کہا ہے۔ مگر درحقیقت یہ "ترجمہ" نہیں ہے۔ بلکہ اپنی فکر و بصیرت کے مطابق میں نے قرآنی آیات کے مطالب و مفاہیم کو جیسا کچھ سمجھا ہے، اس کی "ترجمانی" کی ہے۔ لہٰذا آپ ان تفسیری یادداشتوں کو نہ تو "ترجمہ" قرار دیں اور نہ "تفسیر" بلکہ اُنھیں "تفسیری نوٹ" سمجھیں، یا "مطالب القرآن" کا لقب دیں۔ اور چونکہ آپ خود منفرد فکر و بصیرت کے مالک ہیں، اس لیے آپ میری فہم و فراست کو صحیح مان لینے پر مجبور نہیں ہیں۔

●●

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سید فرخ جلالی
علی گڑھ

تیموری مغلوں کے عہد میں تفاسیر

قدیم صحف سماوی میں قرآن کریم کی غیر معمولی اہمیت اس کا اصل زبان میں محفوظ رہنا بھی ہے۔ بنی نوع انسان کو بغیر کسی محنت اور زحمت کے ہدایت تک پہنچانا قرآن مجید کا خاص مقصد ہے اللہ کا یہ انعام محمد رسول اللہؐ کے ذریعہ مسلمین کو ملا ہے۔ موجودہ مقالہ میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے تیموری مغلوں کے عہد (۹۳۲/۱۵۲۶ تا ۱۱۱۸/۱۷۰۷) میں قرآن حمید کے تفسیری رجحان کی طرف اشارہ کیا جائے غیر مطبوعہ اور کچھ مطبوعہ تفاسیر کی طرف توجہ دلائی جائے۔

تیموری مغلوں کے زمانہ میں صاحب تصانیف علماؑ دو گروہوں میں تقسیم کیے جا سکتے ہیں۔

— وہ علمار جن کا تعلق حکومت سے بہ اعتبار عہدہ تھا۔ وہ چار قسم کے تھے۔

۱۔ قاضی، ۲۔ مفتی، ۳۔ صدر، ۴۔ حکومت کا کوئی اور عہدہ مثلاً مقامی یا مرکزی منصب یا ملازمت۔

۲— وہ علمار جو حکومت کی ملازمت سے آزاد تھے ان میں بہ اعتبار رجحان دو طرح کے علمائے تھے۔

۱۔ صوفی علمار جنھوں نے ترک اور تجرید کو اختیار کر لیا تھا اور صاحب تصانیف بھی تھے۔

۲۔ مدرس علمار جنھوں نے افادہ علمی کو تدریس اور تصنیف میں وقف کر دیا تھا۔

یہ بات ہمارے علم میں ہے کہ تیموری مغلوں کے عہد میں حکومت کے اعلیٰ مناصب اور عہدے تورانی اور ایرانی امرا کے لیے مخصوص تھے اور ہندستانی مسلمان امرا بہ مشکل اعلیٰ مناصب پر پہنچ پاتے تھے شروع میں ان کا اوسط دس فیصد سے زیادہ نہیں تھا ابوالفضل نے آئین اکبری میں جن پنج ہزاری امرا کے نام دیے ہیں ان میں سے کوئی ہندستانی مسلمان نہیں اکبر کے آخر عہد میں ہندستانی مسلم امرا کی تعداد میں کچھ اضافہ ہوا۔

جہانگیر شاہ جہاں اور عالمگیر کے عہد میں اضافے ہوئے مگر تعداد کبھی بیس فیصد سے زیادہ نہیں بڑھی۔

یہ بات خاص طور سے اس لیے پیش کی گئی کہ علمار کے لیے عموماً یہ ہوتا تھا کہ عدالتی عہدے حاصل کر سکتے تھے قاضی اور مفتی ہو سکتے تھے حکومت کا اہم ترین مذہبی عہدہ صدر تھا جس کی مشکلات اپنی جگہ تھیں مفتی کو چھوڑ کر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقامی قاضی کا عہدہ متوارث بھی مانا جاتا تھا۔ ہندستانی مسلم علما کے لیے انعام اور مدد معاش کے برائے نام ادارے قائم تھے۔ مساجد کے ائمہ موذن اور خطیب وقف کی محدود ذرائع اور روزینہ کے منتظر رہتے تھے۔

اس بات کو اس لیے پیش کیا گیا تاکہ یہ معلوم ہونے پر کوئی حیرت نہ ہو کہ حکومت کے مناصب اور اعلیٰ ملازمتوں پر ایران توران اور کچھ عراق و عرب کے مسلمان قابض ہوتے تھے اور ان علاقوں سے علما کم تعداد میں آتے تھے اور اگر چاہتے تو جلد نوکر ہو جاتے تھے۔ اس پابندی کا ایک بڑا نتیجہ یہ ہوا کہ علما کی بڑی تعداد کا تعلق ہندستان سے رہا اور مختلف صوبوں میں بعض شہر اور خاندان علمی تحقیق میں ممتاز ہو گئے۔ لیکن علما کی اکثریت نے علوم اسلامی میں فقہ اور تفسیر کی طرف زیادہ توجہ کی حدیث اور مختلف ادب کی طرف وہ توجہ نہیں کر سکے جس کی سخت ضرورت تھی اس کی ایک بڑی وجہ علمی کتب کی قلت اور مالی وسائل کی کمی بھی تھی۔

اسلامی تاریخ پر تو توجہ ہو ہی نہیں سکی۔ تیموری مغلوں کے عہد میں علم تفسیر پر خصوصی توجہ دی گئی اور مختلف مکتبۂ خیال اور ممالک کے علما نے تفسیریں لکھیں ان تفاسیر کے مطالعہ سے یہ خاص بات سامنے آتی ہے کہ قاضی امام ناصر الدین ابو سعید عبد اللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵۔۶۹۲ کی تفسیر انوار التنزیل پر ہندستان کے علما کی خصوصی توجہ رہی اس کے متعدد حواشی لکھے گئے، تفسیر بیضاوی کے متعلق کہا گیا ہے کہ اس میں زمخشری کی تفسیر کشاف اور فخر رازی کے مباحث اور مطالب کا احاطہ کیا گیا ہے اور مذہب اہل سنت کی تائید اور توضیح اس میں موجود ہے۔ اس تفسیر میں احادیث سے جو استدلال کیا گیا ہے اس میں بعض محدثین نے جرح سے کام لیا ہے۔ بیضاوی کے حواشی کی کثرت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تیموری مغلوں کا عہد دور بیضاوی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے تفسیر بیضاوی کے بعض حواشی کی ہم ایک فہرست پیش کرنا چاہتے ہیں۔

(۱) شیخ حسن بن محمد گجراتی (پ ۹۴۳، م ۹۸۲) حاشیہ تفسیر بیضاوی (۲) وجیہہ الدین علوی (پ ۹۱۱ م ۹۹۸) حاشیہ تفسیر بیضاوی (اس کے تین نسخے ملتے ہیں: ۱۔ آصفیہ ۲۔ مولانا آزاد لائبریری (ب) ۳۔ سالار جنگ (مکتوبہ ۱۰۴۸ھ) (۳) عبد الحق محدث تعلیق الحاوی علی تفسیر البیضاوی (اس میں بیضاوی کی تفسیر پر جرح اور تنقید ہے) (۴) سید صبغۃ اللہ گجراتی (م ۱۰۱۵ء) حاشیہ بیضاوی (سالم قدوائی نے ایشیاٹک سوسائٹی کے نسخہ کا حوالہ دیا) (۵) عثمان سندھی (م ۱۰۰۸ء) حاشیہ تفسیر البیضاوی (۶) عبد السلام لاہوری (م ۱۰۳۷ء) تفسیر زہراوین (حاشیہ تفسیر بیضاوی)، (۷) پیر محمد ہاشم بن محمد قاسم (م ۱۰۶۱ء) اورنگ زیب کے استاد، اورنگ آباد" حاشیہ تفسیر بیضاوی (۸) عبد الحکیم سیالکوٹی، حاشیہ تفسیر بیضاوی (م ۱۰۶۹ء کا مکتوبہ نسخہ گڑھی افغاناں میں ہے "مطبوعہ")

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۹) مولانا یعقوب بنیانی عباسی (م ۱۰۹۰ھ/ ۱۰۹۸ء) شاہ جہاں کے عہد میں میر عدل، حاشیہ تفسیر بیضاوی (۱۰) عبدالسلام (دیوی) (م ۱۰۳۹ھ) حاشیہ تفسیر بیضاوی (۱۱) مصلح الدین لاری تعلیقات تفسیر بیضاوی (۱۲) سید طیب بن عبدالواحد بلگرامی (پ ۹۸۶ھ م ۱۰۶۶ھ) شرح بیضاوی (۱۳) شیخ جمال الدین گجراتی (پ ۱۰۸۰ھ م ۱۱۴۴ھ) حاشیہ تفسیر بیضاوی (۱۴) شیخ عبداللہ دہلوی (پ ۱۰۰۱ھ م ۱۰۷۴ھ) شرح بیضاوی (۱۵) شیخ شمس الدین شطاری بیجاپوری (م ۹۸۶ھ) حاشیہ بیضاوی (۱۶) قاضی نوراللہ شوستری شیعی اثنا عشری (م ۱۰۱۹ھ بحکم جہانگیر) حاشیہ تفسیر بیضاوی (اس کا قلمی نسخہ اسلامیہ کالج پشاور میں ہے کاتب محمد حیات مکتوبہ ۱۰۳۱ھ) (۱۷) سید جاراللہ الہ آبادی (م ۱۱۰۰ھ) حاشیہ بیضاوی (۱۸) امان اللہ بنارسی (م ۱۱۳۲ھ اورنگ زیب کے مقرب) حاشیہ تفسیر بیضاوی (۱۹) شرف الدین (م ۱۱۳۳ھ منیر 'بہار') حاشیہ تفسیر بیضاوی (۲۰) شیخ نورالدین صالح (پ ۱۰۶۳ھ م ۱۱۵۵ھ) حاشیہ علی اوائل تفسیر بیضاوی (۲۱) شیخ محمد طاہر بن خوب اللہ، حاشیہ تفسیر بیضاوی (۲۲) نامعلوم، حاشیہ بیضاوی (نسخہ دیوبند ۲۰/۵۵، "۱۸")

تفسیر بیضاوی پر حواشی کی یہ تعداد بتاتی ہے کہ اس کی ضرورت، اور مقبولیت اس تفسیر کی جامعیت کی دلیل ہے۔ اس کے علاوہ مختلف تفاسیر پر حواشی لکھے گئے اور مستقل تفاسیر بھی لکھی گئیں۔

(۱) سید رفیع الدین صفوی (م ۹۵۴ھ) تفسیر معینی (۲) فتح اللہ شیرازی (م ۹۹۷ھ) منہج الصادقین (۳) وجیہ الدین گجراتی حاشیہ تفسیر مہائمی (۴) نظام الدین بن عبدالشکور (م ۱۰۲۴ھ) بلخ، تفسیر نظامی (۵) شیخ عیسٰی بن قاسم سندھی (م ۱۰۳۱ھ) انوار الاسرار فی حقائق القرآن (۶) شیخ مبارک بن شیخ نظر (پ ۹۱۱ م ۱۰۰۱ھ) اکبر سے خصوصی تعلق، منبع نفائس السعید چہار جلد (۷) شیخ یعقوب صرفی کشمیری (م ۱۰۸۵ھ اکبر بادشاہ سے خاص تعلق) تفسیر قرآن (لاہور شیرانی ذخیرہ میں نسخہ مکتوبہ ۱۰۷۱ھ کاتب نذیر بیگ (۸) شیخ جعفر بن جلال گجراتی (پ ۱۰۲۳ھ م ۱۰۸۵ھ) تفسیری رسائل (۹) عبدالواحد بن کمال الدین سنبھلی تفسیر قرآن فارسی (۱۰) شیخ محب اللہ الہ آبادی (م ۱۰۵۸ھ) ۱- ترجمۃ الکتاب ۲- ترجمۃ القرآن (۱۱) سید محمد رضوی، تفسیر (گرڑھی افغانان واہ میں ایک نسخہ) (۱۲) فیض بن مبارک (م ۱۰۰۴ھ) سواطع الالہام (غیر منقوط مطبوعہ) (۱۳) طاہر بن یوسف سندھی (م ۱۰۰۴ھ) خلاصی تفسیر مدارک (۱۴) شیخ منور الدین بن عبدالحمید (م ۱۰۱۱ھ) درالتنظیم فی ترتیب القرآن الکریم (۱۵) شیخ محمد بن جعفر گجراتی، (م ۱۱۱۱ھ) تفسیر (جلالین کے طرز پر) (۱۶) شیخ سعد اللہ لاہوری (بنی اسرائیل) جواہر القرآن الاقرانی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱۷) نعمت خان، نعمت عظمیٰ (۱۸) شیخ جمال الدین ولد رکن الدین (م ۱۱۴۴ھ) حاشیہ تفسیر مدارک، حاشیہ تفسیر محمدی، حاشیہ تفسیر حسینی (۱۹) غلام نقشبند، تفسیر الانوار (۲۰) ملا جیون (احمد) (پ ۱۰۴۷ م ۱۱۳۰ھ) تفسیر احمدی (نسخہ دیوبند) (۲۱) امیر اسمٰعیل سید خاں (عہد نظام شاہ ۱۰۳۶ھ کے بعد) تفسیر رحیمی (نسخہ دیوبند دار العلوم نمبر ۴۵، ۱۰۴۴) (۲۲) شاہ محمد، تفسیر شاہ ۱۔ خدابخش پٹنہ ۲۔ رضا لائبریری، رامپور۔ (۲۳) علی رضا شیرازی، تفسیر (۲۴) صفی بن ولی، زیب التفاسیر (لندن، برلن)

●●

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی
ادارہ علوم اسلامیہ
مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

مولانا آزاد لائبریری میں تفسیر سورہ فاتحہ کے مخطوطے

(۱)

قرآن مجید کی تشریح و تفسیر کی مانند سورہ فاتحہ کی توضیح و تعبیر قدیم سے ہوتی چلی آئی ہے۔ ابتدا میں موخر الذکر کی حیثیت جزوی تھی اور وہ اپنے کل میں مدغم ہوتی تھی مگر کچھ مدت بعد وہ اپنے مضامین کے بنا پر آزاد و مختارانہ حیثیت اختیار کر گئی اور متعدد مفسروں نے صرف سورۂ فاتحہ کی تفسیر و تشریح کو اپنی فکر و نظر کا محور بنایا۔ سر دست یہ کہنا مشکل ہے اور فی الوقت ہمارے موضوع سے باہر بھی، کہ اول اول کب اور کس نے اور کہاں سورہ فاتحہ کی تفسیر و تشریح کا بیڑا اٹھایا۔ ایک روایت کے مطابق حضرت سلمان فارسیؓ نے پہلی بار سورۂ فاتحہ اور بعض دوسرے اجزائے قرآن کریم کے فارسی ترجمہ اور تشریح کا آغاز کیا تھا۔ ان کا زمانہ عہد نبوی یا اس سے متصل بعد کا ہے۔ اس کے بعد بھی متعدد اسی نوع کی تفسیریں لکھی گئیں۔ مولانا آزاد لائبریری میں ایک مخطوطہ ”مرآۃ العارفین فی ملتمس زین العابدین“ کے عنوان سے ہے جس کو حضرت حسین بن علی ہاشمی رضی اللہ عنہما کے نام نامی اسم گرامی سے منسوب کیا گیا ہے۔ یہ خالص سورۂ فاتحہ کی تفسیر پر مشتمل ہے۔ اس سے کہیں زیادہ مفصل و ضخیم نسخہ تفسیر سورۂ فاتحہ ”اعجاز البیان فی کشف ام القرآن“ کے نام سے ہے اور صدر الدین محمد بن اسحٰق قونوی (المتوفی ۶۷۲ھ) کا مصنفہ ہے۔ مسلم یونیورسٹی کے مخطوطاتِ قرآنی میں ان دو قسموں کے علاوہ بعض اور مخطوطے ہیں جو سورۂ فاتحہ کے ساتھ ساتھ ایک دو یا کئی سورتوں کی تفسیر و تشریح پر مشتمل ہیں۔ ان میں ایک مخطوطہ ”التلخیص فی التفسیر“ کے عنوان سے سورۂ فاتحہ اور سورہ بقرہ کی تفسیر پر مشتمل ہے اور موفق الدین احمد بن یوسف الکواشی (متوفی ۶۸۰ھ) کا تحریر کردہ ہے۔ یہ ساری تفسیریں عربی میں ہیں۔ فارسی میں کوئی آزاد و خود مختار مخطوطہ سورۂ فاتحہ کی تفسیر کا نہیں ہے۔ یعقوب بن عثمان غزنوی چرخی کا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تحریر کردہ نسخہ "تفسیر سورۃ الفاتحہ و سورۃ الملک الی سورۃ الفلق" موجود ہے اور اردو میں ایک منظوم تفسیری مخطوطہ ہے جو "تفسیر مرتضوی" سے موسوم ہے اور سورہ فاتحہ اور سورہ ملک کی تفسیر پر حاوی ہے اور غلام مرتضیٰ جنوں کی تصنیف ہے۔

مخطوطۂ مذکورۃ الصدر کے اولین ورق پر اس کا عنوان "نسخہ مرأت العارفین فی ملتمس امام زین العابدین تصنیف جناب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ" تحریر ہے اور مصنفِ کتاب کے مقدمہ میں "مرأت العارفین فی ملتمس زین العابدین" درج ہے جبکہ عبارت سے مصنف کے نام نامی کی بالواسطہ طور سے تصدیق ہوتی ہے کہ صاحبِ کتاب نے اپنے فرزند گرامی زین العابدین کے سوال کے جواب میں لکھتے ہوئے ایک مقام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حوالہ "میرے والد امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ" کہہ کر دیا ہے۔ اور کسی مقام پر مصنف یا صاحبِ کتاب کا ذکر یا حوالہ نہیں ہے البتہ مخاطب فرزند کا حوالہ نام کے ذکر کے بغیر برابر آتا رہا ہے۔

سورۂ فاتحہ کی تفسیر پر مشتمل یہ مخطوطہ روایتی انداز تفسیر سے مختلف ہے۔ دراصل وہ فلسفیانہ تصوف کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے اور قرآنی الفاظ و ربانی کلمات کی لغوی و معنوی تشریح کے بجائے فلسفیانہ تصوف کی اصطلاحات و اسلوب کے حوالہ سے سورۂ فاتحہ کی تفسیر کی گئی ہے۔ "مرأت العارفین فی ملتمس زین العابدین" ایک افتتاحیہ اور چند مقدمات و مباحث پر مبنی ہے اور ہر سابق لاحق سے اس طرح مربوط ہے کہ اول کو سمجھے بغیر ثانی کو سمجھا نہیں جا سکتا۔ تمہید یا افتتاحیہ ہی سے بحث و تفسیر کا آغاز ہوتا ہے اور تحمید و درود ہی میں وہ اسلوب و رنگ اختیار کیا گیا ہے جو پورے مخطوطہ میں جاری و ساری ہے، جو اس خدا/اللہ کی کی گئی ہے جس نے نون سے قلم میں مندرج کو اور عدم میں مخزون کو وجود میں نکالا۔ اور جڑے ہوئے کو علیحدہ اور پوشیدہ کو ظاہر کیا اور قلم کے ذریعہ جو ام الکتاب ہے اور لوح محفوظ جو کتاب مبین ہے علم سکھایا۔ جو کچھ عقل میں تھا اس کو نفس میں مقدر و مفصل کیا۔ اور لوح کو اپنے یمین سے اپنے یسار کو اس طرح بھیجا جس طرح حوا کو جب/پہلوئے آدم سے نکالا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ "خلقکم من نفس واحدۃ وجعل منہا زوجہا وبث منہما رجالا کثیرا ونساء" مصنف کتاب کے نزدیک نفس واحدہ عقل ہے اور زوجہا نفس ہے اور رجال و نساء کثیر عقول و نفوس ہیں۔ اسی طرح تخلیق آسمان و زمین اور تخلیق عالم کے ذیل میں ہیولیٰ۔ عنقا اور عنصر اعظم کی اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں۔ تسبیح خداوندی میں عین/اعیان، قدم و حدوث وغیرہ کی مصطلحات کے استعمال کے بعد یہ واضح کیا ہے کہ جو کچھ متکلم کے باطن میں حروف اور کلمات تامات پوشیدہ تھے، ان کو کتاب مسطور اور رق منشور کی شکل میں ظاہر کیا اور لکھ کر ان کو مرتب و منظم کیا اور کتاب کے مندرجات کو فاتحہ میں اور فاتحہ کے مندرجات کو بسملہ میں اور بسملہ کے مندرجات کو اس کی باء میں اور اس کے مندرجات و مخدوفات کو نقطہ میں سمو دیا۔ اس تمہیدی عبارت کے بعد درود و سلام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام پر بھیجا ہے اور ولد صالح کو مخاطب کر کے کہا ہے کہ تمہارے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سوال کے جواب میں اس مختصر میں فاتحہ کتاب کی تحقیق کی ہے جو ام الکتاب ہے اور یہ تحقیق اہل اللہ کی زبان میں ہے۔

کتاب کا پہلا مقدمہ عالم کی تعریف و تحقیق پر مبنی ہے۔ فرزند صالح کو مخاطب کر کے وضاحت کی گئی ہے کہ عالم دو ہیں: ایک عالم الامر اور دوسرا عالم خلق، اور ان میں سے ہر ایک کتاب اللہ ہے اور ہر ایک کتاب کا ایک فاتحہ ہے اور کتاب کے تمام مشمولات فاتحہ میں مجمل ہیں۔ اسی بنا پر فاتحہ کو "ام کتاب" کہا گیا ہے کہ اس میں کتاب کی مفصلات کو مجمل انداز سے سمو دیا گیا ہے اور اس کے مقابل کتاب تفصیل رکھتی ہے، اس لیے وہ کتاب مبین ہے۔ تمام موجودات بہر اعتبار حرف، کلمہ اور سورۃ ہیں۔ ہر موجود کی ذات میں اگر غور کیا جائے اور اس کے وجوہ و خواص و عوارض و لوازم پر نظر نہ کی جائے تو کلمہ کہلائے گا۔ اگر ان میں سے کسی شئے کو مضافات و منسوبات سے اور بعض کو بعض کی تمیز سے مجرد کر دیا جائے تو وہ حروف مقطعہ کہلائیں گے۔ اگر مضافات و منسوبات کا باہمی تداخل ہو تو الفاظ مرکب ہوں گے اور کلیات مراتب کے اعتبار سے وہ شئے سورت ہوگی۔

دوسرا مقدمہ اس بحث پر قائم کیا گیا ہے کہ حق ہی تمام کل کا مبدأ و معاد ہے اور اسی کی طرف ہر امر کا رجوع ہے لہٰذا یہ ضروری ہے کہ کل کے تکوین سے پہلے اور تمام کل میں وہی (ھو) ہو۔ اور جب یہ ثابت ہوگیا کہ وہی تھا اور وہ تب بھی تھا جیسا کہ آج ہے تو ذات حق سبحانہ و تعالیٰ میں تمام کل کے اندراج کے اعتبار سے ذات حق ام الکتاب ہے اور اس کا علم ذاتی تمام اشیاء کے علم کو مستلزم ہے۔ اس کے بعد مصنف نے کتاب مبین سے مراد ذات حق کو لیا ہے۔ پھر ذات حق، اس کے ظہور کا تعلق علم سے یوں جوڑا ہے کہ حقائق الٰہیہ کو ظاہر کرنے والا علم ہے اور اس سے ذات کی تعیین ہوتی ہے پھر قلم ام الکتاب بن جاتا ہے کہ وہ حقائق کونیہ کو اور لوح محفوظ کتاب مبین بھی حقائق کو واضح کرتے ہیں۔ ذات اور قلم کے درمیان اجمال و کلیت کے اعتبار سے نسبت ہے۔ اسی طرح لوح و قلم کے درمیان تفصیل کی جہت اور دونوں میں اشیاء کے ظہور کی جہت سے مشابہت پائی جاتی ہے۔ اس وجہ/صورت سے قلم مرتبہ کونیہ میں ذات کا آئینہ (مرآۃ) ہے اور جو کچھ ذات میں کلی اور اجمالی طور سے مندرج ہے اس کا بھی آئینہ ہے۔ دوسری طرف لوح محفوظ بھی مرتبہ کونیہ میں علم کا آئینہ ہے۔ لہٰذا یہ واضح ہوا کہ عالم امر کی ایک مجمل کتاب ہے جو ام الکتاب سے ملقب ہے اور ایک مفصل کتاب ہے جو کتاب مبین ہے سوا ہے۔ کتاب مجمل عقل ہے اور کتاب مبین لوح محفوظ ہے۔ اسی طرح عالم ملک کی ایک مجمل کتاب "عرش" ہے، اور دوسری کتاب مفصل کرسی ہے۔ جو کچھ ذات حق نے کرسی میں مفصل چاہا، اس کو عرش میں مجمل کر دیا اور اسی بنا پر عرش ام الکتاب ہے۔ اور مجمل کو مفصل بیان کرنے کے سبب کرسی کتاب مبین ہے۔ عرش اور قلم اور کرسی اور لوح محفوظ کے درمیان اجمال و کلیت کی جہت سے مناسبت ہے۔ اس جہت اور ظہور اشیاء کی مظہریت کی جہت کی بنا پر عرش مرتبہ حسی میں قلم کا آئینہ ہے لہٰذا کرسی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی مرتبہ ہستی میں لوح محفوظ کا آئینہ ہے۔ قلم کو عقل کی کنیت عطا کی گئی ہے اور ذات کا نمونہ (انموذج) اور اس کا آئینہ مظہر، منصہ اور مجلیٰ ہے۔ لوح نفس کے نام سے موسوم ہے اور وہ علم کا نمونہ، آئینہ، مظہر، منصہ اور تجلی ہے۔ یہی حال عرش و قلم، کرسی و لوح، عقل و ذات اور لوح و علم، اور عرش و قلم اور کرسی و لوح کا ہے کہ اول الذکر موخر الذکر کا نمونہ ہے اور انسان کامل ان تمام نسخوں کا نسخہ جامعہ ہے۔ وہ کل کا مستنبط نتیجہ اور حقائق الٰہیہ و کونیہ کا جامع ہے۔ جس طرح ذات حق تفصیل سے قبل ایک کتاب جلی اور تمام کتابوں کی جامع اور اس کا علم کتاب مبین ہے جو اس کی ذات میں مضمرات کو واضح کرتی ہے۔ اسی طرح انسان کامل تفصیل کے بعد ایک مجمل و کل کتاب ہے جو تمام کتابوں کی جامع ہے اور انسان میں جو چیزیں مجمل ہیں اس کا علم ذاتی دراصل کتاب مبین ہے۔ لہٰذا انسان کامل کا علم ذات اس کی ذات کا آئینہ ہے کہ اس کی ذات اس میں ظاہر ہوتی ہے اور اسی سے متمیز ہوتی ہے۔ جیساکہ ذات حق کا معاملہ ہے۔ لہٰذا ذات حق تعالیٰ اور ذات انسان کامل کے درمیان اجمال و کلیت کے اعتبار و جہت سے نسبت ہے کہ ان دونوں میں کلی اور اجمالی لحاظ سے اشیاء ہوتی ہیں۔ اسی طرح انسان کامل اور حق تعالیٰ کے علم کے درمیان نسبت ہے کہ جو کچھ مجمل و مفصل موخر الذکر میں مضمر تھا وہ اول الذکر میں مظہر ہو گیا۔ ان نسبتوں کے سبب انسان ذات حق کا مکمل آئینہ ہے۔ اور ذات حق اس پر کلی اور اجمالی طور سے متجلی ہوتی ہے جبکہ علم انسان کامل، علم حق کا آئینہ ہے۔ ان مشابہات نسبتوں کے سبب انسان کی ذات، ذات حق سے اور اس کا علم، علم حق سے متحد ہو جاتا ہے اور اس میں نہ حلول ہوتا ہے اور نہ کوئی صیرورت۔ اس کے بعد صاحب کتاب نے موجود و معدوم کے اتحاد اور اس سے متعلق دوسرے امور پر بحث کی ہے، اور نتیجہ یہ نکالا ہے کہ وجود واحد کا ظہور عالم ہے اور اس کے بطون آسمان ہیں اور ان دونوں کے درمیان برزخ جامع بھی ہے اور فاصل بھی تاکہ ظہور و بطون میں تمیز کی جا سکے۔ ظہور، ظہور کے اور بطون، بطون کے آئینے ہیں اور برزخ (دونوں کے درمیان کی چیز) جمع و تفصیل کے لحاظ سے آئینہ خانہ ہے۔

مصنف نے ان دو مقدمات کے بعد یہ بحث اٹھائی ہے کہ جس طرح ذات حق و ذات انسان کامل کے درمیان نسبتیں و مشابہتیں ہیں اور جس طرح قلم و لوح وغیرہ کے درمیان تعلق ہے، اسی طرح انسانی جسم اور انسانی روح میں تعلق ہے۔ جسم اور روح انسانی کا تعلق لوح و عرش اور کرسی و قلم سے ہے۔ اور بایں طور انسان تمام کتب الٰہیہ و کونیہ کا جامع ہے۔ اسی طرح انسانی علم ذات اور علم اشیاء کا تعلق ہے۔ اسی طرح عرفان ذات، عرفان رب اور عرفان کل اشیاء۔ اے فرزند صالح! اس طرح تمہیں اپنی ذات میں غور و فکر کرنا چاہئے کہ کوئی شے تم سے خارج نہیں۔ جیساکہ میرے والد امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ نے کہا ہے۔ حضرت موصوف کے چار شعر نقل کئے ہیں، جن کا مفہوم یہ ہے کہ تمہاری بیماری اور اس کا علاج تمہارے اندر ہے مگر تم سمجھتے اور دیکھتے نہیں۔ تم سمجھتے ہو کہ تم ایک جرم صغیر ہو حالانکہ تمہیں عالم اکبر لپٹا ہوا ہے۔ تمہیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتاب مبین ہو جس سے مظہر کا ظہور ہوتا ہے۔ لہٰذا تم کو کسی خارجی شئ کی حاجت نہیں، تم کو اپنے آپ میں فکر کرنی چاہیئے۔"

اس کے بعد مصنف نے آیت قرآنی: " اقرا کتابک کفیٰ بنفسک الیوم علیک حسیبا۔" نقل کرکے کہا ہے کہ جو اس کتاب کا مطالعہ کرے گا اسے ماضی، حال اور مستقبل کا علم ہو جائے گا۔ آیت قرآنی: " سنریھم آیاتنا فی الآفاق وفی انفسھم حتی یتبین لھم انہ الحق" اور آیت کریمہ: " الٓمٓ ذٰلک الکتاب لاریب فیہ" ذکر کرکے بتایا ہے کہ اس سے مراد حق کی ذات ہے جو ازل الآزال میں اول الاشیاء تھا۔ اس کے بعد کون اور وجود کا تعلق بتایا ہے اور ان کی نسبت سے حق، عالم اور انسان کامل تینوں کو کتاب غیر مشتبہ قرار دیا ہے۔ اور آیت کریمہ: قل کفیٰ باللہ شھیدا بینی وبینکم ومن عندہ علم الکتاب۔" نقل کرکے فرزند گرامی کو مخاطب کیا ہے کہ یہی کتاب اور علم کتاب ہے اور تم بھی کتاب ہو اور کتاب کا علم حاصل کرنا لازمی ہے۔ مصنف نے عالم ملک اور عالم ملکوت کی تشریح "ولارطب اور ولا یابس" سے کی ہے۔ اعلیٰ کتاب بھی تم ہی ہو اور تم ہی کتاب مبین ہو۔ انسان کامل پر جو کتاب نازل کی گئی وہ مراتب کلیہ کا بیان ہے اور تمام جزئی و تفصیلی انسانی تشریح بیان کرتا ہے۔ اس کے بعد انسان کے مراتب کا ذکر کیا ہے۔ اور یہی کتاب منزل انسان کی تعریف و تبیین اور اس کے کلی و جزئی مراتب کی تشریح کرتی ہے۔

اس مقدمہ کے بعد وہ بحث دہرائی ہے جو تمہید میں مختصراً آچکی ہے۔ یعنی انسان کامل پر نازل شدہ کتاب کا ایک فاتحہ ہے جو "ام الکتاب" ہے اور کتاب میں جو کچھ مفصل ہے وہ فاتحہ میں مجمل ہے۔ اجمال و تفصیل کی یہی نسبت کتاب، فاتحہ بسملہ، بائے بسملہ اور بائے بسملہ کے نقطہ میں بتائی گئی ہے۔ اس طور پر وہ ام الکتاب ہے جو کتاب کے تمام مشمولات یعنی حروف منطقات و متصلات، الفاظ و کلمات، سور و آیات پر حاوی ہے جبکہ کتاب اس کی انبساط اور تعین کرتی ہے۔ یہاں آیت قرآنی: " الم تر کیف مد الظل ولو شاء لجعلہ ساکنا۔" سے استشہاد و استدلال کیا ہے کہ مدِ ظل دراصل نقطہ وجود کو حروف الٰہی تعینات کونیہ کے ذریعہ انبساط و تعین کا نام دینا ہے۔ اس بحث میں ذات الٰہی کے کنز مخفی ہونے اور اس کے اظہار کا حوالہ دے کر بتایا ہے کہ باء کا نقطہ نقطۂ وجودیہ کی طرف اور بائے بسملہ ام الکتاب الثانی یعنی قلم کی طرف اور بسملہ ام الکتاب الثالث یعنی عرش کی طرف اشارہ ہے۔ عرش بلاشبہ عقل یعنی قلم میں مندرج تھا اور فاتحہ کتاب جامع یعنی انسان کی طرف اشارہ ہے۔ اور انسان اپنے ظہور سے قبل جمیع مراتب میں مندرج تھا جس طرح اس کے ظہور کے بعد تمام کل اس میں مندرج ہو گئے ہیں اور فاتحہ سے لے کر تمام قرآن عالم کے مراتب اور اس کے اجزاء کی طرف اشارہ ہے۔

فلسفیانہ تصوف کی اس مفصل تشریح کے بعد مصنف کتاب نے مفسرین کرام کے طریقہ پر فاتحہ کو تین

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اقسام میں منقسم کیا ہے۔ ایک حصہ حق سے متعلق ہے، دوسرا خلق سے، اور ایک قسم جامع ہے جو ان دونوں کے درمیان مشترک ہے۔ یہ بحث و تقسیم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث نبوی پر مبنی ہے جس کے مطابق فاتحہ پڑھے بغیر ہر نماز ناکمل ہے خواہ امام کے پیچھے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے نماز اپنے اور اپنے بندہ کے درمیان دو حصوں (نصفین) میں تقسیم کر دی۔ "الحمد" سے "یوم الدین" تک اللہ کی تحمید و ثنا اور تمجید پر مبنی ہے اور باقی بندوں اور اسکے خدا کے درمیان، لہٰذا پھلی تین آیات صرف حق سے متعلق ہیں، چوتھی حق و بندے کے درمیان ہے اور "اھدنا الصراط المستقیم سے آخر تک صرف بندے سے متعلق ہے۔ اس بحث کے بعد مصنف نے ان تینوں اقسام کو ایک ایک دائرہ میں بیان کیا ہے اور ہر ایک دائرہ کو دو قسموں میں تقسیم کیا اور ان دونوں کے درمیان ایک خط فاصل کھینچا ہے۔ لہٰذا یہ تین قسمیں بالترتیب حق، بندے اور قسم جامع سے متعلق ہیں۔

آئندہ تفصیل پھر فلسفیانہ تصوف کے رنگ میں ہے۔ دائرہ کلی تمام موجودات پر مشتمل و حاوی ہے۔ ان کے تمام جبروت و ملکوت و ملک سمیت حق سے متعلق موجودات جبروت کہلاتی ہیں، جبکہ انسان/عبد سے متعلق چیزوں کو دو قسموں میں رکھا جاتا ہے۔ ایک قسم ملکوت کہلاتی ہے اور دوسری ملک اول الذکر روح انسانی ہے، اور موخر الذکر جسم انسانی سے متعلق ہے اور جو شے حق و بندہ دونوں سے بیک وقت متعلق ہے، وہ حقیقت کے نام سے موسوم ہے۔ اسی طرح بندہ سے متعلق قسموں کو مزید دو قسموں میں منقسم کیا گیا ہے اور ہر ایک کا ایک مخصوص نام ہے۔ اہل سعادت و ہدایت سے مخصوص قسم اھدنا الصراط سے لیکر انعمت علیھم تک ہے۔ اور اہل شقاوت و ضلالت سے متعلق قسم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین ہے۔ اسی طرح عالم جبروت جلال و جمال کا جامع ہے اور ان کے دو مظہر ہوتے ہیں، جن میں ان کے احکام ظاہر ہوتے ہیں اہل سعادت و ہدایت جو اصحاب یمین ہیں۔ جمال کا مظہر ہیں جبکہ اہل شقاوت و ضلالت اصحاب شمال ہونے کے سبب مظہر جلال ہیں۔ لہٰذا یہ بھی ضروری ہے کہ ان دونوں کے دو الگ الگ مقام بھی ہوں تاکہ ان میں ان دونوں کے احکام و اخلاق اور اعمال ظاہر ہوں، اور وہ جنت و جہنم ہیں۔ اور یہ سب اس قسم میں مندرج ہیں جو بندہ/عبد سے متعلق ہے۔ اور وہ قسم جو بندہ اور حق دونوں سے بیک وقت متعلق ہے وہ حقیقت کلی انسانی کے نام سے موسوم ہے۔ وہ اہل کمال کا مرتبہ، مطلع کا مقام اشراف علی الاطراف کی منزل اور اعراف کا موقف ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے: "علی الاعراف رجال یعرفون کلا بسیماھم" کیونکہ وہ کل پر محیط ہیں اور ان کو وہ کمال حاصل ہے جو ذات سے متعلق ہے اور جلال و جمال دونوں کمال میں مندرج ہیں اور اس موقف کے ارباب عارف و موحد لوگ ہیں۔

یہ مقدمہ جب ثابت ہو گیا تو معلوم ہونا چاہئے کہ اس برزخ میں حق صفات بندہ/عبد سے متصف ہو جاتا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جیسے ہنسنا، رونا، بشاشت و فرحت، مکر و استہزاء، مرض و بھوک اور پیاس وغیرہ۔ جبکہ بندہ صفات حق جیسے حیات و علم ارادہ و قدرت، سمع و بصر کلام و احیاء و امانت، انبساط و انقباض اور اکوان میں تصرف وغیرہ سے متصف ہو جاتا ہے۔ یہ برزخ دراصل تنزل ربانی کا مرتبہ ہے تاکہ اب صفات بندگان سے متصف ہو سکے۔ یہی وہ عماء ہے جو مشہور حدیث میں مذکور ہے اور طوالت کا خوف اور توحید سے اعراض کا خدشہ نہ ہوتا تو میں اس مرتبہ عمائیہ کا ذکر کرتا اور اس کے اسرار بیان کرتا۔ اس لیے میں نے رہوار قلم کو روک کر صرف اسی پر اکتفا کیا جو اس مختصر کے لیے مناسب ہے۔ بہرحال اس بحث سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ فاتحہ کتاب تمام مراتب و عوالم جو دراصل کتاب ہے کی جامع ہے اور چونکہ فاتحہ میں تمام مراتب و عوالم مندرج ہیں اس لئے اس کا نام "ام الکتاب" ہے۔

اس کے بعد بسملہ پر بحث کی ہے کہ وہ "ام الام" ہے، اور وہ بھی دو قسموں میں منقسم ہے: (۱) ذات سے متعلق قسم بسم ہے اور صفات سے متعلق قسم الرحمٰن رحیم ہے، اور ان دونوں کے درمیان جو قسم جامع اور ان کے مقابل ہے وہ اللہ ہے۔ اگر گذشتہ بحث کی مانند چاہو تو اس کو دائرہ میں منقسم کر کے ہر ایک کو الگ الگ کرایا جائے اور ان کو قاب قوسین بنا دیا جائے کہ ان کے درمیان سے ایک خط گذر رہے۔ "بسم" کو قوس الیمین میں، "الرحمٰن الرحیم" کو قوس الیسریٰ میں، اور "اللہ" کو برزخ میں لکھا جائے، کیونکہ وہ ایسا اسم ذات ہے جو تمام اسماء و صفات سے موصوف ہے اور وہ دونوں قسموں پر مجموعی طور سے حاوی ہونے کے سبب برزخ ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ بسملہ تین اسماء پر مشتمل ہے اور وہ اللہ، الرحمٰن اور الرحیم ہیں۔ اللہ تمام اسماء و صفات پر مشتمل ہے، خواہ وہ فاعلہ ہوں یا قابلہ یا فاعلہ و قابلہ کے حقیقت مستعدہ ہوں۔ اس میں ایک دائرہ بناؤ۔ فاعلہ کو دائیں اور قابلہ کو بائیں، اور ان دونوں کی حقیقت مستعدہ کو برزخ میں لکھو۔ رحمٰن حق کا نام اس اعتبار سے ہے کہ وجود ایمان پر محیط و منبسط ہو جاتا ہے۔ اور رحیم اس اعتبار سے نام ہے کہ عین کا کل وجود کے کسی حصہ سے خاص ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ذات حق اپنی ذات سے رحمت امتنانیہ عامہ ہے جو رحمٰن سے مخصوص ہے جبکہ وجوبیت خاص رحیم سے متصل ہے اور وہ رحمت سے سرفرازوں کے ظہور کا مظہر ہونے کے سبب رحمت رحمانیت کا راز عیاں کرتا اور مرحوموں/سرفرازوں کو ان کی جزا عطا کرتے وقت اپنی رحیمیت کو واضح کرتا ہے۔ لہٰذا رحمٰن و رحیم اور مرحوم کے درمیان نسبت رحمت واقع ہوتی ہے۔ مصنف نے اس کے بعد رحمٰن، اسم اور مراتب کو اور اسی طرح رحیم، اسم، اور مراتب کو الگ الگ دائروں میں تقسیم کیا ہے۔ اس اعتبار سے اصول کا حکم فروع میں ظاہر ہوتا ہے۔ لہٰذا بسملہ، فاتحہ اور ہر سورۃ کے تمام حروف میں سے ہر ایک حرف میں اجمال ہے۔ جبکہ ان کی آیات کلمات اور حروف میں تفصیل ہے، اور ہر ایک دائرہ میں منقسم ہے اور دونوں کے درمیان

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک جامع برزخ ہے۔ اس مختصر میں مزید تفصیل کی گنجائش نہیں لہٰذا اسی پر بس کی جاتی ہے۔ مصنف نے حسب حال آیت "قل لو کان البحر مداداً لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولو جئنا بمثلہ مدداً" پر کلام کا خاتمہ کیا ہے۔ ترقیمہ میں "تمت نسخہ مرات العارفین فی ملتمس زین العابدین فی تاریخ الرام شہر محرم الحرام ۱۲۲۵ھ" درج ہے اور آخر میں فارسی کا یہ شعر ؎

من نوشتم صرف کردم روزگار   من نمانم ایں بماند یادگار

"مرآۃ العارفین" کے تجزیاتی مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ وہ تفسیر بالماثور یا عام تفسیری طریقے کے برخلاف فلسفیانہ تصوف کا تفسیری کارنامہ ہے اور یہی سب سے بڑی شہادت ہے کہ وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا تصنیف کردہ نہیں ہے۔ سورۂ فاتحہ کی جو متصوفانہ تعبیر و تشریح کی گئی ہے، وہ عہد نبوی تو کیا عہد صحابہ کرام اور دور تابعین کے علمی مزاج سے بھی ہم آہنگ نہیں۔ اس پر صاف فلسفہ وحدۃ الوجود کا رنگ چڑھا ہوا نظر آتا ہے، جو بارہویں/تیرہویں صدی عیسوی کی دین ہے۔ عجب نہیں کہ یہ نسخہ کافی متاخر زمانہ کا ہو، بظاہر اس کی تاریخ تصنیف طے کرنا مشکل ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ سنہ کتابت اور سنہ تصنیف میں زیادہ زمانی بُعد نہ ہو۔ البتہ یہ بات واضح اور حتمی ہے کہ یہ تصنیف لطیف کسی سنی المذہب اہل قلم کی ہے جس نے اسے کسی وجہ سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے منسوب کر دیا ہے۔ نسبت کا سبب عزت و تبرک کا حصول بھی ہو سکتا ہے اور قبولِ عام و سندِ مقبولیت حاصل کرنا بھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام نامی سے جو اشعار منسوب کیے گئے ہیں وہ ظاہر ہے کہ الحاقی ہیں اور بلا سند بھی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے مروی حدیث، حضرات علی بن ابی طالب اور حسین کے لیے "رضی اللہ عنہ" اور "کرم اللہ وجہہ" کا استعمال اور دوسرے شیعی تصورات و رجحانات سے اجتناب ہمارے خیال کو مزید تقویت پہونچاتے ہیں۔ کاتب نے اپنے نام کے ذکر سے بھی گریز غالباً اسی لیے کیا ہے کہ اس کے ذریعہ کوئی دقیق النظر محقق صاحبِ تصنیف کا سراغ نہ لگا لے۔

اگر "مرآۃ العارفین" کا تقابلی مطالعہ شیخ صدر الدین محمد بن اسحاق قونوی (متوفی ۶۷۲ھ) کے رسالہ "اعجاز البیان فی کشف ام القرآن" سے کیا جائے تو یہ حقیقت اور واضح ہو جاتی ہے کہ دونوں کی بنیاد فلسفیانہ تصوف کی تفسیری روایات پر رکھی گئی ہے۔ ورق اول کے عنوان کی عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ یہ مخطوطہ ۱۰۵۵ھ میں حیدری علی بن حیدر الحسینی العلوی الآملی کی ملکیت میں آیا اور موصوف نے ۲۲ محرم بروز چہار شنبہ ۱۰۷۵ھ کو اپنے ہاتھ سے اس کی تسوید سے فراغت حاصل کی۔ کل ۲۲۷ اوراق پر مشتمل ہے اور ہر صفحہ پر ۱۷ سطور ہیں۔ تحمید و درود و سلام کے بعد کتاب کی اہمیت میں یہ کہا گیا ہے کہ فاتحہ تمام بلند نسخوں (الفتح العلی) اور الٰہی کلی کتب کا آخری صحیفہ ہے۔ اور وہ غیبی علمی نفرتی اشیاء پر مشتمل ہے اور تمام

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ظاہری معانی کو محیط ہے۔ اسی طرح فلسفیانہ تصوف کی زبان میں مزید تعریف کرنے کے بعد مقدمہ بحث اس نقطہ سے اٹھایا ہے کہ ہر کل کا ایک مبدأ اس کے چند اسباب وعلل ہوتے ہیں۔ اور کل اور عالم کے مبدأ وغیرہ کے بعد اس مختصر کو لکھنے کا مقصد یہ بیان کیا ہے کہ سورہ فاتحہ جو ام القرآن یعنی اصل القرآن ہے کے بعض اسرار بیان کیے جائیں۔ اس بحث کا اختتام قرآن کریم کے ارکان اربعہ: حروف، کلمات سور اور آیات کی بحث پر ہوتا ہے جو کلام غیبی احدی کے مظاہر اس کے ظہور کے منازل، اس کے ہر کے جداول اور اس کے نور کی کرنیں ہیں۔ پھر قرآن کریم کے پانچ مباحث اصول فروع، ظاہر و باطن، حد اور مطلع سے بحث کی ہے۔ قواعد کلیہ کے تحت علم کے اسرار اور اس کے مراتب و لوازم کو بیان کیا ہے۔ یہ پوری بحث فلسفیانہ تصوف کے رنگ میں ڈوبی ہوئی ہے۔ اس کے بعد اس تمہید موعودہ کا ذکر ہے جو شروع میں اختصار کے ساتھ آئی تھی۔ دوسری اہم بحث حقائق اشیاء کی معرفت سے متعلق ہے کہ وہ اپنی وسعت و تجرد کے اعتبار سے کیسی ہیں۔ اشیاء کی ماہیت کا جہاں تک تعلق ہے ہم صرف ان کی صفات اور اعراض کو اس طور سے جانتے ہیں کہ وہ ان کی صفات و لوازم ہیں ان کے مجرد حقائق سے واقف نہیں۔ جب انسانی عقل مبصرات اور مرئی اشیاء کا ادراک کرنے سے قاصر ہے تو حقائق کونیہ کا ادراک کیونکر کر سکتی ہے۔

مصنف کا خیال ہے کہ علم صحیح کسب و عقل کے ذریعہ نہیں حاصل کیا جا سکتا اور نہ ہی بشری قوی اس کی تحصیل کا بیڑا اٹھا سکتے ہیں جب تک کہ حق تعالیٰ اپنے فیض قدسی غیبی اور تجلی نوری ذاتی کی امداد سے نہ نوازیں۔ اور تجلی الٰہی کی قبولیت بھی اس مثبت استعداد پر منحصر ہوتی ہے جو تجلی کرنے والے اور جس کے لیے تجلی کی جائے کے درمیان ہوتی ہے۔ جب حق تعالیٰ شانہ اس امر سے کسی بندے کو مطلع کرنا چاہتا ہے تو اولاً وہ ان کو غیبی ذات کے سر غیبی سے واقف کراتا ہے۔ اور اسماء صفات اور نعوت سے آگاہی بخشتا ہے۔ اس بحث میں مصنف نے سالک کے مقامات سے مفصل بحث کی ہے کہ ہر سالک اپنے حسب حال توفیق الٰہی سے فیض یاب ہوتا ہے۔ یہاں پھر سالک کے مقامات سے بحث کی گئی ہے۔ دوسرا اہم بحث یہ ہے کہ یہ تجلیات دراصل تجلیات اسماء ہیں جو سالک کے مقامات کے مطابق ہوتی ہے۔ اور غیب مطلق سے مراد ذات حق تعالےٰ ہے۔

ورق ۸ ا ب کے نصف سے اس صوفیانہ تمہید کے بعد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے اسرار پر کلام کیا ہے اور متعدد قواعد کلیہ اس باب میں بیان کیے ہیں۔ ایک قاعدہ کلیہ حروف و کلمات، نقطہ و اعراب، وجود و امکان، اور ممکنات اور ان کے مخصوص مراتب پر مشتمل ہے۔ دوسرا قاعدہ کلیہ سا اور اسمائے اسماء اور ان کے مراتب پر محیط ہے۔ اس کے بعد ایک باب آتا ہے جو سر الٰہی اور سر ایجاد سے بحث کرتا ہے۔ اور انسان سے صادر ہونے والے افعال خیر و شر کے حدود اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کی حقیقت عیاں کرتا ہے، اور مکلفین کے تمام افعال سے متعلق شرعی احکام جیسے وجوب و تحریم، کراہت و اباحت وغیرہ اجاگر کرتا ہے۔ مصنف نے اس باب میں یہ اہم نکتہ بیان کیا ہے کہ تمام اوامر و نواہی شرعیہ میں جو حق تعالیٰ سے خلق تک ہر زمانہ میں اس کے معاصر رسول کے ذریعہ پہونچتے ہیں دراصل ان احوال و اقوالِ انسانی سے، خواہ ظاہر ہوں یا باطن سے متعارف کرنا مقصود ہوتا ہے جو ان کے خواص و ثمرات سے بارآور ہوتے ہیں۔ یہ موقت یا غیر موقّت، حسی یا غیر حسی روحانی یا جسمانی ہوتے ہیں۔

بعد ازیں مصنف نے ہر ایک فصل میں سورہ فاتحہ کے الفاظ کے معانی اور اسرار بیان کئے ہیں اور ترتیب سے حمد، رب، اللہ، رحمٰن، رحیم، مالک، دین وغیرہ کے معانی کھولے ہیں۔ اس تشریح و تفسیر میں بھی صوفیانہ رنگ غالب ہے۔ مصنف کے خیال میں قسم اول کا فاتحہ اسی پر ختم ہوتا ہے۔ قسم ثانی کے فاتحہ میں ایاک نعبد و ایاک نستعین پر کافی مفصل اور طویل بحث ہے جو عبادت و استعانت کے ظاہری اور باطنی معانی پر مشتمل ہے۔ فاتحہ قسم ثالث میں بقیہ آیات یعنی اھدنا الصراط المستقیم سے ولا الضالین تک اسی نوعیت کی بحث ہے۔ مصنف نے ایک اہم نکتہ یہ پیش کیا ہے کہ نعیم (انعام/ثواب) اور عذاب دراصل رضا اور عذاب کے ثمرات ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک کے تین تین مراتب ہیں۔ انھوں نے اسرار ہدایت اور اسرار غضب و ضلالت کو وضاحت سے بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ اسرار ہدایت ایمان و تقویٰ ہیں جبکہ اسرار غضب و ضلالت کفر و شرک اور طغیان و سرکشی ہیں۔

مخطوطہ کے آخری اوراق میں بحثِ کتاب کے مقصود سے بحث کرتے ہوئے مصنف نے تمام مباحث کا خلاصہ چند مقدمات کی شکل میں پیش کیا ہے۔ مجموعی طور سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ صدر الدین قونوی کی تفسیر سورۂ فاتحہ فلسفیانہ اور وجدانی تصوف کا آمیزہ ہے، جس میں ظاہری معانی اور اسرارِ آیات سے بھی تعرض کیا گیا ہے۔ اصلاً تو اس کا مقام متصوفانہ تفسیری ادب میں ہے لیکن تفسیر قرآن کریم کے ظاہری طلبہ بھی اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ اس تفسیری کاوش کی ایک نمایاں خصوصیت بہر حال یہ ہے کہ اس میں صوفیہ کے خیالات سے تو بحث کی گئی ہے مگر ان کے اقوال سے شاذ و نادر ہی تعرض کیا گیا ہے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ یہ تفسیر فلسفیانہ اور متصوفانہ تفسیر کی ایک نمائندہ مثال ہے۔

موفق الدین احمد بن یوسف کواشی (متوفی ۶۸۰ھ) کی تفسیر الکواشی جو "التلخیص فی التفسیر" کے نام سے موسوم ہے پورے قرآن کریم کی تفسیر ہے، جیسا کہ عنوان سے معلوم ہوتا ہے اور دوسرے مآخذ و شواہد سے تائید ہوتی ہے۔ اس کا ایک ناقص الآخر نسخہ جو صرف بارہ اوراق پر مشتمل ہے۔ مولانا آزاد لائبریری کے عبد الحیٔ فرنگی محلی کلکشن میں موجود ہے۔ (نمبر ۲۹/۲ الف) وہ سورہ فاتحہ کی مکمل تفسیر اور سورہ بقرہ کی ناقص تفسیر پر مشتمل ہے۔ موخر الذکر کی تفسیر آیت کریمہ:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"ثم استوی الی السماء" پر ختم ہو جاتی ہے۔ تفسیر سورۂ فاتحہ کل تین اوراق پر مشتمل ہے۔ اگرچہ یہ تفسیر ہمارے عنوان کے محدود دائرے میں نہیں سماتی تاہم اس کو صرف اس لیے مختصر ذکر کیا جا رہا ہے کہ وہ روایتی تفسیر کی نمائندہ ہے اور باطنی کے بجائے ظاہری تفسیر پر زور دیتی ہے۔ ورق اول پر عنوان کتاب سے متصل فارسی میں قرآن کریم کے "ستر" وجوہ جیسے محکم و متشابہ، اشارت و تنزیل و تاویل، امر و نہی وغیرہ (جن پر نزول ہوا) کا ذکر ہے، اور ورق اول (ب) سے مختصر یک سطری تحمید و صلوٰۃ کے بعد مقصود تفسیر یہ بیان کیا گیا ہے کہ کتاب عزیز کے اعجاز و ایجاز کو چونکہ توفیق الٰہی یا توقیف نبوی کے بغیر نہیں سمجھا جا سکتا۔ اس لئے ہم نے اللہ تعالیٰ سے التجا و استمداد کے بعد یہ مختصر لکھا کہ لوگ قرآن کریم کو سمجھ سکیں۔

سورۂ فاتحہ کی تفسیر سے قبل وقوف قرآن: تام، کافی اور حسن کا مختصر ذکر ہے۔ اس کے بعد سات قرائتوں پر کلام کیا ہے جن پر قرآن نازل ہوا تھا۔ پھر تاویل و تفسیر کا فرق بتایا گیا ہے، اور ان کے لغوی اور اصطلاحی معانی سے بحث کی گئی ہے۔ استعاذہ کی تشریح میں اعاذہ، شیطٰن اور رجیم کے معنی بتائے ہیں۔ سورہ فاتحہ کی وجہ تسمیہ یہ بتائی ہے کہ وہ قرآن کریم کا افتتاح کرنے کے سبب ہے۔ دوسرا نام "ام القرآن" ہے، اور مثال میں ام القریٰ کا ذکر کیا ہے۔ اس کی وجہ اس کا تقدم مکانی ہے کہ وہ مصحف میں سب سے پہلے لکھی جاتی ہے۔ اور نماز میں بار بار دہرائے جانے کے سبب اس کو سبع مثانی کہا جاتا ہے۔ ایک اور روایت کے مطابق یہ نام اس لئے بھی دیا گیا کہ وہ دو بار مکہ اور مدینہ میں نازل ہوئی تھی۔ اس کے بعد بسم اللہ کا نحوی اور صرفی بیان ہوا ہے۔ اسم الٰہی کو اسم اعظم بتا کر یہ واضح کیا ہے کہ وہ اَلَہ سے مشتق ہے۔ اللہ کے معنی و مفہوم اور پھر نحوی و صرفی بحث کی گئی ہے۔ اس کے بعد "الرحمٰن الرحیم" کے معنی میں یہ کہا گیا ہے کہ رحمٰن میں زیادہ مبالغہ بھی ہے اور عمومیت بھی جیسے رزاق میں ہے۔ رحمٰن اپنے خصوصی معانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے جبکہ رحیم دوسروں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ حدیث میں "یا رحمٰن الدنیا والآخرۃ" کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ الحمد کے معنی ثنائے فضیلت یعنی مدح کے ہیں لیکن حمد مدح سے خاص ہے، کیونکہ حمد انسان کے خصال جمیلہ کی بنا پر ہوتا ہے اور مدح انسانی خصوصیات کی بنا پر کی جاتی ہے۔ مصنف نے حمد اور مدح کے معنی کے ذیل میں کئی اقوال پیش کئے ہیں۔ "الحمد للہ رب العالمین" کے معنی یہ بتائے ہیں کہ اس اللہ کی حمد جو تمام مخلوق کا مالک اور مربی ہے۔ رب اصل میں مصدر ہے جو تربیت کے معنی میں آتا ہے لیکن "الرب" الف لام کے ساتھ معرفہ ہو کر صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہی استعمال ہوتا ہے اور جب کبھی رب کو کسی دوسرے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے تو اضافت لازمی ہو جاتی ہے۔ عالمین عالم کی جمع ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کے سوا ہر موجود مراد ہے۔ مصنف نے ایک اہم اور دلچسپ نکتہ یہ اٹھایا ہے کہ الرحمٰن الرحیم پر وقف

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنا اس لیے لازم ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت پر وقف کیا تھا۔ نیز اس لیے بھی کہ رحمت و رحمانیت کے بعد چونکہ قوت وجبروت کا ذکر آتا ہے۔ اس لیے ان دونوں میں توقف کرنا ضروری تھا ہے۔

مصنف نے مختلف قرأتوں کو مختصراً بیان کرنے کا التزام بھی آیت بہ آیت کیا ہے۔ اس لیے "مالک یوم الدین" کو صحیح وحسن قرأت قرار دیا ہے اور مالک و ملک کو ہم معنی بھی بتایا ہے۔ اس کے ایک معنی یہ بتائے ہیں کہ وہ اعیان کو عدم سے وجود میں اختراع کرنے پر قادر ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی قادر نہیں۔ مصنف نے اس ضمن میں کئی عربی مقولے اور اقوال بھی پیش کیے ہیں۔ مالک اور ملک میں عام اور خاص معانی کی نسبت پائی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ نحوی وصرفی اور اعراب کے بعض مسائل سے بھی تعرض کیا ہے۔ آیت کریمہ کے معنی یہ بتاتے ہیں کہ وہ یوم الدین (روز جزا) کے تمام معاملہ (الامر) کا مالک ہے۔ یوم کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ عام لغوی اعتبار سے تو طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک کی مدت پر اسکا اطلاق ہوتا ہے جبکہ شرعی لحاظ سے طلوع فجر سے غروب آفتاب تک۔ اصلاً اس سے مراد رات و دن کی مدت ہے خواہ وہ طویل ہو یا مختصر۔ دین سے مراد خیر وشر کی جزا ہے۔ مصنف نے یہاں قرآن کریم کی ایک دوسری آیت: "لمن الملک الیوم للہ الواحد القہار" سے بھی استشہاد کرکے اپنے بیان کردہ معانی کی تاکید مزید کی ہے۔

"ایاک نعبد" میں عبادت کے معنی توحید کے لیے ہیں جبکہ عبودیت کے لغوی معنی تذلل ہیں۔ مگر عبادت تذلل سے زیادہ بلیغ ہے۔ ایاک نستعین "میں ایاک کے تکرار سے مزید معنی پیدا ہوئے ہیں اور استعانت تمام امور تک وسیع کی ہے اور ہر احتمال کی نفی کی ہے۔ مصنف کا خیال ہے کہ عبادت کو استعانت پر اس لیے مقدم رکھا گیا ہے کہ وسیلہ طلب پر فضیلت رکھتا ہے۔ مزید دو چار نکتے بیان کرنے کے بعد "اھدنا" کے معنی یہ بتاتے ہیں کہ ہدایت پر ہم کو موت دے اور ثابت قدم رکھے۔ ہدایت کے معنی ہیں مطلوب تک پہنچانا۔ اور یہاں صراط مستقیم کی طرف ہدایت دینے سے مراد یہ ہے کہ ہمیں اسلام اور قرآن اور اس میں موجود احکام وآداب کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما۔ لفظی ولغوی معنی تو یہ ہیں کہ ایسی واضح راہ کی ہدایت عطا فرما جس میں ذرا بھی کجی نہیں ہے۔ اس کے بعد کا فقرہ "صراط الذین انعمت علیہم" الصراط المستقیم" کی تصریح ہے یعنی وہ لوگ جن پر ہدایت واستقامت کا احسان کیا گیا ہے۔ عام مفسرین کی مانند مصنف نے بھی غیر المغضوب علیہم سے مراد یہود کو لیا ہے اور قرآن کریم کی دوسری آیات سے ان پر لعن وغضب الٰہی نازل ہونے کی تاکید کی ہے۔ اور جس میں نافرمان کافروں سے انتقام لینے کی بات کہی گئی ہے۔ یہاں مصنف نے ایک حدیث بھی بیان کی ہے جس کے مطابق آپ نے وادی القریٰ میں ایک غزوہ کے دوران یہود کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ تم "غیر المغضوب" سے جنگ کروگے۔ اور ضالین کہہ کر نصاریٰ کی طرف اشارہ کیا۔ مصنف نے یہ روایت بیان کرنے کے بعد یہ بھی واضح کیا کہ ان دونوں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تراکیب سے صرف یہی دو قومیں مراد نہیں ہیں بلکہ وہ تمام ملتیں مراد ہیں جو کفر پر قائم ہیں۔ مصنف نے آخر میں "آمین" کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ سورۂ فاتحہ کا حصہ / جزو نہیں ہے۔ البتہ حدیث میں آیا ہے کہ سورۂ فاتحہ کے بعد "آمین" کہنا چاہئے۔ اور اس ذیل میں امام ابوحنیفہ اور امام شافعی وغیرہ کے اقوال بھی بیان کئے ہیں۔ البتہ یہ حقیقت ہے کہ آمین کو نہ تو سورہ فاتحہ میں لکھا گیا ہے اور نہ قرآن میں اور نہ ہی وہ قرآن کا جزو ہے۔ البتہ صحابہ کرام وتابعین عظام کے زمانے سے امت کا تعامل چلا آرہا ہے کہ وہ سورہ فاتحہ کے بعد آمین ضرور پڑھا کرتے تھے۔

●●

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محمد برہان الدین سنبھلی
ندوۃ العلماء لکھنؤ

ندوہ کے قرآنی مخطوطات کا مختصر تعارف

۱۔ المتشابہ من القرآن العظیم : (اس مخطوطے کے کنارہ پر البرہان فی متشابہ القرآن" لکھا ہے)۔

مصنف کا نام : برہان الدین ابو القاسم محمود بن حمزۃ بن نصر تاج القراء الکرمانی م ۵۰۵ھ/۱۱۱۰ (مخطوطہ کے حاشیہ پر "برہان الدین" نہیں ہے۔ صرف یہ نام لکھا ہے : الامام تاج القراء ابو القاسم محمود بن حمزۃ بن نصر الکرمانی)

نام ناسخ : محمد بن عبدالرحمٰن الدمیری۔ تاریخ نسخ : ۸۷۰ھ پرانے کاغذ پہ ہے اور قدیم معلوم ہوتا ہے

تعداد اوراق : ۵۰، چھوٹا سائز "۱۳"×"۸" ہر صفحہ پر اوسطاً ۱۱ سطریں، خط نسبۃً خفی اور صاف مگر کم عمدہ۔

دیگر تفصیلات :۔ مخطوطہ کے سرورق پر کتاب کے نام کے نیچے بہت خفی خط میں لکھا ہے :۔ ھذا المؤلف للکرمانی صاحب کتاب لباب التفسیر وقد ذکرہ فی اول سورۃ الاعراف (سورۃ کے بعد حروف مٹے ہوئے سے ہیں) ولہ کتاب العجائب والغرائب (یہ حرف بھی صاف نہیں لکھا ملتا ہے) فی التفسیر ولہ کتاب المصاحف ("المصاحف" بھی غیر واضح لکھا ہے) وقد ذکرہ فی اول ھود (یہ حرف "ھود" اندازہ سے پڑھا گیا) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وما ینقی (کذا) الا باللہ علیہ توکلت مخطوطہ کا آغاز : "الحمد للہ الذی انزل القرآن علی محمد لیکون للعالمین نذیرا"۔۔۔۔ ونصلی علی المبعوث بشیرا ونذیرا۔۔۔۔ صلاۃ متصلا ولا تنقطع بکرۃ واصیلا"

اسکے بعد کتاب کے موضوع کا تعارف اسطرح کرایا گیا ہے :۔ وبعد فان ھذا الکتاب اذکر فیہ الآیات المتشابہات التی تکررت فی القرآن والفاظھا متفقۃ لکن وقع فی بعضھا زیادۃ او نقصان او تقدیم او تاخیر او ابدال حرف مکان حرف او غیر ذالک کما یورث اختلافاً بین الآیتین او الآیات التی تکررت من غیر زیادۃ ولا نقصان وا بین ما السبب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فی تکرارها والفائدة فی اعادتها وما الموجب الزیادة والنقصان والتقدیم والتاخیر والابدال۔

خاتمہ۔ وقع الفراغ من تعلیق هذه النسخة المبارکة فی الثامن من ذی الحجة الحرام سنة ثمان وسبعین وثمان مائة علی ید الفقیر محمد بن عبد الرحمن الدیری۔

۲۔ مختصر فی الناسخ والمنسوخ۔ (حاشیہ پر کتاب الناسخ والمنسوخ لکھا ہے)

نام مصنف: القاسم ہبۃ اللہ بن علی بن ثابت الانصاری الخزرجی البوصیری م ۵۹۸ھ/۱۲۰۱ء نام ناسخ: محمد عبداللہ المحمدی الالہ آبادی۔ اس نسخہ کے اندر ناسخ کا نام درج نہیں ہے، لیکن یہ رسالہ ایک مجموعہ کے اندر شامل ہے، جسمیں متعدد رسائل ہیں۔ اس مجموعہ کے اندر شامل ایک رسالہ "نبراس المنیر" کے شروع میں ناسخ کا نام محمد عبداللہ المحمدی لکھا ہے۔ اور اس مجموعہ میں شامل تمام رسالوں کا ایک ہی خط معلوم ہوتا ہے۔

تاریخ نسخ: مذکور نہیں (لیکن ناسخ۔ محمد عبداللہ المحمدی۔ تیرہویں صدی ہجری کے ہیں، انکی وفات سنہ ۱۲۷۳ھ کے بعد ہوئی) تعداد اوراق: تقریباً ۶ (یہ رسالہ بھی ایک مجموعہ میں شامل ہے، جو اس مجموعہ کے ورق ۹۸ (الف) کے نصف سے شروع ہوکر ورق ۱۰۳ (ب) کے نصف پر ختم ہوتا ہے)۔ سائز ۲۲،۵×۱۷،۰ - ہر صفحہ میں ۱۲ سطریں۔ بخط شکست فارسی یہ مخطوطہ پرانا میلے کاغذ پر ہے مگر اچھی حالت میں ہے۔

دیگر تفصیلات:۔ مخطوطہ کا آغاز: الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم امابعد فھذا الکتاب مختصر للشیخ ابی القاسم ھبۃ اللہ بن علی بن ثابت بن مسعود الانصاری فی الناسخ والمنسوخ قال بعد ما صدر ینبغی لمن احب ان یتعلم الھذ ا(؟) شیئاً من کتاب اللہ تعالیٰ ان ینظر اولاً فی علم الناسخ والمنسوخ "۔ پھر اس علم کی اہمیت وافادیت اقوال صحابہ وتابعین کے اقوال کی روشنی میں بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔ فاعلم ان النسخ فی اللغة الازالة والرفع وفی الاصطلاح نسخ حکم بغیرہ"۔ اسکے بعد نسخ کی تین قسمیں بتاتے ہوئے ایک قسم کا ذکر اسطرح تفصیل سے کرتے ہیں:۔ واما ما نسخ حکمہ وبقی خطہ سیاتی الآن لیس فی ام الکتاب ناسخ ولا منسوخ لان اولھا ثناء وآخرھا دعاء، سورة البقرة ستة وعشرون آیة "۔ اس رسالہ میں سورۃ النساء کے اندر ۲۴ آیتوں کو منسوخ بتایا ہے، اسکی دسویں (منسوخ) آیت کا ذکر اسطرح کیا ہے: العاشرة "فما استمعتم بہ منھن فآتوھن اجورھن" نسخھا اللہ تعالیٰ بقولہ "والذین ھم لفروجھم حافظون الا علی ازواجھم اوما ملکت ایمانھم"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سب سے حیرتناک اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس رسالہ میں ناسخ نے ہر جگہ آیۃ السیف (جہاد) کو آیۃ الصیف (ما لصاد) لکھا ہے مثلاً سورہ بقرہ کی آیت۔ لا اکراہ فی الدین، کے بعد لکھا ہے نسخت بآیۃ الصیف" اسطرح سورۃ الانعام کی آیت، ۔ لکل نبا مستقر، کے بعد غرضیکہ جہاں بھی کسی آیت سیف (جہاد و قتال سے حکم) سے منسوخ بتایا ہے وہاں، آیۃ الصیف، ہی لکھا ہے، ایسے مقامات ایک درجن سے زیادہ ہیں۔

۳۔ **فتح الرحمن بکشف ما یلتبس من القرآن** ۔ مصنف کا نام، ابو یحییٰ زکریا الانصاری م ۹۲۶ھ / ۱۵۲۰ء ناسخ کا نام، مذکور نہیں، البتہ آخر میں یہ عبارت ملتی ہے۔ "بعنایۃ سیدی العلامۃ السید الجلیل عبد اللہ بن حسن بن علی المہدی"

تاریخ نسخ: ۹ شوال ۱۲۹۳ھ یوم جمعہ (یہ تاریخ بھی مذکورہ بالا عبارت کے ساتھ لکھی ہے) تعداد اوراق، ۱۱۱۔ ہر صفحہ میں ۱۵ سطریں۔ بخط نسخ۔ زیادہ عمدہ نہیں۔ سائز: ۵/۱۹×۵/۲۳، یہ بہت اچھی حالت میں ہے۔ سفید کاغذ پر ہے سرخ روشنائی کا استعمال جگہ جگہ نقطے لگا کر رکوبا، کے بجائے کیا گیا ہے، اور بعض جملوں کی ابتدا میں بھی۔

دیگر تفصیلات: سرورق پر یہ عبارت ہے "کتاب فتح الرحمن ما یلتبس من القرآن تالیف سیدنا و مولانا شیخ مشایخ الاسلام سیبویہ زمانہ فرید عصرہ واوانہ زین الملۃ والدین محیی سنۃ سید المرسلین ابی زکریا الانصاری قدس اللہ روحہ ونور ضریحہ ونفعنا والمسلمین ببرکتہ وبرکۃ علومہ۔ آمین آمین۔ آمین۔ آمین" (چار بارہ آمین لکھا ہے) پہلا صفحہ اس طرح شروع ہوتا ہے "بسم اللہ الرحمن الرحیم وبہ نستعین وھو حسبی ونعم الوکیل قال سیدنا و مولانا شیخ مشایخ الاسلام ملک العلماء الاعلام ماضی النقض (ماحی النقص؟) والابرام سیبویہ زمانہ فرید عصرہ واوانہ زین الملۃ والدین لسان المتکلمین حجۃ المناظرین محیی سنۃ سید المرسلین ابو یحییٰ زکریا الانصاری قدس اللہ روحہ ونور ضریحہ ونفعنا والمسلمین ببرکتہ وبرکۃ علومہ۔ آمین"

کتاب کا تعارف: (مذکورہ بالا عبارت کے بعد متصلاً حسب ذیل عبارت ہے جس سے کتاب کا تعارف بھی ہو جاتا ہے "بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ الذی نور قلوب العارفین بکتابہ العظیم واطلعہم علی خبایا الروایات بالبرہان القویم والصلاۃ والسلام علی خیر الانام وعلی الہ واصحابہ البررۃ الکرام، بعد فہذا مختصر فی ذکر آیات القرآن المتشابہات المختلفۃ بزیادۃ او نقص او تقدیم وابدال حرف بآخر وغیر ذالک مع بیان سبب الاختلاف وفی ذکر غیر المختلفۃ مع بیان سبب تکرارہ وفی ذکرا نموذج من اسئلۃ (؟) القرآن العزیز واجوبتہا صریحا او اشارۃ جمعتہ من کلام المحققین مع فتح اللہ تعالی بہ من فیض فضلہ المنیر وسمیتہ بفتح الرحمن بکشف ما یلتبس فی القرآن"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پروفیسر سید محمد کمال الدین حسین ہمدانی
شعبۂ کلیات
اجمل خاں طبیہ کالج، مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

چند اہم مخطوطہ و مطبوعہ شیعی تفاسیر کا جائزہ اہم تفسیری موضوعات کی روشنی میں

علم تفسیر کی بنیاد وحی الٰہی پر قائم ہے اور حضرت رسول خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی مثل قرآن اس کی تبلیغ ہوئی ہے۔ اکثر آیات قرآنی کی تشریح و توضیح حضرت رسول خدا صلعم ہی کی زبان مبارک سے ہوئی ہے، جس کو ائمہ معصومین کے احادیث میں تنزیل قرآن یعنی قرآن کے تنزیلی معنی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ سب سے پہلی کتاب جو ان تنزیلی معانی پر مشتمل علم تفسیر میں تصنیف ہوئی وہ امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جمع کردہ قرآن تھا جس کے بارے میں احتجاج طبرسی کی روایت میں حضرت امیرؑ نے فرمایا: "ولقد جئتهم بالكتاب كملاً مشتملاً على التنزيل والتاويل۔" میں نے پیش کیا اصحابہ کے سامنے مکمل قرآن جس میں تنزیل اور تاویل بھی موجود تھی؛ اور اسی کے متعلق محمد بن سیرین کا قول تھا کہ:—

"لو اصيب ذالك الكتاب كان فيه العلم۔" اگر وہ کتاب لوگوں کے ہاتھ میں آجاتی تو ایک علمی ذخیرہ دستیاب ہوتا۔ (تاریخ الخلفاء ۱۸۵)

حضرت امیر المومنینؑ کے بعد دیگر ائمہ معصومین اور آپ کے صحابہ و شاگردان نے بھی قرآن مجید کی تفسیریں تصنیف فرمائیں اور ائمہ معصومین کے بعد علمائے شیعہ نے بھی تفاسیر قرآن مجید کا سلسلہ جاری رکھا۔ علمائے شیعہ نے تفاسیر حسب ذیل عناوین کے تحت تالیف و تصنیف فرمائی ہیں:

(۱) متشابہات القرآن (۲) اقسام آیات القرآن (۳) ناسخ و منسوخ آیات القرآن (۴) حروف القرآن (۵) اعراب القرآن (۶) علوم القرآن (۷) معانی القرآن (۸) احکام القرآن (۹) نوادر القرآن (۱۰) خصائص علم القرآن (۱۱) حقائق و دقائق القرآن (۱۲) مجازات القرآن (۱۳) انتزاعات القرآن (۱۴) محکمات القرآن (۱۵) تصوف قرآن (۱۶) فلسفۂ قرآن (۱۷) آیات قرآن متعلق اقوام عالم (۱۸) قصص القرآن (۱۹) اصول دین اور قرآن (۲۰) قرآن اور علم الافلاک (۲۱) نظم القرآن (۲۲) قرآن اور طب۔

متشابہات القرآن:- اس موضوع پر حسب ذیل کتابیں تصنیف ہوئیں:

۱۔ "کتاب متشابہات القرآن" مصنفہ جناب حمزہ بن حبیب زیات کوفی قراء سبعہ، شاگرد حضرت امام جعفر صادق

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علیہ السلام۔ یہ کتاب موضوع مذکورہ پر پہلی کتاب ہے۔

۲۔ "کتاب متشابہات القرآن" مصنفہ جناب حسن بن موسیٰ نوبختی۔ یہ کتاب آیات متشابہات کی تاویل میں ہے۔

۳۔ "کتاب متشابہ القرآن" مصنفہ سید رضی محمد بن الحسین الموسوی جامع نہج البلاغہ۔

۴۔ "کتاب متشابہات القرآن" مصنفہ جناب محمد بن احمد وزیر عمیدی (متوفی ۴۲۳ھ)۔

اقسام آیات القرآن: اس موضوع پر کتاب تفسیر نعمانی ہے جو شیخ جلیل ابوعبداللہ محمد بن ابراہیم بن جعفر نعمانی کی تصنیف مشہور ہے لیکن حقیقتاً یہ ایک مستقل حدیث ہے جو امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہے۔ اس میں حضرت نے آیات قرآن کی سات قسمیں بیان فرمائی ہیں اور ہر قسم کی ایک مثال ذکر فرمائی ہے اور آیات کی تفسیر کی ہے۔ سید مرتضیٰ علم الہدیٰؒ نے اس کتاب کا خلاصہ تحریر فرمایا جو شیخ حر عاملی تک پہنچا تھا اور انھوں نے "وسائل الشیعہ" میں احکام فقہیہ کے متعلق مضامین کو اُس سے اخذ کیا ہے۔

علامہ مجلسیؒ نے "بحار الانوار" کی اُس جلد میں جو قرآن مجید سے متعلق ہے ایک باب یہ قائم کیا ہے: "باب ما ورد عن امیر المومنینؑ فی اصناف آیات القرآن وانواعها وتفسیر بعض آیاتها بروایة النعمانی وهی رسالة مفردة مدونة کثیرة الفوائد تذکرها من فاتحتها الی خاتمتها" (اس باب میں ذکر ہوگا وہ جو امیر المومنینؑ سے منقول ہوا ہے۔ آیات قرآن کے اقسام اور بعض آیات کی تفسیر میں نعمانی کی روایت کی بنا پر اور یہ ایک مستقل تدوین شدہ رسالہ ہے، جو بہت فوائد پر مشتمل ہے۔ ہم اس کو شروع سے آخر تک پورا نقل کرتے ہیں۔") اس کو مکمل طور پر نقل کرنے کے بعد علامہ مجلسی نے لکھا ہے کہ اس کے راوی جعفر بن محمد بن قولویہ ہیں اور انھوں نے اشعری سے نقل کیا ہے جو اس رسالہ کے اصلی مصنف ہیں انھوں نے مرسل طریقے سے اپنے مشائخ حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے اصحاب ائمہ کے واسطے سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ امیر المومنینؑ نے فرمایا قرآن سات قسم کی آیتوں پر نازل ہوا جن میں ہر ایک ہر طرح مکمل ہے امر و نہی اور ترغیب اور تخویف اور جدل اور قصص اور امثال۔ اس کے بعد حدیث کو آخر تک نقل کیا ہے۔

لیکن یہ نعمانی کی روایت سے ترتیب میں مختلف ہے اور اس میں مختلف قسموں کو ابواب کی صورت میں منقسم کر دیا گیا ہے اور درمیان درمیان بعض احادیث کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ اس طرح یہ متصل طور پر صرف امیر المومنینؑ کا کلام باقی نہیں رہا۔

فاضل نوریؒ مصنف مستدرک الوسائل کو اس کے سلسلہ سند میں بھی یہ تردد پیدا ہوا ہے کہ سعد سے مراد بظاہر سعد بن عبداللہ اشعری قمی ہیں۔ اور جعفر بن محمد بن قولویہ ان سے بلاواسطہ روایت نہیں رکھتے ہیں۔ بے شک ان کے والد

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محمد بن قولویہ، سعد بن عبداللہ کے مخصوص اصحاب میں سے تھے اس لیے یہ ہو سکتا ہے کہ روایت میں درمیان سے (عن ابیہ) کا فقرہ سہواً چھوٹ گیا ہو۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جعفر بن محمد بن قولویہ اپنے والد سے اور وہ سعد بن عبداللہ سے روایت رکھتے ہیں۔

تفسیر علی بن ابراہیم کی ابتدا میں جو آیات قرآن کے اقسام و انواع تحریر کیے ہیں۔ انھیں بھی جہاں تک دیکھا جائے اسی حدیث امیرالمومنین کا خلاصہ ہے جسے کاتب نعمانی اور سعد بن عبداللہ اشعری نے اپنے طریقہ سے تحریر کیا تھا۔

بہر حال اقسام آیات قرآن سے متعلق سب سے پہلی تفسیر حضرت امیرالمومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کی ہے۔

ناسخ و منسوخ آیات قرآن : ۱۔ "کتاب الناسخ والمنسوخ" مولفہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن الاصم المسمعی البصری شاگرد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام (نجاشی)

۲۔ "کتاب الناسخ والمنسوخ" مولفہ حسن بن علی بن فضال شاگرد حضرت امام رضا علیہ السلام۔ انھوں نے ۲۲۴ھ میں وفات پائی۔ ابن ندیم نے کتاب الفہرست کے صفحہ ۳۱۲ پر اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔

۳۔ "کتاب الناسخ والمنسوخ" مولفہ علی بن ابراہیم قمی (نجاشی)

۴۔ "کتاب الناسخ والمنسوخ" مولفہ ابن حجام محمد بن عباس بن علی بن مروان بن ماہیار ابوعبداللہ بزاز۔ آپ ۳۲۸ھ تک بقید حیات تھے۔ تلعکبری نے اس سنہ میں اُن سے روایت کی ہے۔

حروف القرآن : ۱۔ "کتاب الحروف فی معانی القرآن" مولفہ ابوالعباس مبرد محمد بن یزید ازدی (متوفی ۲۸۵ھ) ابن ندیم نے اس کا ذکر کیا ہے۔

۲۔ "اسرار حروف" ملا نظام الدین ساوجی قریشی شاگرد شیخ بہائی نے فارسی زبان میں ایک ضخیم تفسیر تالیف فرمائی، جس میں مفسرین کے اقوال اور محاکمہ اور اس کے ساتھ بعض اسرار حروف درج ہیں۔

اعراب القرآن : "مجمع البیان" مولفہ امین الاسلام شیخ ابوعلی فضل بن حسن بن فضل طبرسی در دو جلد اس تفسیر میں "اللغۃ الاعراب" کا عنوان قائم کیا گیا ہے اور اس پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ یہ تفسیر اب مطبع العرفان صیدا میں متعدد جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ مصنف نے ۵۴۸ھ میں وفات پائی۔

علوم القرآن : ۱۔ "کتاب الرغیب فی علوم القرآن" مولفہ ابوعبداللہ محمد بن عمر واقدی۔ اس کے متعلق علامہ سید حسن صدر کا خیال ہے کہ یہ سب سے پہلی تصنیف ہے جس میں علوم قرآن کو جمع کیا گیا ہے۔ ابن ندیم نے اس کتاب کے مولف کے بارے میں لکھا ہے: "کان یتشیع حسن المذهب یلزم التقیة" یہ شیعہ تھے اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نوش عقیدہ شخص تھے۔ مگر تقیہ کے پابند رہتے تھے (فہرست ابن ندیم مطبوعہ مصر ص ۲۴۹)۔ کتاب منتخب فی تاریخ آداب العرب" مطبوعہ مصر صفحہ ۱۳۱ میں بھی ان کے تشیع کی تصریح کی گئی ہے۔

۲۔ "کنز الفوائد" مولفہ علامہ کراچکی ابو الفتح محمد بن علی بن عثمان بن علی شاگرد شیخ مفید و سید مرتضیٰ علم الہدیٰ۔ یہ کتاب پانچ حصوں پر مشتمل ہے۔ متعدد علوم القرآن کا اس میں واضح بیان ہے۔ فاضل مولف کی وفات ۴۴۹ھ میں ہوئی۔

۳۔ "علوم القرآن" مولفہ علامہ مولانا محمد ہارون زنگی پوری۔ مولف نے ۱۳۳۹ھ میں وفات پائی۔ اس میں جملہ علوم متداولہ و متعارفہ سے متعلق آیات قرآن کا انتخاب علامہ نے توضیح و تشریح کے ساتھ پیش فرمایا ہے۔

معانی القرآن: ۱۔ "معانی القرآن" مولفہ کسائی علی بن حمزہ (متوفی ۱۸۹ھ) ابن ندیم نے اس کتاب کا ذکر ان کتابوں میں کیا ہے جو معانی قرآن کے متعلق لکھی گئی ہیں۔

۲۔ "کتاب تفسیر معانی القرآن و تسمیۃ اصناف کلامہ" مولفہ محمد بن احمد بن ابراہیم بن سلیمان صابونی۔ جناب مولف اکابر علمائے شیعہ میں سے تھے اور مصر میں قیام رکھتے تھے۔ آپ نے غیبت صغریٰ و کبریٰ دونوں زمانوں کو پایا ہے۔ "کتاب الشیعہ و فنون الاسلام" اور "کتاب اعیان الشیعہ" میں آپ کی وفات ۳۰۰ھ درج ہے۔

احکام القرآن: ۱۔ "احکام القرآن" مولفہ عباد بن عباس۔ یہ مشہور یگانہ روزگار ادیب صاحب ابن عباد کے والد تھے۔ ابن ندیم نے ان کے فرزند صاحب ابن عباد کے حالات میں ان کا تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ اہل علم و فضل سے تھے اور انھوں نے ایک کتاب "احکام القرآن" میں لکھی ہے جس میں معتزلہ کے مسلک کی حمایت کی ہے۔ علامہ سید محسن عاملی نے "اعیان الشیعہ" میں لکھا ہے کہ ابن ندیم کا یہ فقرہ اس لحاظ سے ہے کہ اصول دین میں شیعی عقائد اکثر معتزلہ کے عقائد سے متفق ہوتے ہیں اور اسی بنا پر بعض لوگوں نے صاحب ابن عباد اور سید مرتضیٰ علم الہدیٰ تک کو معتزلی مذہب کا لکھ دیا ہے۔ حالانکہ یہ سب لوگ شیعہ تھے۔

۲۔ "آیات الاحکام" مولفہ قطب الدین راوندی سعید بن ہبۃ اللہ بن حسن۔ شیخ حر عاملی کا یہ خیال ہے کہ "آیات الاحکام" "کتاب فقہ القرآن" کے علاوہ آپ نے تالیف فرمائی۔ لیکن محدث نوری "مستدرک الوسائل" میں تحریر فرماتے ہیں کہ "کتاب فقہ القرآن" وہی شرح کتاب آیات الاحکام ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ قطب الدین راوندی نے ۵۶۲ھ میں کتاب آیات الاحکام" یا "فقہ القرآن یعنی قرآن مجید کے اُن آیات کی تفسیر جو احکام فقہیہ سے متعلق ہیں اولاً تصنیف کی۔ مصنف کی وفات ۵۷۳ھ میں ہوئی۔

۳۔ "کنز العرفان فی فقہ القرآن" مولفہ شیخ مقداد بن عبداللہ سیوری حلی اسدی شاگرد شہید اول۔ یہ کتاب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ نے آیات الاحکام کی شرح میں تالیف فرمائی۔ آپ کی وفات ۹۴۲ھ میں ہوئی۔

۴۔ "معارج السئوول ومدارج المأمول" مولفہ کمال الدین حسن بن محمد بن حسن استرآبادی۔ "اللباب" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ کتاب جناب مولف نے آیات الاحکام کی شرح میں تصنیف فرمائی۔ یہ بہترین کتاب ہے۔ اس کی تصنیف ۸۹۱ھ میں مکمل ہوئی۔

۵۔ "شرح آیات الاحکام" مولفہ میرزا محمد استرآبادی بمشہور مصنف رجال کبیر۔ یہ کتاب آپ نے احکام فقہیہ سے متعلق آیات کی تفسیر میں تالیف فرمائی۔ آپ نے ۱۰۲۸ھ میں وفات پائی۔

۶۔ "آیات الاحکام" مولفہ شیخ احمد بن اسماعیل جزائری، مطبوعہ ایران۔ مؤلف نے اس کتاب میں احادیث کی پابندی کی ہے۔ آپ نے ۱۱۵۰ھ میں وفات پائی۔

۷۔ "آیات الاصول" مولفہ سید مہدی قزوینی بشاگرد صاحب جواہر۔ اس کتاب میں آپ نے اصول فقہ کے تمام مباحث میں آیات قرآنی سے استدلال کیا ہے۔ ۱۳۰۰ھ میں سفر حج سے واپسی پر وفات پائی۔

۸۔ "تقریب الافہام" یہ کتاب تفسیر آیات الاحکام میں مفتی محمد قلی نیشاپوری کنتوری طاب ثراہ کی تصنیف ہے۔ آپ نے ۱۲۶۰ھ میں وفات پائی۔

نوادر القرآن: "کتاب نوادر علم القرآن" مولفہ محمد بن احمد بن محمد بن حارث ابوالحسن حارثی۔ نجاشی نے اس کتاب کا تذکرہ کیا ہے۔

خصائص علم القرآن: "کتاب خصائص علم القرآن" مؤلفہ حسین بن علی بن الحسین بن محمد بن یوسف وزیر ابوالقاسم مغربی۔ آپ محمد بن ابراہیم بن جعفر کاتب نعمانی کے نواسے تھے۔ نجاشی نے آپ کو اپنا استاد لکھا ہے۔ ۱۵ رمضان ۴۱۸ھ میں وفات پائی۔

حقائق ودقائق القرآن: "کتاب حقائق التنزیل ودقائق التاویل"۔ یہ ایک معرکۃ الآرا کتاب ہے۔ یہ سید رضی محمد بن الحسین الموسوی جامع نہج البلاغہ شاگرد شیخ مفید علیہ الرحمۃ کی تصنیف ہے۔ علامہ آقا سید حسن صدر طاب ثراہ نے کتاب "الشیعہ وفنون الاسلام" میں اس کتاب کی تعریف حسب ذیل فرمائی ہے:

"کشف فیہ عن غرائب القرآن وعجائبہ وخفایاہ وغوامضہ وابان غوامض اسرارہ ودقائق اخبارہ وتکلم فی تحقیق حقائقہ وتدقیق تاویلہ بما لم یسبقہ احد الیہ ولا حام طائر فکر احد علیہ"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ترجمہ) اس تفسیر میں قرآن مجید کے عجیب رموز و اسرار اور مخفی نکات اور باریک باتوں کا انکشاف کیا گیا ہے اور حقائق و دقائق تفسیر و تاویل میں اس طرح بحث و تحقیق سے کام لیا گیا ہے جس کی نظیر اس کے قبل ناپید تھی، اور نہ کسی کا طائرِ فکر اس تک پہنچا۔"

اس تفسیر کا ایک حصہ قلمی صورت میں مشہد مقدس کے کتب خانہ رضویہ میں موجود ہے جو بہت قدیم مخطوطہ ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس نسخہ سے نقل کیا گیا ہے جس پر خود مصنف کے ہاتھ کی تحریر موجود تھی۔ اس حصہ کی ابتدا سورۂ آل عمران کے شروع سے اور انتہا سورۂ نساء پر ہے اور اس پر تحریر ہے کہ یہ اس تفسیر کا پانچواں حصہ ہے۔ اس نسخہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس تفسیر کی تصنیف ۴۰۲ھ میں ہوئی ہے جس کے چار ہی برس بعد علامہ سید رضی طاب ثراہ نے وفات پائی۔ اس نسخہ کے ختم کتابت کی تاریخ ۲۱ رجب ۵۳۳ھ ہے جو تصنیف سے صرف ایک سو انتیس برس بعد ہے۔ اس تفسیر کا موجودہ حصہ نجف اشرف میں طبع ہو گیا ہے۔ اس کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ وہ مسلسل تفسیر نہیں، بلکہ متفرق آیات کی مختلف مقامات سے تفسیر لکھی گئی ہے۔

مجازات القرآن: "مجازات القرآن" مصنفہ سید رضی محمد بن الحسین الموسوی جامع نہج البلاغہ۔

انتزاعات القرآن: "کتاب انتزاعات القرآن" مصنفہ محمد بن احمد وزیر عمیدی۔ آپ نے ۴۳۳ھ میں وفات پائی۔

محکمات القرآن: "رسالہ محکم و متشابہ" مصنفہ علم الہدیٰ سید مرتضیٰ علی بن الحسین الموسوی طاب ثراہ برادر اکبر علامہ سید رضی اور شاگرد شیخ مفید علیہ الرحمۃ۔ یہ رسالہ تفسیر نعمانی سے ماخوذ ہے۔ انھوں نے ۴۳۶ھ میں رحلت فرمائی۔

تصوف القرآن: ۱۔ "تفسیر القرآن" مصنفہ آخوند ملا مہر علی تبریزی خوئی متخلص بفدوی۔ یہ تفسیر تصوف و عرفان کے مسلک پر ہے۔ آپ نے ۱۲۶۲ھ میں وفات پائی۔

۲۔ "تفسیر قرآن" مصنفہ ملا سلطان گونابادی مشہور صوفی شیعہ تھے، جن کے نام سے ایک فرقہ ایران میں موجود ہے۔ یہ تفسیر صوفیانہ مسلک کے مطابق ہے۔

۳۔ "تفسیر صافی" مصنفہ ملا محسن فیض کاشانی رح۔ اس میں انھوں نے احادیث ائمہ معصومین نقل فرمائے ہیں، لیکن تاویل آیات عرفان و تصوف کے مطابق بیان کی ہے۔ یہ کتاب ۱۰۷۵ھ میں تکمیل کو پہنچی۔

۴۔ "تفسیر آصفی" مصنفہ ملا محسن فیض کاشانی علیہ الرحمۃ۔ یہ بھی تصوف و عرفان کے مسلک پر ہے۔ اور تفسیر صافی کے حاشیہ پر ایران میں طبع ہوئی ہے۔

۵۔ "تفسیر قرآن" مصنفہ شیخ علی اصغر بیرجندی۔

فلسفہ قرآن: "مجموعہ تفسیر قرآن" مصنفہ ملا صدرا شیرازی۔ آپ سرآمد روزگار حکیم و متکلم اور فلسفی تھے۔ آپ نے ایک مجموعہ تفسیر تصنیف فرمایا۔ جس میں سورۂ فاتحہ، سورۂ بقرہ کی تفسیر آیت "فقلنا لھم کونوا قردۃ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خاسئین" تک آیۃ الکرسی، آیۂ نور، سورہ الم سجدہ، سورۂ یٰسین، سورۂ واقعہ، سورۂ جمعہ، سورۂ طارق، سورۂ اعلیٰ، سورہ زلزال، آیتہ " وتری الجبال تحسبھا جامدۃ " کی تفسیر فلسفیانہ انداز پر بیان کی ہے۔ آپ نے فلسفیات میں انتہائی شغف کی بنا پر حکمت و فلسفہ کے مطابق دقیق و ریج معانی قرآن بیان فرمائے ہیں۔

آیات قرآن متعلق تو ام عالم: "کتاب تفسیر الآی التی نزلت فی اقوام باعیانھم" مصنفہ ہشام بن محمد بن سائب کلبی المعروف ہشام الکلبی۔ یہ تفسیر اُن آیات قرآن مجید کی ہے جو خاص خاص جماعتوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ اسکا ذکر ابن ندیم نے فہرست میں صفحہ ۴۲ پر کیا ہے۔

قصص القرآن: " احسن القصص" مصنفہ تاج العلماء مولانا سید علی محمد طاب ثراہ۔ یہ سورۂ یوسف کی تفسیر ہے۔ آپ نے ۱۳۱۲ھ میں وفات پائی۔

نظم قرآن: " نظم القرآن" مصنفہ محمد بن علی شلمغانی۔ یہ تفسیر قرآن مجید کے معنوی تسلسل سے متعلق ہے۔ جو علم تفسیر ہی کا ایک شعبہ ہے۔

اصول دین اور قرآن: ۱۔ " لطائف غیبی" مصنفہ احمد بن زین الدین علوی۔ آپ نے بزبان فارسی یہ کتاب اُن آیات قرآن کی تفسیر میں لکھی ہے جو اصول دین سے متعلق ہیں، اس موضوع پر یہ پہلی کتاب ہے۔ مشہد مقدس کے کتب خانہ میں اس کتاب کا قلمی نسخہ موجود ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ اس کتاب کی تصنیف ابتداء ۱۰۳۲ھ میں مکمل ہوئی ہے۔

۲۔ " توحید القرآن" مصنفہ مولانا محمد ہارون زنگی پوری طاب ثراہ۔ یہ کتاب اُن آیات قرآن کی تفسیر ہے جو توحید باری تعالیٰ سے متعلق ہیں۔

۳۔ " امامت القرآن" مصنفہ مولانا محمد ہارون زنگی پوری طاب ثراہ۔ یہ کتاب اُن آیات قرآن کی تفسیر ہے جو ائمہ معصومین کی امامت سے متعلق ہیں۔

قرآن اور علم الافلاک: ۱۔ " الھیئۃ والاسلام" مصنفہ سید العلماء سید ہبۃ الدین شہرستانی نجفی۔ اس کا اردو ترجمہ " البدر التمام" کے نام سے مولانا سید محمد ہارون زنگی پوری اعلی اللہ مقامہ نے حسب فرمائش مولانا سید محمد سبطین سرسوی پروفیسر عربک پٹیالہ کالج فرمایا اور یہ ترجمہ رفاہِ عام اسٹیم پریس لاہور سے شائع ہوا۔ اس کتاب میں علم الافلاک سے متعلق آیات قرآنیہ کی تفسیر احادیث اور قدیم و جدید علم ہیئت کی روشنی میں بیان کی گئی ہے۔

۲۔ " قرآن اور علم الافلاک" مصنفہ پروفیسر حکیم سید محمد کمال الدین حسین ہمدانی الجلالوی۔ یہ رسالہ رنگ محل پبلیکیشنز، انصاری روڈ، مظفر نگر یو۔پی سے ۱۹۸۰ء میں شائع ہوا ہے۔ اس میں ان آیات قرآنیہ کی تفسیر قدیم و جدید

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علم ہیئت کی روشنی میں بیان کی گئی ہے جو سیاروں کے نظام اور ان کی گردشوں اور رات و دن کا نظام اور چاند کے سفر سے متعلق ہیں۔

قرآن اور طب: "اسلامی اصول صحت" مصنفہ پروفیسر حکیم سید کمال الدین حسین ہمدانی الجلالوی یہ رسالہ حی علی الفلاح سوسائٹی علی گڑھ کی جانب سے ۱۹۸۵ء میں شائع ہوا ہے۔ اس میں علم طب سے متعلق آیاتِ قرآن کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔

مذکورہ تفسیری موضوعات پر مستقل تفاسیر و کتب و رسائل کی تصنیف و تالیف کے علاوہ علمائے شیعہ نے اپنی جامع تفاسیر میں بھی مذکورہ موضوعات و عناوین پر بحث کی ہے اور ان کی تشریح و توضیح آیات و احادیث کی روشنی میں نہایت واضح طور سے بیان فرمائی ہے۔ جامع تفاسیر کی ایک مختصر فہرست سید العلماء مولانا سید علی نقی صاحب۔ مجتہد اعلی اللہ مقامہ نے مقدمہ تفسیر قرآن کے آخر میں مرتب فرمائی ہے۔ یہ مقدمہ تفسیر قرآن ادارہ علمیہ (پاکستان) لاہور سے جمادی الاولی ۱۳۸۰ھ میں شائع ہوا ہے اور راقم نے اس سے استفادہ کیا ہے۔

●●

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر محمود الحسن

نیشنل فیلو خدا بخش لائبریری پٹنہ

نزول قرآن سے سات حروف کا ربط

ایک مطالعہ

قرآن شریف کی تعلیم کے علاوہ اس کے متعلق چند معتقدات ایسے ہیں جن پر گفتگو اور ابتدائی خیالات کا اظہار اسی وقت شروع ہو گیا تھا جس دور میں اس کے الفاظ نے شکل و صورت اختیار کرنا شروع کر دیا تھا۔ دیکھا جائے تو وہ مسئلہ جس پر اظہار خیال کا ارادہ ہے، بالکل اسی ماحول سے تعلق رکھتا ہے جس میں قرآن نازل ہوا تھا یوں تو یہ مسئلہ محض قرآن ہی کا مسئلہ نہیں رہتا، بلکہ وسیع تناظر میں ایک صورت حال کا مطالعہ چاہتا ہے، جو فکر انگیز بھی ہے اور بصیرت افروز بھی لیکن اس وقت اس پہلو سے بحث و تحقیق کا موقع نہیں ہے۔ یہاں اسی حد تک روشنی ڈالوں گا جس سے معاملہ کی وضاحت ہو جائے۔

مجھے ایسا لگتا ہے کہ اگر تفسیری احادیث یا اصول تفسیر میں اس معاملے پر اظہار خیال نہ کیا گیا ہوتا تو شاید کسی اور طرح سے یہ مسئلہ اس وضاحت کے ساتھ ہمارے سامنے ہی نہ آتا۔ غالباً اتنے متعین طور پر یہ کہ مکہ و عرب کی آبادی میں نزول قرآن کے دوران بول چال کے کیا ذرائع تھے، اور وہ کس حالت میں تھے اسے کس طرح کا انتشار یا بحران درپیش تھا؟ زبان و لغت کی کتابوں پر اگر نظر ڈالی جائے بالخصوص ان کتابوں پر جن کا وجود یا جن کا موضوع اسی دور ہی سے تعلق رکھتا ہے، تو وہاں بھی مسئلہ کی یہ شدت اور تصویر کشی نہیں ہو پاتی، جتنی کہ تفسیری کتب کی قدیم کتابوں سے ہوتی ہے۔ بہر حال قرآن شریف کے حوالے سے یہ مسئلہ کچھ اس طرح ہمارے سامنے آتا ہے جس سے متقدمین نے روایتی دلچسپی لی، اظہار خیال کیا بلکہ بعد کے آنے والے مفسرین نے اس کو بطور خام مواد اپنی کتابوں میں جگہ دے کر محفوظ کر دیا۔ اس کے سوا اس کی تہہ تک جانے کی کوشش کا ثبوت دکھائی نہیں دیتا۔

مجھے اس معاملہ پر اصرار نہیں ہے کہ ہر معاملہ کی کنہ تک پہنچا ہی جائے، چاہے جس طرح کا بھی ہو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیونکہ صحیح تلاش کے لیے صحیح اندازِ تفتیش اور وسایل کی فراہمی بھی بہت حد تک بنیادی ضرورت ہے۔ اگر یہ ذرائع واسباب نہ ہوں تو پھر اذعانی طریقے سے آدمی جو چاہے سمجھ بیٹھے مگر سمجھنے کے بعد اہم قدم سمجھانے کا ہوتا ہے۔ ظاہر ہے اس میں استدلال کا رویہ اپنانا پڑے گا۔

یہ معاملہ کہ قرآن کی زبان کون سی زبان ہے، غالباً متقدمین اور ان عربوں کے لیے مسئلہ بن گیا تھا جو نبی عربی کے ہم عصر تھے اور غالباً اس کے اسباب یہ تھے کہ عرب قبائل کی کوئی ایسی زبان نہ تھی جسے سب یکساں طور پر بولتے ہوں۔ اسی سے جڑا یہ پہلو بھی ہوگا کہ یکسانیت کا فقدان قبایلی بولیوں کی الگ الگ پہچان تھی۔ ان تمہیدی جملوں نے ایسا تناظر پیش کر دیا ہے کہ اب میں اصل مسئلے کے چھیڑنے کی طرف توجہ دوں گا۔ یعنی یہ کہ قرآن سات حروف میں نازل ہوا ہے۔

قدیم تفسیری کتابوں میں یہ معاملہ بلا کم و کاست اٹھایا گیا ہے، بلکہ ان لوگوں نے پہلی صدی کے نصف آخر اور دوسری صدی کے بعد کے جو مواد اس کے بارے میں لوگوں کے دماغوں میں تھا اسی کو نہایت تفصیل سے اپنی کتابوں میں جگہ دے دیا ہے۔ ان ساری احادیث جن کی تعداد درجنوں سے اوپر ہوگی کو جرح و تعدیل کی کسوٹی پر کسنے کی اب اس خیال سے ضرورت ہی نہیں ہے کہ وہ سب کی سب دراصل ایسی صورت حال سے متعارف کراتی ہیں جو تاریخی طور پر مختلف اندازوں سے صحیح معلوم ہوتی ہے۔

یہ حدیث کہ "انزل القرآن علی سبعۃ احرف" اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایسی حدیثیں یا روایتیں نہیں پائی جاتیں جن سے تعداد میں کمی و بیشی نہ ہوتی ہو۔ یہ اور متعدد احادیث کئی محدثین کے یہاں نقل ہوئی ہیں۔ بیجا نہ ہوگا اگر اس سلسلہ میں صرف ابن جریر کی کتاب "جامع البیان عن تاویل القرآن" کا ذکر کر دیا جائے، جس نے اس مسئلہ پر نہ صرف وافر مواد اکٹھا کر دیا ہے بلکہ بعض بعض نکتوں پر گفتگو بھی کیا ہے۔ طبری سے پہلے بخاری نے کئی سندوں سے اس روایت کو اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ اس موقع پر ایک روایت ذرا وضاحت سے نقل کرتا ہوں:

> "عمرؓ نے کہا "میں نے ہشام بن حکیمؓ کو سورۃ الفرقان کی نبی کی زندگی ہی میں تلاوت کرتے سنا۔ یہ شخص ان حروف سے زیادہ تلاوت کرتے تھے جو میں نے نبیؐ صاحب سے سیکھا تھا۔ سن کر مجھ پر ایسا اثر ہوا کہ میں نے چاہا کہ نماز ہی میں انھیں ٹوک دوں، مگر میں نے صبر سے کام لیا، جب انھوں نے نماز ختم کر لی تو میں نے ان کی چادر کھینچی اور کہا کہ یہ سورۃ کس نے پڑھایا تھا؟ جواب دیا کہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بنی ؐ نے، میں نے کہا "غلط کہتے ہو، میں نے اس آیت کو تلاوت کرتے ہوئے سنا ہے، جس میں وہ حروف نہیں ہیں۔ تب نبی عربیؐ نے اُن سے کہا کہ ھشام سورۃ کو پڑھو، انھوں نے اسی طرح پڑھا جیسے میں نے سنا تھا۔ نبی عربیؐ نے سن کر کہا بالکل ایسے ہی نازل ہوا، پھر آپؐ نے حکم دیا" عمرؓ تم پڑھو، میں نے اس طرح جس کی مجھے تعلیم دی گئی تھی، پڑھا۔ آپؐ نے فرمایا۔ اسی طرح نازل ہوا ہے۔ قرآن سات حروف میں اتارا گیا ہے، جو آسان لگے اسے اپنا لو"[1]

روایت اور معنی میں یکسانیت کے ساتھ طبری نے بھی اس حدیث کو اپنی کتاب میں نقل کیا ہے[2]۔ اس کے علاوہ بھی بعد کی کتابوں میں یہ حدیث درج کی گئی ہے۔

اس معاملہ پر آگے بڑھنے سے پیشتر حدیث کے ایک اہم لفظ پر تھوڑی سی توجہ دیں لیں۔ وہ ہے لفظ "احرف" کا۔ یہ لفظ حرف کی جمع ہے اور حرف سادہ طور پر ابتدا حروف تہجی کے لئے آتا ہے۔ ابن منظور نے یہی رائے ظاہر کی ہے لیکن اس کے ساتھ حروف کا اطلاق ان الفاظ پر بھی ہونے لگا ہے۔ جنھیں حروف عطف وغیرہ کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی ایک اور شکل پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جیسے ہم قرأۃ کہتے ہیں، مثلاً " ھذا فی حرف ابن مسعود ای فی قرأۃ ابن مسعود"[3]

لیکن یہ مسئلہ اتنی آسانی سے محض قرأۃ تک محدود کر دینے سے ایک منظم سی تعبیر کیا جا سکتا ہے مگر روایات کا بالاستیعاب گہرائی سے مطالعہ کرنے سے کئی پہلو سامنے آتے ہیں جیسے نہ تو آسانی سے اختلاف قرأۃ کے ذریعہ ہمارے ذہن کو چلتا کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی آسانی سے ہمیں کسی ایک جواب پر اطمینان پیدا کرنے کی اہلیت ہی عطا کرتی ہے۔ اس کے برخلاف جب روایات کو کھنگالا جائے تو ذہن کے سامنے چند زاویے شکل پذیر ہوتے ہیں انھیں کو اس موقع پر مستحضر کر لینے کی سخت ضرورت ہے۔

۱۔ ایک پوزیشن تو وہ ہے جس کا ذکر نہیں کیا ہے۔ یعنی قرأۃ کا جس کے ذریعہ اس ماحول پر ایک ایک اندازکی روشنی پڑتی ہے، بلکہ جس کے ذریعہ قرأۃ نے اس مسئلہ کا حل ڈھونڈھ لینے کے بعد کے دور میں سعی بامراد کی۔

۲۔ دوسرا زاویہ اس تعبیر سے قریب ہوتا ہے کہ حرف کا مطلب لغۃً ہے۔ اس سلسلے میں

---

[1] اسماعیل البخاری۔ صحیح البخاری۔ ج ۳۔ ص ۵۵۔ [2] ابن جریر الطبری، جامع البیان عن تاویل القرآن ج ۱۔ ص ۱۱۔ [3] ابن منظور ۔ لسان العرب۔ ج ۹۔ ص ۴۱۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن جریر نے ایک روایت نقل کیا ہے جو پیش ہے :

" ابوالعالیہؒ نے بیان کیا ہے کہ نبیؐ کے ساتھ پانچ آدمیوں نے قراءۃ کیا تو پانچوں کے درمیان لغۃ کے اعتبار سے اختلاف ہو گیا۔ اس کے باوجود آپ نے اس پر استحسان فرمایا۔"[1]

اسی طرح کی ایک حدیث یوں بیان ہوئی ہے جو نسبتاً زیادہ کھل کر اس نقطہ کی وضاحت کرتی ہے :

" آپؐ نے کہا : "قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے۔ تو جس طرح چاہو پڑھو کوئی حرج نہیں، البتہ اس کا دھیان رکھنا کہ فقرہ کا خاتمہ رحمۃ پر ہو تو اسے زحمت سے نہ بدل دینا اور جس فقرہ کا آخر عذاب سے تعلق رکھتا ہو اسے ثواب میں نہ بدل دینا۔"[2]

اس انداز کی تائید ابوالعباس کے خیال سے بھی ہوتی ہے جو ازھری نے نقل کیا :

" مجھ سے جب سبعۃ احرف کے بارے میں رائے لی گئی تو میں نے جواب دیا کہ لغۃ کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔"

یہاں یہ ذکر خالی از اہمیت نہ ہوگا کہ ابوالعباس مشہور نحوی گذرے ہیں۔

۳۔ تیسری پوزیشن کچھ زیادہ روحانی لگتی ہے۔ اس کے راوی ابی بن کعب ہیں، اس کا مفہوم یہ ہے :

" نبی عربیؐ نے فرمایا کہ مجھے سات حروف میں پڑھنے کی تاکید کی گئی۔ ان میں سے ہر ایک جنت کے سات دروازوں سے تعلق رکھتا ہے۔"[3]

۴۔ ایک اور پوزیشن جو اوپر کے تینوں حیثیتوں سے ذرا مختلف ہے کیونکہ اس میں حروف کی جگہ اوجہ استعمال ہوا ہے جو ایک نیا اینگل بن کر ہمارے سامنے آتا ہے۔[4]

۵۔ حروف کے بارے میں اس موقع پر ایک علٰحدہ نوعیت قایم کرنی ہوگی، اس سے نہ صرف نقطہ نظر کو ذہن میں رکھنے کے لیے آسانی ہوگی بلکہ زاویہ کے بارے میں ایک اضافہ بنے گی۔ بعض احادیث میں یہ خیال پیش کیا گیا ہے کہ یعنی ایک حرف سے شروع ہو کر سات تک پہنچتے ہیں جنھیں نبی اکرمؐ کے اصرار پر جبرئیلؑ نے سات تک سہولت دیدی اور بعض کے نزدیک جبرئیلؑ و میکائیلؑ دونوں نے باہمی مشورے سے اس تعداد تک پہنچا دیا۔[5]

---

[1] ابن جریر: جامع البیان۔ ج ۱ ص ۴ [2] ایضاً [3] ایضاً ج ۱ ص ۵ [4] ایضاً۔ [5] ایضاً ج ۱ ص ۲۷

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۶۔ ایک آخری پوزیشن جو مطالعہ اور غور کرنے سے ابھر کر آتی ہے یہ خیال نبیؐ کے ساتھیوں اور ساتھیوں کے ساتھیوں کے ہاتھوں پیدا ہوتی ہے۔ اس خیال کے ذریعہ لوگوں نے اس سے مراد زبان "لسان" کو لیا ہے۔ اس کا مفہوم زیادہ تعین کے ساتھ لفظ بولی سے ادا کیا جا سکتا ہے۔ ابن عباس نے اظہار خیال فرمایا کہ قرآن قریش و خزاعہ کی بول چال میں نازل کیا گیا اور ظاہر ہے گھرانہ ایک ہی ہے[1] ابوالاسود کا ایک قول ہے جو اس نکتہ پر مزید روشنی ڈالتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ قرآن کعبین کی بولی میں نازل ہوا ہے۔ ایک کعب بن عمرو ہیں اور دوسرے کعب بن لوی ہیں۔ یہ سن کر خالد بن سلمہؓ نے کہا "دیکھا اس اندھے کو کیا کہتا ہے کہ قرآن دو کعب کی بولی میں نازل ہوا ہے، حالانکہ یہ تو قریش کی بولی میں نازل ہوا ہے"[2]

۷۔ اب تک جتنے نقاط نظر خلاصہ کے طور پر میں نے اپنی آسانی کے لیے وضع کیے تھے اس سے یہ پہلو وضاحت سے سامنے آ گئے کہ حروف کے کتنے مفہوم لوگوں نے لیے تھے اور کسی کسی میں تعین اور معنی کی کیسی جھلک ملتی ہے۔ اب اختصار سے ہر ایک پر مختصر سی روشنی ڈالی جائے گی۔

سات حرف یعنی پہلی حیثیت یہ قایم کی گئی کہ اس سے مراد قرأۃ یعنی ترتیل ہے۔ جب ہم حروف سے متعلق روایات کو پڑھتے ہیں تو ابتدائی تاثر یہ قایم ہوتا ہے کہ شاید اختلاف لفظ، مخرج اور الفاظ کی ادائگی تک محدود ہے۔ غالباً ایسا ہی رہا ہوگا۔ کیونکہ قرآن کے پڑھنے اور اس کی تلاوت کرنے والوں کی تعداد روز بروز عربوں میں بڑھتی جا رہی تھی اور ہر طرح کے لوگ اس سے مستفید ہو رہے تھے۔ جوں جوں یہ دایرہ بڑھ رہا تھا اتنے ہی اختلاف اور بڑھ جاتے تھے، کیونکہ تصحیح کا مرجع بالعموم نبیؐ کی ذات ہی تھی۔ اس اختلاف کے دوران ہی جو رد عمل ہوا جو مفہوم اور نوعیت کے اعتبار سے یکساں تو نہیں کہا جا سکتا مگر نبیؐ کے رد عمل میں غیر معمولی ڈھیل کا اظہار ہوتا ہے۔ اس میں ایک طرح کا وہ اتفاق پیدا ہوا جو ۲۱ صحابہ کی طرف منسوب ہے۔" اختلافات کی نوعیت میں کبھی حرکت کی تبدیلی سے لفظ کی ادائگی ایک حیثیت رکھتی ہے۔ مثلاً لا یضار کاتب میں 'ی' پر فتحہ بھی پڑھ دیتے تھے اور ضمہ بھی۔ اسی طرح فعل میں تبدیلی پیدا کر دیتے اس کی مثال بعد ہے جیسے باعِدْ پڑھ دیتے۔ آوازوں میں تبدیلی ہو جاتی جیسے ننشزھا سے ننشرھا پڑھتے، قریب المخرج حرف میں تبدیلی مثلاً طلح منضود کو طلع منضود پڑھتے۔ کبھی کبھی لفظوں میں تقدیم و تاخیر ہو جاتی مثلاً "جاءت سکرۃ الموت بالحق" کو "جاءت سکرۃ الحق بالموت" سے بدل دیتے۔ کلمہ میں تبدیلی کی مثال یہ ہے

---

[1] ابن جریر، جامع البیان۔ ج ۱ ص ۲۳۔ [2] جلال الدین سیوطی۔ الاتقان فی علوم القرآن ج ۱۔ ص ۱۰۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"کالعھن المنفوش" کو "کالصوف المنفوش" پڑھتے۔ ایسا بھی ہوتا تھا کہ تلاوۃ میں معنوی تبدیلی بھی کر دیتے مثلاً تبلو، تتلو پڑھتے اور کبھی معنی اور شکل دونوں میں تبدیلی لے آتے۔ جیسے فامضوا کو فاسعوا میں بدل دیتے آوازوں میں بے آہنگی ہونے کی وجہ سے لفظ کچھ کا کچھ ہو جاتا تھا۔ صحابہ نے ان معاملات کو محدود کرنے کی کوشش کی۔

۱۔ قرأۃ کے مسئلے کو یعنی جو غلطی صحیح تلفظ کی عدم ادائیگی کی وجہ سے عام ہو رہی تھی۔ اسے بعد میں ان سات آدمیوں کی کمیٹی کے ذریعہ درست ہوتی رہی جس میں علیؓ، ابوبکرؓ وغیرہ شامل تھے۔ آگے چل کر پھر قرأ کے طبقے نے اس انتشار پر قابو پانے میں مدد دی۔

۲۔ دوسری صورت لغۃ کی ہے۔ یعنی بعض صحابی اور تابعی حضرات کے یہاں یہ مسئلہ صرف قرأۃ کا نہیں رہ گیا تھا۔ بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ دیکھ رہے تھے کہ یہ اختلاف اس کی وجہ سے بھی عام ہو رہا ہے جو مدنی وغیر مدنی عربوں کے مابین بولیوں کے فرق کا ہے۔ اس فرق کی بنا پر جملوں کے جملے نہ صرف لفظی فرق اختیار کر چکے تھے، بلکہ معنوی تبدیلی بھی لازمی تھی اس کی ایک مثال یہ آیت ہے "کلما اضاء لھم مشوا فیہ" کو "مرّوا فیہ" یا "سعوا فیہ" پڑھنے لگے تھے[۲]۔ بعض صورت میں یہ بھی ہوتا تھا کہ لفظ کی صورت اور اس کے معنی میں اختلاف رکھنے والے الفاظ بھی مروج ہونے لگے۔ مثلاً فامضوا کو فاسعوا پڑھا جانے لگا۔ یا جیسے معنوی اختلاف کی تبدیلی رائج ہوئی جیسے تبلو، تتلو میں بدل گیا۔ یہ چند نمونے ہیں، درجنوں ایسے نمونے مل جائیں گے جو تبدیلیوں یا اختلاف کی علامت بن کر قرآن کے پڑھنے والوں کے لیے دردِ سر بن گئے تھے۔ زیادہ تر احادیث جو مختلف طریقوں سے مروی ہیں انھیں متقدمین نے بیچ بیچ میں درج کیا۔ مثال کے طور پر یہ حدیث ملاحظہ کیجیے:

"نبیؐ نے فرمایا: "جبرئیل نے مجھ سے کہا قرآن ایک حرف پر پڑھو۔ مزید کہا، سب کافی شافی ہے بشرطیکہ کوئی انقلابی تبدیلی نہ ہو، چھوٹی موٹی تبدیلی جیسی کہ ھلم وتعال کی ہے[۳]۔"

۳۔ تیسری پوزیشن ایسی نہیں ہے جو لسانی اعتبار سے توجہ کی مستحق ہو، یہ روایت اگر صحیح بھی ہو تو اس کا مطلب یہ لگتا ہے کہ لوگوں کے ذہنوں کو جنھیں اس بلوائے عام سے اپنے ایمان کو زبردست خطرہ پیدا ہو گیا تھا اور رایبوں کی تعداد قابل لحاظ حد تک بڑھتی جا رہی تھی دراصل انھیں مذہبی انداز

---

[۱] "الاتقان فی علوم القرآن" جلال الدین السیوطی۔ ج ۱ ص ۱۰۵۔ [۲] ایضاً ج ۱ ص ۱۰۸۔ [۳] ابن جریر۔ جامع البیان عن تاویل القرآن۔ ج ۱ ص ۱۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

استدلال سے مطمئن کرنے اور ان کے ایمان کو باقی رکھنے کی ایک نفسیاتی کوشش تھی۔

۴۔ یہ قسم سات نوعیتوں کی ہے یعنی سبعۃ اوجہ کی غور سے دیکھا جائے۔ اس کا مفہوم مفسرین نے متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ بظاہر ان اقسام سے مختلف نہیں ہے۔ لیکن جب ان مثالوں پر نظر ڈالیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ تھوڑا فرق تو ہے اور وہ فرق قراءۃ کا نہیں ہے بلکہ ایک رجحان کی عکاسی کرتا ہے۔ اس کے تحت ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس رجحان کے حاملین قرآن کی سورتوں کے ہم شکل متبادل الفاظ کو بلا تکلف قرآن کا حصہ سمجھ کر تلاوت کرنے لگتے تھے۔ اگرچہ سات کا معاملہ اس شق میں مبہم ہی بنا رہتا ہے۔ ہم معنی الفاظ کی مثال یہ ہے، اقبل تعالی ھلم یجعل اسرع والی وغیرہ۔

۵۔ پانچویں نقطۂ نظر کے بارے میں ہم اس لئے گفتگو کرنے سے عاجز ہیں کہ اس کے متن میں جبریل ومیکائیل کو شامل کیا گیا ہے اور اس طرح سے کہ یہ معاملہ مطلقاً فرشتوں کا ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس معاملے کو کوشش نمبر ۲ کے تحت شامل کر لیا جائے تو مناسب ہے۔

۶۔ چھٹی صورت یہ ہے جس کے ذریعہ احرف کی تعبیر لغت سے کی گئی ہے۔ لغت کا ایک مفہوم تو عام و خاص کے ذہن میں موجود ہے، جس کا مطلب زبان سے ادا ہو جاتا ہے۔ اس کا دوسرا مفہوم اصلاحی ہے یعنی مفردات کی ساخت وغیرہ۔ مگر یہاں جس لغت کی طرف اشارہ ہے اس سے مراد زبان کے ہیں۔ اس مفہوم کو تسلیم کرنے سے مسئلہ کی نوعیت کچھ زیادہ ہی کھل کر سامنے آتی ہے، اور اس کے اندر اتنے پہلو نکل آتے ہیں جس میں مذکورہ ہر پہلو کسی نہ کسی طرح کھپ جاتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر قراءۃ کی بات ہوتی ہے تو یہ بھی ایک طرح زبان کا ہی معاملہ ہے۔

مذکورہ تشریحات سے ایک اندازہ ہو جاتا ہے کہ حرف یا احرف کا کیا کیا مفہوم نبیؐ نے بیان کیا۔ کیا ساتھیوں نے لیا اور اس میں کیا اضافے کئے اور اس کے دائرہ فہم کو متعین کرنے کی کوشش کی۔ بعد کے مفسرین میں انھیں باتوں کو اختصار سے جس کسی نے مناسب سمجھا ذکر کر دیا۔ ورنہ اس پہلو کو نظر انداز کرتے گئے اور بتدریج غیر ضروری سمجھ کر ترک کر دیا گیا۔ شاہ ولی اللہ نے اپنی کتاب "الفوز الکبیر" میں سرے سے پی ہی لیا البتہ شاہ عبدالحق نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں یہ لکھا ہے کہ "میں نے جہاں تک علما محققین کے اقوال اور احادیث صحیحہ میں نظر کی اور مختلف عنوانوں میں اس حدیث کے مطلب پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ سات حروف سے قبایل عرب یا خاص قبایل عرب کے وہ مختلف محاورات ہیں کہ جن سے مطلب میں کچھ تغیر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہ آئے، اور ہر ایک کو ادا کرنے میں آسانی ہو، چنانچہ آنحضرتؐ کی استدعا کے موافق اس امر کی خدا نے اجازت دیدی، مگر آنحضرتؐ لوگوں کو قرآن اسی طرز پر یاد کراتے اور کاتبوں کو اسی طریقہ پر لکھواتے رہے جو خاص آپ کی زبان تھی لہ

دراصل ان اختلافات کو جو احادیث کے ذریعہ ہمارے سامنے آئے اس کی صورتوں کو جس جس انداز سے اختلاف تھا اس سے ایک بات ہمارے ذہن میں جو پیدا ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ لسانی بحران کا ایک مرحلہ تھا۔ اگر اس کو مان لیا جائے تو پھر اس معاملہ کو زیادہ آزادی، زیادہ حقیقی اور زیادہ اعتماد کے ساتھ چھیڑنے اور بحث کرنے کا موقعہ ہاتھ آتا ہے۔ بعض نے جو حرف کا مفہوم لغت سے بتانے کی طرف رجحان ظاہر کیا وہ اسی حقیقت کی رونمائی کرتا ہے۔ اگرچہ یہ لوگ اس کو اس طور پر پیش کرتے ہیں کہ جتنے سارے اختلافات ظہور میں آئے انھیں سمیٹ کر بولیوں کے اختلاف میں مرکوز کر دیا جائے۔ یعنی بعض اہم اور با اثر قبائل کے مابین لہجہ کا جو اختلاف تھا، محاورے کا اختلاف تھا، قراۃ کا اختلاف تھا یا اس سے بھی زیادہ بولیوں کے مابین ہر ایک میں تھوڑی تھوڑی جو اپنی انفرادیت تھی، اسی کے اندر اختلاف کی ساری شکلوں کو مرکوز کر دیا جائے۔ اس کا ایک نمونہ یہ دعویٰ ہوا کہ عرب زبان سات قبائل تک محدود تھی اور قرآن کا نزول ساتوں میں ہوا جملہ کا آخری حصّہ کتنا دلچسپ ہے۔ اگر اس کا تھوڑا سا تجزیہ کیا جائے تو اس کا ثبوت مل جاتا ہے۔ مثلاً اگر ہر قبیلہ کی بول چال کا رنگ دوسرے قبیلے سے کہیں کہیں جدا تھا اور بعض بعض موقعوں پر متضاد بھی، تو یہ سوال ذہن میں ابھرتا ہے کہ آخر قرآن نازل کرنے والی کون سی ایجنسی تھی جسے ان تمام خصوصیات کا علم تھا اور پھر ساتھ ہی ساتھ ہر رنگ میں قرآن پیش کرنے کی وہ قابلیت بھی رکھتا تھا۔ اس مشکل کو حل کرنے کے لیے ہم اگر کسی مابعدالطبیعی قوت کو درانداز کریں تو یہ معاملہ دوسرا ہے لیکن جہاں تک اس معاملہ کو حقیقی اور علمی سطح پر دیکھنے کا ہے تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ان حضرات نے اختلافات کو محصور کرنے کی کوشش نہیں کی ہے، بلکہ اسے محدود کر دینے کی روش اختیار کی ہے۔ تاہم یہ رجحان ہمارے لیے زیادہ معاون ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اختلافات حقیقی تھے۔ جن میں وسعت اور گہرائی بھی ہے۔ اس گیرائی و گہرائی کو سمجھنے کے لئے اپنے خیال کو مہمیز کرنا ہوگا، تب یہ اندازہ ہوگا کہ اس وقت عرب معاشرہ کس نوعیت کی تبدیلی اور بحران سے دوچار تھا۔

لہ۔ مقدمہ تفسیر حقانی، عبدالحق حقانی، ص ۳۵۔ [illegible] نظام [illegible] نیشاپوری)۔ تفسیر غرائب القرآن ص ۳۰۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس مسئلہ کی پیچیدگی کا اندازہ کرنے کے لیے دو باتوں کا اور اضافہ کر لیجیے۔ یہ دونوں اضافے خاصے اہم اور معنی خیز ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ نبیؐ کے دور میں بلکہ اسکے کافی عرصے بعد تک عربی جس رسم الخط میں لکھی جاتی وہ کوفی تھا۔ یہ طریقہ خط کتنا مشکل ہے، پیچیدہ ہے اور عام آدمی کی قوت شناخت سے باہر ہے۔ اس میں حاضر کو غائب، غائب کو حاضر، مذکر کو مؤنث اور مؤنث کو مذکر میں بدل دینے کے کافی امکانات ہیں۔ یہی نہیں دسیوں غلطیوں کے شائع ہونے کے احتمالات پائے جاتے ہیں۔ اس پر طرفہ یہ کہ یہ سب بے نقطہ تھا۔ اس دوسری خامی نے زبان کے خاموش ڈھانچے کو پڑھنے والوں کے لیے چیستان بنا دیا تھا۔ اس صورت میں ایک اوسط درجہ کے پڑھے لکھے عرب کے لیے جو معیار تھا یہی خود گمراہ ہو جانے اور دوسروں کو گمراہ کر دینے کی لمحہ بہ لمحہ صورت موجود تھی۔ اس صورت نے لوگوں کو یہ موقع فراہم کیا کہ وہ سورتوں کے الفاظ اس میں کمی بیشی اور جملوں کے جملے اپنی عربی میں یاد رکھنے کی غلطی میں پڑ جائیں اور اس سے ظاہر ہے ابھی نبیؐ عربی سے دنیاوی سطح پر ایک ہی طرح کا تعلق نہیں قائم ہوا تھا کہ ہر قبیلہ قرآن کی آیات کی تلاوت میں، جملوں کی ساخت میں اور دیگر لسانی خوبیوں کو پوری طرح جامہ پہنانے میں خوبی اور استحسان حاصل کرتا۔ اس طرح اختلاف قراۃ، حذف و اضافہ، تبدیلی افعال، تقدیم و تاخیر، نیز متعدد نئے عناصر قرآن پڑھنے والوں کے حافظوں میں اور زبان پر چڑھ گئے جس کو ممکن حد تک لوگوں نے نہایت سادگی سے نہ اپنایا ہو، مگر وہ حالات کا دباؤ تھا اس میں انھیں لاچارگی دیکھنی پڑی ہوگی۔ یہ صورت صرف انھیں حالات میں نہیں پیدا ہوئی جب شمالی و جنوبی علاقوں کے عرب زیادہ قریب آئے، بلکہ اس سے پہلے ان قبائل کا مابین اختلاف پیدا ہو چلا تھا جو صدیوں سے قریب رہتے آئے تھے وہ ان تضادات کا شکار ہو گئے۔ دور کیوں جائیں، کہا جاتا ہے کہ قریش کے ذیلی قبائل میں بول چال کی زبان میں اختلاف پایا جاتا تھا۔ تشبیہات اور ضرب الامثال کے عنوان میں بھی فرق پایا جاتا تھا۔ بہر حال میرا خیال ہے کہ خود قریش کی آبادی میں ناخواندگی کی بنا پر جو بدوی و حضری زندگی میں موجود تھا اسی کی بنا پر بھی اختلاف، تضاد اور تعدد کا پیدا ہونا قدرتی امر تھا۔ یہ صورتحال مکی، مدنی اور خلفاء کے عہد کو تو پورے طور پر اپنی گرفت میں لا چکی تھی۔ اس سے بچنے کا جو امکان تھا وہ ابھی کافی دور تھا۔ غرضیکہ پہلی صدی میں جزیرۃ العرب کے بڑے حصّہ پر بولیوں کا اختلاف اجنبیت کی حد تک حاوی تھا۔

میری گفتگو آہستہ آہستہ اس منزل پر پہنچ گئی ہے کہ میں حرف کے معاملہ کو ایک لسانی بحران کا نام دے سکوں جو اصلاً تھا۔ مگر جسے مختلف ناموں سے غلط رنگ میں یاد کیا جاتا رہا۔ اس کا جتنا اور جس حد تک

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حصہ قرآن کے رشتے سے ہمارے سامنے آتا ہے وہ دراصل ایک بڑے اور مرکزی مسئلہ کا جز تھا۔ لیکن اس مرکزی تصویر کو کس طرح ایک عالم لسانیات رنگ و روغن دے گا اس کے بارے میں اس وقت کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ کیونکہ لسانی وحدت اور قریش کی بولی کو دوسری بولیوں پر تھوپنے کی، علمی وفنی طور پر، مذہبی جوش وعقیدت کے ساتھ متعدد سمتوں میں ہر سطح پر جس وسیع پیمانے پر کام ہوا، اس کی بنا پر شاید بہت سارا مواد ضبط تحریر میں نہ لایا جاسکا۔ بہرحال یہ بات کیا کسی معجزے سے کم ہے کہ اس لسانی بحران کے بطن سے دوسری تیسری صدی ہجری میں کتنے علم وفن وجود میں آئے۔ لوگوں نے قراۃ، تفسیر، غریب القرآن، لغات القرآن، نقط اشکال جیسے موضوعات پر ابتدائی صدیوں ہی میں درجنوں کتابیں تصنیف کیں جن کے نام ابن ندیم نے دیکھ کر اپنی کتاب الفہرست میں درج کیا ہے۔

●●

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر مقصود احمد
شعبۂ عربی، بڑودہ

قرآن مجید کے املا و قواعد سے متعلق بعض مسائل کی توضیح

تحقیقات اسلامی (سہ ماہی) علیگڑھ کے شمارہ اکتوبر۔دسمبر ۱۹۸۶ء میں پروفیسر نذیر احمد صاحب کا تحریر کردہ ایک انتہائی فکر انگیز، دلچسپ اور اہم مقالہ بعنوان "قرآن مجید کے املا و قواعد سے متعلق بعض مسائل"[1] پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ اس مقالہ میں پروفیسر صاحب نے قرآن حکیم کے چند استثنائی مسائل کو موضوع بحث بنایا ہے اور اہل علم کو دعوت تحقیق دی ہے۔ ان مسائل کا صحیح حل تلاش کرنا تو دراصل اہل علم و دانش ہی کا کام ہے اور امید ہے کہ یہ مسائل ان کی توجہ کا مرکز بھی بنیں گے مگر ذیل میں راقم الحروف اپنی بے بضاعتی و کم مائیگی کے احساس کے ساتھ اس سلسلے میں کچھ عرض کرنے کی جسارت کرتا ہے۔

ص ۲۸ پر فاضل مقالہ نگار آیت وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ الَّذِيْنَ إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ أَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (الحج ۲۲: ۳۵) میں وارد ترکیب "اَلْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ" کا تجزیہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ "اَلْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ میں اَلْمُقِيْمِي (جو فعل بَشِّرْ کا مفعول ہے) اسم فاعل (PRESENT PARTICIPLE) ہے اور صلوٰۃ باوجود اس کے کہ مجرور ہے اسی کا مفعول (OBJECT) ہے جس کے معنی ... ہیں "نمازوں کے قائم کرنے والے"

بعد ازاں سورۃ النساء کی یہ آیت لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَآ أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ أَجْرًا عَظِيْمًا (۴: ۱۶۲) نقل کر کے لکھتے ہیں کہ (یہاں) اَلْمُقِيْمِيْنَ اسم فاعل ہے اور الصَّلٰوةَ مفعول ہے جیسا کہ اس کے آخری حرف ۃ کے مفتوح ہونے سے واضح ہے اس کے معنی ہوئے نماز کو قائم کرنے والے۔ اگرچہ اس فقرے کی تقریباً وہی صورت ہے جو سورہ الحج کی آیت ۳۵ کے فقرے کی ہے مگر دونوں میں یہ واضح فرق ہے کہ آخر الذکر میں صلوٰۃ مکسور اور سورۂ نساء میں مفتوح ہے یہ بات پوری طرح روشن ہے کہ سورۂ حج والا اور نہ سورہ نساء والا فقرہ اضافی ترکیب میں ہے اس لیے کہ دونوں فقرے کے پہلے

[1] پروفیسر نذیر احمد صاحب کا مضمون ان کی اجازت سے اس مضمون کے معاً بعد دیا جا رہا ہے۔ (ع ب)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الفاظ یعنی اَلْمُقِیْمِی اور اَلْمُقِیْمِیْنَ پر اَلْ آیا ہے جو ان کے مضاف ہونے میں حارج ہے۔ اسی بنا پر دونوں لفظ یعنی الصلوٰۃ ... مضاف الیہ نہیں ہو سکتے۔ بنا بریں ان کو اسم فاعل کا مفعول قرار دیا گیا۔ لیکن الصّلوٰۃ کی حالت جری کی توجیہ سے فی الحال میں قاصر ہوں:

سورہ نساء کی آیت ۱۶۲ والا فقرہ مقالا نگار کے مطابق اضافی ترکیب میں نہیں ہے اور یہ صحیح بھی ہے۔ یہاں اسم فاعل فعل معروف متعدی (TRANSITIVE VERB IN THE ACTIVE VOICE) کی مانند عمل کر رہا ہے اسی لیے اس کے بعد الصلوٰۃ کی "ۃ" مفتوح ہے۔ کیوں کہ عربی کی قواعد کی رو سے فعل معروف متعدی کے اسم فاعل (PRESENT PARTICIPLE) کے بعد مفعول کا استعمال جائز ہے۔ مثلاً الضَّارِبُ زیدٌ عَمْراً (زید عمر کو مارتا ہے) قَاتِلٌ یا اَلْقَاتِلُ النَّاسَ (وہ شخص یا وہ خاص شخص جو لوگوں کو قتل کرتا ہے[1])

مختصر یہ کہ مذکورہ صدر فقرے میں اَلْمُقِیْمِیْنَ اسم فاعل ہے اور الصَّلوٰۃَ اس کا مفعول ہے اسی لیے اس کی "ۃ" مفتوح ہے۔ اس فقرے کا صحیح مطلب یہ ہوگا "وہ جو نماز کو قائم کرتے ہیں"۔

لیکن سورہ حج کی آیت ۳۵ والے فقرے میں اَلْمُقِیْمِی مضاف بن کر آیا ہے اور الصَّلوٰۃِ کا استعمال مضاف الیہ کے طور پر ہوا ہے۔ مگر فاضل مقالہ نگار اس حقیقت کا انکار کرتے ہیں اور اپنے قول کی حمایت میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اَلْمُقِیْمِی کے ساتھ اَلْ کا استعمال ہوا ہے جو اس کے مضاف ہونے میں حارج ہے کیوں کہ مضاف کے پہلے ال نہیں آتا اور جب اَلْمُقِیْمِی مضاف نہیں ہو سکتا تو الصَّلوٰۃِ مضاف الیہ بھی نہیں ہو سکتا۔ (دیکھیے تحقیقات اسلامی ص ۲۸)۔

موصوف نے یہ نظریہ کہ اَلْمُقِیْمِی مضاف نہیں ہو سکتا اس وجہ سے قائم کیا ہے کہ عربی کے عام قاعدے کے مطابق مضاف پر اَلْ نہیں آتا۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ چند صورتوں میں مضاف کے ساتھ ال کا استعمال جائز ہے جس کی وجہ تفصیل حسب ذیل ہے۔

اگر صفت مضاف بن کر آئے تو اس پر اَلْ کا استعمال بوقت ضرورت ہو سکتا ہے مثلاً کَثِیْرُ الْمَالِ (مال والا) وغیرہ کے پہلے اگر کوئی اسم معرف باللام آئے تو کثیر، طویل اور حسن پر بھی اَلْ داخل ہو جائے گا مثلاً اَلرَّجُلُ الْکَثِیْرُ الْمَالِ (مالدار آدمی) اَلْجَمَلُ الطَّوِیْلُ الْعُنُقِ (لمبی گردن والا اونٹ) اَلرَّجُلُ الْحَسَنُ الْوَجْهِ (اچھی صورت والا آدمی) ان فقروں میں کثیر، طویل اور حسن مضاف کے طور پر استعمال ہوئے ہیں لہٰذا اسم معرّف باللام کے

---

[1] دیکھیے (ARABIC GRAMMAR) از (G.W. THATCHER) مطبوعہ نئی دہلی ۱۹۸۱ء ص ۲۳۸، اور اساس عربی از محمد نعیم الرحمٰن مطبوعہ کراچی صفحات ۸۹-۱۸۸۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعد ان پر اَلْ داخل ہو گیا ہے۔ اس ترکیب کو جو صفت اور اسم سے مل کر بنتی ہے صفت مرکب (COM POUND ADJECTIVE) کہتے ہیں[1]۔

اسی طرح اسم فاعل اور اسم مفعول جب مضاف بن کر آتے ہیں تو تعریف و تخصیص کی صورت میں ان پر بھی اَلْ داخل ہو جاتا ہے بشرطیکہ مضاف الیہ پر بھی اَلْ ہو۔ مثلاً ضَارِبُ الرَّجُلِ اور مَجْدُوْمُ الْوَجْہِ تعریف و تخصیص کی صورت میں اَلضَّارِبُ الرَّجُلِ اور اَلْمَجْدُوْمُ الْوَجْہِ ہو جائیں گے۔

اس صورت میں اگر اسم فاعل جمع مذکر سالم (SOUND MASCULINE PLURAL) یا تثنیہ (DUAL) ہو تو "ن" اعرابی حذف ہو جائے گا۔ اسی سبب سے مذکورہ بالا فقرہ میں اَلْمُقِیْمِیْنَ کا "ن" حذف ہو گیا ہے اور اَلْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوۃِ کے بجائے اَلْمُقِیْمِی الصَّلٰوۃِ ہے۔ اس ترکیب کو بھی صفت مرکب کہا جاتا ہے کیوں کہ عربی میں اسم فاعل اور اسم مفعول کا استعمال عموماً صفت کے طور پر بھی ہوتا ہے[2]۔

جہاں تک سورہ نساء آیت ۱۶۲ میں اَلْمُقِیْمِیْنَ کا مفعولی حالت میں ہونے کا سوال ہے علمائے نحو اسے "منصوب علی سبیل المدح" کا نام دیتے ہیں۔ جب موصوف کے متعدد اوصاف میں سے کسی وصف کو نمایاں کرنا مقصود ہوتا ہے تب یہ انداز یا اسلوب اختیار کیا جاتا ہے۔ آیت مذکور میں موصوف کے اوصاف میں اقامت صلوٰۃ کے وصف کو نمایاں کرنا مقصود ہے۔ اس آیت کی دوسری مثال سورہ بقرہ کی آیت ۱۷۷ میں پائی جاتی ہے۔

ص ۳۵ پر فاضل مقالہ نگار نے قرآن میں وارد شدہ ایسے چار الفاظ (اَلَّذِی، اَلَّتِی، اَلَّذِیْنَ اور اَلَّیْل) کی نشاندہی کی ہے جن میں دو لام کے بجائے ایک ہی "ل" ہے یعنی (اَلْ + لَذِی = اللَّذِی) (اَلْ + لَتِی = اللَّتِی) (اَلْ + لَذِیْنَ = اللَّذِیْنَ) اور (اَلْ + لَیْلٌ = اَللَّیْل) کے بجائے بالترتیب اَلَّذِی اَلَّتِی اَلَّذِیْنَ اور اَلَّیْل ہے۔

جہاں تک الّیل کا ایک لام سے لکھے جانے کا سوال ہے تلاش و تحقیق کے باوجود مجھے اس کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہو سکی۔ البتہ اَلَّذِی، اَلَّتِی اور اَلَّذِیْنَ میں ایک "ل" کے گر جانے کا سبب (W. WRIGHT) کے نزدیک ان

---

[1] دیکھیے (A GRAMMAR OF THE ARABIC LANGUAGE, VOL.2) از (W. WRIGHT) مطبوعہ نئی دہلی ۱۹۸۳ء ص ۲۲۲، (ARABIC GRAMMAR) از (THATCHER) مطبوعہ نئی دہلی ۱۹۸۱ء ص ۶۴، (MODERN LITERARY ARABIC) از (DAVID COWAN) مطبوعہ (CAMBRIDGE) ۱۹۶۸ء ص ۴۴، (TEACH YOURSELF ARABIC) از (TRITTON) مطبوعہ لندن ۱۹۶۲ء ص ۹۴، اور اساس عربی از محمد نعیم الرحمٰن مطبوعہ کراچی ص ۲۵۔

[2] دیکھیے (A GRAMMAR OF ARABIC LANGUAGE, VOL.2) از (WRIGHT) ۱۹۸۲ء دہلی ص ۲۲۲، اساس عربی از محمد نعیم الرحمٰن کراچی ص ۱۹۰، اور کتاب النحو از حافظ عبدالرحمٰن امرتسری، خورشید بک ڈپو لکھنؤ ص ۳۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا کثرت استعمال ہے۔ (دیکھیے (A GRAMMAR OF THE ARABIC LANGUAGE ص ۲۷۱۔

عربی زبان میں نفی کے لیے فعل ماضی پر "ما" کا اضافہ ہوتا ہے اور فعل مضارع پر "لا" کا۔ لیکن قرآن کی بعض آیتوں مثلاً رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا (۲۰: ۱۳۴) فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ (۹۰-۱۱) اور فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى (۷۵-۳۱) (نہ تو اس نے تصدیق کی اور نہ ہی اس نے نماز پڑھی) میں صورت حال اس کے برعکس ہے۔ یعنی مقالہ نگار کے قول کے مطابق یہاں صیغہ ماضی کے ساتھ "ما" کے بجائے "لا" کا استعمال ہوا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آیت ۱۳۴ میں "لولا" کو مقالہ نگار نے دو علیحدہ لفظ سمجھ لیا ہے اسی لیے "ما" اور "لا" کے ضمن میں اس کا بھی حوالہ دے دیا ہے۔ حالانکہ یہاں "لولا" کا استعمال ایک لفظ کی حیثیت سے ہوا ہے۔ بہرحال اس پر ہم بعد میں بحث کریں گے اس سے پہلے ہم "ما" اور "لا" کے استعمال کا ایک مختصر جائزہ لیں گے تاکہ مذکورہ بالا آیات میں "لا" کا فعل ماضی کے ساتھ استعمال کی صحیح وجہ معلوم ہو جائے۔

عام طور سے "ما" اور "لا" کا استعمال اگرچہ بالترتیب ماضی اور مضارع کے ساتھ ہوتا ہے تاہم کبھی کبھی اس کے برعکس بھی ہوتا ہے۔

"ما" جب مضارع پر آتا ہے تو زمانہ حال کی نفی کرتا ہے مثلاً مَا يَكْتُبُ کا مطلب "وہ نہیں لکھتا ہے" یا بقول (TRITTON) "وہ نہیں لکھ رہا ہے" ہوگا جبکہ "لا" حال اور مستقبل دونوں کی نفی کرتا ہے۔ مثلاً لَا يَكْتُبُ کا مطلب "وہ نہیں لکھتا ہے" یا "وہ نہیں لکھے گا" ہوگا۔[1]

"لا" کا استعمال صیغہ ماضی کے ساتھ چند صورتوں میں ہوتا ہے جن میں سے بعض یہ ہیں:

(۱) جب دو ماضی کی نفی ایک ساتھ مقصود ہوگا مثلاً لَا كَتَبَ وَلَا قَرَأَ (نہ تو اس نے پڑھا اور نہ اس نے لکھا) اسی قاعدے کی رو سے قرآن میں فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى (۷۵-۳۱) (نہ تو اس نے تصدیق کی اور نہ اس نے نماز پڑھی) آیا ہے۔[2]

(۲) حروف نفی یعنی لَنْ، لَمْ، مَا، لَمَّا وغیرہ کے بعد بھی اس کا استعمال ماضی کے صیغے کے ساتھ ان حروف کی تکرار کو روکنے کے لیے ہوتا ہے۔ اس حالت میں اس کے پہلے "و" بھی آتا ہے۔ مثلاً لَمْ يَدْخُلِ الدَّارَ وَلَا نَظَرَ إِلَى شَيْءٍ فِيهَا (وہ گھر میں داخل نہیں ہوا اور اس نے اس میں کسی چیز کی جانب نہیں دیکھا)۔[3]

---

۱ دیکھیے (A GRAMMAR OF THE ARABIC LANGUAGE, VOL.2) از (W. WRIGHT)، ص ۲۰-۲۱-۳۰۰ اور (TEACH YOURSELF ARABIC) ۲ دیکھیے (A GRAMMAR OF THE ARABIC LANGUAGE, VOL.2) ص ۳۰۰ ۳ دیکھیے (TEACH YOURSELF ARABIC) ص ۱۸۷ (A GRAMMAR OF THE ARABIC LANGUAGE, VOL.2) ص ۳۰۳۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۳) عہد یا قسم کے یوں بھی فعل ماضی کے ساتھ "لَا" کا استعمال ہوتا ہے۔ اس صورت میں "لا" ماضی منفی کے بجائے مستقبل منفی کا معنی دیتا ہے جیسے وَاللّٰہِ لَا عَصَیْتُ رَبِّیْ (خدا کی قسم میں اپنے رب کی نافرمانی نہیں کروں گا)[1]

اظہار دعا یا بد دعا کے لیے بھی اس کا استعمال صیغہ ماضی کے ساتھ ہوتا ہے مثلاً لَا رَحِمَہُ اللّٰہُ (اللہ اس پر رحم نہ کرے)، لَا شَرِبْتَ مَاءً نَقِیًّا طُوْلَ حَیَاتِكَ (تجھے تاعمر صاف پانی نصیب نہ ہو)، لَا لَقِیْتُمْ مَا بَقِیْتُمْ ضَرًّا (جب تک تم زندہ رہو کسی ضرر سے دوچار نہ ہو) اور لَا شُلَّتْ یَدَاكَ (تیرے ہاتھ شل نہ ہوں)[2]۔

آیت فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰی میں "لا" کا استعمال جیسا کہ اوپر آچکا ہے، قاعدہ نمبر ا کی رو سے ہوا ہے۔ رہا اِقْتَحَمَ پر "لَا" کا استعمال تو اس کی اصل وجہ تکرار نفی ہی معلوم ہوتی ہے۔ یہاں دوسرا ماضی منفی یعنی وَلَا آمَنَ مقدر ہے۔ اس طرح کلام کا صحیح مفہوم فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ وَلَا آمَنَ (پس نہ تو اس نے نفس کی دشوار گزار گھاٹی کو پار کیا اور نہ ہی ایمان لایا) ہوگا۔

اب ہم "لَوْلَا" کو زیر بحث لاتے ہیں۔ "لَوْلَا" حرف مرکب ہے۔ قواعد کی اصطلاح میں اس کو حرف تخصیص و توبیخ یا عرض کہتے ہیں۔ اس کا اضافہ ماضی اور مضارع دونوں پر دو مختلف معنوں میں ہوتا ہے۔ جب یہ ماضی پر آتا ہے تو توبیخ یا عرض کا فائدہ دیتا ہے جیسے لَوْلَا اَكْرَمْتَ زَیْدًا وَقَدْ كَانَ ضَیْفَكَ (تو نے زید کی تعظیم کیوں نہیں کی حالانکہ وہ تیرا مہمان تھا) اور جب مضارع پر آتا ہے تو ترغیب یا تخصیص کا فائدہ دیتا ہے جیسے لَوْلَا تَقْرَأُ فَتَكُوْنَ عَالِمًا (تو کیوں نہیں پڑھتا تاکہ تو عالم ہو جائے) اس کے علاوہ اَلَّا، ھَلَّا اور لَوْمَا بھی حروف تخصیص و توبیخ یا عرض ہیں[3]۔ آیت رَبَّنَا لَوْلَا اَرْسَلْتَ اِلَیْنَا رَسُوْلًا میں "لَوْلَا" عرض کا فائدہ دیتا ہے۔

قرآن میں کوئی پانچ جگہ (سورۃ المعارج: ۴۰، سورۃ القیامۃ: ۱، ۲، سورۃ الانشقاق: ۱۶، اور سورۃ البلد: ۱) پر "لَا" نفی اُقْسِمُ (فعل مضارع واحد متکلم) کے ساتھ آیا ہے جس کا ترجمہ عام طور سے میں قسم کھاتا ہوں کیا جاتا ہے یعنی ان آیات میں "لَا" سے نفی کے بجائے اثبات کے معنی لیے جاتے ہیں۔ اس کی جانب بھی فاضل مقالہ نگار نے اشارہ کیا ہے۔

---

[1] دیکھیے (A GRAMMAR OF THE ARABIC LANGUAGE, VOL.2) ص ۲، ۳۰۴۔ [2] دیکھیے (A GRAMMAR OF ARABIC LANGUAGE, VOL.2) ۳، ۳۰۴، (TEACH YOURSELF ARABIC) ص ۸۷، (MODERN LITERARY ARABIC) از (DAVID COWAN) ۱۹۷۸ء، ص ۱۷۶، اور (ARABIC GRAMMAR) از (THATCHER) ۱۹۸۱ء، ص ۱۹۵۔ [3] دیکھیے کتاب النحو از عبدالرحمٰن امرتسری مطبوعہ لکھنؤ ص ۱۲۰، اساس عربی ص ۲-۳۰۱، اور (A GRAMMAR OF THE ARABIC LANGUAGE, VOL.2)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اُقْسِمُ کے ساتھ "لَا" کے استعمال کے متعلق مفسرین کی آراء مختلف ہیں۔ بعض اس کو "لَا" قسمیہ قرار دیتے ہیں اور اس معنی میں اس کے استعمال کو "اُقْسِمُ" کے ساتھ مخصوص بتاتے ہیں۔ لیکن بعض مفسرین کے نزدیک یہ "لا" نفی ہی کا فائدہ دیتا ہے جو قول سابق کی تردید کرتا ہے۔[1] مولانا مودودی صاحبؒ نے بھی اس کو "لا" نفی ہی تسلیم کیا ہے اور "سورۃ القیامۃ" کی تفسیر میں اس پر روشنی ڈالی ہے۔ ذیل میں ہم اس کا اقتباس پیش کرتے ہیں:

"کلام کی ابتدا ہی "لا" سے کرنا خود یہ خود اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ پہلے سے کوئی بات چل رہی تھی جس کی تردید میں یہ سورت نازل ہوئی ہے اور آگے کا مضمون آپ ہی ظاہر کر دیتا ہے کہ وہ بات قیامت اور آخرت کی زندگی کے بارے میں تھی جس کا اہل مکہ انکار کر رہے تھے بلکہ ساتھ ساتھ مذاق بھی اڑا رہے تھے۔ اس طرز بیان کو اس مثال سے اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ اگر آپ محض رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صداقت کا اقرار کرنا چاہتے ہوں تو آپ کہیں گے "خدا کی قسم رسول برحق ہے"۔ لیکن اگر کچھ لوگ رسول کی صداقت کا انکار کر رہے ہوں تو جواب میں اپنی بات یوں شروع کریں گے کہ "نہیں، خدا کی قسم رسول برحق ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو وہ صحیح نہیں ہے، میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اصل بات یہ ہے"

(تفہیم القرآن جلد ششم مطبوعہ ۱۹۷۲ء ص ۱۶۲)

صحیح معنوں میں اس کی توجیہ تو مفسرین و ماہرین زبان عربی ہی کر سکتے ہیں تاہم مولانا مودودی صاحبؒ کی وضاحت باوزن ضرور معلوم ہوتی ہے۔

ص ۴۷ پر مقالہ نگار تحریر فرماتے ہیں کہ "قرآن مجید میں سورتوں کے نام ترکیب اضافی کی صورت میں ملتے ہیں جیسے سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ، سُوْرَۃُ الْفِیْلِ، سُوْرَۃُ الْکَوْثَرِ وغیرہ۔ ان میں مضاف الیہم یعنی البقرہ، الفیل، الکوثر مجرور ہیں لیکن کم از کم چار سورتیں ایسی ہیں جن میں مضاف الیہ اضافی صورت میں نہیں فاعلی شکل میں پائے جاتے ہیں۔ سورۃ المؤمنین (۲۳)، سُوْرَۃُ الْمُنَافِقُوْنَ (۶۳)، سورۃ الْمَاعُوْنَ (۱۰۷)، سُوْرَۃُ الْکَافِرُوْنَ (۱۰۹) الْمُؤْمِنُوْنَ، الْمُنَافِقُوْنَ، الْمَاعُوْنَ، الْکَافِرُوْنَ فاعلی حالت میں ہیں حالانکہ ترکیب میں ان کی صورت مضاف الیہ کی ہے۔ ان چار لفظوں کی اضافی صورتیں المؤمنین، المنافقین، الماعون، الکافرین ہوں گی اور ترکیب اضافی

---

[1] دیکھیے (A GRAMMAR OF THE ARABIC LANGUAGE, VOL.2) ص ۳۰۵ نے یہاں مضاف الیہم کے بجائے یا تو اردو قواعد کی رو سے مضاف الیہ ہونا چاہیے یا جیسا ... عربی میں غیر ذی روح (NON LIVING THING) کی جمع کے لیے ... ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں ان کی یہی صورتیں آنی چاہئیں . . . ''

یہاں ایک امر قابلِ غور و توجہ ہے وہ یہ کہ مقالہ نگار نے لفظ 'ماعون' کو مومنون، منافقون اور کافرون کی فہرست میں شامل کیا ہے جب کہ یہ اسم واحد ہے اور اس کی جمع مَوَاعِیْنُ آتی ہے۔ اس سے مراد تمام ضرورت کی اشیاء مثلاً ہنڈیاں، ڈول، کلہاڑی، ترازو، نمک، پانی، آگ وغیرہ ہیں جو عموماً لوگ ایک دوسرے سے عاریۃً مانگتے رہتے ہیں۔ بعض مفسرین نے اس کا ترجمہ زکوٰۃ بھی کیا ہے[1] اس کے علاوہ اس کا استعمال اسم جنس (COLLECTIVE NOUN) کی حیثیت سے بھی ہوتا ہے۔ اور اس سورہ میں اسی طور پر ہوا ہے غالباً اس کے 'ون' سے موصوف کو مغالطہ ہو گیا ہے اور اس طرح سے لاشعوری طور پر انھوں نے اس لفظ کو جمع مذکر سالم سمجھ کر مومنون و کافرون وغیرہ کی فہرست میں شامل کر دیا ہے۔ اس کے اسم واحد یا اسم جنس (COLLECTIVE NOUN) ہونے کی سب سے بڑی دلیل آیت ،میں اس کا بحیثیت مفعول استعمال ہونا اور اس کے آخری حرف نون کا مفتوح ہونا ہے۔ اگر یہ جمع مذکر سالم ہوتا تو اس کی مفعولی شکل اَلْمَاعِیْنَ ہوتی۔ اس سورہ کا نام جو ترکیب اضافی کی صورت میں ہے اور جس میں الماعون مضاف الیہ کے طور پر آیا ہے اور جس کا آخری حرف 'ن' مکسور ہے بھی یہی پتہ چلتا ہے۔ اگر الماعون جمع مذکر سالم ہوتا تو اس کا نون مکسور نہ ہوتا بلکہ مفتوح ہوتا۔ اب ہم اصل موضوع یعنی اضافی صورت میں بھی المومنون، المنافقون اور الکافرون فاعلی حالت میں کیوں ہیں' کی طرف توجہ کرتے ہیں۔

قرآن کی سورتوں کے نام اپنی آیات کے کسی نہ کسی لفظ سے ماخوذ ہیں۔ اگر وہ لفظ واحد، جمع مکسر یا جمع مؤنث سالم (الکوثر، البروج اور النزعات) ہے تو اضافی صورت میں اس کے آخری حرف کو کسرہ ہے خواہ آیت میں اس لفظ کا اعراب کچھ بھی ہو، مثلاً "الکوثرَ" اَلْکَوْثَرِ، اَلتَّکَاثُرُ' اَلتَّکَاثُرِ اور اَلْقَارِعَةُ' اَلْقَارِعَةِ ہے ایسا غالباً اس لیے ہے کہ اہلِ عرب آخری حرف کے اعراب کو نہیں پڑھتے جس کی وجہ سے لفظ کی شکل میں کوئی

---

[1] دیکھیے تفہیم القرآن جلد ششم مطبوعہ ۱۹۷۴ء ص ۸، ۵، ۴۸۔ (A DICTIONARY OF MODERN AR—ABIC LITERATURE) از (J.M.COWAN) مطبوعہ ۱۹۷۲ء لفظ معن "مصباح اللغات از عبدالحفیظ بلیاوی مطبوعہ ۱۹۶۲ء لفظ معن" اور (THE KORAN) از (GEORGE SALE) مطبوعہ لندن ص ۵۹۳۔ لفظ ماعون قرآن میں صرف ایک ہی جگہ آیا ہے (دیکھیے سورۃ الماعون) عرب کے مشہور شاعر الاعشیٰ نے بھی اس کا استعمال اپنے قصیدہ میں کیا ہے۔ اس کے اشتقاق کے متعلق اختلاف رائے ہے۔ بعض مفسرین اس کو معن سے مشتق قرار دیتے ہیں اور اس کا وزن "فَاعُوْلٌ" بتاتے ہیں جبکہ بعض کے نزدیک یہ عان سے مشتق ہے۔ بعض مستشرقین مثلاً (GEIGER) اور (RHODOKANAKIS) اس کو ایک عبرانی لفظ تسلیم کرتے ہیں (دیکھیے (FOREIGN VOCABULARY OF THE QURAN)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خاص تبدیلی واقع نہیں ہوتی اور لفظ کی تقریباً اصلی شکل برقرار رہتی ہے۔

اور اگر وہ لفظ فعل یا جمع مذکر سالم ہے تو اس کی اصلی شکل کو برقرار رکھنے کے لیے سورہ کے نام کی اضافی صورت میں بھی اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔ مثلاً عَبَسَ اور اَلَمْ نَشْرَحْ، اَلْمُؤْمِنُوْنَ، اَلْمُنَافِقُوْنَ اور اَلْکَافِرُوْنَ میں اضافی صورتوں میں بھی کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔ ایسے اعراب کو اعراب حکائی کہتے ہیں۔ اگر المؤمنون کو المؤمنین، المنافقون کو المنافقین اور الکافرون کو الکافرین کر دیا جاتا تو اس سے یہ تمیز باقی نہ رہتی کہ آیات میں آیا المومنون، المنافقون اور الکافرون کا استعمال ہوا ہے یا المؤمنین المنافقین اور الکافرین کا۔

سورہ المطففین کا نام اس سورہ کی پہلی آیت "وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ" کے لفظ المطففین سے ماخوذ ہے۔ اس سورہ کے نام کی ترکیب میں "المطففین" جو اضافی حالت میں آیا ہے اس کی وجہ اس کا مضاف الیہ ہونا نہیں ہے بلکہ آیت مذکورہ میں چونکہ اس کا استعمال مجروری حالت میں ہوا ہے اور مجروری اور اضافی حالت کے اعراب میں ظاہراً کوئی فرق نہیں ہوتا لہٰذا اس کو اسی حالت میں رکھا گیا ورنہ اگر آیت میں یہ فاعلی حالت میں آیا ہوتا تو نام میں اضافی حالت میں ہونے کے باوجود اس کی فاعلی حالت برقرار رہتی یعنی اس کی ترکیب سورۃ المطففون ہوتی۔

اسی طرح "سورہ بنی اسرائیل" میں لفظ "بنی" جو اضافی حالت میں ہے اس کی وجہ اس کا مضاف الیہ ہونا نہیں ہے بلکہ آیت ۴ میں اس کا استعمال مجروری حالت میں ہوا ہے اور اسی فقرے کو یہاں لا کر رکھ دیا گیا ہے: "وَقَضَیْنَآ اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ"۔

علاوہ ازیں چند سورتوں کے نام ایسے الفاظ سے ماخوذ ہیں جن کا استعمال آیات میں اس شکل میں نہیں ہوا ہے بلکہ فعل یا امر کے طور پر ہوا ہے۔ مثلاً اَلْمُجَادَلَۃ، اَلْمُمْتَحِنَۃ، اَلتَّکْوِیْر، اَلْاِنْفِطَار، اَلْاِنْشِقَاق وغیرہ جو بالترتیب تُجَادِلُ، اِمْتَحِنُوْا، کُوِّرَتْ، اِنْفَطَرَتْ اور اِنْشَقَّتْ سے ماخوذ ہیں۔

سورہ یوسف آیت ۳۲ میں "لَیَکُوْنًا"، "لَیَکُوْنَنْ" یا "لَیَکُوْنَ" کا نہیں جیسا کہ فاضل مقالہ نگار نے ص ۳۵ پر خود فرمایا ہے بلکہ "لَیَکُوْنَنْ" (با نون بتاکید خفیفہ) کا املا ہے یعنی یہاں نون تاکید خفیفہ کو الف اور تنوین کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ اس کا املا خلاف قاعدہ اس لیے آیا ہے تاکہ نون ثقیلہ اور نون خفیفہ کے مابین فرق کیا جا سکے۔ لَیَکُوْنَنَّ یہاں اس لیے نہیں ہو سکتا کہ وزن میں خلل واقع ہو جائے گا۔ اگر آیت وَلَئِنْ لَّمْ یَفْعَلْ مَآ اٰمُرُہٗ لَیُسْجَنَنَّ وَلَیَکُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِیْنَ ○ اور اگر وہ میرا کہنا نہ کرے گا تو بیشک جیل خانہ بھیجا جائے گا اور بے عزت بھی ہوگا)۔ کو وَلَئِنْ لَّمْ یَفْعَلْ مَآ اٰمُرُہٗ لَیُسْجَنَنَّ وَلَیَکُوْنَنَّ مِّنَ الصّٰغِرِیْنَ پڑھا جائے تو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اختلالِ وزن صاف ظاہر ہو جائے گا۔ اس کی دوسری مثال سورہ علق کی آیت ۱۵ "لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ" ہے۔ اس میں بھی لَنَسْفَعَنْ کا املا خلافِ قیاس لَنَسْفَعًا ہے۔

سورہ ۲۴ آیت ۳۷ میں اِقَامَةِ الصَّلٰوةِ کے بجائے اِقَامِ الصَّلٰوةِ کی غیر قیاسی صورت بحث کرنے سے پہلے قرآن کے چند فنی خوبیوں کا مختصر جائزہ لینا ضروری ہے۔

قرآن نے شعر اور نثر دونوں کی خوبیوں کو اپنے اندر سمو لیا ہے۔ قرآن وزن اور قافیہ کی پابندیوں سے آزاد ہے اور اس طرح اس میں حریت تعبیر بیان کا وصف پوری طرح موجود ہے جس سے شعر عاری ہے اس کے ساتھ ساتھ قرآن نے شعری اوصاف میں سے داخلی موسیقی اپنے اندر سمو لیا ہے۔ تلاوت کے وقت انسان محسوس کرتا ہے کہ قرآن میں صوتی حسن اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ اس کا ظہور عموماً مختصر سورہ آیات میں ہوتا ہے جہاں اواخر آیات قریب قریب ہوتے ہیں یا ان مقامات پر جہاں کسی واقعہ کی تصویر و تعیین مطلوب ہوتی ہے۔ لمبی سورتوں میں کسی حد تک یہ ہم آہنگی خفا میں چلی جاتی ہے (قرآن کے فنی محاسن از سید قطب مطبوعہ ۱۹۸۳ء دہلی ص ۱۲۵)

مثال کے طور پر سورہ رحمٰن کی تلاوت:

اَلرَّحْمٰنُ ۝۱ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝۲ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝۳ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝۴ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝۵ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ۝۶ وَالسَّمَاۗءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۝۷ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ۝۸ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ۝۹ (سورۃ الرحمٰن آیات ۱ تا ۹)

ترجمہ: رحمٰن نے (اس) قرآن کی تعلیم دی اس نے انسان کو پیدا کیا اور اسی نے بولنا سکھایا۔ سورج اور چاند ایک حساب کے پابند ہیں اور تارے اور درخت سب سجدہ ریز ہیں آسمان کو اس نے بلند کیا اور میزان قائم کر دی (اس کا تقاضا ہے کہ) میزان میں خلل ڈالو انصاف کے ساتھ ٹھیک ٹھیک تولو اور ترازو میں ڈنڈی نہ مارو۔

ان آیات کے فواصل (اواخر آیات) ہم قافیہ ہیں اور وزن بھی تقریباً برابر ہیں۔ وزن و قافیہ کے اتحاد اور حرف الفی کی تکرار سے ان آیات میں موسیقیت اور رعنائیت پیدا ہو گئی ہے۔

بعض آیات کے فواصل سے تو نظر آتا ہے کہ ان میں ارادی طور پر صوتی ہم آہنگی ملحوظ رکھی گئی ہے مثلاً

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ۝ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ۝ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ۝ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ۝ (سورۃ النجم ۱۹ تا ۲۲)

ترجمہ: بھلا تم لوگوں نے لات اور عزیٰ کو دیکھا اور تیسرے منات کو (کہ یہ بت کہیں خدا ہو سکتے ہیں) (مشرکو) کیا تمہارے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیے بیٹے اور خدا کے لیے بیٹیاں ہیں۔ یہ تقسیم تو بہت بے انصافی کی ہے۔

آیت "أَفَرَءَيْتُمُ اللَّٰتَ وَالْعُزَّىٰ ۝ وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ ۝ أَفَرَءَيْتُمُ اللَّٰتَ وَالْعُزَّىٰ ۝ وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ ۝ اگر یوں ہوتی قافیہ میں فرق پڑ جاتا اور دھن باقی نہ رہتی۔

اسی طرح یہ آیت: أَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْأُنثَىٰ ۝ تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ ۝ "أَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْأُنثَىٰ ۝ تِلْكَ قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ ۝ اگر یوں ہوتی تو وہ صوتی ہم آہنگی باقی نہ رہتی جو لفظ "اذن" کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے (قرآن کے فنی محاسن ص ۱۴۸)

یہاں یہ بات نہیں کہی جا سکتی کہ "الْأُخْرَىٰ" اور "إِذًا" دونوں لفظوں کو محض عبارت آرائی اور فقط وزن و قافیہ کے لیے غیر ضروری طور پر لایا گیا ہے۔ اس لیے کہ یہ الفاظ زائد نہیں بلکہ سیاق کلام کے بعض خصوصی نکات کے لیے ان کو لایا گیا ہے اور قرآن کریم کی ایک اور فنی خصوصیت ہے کہ کسی لفظ کو ایک خاص معنیٰ و مفہوم کی ادائیگی کے لیے لایا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ قرآن کے صوتی حسن و جمال میں بھی اس سے اضافہ ہوتا ہو۔ (ایضاً ۱۴۸)

صوتی ہم آہنگی اور موسیقیت کو برقرار رکھنے کے لیے قرآن میں دو طریقے اختیار کیے گئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ کلمات کی ترکیب و بندش ایسی ہے کہ اس کی وجہ سے عبارت میں ایک خاص قسم کی غنائیت پیدا ہو گئی ہے اور اگر نظم کلام میں تقدیم و تاخیر کر دی جائے تو عبارت میں خلل آجاتا ہے۔ مثلاً

ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّا ۝ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا ۝ قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا ۝ وَلَمْ أَكُن بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝ (مریم آیا-۴)

ترجمہ: یہ تمہارے پروردگار کی مہربانی کا بیان ہے جو اس نے اپنے بندے زکریا پر کی تھی جب انھوں نے اپنے پروردگار کو دبی آواز سے پکارا اور کہا اے میرے پروردگار میری ہڈیاں بڑھاپے کے سبب کمزور ہو گئی ہیں اور سر کے بال (بڑھاپے کی وجہ سے) سفید ہو گئے ہیں۔ اے میرے پروردگار میں تجھ سے مانگ کر کبھی محروم نہیں رہا۔

ان آیات میں اگر صرف اتنی تبدیلی کر دی جائے کہ "مِنِّي" کے لفظ کو "الْعَظْمُ" سے پہلے رکھ دیا جائے اور یوں کہا جائے کہ "قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ مِنِّي الْعَظْمُ" تو ایسے محسوس ہوگا جیسے کسی شعر کا وزن ٹوٹا ہوا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ "مِنی" کا توازن اس آیت کے ابتدائی لفظ "إِنِّي" کے ساتھ قائم کیا گیا ہے۔ یعنی اس طرح "قَالَ رَبِّ إِنِّي اور وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي" (ایضاً ص ۱۵۱)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرے یہ کہ متعدد مقامات پر بعض کلمات کی قیاسی صورت کو ایک خاص صورت میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔

اس کی مثال حضرت ابراہیمؑ کا یہ قول ہے جو قرآن کریم میں نقل کیا گیا ہے:

قَالَ أَفَرَءَيْتُم مَّا كُنتُمْ تَعْبُدُونَ ۝ أَنتُمْ وَآبَاؤُكُمُ الْأَقْدَمُونَ ۝ فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّي إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ ۝ الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ ۝ وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ ۝ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ ۝ وَالَّذِي يُمِيتُنِي ثُمَّ يُحْيِينِ ۝ وَالَّذِي أَطْمَعُ أَن يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ ۝ (الشعراء ۷۵ تا ۸۲)

ترجمہ: ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ تم نے دیکھا کہ جن کو تم اور تمہارے آباء و اجداد پوجتے رہے ہیں وہ میرے دشمن ہیں لیکن خدائے رب العالمین (میرا دوست حقیقی ہے) جس نے مجھے پیدا کیا۔ پس وہی مجھے راستہ دکھاتا ہے۔ اور وہی ہے جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ اور جب میں بیمار پڑ جاتا ہوں تو مجھے شفا بخشتا ہے۔ وہی ہے جو مجھے مارے گا اور پھر زندہ کرے گا۔ اور اس سے میں یہ امید (بھی) رکھتا ہوں کہ بروز قیامت وہ میرے گناہ بخش دے گا۔

مندرجہ صدر آیات میں يَهْدِينِ، يَسْقِينِ، يَشْفِينِ اور يُحْيِينِ کے کلمات کے آخر سے یائے متکلم کو حذف کر دیا گیا ہے تاکہ تَعْبُدُونَ، الْأَقْدَمُونَ کی طرح نون حرف قافیہ کو قائم رکھا جا سکے۔ (ایضاً ص ۱۴۹)

اسی طرح یہ آیت: ذَٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ فَارْتَدَّا عَلَىٰ آثَارِهِمَا قَصَصًا ۝ (موسیٰ نے کہا یہی تو وہ مقام ہے جسے ہم تلاش کرتے تھے تو وہ اپنے پاؤں کے نشان دیکھتے دیکھتے لوٹ گئے۔

اس آیت میں اگر قیاس کے مطابق "نبغی" پڑھا جائے تو وزن میں کافی حد تک خلل پڑ جاتا ہے (ایضاً ص ۱۵۰)

علی ھذا القیاس اگر مندرجہ ذیل آیات میں کلمہ کی یائے اصلی یا یائے متکلم کے آخر سے سکتہ کی ھاء کو حذف کر دیا جائے تو وزن قائم نہیں رہتا۔ (ایضاً ص ۱۵۰)

وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ ۝ فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا هِيَهْ ۝ نَارٌ حَامِيَةٌ ۝ (القارعہ ۸-۱۱)

ترجمہ: اور جس کے وزن ہلکے نکلیں گے اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہوگا۔ اور آپ کو کیا سمجھے کہ ہاویہ کیا چیز ہے۔ وہ ایک دہکتی ہوئی آگ ہے۔

نیز یہ آیات: فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَيَقُولُ هَاؤُمُ اقْرَءُوا كِتَابِيَهْ ۝ إِنِّي ظَنَنتُ أَنِّي مُلَاقٍ حِسَابِيَهْ ۝ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝ (الحاقہ ۱۹-۲۱)

ترجمہ: جس کا اعمال نامہ اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا وہ دوسروں سے کہے گا کہ لیجیے میرا نامۂ اعمال پڑھیے۔ مجھے یقین تھا کہ مجھے میرا حساب ضرور ملے گا۔ پس وہ شخص خوش گوار زندگی میں ہوگا۔

ان آیات میں اگر [illegible] اور حِسَابِيَهْ کے بجائے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حسابی کر دیا جائے تو عبارت ساقط از وزن ہو جائے گی۔

اس گفتگو کے بعد اب ہم اس مسئلے کو زیر بحث لاتے ہیں جو تشنہ رہ گیا ہے اور جس کے لیے اس قدر تفصیل کی ضرورت پیش آئی کیوں کہ اس کے بغیر اس کی وضاحت ممکن نہیں۔

اِقَامِ الصَّلٰوۃِ (۳۷:۲۴) کے 'اِقَام' کے آخر سے جو "ۃ" کو حذف کیا گیا ہے وہ وزن اور موسیقیت کو ملحوظ رکھ کر کیا گیا ہے۔ اگر یہاں قیاسی صورت کے مطابق "اِقَامَۃِ الصَّلٰوۃِ" ہوتا تو "ۃ" زائد معلوم ہوتی اور وزن میں خلل پڑ جاتا۔ پوری آیت یوں ہے:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ

فاضل مقالہ نگار نے اس فقرے کو نقل کیا ہے مگر اس کی غیر قیاسی صورت کی نشاندہی نہیں کی۔ یعنی یہ سوال نہیں اٹھایا کہ یہاں 'اِقَامَۃِ' کے بجائے 'اِقَام' کیوں ہے (دیکھیے تحقیقات اسلامی ص ۲۹) یہ اور اس طرح کی بہت ساری مثالیں قرآن کریم میں موجود ہیں۔

اس قسم کی تبدیلیاں صرف قرآن ہی میں نہیں پائی جاتیں بلکہ جاہلی شعرا کے کلام میں بھی ایسی مثالیں موجود ہیں۔ ان کے کلام کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت شعری کے پیش نظر قافیہ کے آخری حرف مجزوم کو عموماً مکسور کر دیا جاتا ہے۔ جیسے عنترہ کے قصیدے کا اہم واں شعر ملاحظہ ہو:

أَثْنِي عَلَيَّ بِمَا عَلِمْتِ فَإِنَّنِي   سَهْلٌ مُخَالَقَتِي إِذَا لَمْ أُظْلَمِ

ترجمہ: اے میری محبوبہ جو کچھ تجھے میری عمدہ باتیں معلوم ہیں تو ان کے ساتھ میری تعریف کر کیوں کہ میں جب نہ ستایا جاؤں تو میرا سلوک اور میرے اخلاق نرم ہوتے ہیں۔

اس میں قافیہ "أُظْلَمِ" جس پر "لَمْ" دو حرف نفی کا اضافہ ہوا ہے کا آخری حرف "م" مجزوم کے بجائے ضرورت شعری کی وجہ سے مکسور ہے۔ اس شعر میں یہ بھی قابل غور ہے کہ "مُخَالَقَتِي" کی خبر "سَهْلَةٌ" کے بجائے خلاف قاعدہ "سَهْلٌ" ہے۔ ایسا ارادۃً اس لیے کیا گیا ہے تاکہ وزن میں خلل واقع نہ ہو۔

کبھی تو کسی غیر منصرف DIPTOTE لفظ کا آخری حرف بھی خلاف قیاس مکسور ہو جاتا ہے۔ مثلاً امرأالقیس کے قصیدے کا ۴۴واں شعر ملاحظہ ہو:

أَلَا أَيُّهَا اللَّيْلُ الطَّوِيلُ أَلَا انْجَلِي   بِصُبْحٍ وَمَا الْإِصْبَاحُ مِنْكَ بِأَمْثَلِ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترجمہ : (تو میں نے کہا) اے لمبی رات تو صبح کیوں نہیں ہو جاتی۔ مگر افسوس تیرا صبح کر دینا بھی میرے حق میں اچھا نہیں ہے۔ اس لیے کہ جو تکلیف مجھ کو رات میں ہے وہی تکلیف میرے لیے صبح میں موجود ہے۔

اس شعر میں "بِامْثَلَ" کی جگہ قصداً "بِامْثَلِ" کر دیا گیا ہے اور ایسا قافیہ میں مطابقت پیدا کرنے کے لیے کیا گیا ہے۔ غرض کہ اس قسم کی تبدیلیاں عربی شاعری میں نزول قرآن کے پہلے بھی جائز اور رائج تھیں :

یہ ایک ادنیٰ کوشش ہے جو استاد محترم پروفیسر محمد رفیق، سابق صدر شعبۂ عربی و فارسی الٰہ آباد یونیورسٹی کے زیر اہتمام منعقدہ درس قرآن کی نشستوں کی رہین منت ہے جن میں گاہے بہ گاہے شرکت کرتا رہا۔ زیر بحث مسائل کی صحیح اور اطمینان بخش توجیہ تو مفسرین اور ماہرین زبان کریں گے مگر مجھے امید ہے کہ یہ حقیر کوشش اس گفتگو کو آگے بڑھانے میں کسی حد تک ممد و معاون ثابت ہوگی۔ قرآن حکیم کے زیر بحث مسائل اور اس طرح کے دیگر تشنہ مسائل کی تحقیق واقعی سود مند نتائج کی حامل ہے۔ ان مسائل کو غیر ضروری سمجھ کر نظر انداز کرنا قرآنی آیات کی روح اور ان کے صحیح معنی و مفہوم نیز ان کی فنی خوبیوں کے سمجھنے میں رکاوٹ پیدا کرنے کے مترادف ہے۔

قرآن کا اعجاز در اصل اس کی فنی خوبیوں میں مضمر ہے۔ اگر اس میں وہ ساری خوبیاں موجود نہ ہوتیں جو ایک اعلیٰ فن پارے کیلیے ناگزیر ہوتی ہیں تو زبان عربی کا کوئی شاعر "لَیْسَ هٰذَا کَلَامَ الْبَشَرِ" (یہ انسان کا کلام نہیں ہے) کہنے پر مجبور نہ ہوتا۔ اس کتاب مبین کی فنی خصوصیات وہ خصوصیات ہیں جن کے آگے شعرائے عرب کی شاعرانہ صلاحیتوں نے جواب دے دیا اور وہ اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز رہے۔ اس کے فنی محاسن اور داخلی موسیقیت نے اشاعت اسلام میں بھی اہم رول ادا کیا ہے۔ کتنے صحابہؓ تو صرف اس کے اسلوب بیان کی سحر طرازی اور غنائیت سے متاثر ہو کر ہی مشرف بہ اسلام ہوئے جس کی سب سے نمایاں مثال شاعری کے نکتہ شناس حضرت عمر بن خطاب کی ہے

کتابیات :

۱۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی: تفہیم القرآن جلد ششم مطبوعہ دہلی ۱۹۸۴ء

۲۔ G.Sale : The Koran مطبوعہ لندن۔

۳۔ A.Jeffery : The Foreign Vocabulary of the Quran مطبوعہ بڑودہ ۱۹۳۸ء

۴۔ J.Penrice : A Dictionary And Glossary of The Koran مطبوعہ نئی دہلی ۱۹۷۸ء

۵۔ W.Wright : Grammar of the Arabic Language, Vol.2

۶۔ G.W.Thatcher : Arabic Grammar مطبوعہ نئی دہلی ۱۹۸۱ء

۷۔ David Cowan ; Modern Literary Arabic کیمرج ۱۹۷۸ء

۸۔ A.S.Tritton ; Teach yourself Arabic لندن ۱۹۶۲ء

۹۔ J.M.Cowan ; A Dictionary of Modern Written Arabic نیویارک ۱۹۷۶ء

۱۰۔ محمد نعیم الرحمن : اساس عربی، کراچی۔

۱۱۔ عبداللہ عبیدی سہروردی: A Grammar of Arabic Language کلکتہ ۱۹۳۸ء

۱۲۔ عبدالرحمن امرتسری: کتاب الصرف وکتاب النحو، لکھنؤ۔

۱۳۔ سید قطب شہید: قرآن کے فنی محاسن، دہلی ۱۹۸۳ء

●●

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن مجید کے املاو قواعد سے متعلق بعض مسائل

پروفیسر نذیر احمد

قرآن مجید کی تلاوت کے درمیان کچھ استثنائی مسائل سامنے آئے، ان میں سے بعض یہاں پیش کیے جاتے ہیں، یہ ایک مبتدیانہ گفتگو اور اہل علم کے سامنے اپنے اشکالات کا اظہار ہے۔

دستور زبان

جمع اور تثنیہ کا اجتماع :

سورۂ الرحمٰن (۵۵) کے تیسرے رکوع کی آیات ذیل قابل توجہ ہیں۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۚ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۙ ۴۶
ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ۚ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ
تَجْرِيٰنِ ۚ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ
فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ۚ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰي
فُرُشٍۢ بَطَاۗىِٕنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ۭ وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ۚ فَبِاَيِّ
اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ۙ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ
اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَاۗنٌّ ۚ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۚ

(آیات ۴۶ تا ۵۷)

وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ۚ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۙ ۶۲
مُدْهَاۗمَّتٰنِ ۚ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۚ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ
نَضَّاخَتٰنِ ۚ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نَخۡلٌ وَّ رُمَّانٌ ۚ﴿۶۸﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۚ﴿۶۹﴾ فِیۡہِنَّ خَیۡرٰتٌ
حِسَانٌ ۚ﴿۷۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۚ﴿۷۱﴾ (آیات ۶۲-۷۱)

اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا ہے اس کے لیے دو باغ ہیں، سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ اور وہ دونوں باغ کثیر شاخ والے ہوں گے سو، اے جن وانس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے، ان دو باغوں میں دو چشمے ہوں گے کہ بہتے چلے جائیں گے، سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے، ان دونوں باغوں میں ہر میوے کی دو دو قسمیں ہوں گی، سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے، وہ لوگ تکیہ لگائے ایسے فرشوں پر بیٹھے ہوں گے جن کے استر دبیز ریشم کے ہوں گے اور ان دونوں باغوں کا پھل بہت نزدیک ہوگا، سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے، ان میں نیچی نگاہ والیاں یعنی حوریں ہوں گی کہ ان جنتی لوگوں سے پہلے ان پر نہ کسی آدمی نے تصرف کیا ہوگا اور نہ جن نے، سو اے جن وانس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے، گویا وہ یاقوت اور مرجان ہیں، سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ (۴۶ تا ۵۹) اور ان دو باغوں سے کم درجے میں دو باغ اور ہیں، سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ یہ دونوں باغ گہرے سبز ہوں گے، سو اے جن وانس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان دو باغوں میں دو چشمے ہوں گے جو جوش مارتے ہوں گے، سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے ان دونوں باغوں میں میوے، کھجوریں اور انار ہوں گے، سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے، ان میں خوب سیرت خوب صورت عورتیں (حوریں) ہوں گی، سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔"

آیات ۴۶ تا ۵۷ میں جنت کے دو باغوں کا ذکر ہے، ان کے لیے اسم ضمیر اور صفت تثنیہ کی صورت میں آئے ہیں جیسے جنتان، ذواتا افنان، فیہما (دو بار)، جنتین۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن آخر میں ضمیر مونث جمع غائب انھیں دونوں باغوں کے لیے آئی ہے یعنی فیھن (فی + ھن)
بیان ماسبق کا تقاضا تھا کہ یہاں فیھما بطور تثنیہ آتی، لیکن اس کے بجائے "فیھن"
ہے جس کی توجیہ سے میں قاصر ہوں۔

اسی طرح آیات ۶۲ تا ۸۱ پر نظر ڈالنے سے یہ بات ظاہر ہے کہ ان میں علاوہ ان دو
باغوں کے جن کا ذکر آیات ۴۶ تا ۵۷ میں ہوا ہے دو اور باغوں کا بیان ہے اور ان کے لیے
ایک اسم، ایک صفت اور ایک ضمیر کا استعمال ہوا ہے یہ تینوں تثنیہ کے صیغے ہیں یعنی جنتان، مدہامتان
ہما (فیہما)، جنتان جنت سے اور مدہامتان مدہامت سے تثنیہ ہے، اس کے لیے تثنیہ کی ضمیر
(ہما) ۔ فیہما آتی ہے، اس کے فوراً بعد کلمہ فیھن ہے، جس میں ضمیر ھن کا مرجع جنتان ہی معلوم
ہوتے ہیں، اسم تثنیہ کے لیے ضمیر کا جمع میں استعمال شاذ ہے، اس کی توضیح کے لیے مزید
مثالوں کی ضرورت ہے۔

سورہ الصافات (۳۷) آیات ۱۱۵ تا ۱۲۲ میں تثنیہ اور جمع کا اجتماع ہے ملاحظہ ہو:

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰی مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ ۝ وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ
الْعَظِيْمِ ۝ وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ۝ وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ۝
وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ سَلٰمٌ
عَلٰی مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ ۝ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّهُمَا مِنْ
عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

ان آیات میں نجینٰھما، اٰتینٰھما، ھدینٰھما، علیھما، انھما میں ھما
ضمیر تثنیہ غائب ہے، ان کا مرجع موسیٰ و ہارون ہے، لیکن انھیں کے درمیان آیت ۱۱۶
میں دو کلمے نصرنٰھم اور ھم آئے ہیں، ان میں ضمیر ھم جمع مذکر غائب ہے، بظاہر
ممکن ہے کہ ان کا مرجع موسیٰ و ہارون و ان کی قوم ہو، یہ تینوں جمع کی صورت پیدا کر لیتے ہیں۔

(ب) واحد مونث غائب، تثنیہ اور جمع مذکر کا اجتماع۔

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ۝
فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ۝ وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ۝
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ۝

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ۝ (سورہ الحجر (۱۵) آیات ۷۲ - ۷۹)

آپ کی جان کی قسم وہ (قوم لوط کے اہل المدینہ) اپنی مستی میں مدہوش تھے، پس سورج نکلتے نکلتے ان کو آواز سخت نے آدبایا، پس ہم نے ان (بستیوں) کا اوپر کا تختہ تو نیچے کر دیا اور ان لوگوں پر کنکر کے پتھر برسانا شروع کیے اس واقعہ میں کئی نشانیاں ہیں اہل بصیرت کے لیے اور یہ (بستیاں) ایک آباد سڑک پر ملتی ہیں، ان (بستیوں) میں اہل ایمان کے لیے بڑی عبرت ہے۔ اور بن والے (حضرت شعیب کی قوم) بڑے ظالم تھے اور ہم نے ان سے بھی بدلہ لیا اور وہ دونوں (بستیاں) صاف سڑک پر واقع ہیں۔

یہ آیات قوم لوط اور قوم شعیب کے بیان کی حامل ہیں، ان میں حسب ذیل کلمات قابل غور ہیں: انهم، سکرتهم، فاخذتهم، علیهم، عالیها، سافلها، انها، منهم، انهما، پہلے چار لفظوں میں ضمیر هم جمع مذکر غائب ہے، ان کا مرجع "اہل المدینہ" ہے جو آیت ۶۷ میں موجود ہے، عالیها، سافلها، انها میں ضمیر واحد مونث غائب 'ها' ہے اس کا مرجع محذوف ہے "قریہ" (بستی) کی طرح کا کلمہ ہوگا، اور یہ کلمہ محذوف مونث ہوگا، اسی لیے اس کے لیے تین بار ضمیر مونث 'ها' آئی ہے، آٹھواں لفظ منهم ہے، اس میں ضمیر جمع مذکر غائب هم کا مرجع اصحاب الایکہ ہے، نواں کلمہ انهما ہے، اس میں هما تثنیہ غائب ہے، اس کا بھی مرجع محذوف ہے، سیاق و سباق کا تقاضا ہے کہ اس کو قریہ قوم لوط اور قریہ قوم شعیب قرار دیا جائے، اگرچہ اول الذکر کا بیان آیت ۷۶ میں ہو چکا ہے، اور آیت ۷۹ میں اس کی تکرار سے تثنیہ کا صیغہ پیدا کر لیا گیا ہے۔ زمخشری نے کشاف میں انهما کا مرجع قری قوم لوط و اصحاب الایکہ ہی قرار دیا ہے (ج ۲ ص ۵۶)

(ب) قرآن مجید میں کم از کم ۵ جگہ فعل پر "لا" نفی کے بجائے اثبات کے معنی پیدا کرتا ہے، اور اس کا استعمال مخصوص ہے "اُقسِم" (فعل مضارع واحد متکلم) کے ساتھ، مثالیں ملاحظہ ہوں۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ۝ (معارج : ۴۰)

پھر میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے رب کی کہ ہم اس پر قادر ہیں کہ دنیا میں...

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳/۲ لَآ أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۝ وَلَآ أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝
(سورہ القیامۃ (۷۵) آیات ۲،۱)

میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی اور قسم کھاتا ہوں ایسے نفس کی جو اپنے اوپر ملامت کرے۔

۴- فَلَآ أُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ۝ (سورہ الانشقاق (۸۴) آیت ۱۶)
سو میں قسم کھا کر کہتا ہوں شفق کی

لَآ أُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ (سورہ البلد (۹۰) آیت ۱
میں قسم کھاتا ہوں اس شہر (مکہ) کی

ان ساری مثالوں میں 'لا' سے نفی کے بجائے اثبات کے معنی پیدا کیے گئے ہیں۔ بادی النظر میں "لا اقسم" کے معنی ہیں، میں قسم نہیں کھاتا ہوں۔ ایک بات جو خصوصی طور پر قابل ذکر ہے وہ یہ کہ 'لا' کا یہ استعمال صرف لفظ اقسم کے ساتھ ہے، اور کسی دوسرے لفظ کے ساتھ نہیں ہے۔ اس کی وجہ تحقیق طلب ہے۔

قرآن مجید میں سورتوں کے نام ترکیب اضافی کی صورت میں ملتے ہیں جیسے سورۃ البقرہ، سورۃ الفیل، سورۃ الکوثر وغیرہ، ان میں مضاف الیہم یعنی البقرہ، الفیل، الکوثر مجرور ہیں لیکن کم از کم چار سورتیں ایسی ہیں جن میں مضاف الیہ اضافی صورت کے بجائے فاعلی شکل میں پائے جاتے ہیں سورۃ المومنون (۲۳) سورۃ المنافقون (۶۳) سورۃ الماعون (۱۰۷) سورۃ الکافرون (۱۰۹)

المومنون، المنافقون، الماعون، الکافرون، فاعلی حالت میں ہیں، حالانکہ ترکیب میں ان کی صورت مضاف الیہ کی ہے، ان چار لفظوں کی اضافی صورتیں المومنین، المنافقین، الماعین، الکافرین ہوں گی، اور ترکیب اضافی میں ان کی یہی صورتیں آنی چاہئیں، لیکن فاعلی صورت کا استعمال عجیب سا ہے، یہ امر بھی تحقیق طلب ہے، اگر سورتوں کے نام میں لفظ سورۃ محذوف قرار دیا جائے تو فاعلی صورتیں بالکل درست ہوں گی، لیکن ہندوستان اور بیرون ہند کے تمام مطبوعہ نسخوں میں یہ نام مرکب اضافی کی شکل میں پائے جاتے ہیں۔

قرآن مجید کی حسب ذیل آیات توجہ طلب ہیں:

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ ۝

سورۃ ابراہیم ۱۴، آیت ۴۰

وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَ
الصّٰبِرِينَ عَلٰى مَا أَصَابَهُمْ وَالْمُقِيمِي الصَّلٰوةِ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ
يُنْفِقُونَ ۝ سورۃ الحج ۲۲، آیت ۳۵

پہلی آیت میں "مقیم الصلوٰۃ" قابل غور ہے۔ 'مقیم' مفعول ہے فعل اجعلنی کا، اس بنا پر 'م' مفتوح ہے، اور "الصلوٰۃ" مضاف الیہ ہے اور 'ۃ' مکسور، دوسری آیت میں المقیمی الصلوٰۃ میں "المقیمی" اسم فاعل ہے "الصلوٰۃ" باوجود اس کے کہ مجرور ہے، اسی کا مفعول ہے، اس کے معنی یہ ہیں نمازوں کو قائم کرنے والے اور "المقیمی" خود مفعول ہے فعل 'بشّر' کا اب آیت ذیل پر غور کریں:

لٰكِنِ الرّٰسِخُونَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُونَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ
إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيمِينَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ
وَالْمُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ سورۃ النساء ۴، آیت ۱۶۲

اس میں فقرہ "المقیمین الصلوٰۃ" توجہ طلب ہے، "المقیمین" اسم فاعل ہے اور 'الصلوٰۃ' مفعول ہے جیسا کہ اس کے آخری حرف ۃ کے مفتوح ہونے سے واضح ہے اس کے معنی ہوئے نماز کو قائم کرنے والے، اگرچہ اس فقرہ کی تقریباً وہی صورت ہے جو سورۃ الحج کی آیت ۳۵ کے فقرے کی، مگر دونوں میں یہ واضح فرق ہے کہ آخر الذکر میں الصلوٰۃ مکسور اور سورہ نساء میں مفتوح ہے۔ یہ بات پوری طرح روشن ہے کہ سورہ حج والا اور نہ سورہ نساء والا فقرہ اضافی ترکیب میں ہے، اس لیے کہ دونوں فقرے کے پہلے الفاظ یعنی المقیمی اور المقیمین پر 'ال' آیا ہے جو ان کے مضاف ہونے میں مانع ہے، اسی بنا پر دونوں کے دوسرے دونوں لفظ یعنی الصلوٰۃ اور مضاف الیہ نہیں ہوسکتے۔ بنا بریں ان کو اسم فاعل کا مفعول قرار دیا گیا لیکن الصلوٰۃ کی حالت جری کی توجیہ سے ہم فی الحال ہیں قاصر ہیں۔

یہاں اس امر کی طرف اشارہ کر دینا ہے کہ لفظ "الصلوٰۃ" فعل کے مفعول کی حیثیت سے قرآن مجید میں متعدد بار آیا ہے اور ہر جگہ منصوب ہے یعنی الصلوٰۃ مثلاً

أَقِمِ الصَّلٰوةَ (۱۷ - ۷۸)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الذین یقیمون الصلوٰۃ (۵:۵۵، ۸:۳، ۲:۱۷، ۲۱:۴) البتہ مصدر کے ساتھ اضافی صورت ہے جیسے

واقام الصلوٰۃ (۲۴:۳۷)

کلمہ الصلوٰۃِ، مضاف الیہ ہے مصدر 'اِقام' کا، اس کا ترجمہ ہوگا: نماز کا قائم کرنا جب کہ اقمِ الصلوٰۃَ اور یقیمون الصلوٰۃَ میں الصلوٰۃ مفعول ہے اقم اور یقیمون کا اور اسی وجہ سے دونوں فقروں میں الصلوٰۃ منصوب یا مفتوح ہے۔

یہ تو ایک بات ہوئی، اب ہم سورہ ۲۲ آیت ۳۵ کے کلمہ: المقیمی اور سورہ ۴ آیت ۲۲ کے کلمہ المقیمین پر ایک نظر ڈالتے ہیں، کلمے کی یہ دونوں صورتیں حالت مفعولی میں ہیں، فاعلی حالت 'المقیمون' ہے، سورہ ۲۲ میں 'المقیمی' مفعول ہے بشر کا، لیکن سورہ ۴ میں کلمہ المقیمین، حالت فاعلی کا کام کرتا ہے، جیسا کہ سلسلے کے اور دوسرے الفاظ الراسخون' المومنون، الموتون والمومنون کے کام ہیں، لیکن قواعد عربی کی رو سے 'المقیمین' کی جگہ 'المقیمون' ہونا چاہیے، چنانچہ اس سلسلے میں کشاف میں ہے کہ مصحف عبداللہ میں والمقیمون (واو کے ساتھ) اور مالک دینار الجدری اور عیسی الثقفی کی یہی روایت ہے (ج ۱ ص ۴۵۷) لیکن قرآن کی عام قراءت 'المقیمین' ہے جس کی ترجیح کے وجوہ کی تلاش و تحقیق ایک نہایت مفید کام قرار پائے گا۔

عربی زبان میں ماضی منفی کے لیے فعل پر 'ما' کا اضافہ اور مضارع منفی کے لیے لا کا اضافہ ہوتا ہے جیسے ماضی منفی کی صورتیں:

وما ارسلنا — اور ہم نے نہیں بھیجے (۲۱:۷)

وما جعلناھم — اور ہم نے نہیں کیا ان کو (۲۱:۸)

وما خلقنا — اور نہیں پیدا کیا ہم نے (۲۱:۱۶)

مضارع منفی کی مثالیں:

لا یاکلون، نہیں کھاتے ہیں ۲۱:۸

افلا تعقلون کیا پھر تم نہیں سمجھتے ۲۱:۱۰

لا یکفون نہ روک سکیں گے ۲۱:۳۹

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لا یستطیون نہیں کر سکتے ۲۱:۴۳

لا یَضُرُّہٗ نہیں ضرر دے سکتا ہے۔ لا یَنۡفَعُہٗ نہیں نفع دیتا ہے (۱۲:۲۲)

لیکن ماضی منفی کی اس صورت کے برخلاف فعل پر لا بھی لاتے ہیں اور اس کی متعدد مثالیں قرآن پیش کرتا ہے۔

رَبَّنَا لَوۡلَاۤ اَرۡسَلۡتَ اِلَیۡنَا رَسُوۡلًا (۲۰: ۱۳۴، ۲۸: ۴۷)

(اے ہمارے رب آپ نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا)

فَلَا اقۡتَحَمَ الۡعَقَبَۃَ ﴿۱۱﴾ (۹۰-۱۱) (وہ دین کی گھاٹی میں سے نہیں نکلا)

فَلَا صَدَّقَ وَ لَا صَلّٰی ﴿۳۱﴾ (۷۵: ۳۱) (تو اس نے نہ تو تصدیق کی تھی اور نہ نماز پڑھی تھی)

ماضی 'لا' کا اضافہ عام اصول کے مطابق نہیں اس لیے یہاں چند مثالیں درج کر دی گئی ہیں۔

قرآن کریم میں کلمہ عباد مفعول کی صورت میں کئی جگہ آیا ہے، مفعولی حالتوں میں 'دال' منصوب یعنی مفتوح ہے، چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

یُضِلُّوۡا عِبَادَکَ (تیرے بندوں کو گمراہ کر دیں گے) (سورہ ۷۱ آیت ۲۷)۔

وَعَدَ الرَّحۡمٰنُ عِبَادَہٗ بِالۡغَیۡبِ (رحمٰن نے اپنے بندوں سے غائبانہ وعدہ فرمایا ہے) (۱۹: ۶۱)

یُبَشِّرُ اللّٰہُ عِبَادَہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

(یہی ہے جس کی بشارت اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دے رہا ہے جو ایمان لائے اور اچھے عمل کیے) (سورہ ۴۲ آیت ۲۳)

ذٰلِکَ یُخَوِّفُ اللّٰہُ بِہٖ عِبَادَہٗ (سورہ ۳۹، آیت ۱۶)

(یہ وہی عذاب ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے)

اب آیت ذیل پر غور کریں:

فَبَشِّرۡ عِبَادِ ﴿۱۷﴾ الَّذِیۡنَ یَسۡتَمِعُوۡنَ الۡقَوۡلَ

(پس آپ میرے بندوں کو خوشخبری سنا دیجئے جو اس کلام الٰہی کو غور سے سنتے ہیں)

عبادِ مفعول ہے فعل بَشِّرۡ کا، اس میں دال کے کسرہ سے دھوکہ نہ کھانا چاہیئے، دراصل یہ کسرہ 'ی' کا قائم مقام ہے یعنی عبادِ = عبادی، یہ 'ی' ضمیر متصل واحد متکلم ہے۔ قرآن مجید میں ضمیر متصل واحد متکلم کی نمائندگی زیر متعدد مقام پر ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ (۳: ۱۷۵) پس تم ان سے مت ڈرنا اور مجھ سے ہی ڈرنا۔

فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۔ (۵:۳) سو ان سے مت ڈرنا اور مجھ سے ڈرتے رہنا۔

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ (۵: ۴۴) سو تم بھی لوگوں سے اندیشہ مت کرو اور مجھ سے ڈرو۔

قرآن مجید میں موسیٰؑ اور ابراہیمؑ کے صحائف جمع کے ساتھ آئے ہیں، اس سلسلے میں حسب ذیل آیات ملاحظہ ہوں:

أَمْ لَمْ يُنَبَّأْ بِمَا فِي صُحُفِ مُوسَىٰ ۝ وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّىٰ ۝ (۵۳: ۳۶-۳۷)

کیا اس کو اس مضمون کی خبر نہیں جو موسیٰ کے صحیفوں میں ہے اور نیز ابراہیم کے جنہوں نے احکام کی پوری بجا آوری کی۔

إِنَّ هَٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ ۝ صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ ۝ (۸۷: ۱۸-۱۹)

یہ مضمون اگلے صحیفوں میں بھی ہے یعنی ابراہیم و موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں

صحف جمع ہے صحیفہ کی اور صحیفہ کی دو اور جمعیں ہیں صحائف اور صحاف، خلاصہ یہ کہ حضرت ابراہیمؑ وحضرت موسیٰؑ پر کئی صحائف نازل ہوئے، روح المعانی کی روایت ہے کہ حضرت ابراہیم پر دس صحیفے نازل ہوئے اور موسیٰ علیہ السلام پر قبل تورات کے دس، حضرت موسیٰ کے صحیفوں کے بارے میں دیکھئے ترجمہ قرآن یوسف علی ص ۱۴۴۹، ۱۷۲۵ شمارہ ۹۶: ۶۔

قرآن مجید میں الفاظ کا مطالعہ نہایت دلچسپ نتائج کا موجب ہوتا ہے، یہ موضوع بڑا وسیع ودقیق ہے، قدماء نے اس پر بڑا وقت صرف کیا ہے، میں صرف ایک مثال کا ذکر کروں گا اور وہ ہے لفظ "مُحْصَنَات" محصنات جمع ہے محصنہ کی اس کے معنی عام طور پر تین بتائے جاتے ہیں۔ زنِ پارسا، زنِ شوہردار، زنِ آزاد۔ قرآن مجید میں یہ لفظ ان تین معنوں کے علاوہ ایک اور معنی میں بھی آیا ہے یعنی منکوحہ بنائی جانے والی یا منکوحہ بنائی ہوئی۔

ذیل میں وہ سب آیات نقل کی جاتی ہیں جن میں لفظ محصنات مندرجہ بالا معانی میں استعمال ہوا ہے۔

(۱) جن عورتوں سے نکاح ممنوع ہے ان کے آخر میں "محصنات" ہیں بمعنی شوہر دار عورتیں۔ ملاحظہ ہو:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ ....

وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ (۴: ۲۳-۲۴)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تم پر حرام کی گئی ہیں تمہاری مائیں، بیٹیاں، بہنیں ..... اور وہ عورتیں جو کہ شوہر والیاں ہیں مگر جو تمہاری مملوک ہو جائیں۔

(۲) محصنات بمعنی آزاد عورتیں۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ۔ (۴ : ۲۵)

اور جو شخص تم میں پوری وسعت اور گنجائش نہ رکھتا ہو آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی تو وہ اپنے آپس کی مسلمان باندیوں سے جو تم لوگوں کی مملوکہ ہیں نکاح کرے۔

غور کرنے کی بات ہے کہ نمبر ۱ کے ذیل میں جو آیات نقل ہیں، ان کی ترتیب میں "محصنات" شادی شدہ عورتیں، ان سے نکاح حرام، اور مندرجہ بالا آیت میں محصنات ان آزاد عورتیں کے لیے آیا ہے جن سے شادی کرنا جائز ہے۔ معنوں ان نازک فرق کا لحاظ نہ رکھنے سے، آدمی کتنی گمراہی میں پڑ سکتا ہے؟

سورہ ۴ کی آیت ۲۵ میں ایک بار پھر یہ لفظ (محصنات) باندی کے مقابل استعمال ہوا ہے، باندیوں سے نکاح کے ذکر کے بعد آیت مذکور میں یہ الفاظ آئے ہیں:

فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ۔ (۴ : ۲۵)

پھر اگر وہ (باندیاں جن سے نکاح ہو گیا) بڑی بے حیائی کا کام کریں تو ان پر اس سزا سے نصف سزا ہو گی جو آزاد عورتوں پر ہوتی ہے۔

(۳) مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ۔

اسی سورہ چہارم کی ۲۵ ویں آیت میں مندرجہ بالا الفاظ بھی ہیں جن کا ترجمہ یہ ہو گا:

اس طور پر کہ وہ منکوحہ بنائی جائیں، نہ علانیہ بدکاری کرنے والی ہوں اور نہ خفیہ آشنائی کرنے والی۔

یہاں اس کلمہ کا استعمال بطور صفت کے ہوا ہے، نہ بمعنی منکوحہ بنائی ہوئی۔

(۴) محصنات بمعنی پاکدامن عورت چند جگہ آیا ہے۔

اَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۖ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۖ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور جو لوگ کتاب دئے گئے ہیں ان کا ذبیحہ تم کو حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کو حلال ہے، اور پارسا عورتیں بھی جو مسلمان ہوں اور پارسا عورتیں ان لوگوں میں سے بھی جو تم سے پہلے کتاب دئے گئے ہیں۔

ب - وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ (۲۴:۴)

اور جو لوگ (زنا کی) تہمت لگائیں پاک دامن عورتوں کو اور پھر چار گواہ (اپنے دعوی پر) نہ لا سکیں تو......

ج - اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (۲۴:۲۳)

جو لوگ تہمت لگاتے ہیں ان عورتوں کو جو پاکدامن ہیں، اور ایسی باتوں کے کرنے سے بالکل بے خبر ہیں اور ایمان والیاں ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی جاتی ہے۔

تفصیلات بالا سے واضح ہے کہ قرآن کریم میں "المحصنات" کم از کم چار معنوں میں استعمال ہوا ہے، ان معنوں کے لیے کلام عرب سے مزید شہادت تلاش کرنے سے قرآن کی تفہیم میں بڑی مدد ملے گی۔

قرآن مجید میں حروف مقطعات "آلٓمٓ" حسب ذیل سورتوں کی ابتدا میں آئے ہیں۔

سورہ البقرہ (۲) آل عمران (۳) العنکبوت (۲۹) الروم (۳۰) لقمان (۳۱) السجدہ (۳۲)

ان میں سوائے آل عمران کے تمام سورتوں میں "آلٓمٓ" کے بعد آیت کا نشان ہے اور اس پر 'ج' علامت وقف ہے، اور آل عمران 'آلٓمٓ' کے بعد نشان آیت پر علامت وقف لا ہے، جس میں ٹھہرا بھی جا سکتا ہے اور نہیں بھی ٹھہرا جا سکتا، آل عمران اور عنکبوت کے علاوہ اور سورتوں میں آیت کے بعد کے لفظ کا پہلا حرف مصمت یعنی CONSONANT ہے، البقرہ میں ذلک کی ذال، الروم میں غلبت کی غ، لقمٰن میں تلک کی ت، السجدہ میں تنزیل کی ت، آل عمران میں اللہ اور العنکبوت میں اَحسب۔ اگرچہ ان دونوں سورتوں میں آنے والے دونوں الفاظ کا پہلا حرف الف ہے، لیکن اول الذکر میں اللہ کا الف بغیر کسی علامت کے ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ الف پڑھنے میں نہیں آتا، ایک قابل ذکر بات ہے کہ آلٓمٓ کے تینوں حرفوں پر تین علامات ممدودہ ہیں لیکن سورہ آل عمران میں الم کے پہلے دونوں حرفوں پر علامت ممدود اور تیسرے حرف پر علامت ممدود و مفتوح دونوں ہے، علامت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مفتوح کا تقاضا ہے کہ اس کو بعد والے لفظ سے ملا کر پڑھا جائے۔ اس صورت میں الم میں تیسرا حرف، حرف مقطعات قرار نہیں دیا جا سکتا، البتہ اس پر مد بھی ہے، کیا اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ آل عمران کے شروع میں جو الم ہے، اس میں ا،ل تو حروف مقطعات ہیں اور م حرف مقطعات میں شامل بھی ہے، اور نہیں بھی ہے۔ میرے پیش نظر قرآن مجید کا ایک نسخہ ہے جس پر ایک مفصل مقدمہ[1] ہے، اس میں ایسے ۱۸ الفاظ کی فہرست درج ہے جن میں الف نہیں پڑھا جاتا، ان میں سب سے پہلی مثال سورہ آل عمران دوسری آیت کے پہلے لفظ اللہ کی ہے، اس کے بموجب اللہ کی الف پڑھنے میں نہیں آتی، یا اس کو حرف مقطعات 'م' سے ملا کر پڑھنا چاہیئے۔

قرآن مجید میں فقرہ "اصحابُ الأَيكة" چار جگہ آیا ہے،

سورۃ الحجر (۱۵) آیت ۷۸

سورۃ صٓ (۳۸) آیت ۱۳

سورۃ قٓ (۵۰) آیت ۱۴

اور اس فقرے کا املا دو طرح پر ہے:

سورۃ الحجر اور سورۃ قٓ میں متداول املا ہے: یعنی "أصحاب الایکہ" لیکن سورۃ الشعراء اور سورۃ ص میں "الایکہ" میں اضافت کی الف محذوف ہے یعنی اصحابُ لئیکۃ اصحابُ لئیکۃ واضح ہے اصل املا وہی ہے جو الحجر اور قٓ میں ہے یعنی اصحٰب الایکہ یا اصحاب الئیکۃ، اضافت کی الف کا حذف قرآن کا مخصوص املا ہے جو ابتدا میں سہو کاتب رہا ہو، سہو کاتب اس لیے کہہ رہا ہوں کہ عربی دستور کے لحاظ سے اضافت کی علامت ال ہے صرف 'ل' نہیں، بہر حال یہ سہو اتنا ہر دل عزیز ہوا کہ بعد ازاں یہی قرآن کا املا قرار پایا، چنانچہ تمام نسخوں میں الشعراء اور صٓ میں یہ فقرہ حذف 'الف' کے ساتھ نقل ہوتا چلا آرہا ہے، اور اب ان دونوں جگہوں پر اسی طرح لکھا جانا صحیح ہے اور اضافہ غلط۔

---

[1] طبع ۱۹۲۷ء کارخانہ نور محمد قریب جامع مسجد دہلی، معجز نما متوسط قرآن شریف مترجم۔ یہی نسخہ حال میں کتب خانہ رشیدیہ دہلی نے شائع کیا ہے۔ اس کے صفحہ ۵۹ پر ان ۱۸ مقام کا ذکر ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سورۂ یوسف آیت ۳۲ میں لیکونن یا لیکُونَنّ کا املا لیکُونا[1] آیا ہے۔

وَلَئِن لَّمْ يَفْعَلْ مَا آمُرُهُ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُونًا مِّنَ الصَّاغِرِينَ ۝

اور اگر آیندہ میرا کہنا نہ کرے گا تو بے شک جیل خانہ بھیجا جاوے گا اور بے عزت بھی ہوگا۔

عربی زبان میں علامت تنوین دو زبر، دو پیش، دو زیر اسم یا صفت پر آتی ہے اور اس سے اس کی کیفیت یا حالت کا اظہار ہوتا ہے، اسم ہو تو فاعلی، مفعولی، جاری حالت ہے، صفت ہے تو اسم کے تابع ہے، لیکن آیت بالا میں "فعل" پر ہے دراصل اس کی اصلی صورت لیکونن یا لیکونَنّ ہے، جس میں 'ل' اور آخری نون تاکیدی ہیں، اصل کلمہ یکون ہے، یہ بات قابل ذکر ہے کہ لیکونَنّ، لتکونَنّ، تکونَنّ یا فتکون، فیکون، لتکون، لیکونن چند جگہ قرآن میں آیا ہے۔

لتکونَنّ ۲۶ : ۱۱۶ - ۱۶۷ - ۳۹ : ۶۵

تکونَنّ ۲ : ۱۶۶ - ۶ : ۱۴ - ۳۵ : ۱۱۴

لیکونَنّ ۳۵ : ۴۲ وغیرہ

پس لیکونن یا لیکونَنّ کے بجائے املا کی اس نئی صورت "لیکونا" کا انتخاب کسی مخصوص بنا پر ہوا ہوگا، اس کی تلاش و تحقیق دلچسپ اور نتیجہ خیز ہو سکتی ہے۔

قرآن مجید میں بعض الفاظ پر جو "ل" سے شروع ہوتے ہیں، جب "ال" آتا ہے تو املا میں ایک 'ل' گر جاتا ہے، ان میں تین چار لفظ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں:

اَلَّذِی

اَلَّتِی

اَلَّذِین

اَلَّیل

ان کے برعکس اللّطیف ۶ : ۱۰۳ ھو اللطیف الخبیر

---

[1] وقرئ (ولیکونا) بالتشدید والتخفیف والتخفیفُ أولی، لِاَنّ النّونَ کتبت فی المصحف الفاعلی حکم الوقف وذلك لایکون اِلّا فی التخفیف. کشاف ج ۲ ص ۳۶۴

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۶۷ : ۱۴ هو اللطيف الخبير

اللاعبين ۲۱ : ۵۵ أم أنت من اللاعبين

لهم اللعنة ۱۳: ۲۵، ۴۰: ۵۲ اللعنة ۱۳: [illegible] ، ۱۵: ۳۵

عليك اللعنة

اللاعنون ۲ : ۱۵۹ ويلعنهم اللاعنون

لا يؤاخذكم الله باللغو في أيمانكم، عن اللغو معرضون اللغو ۲۳ : ۳،

۲۸ : ۵۵ وإذا سمعوا اللغو

اللهب ۷۷ : ۳۱ ولا يغني من اللهب

اللهو ۶۲ : ۱۱ خير من اللهو

میں دونوں لام آئے ہیں۔ ضمناً عرض ہے کہ قرآن کے بعض نسخے جو ایران میں طبع ہوئے ہیں اور قرآن کی آیات جو بطور کتبے خصوصاً مساجد پر ملتے ہیں، ان میں الذین، الیل، التی، الذی میں دو لام آئے ہیں، یاقوت رقم کے ہاتھ کا ایک نہایت خوبصورت نسخہ مولانا آزاد لائبریری میں ہے اس میں بھی کلمات بالا میں دو لام کا استعمال ہوا ہے۔ اس استثنائی صورت کے اصل کی تلاش و تحقیق شاید مفید ثابت ہو۔

قرآن مجید اس طرح کے مسائل سے پُر ہے، یہاں صرف چند مسائل کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے، اس طرح کے مسائل کی تحقیق سودمند نتائج کی حامل ہے، لیکن عام طور پر ادھر ان مسائل کو غیر ضروری سمجھ کر نظر انداز کیا جا رہا ہے، جو کسی طرح مناسب نہیں اور قدما کی پیروی کے خلاف بھی ہے۔

(تحقیقات اسلامی، اکتوبر۔ دسمبر ۸۶ء)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکیم نعیم الدین زبیری
پاکستان

قرآن اور مشکلات قرآن

اسلام کے زیر اثر جس علمی تحریک کی ابتدا ہوئی، اور اس تحریک کے نتیجے میں دنیا جن علوم سے متعارف ہوئی، ان میں تفسیر کلام الٰہی کا علم مرکزی اہمیت رکھتا ہے کہ دراصل یہ علم وحی ربانی کے فہم کی انسانی مساعی کا عنوان ہے۔

قرآن مجید کو شریعت اسلامی میں اولیت اور مرکزیت حاصل ہے اور اس بنا پر اس کتاب مقدس اور صحیفہ مکرم کی تشریح و توضیح کا علم ایک ایسی شمع کی حیثیت رکھتا ہے جو اپنے ماحول کی ہر سمت اور ہر گوشے کو منور کر دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم کو مسلمانوں کے تمام علوم کا منبع اور سرچشمہ قرار دیا جاتا ہے۔

امت مسلمہ میں ترویج و اشاعت اور تدوین علوم کا جو ذوق اس کتاب رحمت کے زیر اثر پیدا ہوا ہے اس نے دنیا کو ایک نئے طرز کے علمی انقلاب سے روشناس کرایا اور اس طرح مغازی و سیر، حدیث و احکام، تاریخ و رجال، انساب و تراجم اور اس نوع کے متعدد علوم کی تدوین ہوئی۔ یہ تمام علوم اور ان کے اصول و جزئیات، انسان کی فکری، علمی، عملی اور معاشرتی زندگی کی ضروریات کا مکمل سامان بن گئے۔

اسلام کی برپا کی ہوئی علمی تحریک کے فروغ نے اس نوخیز امت کو علم کا جویا بنا دیا۔ اور وہ دوسری اقوام کے علمی سرمائے کی طرف بھی متوجہ ہوئی جو جلد ہی اس کی دسترس میں آ گیا۔

ابتدائی دور میں جن علوم کو فروغ حاصل ہوا، وہ خالصاً دینی علوم تھے جن پر مسلمان کی سادہ زندگی اور اس کی ہر پیچیدگی سے پاک طرز فکر کی چھاپ نمایاں تھی۔ مگر جب اس درآمد کردہ سرمایۂ علوم نے فکر کو ژولیدہ اور سوچنے کے انداز کو پیچیدہ کرنا شروع کیا تو نئے مباحث پیدا ہونے لگے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نئی ضرورتوں نے سر اٹھایا اور نیا طرزِ اظہار ناگزیر ہوگیا۔ اس ضرورت کی تکمیل کے لیے عقاید و کلام، فلسفہ و حکمت، جدل و منطق اور مباحثہ و مناظرہ جیسے عقلی اور فکری علوم کا بازار گرم ہوا۔ علمیت کی اس نئی جہت نے سوچنے کے انداز بدلے۔ نئی اصطلاحات اور الفاظ کو وجود بخشا۔ طرزِ تعبیر و تشریح کا ایک جدید اسلوب متشکل ہونے لگا اور اس طرح ایک نیا علمی مذاق پیدا ہوگیا جس کی تشکیل محض مسلمان ذہن کی مرہونِ منت نہیں تھی!

کتاب و سنت جو اب تک خالص دینی علوم تھے۔ ان کے بعض از حد سادہ الفاظ و مفاہیم کو فلسفیانہ تعبیرات و اصطلاحات کا قالب دیا جانے لگا۔ ید اللہ، عرش و کرسی، استوا و ہبوط، خلق و ایجاد، دہر و عصر، قلب و نفس اور ان جیسے قرآنی الفاظ جن کا ایک انتہائی سادہ تصور ایک عام مسلمان کے ذہن میں تھا اور جو اُس اصل مضمون کی افہام و تفہیم کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں بنتا تھا۔ جس کے سیاق میں یہ الفاظ استعمال کیے گئے تھے۔ ان الفاظ کو اب فلسفیانہ اور کلامی اصطلاحات کی حیثیت دی جانے لگی۔

مسلمانوں کی علمی، فکری، اعتقادی نیز اجتماعی اور انفرادی زندگی میں اس صورت حال نے جو اثر ڈالا اور جو تبدیلیاں اس کی وجہ سے ان میں پیدا ہوئیں وہ اس گفتگو کا موضوع نہیں ہیں۔ اس لیے میں اس بات کو یہیں چھوڑتا ہوں، لیکن تسلسل کو باقی اور اصل مدعا تک پہنچنے کے لیے اس بات کی طرف اشارہ ضروری ہے کہ اس صورت حال میں فکر و اظہار کی وہ یکسانیت باقی نہیں رہ سکتی تھی جو ابتدائی ادوار میں امت کی امتیازی شناخت اور پہچان تھی۔ یکسانیت، ہم خیالی اور ہم زبانی کے اس فقدان نے فکری اور اعتقادی مذاہب و مسالک کے نمود میں بھرپور حصہ لیا۔ اوپر جن تبدیلیوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کا نمایاں اثر محض "علما" کے ایک خاص طبقے تک رہا، جن میں سے تقریباً ہر ایک کے ساتھ ایک گروہ ان کے متبعین کا ہوتا ہے۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے تربیت یافتہ عام آبادی کے لوگ خاص کر جزیرہ عرب میں ان آزمائشوں سے بڑی حد تک بے تعلق رہے۔ اختلافِ فکر و نظر پر مبنی ان گروہوں نے اعتقادی اور سیاسی شورشوں میں بھی کسی نہ کسی حد تک حصہ لیا۔ بہر صورت عام سوسائٹی کا ذہن دینی امور کے بارے میں صاف رہا اور ان کے لیے دینی مسائل و تعلقات اور اس کے ساتھ روزمرہ کے مسائل پر ان کے اطلاق کے لیے صرف

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتاب وسنت کا حوالہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے تربیت یافتہ علما کی آرا ہی مرجع بنی رہیں۔ اختلافات کی پیداوار اور ایسے مواد دینے والے لوگ یہ بات اچھی طرح سمجھتے تھے کہ ان کی بات کو نہ تو کوئی وزن دیا جائے گا نہ ایسے کوئی مقبولیت حاصل ہوگی، جب تک کہ وہ بھی کتاب وسنت کو اپنا مرجع نہ بنائیں۔ اس ضرورت کی تکمیل اس طرح ہوئی کہ ان دونوں مراجع کے مضامین ومفاہیم اور الفاظ ومدلولات کا تعین نئے سرے سے کی جانے لگی، وحی ربانی اور ارشادات وتعلیمات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح وتوضیح اب فلاسفہ یونان کے الفاظ اور ان کی وضع کردہ اصطلاحوں اور عبارتوں کے ذریعہ ہونے لگی۔ ہوتے ہوتے یہ اصطلاحیں، یہ الفاظ اور تراشیدہ تشریحات وتعبیرات عقلی افکار کے اظہار وابلاغ کا واحد ذریعہ بن گئیں۔ افکار کے حسن وقبح اور ان کے رد وقبول کا معیار ارسطو اور افلاطون کے نظریات کو قرار دیا جانے لگا۔

عہد رسالت اور خلافت راشدہ کے ابتدائی دور میں جو لوگ اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے ان کی اکثریت نے سادہ ذہن کے ساتھ اس دین کو قبول کیا۔ اور جب وہ ادھر کا رخ کرتے تو اپنی روایات کو یکلخت ترک کر کے آتے اور اپنے سابقہ افکار کو تج کر۔ مگر بعد کے ادوار میں یہ صورت قائم نہ رہی۔ اب اسلام میں داخل ہونے والے اور اسلامی طاقت کے آگے سرنگوں ہونے والے خاص کر غیر عرب ادھر آتے تو اپنے ساتھ اپنے سابقہ افکار وروایات کی گٹھری بھی لے کر آتے۔

یہ روایات اور یہ افکار ایک حد تک کتاب وسنت کے چشمۂ صافی کو مکدر کرنے کا سبب بنے۔ روایتی قصص وواقعات جن کا تعلق سابقہ امتوں سے رہا، اور اس دور کی شخصیات کو ان حوالوں سے روز افزوں اہمیت دینے کا رجحان بڑھنے لگا۔

اس طرح عربی زبان اسلامی دنیا میں اظہار وابلاغ اور درس ومطالعہ کا واحد ذریعہ تھی۔ اس زبان کے لسانی اصول نہ تو مدون تھے نہ ان کی کوئی ضرورت محسوس کی جاتی تھی مگر جب حالات بدلے اور اسلام میں غیر عرب افراد واقوام کی تعداد بڑھنے لگی تو لسانی قواعد واصول مرتب کرنا ایک ضرورت بن گیا۔ اس کے نتیجے میں عربی کے قواعد واصول مرتب ہوئے اور صرف، نحو، رسم الخط، تحریر وکتابت کے اسالیب، فصاحت وبلاغت اور عروض ومعانی کو بطور فن مدون کرنے کی مساعی کا آغاز ہوا۔ ان میں سے نحو، لغت وادب شعبے ایسے ہیں جن کی ضرورت کتاب وسنت کے معانی ومفاہیم کی تعیین میں بہت زیادہ رہی۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عربی لسانیات کے یہ اصول نزول قرآن کے بعد مرتب ہوئے۔ لیکن قرآن مجید کے الفاظ و عبارات اور تراکیب کو ان تراشیدہ اصولوں کی سان پر چڑھایا جانے لگا اور قرآنی تراکیب جو ان اصولوں کے مطابق قرار نہیں دی جا سکیں شواذ قرار دی گئیں۔

یہ تین عوامل ہیں جو درحقیقت ایک عام انسان اور قرآنی خطاب کے درمیان مشکلات کی دیوار حائل کرتے ہیں۔

ابن ندیم نے "مشکلات القرآن" پر لکھنے والے جن متقدمین کے نام بتائے ہیں۔ ان میں احمد بن علی اطہر جانی، ابوعبیدہ، فضل بن سلمی، علی بن عیسٰی الوزیر، عز الدین اور ابن قتیبہ لائق ذکر ہیں۔ متاخرین میں سے حضرت مولانا انور شاہ کشمیری کی کتاب بھی اس موضوع پر موجود ہے۔ پھر تفسیر کی ہر کتاب میں اس موضوع پر مواد موجود ہے۔ اگر اس سارے مواد کا جائزہ لیا جائے تو محتاط اندازے کے مطابق قرآن حکیم جو خود کو نور و ضیا، شفاء لما فی الصدور، ہدایت، کتاب مبین، غیر ذی عوج وغیرہ صفات کے ذریعہ متعارف کراتا ہے، اور دنیا میں بسنے والے تمام افراد کو بلاتخصیص یہ مژدہ سناتا ہے کہ یہ کلام ربانی ہی تنہا وہ آواز ہے جس پر حضور و استحضار قلب کے ساتھ کان دھرنے والا ابدی سعادت کا مستحق بن سکتا ہے اور جسے اس کتاب کے مقصد نزول کی تکمیل یعنی ذکر و نصیحت کے لئے اس کے نازل کرنے والے نے آسان بنا دیا ہے۔ اس کتاب میسر کا ایک معتدبہ حصہ مشکلات کے زیر عنوان آجاتا ہے جب کہ خود یہ مشکلات قرآن حکیم کی داخلی نہیں بلکہ ایجادی ہیں۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ کتب تفسیر میں اہل علم اور متخصصین کی دلچسپی کا انتہائی قیمتی مواد موجود ہے اور یہ مواد صرف تفسیر ہی نہیں متعدد دیگر علوم کی تحصیل کا بڑا موثر ذریعہ ہے۔ لیکن اس کی افادیت محض متخصصین کے لیے ہے اور اس عظیم ذخیرہ کتب کو صرف ان ہی کے لئے مخصوص ہونا چاہیئے۔ قرآن کے مخاطب "انسان" ہے، اس لیے اس کا بڑا حصہ محض مشکلات پر مشتمل ہے

قرآن فہمی کو ایک عام آدمی کی دسترس میں لانے کی ان ضرورت کا احساس سب سے پہلے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کو ہوا اور انھوں نے اپنے دور کے پڑھے لکھے لوگوں کی زبان فارسی میں تمام فنی مسائل کو نظر انداز کر کے ایک سادہ ترجمہ فرمایا۔ اس ترجمے نے انسان اور قرآن کا تعلق بڑھایا۔ اور ان کے درمیانی فاصلے کو کم کیا۔ مگر خود یہ بالو ترجمہ ہی الزام مترجم تیر و نشتر کا نشانہ بنا۔ شاہ صاحب کے بعد

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اردو میں اس کوشش کو جاری رکھا۔ اور بعد کے ادوار اور ماضی قریب میں خواجہ حسن نظامی صاحب نے ملا واحدی کے تعاون و اشتراک سے اور مولانا آزاد نے "ترجمان القرآن" کے ذریعے سے، مولانا مودودی نے "تفہیم القرآن" کے ذریعے سے خدمت انجام دی۔

ان حضرات کے افکار و آراء سے اختلاف کیا جا سکتا ہے، لیکن انھوں نے جو راہ دکھائی ہے اس پر مزید کوشش ہی وہ کام ہے جسے آج کے اس دور میں قرآن حکیم، اسلام اور انسان کی سب سے بڑی خدمت کا عنوان دیا جا سکتا ہے۔ آج ہم جس دنیا میں سانس لے رہے ہیں وہ ایک بیمار دنیا ہے سکون چین اور راحت سے خالی خوف اندیشوں، بے آرامیوں، محرومیوں اور ناکامیوں سے آباد۔ اس دنیا اور آج کے انسان کی تمام بیماریوں کی شفا قرآن حکیم ہے۔ اسے آسان زبان اور اسلوب میں اور ایک عام آدمی کے لیے قابل فہم شکل میں پیش کرنا، اور مشکلات کے پردے ہٹانا۔ حال اور مستقبل کی بہتری کی ضمانت ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ نزول قرآن کا اصل مقصد انسانوں کے لیے صراط مستقیم کی نشان دہی ہے۔ قرآن حکیم اسی غرض کی تکمیل کے لیے آسان بنایا گیا اور اسے نازل کرنے والے نے اسے عربی میں اتارا۔ کام جو کرنا ہے اور پوری اہمیت کے ساتھ کرنا ہے یہ ہے کہ اس عربی متن کی ترجمانی اس علاقے کے لوگوں کے لیے اردو میں ہی کیا جائے۔ انسان اور قرآن کے درمیان فاصلہ کم کرکے قربت پیدا کی جائے۔

خادمین قرآن سے صورت حال کا تقاضہ یہ ہے کہ ؎

تو برائے وصل کردن آمدی　　　نہ برائے فصل کردن آمدی

●●

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقالات پر بحث

ڈاکٹر عبداللہ یوسف الغنیم (کویت)

ہم سب لوگوں کی نجات قرآن کریم کی اتباع میں ہے۔کویتی حکومت نے قرآنی انسائیکلوپیڈیا تیار کرنے کا منصوبہ بنایا ہے جس میں امید ہے کہ خدا بخش کا یہ قرآنی سیمینار مدد و معاون ثابت ہوگا۔

ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیقی (علیگڑھ)

یہ بتانا بہت مشکل ہے کہ سب سے پہلے سورہ فاتحہ کی تفسیر و تشریح کس نے کی تاہم ایک روایت کے مطابق حضرت سلمان فارسی نے پہلی مرتبہ سورہ فاتحہ اور بعض اجزائے قرآن کا ترجمہ و تشریح کا فریضہ انجام دیا۔مولانا آزاد لائبریری (علیگڑھ) میں اس سلسلے کا قدیم ترین نسخہ "مرآۃ العارفین فی ملتمس زین العابدین" ہے جسے حضرت حسین بن علی ہاشمیؓ سے منسوب کیا گیا ہے۔

جناب شاہ اسماعیل (خدا بخش)

مرزا جان دہلوی نے اپنی تفسیر سورۃ الکوثر میں لفظ کوثر کی تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت کے بیان اور سورہ کوثر کی معنوی خوبیوں کے ضمن میں مرزا جان نے قصیدہ بردہ کے اشعار بھی نقل کیے ہیں، کتاب کا خاتمہ بھی اسی قصیدہ کے دو اشعار پر ہوتا ہے۔

ڈاکٹر فضل الرحمٰن گنوری (علیگڑھ)

تفسیری تحقیق کے لیے اشاریہ کی ضرورت ہے جو اب تک تیار نہیں ہو سکی ہے۔نیز تفسیر پر متوسط حجم کی کتابیں لکھنے کی طرف بھی توجہ کی ضرورت ہے۔بچوں کی استعداد کے مطابق تفسیری نصاب کی تیاری بھی ضروری ہونی چاہیے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر مجیب الرحمٰن

اعجاز القرآن کا پہلو تشنہ رہ گیا ہے جس پر علامہ سیوطی نے بہت حد تک روشنی ڈالی ہے اس پر بھی لکھنے کی ضرورت ہے۔

ڈاکٹر محمود الحسن (خدابخش)

ایک دوسرے سے متصادم تفسیر کی توضیح و تنقیح کی طرف بھی توجہ ضروری ہے۔

جناب ابو محفوظ الکریم المعصومی (کلکتہ)

مفردات قرآنی کی تحقیق پر مشتمل ایک ایسی لغت کی تدوین کی ضرورت ہے جس میں قرآنی سیاق و سباق میں اس کے معنی و مفہوم کو پیش کیا جائے۔ نیز عام لوگوں کے لیے نصوص قرآنی کی بنیاد پر تفسیری تصانیف کا اہتمام کیا جائے۔

حکیم نعیم الدین زبیری (پاکستان)

قرآن تمام علوم کا منبع اور سرچشمہ ہے اور ہر دور میں پیدا ہونے والے مسائل کا حل پیش کرتا ہے۔ دوسرے مفسرین کے مقابلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ وہ پہلے مفسر ہیں جنھوں نے تفسیر کو عام فہم بنانے کی ضرورت محسوس کی اور اس کے مطابق اپنی تفسیر لکھی۔

ڈاکٹر ظل عباس عباسی (علیگڑھ)

قرآن کی ایک عربی تفسیر "الامالی" مولانا عبید اللہ سندھی اور علامہ موسیٰ جار اللہ (روسی) کی مشترکہ تفسیر ہے جسے دونوں نے مدینہ منورہ کے قیام کے دوران قلمبند کیا تھا۔

جناب ابو محفوظ الکریم المعصومی (کلکتہ)

اس تفسیر کو دونوں کی مشترک تفسیر کہنا غلط ہوگا بلکہ واقعہ یہ ہے کہ مولانا عبید اللہ سندھی نے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسے املا کرایا اور علامہ موسیٰ جار اللہ نے قلمبند کیا۔

پروفیسر قمر آستاں (پاکستان)

ایک بہتر اور جامع تفسیری نصاب کی تیاری بھی ضروری ہے جو اسلامیات کی تعلیم میں ممد و معاون ثابت ہو سکے۔

پروفیسر قدرت اللہ فاطمی (پاکستان)

قرآن کی انڈکسنگ کی سخت ضرورت ہے۔ ایسے سیمیناروں کو مستقبل میں اہل علم تک محدود رکھا جائے تاکہ علمی مسائل پر کھل کر بحث ہو سکے۔ علمی مجلسوں میں عوام اور پریس کی شرکت غیر ضروری ہے۔

••

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

Commentaries of the Holy Qur'an

During Fourteen Hundred years

Khuda Bakhsh Oriental Public Library
Patna